



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 كِتَابُ تَطَابُ

# التَّحْقِيقُ

یعنی  
 سوانح قدس حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جلد چہارم

مستطاب بنو نبوت

اولاً

مقدمہ میں منہ نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصائص پر بحث ہے پھر قبل از ہر گز  
 دنیا کے تمدن ممالک اور خدو و صا لکے نب کی مذہبی و اخلاقی حالت کی تفصیل ہے

اور اس کے بعد

نبوت محمدی نے دنیا اور عرب کیلئے جس عظیم الشان اصلاح کا فرض انجام دیا، اسکا اجمالی بیان ہے اور  
 فی مشکلات، انجاء انسانیت و تبلیغ و دعوت اور اسکی کامیابی اور عکس عقائد کی اصلاح، شرک کے ہر پہلو  
 کی تردید، توحید کی تکمیل اسلامی عقائد کی تشریح، خدا اور اس کے صفات کا مکمل لکھنا، انبیاء و رسل الہی  
 کو درجہ جزا اور تقدیر پر ایمان کے مباحث اور انکے ضمن میں متذہبوں کی تشریح

تالیف

بہ تمام مسعود علی ہندی

مطبع و معاصرین مطبوعہ گزٹو





# ضمیمہ اول

## استدراک و تصحیح غلط

### سیرۃ الہی جلد اول طبع اول

معرفہ کی ناگہانی وفات کے باعث سیرت کے اوراق میں غلط و سائنات رہ گئے تھے، جنکی طرف بعض دوستوں نے متوجہ کیا اس لیے اُن پر استدراک کی ضرورت محسوس ہوئی، تاکہ کتاب ہر حیثیت سے صحیح اور قابل قبول ہو۔

### تصنیف و تصحیح غلط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶	۱۶	مشہور صحابہ کو دیکھا تھا	ایک صحابی (حضرت انس) کو دیکھا تھا۔
۱۷	۱۷	۲۱۳	۲۱۳
۱۸	۱۸	خاندان اشتم	مذابی بنی اشتم
۱۹	۱۹	۲۱۵	۲۱۵
۲۰	۲۰	حافظ ابن حجر	حافظ سخاوی
۲۱	۲۱	۲۱۷	۲۱۷
۲۲	۲۲	۲۱۸	۲۱۸
۲۳	۲۳	۲۱۹	۲۱۹
۲۴	۲۴	۲۲۰	۲۲۰
۲۵	۲۵	۲۲۱	۲۲۱
۲۶	۲۶	۲۲۲	۲۲۲
۲۷	۲۷	۲۲۳	۲۲۳
۲۸	۲۸	۲۲۴	۲۲۴
۲۹	۲۹	۲۲۵	۲۲۵
۳۰	۳۰	۲۲۶	۲۲۶
۳۱	۳۱	۲۲۷	۲۲۷
۳۲	۳۲	۲۲۸	۲۲۸
۳۳	۳۳	۲۲۹	۲۲۹
۳۴	۳۴	۲۳۰	۲۳۰
۳۵	۳۵	۲۳۱	۲۳۱
۳۶	۳۶	۲۳۲	۲۳۲
۳۷	۳۷	۲۳۳	۲۳۳
۳۸	۳۸	۲۳۴	۲۳۴
۳۹	۳۹	۲۳۵	۲۳۵
۴۰	۴۰	۲۳۶	۲۳۶
۴۱	۴۱	۲۳۷	۲۳۷
۴۲	۴۲	۲۳۸	۲۳۸
۴۳	۴۳	۲۳۹	۲۳۹
۴۴	۴۴	۲۴۰	۲۴۰
۴۵	۴۵	۲۴۱	۲۴۱
۴۶	۴۶	۲۴۲	۲۴۲
۴۷	۴۷	۲۴۳	۲۴۳
۴۸	۴۸	۲۴۴	۲۴۴
۴۹	۴۹	۲۴۵	۲۴۵
۵۰	۵۰	۲۴۶	۲۴۶
۵۱	۵۱	۲۴۷	۲۴۷
۵۲	۵۲	۲۴۸	۲۴۸
۵۳	۵۳	۲۴۹	۲۴۹
۵۴	۵۴	۲۵۰	۲۵۰
۵۵	۵۵	۲۵۱	۲۵۱
۵۶	۵۶	۲۵۲	۲۵۲
۵۷	۵۷	۲۵۳	۲۵۳
۵۸	۵۸	۲۵۴	۲۵۴
۵۹	۵۹	۲۵۵	۲۵۵
۶۰	۶۰	۲۵۶	۲۵۶
۶۱	۶۱	۲۵۷	۲۵۷
۶۲	۶۲	۲۵۸	۲۵۸
۶۳	۶۳	۲۵۹	۲۵۹
۶۴	۶۴	۲۶۰	۲۶۰
۶۵	۶۵	۲۶۱	۲۶۱
۶۶	۶۶	۲۶۲	۲۶۲
۶۷	۶۷	۲۶۳	۲۶۳
۶۸	۶۸	۲۶۴	۲۶۴
۶۹	۶۹	۲۶۵	۲۶۵
۷۰	۷۰	۲۶۶	۲۶۶
۷۱	۷۱	۲۶۷	۲۶۷
۷۲	۷۲	۲۶۸	۲۶۸
۷۳	۷۳	۲۶۹	۲۶۹
۷۴	۷۴	۲۷۰	۲۷۰
۷۵	۷۵	۲۷۱	۲۷۱
۷۶	۷۶	۲۷۲	۲۷۲
۷۷	۷۷	۲۷۳	۲۷۳
۷۸	۷۸	۲۷۴	۲۷۴
۷۹	۷۹	۲۷۵	۲۷۵
۸۰	۸۰	۲۷۶	۲۷۶
۸۱	۸۱	۲۷۷	۲۷۷
۸۲	۸۲	۲۷۸	۲۷۸
۸۳	۸۳	۲۷۹	۲۷۹
۸۴	۸۴	۲۸۰	۲۸۰
۸۵	۸۵	۲۸۱	۲۸۱
۸۶	۸۶	۲۸۲	۲۸۲
۸۷	۸۷	۲۸۳	۲۸۳
۸۸	۸۸	۲۸۴	۲۸۴
۸۹	۸۹	۲۸۵	۲۸۵
۹۰	۹۰	۲۸۶	۲۸۶
۹۱	۹۱	۲۸۷	۲۸۷
۹۲	۹۲	۲۸۸	۲۸۸
۹۳	۹۳	۲۸۹	۲۸۹
۹۴	۹۴	۲۹۰	۲۹۰
۹۵	۹۵	۲۹۱	۲۹۱
۹۶	۹۶	۲۹۲	۲۹۲
۹۷	۹۷	۲۹۳	۲۹۳
۹۸	۹۸	۲۹۴	۲۹۴
۹۹	۹۹	۲۹۵	۲۹۵
۱۰۰	۱۰۰	۲۹۶	۲۹۶



یہ کتاب مسند احمد بن حنبل (۲۴۱) میں ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی تصحیح و تصحیف کا کام کیا گیا ہے، تاکہ اس کی تصحیح ہو سکے۔



صفحہ	سطر	خط	صحیح	صفحہ	سطر	خط	صحیح
۳۳۶	۱۱	اور ہم محمد کے لیے اپنے بیٹوں اور ہم اپنے بیٹوں اور بی بیوں	۳۳۶	۹	تین مہینہ تک	ایک مہینہ تک	
۳۳۷	۹	اور بی بیوں کو بھول جاتے ہیں	۳۳۷	۷	سلاطین اور روسا کو دعوت (مسلم)	انھوں نے شہزادہ بھری یا	
۳۳۸	۹	یا موت کا راستہ نہ دیکھ لے	۳۳۸	۷	کے چھوٹے بیٹے کے تھے، ان میں قیصر روم کے نام ایک خدا کا	ایک خدا کا	
۳۳۹	۱۴	اصل تعداد سے	۳۳۹	۷	ایک خط قرمیل بن عمرو کے نام تھا عرب شام کے سرحدی	تھا، جو شری کا بادشاہ	
۳۴۰	۱۴	وہی مار گئے سے اُتار کر بھیجا	۳۴۰	۷	علاقوں میں جو عرب روسا	علاقوں میں جو عرب روسا	
۳۴۱	۱۴	بکر پر چڑھ کر وناہین آنا	۳۴۱	۷	سے اُتار کر بھیجا	سے اُتار کر بھیجا	
۳۴۲	۱۴	دیکر اور خیل و حارث اسود کے	۳۴۲	۷	اوٹ پرست روا	اوٹ پرست روا	
۳۴۳	۱۴	بیٹوں کے نام ہیں)	۳۴۳	۷	دکھانا دیا جائے	دکھانا دیا جائے	
۳۴۴	۳	انفال	۳۴۴	۷	نسار	نسار	
۳۴۵	۱	جو بخاری و سلم دونوں مذکور	۳۴۵	۷	جو صحیح مسلم اور مصنف ابن	جو صحیح مسلم اور مصنف ابن	
۳۴۶	۱	ہے۔	۳۴۶	۷	ابلی شیبہ میں ہے۔	ابلی شیبہ میں ہے۔	
۳۴۷	۱۴	اُس نے بدر سے واپس ہاکر	۳۴۷	۷	اُس نے بدر سے واپس ہاکر	اُس نے بدر سے واپس ہاکر	
۳۴۸	۹	اس کے بیٹے عثمان	۳۴۸	۷	اُس کے بھائی عثمان	اُس کے بھائی عثمان	
۳۴۹	۱۱	نیزہ بردار	۳۴۹	۷	نیزہ بردار	نیزہ بردار	
۳۵۰	۱	نعم بن مسعود ثقفی	۳۵۰	۷	نعم بن مسعود ثقفی	نعم بن مسعود ثقفی	
۳۵۱	۱۴	عام ارباب پر لکھتے ہیں کہ بخاری	۳۵۱	۷	عام ارباب پر لکھتے ہیں کہ بخاری	عام ارباب پر لکھتے ہیں کہ بخاری	
۳۵۲	۱۱	نے سہ ماہی میں وفات پائی،	۳۵۲	۷	بخاری نے سہ ماہی میں وفات پائی	بخاری نے سہ ماہی میں وفات پائی	
۳۵۳	۱۴	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، موت	۳۵۳	۷	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، موت	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، موت	
۳۵۴	۱۱	میں تشریف لے گئے تھے اور یہ	۳۵۴	۷	میں تشریف لے گئے تھے اور یہ	میں تشریف لے گئے تھے اور یہ	
۳۵۵	۱۱	بزرگوار کے خاندان سے بننا	۳۵۵	۷	بزرگوار کے خاندان سے بننا	بزرگوار کے خاندان سے بننا	
۳۵۶	۱۱	کی نماز پڑھائی لیکن یہ غلطی	۳۵۶	۷	کی نماز پڑھائی لیکن یہ غلطی	کی نماز پڑھائی لیکن یہ غلطی	
۳۵۷	۱۱	محمد مسلم میں تصریح کی جو کہ جس	۳۵۷	۷	محمد مسلم میں تصریح کی جو کہ جس	محمد مسلم میں تصریح کی جو کہ جس	
۳۵۸	۱۱	بخاری کی نماز جنازہ آپ پڑھی	۳۵۸	۷	بخاری کی نماز جنازہ آپ پڑھی	بخاری کی نماز جنازہ آپ پڑھی	
۳۵۹	۱۱	وہ یہ تھا کہ سابق بخاری تھا	۳۵۹	۷	یہ نہ تھا	یہ نہ تھا	
۳۶۰	۱۱	بخاری	۳۶۰	۷	بخاری	بخاری	
۳۶۱	۱۱	سید ابن جابر بن جابر	۳۶۱	۷	سید ابن جابر بن جابر	سید ابن جابر بن جابر	
۳۶۲	۱۱	ایک روایت میں ہے کہ	۳۶۲	۷	ایک روایت میں ہے کہ	ایک روایت میں ہے کہ	

مطبعی غلط

## فہرست مضمین سیرابی جلد ہفتم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۶	پہلا واقعہ	۲۹	نبی اور غیر نبی کے امتیازات		<b>مقدمہ</b>
۹۷	دوسرا واقعہ	۳۵	نبوت کے لوازم اور خصوصیات		<b>۱۵۹-۱</b>
۱۰۱	تیسرا واقعہ	۳۸	وہی استعداد	۱۵۹-۱	<b>منصب نبوت</b>
۱۰۲	چوتھا واقعہ	۴۱	غیبی علم	۱	کتاب کا موضوع
۱۰۳	پانچواں واقعہ	۴۱	علم انسانی کے اخذ	۲	آپ کے پیغمبرانہ کارنامے
۱۰۵	ایک غلط استدلال	۴۳	ذرائع علم کے حصول کے زمانے	۲	نبی اور مصلح اور حاکم
۱۰۸	عقل بشری		اور ان کے مراتب	۳	نبوت کی حقیقت اور خصوصیات
۱۱۱	ملکہ نبوت یا عقل نبوت کا شرعی ثبوت	۴۵	غیر مادی علم	۵	نبوت و رسالت کے ثبوت کا اجماعی طریقہ
۱۱۲	حکمت	۵۰	علم غیب		تفصیلی ثبوت کے تین طریقے
۱۲۲	کتاب و حکمت کی تعلیم	۵۲	غیب کی حقیقت	۶	پہلا طریقہ
۱۲۶	علم وحکم	۵۶	وحی اور ملکہ نبوت		دوسرا طریقہ
۱۲۷	شرح صدر	۵۸	کتاب اور سنت		تیسرا طریقہ
۱۳۱	تبین کتاب	۵۹	وحی متلو اور وحی غیر متلو	۷	نبی کی ضرورت
۱۳۶	ارادت	۶۲	احادیث قرآن کا بیان ابن	۹	نبی کی عصمت
۱۳۹	رسول کا وجود مستقل ثابت ہے	۶۲	الہام و اجتہاد و حکمت	۱۰	نبی کی محبت
۱۴۲	ترکیبہ	۶۴	اجتہاد نبوت		نبی کی محبت
۱۴۲	نور	۷۰	عصمت اور بیگناہی	۱۱	مصلحین
۱۴۴	آیات و ملکوت کی رویت	۷۸	بعض شبہات کا ازالہ		مصلحین کے اقسام
۱۴۵	سابع غیب	۸۱	نکتہ	۱۲	نبی کی دو بعثتیں
۱۴۸	تبلیغ و دعوت	۸۶	نبی کی بشریت	۱۳	بعثت کے لیے کسی قوم کا انتخاب
۱۵۳	ایک شبہ کا ازالہ	۹۴	اجتہاد نبوی میں خطا	۱۴	بعثت کا زمانہ
	انبیاء کی تعلیم کا امتیازی عقیدہ	۹۵	اس خطا کے معنی		نبی کی تقدیری کامیابی
		۹۶	پانچ اجتہادی امور پر تنبیہ الہی	۲۴	ایک شبہ اور اس کا جواب

عقل بشری کا غلط حجب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۹	ذہن اور عاقل کے تیز تھے،	۲۰۸	جنگونی	۱۵۴	بنوت کی عرض و غایت
"	فیاض تھے،	۲۰۹	شراب خواری	۱۵۸	نائبہ و نصرت
۲۲۰	مساوات پسند تھے،	۲۲۰	ستار بازی	۱۵۹	خانہ
"	علی تھے،	۲۲۲	سود خواری	<b>شبِ ظلمت</b> ۱۶۰ - ۲۳۳ <b>پیغمبر اسلام کی بعثت کے وقت</b> <b>دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت</b> ۱۶۰	
۲۲۱	ان اوصاف کی مصلحت،	۲۲۳	لوٹ مار		
<b>صبح سعادت</b> ۲۴۲ - ۲۴۹		۲۲۵	چوری		
		۲۲۷	سفاکی دیر جمی و وحشت		
		"	زنا اور فواحش		
۲۲۲	ایک قوم کا انتخاب	۲۲۹	بے شرمی و بے حیائی	۱۶۲	ظہور اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی اور مذہبی حالت کیا تھی؟
۲۲۳	اصلاح و ہدایت کی مشکلات	۲۳۰	غور توں پر غم،	"	مجرس فارس
۲۲۴	بہالت	۲۳۲	وحشت و بہالت	۱۶۶	عیسائی روم
۲۲۹	آبائی دینِ روم کی پابندی	<b>عربوں کے خصوصیات</b> <b>اور</b> <b>خیر الائمہ بننے کی اہلیت</b> ۲۳۴ - ۲۴۱		۱۶۶	ہندوستان
۲۵۴	قوم پرستی			۱۶۹	یہود
۲۵۶	قبائل کی خانہ جنگیان			<b>ظہور اسلام کے وقت عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت</b> ۱۹۰ - ۳۳۳	
۲۶۱	سیاسی مشکلات				
۲۶۴	ذریعہ معاش				
۲۶۷	رفع شک	<b>متنِ نسب</b> کسی پہلے مذہب میں داخل نہ تھے، محکوم نہ تھے، کتابی فاسد تعلیم سے نا آشنا تھے، وہ زمین کے وسط میں آباد تھے، بعض اخلاقی خوسیان، شجاع و بہادر تھے، پر جوش تھے، حقا گو تھے، عقل و دانش والے تھے،		۱۹۱	حذا کا اعتقاد
<b>تبلیغِ نبوی</b> <b>اور</b> <b>اسکے اصول اور اسکی کامیابی کے اسباب</b> ۲۶۰ - ۳۱۱		۲۳۴	۱۹۲	ملاکہ کی الوہیت	
		"	۱۹۳	جنات کی الوہیت	
		۲۳۷	۱۹۴	بت پرستی	
		"	۲۰۰	ستارہ پرستی	
		۲۳۸	۲۰۱	جن اور شیاطین اور بھرت پلٹ	
۲۶۰	فریضہ تبلیغ	"	۲۰۲	کمانت	
۲۶۱	تبلیغ کی اہمیت	"	۲۰۷	اوہام پرستی	
۲۶۲	اس کی وسعت	"			
۲۶۵	تبلیغ کے اصول	"			

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	
۳۷۴	خدا کی حقیقی عظمت	۳۱۸-۳۱۵	عقائد کی حقیقت اور اہمیت	۲۷۶	قول لین	
۳۷۷	انسان کا مرتبہ	<b>اللہ تعالیٰ پر ایمان</b>	۳۳۴ - ۳۳۳	۲۷۷	اعراض اور قول لین،	
۳۸۱	خدا کا جامع اور مانع تخیل			"	تیسیر و تبشیر	
۳۸۳	اسماء و صفات			۲۷۸	تدریج	
۳۹۶	صفات جلالی			"	تالیف قلب	
۳۹۹	صفات جلالی	۳۳۷	اصلاح عقائد	۲۷۹	دعوت عقل	
"	نکتہ	۳۳۹	تعدّد خدا کا ابطال	۲۸۱	مذہب میں زبردستی نہیں	
۴۰۰	صفات کمالی	۳۳۳	بزرگوں کی مشرکانہ تعظیم سے روکنا	۲۸۲	میدان جنگ میں تبلیغ	
"	صفات وحدانیت	۳۳۴	درمیانی واسطوں کا مشرکانہ اعتقاد	۲۸۹	مسلح تبلیغی جاعین	
۴۰۱	صفات وجودی	۳۳۴	خوارق خدا کے حکم سے ہوتے ہیں	۲۹۰	تبلیغ و دعوت کی تنظیم	
"	عسلم	"	حرام و حلال کرنا خدا کا کام ہے	۲۹۱	مبتاعوں کی تعلیم و تربیت	
۴۰۲	قدرت	۳۳۷	غیر خدا کی مشرکانہ تعظیم	"	دعوت، باقران	
۴۰۳	نکتہ	۳۳۰	صفات الہی کی توحید	۲۹۲	اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب	
۴۰۴	تزیینہ	۳۳۲	محقق قوتوں کا ابطال	۲۹۳	قبول اسلام کیلئے کیا چیز درکار تھی؟	
۴۰۵	ان تعلیمات کا اثر اخلاق انسانی پر	۳۳۴	اوپر و خرافات کا ابطال	۲۹۶	اشاعت اسلام کے اسباب و ذرائع	
۴۱۲	خدا کا ڈر اور پیار	"	کفارہ اور شفاعت کے غلط معنی	۳۰۳	ایک ضروری نکتہ	
"	محبت کیساتھ خوف و خشیت کی تعلیم	۳۵۲	کی تردید	۳۰۴	موانع کا ازالہ	
۴۱۶	محبت کے جہانی اصطلاحات کی نفی	۳۵۳	اجرام سماوی کی قدرت کا انکار	<b>اسلام</b>	<b>محمد رسول اللہ کا پیغمبرانہ کام</b>	
۴۲۲	تعلیمات اسلامی میں محبت الہی کے منشا	۳۵۴	غیر خدا کی قسم سے روکنا			
<b>فرشتوں پر ایمان</b>		۳۵۴	خدا کی شہادت میں کوئی شریک نہیں			
		۳۵۷	مشبہات شرک کی ممانعت			
۴۳۵	ملائکہ کے معنی	۳۵۷	قبر پر شہادت اور یادگار پرستی سے روکنا	<b>محمد رسول اللہ کا پیغمبرانہ کام</b>		
"	ملائکہ کا تخیل مذہب قدیم میں	۳۵۷	ربا اور عدم اخلاص بھی معنی شریک			
"	ملائکہ کا تخیل فلسفہ میں	۳۶۱	توحید اور اس کے اجمالی اصول	۳۱۲ - ۳۱۷	تعلیمات نبوی کی ہمہ گیری	
"	یونانی مہرری فلسفہ	۳۶۲	اللہ تعالیٰ کی مہرستی پر دلیل	۳۱۶	اسلام کے چار حصے	
۴۳۶	یونانی فلسفہ	۳۶۴	توحید بر عقلی وسیلین	<b>عقائد</b>	۴۸۶ - ۳۱۸	
			توحید کی تکمیل			

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۳۷	اس کی مثالیں	۴۶۴ - ۴۹۴	کتاب الہی پر ایمان	۴۳۷	صائبی
"	تبدیل قبلہ			۴۳۸	اسلام میں فرشتوں کی حقیقت
"	خانہ کعبہ کے حج کی تعیین			۴۳۹	اس عقیدہ کی عقلی حیثیت
۴۳۸	یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنی کتابوں	۴۶۴	کتاب الہی پر ایمان لانے کا مقصد	۴۴۱	آیات واحادیث میں ملائکہ کا ذکر
"	پر عمل کرنے کی ہدایت	۴۶۷	اس عقیدہ کا تکمیلی پہلو	"	ملائکہ کے فرائض
"	مسلمانوں کو شریعت اسلام پر عمل	"	تمام کتب الہی پر ایمان لانا ضروری ہے	۴۴۸	فلسفہ و مذاہب کی ملائکہ کے متعلق
"	کرنے کا حکم	"	انبیاء قدیم کے غیر معلوم الاسم	"	بے اعتدالی
۴۳۹	صحیفہ محمدی نے اہل کتابوں کی تصدیق	"	صحائف	۴۵۲	فرشتوں پر ایمان لانے کا مقصد
"	کی	۴۶۸	چار معلوم الاسم آسمانی صحائف	رسولوں پر ایمان ۴۵۳ - ۴۶۵	
"	اہل کتاب نے اپنی کتابوں کو چھوڑ کر ہوا	۴۶۹	اس عقیدہ کا اثر سیاسیات عالم پر		
"	کی پیروی کی	۴۷۰	اقوام عالم کی قانونی تقسیم اور ان کے	۴۵۲	ایک عام غلط فہمی کا ازالہ
"	حدود میں شریعتوں کا اختلاف غلام ہے	"	حقوق	۴۵۴	نبوت کسی ملک یا قوم سے مخصوص
"	یہود و نصاریٰ فروری اختلافات پر	"	مسلمان	"	انہیں
"	دوسرے کو برسرِ باطل کہتے تھے	"	اہل کتاب	۴۵۵	تمام دنیا میں پیغمبر آئے
۴۸۱	وہ مسلمانوں کو یہودیت و نصرانیت	۴۷۱	شبہ اہل کتاب	۴۵۶	تمام پیغمبروں کی صداقت کا اعتراف
"	کی دعوت دیتے تھے	"	کفار اور مشرکین	۴۵۷	پیغمبروں میں تفریق کی ممانعت
"	اسلام کی دعوت اصل دین ابراہیمی	۴۷۲	وحدۃ الادیان	۴۵۸	پیغمبروں کی غیر محدود تعداد
"	کی جانب	"	تمام بچے مذاہب ایک ہیں	"	مختلف فیہ پیغمبروں کی رسالت کا
۴۸۱	اسلام کا تمام اہل مذاہب کو یکساں خطاب	"	دین اور شریعت، منسک و منہاج کا	"	اंतर
۴۸۲	قبول عمل کے لیے ایمان شرط ہے	"	فرق	۴۵۹	پیغمبری کی واضح حقیقت کا اظہار
"	ایمان و عمل کے لیے نبی کی تصدیق	۴۷۳	صحیفہ وقتاً فوقتاً کیوں نازل ہوگا	"	پیغمبروں کا منصب اور فرائض
"	ضروری ہے	"	وحدت دین پر قرآن کی شہادت	۴۶۰	پیغمبروں کی عصمت
"	اسلام کا تمام رسولوں کی تصدیق	۴۷۵	وحدت دین کی دعوت عامہ	۴۶۱	قرآن میں پیغمبروں کا جامع تذکرہ
"	یہود و نصاریٰ انبیاء کی تکذیب کرتے رہے	"	دین تسمیم	۴۶۲	وہ انبیاء جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے
"	اس لیے اصل اسلام سے ہٹ گئے	۴۷۶	اسلام اور مذاہب قدیمہ کا اتحاد	۴۶۳	ایسے انبیاء کی شناخت کا اصول
۴۸۳	یہود و نصاریٰ کا "جن عسل"	۴۷۷	دین ہمیشہ ایک ہے	۴۶۴	انبیاء کی باہمی ترجیح کا مسئلہ
"	اسلام کا اصل اصول تو یکساں اور سادہ ہے	"	شرع اور منہاج میں تبدیلی ہوتی		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۸۸	ان تینوں دوروں میں فسق	۴۹۱	قرآن کی بقاء اور حفاظت کی ذمہ داری	۴۸۵	اسلام کا ہریت نامہ ہونا
	۱۔ پرستش		اللہ تعالیٰ پر		توحید کامل کے بغیر نجات کبھی کا کوئی
۴۹۸ - ۵۲۸			قرآن کے لفظ و عبارت و معنی کی		مستحق نہیں
			حفاظت کے لیے وعدہ الہی		بنوت محمدی کا دعویٰ
۴۹۸	قرآن مجید میں لفظ برزخ اور اسکے معنی		قرآن کا "غالب ہونا"	۴۸۶	دعوت محمدی میں ہدایت کی بشارت
۴۹۹	قبر، برزخ کا عرف عام ہے	۴۹۲	ختم نبوت	۴۸۸	اہل مذاہب اور تمام انسانوں کو دعوہ
	موت و حیات کی منزلین		وحدت دین اور دین اسلام		محمدی کیون پیش لگائی
	قرآن میں دو موتوں اور دو حیاتوں		وحدت دین کا منشا اصل اسلام ہے		انکسب دین
	کا ذکر		محمد محمدی نے اہل کتاب کو وحدت		قرآن کے سوا کسی صحیفہ نے دین الہی
	دونوں موتوں اور حیاتوں کی تشریح		دین کی دعوت دی		کی تکمیل کا دعویٰ نہیں کیا
۵۰۰	عالم برزخ کی کیفیت	۴۹۳	وحدت دین کی حقیقت صحیفہ حقیقی		حضرت موسیٰ کی بشارت ایک نبی
	نیز اور موت کی مشابہت		مین		نبی کے لیے
	نیز اور موت کا فرق			۴۸۹	حضرت عیسیٰ کی بشارت ایک نبی
	قرآن میں موت کی تشبیہ				وہ نبی کے لیے
۵۰۱	برزخ کی زندگی کی تعبیر				موجود الامم (صلعم) کی آمد اور اس
	قرآن میں دوسری زندگی کے لیے	۴۹۵	یہ اسلام کے سلسلہ ایامیات کی آخری		کا دعویٰ
	"بعث" کا لفظ		کڑی ہے	۴۸۹	دعویٰ الہی کی جانب سے تکمیل دین
۵۰۲	خواب میں لذت و اطمینان		آخرۃ کے لفظی معنی اور مفہوم		کا اعلان
	خواب کی حقیقی دنیا کا جسم پر اثر انداز ہونا	۴۹۶	آخرۃ سے مراد عالم بعد الموت ہے		تکمیل دین کے اثرات و مظاہر
	عالم خواب کی لذت و اطمینان کا خاتمہ		قرآن میں ایمان بآلہ کے بعد سب	۴۹۰	قرآن کا مہین ہونا
	ہیں		زیادہ زور ایمان آخرۃ پر ہے		قرآن کا تمام اہل کتابوں کی صفات
	اور بیداری کی لذت و اطمینان کا خاتمہ		نیز زندگی کے دو دور یعنی برزخ و بعث		اور تعلیموں پر مشتمل ہونا
	عالم خواب میں		توراة و انجیل میں برزخ و بعث کی تفصیل		قرآن محفوظ ہے اور رہیگا
	عالم خواب کے لذت و اطمینان کے فلسفہ		نہیں		اگلی کتابین تحریفات و تہرقات
	اسباب و علل		اسلام اور یوم آخرت کی تفصیل		سے بری نہیں
	بھوسے ہوئے احساسات و معلومات		اسلام میں تین دور ہائے حیات دنیا	۴۹۱	قدیم مذاہب و اہل مذہب اس لیے
	خواب میں تشکیلی ہو کر نظر آنا		برزخ اور قیامت		وہی حفاظت کا وعدہ نہ تھا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون					
۵۲۱	جسم مٹائی میں منسلک ہوتی ہیں، جسم خاکی کی طرح جسم مٹائی میں بھی لڑتا والہم کا احساس ہوتا ہے،	۵۱۲	کافاش ہو جانا، احوال برزخ کا عین یقین موت کے بعد عالم برزخ کی ابتدا، عالم برزخ میں جزا و سزا کے پس پڑ مشاہدہ کی شہادتیں قرآن مجید میں	۵۰۳	اچھے اور برے اعمال کے نفوش ذہن انسانی کے گوشوں میں، تمثیلی خواب اور انکی مثالیں جسم انسانی میں مختلف مادوں کی کمی بیشی سے خواب میں ان کے متناسب مجسم تخلیق اور انکی مثالیں اعمال انسانی کا خواب میں اپنے متناسب قالب میں مجسم ہونا، اور ان کی مثالیں،					
۵۲۳	بعض سعید روحیں جسم خاکی کی شکل کی قید سے آزاد کر دی جاتی ہیں، مٹی کی قبروں میں عذاب کی مشاہدات سوال و جواب قبرین فرشتوں کا توحید و رسالت کے متعلق سوال، قبر کے سوال و جواب کا ذکر قرآن مجید میں،	۵۱۴	موت کے بعد خدا کی طرف روح کی بازگشت، موت کے لیے قرآن مجید میں خدا کی طرف بازگشت کی اصطلاح اور اسکا مفہوم،	۵۰۴	اعمال کی تشکیلات قرآن مجید میں، اعمال کی تشکیلات احادیث میں، گناہوں کی بیشی سزائیں، آنحضرت صلیع کے ایک روایتی واقعہ میں مختلف گناہوں کی مختلف تشکیلی سزائوں کے مناظر، ان تشکیلات کی تفسیر و تشریح علم نفس سے انسان کی لاعلمی، نفسوری یقین اور خارجی وجود کا باہمی تضاد، قرآن پاک میں یقین کی دو قسمیں علم و عین یقین، علم یقین کے حصول کا ذریعہ ایمان ہے، علم یقین کے ذریعہ دوزخ کا مشاہدہ دنیا میں، موت کے بعد جہان بادت کا اٹھا اور اعمال کے تشکیلی نتائج کو کسی حد تک یکساں، قیام روز جزا پر تمام راز ہائے سرسبز					
۵۲۵	سوال و جواب کا اصل مفہوم، برزخ میں ارواح کا سکھ،	۵۱۵	اس وقت کا سامان، موت کے سامان کا خاکہ قرآن مجید میں، جسم سے روح کی علیحدگی کے بعد سزا کا دور، سزا قانون عمل کے مطابق انسانی اعمال کا نتیجہ ہے، نیکو کاروں کو بشارتیں، برزخ کا عذاب و راحت برزخ میں عذاب و ثواب کے مناظر، برزخ اور اس کے عذاب و ثواب کا تذکرہ قرآن مجید میں، قبر کی اصطلاح احادیث میں برزخ کا اصطلاحی نام قبر ہے، قبر کا مفہوم، قبر ارواح و نفوس کی دنیا ہے، قبر کی روحیں جسم خاکی کے بجائے	۵۰۵	۵۰۶	۵۰۷	۵۰۸	۵۰۹	۵۱۰	۵۱۱
۵۲۸	قیامت اور جزا اعمال	۵۱۸	کیا کبھی دنیا سے حیات پر بھی موت طاری ہوگی؟ نظام کائنات کی بربادی کی پیش گوئی اہل سائنس کی طرف سے، قیامت کا عقیدہ مختلف آسمانی کتابوں میں،	۵۱۹	۵۲۱	۵۲۲	۵۲۳	۵۲۴	۵۲۵	۵۲۶
۵۲۸	قیامت	۵۲۸	قیامت کے نام قرآن میں،	۵۲۸	۵۲۸	۵۲۸	۵۲۸	۵۲۸	۵۲۸	۵۲۸

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۶۸	اعمال کے ریکارڈ ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں	جزا اور سزا ۵۵۶ - ۶۲۸		۵۳۲	قیامت کے اوصاف
"	قرآن مجید میں اس اصول کی تشریح			۵۳۳	قیامت میں فساد و نظام ہوگا
"	اور اس پر شہادتیں			"	اس کی شہادتیں قرآن مجید سے
۵۶۰	اعضائی شہادت	۵۵۶	جزا و سزا دیگر مذاہب میں	۵۳۵	بعد قیامت ایک نئے آسمان اور
۵۶۲	میسران	۵۶۱	عالم آخر کا فہم و ادراک	"	نئی زمین کی تعمیر
۵۶۲	حساب	"	عالم آخر کو مادی دنیا کی زبان محاورا	"	پچھلی دنیا کے نتائج پر اس کی بنا
"	جنت و دوزخ	"	میں سمجھایا گیا ہے	۵۳۹	صور قیامت
۵۶۴	جنت انسان کی ورثت ہے	"	اس طرز افہام سے فلسفی و عامی دون	"	عربوں کا انکار قیامت سے
"	حضرت آدمؑ کا زمین پر آنا انکی پریش	"	تشی پاتے ہیں	۵۴۱	اسی لیے اسلام میں توحید کے بعد
"	سے پہلے مقدر ہو چکا تھا	"	افروسی و فلاح کے سمجھانے کے لیے	"	سب سے زیادہ زور قیامت کے عقیدہ
"	آدمؑ اور بنو آدم کی اصل جگہ جنت ہی	"	مادی الفاظ کا استعمال	"	پر دیا گیا
۵۶۵	جنت کے درود و نعت، نیک و بد کی	۵۶۲	وجود کے موجودہ قوانین فطرت	۵۴۲	عقیدہ قیامت اصول دین کیون
"	پہچان کا، اور زندگی جاوید کا	"	اور ان کے خصوصیات و لوازم	"	قیامت پر قرآنی دلائل
"	آدم کو نیک و بد کی شناخت کے درخت	۵۶۳	مادی دنیا کے قوانین فطرت اور	۵۴۹	شرجہ جانی
"	سے روکا گیا	"	سلسلہ علت و معلول اسی مادی عالم	۵۵۰	روحانی زندگی کا تصور نئی جہاں زندگی
"	شیطان نے حیات جاودان کا درخت	"	کے لیے ہیں	"	سے زیادہ دشوار ہے
"	کہہ کر نیک و بد کی شناخت کے درخت	"	ضروری نہیں کہ موجودہ قوانین فطرت	"	شرجہ جانی ہوگا
"	کو بتا دیا	"	وہاں بھی کار فرما ہوں	۵۵۱	جسم و جسد
۵۶۶	حیات جاودان سے مقصود کیا ہے	"	اصول جزا	"	کیا کوئی نیا جہانی پیکر ہوگا؟
"	نیک و بد کی تمیز شرعی تکلیف کا	"	اصول فطرت صرف مادیات تک	"	نیا جہانی پیکر جسم خاکی کی خصوصیات
"	باعث ہے	"	محدود نہیں	"	و لوازم سے الگ ہوگا
"	آدم کو نیک و بد کی تمیز کا فطری الہام	۵۶۴	اعمال کے لوازم و نتائج	"	"خلق جسدید"
"	انسان کا تکلیف شرعی کی امانت کو	"	عقاب و ثواب پر عمل ہے	۵۵۲	نموداری روح پر ہے
"	قبول کرنا، اور حیات جاودان کا	۵۶۵	حصول راحت کا اصول	"	دنیاوی جسم بدلے رہنے پر بھی وہی
"	حصول سعی و عمل پر موقوف ہوتا	۵۶۶	نامہ عمل	"	جسم رہتا ہے
۵۶۸	زمین پر بنو آدم کی چار چیزوں کا کھانے	"	کوئی چیز پیدا ہونے کے بعد فنا نہیں	۵۵۴	افروسی جسم کیسا ہوگا؟
"	پینے پینے اور رہنے کی ضرورت کا پیدا ہونا	"	ہوتی	"	



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۱۷	عقیدہ کفار اور عقیدہ "کرم" اور عقیدہ منفرت	۴۰۳	اس کی تصریحات، احادیث میں	۵۷۸	مذہب نے ان ضروریات اربعہ کے جائز طریقوں کی تعلیم اور ناجائز طریقوں سے احتراز کی تلقین کی
۴۱۸	عذاب طویل کا سبب	۴۰۴	کیا دوزخ کی انتہا ہے؟	۵۷۹	جنت کی درشت کا وعدہ الہی
۴۱۹	مشک و کافور کا آخر انجام؟	"	دوزخ رحمت الہی کی چھینٹوں سے	"	انسانی جزا و سزا کے تین گھر
۴۲۲	بہشت و دوزخ کی جزا و سزا بھی تمثیلی ہے	۴۰۵	بالآخر سرد ہو جائیگی	۵۸۰	انسان کا پہلا دارالجزا، یعنی دنیا
"	تمثیلی سزا کے معنی	"	اللہ کے غضب پر رحمت کی سبقت	۵۸۳	مگر دارالجزا وہی ہے
"	اس کی مثالیں قرآن مجید اور احادیث سے	۴۰۶	دوزخ کی انتہا قرآن مجید میں شیت ہے	۵۸۵	یہ دارالجزا، دارالاصلاح ہے
۴۲۳	دوزخ کی جسمانی سزائیں	"	کفار و مشرکین کے عذاب کی انتہا	"	انسانوں کی تبدیلی و اصلاح کے تمام نیک سے برائی کا کفارہ
"	جسمانی سزائوں کی تصریح قرآن مجید	۴۰۹	مشیئت الہی پر موقوف ہے	۵۸۶	توبہ کفارہ ہے
۴۲۶	دوزخ میں روحانی سزائیں	"	قرآن مجید کی کوئی آیت دوزخ کے تسلسل وجود پر دلالت نہیں کرتی	۵۸۹	مصائب کی تنبیہ اور کفارہ
"	ان کی تصریح قرآن مجید سے	"	قرآن مجید میں بہشت کے عدم قطعیت کی تصریح کی گئی	۵۹۱	عذاب الہی کا مقصد
<b>جنت</b> ۴۲۹ - ۴۴۴		"	قرآن مجید سے اس کی تشریح	۵۹۲	عذاب برزخ بھی کفارہ ہے
		۴۱۲	اس کی شہادت حدیثوں میں	۵۹۵	عذاب دوزخ کفارہ گناہ ہے
۴۲۹	جنت کے نام	"	دفعہ شبہ	۵۹۶	عذاب انسان کے اعمال کا نتیجہ
"	جنت کا دوام	"	قرآن مجید کی بعض آیتوں سے دوزخ کے دوام کا شبہ	۵۹۸	انسان کی تخلیق رحمت کیلئے ہوئی
۴۳۰	اس کی تصریح قرآن مجید میں	۴۱۳	اس شبہ کا ازالہ	<b>دوزخ</b> ۵۹۹ - ۶۲۶	
۴۳۳	دائمی قیام سے اہل جنت کا جنت میں گھبرانے ان کی جنت و فطرت کے خلاف ہوگا	۴۱۴	چند آیتوں میں کفار کے دوزخ سے الگ نہ ہونے کی تصریح	۵۹۹	دوزخ قید خانہ نہیں شفا خانہ ہے
"	غیر فانی بادشاہی	۴۱۶	ان آیات کا مفہوم	"	گناہ، روحانی بیماری کا اور عذاب اس کے نتیجہ بد کا اصطلاحی نام ہے
"	جنت کے عیش و مسرت کی تعبیر آسمانی بادشاہی سے	"	اللہ تعالیٰ کے وعدہ ثواب و عذاب میں فرق	۶۰۰	دوزخ کی مثال شفا خانہ ہے
۴۳۴	عیسوی پیغام میں "آسمانی بادشاہی"	۴۱۷	مشرکین و کفار کی معافی کی صریح تصریح کیوں نہیں	۶۰۱	دوزخ سے بالآخر نجات ہوگی
"	آسمانی بادشاہی کے اجمال کی اسلامی تفصیل	"		"	گو یا دوزخ بھی ایک نعمت ہی
				۶۰۳	دوزخ میں رحمت الہی کا ظہور اور نجات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۴۴	قدیم مذاہب میں اسکے عمل کی دو صورتیں یا تو خاموشی یا جبر کی تلقین	۶۵۹	صبح و شام کی روزی، مقام قرب، ویدیا برائی	۶۳۶	جنت کے لیے باغ کا استعارہ کیا عرب کے لیے ہے؟ اس استعارہ میں ایک نکتہ
"	آنحضرت صلعم نے اس راؤ کو ظاہر کیا	۶۶۰	ان تعلیمات کا علی اثر	"	ساہان جنت کے دنیاوی نام
"	بیک وقت دو صدیقین	۶۶۱	عرب کا ایمان و یقین اور صحابہ کی خشیت الہی	۶۳۷	جنت میں دنیاوی الفاظ کے معانی سے بلند تر حقائق
۶۶۵	صحیفہ محمدی میں ان دونوں جنتوں کی تفصیل اور ان کی تشریح				
۶۶۷	ہدایت و ضلالت کے الفاظ سے پیدا شدہ غلط فہمی کا ازالہ	<b>قصا و قدر</b> ۶۶۵ - ۶۸۰		۶۳۸	اسکی شہادت قرآن مجید و احادیث سے
۶۶۸	خیر و شر کا مفہوم اسلام میں			۶۳۹	جنت کی سترہ اہل اعمال کی مشیت
"	اگر خدا چاہتا تو ان کو ہدایت دیتا کی تفسیر	۶۶۵	کیا عقیدہ قضا و قدر ایمانیات میں ہے؟	"	اسکی شہادت قرآن مجید و احادیث سے
۶۶۹	بندہ کی مشیت	"	عقیدہ قضا و قدر کا حاصل	۶۴۵	لطف و مسرت کا تصور
"	اللہ کی گمراہی کن کے لیے ہے	"	اس عقیدہ کی تعلیم قدیم مذاہب میں خاتم النبیین (صلعم) کی تعلیم نے اسکی	"	لطف و مسرت کا اعلیٰ ترین تجل
۶۸۰	نتیجہ بحث	۶۶۶	کیا تکمیل کی اور کیا اثرات پیدا ہوئے	۶۴۶	جنت میں انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی
<b>ایمان کے نتائج</b> ۶۸۱ - ۶۸۶		۶۶۷	اصطلاح "قدر" و "قضا" کی تشریح	۶۴۷	جنت جہان کوئی جہانی درد و غمی آزار نہیں
		۶۶۹	اس عقیدہ کی اخلاقی اہمیت	۶۴۸	جنت جہان رشک و حسد نہیں
۶۸۱	خلاصہ مباحث	۶۷۰	عقیدہ قضا و قدر کی توضیح	۶۴۹	وہاں کی جہانی زندگی کیسی ہوگی؟
"	ایمان کا مقصد دل کی اصلاح ہے	۶۷۱	عقیدہ قضا و قدر کا نتیجہ سستی سستی و دون ہستی نہیں	۶۵۰	جنت ارتقا سے روحانی ہے
"	اسلام میں ایمان و عمل کی جامعیت	"	اس کا نتیجہ بلندی، استقلال اور وشیات ہے	۶۵۱	مسئلہ ارتقا کے اصول بقا سے صریح کامل روحانی اصلاح کے ارتقا ہیں
۶۸۲	درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے	"	غلط فہمی کا ازالہ	"	امن و سلامتی کا گھر
"	اہل ایمان کی علی شناخت	۶۷۲	قضا و قدر اور سعی عمل کی باہمی تعلق	۶۵۳	مقام رحمت
۶۸۵	تمام نیکیاں صرف ایک جزو ایمان کی شاخیں ہیں	۶۷۳	پہلے فتنے اور فانی ہوتی ہوا اسکے نتیجہ میں	۶۵۴	مقام نور
۶۸۶	ایمان کے بعد عمل کی ضرورت	"	ہر ایک طرف سے ضلالت کا نور ہوتا ہے	۶۵۵	مقام رضوان
"	ایمان ملزوم اور اعمال اسکے لوازم ہیں	"	جبر و قدر	۶۵۷	مقام طیب و طاہر
"	خاتمہ	"	جبر و قدر کا مسئلہ لائیکل مسئلہ ہے	"	مقام تسبیح و تہلیل

the 1990s, the number of people in the world who are illiterate has increased from 1.2 billion to 1.5 billion. The number of illiterate people in the world is projected to reach 1.7 billion by the year 2015. The number of illiterate people in the world is projected to reach 1.7 billion by the year 2015. The number of illiterate people in the world is projected to reach 1.7 billion by the year 2015.

• •

•

• 2

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

اے باز کن در معانی،      بر اوج کسب آسمانی  
ہر چہ از تو گمان برم بچونی      آن من بوم تو زان برونی  
شاہِ رسل و شفیعِ مرسل      خورشیدِ بین نورِ اول  
سلطانِ ممالکِ رسالت      طغرائے صحیفہٴ خلافت

پیش نظر کتاب، سیرۃ النبی کے سلسلہ کی چوتھی جلد ہے، اس کا موضوع "منصب نبوت" ہے، اس تقریب سے پہلے ہمیں ایک مقدمہ ہے جس میں نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصوصیات کی تشریح ہے، اس کے بعد ویسا چہ ہے جس میں آنحضرت صلیع کی ولادت اور ظہور اسلام کے وقت دنیا کی مذہبی و اخلاقی و روحانی حالت کا مرقع دکھایا گیا ہے، بالخصوص آنحضرت صلیع سے پہلے ملک عرب کی جو مذہبی و اخلاقی حالت تھی، اور اس کی اصلاح میں جو وقتیں دریش تھیں شرح و بسط کیساتھ انکی تفصیل لگی ہے، اس کے بعد آپ کے تعلیمات و ارشادات کی تفصیل سے اصل کتاب کا آغاز ہوا ہے،

آنحضرت صلیع کو پیشگاہِ باری سے جو شریعت کاملہ اور قانونِ ابدی عطا ہوا، وہ حقیقت چار عنوانوں پر منقسم تھا: عبادات، اخلاق اور معاملات، خیال تھا کہ عبادت و عبادات کی ایک جلد ہو، اور اخلاق و معاملات کی دوسری جلد میں ہوں، مگر چون کہ جو سفرِ قلم اس و شواہد گزار مرطہ میں آگے بڑھتا گیا، راستہ اسی قدر وسیع اور مسافت

اتنی ہی بعید نظر آنے لگی، ناچار اس جلد کو صرف عقائد کے بیان پر محدود رکھا گیا، دوسری جلد میں عبادات، اور لون کی حقیقت اور فرائض، چارگانہ کے حقائق و فوائد سے بحث ہوگی، اور تیسری جلد کا عنوان اخلاق و معاملات ہوگا۔ چہمیں ہم انشاء اللہ تفصیل بتائیں گے کہ تمدن و معاشرت بالخصوص قوانین نکاح، طلاق، وراثت، حقوق نسائے اسلامی، جہاد، اصول حکومت اور اقتصادیات وغیرہ کے متعلق تمام دنیا کے مذاہب کے کیا اصول، اور تمام سلطنتوں اور قوموں کے کیا قوانین تھے، اور آج مغرب نے اس انتہائی تہذیب تک پہنچا کر کس حد تک ان امور میں ترقی کی ہے پھر موازنہ کر کے ہم دکھائیں گے کہ شریعت اسلام کے مقابلہ میں مغرب کا مولج ترقی، شریعت اسلام کا پایہ اولین ہے حضرت الاستاذ مرحوم نے اس جلد کا کام شروع ہی کیا تھا اور مذکورہ بالا مباحث میں سے صرف عربیت جاتی کے مذہبی و اخلاقی حالات کے پچیس تین صفحے لکھنے پائے تھے، کہ وفات پائی، یہ صفحے بھی ان اوراق میں شامل ہیں، مگر چونکہ ان میں بکثرت اضافہ و ترمیم کی ضرورت ہوئی ہے، اس لئے ان صفحات کو ان کے اہم گرامی کی طرف منسوب کرنے میں احتیاط کرتا ہوں، بقیہ پوری کتاب کی ذمہ داری خاکسار ہی کے خطا کار قلم پر ہے، و مآء اَبْرَئِیْ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَکَاۤمِرًاۙ بِالۡسُّوۡءِ،

کوشش کی ہے کہ ان اوراق میں پیغمبر اسلام علیہ السلام کے پیغام تعلیم کو پوری تشریح، استناد، استدلال اور دہی کے ساتھ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے، قرآن پاک کے استناد کو ہر موقع پر سبکے آگے رکھا گیا ہے، اور اُسی کے پر تو میں، احادیث صحیحہ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، مناظرہ پہلو سے بیکر، ہر پیش نظر مسئلہ میں اسلام کا دوسرے مذاہب سے اس غرض سے موازنہ کیا گیا ہے، تاکہ اسلام کی نکلی شان نمایان ہو جائے،

ان اوراق کے لکھنے والے کے نزدیک نسخ شریعت کے معنی کسی حکم کو اس کے غلط یا غیر مفید ہونے کے سبب سے سب سے مٹا کر کسی دوسرے حکم کو نافذ کرنے کے نہیں ہیں، بلکہ تحریف احکام کی جگہ پر اصل احکام کے دوبارہ نازل ہونے، اور دنیا کے حسب حال ناقص کی جگہ کامل، اور کابل کے بدلہ کامل تر تعلیمات دیئے جانے کے ہیں، اس لئے قرآن پاک کے نسخ کتب اور اسلام کے نسخ ادیان ہونے کے معنی ان کے مٹا دینے والے کے نہیں

بلکہ اُن کی تکمیل کرنے والے کے ہیں، مذاہب کی تاریخ جب سے شروع ہوتی ہے، ہر مذہب اور اس کی کتاب انسانی عروج و ترقی کی ایک ایک منزل ہے، اور اسلام اس عروج و ترقی کی وہ انتہائی منزل مقصود ہے جس کے بعد تکمیل دین کی سرحد ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ خود اُس کا دعویٰ ہے، اور اس دعویٰ میں کوئی اور دین اُس کا شریک نہیں ہے کہ اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي،

ان تکمیلی مباحث میں سے یہ جلد صرف عقائد پر مشتمل ہے، اور کون نہیں جانتا کہ مذاہب میں اعتقادات کی حیثیت کتنی اہم اور ان کی بحث کتنی نازک ہے اس لیے اس غارِ زار سے کسی اہلہ پاک بسلامت گذر جانا کس قدر مشکل ہے تاہم میں نے جدوجہد اسی کی کی ہے کہ کسی اہلہ کو ٹھیس لگے بغیر اس راستہ کو طے کر لوں، چلنے والا تو تھک کر چور ہے، اب یہ دیکھنے والوں کو فیصلہ کرنا ہے کہ اُس نے رہروی کی یہ شرط کہاں تک پوری کی،

ادبِاب بصیرت جانتے ہیں کہ اسلامی فرقوں میں سے کسی فرقہ کے مطابق بھی اگر عقائد کی کتاب لکھی جاتی تو یہ منزل نہایت آسان تھی کہ اُن میں سے ہر ایک کی مدون و مرتب کتابیں سامنے ہیں لیکن مجھے اس جلد میں کسی خاص فرقہ کے نہیں بلکہ اسلام کے وہ عقائد لکھنے تھے جن پر ایمان لانے کا قرآن نے ہم سے مطالبہ کیا ہے اور جن کی تعلیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو دی تھی، چنانچہ ان اور اُن میں انہیں چند عقائد کی تشریح ہے اور یہ وہی ہیں جو اَمْسَلْتُ بِاللّٰهِ وَمَلِكُكُمْ وَ كُنْتُمْ بِرُسُلِهِمُ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرٌ وَ شَرٌّ مِنْ اللّٰهِ تَعَالٰی میں مذکور ہیں، یعنی خدا، اُس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں، اُس کے رسولوں، پر اور آخری دن اور قضا و قدر پر ایمان، چنانچہ اس جلد میں مقدمہ و دیباچہ کے بعد انہیں چھ بابوں کی تفصیل و تشریح ہے،

میں نے اپنے جاننے اس کی پوری احتیاط کی ہے کہ کسی مسئلہ کی تشریح میں مسلم، صراطِ مستقیم سے تجاوز نہ کرے، لیکن عالم الغیب جانتا ہے کہ قدم نے کہاں ٹھوکر کھائی ہے، اس لیے اس کی بارگاہ میں نہایت عجز سے دعا ہے کہ خداوندِ امیری لغزش کو دوسروں کی لغزش کا سبب نہ بنانا، اور ہم سب کو سیدھی راہ دکھانا،

مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ لَمْ يَهْدِ لَمْ يَهْدِ  
جس کو خدا راہ دکھائے وہ راہ پایا ہوا ہے

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ اور جس کو خدا راہ دکھائے اس کو کوئی

(زمر) گمراہ کرنے والا نہیں،

رَبَّنَا لَا تُؤْخِذْنَا إِنْ تَسْبِقْنَا جہاں سے پروردگار ہمارے بھول چوک

أَوْ أَخْطَأْنَا. (بقراءہ) کی باز پرس ہم سے نہ فرمانا،

این نامہ کہ خاتمہ کرد بنیاد

توقع قبول، روز نش باد

طالبِ رحمت

سلیمان ندوی

دارالصفین، اعظم گڑھ

۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## مقدمہ

### منصب نبوت

کتاب کا موضوع | سیرت کی عام کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کے اندر جو چیزیں زیادہ متاثر ہو کر نظر آتی ہیں،  
ایک پیغمبر کا زمانے وہ غزوات اور لڑائیاں ہیں لیکن یہ غزوات اور لڑائیاں ظاہر ہے کہ مقصود بالذات نہ تھیں بلکہ وہ سلسلہ  
دعوت میں اتنا قاپٹیں آگئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی انھوں نے اُس کے قبول کرنے سے انکار  
کیا، اور نہ صرف انکار کیا بلکہ اُس کے مٹانے کی پُر زور کوشش کی، اُس کے قبول کرنے والوں کو ستایا، اور اُن کو اُن کے گھروں  
سے نکال دیا، وہ اپنی جان بچا کر دوسرے شہر کو چلے گئے، وہاں اُنکی دعوت نے فروغ پایا، اور بہت بڑی تعداد نے اُنکی بچائی کو قبول  
کیا، یہ دیکھ کر مخالفوں نے ہر طرف سیوریہ کی، اور چاہا کہ اس جماعت کو بڑے شہر میں مٹا دیں، اُس نے اپنی جان کے بچاؤ کی تدبیریں کیں  
اور اُن کی پُر زور سازشوں اور کوششوں کے سیلاب کو پہاڑ بن کر روکا، اس کشتکش نے خوزیر لڑائیوں کا ایک سلسلہ چھیڑ دیا، جو مسلسل  
دس سال تک قائم رہا، فتنہ عجاظ نبوت، حسن تدبیر، لطیف اخلاق سے تمام معرکے سر ہوئے، اور پھر ایک پُر امن نظام  
قائم ہو گیا، سب شہرہ یار نامہ بھی کچھ کم مستوجبِ منقبت نہیں لیکن ناظرین اس نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ ہم کس (ذاتِ اقدس)



کے سوانح لکھ رہے ہیں،

یہ جو کچھ ہوا، اور پیش آیا، وہ گو نہایت عجیب و غریب اور کمرشلہ ربانی کا پورا منظر ہے، تاہم وہ حقیقت آنحضرت <sup>صلی</sup> کا اصلی براہ راست اور مقصود بالذات کارنامہ نہیں، وہ اتفاقی حوادث ہیں جو اسلام کی دعوت و اشاعت کی راہ میں دشمنوں کی مخالفت سے پیش آگئے، آپ کے اصلی پیغمبرانہ کارنامے وہ ہیں جو اگر یہ اتفاقی واقعات رونما نہ ہوئے ہوتے تب بھی ظاہر ہی ہوتے، اور وہی آپ کی سیرۂ مبارکہ کے اصلی وقائع اور سوانح ہیں یعنی عرب میں سرتاپا روحانی و اخلاقی انقلاب پیدا کر دینا، تمام عالم کے سامنے کامل ترین اور اخیر سرسریعت کو پیش کرنا، ترائے توحید اور سرودِ محبت سے دنیا کے گوشہ گوشہ کو سمور کرنا، ظلمتِ کدہ عالم کو سراجِ منیر بنکر بقعہ نور بنا دینا، مگر جن کو راستہ بتانا، بھولوں کو یاد دلانا، بندہ کا رشتہ خدا سے جوڑنا، غلط اوہام کو مٹانا، اخلاقی فاضلہ کا سکھانا، گناہوں کے دفتر کو دھونا، انسانوں کو شیطانوں کے دامِ فریب سے نکال کر، فرشتوں کی صف میں کھڑا کرنا، دنیا کو رفیع و محبت، لطیف و شفقت، اور برادرانہ مساوات کی تعلیم دینا، حکمت و دانائی، پند و موعظت اور تہذیب و تمدن کے رموز سکھانا، روحانیت کی برباد شدہ دنیا کی دوبارہ تعمیر، اور قابو و ارواح کے ویران گھروں کی از سر نو آبادی، انقضائے خاتم النبیین کا اصلی کام ایک سرسریعت ابدی کی تائیس، مذاہبِ عالم کی اصلاح، فنِ اخلاق کی علمی و عملی تکمیل، قانونِ الہی کا اظہار و عرض، اور تہذیبِ نفوس کی معراجِ اخیر تھی، اور یہ سب اسی پر آشوب زمانہ میں ہوتا رہا جس کے لیل و نہار بظاہر صرف جھگڑوں کے تیر باران کے روکنے میں صرف ہو گئے، پیش نظر جلد آنحضرت <sup>صلی</sup> کی سیرت مبارکہ کے انہیں واقعات اور کارناموں پر مشتمل ہے،

نبی اور مصلح اور عظیم بظاہر نظر آتا ہے، کہ اس قسم کے کچھ کام ایسے لوگوں سے بھی انجام پاتے ہیں، جو نبوت اور رسالت کے منصب پر فائز نہیں ہوتے، وہ اپنی قوم و ملک کے سامنے اپنی اصلاح کی دعوت پیش کرتے ہیں، اور اسی محنت اور متواتر جدوجہد سے ان میں کوئی سیاسی، اجتماعی، تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی انقلاب پیدا کرتے ہیں، اور انکو قہرِ قدرت سے نکال کر ترقی کی سطحِ مرتفع تک پہنچا دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو مصلح اور رہنما کہتے ہیں، اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے منہ سے اخلاق و حکمت، اور پند و موعظت کے موتی جھڑتے ہیں، جنکو حکیم کہتے ہیں، اس حالت

میں ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم میں کیا فرق ہوگا؟ اس التباس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے کوئی نظر ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم میں کوئی امتیاز نہیں کرتے، اس بنا پر اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں اس فرق و امتیاز کو نمایاں کر دینا ضروری سمجھتے ہیں،

نبوت کی حقیقت اور خصوصیات | اس فرق کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے ضروری ہے، کہ پہلے نبوت کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے، نبوت کی فلسفیانہ حقیقت کی بہترین تشریح امام غزالی نے معارج القدس میں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ باللہ میں کی ہے، یہ دونوں بزرگ تھوٹ، فلسفہ، اور تعلیمات میں نون کو چون سے باخبر ہیں، اس لئے یہ جو کچھ بتائیں گے اس میں کچھ ذاتی ذوق و مشاہدہ کا حصہ بھی شامل ہوگا،

امام صاحب فرماتے ہیں،

”نبوت انسانیت کے درجہ سے بالاتر ہے، جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے، وہ ... وہ

عطیہ الہی اور جو بہت ربانی ہے، سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رُسُلَهُ (انعام-۱۵) اللہ بہتر جانتا ہے کہ جہاں وہ اپنی پیامبری کا منصب بنائے

وَكَذَلِكَ أَتَيْنَاكَ لَوْ هُوَ إِلَّا نَحْنُ اللَّهُ (نہم-۱۵) اور اسی طرح ہم نے تیرے پاس اپنے حکم سے ایک روح بھیجی، تو پہلے نہیں جانتا تھا، کہ کتاب کیا ہے، اور ایمان

بِمَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَالْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا لِّقُلُوبِهِمْ مِنْ نَشَاءِ عَزَّ وَجَلَّ

کیا؟ لیکن انکو ہم نے ایک نور بنایا جس سے ہم اپنے نبیوں

عباد ونا (شوری-۵) میں سے جسکو چاہیں راہ سوجھائیں،

اس موقع کے لیے صریح آیت یہ ہے،

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (جمہا) یہ (نبوت) خدا کا فضل ہے جس کو چاہے دے،

لے معارج القدس کا یہ حصہ حضرت الاستاذ مرحوم نے انکلام کے آخر میں بطور ضمیمہ شائع کر دیا ہے، اٹھ امام صاحب نے آیت پوری نہیں لکھی ہے، میں نے اپنی طرف سے آیت پوری کر دی ہے،

گو یہ صحیح ہے کہ وہ عبادت ریاضات جو فکر و مراقبہ پر مشتمل اور دنیا اور شہرت طلبی سے پاک ہوں، نفس میں آثارِ روحی کے مستبول کرنے کی استعداد پیدا کر دیتے ہیں، تاہم نبوت کا منصب خاص محض اتفاقی نہیں، جو محنت اور کوشش سے کسی کو حاصل ہو سکا بلکہ جس طرح نوع انسان کا انسان اور فرشتوں کا فرشتہ بنانا ان کے افراد کی سعی و محنت کا مرہونِ منت نہیں، بلکہ طرح نوعِ نبی یا کاتبی بنانا ان کے افراد کی کوشش اور محنت سے ممکن نہیں، ہر انسان کا بچہ اپنی ذاتی محنت سے نہیں بلکہ فیضِ عالم کی بخشش سے انسانیت کا مرتبہ حاصل کرتا ہے، مگر انسانیت کے ممکن کمالات کو بالفعل حاصل ہو جانے کے لئے اس کو یقیناً کچھ نہ کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اسی طرح نبوت، نوعِ انبیاء کے لیے اکتسابی چیز نہیں، لیکن منشاءِ نبوت کے مطابق ریاضت و عمل، قبولِ وحی کی استعداد اور تیاری کے لیے البتہ ضروری ہیں،

چنانچہ اسی اصول کے مطابق اکثر پیغمبروں کے آغازِ وحی کے حالات میں آپ کو یہ ملے گا، کہ انھوں نے ایک نئے نامک عبادت و مراقبہ میں بسر کیا، ایک ایک مہینہ ایک ایک چلہ اس طرح گزارا کہ وہ مادی دنیا کی آلائشوں سے یکسر الگ ہو گئے، تو راہ میں حضرت موسیٰ کے متعلق ہے، کہ کتاب ملنے سے پہلے وہ چالیس روز تک کوہِ طور پر روزہ کی حالت میں رہے، اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کہ وہ ایک سنان جنگل میں چالیس روز تک روزہ رکھ کر عبادتوں میں مصروف رہے، اور وحی سے پہلے آنحضرت صلیم کا غارِ حرا میں مینوں عزت گزین رہنا اور فکر و مراقبہ اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہنا سب کو معلوم ہے،

چنانچہ آنحضرت صلیم نبوت سے پہلے حرا میں جا کر جب عبادت میں مشغول ہوئے تو رویا سے صادقہ دیکھنے لگے، جس کی سچائی مثلِ سیدہ صبح کے صاف نمایاں ہوتی تھی، وحی کے بعد بھی آپ اس قدر عبادت میں مصروف رہتے تھے کہ آپ کے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے، اسی لیے قرآن نے آپ کو خطاب کر کے کہا:۔

طَلَّ مَاءٌ أَنْزَلْنَاهُ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى (طہ)

(اے پیغمبر! میں نے یہ قرآن تجھ پر اس لیے نہیں اتارا کہ تو تکلیف اٹھا) اس عبادت و ریاضت کے ساتھ، نبوت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حامل میں حسن صورت و اعتدال مزاج، نشوونما کی پاکیزگی، حسن تربیت، ہمارے نسب، کرم اخلاق، نیکی طینت، متانت، سنجیدگی، دوستانہ الہی کیفیتیں

نرم خوئی، اور تواضع، اور دشمنانِ حق کیساتھ شدتِ قوت پائی جائے، علاوہ برین وہ راست گفتار امانت دار تمام برائیوں سے پاک فضائلِ محاسن سے آراستہ اور ذلیل باتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے، وہ ظلم کرنے والوں کو معاف، اور اپنے ساتھ برائی کرنے والوں کیساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے، قربتِ مندوں، اور مبہایوں کیساتھ احسان، مظلوموں کی اعانت، فریادخواہوں کی فریادری، انکی طینت، اور نیکی سے محبت، اور بدی سے نفرت اس کی فطرت ہوتی ہے، انکی شان جیسا کہ قرآن نے بتایا ہے، یہ ہوتی ہے کہ

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (نجم - ۱) تمہارا ساتھی (پیغمبر) نہ گمراہ ہوا، اور نہ بہکا،

اس کی یہ صفت اس دنیاوی عالم میں ہے کہ وہ ہر گمراہی و سب راہروی سے پاک ہوتا ہے۔

مَا ذَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ (نجم - ۱) انکی نگاہ نہ کج ہوئی، اور نہ سرکش ہوئی،

یہ اس دنیا کے مناظر اور مشاہدات کے متعلق انکی کیفیت ہوتی ہے،

تمام دنیا کی تین اُس کی قوت کے سامنے بالآخر سرِ طوعاً و کرہاً سرنگون ہو جاتی ہیں، بائین ہمہ وہ منکر و ر، جابر، جفا پیشہ، بدخوا، اور درشت مزاج نہیں ہوتا، وہ پیغمبری اور رسالت کے بابرِ عظیم کو اٹھاتا ہے، اور

اس کا پورا حق ادا کرتا ہے، اور تمام عالم میں اپنی رحمت کا فیض جاری کرتا ہے،

نبوت در رسالت کے ثبوت | نبوت کے ثبوت کے دو طریقے ہیں، ایک اجمالی، اور دوسرا تفصیلی، اجمالی طریقہ یہ ہے کہ طرح کا جسمانی طریقہ انسان کو حیوان پر نفسِ ناطقہ کی بنا پر فضیلت حاصل ہے، کہ یہ عقلی و دماغی خصوصیت حیوان

میں نہیں پائی جاتی جس کے بل پر انسان حیوان پر حکمرانی کرتا ہے، اور اس کا مالک بنا ہوا ہے، اور اُس کو اپنے

کام میں لگائے ہوئے ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو اپنے نفوسِ قدسیہ کی بنا پر تمام انسانوں پر برتری حاصل تھی

وہ اپنے ان قدسی نفوس اور پیغمبرانہ قوت سے دوسروں کو راہِ راست سوجھانے، اور خود راہِ بہت پر قائم رہتے ہیں

انکی پیغمبرانہ عقل و فہم تمام انسانی عقولوں سے بالاتر ہوتی ہے، اور اُن کو وہ ربانی خصوصیت حاصل ہوتی ہے، جس کی بنا پر

وہ تمام انسانی نفوس کی تدبیر کا فرض انجام دیتی اور اُن پر قابو پاتی، اور اُن کو کام میں لگاتی ہے، اور جس طرح انسان

کے عجیب و غریب کام جو انون کو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں، اسی طرح پیغمبروں کے عجیب و غریب کام انسانوں کو حیرت  
نظر آتے ہیں..... اور اگرچہ نبی مام انسانوں کیساتھ بشریت اور انسانیت میں برابر کا شریک ہوتا ہے  
مگر عقلیت و معنویت میں وہ ان سے بالکل الگ ہوتا ہے، کیونکہ اس میں وحی کے قبول کرنے کی جو صلاحیت ہوتی  
ہے، وہ دوسرے انسانوں میں نہیں ہوتی، اسی مفہوم کو قرآن نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (آلۃ کہف - ۱۷) میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں، مجھ پر وحی کیجاتی ہے،

دیکھو کہ بشریت میں گو پیغمبر کو دوسرے انسانوں کے مثل کہا ہے، مگر ساتھ ہی وحی کے فرق و امتیاز کو دونوں  
میں حد فاصل قرار دیا ہے،

نبوت کے تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہیں،

پہلا طریقہ | انسان میں تین قسم کے اختیاری حرکات پائے جاتے ہیں، فکری، قوی، عملی، ان تینوں سے جو افعال  
سرزد ہوتے ہیں وہ اچھے بھی ہوتے ہیں، اور برے بھی، فکری یعنی رائے، صحیح بھی ہوتی ہے اور غلط بھی، قول، پس بھی  
ہوتا ہے، اور جھوٹ بھی، عمل اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ صحیح اور غلط، سچ اور جھوٹ، اور اچھے اور برے میں تیز کنوئیکر ہو؟ پھر کیا یہ تیز  
ہر شخص کر سکتا ہے، یا کوئی نہیں کر سکتا، یا بعض کر سکتے ہیں، اور بعض نہیں، پہلے دو احتمال بدائے غلط ہیں اب رنگیا  
تیسرا احتمال یعنی بعضے انسان ایسے ہوتے ہیں جو ان حدود کو متعین کر سکتے ہیں کہ فلاں رائے، عقیدہ صحیح اور  
فلاں غلط ہے، فلاں قول سچ، فلاں جھوٹ ہے، اور فلاں فعل اچھا اور فلاں برا ہے، جس شخص کو خالق فطرت اپنے  
فضل و کرم سے یہ قوت عطا فرماتا ہے، وہی پیغمبر اور صاحب شریعت ہوتا ہے،

دوسرا طریقہ | نوع انسان کو اپنے اختیاری اعمال و حرکات اور مصطفیٰ معاملات میں باہمی اجتماع اور تعاون کی ضرورت  
ہے، اگر انسانوں میں باہم یہ اجتماع اور تعاون نہ ہو تو نہ تو انسان کا کوئی فرد زندہ رہے، نہ جان و مال اور عزت و  
آبرو کی حفاظت ہو سکے، اسی بقائے نفس اور جان و مال و آبرو کے تحفظ کے اصول و آئین کا نام شریعت ہے،

انسان کو اس کے لیے دو قسم کے کاموں کی ضرورت ہو ایک یہ کہ اچھے کاموں میں سب مل کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اس کو **تعاون** کہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ بُرے کاموں سے ایک دوسرے کو باز رکھنے کی کوشش کریں اس کو **تمانع** کہتے ہیں اسی تعاون کے ذریعہ سے انسان کھانے، پہننے اور رہنے کے سامان و اسباب فراہم کرتا ہے تعاون کے ذریعہ پنحاج و قربت، اولاد و اعزہ اور احباب و دوست کے حقوق و تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور تمانع کے ذریعہ سے نوع انسانی اور افراد انسانی کی زندگی، اور اُن کی دولت و جائداد اور عزت و آبرو کے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے اس تعاون اور تمانع کے اصول ضرور ہو کہ مرتب محدود اور معلوم ہوں اور وہ اس طرح بنائے جائیں جنہیں کسی خاص شخص، خاندان، قبیلہ، قوم، اور ملک کے فوائد کی ترجیح نہ ہو بلکہ اُن میں سب کا برابر فائدہ ہو یہ ظاہر ہے کہ ایسا قانون انسانوں کے ذریعہ نہیں بلکہ وحی ربانی اور تعلیم الہی سے بن سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ محض کسی انسان کی عقل سے جو بہر حال کوئی خاص شخص یا کسی خاص خاندان، قبیلہ، قوم اور ملک کا ہو گا ایسا غیر جانبدارانہ قانون زمین تمام مخلوقات کی حیثیت یکساں ہو اور کسی طرف توجہ نہ پائے اور تمام عالم کے لیے یکساں واجب العمل ہو محال ہے اس لیے ضرور ہے کہ یہ اصول اس کی طرف سے وحی ہوں جس کے ہاتھ میں نظام عالم کی باگ ہے اور جو پورے نوع انسانی کے اندر رونی و بیرونی احوال و کیفیات کے رموز سے باخبر ہے یہ اصول خالق عالم کی طرف سے جس شخص پر وحی ہوتے ہیں وہی پیغمبر اور رسول ہوتا ہے۔

تیسرا طریقہ یہ وہ طریقہ ہے کہ جس نے اُس کو نہیں جانا اس نے نبوت کی حقیقت نہیں پہچانی پہلے یہ جانا چاہیو کہ اللہ تعالیٰ کے دو کام ہیں **خلق** (پیدا کرنا، نیست سے ہست کرنا) اور **امر** (جو موجود ہست ہے اُس کو اپنی مصلحت کے مطابق حکم دینا) کائنات انہی دو چیزوں سے عبارت ہے تو جس طرح فرشتے خالق اور مخلوق کے درمیان خلق و ایقان و پیدائش اور پیغام رسانی میں واسطہ ہیں اسی طرح پیغمبر خدا اور بندہ کے درمیان احکام کے پہنچانے میں واسطہ ہیں اور جس طرح خدا پر بحیثیت خالق اور آمر (پیدا کرنے والے اور حکم دینے والے) کے ایمان لانا واجب ہے اسی طرح فرشتوں پر اس حیثیت سے کہ وہ خالق و مخلوق کے درمیان ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی کے واسطہ ہیں

ایمان لانا ضرور ہے اور اسی طرح پیغمبروں پر اس حیثیت سے ایمان لانا فرض ہو کہ وہ خدا اور بندہ کے درمیان حکم کے پہنچانے میں واسطہ بنیں،

اس کے بعد حسب ذیل مقدمات ذہن نشین رکھنے چاہئیں،

۱۔ چونکہ ممکن کا وجود اور عدم برابر ہے، اس لیے ممکن کے وجود میں آنے کے لیے ایک مرتبہ کا ہونا ضروری ہو چکی وہ جس سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو، اور وہ شئی عدم سے وجود میں آسکے یہی امر مرتبہ ممکن کی علت ہوتا ہے،

۲۔ ہر قسم کے حرکات کے لئے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہے، جو وہ دم حرکت کی تجدید کرتا رہے، حرکات کی بھی دو قسمیں ہیں، طبعی اور ارادی، ارادی حرکت کے لیے ضروری ہو کہ اس کے محرک میں ارادہ اور اختیار پایا جائے، اسی طرح طبعی حرکت کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ اس کا محرک عقل اور تدبیر والا ہو، آفتاب و ماہتاب، اور دوسری آسمانی مخلوقات کی حرکات کو طبعی ہیں، تاہم ان کو حرکت دینے کے لیے کسی قائل تدبیر کی ضرورت ہے، اسی لیے قرآن نے ان کے لیے کہا،

وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرًا هَا (جم السجود - ۲) خدا نے ہر آسمان میں اسکا فرض اور کام وحی کیا،

۳۔ اب جس طرح انسانی حرکات کو ارادہ اور اختیار کی حاجت ہے، یعنی ارادہ اور اختیار کے بغیر وہ وقوع میں نہیں آتے، اسی طرح ان حرکات کو ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہے جو ان اعمال و حرکات کا ٹھیک راستہ اور صحیح طریقہ بتائے، اور حق کو باطل سے سچ کو جھوٹ سے، اور خیر کو شر سے ممتاز کر دے،

۴۔ خدا کے حکم و قسم کے میں تدبیر اور تکلیفی پہلا حکم تمام نظام عالم میں جاری ہے جس کی بنا پر تمام عالم میں تدبیر اور انتظام کا سلسلہ نظر آتا ہے، قرآن مجید میں ہے،

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِ اللَّهِ (اعراف - ۵) اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے تابع ہیں،

لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (اعراف - ۵) اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا،

تکلیفی حکم صرف انسان کے لیے ہی، چنانچہ قرآن میں ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ  
اے انسانو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمکو

(بقرہ ۲۱)

پیدا کیا،

مقدمات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ انسان کے تمام حرکات ممکن ہیں اس لیے مرتج کی ضرورت ہی اختیار  
ہیں، اس لیے عقل کی ضرورت ہی خیر و شر کے نقل ہیں، ایسے رہنما کی ضرورت ہے، اسی رہنما کا نام پیغمبر ہے،  
نظام عالم میں خدا کا جو تدبیری حکم نافذ ہے، وہ ملائکہ کے ذریعہ سے ہے، اسی پیاس سے انسانوں پر خدا کا جو تکلفی  
حکم نافذ ہے، وہ بھی ایسے ہی نفوس قدسیہ کے ذریعہ سے ہوگا، اور انہیں کا نام پیغمبر ہے،  
شاہ صاحب نے حجۃ اللہ الباقیہ کے چھٹے بحث کے دو ابتدائی بابوں میں اس پر بحث کی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ کل  
محکمہ منجی سے کی ہے، شاہ صاحب کی تقریر کو ہم اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں۔

نبی کی ضرورت | انسان میں دو قسم کی قوتیں ہیں، انہی اور ملکوتی، آسمانی، پناہ، شہوت، حرص و طمع، ہستیلا، حیر و غیرہ انہی  
بہمی قوت کے آثار ہیں، اور غور و فکر، علم و معرفت، حسن اخلاق، صبر و شکر، عبادت و طاعت وغیرہ ملکوتیت کے نتائج ہیں،  
انسان کی روحانی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ انہی قوت، اسکی ملکوتی قوت کے تابع ہو، اگرچہ عقل سلیم ان اصول  
اور طریقوں کو معلوم کر سکتی ہے، جبکہ ذریعہ سے بہیمیت کے تابع ملکوتیت ہونے کے فائدے، اور گناہ و عصیان کے نقصان  
ظاہر ہوں، عقل سلیم کے اس علم سے، انسان فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کر سکتا ہے، مگر یہ تو امکان عقلی ہے، عملی کیفیت یہ ہے،  
کہ انسان کی آنکھوں پر موجودہ دنیاوی لذائذ، حرص و طمع، اور بیجا خواہشوں اور غفلتوں کے استغناء پر دوسے پر جانے  
ہیں کہ اس کے اصلی اور فطری وجدان اور قوت، احساس کا مادہ فاسد ہو جاتا ہے، جیسے بیماری میں انسان کی زبان کا ذائقہ  
جب بدل جاتا ہے، تو میٹھی سی میٹھی چیزیں کو کڑوی معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اندرونی وجدان و احساس کے فاسد ہو جانے  
سے بھی وہ حق و باطل، خیر و شر، اور نیک و بد کی تمیز کو بھول جاتا ہے، ایسے نوع انسان کو ایسے صحیح رہنماؤں، اور روحانی معلمین  
کی ضرورت ہے، جن کے احساس وجدان کا آئینہ گرد آلود نہ ہو،

اگر افراد، جماعات اور اہل ملک کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے، جو اپنی سیاست کے زور سے ان میں صلح و



دانشی اور امن و امان پیدا کر دے، تو ایک قوم کی قوم بلکہ کل دنیا کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت کیوں نہ ہو، جو ہرگز  
کی استعداد کو پیش نظر رکھ کر اس کے مطابق اس کے حقوق و فرائض کی تعیین کرے، ایسے لوگ جو ایسے اہم فریضہ کو انجام دیکر  
اُنسی طرح کم ہین جہ طرح دوسرے اصناف کے اہل کمال، انسانوں کے معمولی پیشوں، تجارتی اور لوہاری، کو دیکھو کہ کس قدر  
معمولی ہین، مگر ان کو کرنا بھی ہر شخص کا کام نہیں، یہ پیشے بھی ایسے لوگوں کے بغیر جو دین نہیں آئے، جن کو ان کاموں کا خاص  
ذوق و وجدان تھا، اور ان کو ان کاموں کی خاص فطری استعداد ملی تھی، جس کے ذریعہ سے انھوں نے اس فن کو تکمیل تک  
پہنچایا، اور اس کے اصول و قواعد وضع کیے، اور بعد کے آنے والوں نے ان کی تقلید کی، اور اس تقلید سے مدارج علیا تک  
پہنچے، پھر اخلاق و روحانیات اور ملک و ملت کے مصالح و فوائد عامہ کا فن جب قدر اہم اور نازک ہے، کیا اس کو سمجھنا اور  
وضع کرنا ہر کس و نا کس کا کام ہو سکتا ہے۔

بنی کی عصمت | پھر اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص اس رہنمائی کے منصب کا مدعی ہو، وہ اپنی نسبت یہ بھی ثابت کرے  
کہ وہ ان اصول و قواعد سے بخوبی واقف ہو، اور وہ اپنے علم اور تعلیم میں غلطی اور گمراہی سے محفوظ ہے، اور یہ اُس وقت تک ممکن  
نہیں، جب تک اس کے علم اور تعلیم کا ماخذ اور سرچشمہ غلطیوں سے پاک اور محفوظ نہ ہو، اُس کو ان امور کا علم اسی طرح وجدانی ہو،  
جس طرح انسان کو بھوک اور پیاس کا وجدان ہوتا ہے، کیا کسی کو اس علم میں کہ اُس کو بھوک یا پیاس معلوم ہوتی ہے، کوئی  
غلطی ہو سکتی ہے، اسی طرح اس کو حق و باطل، خیر و شر اور نیک و بد امور کے درمیان فیصلہ اسی طرح قطعی معلوم ہوتا ہے، جس میں  
دلیل کی حاجت ہوتی ہے، اور نہ عقل و شعور کی ضرورت ہوتی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر بھوک اور پیاس پہنچانے  
کا علم اسی طرح رکھ دیا ہے، کہ ہمارے سامنے کوئی معاند کتنی ہی دلیلین پیش کرے، کہ ہم کو بھوک یا پیاس نہیں ہے، ہم کہیں  
اپنے اس وجدانی یقین سے جس کو خدا نے ہمارے اندر پیدا کر دیا ہے، اس معاند کے ان عقلی دلائل سے متاثر ہو کر دست بردار  
نہیں ہو سکتے، اور اپنے یقین کو غلط نہیں کہہ سکتے، بعینہ اسی طرح ان نفوس قدسیہ کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے خاص قسم کا  
وجدان و ذوق سلیم رکھ دیا ہے، جس کا عمل ہمیشہ صحیح، اور جس کا احساس ہمیشہ درست، اور جس کا فیصلہ ہمیشہ ناطق ہوتا ہے،  
نبی کی مجربیت | ایسا شخص جب لوگوں کے سامنے آتا ہے، اور لوگوں کو بار بار کے تجربہ سے اُس کی صداقت، سچائی،

اور راستبازی کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ سے جو تصرفات صادر ہوتے ہیں ان سے اُس کا مقرب بارگاہ الہی ہو جاتی  
ظاہر ہو جاتا ہے، تو ہر طرف سے لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اس کی محبت کی راہ میں جان و مال اور اہل و عیال  
سب کو قربان کر دیتے ہیں،

شاہ صاحب اس کے بعد دوسری فصل میں ایسی بحث نبوت کو ایک اور انداز سے لکھتے ہیں جہاں حاصل یہ ہے:-

مصلحین | فصل مکمل اور علم عمل کے لحاظ سے انسانوں کے مختلف درجے ہیں، ان میں سے بڑا درجہ **مستحقین** کا ہے اور یہ وہ  
لوگ ہیں جنکی قوتِ ملکیت نہایت بلند ہے، انہیں یہ قدرت ہوتی ہے کہ اپنے صحیح جذبہ سے ایک خاص نظام کو دنیا میں  
قائم کر دیں، اور ان پر بارگاہ الہی سے ایسے علوم اور احوال کا ترشح ہوتا ہے جنہیں بانی آثار نظر آتے ہیں ایسے لوگ معتدل مزاج  
اور اپنی صورت و سیرت میں درست، اور عقل و ذکاوت میں متوسط ہوتے ہیں، ان کا قدر بلکہ جزئیات سے کلیات تک ان کا  
پہنچا شکل نہ اس قدر تیز کہ جزئیات اور محسوسات سے قطع نظر کر کے ہمیشہ ذہنیات اور خیالات میں مبتلا رہیں، صحیح فطرت پر  
وہ قائم رہتے ہیں بلکہ بطریق اُن کے پسندیدہ ہوتے ہیں، خدا کیساتھ اُن کا تعلق عبادت و طاعت سے اور بندوں کیساتھ عدل  
و انصاف سے قائم رہتا ہے وہ اپنے فیصلوں میں شخصی اور جزئی بھلائی اور منفعت کا لحاظ نہیں کرتے بلکہ منفعتِ عامہ اور تدبیرِ کلی  
کا لحاظ کرتے ہیں، براہِ راست کسی کو تکلیف نہیں دیتے، اَللّٰہِ کہ منفعتِ عامہ کا حصول اور بڑی تعداد کا فائدہ چھوٹے سے نقصان  
سے حاصل ہو، تو وہ اُس جزئی تکلیف اور شخصی نقصان کو گوارا کر لیتے ہیں، ہمیشہ اپنے کاروبار میں عالمِ غیب کی طرف مائل  
رہتے ہیں جس کا اثر اُن کی بات چیت، کام کاج، اور معاملات میں نمایاں ہوتا ہے، کارکنانِ عالم انکی تائید و نصرت میں  
رہتے ہیں، معمولی ریاضت سے اُن کے لیے قرب و سکینت کے وہ دروازے کھلتے ہیں، جو دوسروں کیلئے نہیں کھلتے  
مصلحین کے اقسام | **مستحقین** کے درجہ بدرجہ مختلف اصناف ہیں، اور ان کی مختلف استعدادیں ہیں، اور اس بنا پر ان میں سے  
ہر ایک کے الگ الگ اصطلاحی نام ہیں، جو زیادہ تر عبادات کے ذریعہ سے تہذیب و تمدن کے علوم پاتا ہے وہ **کامل** ہے  
اور جو اخلاقِ فاضلہ اور تدبیر منزل کے اُمول حاصل کرتا ہے، وہ **حکیم** ہے، جو عمومی تدبیر و سیاست کے علوم کا فیض پاتا ہے  
اور ان کے مطابق اس کو لوگوں میں عدل کے قیام اور ظلم کے دور کرنے کی توفیق ملتی ہے، وہ **خلیفہ** ہے، اور جس پر ملاؤ

کا نزول ہوا اور وہ اس سے تعلیم پائے، اور وہ اس کو مخاطب کرے، اور مختلف قسم کے تصرفات اس سے صادر ہوں وہ مومن  
**روح القدس** کہلاتا ہے، اور وہ جس کی زبان اور دل میں نور ہو، کہ لوگ اُس کی صحبت اور پسند و موافقت سے نفع  
 اٹھائیں، اور وہ نور اس سے منتقل ہو کر اُس کے رفقاء خاص میں منتقل ہو جس سے وہ بھی کمال کے درجہ تک پہنچ جائیں  
 اُس کا نام **ہاموی** اور **ہزکی** (پاک کرنے والا) ہے، اور جس کے علم کا بڑا حصہ ملت کے اصول و قواعد اور انکی مصلحتوں  
 کی واقفیت ہو، اور ملت کے منہدم ارکان کو دوبارہ قائم کرنے کی طاقت ہو وہ **امام** کہلا جائیگا، اور جس کے قلب میں یہ  
 ڈالا جائے، کہ وہ لوگوں کو اُن کی اس مصیبتِ عظمیٰ سے خبردار کرے، جو اس دُنیا میں اُن کے لیے اُن کے اعمال کے نتیجہ  
 کے طور پر مقدر ہے، اور اُن کی بد اعمالی کے سبب اُن سے حق تعالیٰ کی رحمت کو جو دوری ہے، یا قبر اور حشر میں اپنے بھتیجن  
 انہواری بن اُس کا نام **مہندَر** (ڈرانے والا ہشیار کرنے والا) ہے،

اور جب حکمت الہی کا یہ اقتضا ہوتا ہے، کہ مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لیے اُن مفتین میں سے کسی کو بھیجے تو اُسکی  
 آمد مخلوق کے تاریکی سے نکل کر روشنی میں آنے کا سبب ہو جاتی ہے، اور وہ بندوں پر یہ فرض قرار دیتا ہے، کہ وہ دل و جان  
 سے اس کی اطاعت کریں، اور بارگاہِ الہی میں تاکید ہوتی ہے، کہ جو اُسکی اطاعت کرے، اس سے خوشنودی، اور جو اُس  
 سے مخالفت کرے، اُس سے ناخوشی ظاہر کی جائے، یہی شخص **نبی** ہوتا ہے،

نبی کی دو بعثتیں [بنیوں میں بڑا درجہ اُس کا ہوتا ہے جس کو اس پیغمبرانہ بعثت کیساتھ ایک اور بعثت ملتی ہے، اور وہ یہ کہ  
 مراد الہی یہ ہوتی ہے، کہ اُس نبی کے ذریعہ سے اُس کی قوم، اور اُس کی قوم کے ذریعہ سے دوسری قومیں ظلمت سے نکل کر  
 نور میں آئیں، تو اُس نبی کی ذاتی بعثت کا نام بعثتِ اولیٰ، اور اُسکی قوم کی دوسری قوموں کی ہدایت کے لیے نامزدگی بعثتِ  
 ثانیہ ہے،

نبی کی پہلی بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے،

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ  
 وَهُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ مِنْهُمْ رَسُولًا مِنْهُمْ  
 يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ  
 وَهُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ مِنْهُمْ رَسُولًا مِنْهُمْ

وہی خدا جس نے اُن پڑھوں میں، اُنھیں میں سے ایک رسول  
 بھیجا، جو اُن کو اُس کی آیتیں سناتا، اور ان کو پاک بناتا، اور

الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ، (مجمعاً) اُن کو کتاب اور دانائی سکھاتا ہے،

اور دوسری بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے،

لَكُمْ خَيْرٌ مِّنْهُ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاوُودُكَ

تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیے، وجود میں لائی گئی،

بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ۷۸)

نیکی کا حکم دیتی ہو اور برائی سے باز رکھتے ہو،

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ بعثت اُنکی اُمت کے لیے ہوئی، ویسی ہی اُنکی

امت کی بعثت دوسری قوموں کی طرف ہوئی، اور اسی معنی میں قرآن پاک کی یہ آیت بھی ہے،

لَيَكُونَنَّ الرَّسُولُ مُشْهِدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا

تاکہ رسول تپس گواہ ہو، اور تم لوگوں پر گواہ ہو،

شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (حج - ۱۰)

اسی لیے احادیث میں ہے، کہ اپنے صحابہ کو فرمایا فَاَنْتُمْ بَعِثْتُمْ مِّنْكُمْ مِّنْكُمْ وَلَكُمْ تَبَعَتُوْا مَعْتَبِرِيْنَ "تم آسانی

کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، سختی کرنے والے بنا کر نہیں" انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام آئے وہ ان مختلف مذہبوں کو

بالا مناصب میں سے ایک یا دو منصب کیساتھ مبعوث ہوئے، لیکن انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام منصبوں پر ایک ساتھ مقرر فرما

ہوئے، اور یہ تمام فنون آپکی واحد ذات میں جمع کر دیئے گئے، اور آپ کو یہ دونوں بعثتیں بھی بکمال استحقاق عطا ہوئیں،

بعثت کیسے کسی قوم | یہ بھی واضح ہو کہ رسول کی بعثت کے لیے حکمت الہی کا اقتضا اس لیے ہوتا ہے کہ عالم کی عمومی تدبیر و نظم

کا انتخاب

و نسق میں جو اضافی خیر متبر ہے، وہ ان دونوں اُسی رسول کی بعثت میں منحصر ہوتا ہے، اور اس بعثت

کے حقیقی سبب کا علم اُسی دانائے غیب کو ہو، مگر اتنی بات ہم قطعاً جانتے ہیں، کہ کچھ اسباب ایسے ہیں، جو بعثت کیساتھ ضرور

پائے جاتے ہیں، اور امت پر اُس رسول کی اطاعت اسی لیے فرض ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی تمام قوموں سے

جس قوم کی نسبت یہ جانتا ہے کہ اس میں خدا کی اطاعت و پرستش کی استعداد اور اُپہن اللہ تعالیٰ کے فیضان اُٹھانے کی

صلاحیت زیادہ ہو، اُس میں وہ رسول مبعوث ہوتا ہے، اور چونکہ اس قوم کی اصلاح اُسی پیغمبر کی پیروی اور اتباع میں منحصر

ہوتی ہے، اس لیے بارگاہ الہی کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اُنکی اطاعت سب پر واجب کیجائے،

بغشت کا زمانہ اس موقع پر چند باتیں اور قابلِ لحاظ ہیں، اگر یہ وقت وہ وقت ہوتا ہے کہ کوئی نئی حکومت اس لیے قائم  
 کی جائے تاکہ اُس کے ذریعہ سے اُن دوسری حکومتوں کو جو دنیا میں فساد اور شر کا موجب بنی ہوئی ہیں مٹا دیا جائے، تو  
 ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اُس شخص کو بھیجتا ہے جو پہلے اس قائم ہونے والی سلطنت کی قوم کی اصلاح کرے، اور اُس کے  
 دین کو درست کرے، تاکہ اُس کے ذریعہ سے دوسری قوموں کی اصلاح ہو جس طرح ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 بعثت ہوئی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی زندگی کی بقا اور اُس کو اپنا برگزیدہ بنانا چاہتا ہے، تو اُس میں وہ ایک ایسے شخص کو  
 بھیجتا ہے جو اُس کی کجی کو دور کر دے، اور اُس کو کتابِ الہی کی تعلیم دیکر اُس کو اس کا مستحق بنادے، جیسے حضرت موسیٰ  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنی اسرائیل میں بعثت ہوئی، یا کسی قوم کے متعلق قضائے الہی کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو مزید زندگی ملتی  
 ہے، اور اس کا دین و سلطنت برقرار رہے، تو مجددِ دین نبوت پیدا ہوتے ہیں، جیسے بنی اسرائیل کے مختلف زمانوں میں حضرت  
 داؤد، حضرت سلیمان اور پیغمبروں کے ایک گروہ کی بعثت ہوتی رہی،

نبی کی قیسی کا سیلابی | ہر نبی کی بعثت کے دور میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اوسکو اور اُس کے دوستوں کو کامیابی  
 اُس کے دشمنوں کو پے درپے ناکامی ہو، (یہاں تک کہ حق استوار اور دعوت مکمل ہو جائے) قرآن پاک میں ہے:-

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْغُلَامِ اِذْ نَضْحَكُوا وَفِي الْوُجُوهِ غَمٌّ ۚ  
 لَّهُمْ الْمَقْصُورُونَ ۗ وَاِنْ جُنْدَنَا لَهٗ لَظَٰفِرُونَ ۚ  
 اور ہماری بات، اپنے پیغمبر کے متعلق پہلے ہی یہ ہو چکی ہے

ان دونوں بزرگوں امام غزالی، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے اپنے الفاظ میں جو کچھ کہا ہے، وہ حرفِ حق  
 صحیح ہے، اسی کرام علیہم السلام کے احوال مبارکہ اور سوانحِ مقدسہ پر چکی نظر عینی وسیع ہوگی، اُس کو ان اصول کے تسلیم  
 کرنے میں ذرہ بھر شک نہیں ہو سکتا، اور اُن پر استدلال، واقعات اور حوادث سے اسی طرح کیا جاسکتا ہے جس طرح تحقیق  
 اجتماع (سائنس کالوجی آف سیپل) یا نفسیات رہنمائی (سائنس کالوجی آف لیدرشپ) پر واقعات کے تسلسل اور تواتر سے کرتے  
 ہیں اس طرح امام غزالی اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اوپر کے صفحات میں جو کچھ کہا ہے، ہم جازاً کہہ سکتے ہیں کہ وہ نفسیاتِ نبوت  
 کے گویا ابواب ہیں،

موجود زمانہ میں خیالات طرز گفتار، اسلوب تحریر، اور طریقہ استدلال، غرض ہر چیز میں فرق ہو گیا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ اہل زمانہ سے اونکی اصطلاح میں گفتگو کی جائے، اور جو مہول قائم کیا جائے اُس پر قرآن مجید سے بھی ساتھ ساتھ استدلال کیا جائے، کہ عقل نقل دونوں درباروں میں کئے والے کی بات کا اعتبار ہو،

غور کرنے سے یہ معلوم ہوگا کہ دنیا کا قدرہ ذرہ جس غرض و مقصد کیلئے پیدا ہوا ہے، وہ اپنے ذاتی ارادہ اور مقصد کے بغیر خود بخود اُس کو پورا کر رہا ہے، اور اُس کے خالق نے اس کے روز پیدائش سے اس کو جو حکم دیدیا ہے، اُسکی تعمیل سے وہ سرسبز و انوار نہیں کرتا، آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے، آفتاب دنیا کو گرمی اور روشنی دینے پر مامور ہے، اور وہ ہر آن اور ہر لمحہ آسمان مصروف ہے، زمین کو سرسبزی اور شادابی کا کام سپرد ہے، اور وہ اس کو انجام دیر ہی ہے، ابر کو سیرابی اور گہر بارش کا حکم ہے، اور وہ اس کی تعمیل کر رہا ہے، درخت پھل دینے پر مقرر ہیں، اور وہ اس کام میں لگے ہوئے ہیں، چوٹا جن کاموں پر مامور ہیں، وہ خوشی اُن کو کر رہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انسان بھی اس دنیا میں کسی کام پر اسی طرح مقرر ہو کر آیا ہے یا نہیں؟ اگر ایسا ہے تو کیا اس کو انجام دیر رہا ہے؟

اُو انسان کو غور سے دیکھیں، بظاہر وہ بھی کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، اٹھتا بیٹھتا زندگی گزارتا ہے، اور پھر مر جاتا ہے، کیا اوسکی زندگی کا ایسا ہی قدر مقصد ہے، اگر یہی ہے تو پھر انسان اور حیوان میں کیا پہچان ہے؟ اور فنی ارادہ اور غیر فنی ارادہ میں کیا تمیز ہے؟ اور صاحب عقل اور عقل میں کیا فرق ہے؟ چنانچہ قرآن پاک اسی لیے انسانوں سے سوال کرتا ہے، اور بجا سوال کرتا ہے؟

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا      کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا،

(مومنون - ۶)

اَفَحَسِبْتُمْ اَلْاِنْسَانُ اَن يُّشْكُرَ سُدًى، (قیامہ - ۱۷)      کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائے گا،

اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی کسی غرض و مقصد کے لیے پیدا ہوا ہے، لیکن وہ غرض و مقصد کیا ہے؟

انسان کی پوری ہستی اگر کائنات کے سفر سے مٹ جائے تو بھی آفتاب سب سے بڑا چلتا رہیگا، سمندر اُسی طرح اُلتے رہیں گے، ہوائیں اسی طرح چلتی رہیں گی، پانی اسی طرح برستا رہیگا، ہنرے اُسی طرح اُگتے رہیں گے، اور درخت اُسی طرح

پھلے زمین کے لیکن اگر درخت نہ پھلین تو انسان کی ہستی معرض خطر میں پڑ جائے، سبزیاں نہ لگیں تو انسان بھوکا مر جائے، پانی نہ برے تو انسان پیاسا تڑپ جائے، اگر ہوائ نہ چلے تو انسان گھٹ کر مر جائے، اگر زمین نہ ہو تو انسان کو کھڑے ہونے کی جگہ نہ ملے، اگر آفتاب نہ چلے تو انسان کی ہستی کا چراغ فوراً بجھ جائے، سمندر نہ ہو تو پانی برے، نہ سبزیاں لگیں، نہ انسانی غذا میسر آئے، نہ پانی برس کر پھر زمین کو خشک ہونا نصیب ہو، الغرض دنیا کی کوئی اہم ہستی اپنے وجود کے لیے انسان کی محتاج نہیں لیکن انسان اپنے وجود کے لیے کارخانہ ہستی کے ایک ایک پرزہ کا حامل ہے، تو پھر کیا یہ نتیجہ صحیح نہیں، کہ اس کارخانہ کے ہر پرزہ کی غرض و غایت انسان کا وجود اور اس کی بقا ہے لیکن خود انسان کے وجود کی غرض کوئی دوسری ہے، جو دیگر موجودات کے وجود کی غرض سے زیادہ اہم ہے،

قرآن پاک دوسرے موجودات و مخلوقات کی نسبت تو یہ کہتا ہے،

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقہ-۳۰) اُمی نے تمہارے لیے (اسے انسانوں) اور سب پیدا کی جو زمین میں ہے

پھر یہ بھی بتایا،

الَّذِينَ تَرَاءُ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْتَلِفُ أَلْوَانُهُمْ فِي الْأَرْضِ (اسے انسان) کیا تو غور نہیں کرتا کہ زمین میں جو کچھ ہے اُن سب کو

(ج-۱۹)

تمہارے کام میں اُس نے لگا رکھا ہے،

زمین کے بعد آسمان کی نسبت بھی اُس نے اعلان کیا،

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (اور (اسے انسانوں) اُس نے رات اور دن کو سورج اور چاند کو

وَالنُّجُومَ مَسْخَرَاتٍ لِآيَاتِكُمْ (غل-۲۰)

تمہارے کام میں لگایا اور تمہارے بھی اُس کے حکم سے کام میں لگی ہیں،

ہستیاں دو ہی ہیں، خالق کی اور اُسکی مخلوقات کی، مخلوقات کے حالات پر غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ اُن میں ہر

ادنیٰ چیز اپنے سے اعلیٰ چیز کے کام آ رہی ہے، جمادات، نباتات، حیوانات کے اور جمادات اور نباتات اور حیوانات

تینوں انسان کے کام آ رہے ہیں، آخر انسان کو بھی اپنے سے کسی اعلیٰ ہستی کے کام آنا چاہیے، مخلوقات میں تو اب اس سے

کوئی اعلیٰ ہستی نہیں تو لا محالہ اُسکی تخلیق خود خالق کے لیے ہوئی ہے،

الغرض دنیا کی ساری چیزوں کی غرض غایت بواسطہ یا بلا واسطہ انسانوں کی بقا زندگی اور آسائش ہے، لیکن خود انسان کی زندگی اس کے لیے نہیں، بلکہ خدا کے لیے ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے،

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ اور میں نے جن اور انسان کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری

(ذاریات - ۳)

طاعت کریں،

عقل و فہم اور ارادہ و اختیار کے لحاظ سے مخلوقات کی تین قسمیں ہیں،

- ۱۔ ایک وہ جو ان صفات سے یکسر محروم ہیں جیسے آفتاب، مانتاب، زمین، ہوائی، پتھر، پھل، پھول، درخت،
- ۲۔ دوسرے وہ جو صرف ابتدائی احساس اور علم و فہم رکھتے ہیں، لیکن فہم و استقرار و تثبیل اور حاضر پر غائب کو فہم کر کے کسی نئے علم کا استخراج کرنا ان کی قدرت سے باہر ہے، ان کا ارادہ و اختیار بھی صرف ظاہری محسوس اشیاء تک محدود ہے، جیسے حیوانات،

۳۔ تیسری وہ مخلوق ہے جو عقل اور ادراک رکھتی ہے، قیاس آرائی کرتی ہے، استقرار و تثبیل کے ذریعہ سے استنباط کرتی ہے، جزئیات سے کلیات بناتی اور کلیات سے جزئیات پر حکم لگاتی ہے، بدہمیات سے نظریات تک پہنچتی، اور غائب کو حاضر پر قیاس کرتی ہے،

پہلی قسم کی مخلوقات سے جو حرکات اور آثار پیدا ہوتے ہیں، وہ اضطراری اور غیر ارادی ہوتے ہیں اور کبھی ان میں تخلف نہیں ہوتا، اسی لیے ان کو فطری آثار اور طبعی خصائص کہتے ہیں، جبکہ صدوران مخلوقات سے ہمیشہ یکساں اور بلا ارادہ ہوتا رہتا ہے، دوسری قسم کی مخلوقات سے جو آثار اور حرکات پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ گو ارادہ اور احساس اور ابتدائی فہم کے ماتحت صادر ہوتے ہیں، لیکن ان کے ہر فرد سے صرف ایک ہی قسم کے افعال و حرکات اور آثار یکساں طور سے ظاہر ہوتے ہیں، ان کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور نہ ایک دوسرے سے کم و بیش ہو سکتا ہے، ان کے ان افعال و حرکات اور آثار کو جبلت، فطرت اور طبیعت کہتے ہیں، ان کے صدور میں بھی وہ مخلوقات اپنی فطرت اور طبیعت کے تقاضے سے مجبور ہیں، جیسے حیوانات کے افعال اور ان کے مختلف انواع کے الگ الگ نوعی کام، کہ وہ ازل سے قیامت تک



بکسان ایک ہی طرح اور وہ بھی کسی غایت اور انجام و مال کے پہلے سے سوچے بغیر ان سے صادر ہوتے ہیں،  
 تیسری مخلوق کے بعض افعال کو طبیعت و جبلت کے مطابق ہوتے ہیں جو دیگر مخلوقات کی طرح ویسے ہی ہے  
 اور اضطراب سرزد ہوتے ہیں، مگر اُس کے اور دوسرے افعال و حرکات تماشائوں کے ارادہ، اختیار اور فہم سے صادر ہوتے  
 ہیں، صرف یہی آخری قسم کے افعال وہ ہیں جن پر خیر و شر اور نیک و بد کا حکم جاری ہوتا ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اُس کے  
 تمام حالات کام، عاقبت یعنی انجام اور مال کا کو خیال کر کے اُس کے ارادہ سے صادر ہوتے ہیں اور یہیں سے اُسکی ذمہ داری  
 کا سوال پیدا ہو جاتا ہے،

جن اُن کے علاوہ تمام دوسری مخلوقات خیر و شر کی ذمہ داری سے بری ہیں، جمادات و نباتات تو اس لئے کہ  
 اُن کے افعال و حرکات تمام مجبورانہ ہے ارادہ اور فکر انجام کے بغیر صادر ہوتے ہیں، یا یوں کہو کہ اُن احکام کے بموجب ہمیشہ  
 ہوتے ہیں، جو خدا نے اُن کو اول ہی دن دیدیئے ہیں حیوانات بھی اسلئے اس ذمہ داری سے بری ہیں کہ اُن کے افعال  
 و حرکات بھی تماشائی و طبعی ہیں اور وہ جبلت و طبیعت پر مجبورانہ ہے ارادہ اور انجام کے خیال کے بغیر عامل ہیں، یا یوں  
 کہو کہ وہ اپنے خالق کے احکام پر ہمیشہ اضطراب اعلیٰ پر ہیں، اسی طرح فرشتے بھی اس تکلیف سے سبکدوش ہیں، کیونکہ وہ  
 بھی اپنی خلقت اور جبلت سے اطاعت پر مجبور ہیں، اور اسی لیے اُن سے عصیان نہیں سرزد ہوتا صرف ایک انسان  
 ایسی مخلوق ہے جو بہت سی باتوں میں ارادہ، اختیار اور علم رکھتا ہے، نیکی، بدی اور خیر و شر ان دونوں پہلوؤں میں سے  
 کسی ایک کے اختیار پر قطعی مجبور نہیں ہو، بلکہ وہ عقل و فہم سے سوچ بچ کر خیال کا اور انجام پر غور کر کے یا اپنے جذبات  
 کے ماتحت کوئی کام کرتا ہے، اس لیے وہی خیر و شر کے امتیاز اور حق و باطل کے فرق کے لیے پیغام الہی کا محتاج قرار پاتا  
 جمادات و نباتات اور دیگر مخلوقات سے احکام الہی کی مجبورانہ اطاعت یعنی جبلت یا فطرت یا خاصیت کو، قرآن  
 پاک یوں ادا کرتا ہے،

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ  
 ذٰلِكُمْ وَامَّا تِلْكَ اَنْۢبِيَآءُكَ فَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ يَتَخَفُوْنَ  
 اور خدا ہی کے آگے سر جھکا دیتے ہیں جو آسمانوں میں ہو اور جو زمین میں ہو  
 جانداروں میں تو اور فرشتے وہ سر کشی نہیں کرتے اپنی پروردگار کا اور پست نہ

رَبُّهُمْ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيَعْلَمُنَّ مَا يَكْفُرُونَ (نحل)

لکھتے ہیں اور کہتے ہیں، جو حکم پاتے ہیں،

اس فطری اطاعت الہی کا دوسرا نام فطری وحی بھی رکھ لو، جیسا کہ قرآن میں ہے،

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ

اور تیرے پروردگار نے شہد کی مکین پر وحی بھیجی کہ پہاڑوں

بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ كُلِّي مَرْجٍ

میں اور درختوں میں اور بنان چھت ڈالتے ہیں، اپنے

كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا

یہ گھر بنائے، پھر ہر چل میں سے کھا، پھر اپنے پروردگار کی

(نحل- ۹)

راہوں پر (مقررہ احکام پر) چل، مطیع ہو کر،

دیکھو اس آیت پاک میں طبعی الہام کی مجبورانہ پیروی کو اطاعت الہی کہا گیا ہے، اور دوسری جگہ انکی اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کے حکم کی اسی طبعی اطاعت اور فطری تعمیل کو ان کی زبان حال کی نماز اور تسبیح فرمایا گیا ہے،

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین میں جو کوئی ہوا اور پانی

الْأَرْضِ وَالطَّيْرِ مَخْضُوعٌ كُلُّهُمْ لَهُ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ

جانور پر کھڑے اسکی یاد کرتے ہیں، ہر ایک نے جان لکھی ہی بنی

وَتَسْبِيحَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَلَيْهِمْ إِسْمَاعٌ يَفْعَلُونَ (نمل)

طرح کی نماز اور انکی پاکی کی یاد اور خدا کو معلوم ہو جو وہ کرتے ہیں

لیکن انسان کو دوسرے موجودات و مخلوقات کی طرح مجبور محض نہیں پیدا کیا گیا ہے، بلکہ جیسا کہ بتایا جا چکا، وہ اس اور ارادہ جو جادات میں معدوم، نباتات میں محل بحث، اور حیوانات میں متحرک ہے، وہ انسان میں پوری طرح بیدار

اور کار فرما ہے، اسی طرح وہ ارادی قدرت و اختیار جو جادات میں معدوم، نباتات میں مفقود اور حیوانات میں محدود ہے، وہ انسان میں ایک حد تک وسیع ہے، علاوہ ازیں ہر کام میں عاقبت بینی، اور مالی اندیشی صرف انسان کا خاصہ ہے،

اسی لیے تمام مخلوقات میں وہی ارادی تکلیف کا مستحق قرار پایا، اور غیر ذی ارادہ مخلوقات کی طرح بالاضطرار ارادہ مجبورانہ اطاعت الہی کے لیے نہیں، بلکہ بالارادہ اطاعت کے لیے اسکی تخیل ہوئی فرمایا،

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر

وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا

پیش کی تو انھوں نے انکار کیا اور اس سے ڈرے،

وَجَعَلْنَا الْإِنْسَانَ ط (احزاب - ۹) اور انسان نے اُس کو اٹھایا،

یہ امانت، اور ان کی وہی کی تمیز اور خیر و شر کا فرق ہے جس کے نتیجے کے طور پر شریعت الہی کا نزول ہوا ہے انسان کو اپنی اس امانت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بارادہ اور باختیار افعال میں بھی بے ارادہ اور بے اختیارانہ افعال کی طرح احکام الہی کی اطاعت کرنا ضروری ہو یعنی جس طرح بے اختیارانہ افعال میں فطرت و جبلت کی مجبورانہ اطاعت کر کے حکم الہی کی تعمیل کی جاتی ہے اُسی طرح بارادہ اور اختیاری افعال میں بھی شریعت کی بارادہ اطاعت کر کے حکم الہی کی تعمیل ضروری ہو،

اس مطلب کو دوسرے لفظوں میں یوں ادا کر سکتے ہیں، کہ غیر ارادی افعال حرکات میں جس طرح ہم اپنے فطری الہام و وحی کی مجبورانہ پیروی کرتے ہیں، اُسی طرح ارادی افعال میں بھی شرعی الہام و وحی کی بارادہ پیروی کریں، لیکن کسی کی اطاعت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اُس کے احکام و اوامر سے ہم کو واقفیت نہ ہو انبیاء اور رسول وہی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اپنے ان احکام اور اوامر کی شریعت کو وحی کرتا ہے، اور وہ ان ذمی ارادہ بندوں کو اس سے آگاہ و باخبر کرتے اور اُنکی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں،

یہ نکتہ کہ انسان کے علاوہ تمام دیگر بے ارادہ مخلوقات خدا کی اطاعت پر طبعاً مجبور اور مجبول ہیں اور کسی قدر باختیار انسان کے افراد اپنے اُسی ٹھوڑے سے اختیار اور ارادہ کے بل پر اپنے خالق سے سرکشی کرنے پر آمادہ ہیں، خود قرآن پاک کے الفاظ میں موجود ہے، فرمایا،

الَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ يَجْعَلُ لَهُمُ فِي السَّمَوَاتِ وَمِنْ

فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ

وَالشَّجَرُ وَالْدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ط و

كَثِيرٌ مِّنْهُمْ عَلَىٰ عَذَابٍ ط (ج - ۲)

بہت ہیں (انسان) جن پر عذاب ٹھہر چکا،

دیکھو کہ انسان کے علاوہ تمام دوسری بے ارادہ اور بے عقل مخلوقات کی کئی اطاعت اور سرانگندگی کا اعلان

لیکن خاص با ارادہ اور عقل اور انجام بین انسانوں کی دو قسمیں کردی گئیں، مطیع اور سرکش:

کائنات کے صحیفہ کا تذکرہ بھی مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان میں جس صنف مخلوق میں احساس ارادہ اور اختیار کی غنمی کمی ہے، اسی قدر فطرت اس کی دایہ گری کی خدمات زیادہ انجام دیتی ہے، اور جس قدر احساس ارادہ اور اختیار کا دائرہ اصناف ہستی میں بڑھتا جاتا ہے، اس قدر معلّم فطرت اپنے فرائض سے کنارہ کش ہوتا جاتا ہے، اور وہ صنف کائنات اپنی ذمہ داری آپ قبول کرتی جاتی ہے، جمادات اپنی نشوونما کے لیے بیرونی غذا کے محتاج نہیں، نباتات زمین ان اوصاف کی ہستی صرف اپنی انگلیں کھولتی ہے، ان کی غذا خود ان کے پانوں کے نیچے بہتی ہے، اور وہ خود اوپر چل کر ان تک پہنچ جاتی ہے، حیوانات زمین یہ اوصاف جاگ کر کروٹیں بدلتے ہیں، ان کی غذا بے جوتے ہوئے، سپے پٹے کھارے، بن پکے پکائے، ہر قسم پر ہر وقت تیار ملتی ہے، لیکن انسان زمین یہ تینوں اوصاف ٹھیکر حکمران اور کار فرما ہوتے ہیں، اس کے منہ تک غذا کا ایک دانہ بھی اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس کی جدوجہد، محنت، اور جانفشانی کے پسینہ کا گرم قطرہ پیشانی سے چل کر اس کے پانوں تک نہیں پہنچتا،

ہر ان احساس ارادہ اور اختیار جیسے جیسے کم ہے، اس قدر طبیعت، فطرت اور جبلت کی اضطراری حکومت قائم ہے، لیکن جیسے جیسے ان تینوں اوصاف کی ترقی و تکمیل ہوتی جاتی ہے، طبیعت، فطرت اور جبلت کی حکومت کا دائرہ تنگ ہو کر احساس ارادہ اور اختیار کی شہنشاہی قائم ہوتی جاتی ہے، اور حرکات اعمال کی باگ فطرت و جبلت کے مضبوط اور نامن تغیر ہاتھوں سے نکل کر اختیار و ارادہ کے کمزور اور ہرآن بدل جانوالے ہاتھوں میں آ جاتی ہے، جمادات ہمیشہ وہی کر رہے ہیں، نباتات عموماً وہی نہیں گے جو ان کو بننا چاہیے، حیوانات وہی کام انجام دیں گے جو ان کے سپرد کر دیا گیا ہے، لیکن انسان کسی قدر اختیار اور ارادہ پا کر اکثر اپنی راہ سے ہٹ جاتا ہے، اور حدود و اعتدال سے قدم باہر نکال دیتا ہے، اور اپنے اس اختیار و ارادہ کی ذمہ داری کی امانت کو بھول جاتا ہے، انبیاء اور رسولؐ وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ذی ارادہ اور با اختیار مخلوق کو اس کی اس ذمہ داری کے فرائض سمجھانے کے لیے آتے ہیں،

اس اختیار اور ارادہ کے مرکز کا نام مذاہب کی زبان میں "دل" ہے جو انسان کے سر سے لیکر پاؤں تک کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ کی ایک ایک لہجہ جس حرکت پر حکمران ہے اور اسی کے حکم سے اس جسم کے اندرونی عالم میں سب کچھ ہوتا اور سرانجام پاتا ہے، انبیاء اسی دل کے نظام کو درست کرنے کے لیے آئے ہیں،

انسان کو اپنے وجود، بقا، ترقی اور تکمیل کی ہر منزل میں قدم قدم پر ہزاروں چیزوں کی جستجاء ہوتی ہے، ان چیزوں کے دنیا اور تیار کرنے کے لیے ہر انسان میں استعداد و قوت الگ الگ ہوتی ہے، اور یہ استعداد و قوت دنیا قدرت کی طرف سے پیدائش بلکہ پیدائش سے پہلے ہی آب و گل کے عالم میں اس میں ودیعت رکھی جاتی ہے، یہی سبب ہے کہ ہر انسان میں جس قسم کا میدان ہوتا ہے، اسی کی استعداد اس میں پائی جاتی ہے، اور پھر بعد کو خاص خاص فنی الہامات کے ذریعہ سے جنکو تم ایجادات اور اختراعات کہتے ہو، ہر پیشہ وراپنے متعلقہ کام کو بڑھاتا، اور ترقی دیتا ہے، اور تمہاری ضرورت کے مطابق تمہارے لیے سامان فراہم کرتا ہے،

ان مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعداد اور حسب حیثیت مختلف درجے اور مرتبے ہیں بعض ان میں محض منقلہ ہوتے ہیں، جو وہی بنا سکتے ہیں، جو بنانا سیکھا ہے، بعض چابکدست اور ذہین ہوتے ہیں، جو اچھے کاریگر دن کے صرف نو نوں کو دیکھ کر اچھی چیزیں تیار کر سکتے ہیں، بعض ایسے ذہین اور فطین ہوتے ہیں کہ وہ نئی نئی چیزیں بناتے اور یافت کرتے اور ایجاد کرتے ہیں، اور بعد کے آسنے والے مدت تک انہیں کی تقلید کرتے رہتے ہیں، کاشتکاری کے اصول، اذالہ مرض کی تدبیریں، کھانے پکانے کے طریقہ، سواری کے ضروریات، رہنے سہنے کے سامان پہننے کے کپڑے، لڑنے کے آلات، اُن میں سے ہر شے کی ضرورت ہے، اور اُن میں ہر ضرورت کے لیے خالق فطرت نے ایک ایک گروہ کو پیدا کر دیا ہے، اور وہ اپنے اپنے کام کو انجام دیتے رہتے ہیں، ان ضرورتوں کے فراہم ہو جانے سے انسان کی مادی زندگی کی تکمیل ہو جاتی ہے، اب اس کے بعد اُس کی روحانی اور اخلاقی زندگی کے ضروریات کا جنکو تم اصولِ تمدن، طریقہ معاشرت، آئینِ عدل و انصاف، اخلاقِ حسنہ اور دین و تقویٰ کے نام سے موسوم کرتے ہو، وہ شرع ہوتا ہے، اگر یہ اصول اور تعلیمات انسانوں کے سامنے نہ ہوں، تو آدم کے بیٹوں کی یہ جہت و ذریعہ ہوگا

اور اشرف المخلوقات کی یہ جماعت، جانوروں کا گٹھ اور درندوں کا جھنڈ بن جائے،

جو تمھارے لیے غلہ پیدا کرتا ہے، وہ کاشتکار ہے، اور جو اوزار بناتا ہے وہ لوہار ہے، جو زیور گھڑتا ہے، وہ سونار ہے، جو تمھارے کپڑے بناتا ہے وہ جولاہا ہے، جو تمھارے مکان بناتا ہے وہ مہمار ہے، جو تمھاری حفاظت کرتا ہے وہ سپاہی ہے، جو تمھاری نگہبانی کرتا ہے، وہ حاکم ہے، جو تمھارے آپس کے جھگڑے چکاتا ہے، وہ قاضی ہے، جو تمھارے ملک کے اندر امن و امان کا ضامن ہے، وہ بادشاہ ہے، جو تمھاری جہانی بیاریوں کا معراج ہے، وہ طبیب ہے، جو اپنی صابون سے تمھاری ضرورتوں کے لیے کاریگری کی چیزیں بناتا ہے، وہ صنعتا ہے اور جو تمھارے لیے مادی کائنات کے پھرے سے اسرار کا پروں بٹا کر، تم کو ہر چیز سے باخبر کرتا ہے وہ حکیم ہے،

اسی طرح جو برگزیدہ افراد تمھارے روحانی و اخلاقی و اجتماعی حالات کے معلم و نگران ہیں، ان کی بھی ایک عبادت ہے، لیکن جس طرح تمھارے مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعداد اور حسب حیثیت درجے ہیں، اسی طرح ان روحانی ضروریات کے فراہم کرنے والوں میں بھی مرتبے اور درجے ہیں، بعض وہ ہیں جو صرف اگلے روحانی معلمین کی نقل و تقلید کرتے ہیں، یہ عام علمائے بعض وہ ہیں جو اچھے روحانی فنون کو دیکھ کر، خود بھی ان کی عمدہ نقل اتارتے ہیں، اور دوسروں کو بھی بتاتے ہیں، یہ مجددین ہیں، بعض ایسے ہیں جو الہام ربانی سے فیض پاکر روحانیت کے نئے نئے اصول وضع کرتے اور دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں، یہ انبیاء ہیں، ان کے مقدس ہاتھ، تمھارے لیے غلہ پیدا کرنے، مکان بنانے، کپڑا بنانے، اوزار بنانے اور صنعتا کی کرنے کے لیے نہیں، بلکہ ان سے بدرجہا بلند تر اور بہتر کام کے لیے ہیں، ان کی مبارک انگلیاں تمھارے ان تاروں پر پڑتی ہیں، جن سے یہ صد ہا قسم کے نفع نکل رہے ہیں، یعنی تمھارے دل کی رگوں پر، غور کرو کہ یہ اصل مرکز جس پر تمھارے تمام اعمال و افعال اور ہر قسم کے حرکات و سکنات اور ہر طرح کی جدوجہد کا دائرہ ہے، یعنی ”دل“ کیا انبیاء اور ان کے متبعین کے سوا کوئی طبقہ اس کی نشوونما، حفاظت، ترقی، تکمیل، اور اصلاح کے لیے بھی کام کر رہا ہے، اور کیا خالق فطرت کا یہ فرض نہ تھا، کہ وہ تمھاری مادی ترقی و اصلاح کی طرح، تمھاری روحانی ترقی و اصلاح کی بھی فکر کرتا، اور ایسا سمجھنا کہ اس نے اس کی ترقی و تکمیل و اصلاح کی خدمت، انوع انسانی کے کسی کارکن طبقہ

سے متعلق نہیں کی ہے، کیا اسکی شانِ ربوبیت کیساتھ سو رخن نہیں ہو

یہی وہ طبقہ ہے جو تمام متفرق اور مختلف انسانی طبقوں کو باہم جوڑ کر ایک عام انسانی تمدنی سطح پر لایا ہے، وہ ان سب کو جو تمہارے لیے روٹی تیار کرتے ہیں، کپڑے بناتے ہیں، جھوڑے بناتے ہیں، اور سامان اور اوزار درست کرتے ہیں، ایک دوسرے کیساتھ مشارکت اور معاونت اور نیکی پر آمادہ کر کے ان میں روحانی برادری پیدا کرتے ہیں، اور مٹی سے پیدا ہونے والے ایک آدم کے بیٹوں کو جنگو دولت و غربت، سوسائٹی اور مجلس، حکومت اور قلم، اور جزائی و قومی تقسیم نے پارہ پارہ کر رکھا ہے، باہم جوڑ دیتے ہیں، اور ان تمام مصنوعی امتیازات کو مٹا کر پوری زمین کو ایک ملک، تمام اقوام عالم کو اولادِ آدم، اور کل بنسٹ پست طبقوں کو ایک انسانی طبقہ قرار دیتے ہیں، اور ان کے اخلاقی و روحانی عالم میں اصلاح و ترقی اور امن و امان پیدا کرتے ہیں، ان کے دلوں سے بغض، کینہ کو نکال کر اخوت و محبت کا نور بھرتے ہیں، ان کے احساس، ارادہ، اور اختیار کی باگ پر ان کے دل کو قابو حاصل کرنے کی تدبیر بتاتے ہیں، اور ان کو اعتدال کی حد بتا کر صحیح و غلط کی تیز عطا کرتے ہیں،

یہی وہ انسانی طبقہ ہے جس کو ہم نبی رسول اور پیغمبر کہتے ہیں، ان کو گویا براہِ راست جسم و جسمانیات سے تعلق نہیں ہوتا، بلکہ صرف دل اور قلب و روح کے عالم سے سروکار ہوتا ہے، تاہم اس دل اور قلب و روح کی اصلاح کے لیے جسم و جسمانیات کی کسی قدر اصلاح بھی اس حد تک ان کے فرائض میں داخل ہے، جہاں تک ان کو دل اور قلب و روح کے کاموں کی اصلاح کیلئے انکی ضرورت معلوم ہوتی ہے،

ایک شہد اور اس کا جواب | اس مقام پر ایک شہد یہ ہوتا ہے، کہ افرادِ انسان کے درمیان، امن و امان اور اطمینان پیدا کرنے کا کام تو بادشاہ بھی کرتے ہیں، اخلاق کا ایک معلم بھی کرتا ہے، ایک فلسفی اور اجتماعیات کا ایک حکم بھی کرتا ہے، مگر ان کے کاموں کے درمیان جو عظیم انسان فرق ہے، اس کو سمجھ لینا ہی اس شہد کا ازالہ ہے، علمی اصطلاح میں یوں سمجھو کہ مختلف فنون کے ماہر ایک ہی چیز پر مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالتے ہیں، اور اسی اختلافِ نظر سے ان کا فن بھی علاحدہ علاحدہ ہو جاتا ہے، کسی جسم کے اجزائے ترکیبی سے اگر بحث کی جائے، تو کیمسٹری ہے، اگر اس کی زندگی اور اسباب

زندگی پر غور کیا جائے تو بیا لوجی (علم الحیات) ہے، اگر اس کے دماغی قوی اور ان کے آثار کی تحقیق کی جائے، تو سائنس بیا لوجی (علم النفس) ہے، اگر اس کے جذبات اور جذبات کے مطابق اس کے شخصی افعال اعمال کے حدود اور ان کے اسباب و علل اور غرض غایت پر نظر ڈالو، تو یہ ایٹھکس (فلسفہ اخلاق) ہے، اگر اس کے جماعتی خصائص اور لوازم کی تفتیش کی جائے تو یہ سوشیا لوجی (علم اجتماع و معاشرت) ہے، اگر جسم کی صحت و مرض کے اسباب کی جستجو کی جائے، تو یہ طب ہے، دیکھو کہ ایک ہی جسم یا متعلق جسم پر کتنی حیثیتوں سے بحثیں کی گئی ہیں اور ان سے کتنے مختلف علوم پیدا ہو گئے ہیں، تاہم وہ سب کے سب جسم اور جسمانی ہی سے متعلق اور وابستہ ہیں اور بالآخر ان میں سے ہر ایک علم و فن علیحدہ اور ہر ایک علم و فن کے جاننے والے علیحدہ ہیں،

اسی طرح ایک نبی اور ایک رسول کا کام بھی بادشاہوں، فلاسفوں اور حکیموں کی طرح انسانوں ہی کی اصلاح ہے، مگر ان میں سے کسی ایک کا کام بھی دوسرے سے ملتا جلتا نہیں ہے، بادشاہ صرف اس کا ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے زور و قوت سے بازاروں، گلیوں، آبادیوں، اور میدانوں میں امن و امان اور انصاف کو قائم رکھے، فلاسفہ انسانوں کے تمام اعمال و خیالات کے اسباب و علل کی تفتیش اور ان میں نظم و تسلسل اور علت و معلول کا ربط پیدا کرنے کا کفیل ہو، فلسفہ اخلاق کے علم تمہارے اخلاق و عادات کے اسباب و علل تم کو بتاتے اور ناقابل فہم جذبات کی تشریح کرتے ہیں اس سے آگے ان کا کوئی کام نہیں، حکیم اور واعظ تمہارے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لیے نہایت سیریز و خوشگوار اور ڈھیلے ہوئے فقرے سناتے ہیں، مگر ان میں سے کوئی نہیں جو تمہارے دلوں کا رہنما ہو، جو تمہارے احساس ارادہ اور اختیار کے قدم کو غلط روی سے روک سکے، وہ نہ صرف تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات کے اسباب و علل بتائے، بلکہ تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات میں خیر و شر کی تمیز کرے اور خیر کے حصول اور شر سے حفاظت کی تدبیر بتائے، بلکہ اس کے ہاتھ اور زبان میں یہ قوت ہو کہ اپنی تعلیم و تحقیق و فیض صحبت سے تمہارے اخلاق و عادات و جذبات بلکہ احساس ارادہ اور اختیار کی غرض غایت بلکہ پورے دل کی قوتوں میں انقلاب پیدا کر دے، اور شر کے تمام کو دلوں کی سرزمین سے نکال کر خیر کا برگ و بار پیدا کر دے، البتہ نبی یہ تمام کام سرانجام دیتا ہے، وہ انسان کو



اس کے احساس ارادہ اور اختیار کی بھولی ہوئی ذمہ داری باودلانا ہی اور ان قوی کے مرکز یعنی دل کو خدا کے حکم سے درست کر دیتا ہے،

وہ بادشاہوں کی طرح صرف بازاروں میں چھوٹا اور بادلوں کا امن و اطمینان نہیں چاہتا، بلکہ وہ لوگوں کے دلوں کے اندر کا امن و اطمینان چاہتا ہے، وہ معطلین اخلاق کی طرح اسباب و علل کی تلاش و جستجو و تشریح کی پروا نہیں کرتا، بلکہ اخلاق سیدہ خواہ کسی سبب سے ہوں، وہ ان کی نیکی کرتا ہے، اور اخلاق حسہ خواہ وہ کسی علت کے معلول ہوں وہ ان کو انسانوں کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ انسانی اوہام کے ظلم کو توڑ دیتا ہے، اور غلط رسوم و رواج کی بندشوں کو کھولتا ہے، اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کر کے صرف خدا کی غلامی میں دیتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ  
وَلَا تَتَّبِعُوا الْاَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَلَكِنِ اتَّقُوا اللَّهَ كَبُرَ عَلَى الْمُتَّقِينَ  
وَلَا تَتَّبِعُوا الْاَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَلَكِنِ اتَّقُوا اللَّهَ كَبُرَ عَلَى الْمُتَّقِينَ  
وَلَا تَتَّبِعُوا الْاَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَلَكِنِ اتَّقُوا اللَّهَ كَبُرَ عَلَى الْمُتَّقِينَ

وہ ان کو بھلائی کا حکم دیتا ہے، اور برائی سے روکتا ہے اور اچھا یوں کو ان کے لیے حلال اور خبیث چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے، اور ان کے اس بندھن اور زنجیروں کو جو ان پر ہوتی ہیں، ان سے ہٹاتا ہے،

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ  
لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ،

ایسے رسول بھیجے جو نیکوں کو خوشخبری دیتے اور بدکاروں کو تنبیہ کرتے ہیں تاکہ رسولوں کے اس عطا کردہ تذکرے کے بعد پھر انسانوں کو خدا پر لازم دینوں کا موقع نہ ملے کہ ہم بھولے تھے تو خدا نے ہم کو یاد دلایا

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

ہم نے رسولوں کو کھلی ہدایتیں دیکر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اتاری اور عدل کی ترازو تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم

(حدید ۴-۳)

ہین، (اور دنیا امن و اطمینان کی زندگی بسر کرے)

نوع انسانی کے دوسرے تمام خدام اور کارکن اپنے فرائض کو جن اغراض سے انجام دیتے ہیں، ان کا دائرہ موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی سے آگے نہیں بڑھتا، مگر انبیاء اور رسول نوع انسانی کی خدمت کے یہ کام بھی

اس کی موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی کو اس کا خاصہ سامنے رکھ کر کہتے ہیں کہ ان کا اثر اس کی دوسری دائمی و پائدار زندگی پر کیا پڑے گا، وہ جسم کی خدمت جسم کے لیے نہیں، بلکہ روح کے لیے کرتے ہیں اور مخلوق کی خدمت خالق کے منشا کے مطابق بجالاتے ہیں، وہ صرف ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق ہی سے نہیں بلکہ مخلوق کو خالق سے اور خالق ہی کے لیے ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق سے جوڑتے ہیں،

وہ صرف اچھی اچھی اور مٹی مٹی بابتیں لوگوں کو نہیں سناتے، بلکہ خود بہتر سے بہتر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کا عامل بناتے ہیں، وہ خیال آرا شاعروں اور جھوٹے حکیموں کی طرح نہیں ہوتے جو کہتے ہیں اور کرتے نہیں، داغ ہوتے ہیں گردل نہیں ہوتے، زبان ہوتے ہیں، مگر ہاتھ نہیں ہوتے،

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَكْفُرُونَ وَإِنَّهُمْ يَكْفُرُونَ مَلَاكٍ كَيْفَ عَمُوا (شعراء: ۱۱)

اور شاعروں کے پیروکار گم کردہ راہ ہوتے ہیں تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر میدان میں سرمارتے پھرتے ہیں اور وہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں

وہ اس دعویٰ کیساتھ انسانوں میں آتے ہیں کہ ان کے خالق نے جس نے ان کے ذرہ ذرہ کا سامان حیات فراہم کیا ہے، وہی ان کے قلب و روح کا سامان راحت بھی ہم پہنچاتا ہے، اور ان میں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم ان کے قلب و روح کو اس سامان کا برتنا سیکھائیں اور ان کے رب کا پیغام ان کو سنائیں اور بتائیں کہ وہ کیا چاہتا ہے، کہ اس کے بندے اپنے احساس، اپنے ارادہ اور اپنے اختیار کو کس طرح اس عالم میں صرف کریں کہ وہ پریشانی و بے اطمینانی کی تاریکی سے نکل کر سکون و اطمینان، اور امن و سعادت کی روشنی میں داخل ہوں،

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدٍ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَهُوَ خَدَاةٌ جِوَابُہٗ (رسول) بندے پر کھلی آیتیں اتارتا ہے

لَتُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ اللَّهُ بِكُمْ لَدُنْ وَرَحِيمٌ (حدید: ۱۰)

کہ تم کو (اے انسانو!) وہ تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائے گا (اور اللہ نے ایسا ہی کیا) کہ وہ تیرے شفقت کرنے والا مہربان ہو

انبیا بھی ایک بادشاہ کی طرح جاعثوں کا انتظام کرتے ہیں، مگر ملک کے خراج اور زمین کی آبادی کے لیے

انہیں بلکہ خدا کے لیے، وہ بھی جان فہم کی حفاظت کے لیے مشق کی طرح قانون بناتے ہیں اور قاضی کی طرح سزا دیتا  
 حکم سناتے ہیں، مگر انعام ثنای اور تجواہر ماہانہ پاکر کسی دنیاوی بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کے لیے نہیں بلکہ ہم و جان کے  
 شہنشاہ اور کائنات کے مالک کے فرمان کی تعمیل میں وہ بھی غلام سفر کی طرح رموز و اسرار کا پردہ فاش کرتے ہیں مگر  
 تجربہ، متفکر اور قیاس سے نہیں بلکہ عالم الاسرار کے مہر و علم سے فیض پاکر وہ بھی حکم و واعظ کی طرح پرہیزگار کام کرتے  
 ہیں مگر ان کے مانند اپنے دل سے جوڑ کر نہیں بلکہ خدا سے منکر اور وہ صرف کئے نہیں بلکہ جو کئے ہیں وہ کرتے ہیں،  
 اور جو کرتے ہیں وہ دوسروں سے کرتے ہیں، وہ خدا سے ہیں خدا سے پاتے ہیں اور اسی سے سنتے ہیں اور وہی اور ان  
 کو سناتے ہیں، غرض اوپر آسمان سے ان کو جو کچھ ملتا ہے وہی وہ نیچے زمین پر سب کو بانٹتے ہیں

وَاجْعِدْ إِذَا أَهْلَى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى  
 وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُذَكِّرُ  
 عَلَّمَ شَدِيدُ الْعُنَىٰ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ وَ  
 هُوَ بِالْأَعْلَىٰ الْأَعْلَىٰ . . . . .

فَاَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا  
 رَأَىٰ أَهْتَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ . . . . .

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ  
 رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ (الہجم۔)

قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي هَذَا  
 بَصَافٍ مِّمَّنْ رَفَعُوا وَهْدًى ذُرِّيَّتَهُمْ لِقَىٰ

يُنْزِلُ مِنَ الرُّوحِ الْوَحْيَ (اعلان ۷۸)

وَلَوْ كُنْتَ تَزِيلُ رَبُّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ  
 هُوَ قَوْلُكُمْ مَن يَزِيلُ هُوَ الَّذِي يَنْزِلُ فِي الرُّوحِ الْأَمِينِ

ہو تو عالم کی پرورش کرنے والے کی طرف سے انا کہتا ہوں، اس کو انا کہتا ہوں

عَلَيْكَ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ  
لے تیرے دل پر تارا تاکہ صبح عربی زبان میں تو ہنسا کر نوازاں

یَلِسَانٍ عَمَّيْنِ ثَمِينٍ (منہا ۱۱)  
بہن سے ایک ہوا

نکتہ یہ بالکل ممکن بلکہ واقعہ ہے کہ ایک ہی قوم کا کام مختلف لوگ مختلف غرض نیت سے کرتے ہیں کسی قوم کی اصلاح کا کام ہو کہ اس کو مختلف لوگ مختلف غرض نیت سے کرتے ہیں خود غرضی کے غیر مخلصانہ اغراض سے قطع نظر کہ کس مخلصانہ اغراض کو لو کوئی یہ سمجھتا ہو کہ قوم کی مالی حالت کی دسرتی سے قوم بن سکتی ہو کوئی اصلاح کی جڑ تعلیم کو قرار دیتا ہو کوئی رسم و رواج و معاشرت پر زور دیتا ہے کوئی ظاہری تمدن پر مدار رکھتا ہے کوئی جہانی قوت پر بھروسہ رکھتا ہو کوئی سیاسی کامیابی کو قومی اصلاح کا مرکز ٹھہراتا ہے لیکن نسبتاً کے نزدیک یہ سب ثانوی درجہ کی باتیں ہیں وہ اپنی بنیاد صرف قلب کی اصلاح پر رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی اصلی چیز ہے اور اسی کے بدلنے سے سب کچھ بدل سکتا ہے ان کی غرض خدا کی اطاعت، خدا کی محبت اور خدا کی معرفت ہوتی ہے اور تمام دوسری ترقیوں اور اصلاحوں کو وہ کمرے کی ایک اہل کی فروغ اور اسی ایک جڑ کی شاخیں جانتے ہیں

یہی سبب ہے کہ ان کی دعوت کی کامیابی سے قوموں کو سلطنت بھی ملتی ہے دولت بھی ہاتھ آتی ہے علم بھی حاصل ہوتا ہے، زور اور قوت بھی پیدا ہوتی ہے اور دنیاوی عظمت و جلال کا ہر نظر خادمانہ اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھتا ہے مگر یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ سیاسی مصلحین کی طرح مصلحت ملی مصلحین کی طرح دولت تعلیمی مصلحین کی طرح تعلیم و فن جہانی مصلحین کی طرح زور و قوت ان کا صلح نظر نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ ان کے سامنے ہوتا ہے وہ صرف خدا کی اطاعت خدا کی محبت خدا کی خوشنودی ہوتی ہے اور باقی تمام چیزیں ان کی نگاہ میں فرعی ثانوی اور ضعیفی ہوتی ہیں

نبی اور غیر نبی کے امتیازات | سلطہ و بلا سے ہو یا سہ سے کہ انبیاء اور ان کے مشابہ اشخاص میں کتنا عظیم الشان فرق ہے یہ فرما چاہیے جنسیتوں سے نمایاں ہو رہا ہے اور مسیح کا فرق، غرض و غایت کا فرق، طریق دعوت کا فرق اور عزم و عمل کا فرق، نبی کے علم کا مبدا سچ، ماضی اور حشر ہے جو کچھ وہ تعلیم ربانی شریح صدر اور وحی الہام ہوتا ہو اور حکیم کے علم کا ماضی و منبع تعلیم انسانی، گذشتہ تجربہ، استدلال اور قیاس ہوتا ہے یعنی حکیم عقل سے جانتا ہے اور نبی خالق عقل سے اسی طرح ایک حکیم کے تمام اقوال

اور جدوجہد کا منشا، اپنی شہرت طلبی، ہم کا اہل رقوم یا ملک کی محبت کی خاطر اسکی اصلاح ہوتا ہے، مگر ایک نبی کا مقصد خدا کے حکم کا اعلان اور خالق کی رضا مندی کے لیے مخلوق کی بھلائی ہوتا ہے، طریق دعوت کا فرق یہ ہوتا ہے، کہ حکیم نبی دعوت کی عمارت کو نامہر حکمتوں، مصلحتوں اور علت و اسباب کے ستونوں پر کھڑی کرتا ہے، مگر نبی اپنی دعوت کو زیادہ تر خالق کی اطاعت، محبت اور رضا جوئی پر قائم کرتا ہے، حکیم کہتا ہے لیکن اس کا کرنا اُس کے لیے ضروری نہیں، نبی جو کہتا ہے، وہ کرتا ہے، اور اس کا کر کے دکھانا اُس کیلئے ضروری ہے، وہ صرف جلوت کے نمبر پر راستہ نہیں ہوتا بلکہ وہ جلوت و خلوت اور ظاہر و باطن میں یکساں حسنات سے آراستہ اور برائیوں سے پاک ہوتا ہے، دنیا میں سقراط، افلاطون، ارسطو، دیوجانس، وغیرہ ایک طرف اور ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد دوسری طرف ہیں، اور دونوں کے سوانح اور سیرتیں اور کارنامے بالکل نمایاں اور ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز ہیں کہ اُن میں ذرا التباس نہیں،

بادشاہ اپنی تلوار کے زور اور اپنی فوج و لشکر کی قوت سے رعایا کو اپنے قانون کا پابند بناتے ہیں، تاکہ قتلہ و فساد رک جائے، فلاسفر اپنے دعوؤں کو صرف استدلال کی قوت اور عقل کے خطاب سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ انکی بات لوگ تسلیم کریں، لیکن پیغمبر اپنے پیروؤں کے قلب کو اس طرح بدل دیتا چاہتے ہیں کہ وہ از خود برائی کو چھوڑ کر نیکی اختیار کر لیں، وہ اگر کبھی قانون وحدود سنرا کو اختیار کرتے ہیں یا ساتھ ساتھ عقل کو بھی مخاطب کرتے ہیں، تو انکا یہ فنی یا ثانوی کام ہوتا ہے، اولین نہیں، اُن کی اولین غرض یہ ہوتی ہے کہ اُن کے پیروؤں کو خدا کی قدرت اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا اتنا حکم اور پہچان یقین ہو جائے کہ وہ اس کے حکم اور نصیحتوں کو جو اُن کے ذریعہ آتی ہیں بے چون و چرا تسلیم کر لیں،

دنیا کے بادشاہ اور فاتح اور کشور کشا اپنے زور، بازو اور تلوار کی قوت سے دنیا کے طبقے لٹ و ستے ہیں، انھوں نے کبھی کبھی چار دانگ عالم پر حکمرانی کی، قوموں کی جان و مال پر اپنا قبضہ اقتدار جمایا، اُن کی تلواروں کی دھاک نے آبادیوں اور جمہور کے مجرموں کو روپوش کر دیا، اور بازاروں اور راستوں میں امن و امان پیدا کر دیا، لیکن کیا انھوں نے دنوں کے طبقے بھی اٹے؟ اپنی سلطنت کے دائرہ سے باہر کسی کمزور سے کمزور انسان سے اپنے حکم کو منوا سکے؟

لوگوں کو کہے دلون کو بھی اپنے قبضہ اقتدار میں لاسکے جوہ آبادیوں اور محبوبوں کے روپوش مجرموں کو بھی فنا کر سکے؟  
دلون کی بہتوں میں بھی امن امان پیدا کر سکے وہ روجوں کی ملکوتوں کا بھی نظم و نسق قائم کر سکے؟

حکما اور فلاسفر جو اپنی عقلِ ساس کے ذریعہ سے عجائباتِ عالم کی ظلم کشائی اور کائنات کے مخفی اسرار کے فاش کرنے کے مدعی ہیں، کیا وہ قلب و روح کے عجائبات کو بھی دریافت کر سکے؟ وہ ماورائے مادہ اسرار و رموز کو بھی حل کر سکے؟  
وہ انسانوں کی اصلاح و ہدایت کا بھی کوئی سامان اپنی تحقیق و تفتیش سے فراہم کر سکے؟ ان کی دقیق نکتہ بنچوں اور خیال آرائیوں کے پیچھے ان کے ذاتی حسنِ عمل کا بھی کوئی نمونہ ہے؟ ارسطو نے فلسفہ اخلاق کی بنیاد ڈالی، دوسرے حکما نے اخلاق کے اسباب و علل کے حدود و حدودِ اثر اور نتیجہ کے ایک ایک حرف کی تحقیق کی، مگر کیا اس سے کسی انسان کے دل سے برائی کا تخم دور ہوا؟ اچھائی کے بیج نے نشوونما پائی؟ ان کے اخلاق و تعلیمات کے فلسفیانہ رموز و اسرار کا دائرہ ان کی درگاہوں کی چار دیواریوں سے کبھی آگے بڑھ سکا؟ کیونکہ وہ اپنے درس کے کمروں سے نکل کر جب انسانی صحبتوں میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی اخلاقی زندگی اور قلبی صفائی عام انسانی افراد سے ایک انچ بھی بلند نہیں ہوتی، حکماء یونان میں سفرِ آسے بڑھ کر کوئی نہیں، مگر کیا یہ وہی نہیں ہے جو بازار کی فاختہ عورتوں سے ارتباط رکھتا تھا، اور ان میں ایک پیشہ ور کے فریغ اور کامیابی کے لیے کوشاں رہتا تھا، یہی یونان کے دوسرے حکما کا حال تھا، اور تو حید و خدا پرستی کا درجہ تو اس سے بدرجہا بلند ہے، جس کی ان کو ہوا بھی نہیں لگی تھی،

ان سطروں سے اندازہ ہوا ہوگا، کہ ہر شہرین، نواداعطا، ہر نوزلبیان، خطیب، ہر دقیقہ رس مقنن، ہر کشور کشاف تاج اور ہر نکتہ دان حکیم اس لائق نہیں کہ نبوت رسالت کا اہم اور بلند اور مقدس منصب اُس سے منسوب کیا جائے، اس منصب کے ساتھ کچھ ایسے شروط و لوازم اور خصوصیات بھی وابستہ ہیں جو اس کے ضروری اجزاء اور عناصر ہیں۔  
ایسب سے پہلی بات یہ ہے کہ اُس کا تعلق پر اسرارِ عالم غیب سے ہو، وہ غیب کی آوازیں سنتا ہو، غیب کی چیزیں دیکھتا ہو، غیب سے علم پاتا ہو، عالم ملکوت کی تائید اُس کے ساتھ ہو، روح القدس اُس کا ہمسفر و ہمراہ ہو،  
۲۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو تمام بندوں میں سے اس کے لیے چنا ہو، کہ وہ اس بلند منصب پر سرفراز ہو،

۳۔ اُس سے خدا کے حکم سے عجیب و غریب اور حیرت انگیز تصرفات صادر ہوں جن سے اُس کا مقبول بارگاہ

ہونا ثابت ہو،

۴۔ فضائل اخلاق کے پھولوں سے اُس کا دامن بھرا ہو، اور ہر قسم کے گناہ کے خس و خاشاک سے پاک و صاف

ہو کہ گندہ ہاتھوں سے پیلے کپڑے پاک و صاف نہیں ہو سکتے،

۵۔ وہ لوگوں کو خدا اور عالم غیب پر یقین کی دعوت اور فضائل اخلاق کی تعلیم دے، اور روز الست کا بھولا

ہو احمد اُن کو یاد دلائے،

۶۔ نہ صرف تعلیم بلکہ اُس میں یہ قوت ہو کہ وہ شریوں کو نیک اور گمراہوں کو راست رو بہنا دے، اور جو خدا

سے بھاگتے ہوں، اُن کو پھیر کر پھر اُس کے آستانہ پر لے آئے،

۷۔ اُس سے پہلے خدا کی طرف سے آئے ہوئے صحیح اصول کو انسانی تصرفات سے پاک و صاف کر کے پیش کرے

۸۔ اوہی اس دعوت، جدوجہد اور تعلیم و تلقین سے مقصود کو فی دنیاوی معاوضہ، شہرت، جاہ طلبی و دولتندی،

قیام سلطنت وغیرہ نہ ہو، بلکہ صرف خدا کے حکم کی بجا آوری اور خلق خدا کی ہدایت،

یہ نبوت و رسالت کے وہ اوصاف اور لوازم ہیں جو دنیا کے تمام پیغمبروں میں یکساں پائے جاتے ہیں

مذاہب عالم کے صحیفوں پر ایک نظر ڈالنے سے حقیقت منکشف اور آشکارا ہو جاتی ہے، ہندو مت و قرآن پاک نے جو

دنیا کی نبوت کا سب سے آخری اور سب سے مکمل صحیفہ ہے، اور جس نے نبوت و رسالت کی حقیقت اور شرائط و لوازم

کی سب سے بہتر تشریح کی ہے، سورہ انعام میں اکثر پیغمبروں کا ذکر کر کے یہ حقائق ان الفاظ میں بیان کئے ہیں،

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ط اور یہی ہماری دلیل جو پہنچے ابراہیم کو اُن کی قوم کے مقابلہ میں

نُفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّسَاءِ ط اِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ دی اہم جسکو چاہتے ہیں، کئی درجے بلند کرتے ہیں، بے شبہ

عَلِيمٌ ط وَوَعَدْنَا لَإِبْرَاهِيمَ وَيَعْقُوبَ بَعْثًا ط تیرا پروردگار تدبیر والا خبردار ہے، اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق

ہَدَّيْنَاهُمَا وَلَئِنَّكَ إِنَّا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلًا ط اور یعقوب و یحییٰ، اور ہر ایک کو ہدایت دی اور نوح کو اس سے

دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ  
 وَلَكَ إِلَهٌ خَيْرٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ وَذَكَرَ يَا وَيْحُكَ وَحَيْسَةَ  
 وَالْيَاسَ أَكُلُ مِنَ الصَّالِحِينَ، وَاسْمِعِيلَ وَالْيَسَعَ  
 وَيُوسُفَ وَلُوطًا، وَكَلَّا فَصَلَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ، وَمِنْ  
 آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَأَحْوَالِهِمْ وَاجْتَنِبْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ  
 إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَتَّبِعُهُ  
 رِجْمٌ مِّنْ تَشَاءٍ مِّنْ عِبَادِهِ، وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ  
 مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْتِمْ الْكَلْبُ  
 وَالْحَكْمُ وَالنُّبُوَّةُ فَإِنْ يَكْفُرْ بِمَا هُوَ لَا يَفْقَهُ  
 وَكَلَّمَا يَفْقَهُ مَا لَيْسَ لَهَا بِكُفْرَيْنَ، أُولَٰئِكَ  
 الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدْهُمْ أَقْتَدِ ۚ قُلْ لَا  
 أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ

پہلے ہدایت دی تھی اور انکی اولاد میں اود اور سلیمان اور ایوب  
 یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہی طرح ہم نیکو کاروں کو بدلہ  
 دیتے ہیں اور ذکر کیا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور یاس کو ہر ایک نیکو کاروں  
 میں سے اور اسمعیل اور یسٰ اور یونس اور لوط کو ہر ایک کو بزرگی بخشی  
 دنیا والوں پر اور انکے باپ دادوں اور بھائیوں میں سے اور ہم نے  
 انکو چکر پسند کیا اور انکو سیدھی راہ چلایا یہ انکی ہدایت ہو اسپر وہ  
 بڑے بکو چاہو اگر وہ شرک کرتے تو ان کا سارا کیا برباد ہو جاتا یہی  
 لوگ ہیں جنکو ہم نے کتاب اور حق باطل میں فیصلہ کرنا حکم اور  
 نبوت ہی، تو اگر کوئی ان باتوں کا انکار کرے، تو ہم نے ان  
 باتوں پر ایسے دوسرے لوگوں کو مقرر کیا ہے جو ان کا انکار نہیں  
 کرتے، یہی لوگ ہیں جنکو ہم نے ہدایت دی، اے محمد! تو بھی ان  
 کی رہنمائی کی پیروی کر اور کہہ میں اپنے کام کی تم سے ضروری نہیں  
 چاہتا یہ تو دنیا والوں کو یاد دلانا ہے،

(الفاح- ۱۰)

ان آیتوں میں اکثر پیغمبروں کے نام لیکر ان کے پیغمبرانہ اوصاف گنائے ہیں اگر ہم ان کو یکجا کر دیں تو نبوت و  
 رسالت کے عام اوصاف خصوصیات اور لوازم واضح ہو جائیں  
 ۱۔ فرمایا "ہم نے ابراہیم کو دلیل دی" اور ہم نے ان کو ہدایت بخشی، جس سے معلوم ہوا کہ ان کے علم اور ہدایت کا حشر  
 عالم ملکوت سے ہوتا ہے،  
 ۲۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے ان کو سیدھی راہ چلایا اور یہ سب نیکو کار تھے اس سے ثابت ہوا کہ وہ معصوم اور گناہوں  
 سے بے داغ ہوتے ہیں،



۳۔ برہم بھی کہا کہ ہم نے ان کو چکر پسند کیا اور جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے یہ ہدایت عطا کریں جس سے یہ مقصود ہے کہ یہ منصب سنی و محنت سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی اور انتخاب سے ملتا ہے،

۴۔ فرمایا کہ ہم نے ان کو کتاب حق باطل کے فیصلہ کی طاقت (حکم) اور احکام غیب کی تعلیم (نبوت) دی اس سے معلوم ہوا کہ اس منصب الون کو کیا چیزیں عطا ہوتی ہیں

۵۔ حکم ہوا کہ ان کی رہنمائی کی پیروی کر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی اور دعوت پر مامور ہوتے ہیں، اور لوگ ان کی پیروی سے نیکو کار اور صالح بنتے ہیں،

۶۔ فرمایا کہ ”اے پیغمبر! یہ کہدے کہ میں اپنے کام کا کوئی معاوضہ یا بدلہ تم سے نہیں چاہتا، یہ تو اہل دنیا کے لیے نصیحت اور یاد دلانا ہے اس سے ثابت ہوا کہ خالق کی خوشنودی اور اس کے ذریعہ سے مخلوق کی خیر خواہی کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا مقصد اور مطمح نظر نہیں ہوتا،

دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق و نسبت سے ان حقیقتوں کو قرآن پاک نے کئی دفعہ تبصریح بیان کیا ہے جنہیں سے چار باتیں سب سے زیادہ نمایان ہیں،

۱۔ اشیاء غیب امور خیر اور فلاح و سعادت کے اسباب پر اس کا علم خدا کی تعلیم سے کامل ہو،

۲۔ وہ اپنے علم کے مطابق اپنے عمل میں کامل اور راست باز ہو،

۳۔ وہ دوسروں کو ان امور کی تعلیم دیتا ہو،

۴۔ اور ان کو بھی اپنی تعلیم اور صحبت کے فیض سے حسب استعداد کامل بناتا ہو،

قرآن پاک میں متعدد موقعوں پر آپ کی نسبت یہ فرمایا گیا،

يَسْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (بقہ و جمعہ ۱)

وہ رسول ان پڑھوں کو خدا کی باتیں سناتا اور ان کو پاک

صاف بناتا اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے،

اس مختصر سی آیت میں ان چاروں مذکورہ بالا امور کا کجا ذکر کیا ہے، جاہلون کو آیات الہی پڑھانے اور کتاب

و حکمت سکھانے سے پہلے یہ ضروری ہو کہ خود اس کو آیات الہی پڑھائی اور کتاب حکمت سکھائی گئی ہوں اور دوسروں کو پاک صاف بنانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود پاک صاف ہو کہ ایک جاہل اپنے ہی جیسے دوسرے جاہل کو عالم اور ایک ناپاک اپنے ہی جیسے دوسرے ناپاک کو پاک نہیں بنا سکتا، ایک دوسری آیت میں ہو،

سَتَقَرُّنَاكَ فَلَا تَنْفِكُ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ  
 الْجُحُومَ وَمَا يُخْفَىٰ وَيُسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ۖ فَاذْكُرْ أَنْ تَفْعَلَ  
 الَّذِي كُنتَ سَيِّدًا ۚ كُنتَ مِّنْ يَّخْتَصِمِينَ وَيَنْجِبُهَا اللَّهُ ۖ

ہم تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں بھولے گا، مگر جو اللہ چاہے وہ جانتا ہے، پکارا اور چھپا، اور ہم تجھے آہستہ آہستہ آسانی تک پہنچائیں گے اور تو سمجھا، اگر تیرا سمجھنا فائدہ دے جس کو خدا کا حکم ہوگا، وہ سمجھوگا۔

(اعلیٰ) اور جو بد بخت ہوگا، وہ اس سے پرہیز کرے گا،

ایسا پڑھنا جس میں بھول نہ ہو پیغمبر کی روحانی تعلیم ہے اور آسانی کی منزل کی طرف اس کو آہستہ آہستہ لے چلنا، اور اس کے لیے اس کھن منزل کو آسان کر دینا اس کے ذاتی عمل کو کمال کے درجہ تک، اس طرح پہنچا دینا ہے کہ تمام امور خیر اس سے بہولت از خود صادر ہوئے لیکن پھر اس کو دنیا کے سمجھانے پر مامور کرنا، اس رمز کو آشکارا کرنا ہے کہ دوسروں کی تعلیم و تذکرہ کا منصب اس کا ملا ہے، اس کے بعد یہ فرمانا کہ متقی اس نصیحت سے فیض پائیں گے، اور بد بخت عروم رہیں گے، اس کی تشریح یہ ہے کہ ناقصوں کی تکمیل اور ذی استعداد لوگوں کو انکی استعداد کے مطابق فیض پہنچانا بھی اس کا فرض ہے،

نبوت کے لوازم اور خصوصیات | نبوت کی شرح حقیقت اور اس کے ضروری لوازم اور خصوصیات کے اجمالی بیان کے بعد ضرورت ہے کہ نبوت کے چند اہم خصوصیات پر تفصیل سے گفتگو کی جائے تاکہ وقت کی بہت سی غلط فہمیوں کا سد باب ہو لیکن ان خصوصیات کے ذکر سے پہلے خود ہم کو خصوصیت کو سمجھنا ہو کہ اس سے مقصود کیا ہے،

دنیا میں ہر نوع اور ہر نوع کے ماتحت ہر صنف میں کچھ نہ کچھ مخصوص صفات ہوتی ہیں، یہ مخصوص صفات اس نوع اور صنف کے ہر فرد میں یکساں پائی جاتی ہیں، انہی کو ہم لوازم اور خصوصیات کہتے ہیں، پھل پھول پھوپھا سہ یہ تشریح اور طریقہ استدلال امام رازی نے اپنی تفسیر اور بعض کتب کلامیہ میں اختیار کیا ہے،

ہندے انسان تمام انواع میں کچھ نہ کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں اور انہیں خصوصیات کی بنا پر ہر نوع دوسرے سے ممتاز اور ہر صنف دوسرے سے علیحدہ ہے، گلاب میں خاص قسم کا رنگ، خاص قسم کی خوشبو، خاص قسم کے پتے ہوتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ کوئی گلاب ہو اور اس میں یہ چیزیں نہ پائی جائیں، لیکن گلاب کی بھی مختلف صنفیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسی لازمی صفات ہوتی ہیں جنہیں گلاب کی ہر صنف (قسم) دوسری صنف (قسم) سے علاوہ الگ نظر آتی ہے،

اسی طرح انسانیت کے کچھ خاص لوازم ہیں دو ہاتھ، دو پاؤں، سیدھا قد، بولنے کی طاقت، سمجھ بوجھ اور غور و فکر کی اہلیت، ایجاد و اختراع کی قوت، انجام دہی اور مالی اندیشی کی صلاحیت وغیرہ اس کے خواص ہیں اور جس طرح شہد میں مٹھاس جھفل میں کروا پن، آگ میں گرمی اور برت میں ٹھنڈک، نوعی خواص کی حیثیت سے خود بخود پیدا ہو گئی ہیں، اسی طرح انسان میں انسانیت کی مذکورہ بالا حالتیں فطرۃً ودیعت ہیں، لیکن اس وصف انسانیت میں اشتراک کے ساتھ گلاب کے اصناف کی طرح نوع انسانی کے بھی مختلف اصناف ہیں جیسے ہندی چینی چھٹی رومی ایشیائی یورپین، دیکھو کہ ان میں سے ہر ایک صنف میں انسانیت کے اشتراک کے باوجود قد و قامت، پہرہ و رنگ و روغن صورت شکل، اخلاق و عادات، وغیرہ بیسیوں چیزوں کا نمایاں امتیاز ہوتا ہے، اور یہ تمام اصناف انسانی جو مختلف آب و ہوا، مختلف مزد و بوم، مختلف نسل، اور مختلف ماحول سے تعلق رکھتے ہیں انسان ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے صریحاً ممتاز ہیں،

اسی طرح ہر صنف انسانی کے اندر مختلف افراد ہیں، اخلاق فطرت نے ان میں سے ہر ایک کو مختلف قابلیتیں عطا کی ہیں، شاعری، زبان دانی، فلسفہ ریاضی، تصانیف، باغبانی، تجارتی، پہلوانی، سیکڑوں مختلف قسم کی انسانی استعدادیں اور قابلیتیں ہیں، ان میں سے ہر صنف کی اور ہر صنف میں سے ہر ایک فرد کی قابلیت و استعداد کی خصوصیتیں دوسروں سے الگ ہیں، ایک تخیل پسند شاعر اور ایک حقیقت شناس ریاضی دان میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے، ادب و انشا کے خیالی بلند پرواز، محو ماریا خصوصیات جیسے ٹھوس اور واقعی علوم سے گورے ہوتے ہیں اور واقعات سے لبریز

ریاضیات کے جاننے والے، ادب و شاعری سے بیگانہ، پہلوانی کے جوہر یا غبانی سے الگ ہیں اور ایک متاع کی طبیعت ایک فلسفی سے متضاد ہوتی ہے۔

اسی کے ساتھ صنف شعراء میں خاص دماغی قابلیت کا اتحاد ہوتا ہے نظم کی قوت تخیل کی بلندی، حکاکات کی قدرت الفاظ کا زور و معانی کا جوش یہ تمام شعراء کی مخصوص صفات ہیں، یہ طرح تمام فلسفیوں کی ایک خاص دماغی کیفیت ہوتی ہے خاموشی، غور و فکر، وقت نظر خارجی عالم سے بے پروائی، تصور میں انہماک، خلوت گزینی، اخلاق کی خشکی، الغرض مرد و بو اور آب و ہوا کے اختلاف کی بنا پر جو اصناف انسانی پیدا ہوتے ہیں اور ان میں جو اختلاف و امتیاز ہوتا ہے اسی طرح دماغی و ذہنی و روحانی اختلاف استعداد کی بنا پر جو اصناف انسانی پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی یہ اختلاف و امتیاز نظر آتا ہے ہینبال و نپولین، تیمور و چنگیز، دم کے دم میں آبادی کو ویرانہ اور ویرانہ کو آبادی، پہاڑ کو میدان اور میدان کو پہاڑ بنا سکتے تھے، مگر وہ ٹھیکر فلسفہ اخلاق پر چند صفحے نہیں لکھ سکتے تھے، افلاطون تنہائی میں بیٹھ کر جمہوریت کا فلسفیانہ خاکہ تیار کر سکتا تھا، مگر آئینہ منہ کے تخت پر بیٹھ کر ایک لمحہ حکمرانی کا فرض انجام نہیں دے سکتا تھا، سلطان محمود کے درباری شاعر فردوسی نے اپنی طبیعت کے زور سے سینکڑوں خیالی سومات کے معرکے فتح کیے لیکن تھری ایک پٹان پر بھی کھڑی نہ مار سکا، اس کے برخلاف سلطان محمود فوجوں کے دل بادل کے ساتھ پہاڑوں کو چیرتا، دریاؤں کو پھاڑتا، اور ریگستانوں میں پانی بہاتا ہوا غزنی سے چل کر گرات کے کنارے تک پہنچ گیا، اور سومات کے سنگی قلعہ اور عتبہ کو چکنا چور کر ڈالا، مگر فردوسی کی طرح تنہا بیٹھ کر وہ خیالی شاہنامہ کا ایک معرکہ بھی فتح نہیں کر سکتا تھا۔

ان مثالوں سے یہ ثابت ہے کہ نوع انسانی میں اشتراک ہونے کے باوجود اصناف انسانی کی ہزاروں قسمیں ہیں اور ان میں سے ہر قسم و صنف کے الگ الگ خصوصیات، صفات، اور لوازم ہیں، انہیں مختلف اصناف انسانی میں انبیاء علیہم السلام کی بھی ایک صنف ہے، اور نوع انسانی کی اس مقدس صنف کے بھی چند خاص اور خاص خصوصیات، اور لوازم ہیں جو ان کو دوسرے اصناف انسانی سے علانیہ ممتاز بناتے ہیں،

اس نمید کے بعد اب ہم کو اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے کہ نبوت و رسالت کے اہم لوازم اور خصوصیات کیا ہیں  
 وہی استعداد ان میں سے سب سے پہلی چیز وہی استعداد ہے اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مختلف  
 انسانوں میں مختلف قسم کی فطری استعدادیں پائی جاتی ہیں اور انہیں کی طرف ان کا طبعی میلان ہوتا ہے اور جیسے  
 جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے ہیں انکی استعداد اور میلان طبع کا جو ہر بزرگ و بارید کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ ایک خاص  
 مقررہ مدت میں جا کر وہ پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے جس طرح ہر درخت سے آم کا پھل پیدا نہیں ہو سکتا بلکہ اسی سے  
 ہو گا جس کو خدا نے آم کا درخت بنایا ہے پھر آم کے درخت کے آثار خواص پھل انیس کا مزہ اس کا رنگ و بو و غیر  
 جمہ خصوصیات خود اس درخت میں اسی وقت موجود ہوتے ہیں جب وہ ہنوز تخم کی صورت میں ہوتا ہے وہی تخم پودا  
 بنتا ہے پودا بڑھتا ہے کوئل اور شاخیں پیدا کرتا ہے اور چند سال میں پھل دینے لگتا ہے لیکن اپنی ترقی کے ہر دور میں  
 وہ اپنی فطری خصوصیات وہی رکھتا ہے جو ایک دن اس سے آخر میں ظاہر ہونے والے ہیں اور اس پھل کی صفت چھٹی  
 اس میں بالقوہ موجود تھی

اسی تمثیل کے مطابق یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر انسان کو شس سے نبی نہیں ہو سکتا بلکہ وہی ہو سکتا ہے جس کو خدا نے  
 نبی بنایا ہے اور نبوت کے یہ آثار خواص اور کیفیات اس میں بالقوہ اور استعداد کی صورت میں اسی وقت سے موجود  
 رہتے ہیں جب وہ ہنوز آب و گل کے عالم میں ہوتا ہے شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ میں اسی وقت نبی تھا  
 آدم ہنوز آب و گل میں تھا اسی قسم کا مطلب ہو گا

انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب سے عرصہ وجود میں قدم رکھتے ہیں  
 اسی زمانہ سے آستے و استے وقت اور ملنے والے منصب کے آثار ان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں وہ حسب رتبہ و نسب اور  
 سیرت و صورت میں ممتاز ہوتے ہیں شرک و کفر کے ماحول میں ہونے کے باوجود اس کی گندگی سے بچاے جاتے ہیں  
 اخلاق حسنہ سے آراستہ ہوتے ہیں ان کی دیانت و امانت سچائی اور استقامت گہری مسلم ہوتی ہے اور یہ نمید میں اس لیے

سید جان نرندی مناقب نبوی و مستدرک حاکم مناقب محمدی - جلد دوم صفحہ ۱۰۰، پیر آباد

ہوتی ہیں تاکہ منصب ملنے کے بعد ان کے دعوائے نبوت کی تصدیق اور لوگوں کے میلان خاطر کامیابان پہلے ہی سے موجود رہے، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہم کے حالات و واقعات قبل نبوت پڑھو، تو ہمارے اس دعویٰ کی سچائی تم کو نظر آئے گی، حضرت ابراہیمؑ کا نبوت پانے سے پہلے ہی سے آسمان زمین کے خالق کی تلاش شروع چاند اور ستاروں پر متفکرانہ نظر اور بت پرستی کے خلاف نفرت کا شدید جذبہ کس بات کی شہادت ہے؟ حضرت سلیمانؑ کا بے آب و گیاہ میدان میں پرورش پانا، چاہے زمزم کا طور آئے جانے والے قافلہ کا اسکی آبادی کی طرف میلان چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو مقدس باپ کے ساتھ مقدس سفر کے لیے تیاری، اور اس کسی مین باپ کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پوری آمادگی اور صبر و شکر اور تسلیم و رضا کا انداز کس مستقبل کی خبر دیتا ہے؟ حضرت اسحاقؑ کا فرشتوں کی بشارت سے پیدا ہونا، اور پیدائش سے پہلے ہی عَلَیْہِ سَلَام کا خطاب پانا، پھر مقدس باپ کی جانشینی اور اورشلیم کی مسجد کی پاسبانی کے لیے انتخاب کس مقصود کا دیباچہ ہے؟

حضرت یوسفؑ کا بچپن مین رویا سے صادق اور صبر و شکر اور پاک دامن کی بات کی گواہی دیتی ہے؟ حضرت سلیمانؑ کی عین خطرہ مین پیدائش، حفاظت، پرورش اور نبوت سے پہلے ہی فرعونوں سے تنہا مجاہدانہ اور شہساز کی مبتدا کی خبر ہے؟ حضرت سلیمانؑ کا آغاز عمر مین علم و فہم، فضل و تقدمات کی قوت کس نتیجہ کے آثار ہیں؟ حضرت یحییٰؑ کی دعا پیدائش بچپن ہی مین ان کی نیکی، سعادتمندی، نرم خوئی، پاک کس مقصد کی تہید ہے؟ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور بچپن ہی مین نیکی، سلامت رومی، تورات کی حقیقت رسی کس روز روشن کی صبح ہے؟ اور خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعائے خلیل، نوید مسیح، رویا سے آمنہ، اور احوال ولادت و تربیت، مراسم شریک سے اجتناب، اخلاق حسنہ دینا، امانت، آثار و برکت، نبوت سے پہلے ہی تنہائی پسندی، خلوت گزینی، حقیقت کی تلاش اور غور و فکر کس خوشبخت جہان تاب کا مطلع انوار ہے؟

حضرت اسماعیلؑ کا یہ حال ہے،

فَبَشِّرْهُ بِأَلْحَمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ  
يُنْيَى إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَاسِكِ إِذْ يَجْعَلُ فَا نَظَرُ  
مَا أَذْأَتْرَى قَالَ يَأْتِي أَفْعَلُ مَا لَوْ مَرَّ سَجْدَةً  
إِنَّمَا اللَّهُ مِنَ الصَّامِرِينَ (صفت ۳۰)

نوحؑ نے ابراہیمؑ کو ایک بردار لڑکے کی خوشخبری دی، تو جب وہ  
اُسکے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو اُس نے کہا کہ اے میرے بیٹے! میں  
خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو میں نے گھر رہا ہوں اُسے جو ابدیاً  
میرے پاس کروال جو تجھ کو گامی، تو مجھے خدا نے چاہا تو صبر کرو لوں میں  
بیٹا

حضرت موسیٰؑ کو یہ خطاب ہے،

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى إِذْ أَوْحَيْنَا  
إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُكُونُ (طہ ۱۰)

اور ہم نے تجھے دوسری دفعہ احسان کیا جب (تیری حفاظت اور  
پرورش کے متعلق) تیری ماں کے دل میں ہوا اللہ ہی جو اولیٰ گئی

حضرت عیسیٰؑ کی نسبت یہ ارشاد ہے،

يٰٓهِيَ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا  
وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً وَكَانَ تَقِيًّا  
وَبَرًّا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا  
سَلَامٌ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ (مريم ۱-۲)

اے عیسیٰؑ کتاب (توراة) کو مضبوطی سے پکڑ اور ہم نے اس کو فضیلہ  
لڑنے کی قوت عین ہی میں دیدی اور اپنے پاس سے رحم ہمراہ اور عزت  
اور تقاضا پر نیکار اور اپنے ان باپ کا فرمان بردار نہ تھا زبردستی  
لڑنے والا نافرمان سلامتی ہو اس پر جس دن پیدا ہوا،

یز حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے،

كَيْفَ تُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا قَالَ أَنَا  
عَبْدُ اللَّهِ إِنَّمَا أَتَنبِئُ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَجَعَلَنِي  
مُبَارَكًا إِنَّمَا كُنْتُ مُرْسَلًا (۲۰)

ہم کیسے اُس سے بات کریں جو ہنوز گوارہ میں بچہ ہے عیسیٰؑ نے  
کہا میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب اور نبی بنا دیا  
اور مجھے نبی ٹھہرایا اور مبارک بنایا میں جان ہوں،

اور کہہ گا اَلَا مِیْنُ تَوْتِی کے پہلے کی اپنی پوری زندگی موقع شہادت میں بے خطر پیش کر دیتا ہے،  
فَقَدْ كُنْتُمْ فِی كُفْرٍ مِّن قَبْلُ أَفَلَا  
تَعْقِلُونَ (یونس ۲۰)

تو اس (پیغمبری کے دعویٰ) سے پہلے میں تم میں ایک  
عمر گزار چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے،

انبیاء علیہم السلام کے احوال مبارکہ کے یہ جزئیات، باہم ملکر، اپنی نسبت خود کلیہ بنا کر پیش کرتے ہیں  
 عیسیٰ علیہ السلام انبوت کا دوسرا سب سے اہم خاصہ اُس کا غیبی علم ہے، یعنی وہ علم جو عام انسانوں کی طرح وجدان، احساس  
 یا عقل و قیاس سے نہیں، بلکہ براہ راست صدائے غیب، یا روایات صادقہ یا فرشتوں کے ذریعہ سے خدا سے پاک  
 حاصل ہوتا ہے، اسی کے آغاز سے نبوت کی استعداد بالقوہ کا علی ظہور شروع ہو جاتا ہے، اس مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے  
 کے لیے کسی تفصیل کی ضرورت ہے،

علم انسانی کے ماخذ | علم انسانی کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو بلا واسطہ ہوتا ہے، اور دوسرے وہ جو کسی واسطہ سے حاصل  
 ہوتا ہے، بے واسطہ علم کی بھی تین قسمیں ہیں،

۱۔ وجدان، انسان کو اپنے جسمانی وجود اور اس جسمانی وجود کے اندرونی کیفیات کا علم سب سے زیادہ یقینی  
 طور سے ہوتا ہے، ہر شخص کو اپنے وجود کا یقین ہے، اور اس کے اندر بھوک، پیاس، بیماری، صحت، غم، خوشی، خوف، غور  
 اندرونی تغیرات کا علم اُس کو بلا واسطہ از خود ہو جاتا ہے،

۲۔ فطرت، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، کہ ہر نوع مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسی نوعی  
 خصوصیتیں عطا ہوتی ہیں، جو دوسری نوعوں میں نہیں پائی جاتیں، اور انہیں سے باہم نوعوں کا اختلاف اور امتیاز  
 ظاہر ہوتا ہے، ان نوعی خصوصیتوں کا علم ہر نوع کے افراد کو بلا کسی ذریعہ اور واسطہ کے از خود ہوتا ہے اور اسی کو بعض  
 علماء کی اصطلاح میں فطری یا نوعی الہام اور اہل فلسفہ کی اصطلاح میں جبلت کہتے ہیں، حیوانات کو اپنے متعلق بہت  
 سی باتوں کا علم از خود فطرۃً ہوتا ہے، پرندوں کے بچوں کو دانہ چکنا، اور اڑنا، کون سکھاتا ہے، ابلی جانوروں کو تیرنے کی  
 تعلیم کون دیتا ہے، شیر کے بچہ کو درندگی کا سبق کس معلم نے پڑھایا، انسان کے بچہ کو پیہ ہوتے ہی رونا، سونا، دودھ پینا  
 کون سکھا دیتا ہے،

۳۔ پیدائش اولیہ، انسان کو کچھ ہوش و تیز آنے کے بعد بلا دلیل بعض ایسی باتیں از خود یا بادی  
 تاں اس طرح معلوم ہو جاتی ہیں، کہ ان میں پھر کسی قسم کا شک و شبہ راہ نہیں پاتا، دو اور دو چار ہوتے ہیں،



برابر کا برابر ہوتا ہے، ایک ہی وقت میں، ایک ہی چیز سیاہ و سپید دونوں نہیں ہو سکتی، ہر نئی ہوئی چیز کا کوئی بنانے والا ہوتا ہے، وغیرہ بہت سے ایسے ضروری مقدمات اور کلیات جنہر انسان کے استدلال کا نام ترمار ہے، اُس کو بدہمتہ معلوم ہو جاتی ہیں،

یہ تو بلا واسطہ علم کی تین قسمیں تھیں، اس کے بعد علم انسانی کی وہ قسمیں ہیں جن کا علم اُس کو کسی واسطہ سے ہوتا ہے انسان کے پاس اس قسم کے درواسطے ہیں، ایک احساس اور عقل، پہلے سے وہ گرد و پیش کی مادی چیزوں کا، اور دوسرے سے ان مادی چیزوں کا جو سامنے موجود نہیں، یا سرے سے خارج ہیں موجود نہیں بلکہ علم غیب میں ہیں یا صرف ذہن میں ہیں، علم حاصل کرتا ہے،

۴۔ انسان کے جسم کے اندر پانچ قسم کی جسمانی قوتیں ہیں، باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامعہ باصرہ دیکھتی، سامعہ سنتی، شامہ سونگھتی، ذائقہ چکھتی، اور لامعہ چھوتی ہے، انہیں کا نام حواس خمسہ ہے، انسان کے پاس یہی پانچ آلات ہیں جن کے ذریعہ سے وہ ان مادی چیزوں کے متعلق علم حاصل کرتا ہے جو اُس کے ان آلات سے اُکر نکراتی ہیں، اسی کا نام احساس ہی ہم چمک کر فرہ پاتے، سنکر آواز پہچانتے، دیکھکر صورت جانتے، چھوکر سختی و نرمی دریافت کرتے، اور سونگھ کر بو معلوم کرتے ہیں ان حواس کے ذریعہ کبھی جو علم ہم کو ہوتا ہے، وہ اکثر نقیضی اور شاذ و نادر غلط بھی ہوتا ہے، کیونکہ وہ کبھی کبھی کسی سبب سے دھوکا بھی کھاتے ہیں، اور دریافت میں غلطی بھی کرتے ہیں، اور دلائل سے اُن کا یہ دھوکا اور اُن کی غلطی ثابت ہوتی ہے، بیماری میں قوت ذائقہ بدل گئی ہے، اور اس نے میٹھے کو کڑوا بتایا ہے، تیز حرکت میں قوت باصرہ نے ہم کو دھوکا دیا ہے، ریل میں ہم کو ساکن اور ٹھہری ہوئی چیز چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، چلتے ہوئے ہمارے جہاز میں ہم کو ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے، متحرک چنگاری کا نقطہ تیز سیدھی حرکت میں ہم کو آتشیں خط اور گول حرکت میں آتشیں دائرہ معلوم ہوتا ہے، آسمان کے چمکتے ہوئے بڑے بڑے ستارے کتنے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں، لیکن یہی درحقیقت وہ ایسے ہی چھوٹے ہیں،

۵۔ علم بالواسطہ کی دوسری قسم وہ ہے جس کو ہم اپنی عقل و تخیل سے غور، فکر اور استدلال کے ذریعہ سے حاصل

کرتے ہیں، ان کی بنیاد حقیقت اور خیرین معلومات پر ہوتی ہے جبکہ علم ہم کو اپنے وجدان، الہام فطری (یا حجت) پر آہستہ اولیہ اور احساس سے پہلے ہو چکا ہے، اور انہیں معلوم شدہ امور پر غیر معلوم امور کو تمثیل یا استقراء کے ذریعہ سے قیاس کر کے ان معلوم شدہ امور کے خصوصیات اور آثار کا حکم ان غیر معلوم لیکن مشابہ و مماثل امور پر لگا کر نتیجہ حاصل کرتے ہیں وہ غیر معلوم امر جس پر معلوم امور کے ذریعہ ہم کوئی حکم لگاتے ہیں اگر مادی ہوتا ہے تو نتیجہ خندان غیر مشکوک نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ جزئیات کا استقراء پورا نہ کیا گیا ہو، یا تمثیل تمام نہ ہو یا تجربہ و مشاہدہ نے دھوکا دیا ہو، یا کوئی اور اصولی غلطی ہوگی، ہو طبعیات، اور سائنس کے مسائل اکثر اسی طرح معلوم کیے گئے ہیں لیکن اگر وہ امر محمول غیر مادی ہے تو مادی امور پر اس غیر مادی کو قیاس کر کے اسکی نسبت جو کچھ کہا جائے گا اس کا مرتبہ ظن و تخمین سے آگے نہیں بڑھتا، مگر یہ کہ وہ تمام تر فطریات و دہریات و محسوسات پر علانیہ منتہی ہو، مابعد الطبیعہ اور فلسفہ الہیات کے مسائل اسی طریقہ استدلال سے حاصل ہوتے ہیں اور اسی لیے ان میں اختلافات کی بڑی گنجائش نکلتی ہے کہ ان کے آخری نتیجہ اور ابتدائی بنیادی وجدانی یا بدیہی یا حسی مقدمات کے درمیان قیاسات کی کئی منزلیں ہیں اور ان میں سے ہر منزل خطرون سے بھرپور ہے، مشابہت و مماثلت میں دھوکا ہو سکتا ہے، عقلی اور وجدانی اور حسی آراء کے خواص کے درمیان اختلاف اور فرق ہو سکتا ہے، غور و فکر، بحث و نظر، تحقیق و جستجو اور ترتیب مقدمات جو اس قیاس عقلی کے کارکن اور عامل ہیں وہ اپنے کام میں دھوکا کھا سکتے ہیں، اسی لیے یہ علوم مشکوک و شبہات بھرپور ہیں ذائع علم کے حصول کے زمانے | سطور بالا سے ہوید ہے، کہ ہمارے سب سے زیادہ یقینی علوم ہمارے وجودیاتیات اور ان کے مراتب | اور فطریات ہیں جو ہم کو قدرت کی طرف سے سب سے پہلے عنایت ہوئے ہیں، کہ ہمارے وجود کی بقا اس علم پر موقوف ہے، جیسے بھوک اور پیاس کا احساس، اور اس علم کا یقینی ہونا بھی ضروری ہے اور نہ ہم اپنا وجود قائم نہ رکھ سکیں گے، ہم کو جو بھوک یا پیاس لگتی ہو، کیا اس کے یقینی اور قطعی علم میں ہم سے غلطی ہو سکتی ہے، او کیا کسی کے شک نہ لانے سے کہ ممکن ہو کہ ہم کو بھوک نہ ہو، ممکن ہے کہ ہم کو پیاس نہ ہو، کبھی بھر کے یا پیاس کو اپنی بھوک اور پیاس کے متعلق شک ہو سکتا ہے، اور یہ احساس اور علم وجود کے ساتھ ساتھ انسان کو ملتا ہے، یہاں تک کہ آج کا

پیدا شدہ بچہ بھی اس کا احساس کرتا اور علم رکھتا ہے، ورنہ وہ اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے۔  
 وجدانیات و فطریات کے بعد محسوسات کا علم انسان کو ملتا ہے، دیکھنا، سنانا، چکھنا، سونگھنا، چھونا یہ ہمارے  
 پانچ حواس ہیں جو ہمارے مادی علم کے آلات ہیں اور جن کے بغیر کوئی باہر کا علم ہمارے اندر نہیں آسکتا، یہ احساسات  
 بھی ایک ہی دفعہ نہیں کمال پا جاتے، بلکہ ضرورت کے مطابق حسب استعداد ملتے اور ترقی پاتے ہیں اور پیدائش کے  
 چند ماہ بعد یہ تکمیل کو پہنچتے ہیں، کیونکہ وجود کی بقا اور ضروریات کی تکمیل ابھی سے ان پر رفتہ رفتہ موقوف ہوتی جاتی ہے  
 محسوسات کے بعد بدھییات اولیہ کا درجہ آتا ہے، انسان کو اپنے اس علم میں بھی وہی اذعان و  
 قطعیت ہوتی ہے، دو دو چار ہوتے ہیں، دس پانچ کا دو نام ہے، ایک چیز ایک ہی وقت میں دو جگہ نہیں ہو سکتی  
 ایک چیز ایک ہی وقت میں سیاہ و سپید نہیں ہو سکتی، ان بدھی علم کو ہر شخص مانتا اور تسلیم کرتا ہے، مگر اس کا علم  
 انسان کو بچپن میں نہیں ہوتا، بلکہ تیز و رشد کے بعد ہوتا ہے، کیونکہ اسی وقت اس کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر  
 یہ علوم اس سن میں اس کو عطا نہ ہوں، تو وہ دنیا کے ضروری کاروبار چلانے کے لائق نہ ہوا، ورنہ دوسرے علوم  
 کی دریافت کی اس میں استعداد پیدا ہو، فطری احمق اور بیوقوف انہیں کو کہتے ہیں، جن میں ان بدھییات کا علم  
 کم یا بالکل نہیں ہوتا،

سب سے اخیر میں اُس علم کا درجہ آتا ہے جو وجدانیات، فطریات، بدھییات اور محسوسات پر قیاس کے  
 ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، اور جنکو مقہولات کہتے ہیں، اسی علم اور اسی کی قوت کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے کہ انسانی  
 عقولین درجہ اور مرتبہ میں تفاوت ہوتی ہیں، ایک طرف تو (کی کی سمت میں) وہ حماقت تک پہنچ جاتی ہے، اور  
 دوسری طرف (سمت کمال میں) عقل، عاقلتر اور عاقل ترین طبقہ تک اونچی ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ درجہ بھی آتا  
 ہے، کہ کسی کی عقل اس مرتبہ تک جا پہنچتی ہے، جہاں کوئی اُس کا دوسرا حریف اور ہمسر نہیں ہوتا، ایک جاہل جیشی  
 سے لے کر ارسطو اور بوعلی سینا تک سب اسی عقلی مدارج کے مختلف انسانی نظائر ہیں، با این ہمہ یہ ظاہر ہے کہ اس  
 علم کا طریقہ نہایت پرخطر اور مشہل مقصود و ہمیشہ مشکوک رہتی ہے،

عام طور سے انسانی علم کے یہ پانچ ذریعے اور طریقے سمجھے جاتے ہیں لیکن درحقیقت ایک اور ذریعہ بھی ہے جس کا تعلق تہا متراور اسے مادہ سے ہے، غور کیجئے کہ آپ کا سب سے پہلا علم یعنی وجدانیات آپ کے اندرونی حواس کا نتیجہ ہے دوسرا یعنی فطریات کا علم خالق فطرت خود آپ کے اندر ودیعت رکھتا ہے، تیسرا علم یعنی محسوسات کا علم آپ کے اُن ظاہری حواس کا نتیجہ ہے، جو گویا بہرین اگر آپ کے جسم کے اندر ہیں، آپ کا تیسرا ذریعہ علم یعنی بدہنیات اولیہ آپ کے حواس اور ذہن کا ایک مشترک فیصلہ ہیں، چوتھا ذریعہ علم جو آپ کی عقل و ذہن کی قیاس آرائی ہے، وہ آپ ہی کے اندر کے دماغی قوی کا عمل ہے، تھوڑے تامل سے معلوم ہوگا کہ آپ کا علم وجدان سے لے کر ذہن تک بتدریج مادیت سے ترقی کر کے ماورائے مادہ کے قریب تک پہنچتا ہے، وجدان تہا متراور ہمارے اندرونی جہانی مادیت ہے جس میں کوئی شک نہیں محسوسات بھی ہمارے ہی جسم کے مادی آلات علم کے نتائج ہیں، بدہنیات، ہمارے حواس سے جو مادی ہیں اور ہمارے ذہن سے جو غیر مادی ہیں، مشترک تعلق رکھتے ہیں، یعنی بدہنیات مادی اور غیر مادی ذرائع علم کے ہیں بین ہیں، اور مقولات تہا متراور ذہنی اور غیر مادی ہیں، تاہم اس غیر مادی قوت کا مرکز ہمارا مادی جسم ہی ہے، اور اس حد تک اس غیر مادی قوت کا مادہ سے تعلق بہر حال ہوتا ہے،

غیر مادی علم | اب اس کے بعد اس علم کا درجہ آتا ہے جس کی سرحد اس کے بعد آتی ہے، اور جس کا تعلق مادہ سے اتنا بھی نہیں ہوتا، جتنا مقولات اور ذہنیات کا ہے، وہ تہا متراور مادیات سے پاک ہوتا ہے، اُس کو مادہ سے اسی قدر لگاؤ ہوتا ہے کہ وہ علم مادی ول و دماغ کے آئینہ پر اوپر سے آکر اپنا عکس ڈالتا ہے،

اس غیر مادی علم کے بھی یہ ترتیب مختلف درجے ہیں جنکو فراست، حدس، کشف، الہام، اور وحی کہتے ہیں اور جس طرح انسانی علم کے مذکورہ بالا چاروں ذریعے انسان کے جہانی قوی سے متعلق تھے، اسی طرح یہ غیر مادی ذرائع انسان کے روحانی قوی سے وابستگی رکھتے ہیں، اور جس طرح آپ نے دیکھا ہے کہ وجدانیات سے لے کر عقلیات تک یہ ترتیب ہمارا ذریعہ علم خالص مادی، کامل مادی، کم مادی اور برائے نام مادی تک ترقی کرتا چلا گیا ہے، اسی طرح فراست، حدس، کشف، الہام، اور وحی بھی برائے نام مادی درو حانی سے لیکر پھر روحانی، کامل

روحانی اور خالص روحانی کے ذریعہ تک ترقی کرنا چلا گیا ہو،

**فرست** کے لفظی معنی "ناز جانے" کے ہیں تاڑ لینے کی قوت ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتی، مگر جس میں نمایاں ہوتی ہے، اُس کی کیفیت ایک ملکہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، جو تجربہ کی کثرت اور عمل کی تہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہو جاتا ہے، اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے یا بھونے کے ساتھ ہی صرف بعض علامتوں کے جان لینے سے دوسری متعدد ضروری علامتوں پر تفصیلی نظر ڈالے بغیر اس جلدی سے انسان صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ غیب کی بات بیان کر رہا ہے، حالانکہ اس کا علم تا ستر ظاہری علامتوں اور نشانوں پر مبنی ہوتا ہے، جنکو ہر شخص دیکھ سکتا تھا مگر دیکھتا نہ تھا، ایسے ماہر فن اور ذی فرست اشخاص برابر ہر شخص کے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں جس کو جس چیز پر فن میں یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، اُس کی فرست اُس کو حاصل ہو جاتی ہے، جرائم کے پتہ لگانے والے ماہرین اور جاووس اپنے فن کی فرست میں یہ کمال رکھتے ہیں کہ صورت دیکھی اور تاڑ گئے، اسی طرح ہر علم و فن کے ماہروں کو اپنے اپنے فن کے اندر یہ ملکہ حاصل ہو جاتا ہے، انجیل اور نیکو کاروں کو اپنی جماعت کے افراد کے پہچان لینے اور جان لینے کی طاقت بھی ایسی طرح حاصل ہوتی ہے، اور اُسی کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے،

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظري بنى مراد الله

دیکھتا ہے،

(ترمذی)

۲۔ فرست کے بعد **خُذْلَس** کا درجہ ہے، فرست کے ابتدائی مقدمات حواس پر مبنی ہوتے ہیں، لیکن اس کے ابتدائی مقدمات ذہنی اور عقلی ہوتے ہیں اور انھیں ذہنی اور عقلی مقدمات کے غور و فکر و تلاش اور ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے، مگر فطری کمال یا فن کی حاصل کردہ مہارت کے سبب غور و نظر، فکر و تلاش اور ترتیب مقدمات کے منطقیانہ مرحلوں کو ذہن رسا اس تیزی اور سرعت کے ساتھ طے کر کے آخری نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ خود اس کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ اس نتیجہ کے حاصل کرنے میں اُس نے کوئی دماغی عمل بھی کیا ہے، یہ چیز بھی اکثر

کامل عقل اور صائب الرائے انسانوں کو فطرۃً عطا ہوتی ہے، اور دنیا کے مشہور عقلاء اور دانیانِ روزگار کے واقعات میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں،

۳۔ کشف، کے لفظی معنی تو کھولنے اور پردہ اٹھانے کے ہیں، مگر اس سے مقصود یہ ہے کہ مادیات کے ظلمانی پردہ کو چاک کر کے مادی چیز روحانی عالم میں مشاہدہ کے سامنے آجاتی ہے، وہ کبھی اصلی صورت میں اور کبھی اپنی مثالی صورت میں نظر آتی ہے، عام لوگوں کے سمجھنے کے لیے اس کی بہترین مثال خواب کی ہے، فرق اتنا ہے کہ خواب عالم خواب کی بات ہو، اور کشف عالم بیداری کی جس طرح عام لوگوں کو خواب میں جب ظاہری حواس بیکار ہو جاتے ہیں، ایسی چیزیں معلوم ہوتی ہیں، جو کبھی کبھی عین واقعہ ثابت ہوتی ہیں، اسی طرح خاص لوگوں پر بیداری ہی میں ظاہری حواس کے تطفل سے ایسا سامان پیش آتا ہے، ہر شخص کے تجربہ میں ایسے متعدد وحیرت انگیز واقعات گذرتے رہتے ہیں،

۴۔ اِلہام کے لفظی معنی "دل میں ڈالنے" کے ہیں، اور اس سے مراد وہ علم ہے جو محنت، تلاش، تحقیق، غور اور ترتیب، مقدمات کے بغیر دل میں آجاتا ہے، اور ممکن ہے کہ اس کی صحت بعد کو حسی تجربوں اور عقلی دلیلوں سے بھی ثابت ہو جائے، مگر خود وہ علم پہلے پہل ذہن میں کسی حسی تجربہ یا عقلی دلیل کے نتیجہ کے طور پر نہیں آتا، بلکہ خود بخود دل میں آجاتا ہے، کیونکہ آتا ہے؟ اور کہاں سے آتا ہے؟ اس کے جوابات مختلف ہو سکتے ہیں، مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ آتا ہے، اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، اس کی ابتدائی اور معمولی مثالیں وہ خیالات ہیں، جو محققین، علماء، شعراء اور موجدین کے ذہن میں پردہ عدم سے پہلے پہل آتے ہیں، اور وہ اُن کو دنیا کے سامنے اپنی ایجادات کی صورت میں پیش کرتے ہیں،

۵۔ وحی کے لغوی معنی کسی کا اپنے دلی منشا کو لبوں کو جنبش دینے بغیر اخفا اور استیلا کے ساتھ دوسرے پر ظاہر کر دینا ہیں، اور اصطلاحاً اس کے معنی خدا کا اپنے دلی منشا سے اپنے خاص بندوں کو کسی غیبی ذریعہ سے مطلع کرنا ہیں، یہ علم و اطلاع کے روحانی ذریعوں کی آخری سرحد ہے،

جس طرح علم کی تین جہانی قسمیں یعنی وجدانیات، حیاتیات اور بدہیتیات عام انسانوں کے لیے یقینی ہیں اسی طرح روحانی ذرائع علم کے یہ تین ذریعے کشف، الہام اور وحی انبیاء علیہم السلام کے لیے یقینی ہیں، اور جس طرح علم کے مادی ذریعوں میں سے یقین کا سب سے پہلا ذریعہ وہ ہے جو تمام مادی ہے، یعنی وجدان، پھر حواس ظاہر اور پھر بدہیتیات، اسی طرح علم کے روحانی واسطوں میں سب سے زیادہ یقینی وہ ہے جو تواتر روحانی ہے، یعنی وحی، پھر الہام، پھر کشف،

ہم نے علم کے روحانی ذرائع کی جو تین قسمیں کی ہیں یعنی وحی، الہام اور کشف، یہ قرآن پاک کی اصطلاحیں نہیں ہیں، اسکی اصطلاح میں روحانی ذریعہ علم کا نام مکالمہ الہی (خدا سے بات کرنا) ہے، اور اس کی حسب ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں،

۱- وحی (اشارہ) سے بات کرنا، یعنی دل میں کسی معنی کا بغیر آواز اور الفاظ کے آجانا، یہ اگر حالت بیداری میں ہے، تو کشف ہے، اور اگر خواب میں ہے تو رویا ہے،

۲- خدا کا پردہ کے پیچھے سے بات کرنا، یعنی متکلم نظر نہیں آتا، مگر غیب سے آواز آتی ہے اور الفاظ سنائی دیتے ہیں، اس کو الہام کہہ لو،

۳- فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا، یعنی فرشتہ خدا کا پیغام لے کر سامنے نظر آتا ہے، اور اس کے منہ سے وہ الفاظ ادا ہوتے ہیں، جنکو نبی سنکر محفوظ کر لیتا ہے، اسی کو عام طور سے وحی کہتے ہیں، کیونکہ قرآن پاک کا نزول اسی آخری طریقہ سے ہوا ہے، لیکن اس شہرت عام کے یہ معنی نہیں ہیں، کہ دو اور دوسرے طریقے وحی کی قسمیں نہیں ہیں، وحی کی ان اقسام کا ذکر سورہ شوریٰ میں ہے،

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بَأْزَانِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ مُّسْتَعِينٍ (شوریٰ ۵)

اور کسی آدمی کی یہ تاب نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے، لیکن وحی (اشارہ) سے، یا پردہ کے پیچھے سے یا کسی قاصد کو بھیجے تو وہ خدا کے حکم سے خدا جو چاہے اسکو وہ وحی کر دیتا ہے، بیشک اللہ

مکالمہ الہی کے یہ تینوں طریقے یعنی وحی (اشارہ) سے بات کرنا، پر وہ کے پیچھے سے بات کرنا، اور فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا، وحی کی یہ تین مختلف قسمیں بھی ہیں، اور پھر ان تینوں کا اجالا شرک نام بھی وحی ہے یعنی یہ قسم بھی اور اپنی تین قسموں میں سے بھی ایک پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی آیت میں دیکھو کہ فرشتہ کے ذریعہ سے کلام کو بھی وحی فرمایا گیا، اور تینوں مذکورہ بالا طریقوں میں جس طریقہ سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی تعلیم و اطلاع دی گئی ہے، اس کو بھی وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ عام مکالمہ الہی کے مرادف بھی مستعمل ہوا ہے،

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ      نبی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا، بلکہ وہ وحی ہوتی ہو

(نجم - ۱)      جو اس کو کچھائی ہو،

الغرض اسی امتیاز کے لیے علمی اصطلاحات میں ان تینوں طریقوں کے لیے کشف، الہام، اور وحی کے تین علیحدہ علیحدہ الفاظ وضع کر دیئے گئے ہیں تاکہ بول چال میں ہر روحانی طریقہ گفتگو دوسرے سے ممتاز ہو جائے، بیداری میں اشارہ سے بات کرنا کشف ہے، اور خواب کے عالم میں رویا ہے، پر وہ کے پیچھے سے آواز کا آنا الہام ہے، اور فرشتہ کی درسیانگی سے بات کرنا وحی ہے۔

مکملہ، اوپر کی آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے بات کرے، لیکن ان تین طریقوں سے اس کے آخر میں فرمایا ہے کہ وہ سب سے بلند اور حکیم ہے، یعنی اس کی بلندی و برتری کا اقتضائے یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنے مکالمہ کے شرف کا مستحق نہ سمجھے، مگر اس کی حکمت کا اقتضائے یہ ہے کہ وہ اپنے بندگان خاص کو عام بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ان تین غیر معمولی طریقوں میں سے کسی طریقہ سے گفتگو فرمائے، بہر حال غیبی ذریعہ اطلاع کی یہ سب سے بلند قسم جس کو اصطلاح میں وحی کہتے ہیں، اس کا تجربہ عام لوگوں کو نہیں، لیکن اس سے نیچے درجہ کے غیبی ذرائع اطلاع کا تجربہ ہر شخص کو تھوڑا بہت ہے، اور ہر انسان کی زندگی میں

۱۔ ان اصطلاحات کی بحث کیلئے تھوڑی فقہ کی اہم کتابوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے، کم از کم اس موقع پر تحریر ابن ہمام المتوفی ۷۵۰ھ کی شرح التقریر و التجرید لابن امیر الحاج المتوفی ۷۹۰ھ جلد سوم ص ۲۹۵ مطبوعہ امیر بولاق مصر ۱۳۱۴ھ دیکھنی چاہیے،



جو بعض پرستار اور ناقابل فہم واقعات پیش آتے ہیں، اُن پر غور کرنے سے غیب کے اس اعلیٰ ترین ذریعہ علم کا دھندلا سا خاکہ ذہن میں آسکتا ہے، جس سے غیر جسمانی اور غیر حسی مادی ذرائع علم کے سمجھنے اور باور کرنے میں جو استبعاد معلوم ہوتا ہے وہ دور ہو سکتا ہے، خصوصاً اس عہد میں جیسے پانچا لوجی کی تحقیقات سے نفس کی بہت سی نامعلوم طاقتوں کا پتہ چل رہا ہے اور آئندہ سچو ملزم کے ذریعہ ارجح سے خطاب و کلام کی سلسلہ جنبانی ہو رہی ہے، اور جدید روحانیات کا فن ایک مستقل سائنس کی صورت اختیار کر رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو اپنے کشف الہام اور وحی پر اتنا ہی یقین ہوتا ہے جس قدر عام انسانوں کو اپنے وجدانیات، محسوسات، فطریات، اور بدیہیات پر، انبیاء کا یہ روحانی علم ایسا ہی اندرونی ہوتا ہے جیسا عام انسانوں میں وجدانیات، فطریات، اور بدیہیات و محسوسات کا علم ہوتا ہے، جس طرح کسی شخص کو اس علم میں دھوکا نہیں ہو سکتا، کہ اُس کو کچھ یا بیاس معلوم ہو رہی ہے، یا اُس کو غم یا خوشی ہے، اسی طرح نبی کو بھی اپنے روحانی وجدانیات میں دھوکا نہیں ہوتا، اور جس طرح تم کو اپنے فطریات میں یہ مغالطہ نہیں ہوتا، کہ دو اور دو چار نہیں ہوتے، اسی طرح اُس کو بھی پیغمبرانہ فطریات میں مغالطہ وقع نہیں ہوتا، اور جس طرح تم کو اپنے محسوسات میں اگر کسی کو سانس نہ دیکھ رہے ہو، یا کسی کی آواز سن رہے ہو، شبہ نہیں ہو کرتا، اوسکو بھی اپنے روحانی محسوسات میں شبہ نہیں ہو کرتا، غرض ہ اپنا ان جملہ نبی اور روحانی ذرائع علم میں ہر غرض قریب خطا اور غلطی سے اینٹ پر چاک ہوتا ہے، جیسا کہ تم اپنی وجدانیات، فطریات، محسوسات اور بدیہیات میں غلطی اور خطا پر چاک ہو رہے ہو۔

علم غیب | اسلام کے عقیدہ میں غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، قرآن میں بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کی ہدایت ہوئی ہے۔

تو کہدے اسے پیغمبر کہ غیب خدا کے لیے ہے،

قُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ (یونس - ۲)

کہدے کہ اسے انسانوں میں اور زمین میں خدا کے سوا کوئی

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَعِيَ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا الْأَرْضِ الْغَيْبُ

نہیں، جبکہ غیب کا علم ہو،

إِنَّمَا اللَّهُ (نمل - ۵)

رسول کہتے ہیں،

وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ (الغافر۔ ۵۱) اور میں غیب نہیں جانتا،

لیکن اسی کیساتھ دو موقوف پر یہ بھی کہا گیا ہے، کہ بایں ہمہ خدا اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی اطلاع دیتا ہے،

سورہ جن میں ہے،

فَلَا يُطِئُ صُورَةَ غَيْبِهِ أَحَدٌ إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ (جن) ۱  
تو اللہ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا لیکن مَن  
پیغمبر پر جس کو پسند کرے،

دوسری جگہ سورہ آل عمران میں ہے،

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْهِرَ لَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ  
اللَّهُ يَخْتَارُ مَن يُرْسِلُ مَن يَشَاءُ  
اور نہ تھا اللہ کہ غیب کی باتوں پر تمکو مطلع کرتا، لیکن یہ کہ  
اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہے جن لیتا ہے،

ان دو آیتوں سے واضح ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی باتوں کی اطلاع دیتا ہے  
اس سے معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں غیب کی کلمہ اور قطعاً نفی لگئی ہے، ان سے مراد ذاتی اور حقیقی علم ہے، یعنی  
خدا کے سوا بالذات کسی کو غیب کا علم نہیں، البتہ خدا کے واسطے اور ذریعہ سے اور اس کی تعلیم و اطلاع سے پیغمبروں  
کو اس کا علم حاصل ہوتا ہے، ساتھ ہی آیت الکری میں فرما دیا گیا،

وَلَا يَخْصِي سُلْطَانُ نَبِيِّهِ مِمَّا أَرَادَ بِمَا شَاءَ  
(بقرہ ۲۵۵)  
اور وہ خدا کے ایک ذرہ علم کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے، لیکن  
اتنے کا بھنے کا وہ چاہے،

یعنی اپنے علوم غیب سے جتنا اور جس قدر وہ پسند کرتا ہے، اور مصلحت سمجھتا ہے، وہ ان کو بذریعہ وحی ان سے  
واقف کرتا رہتا ہے، بایں ہمہ بعض باتوں کی نسبت جیسا کہ سورہ ہود اور لقمان میں ہے، اللہ تعالیٰ نے قطعی طور سے  
فیصلہ کر دیا ہے، کہ ان کا علم کسی کو نہیں، مثلاً قیامت، بارش، موت، حکم مادیوں کا ہے یا لا کی، کل کیا ہوگا، ان باتوں  
کو خدا نے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی طرح بعض آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہا گیا ہے، کہ آپ

کا کلمہ علم تھا، جیسا کہ غزوہ تبوک میں عدم شرکت کے بعض عذر خواہ اصحاب کے متعلق سورہ توبہ میں ہے، کہ انھوں نے  
جھوٹی قسمیں کھا کر اجازت حاصل کر لی، خدا نے فرمایا،

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّى يُتَيَسَّرَ

لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا أَوْ تَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ (توبہ)

خدا نے تجھ سے رخصت کیا، کیوں تو نے انکو اجازت دی، تاکہ تم پر معلوم

ہو جائے جو سچ بولے، اور جھوٹوں کو جان لیستہ،

انھوں نے پہلے فتنہ پیدا کرنا چاہا، اور تیرے سامنے واقعات

آت دیئے، یہاں تک کہ حق بات آگئی اور خدا کی بات

کھل گئی اور وہ ایسا نہیں چاہتے تھے،

(توبہ)

اگے چل کر ہے،

مَرْدُو عَلَى الْبِغْيَاءِ لَا تَعْلَمُ لَهُمْ تَعْلَمُ لَهُمْ (توبہ)

یہ نفاق پر اڑے ہیں تو ان کو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں

ان آیتوں سے یہ واضح ہے کہ پیغمبروں کو غیب کا کئی علم نہیں ملتا، بلکہ اُن کو غیب کی اطلاع دیئے جانے

کے موقع کی دونوں آیتوں میں ”رسول“ ہی کا لفظ استعمال کرنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کہ جن غیب

کی اطلاع پیغمبروں کو دی جاتی ہے، اُن کا تعلق فریضہ رسالت اور اس کی مصطلحوں اور اور شریعتوں سے ہے،

غیب کی حقیقت علم غیب کے اس نام پر استہدائے اتنی منزل طے کر لینے کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن مجید کی

اصطلاح میں غیب کس کو کہتے ہیں؟ قرآن مجید کے اس لفظ کے استعمال کے تمام مواقع پر غور کرنے سے اس کے

اجمالی اور تفصیلی دونوں معنی واضح ہوتے ہیں، اجمالاً اس کا اطلاق اُن امور پر ہوتا ہے، جن کا علم انسان اپنے علم کے عام

اور طبعی و فطری ذریعوں سے حاصل نہیں کر سکتا، گزر چکا ہے کہ انسانی علم کے طبعی ذریعے، وجدان، حواس، اور عقل

و استدلال وغیرہ ہیں، ان طبعی ذریعوں سے جو ہر انسان کو ملے ہیں جو علم حاصل نہیں ہوتا، اس کو ”علم غیب“ کہتے

ہیں، یعنی اُس شے یا اُن اشیاء کا علم جو انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی قوتوں کی نگاہوں کے سامنے سے

غائب ہیں، اور اس کا مقابل لفظ ”شہادۃ“ ہے جس کے معنی حاضر ہونے کے ہیں، یعنی وہ اشیاء جو ہر انسان کے

حواس اور قوائے دماغی کے سامنے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کو بار بار عَالَمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کہا ہے (انعام: ۱۰۷) یعنی انسانوں کے طبعی ذرائع علم کے سامنے جو حاضر ہے اور جو غائب ہے، ان سب کا عالم اور واقعہ کل وہی ہے، الغرض اجمالاً علم غیب اس غیبی طریقہ علم کا نام ہے جو عام انسانوں کو نہیں ملا ہے،

تفصیلی حیثیت سے قرآن پاک میں تحفیب کا اطلاق چار چیزوں پر ہوا ہے،

۱۔ زمانہ ماضی کے واقعات جن کا علم بعد کو نہ تو حواس کے ذریعہ ہو سکتا ہے، کہ حواس سے صرف شاہد (سامنے موجود) کا علم ہوتا ہے، اور عقل فکر کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اگر ہو سکتا ہے تو تحریر و روایت کے ذریعہ، لیکن جس کے لیے تحریر و روایت کا ذریعہ یقینی طور سے مسدود ہو، اُس کے لیے ان کا علم اگر ہو سکتا ہے، تو غیبی ہی ذریعہ سے ہو سکتا ہے،  
حضرت نوحؑ کے مختصر قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ لَوْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ مَا كُنْتُ نَعْلَمُهُمْ أَنْتَ وَكَانَ مَكِّمْ مِنْ قَبْلُ هَذَا (سجۃ - ۲۷)

غیب کی بعض خبریں ہیں ہم اُن کو وحی کرتے ہیں تیری طرف تو تو اُن کو پہلے سے جانتا ہی نہ تھا، اور نہ تیری قوم جانتی تھی،

حضرت مریمؑ کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے،

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ لَوْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ مَا كُنْتُ نَعْلَمُهُمْ أَنْتَ وَكَانَ مَكِّمْ مِنْ قَبْلُ هَذَا (سجۃ - ۲۷)

یہ غیب کی خبریں ہیں سے ہے اُس کو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اور نہ تو اُن کے پاس موجود تھا، جب وہ اپنے قلم (قرعہ کے طور پر) ڈال رہے تھے، کہ کون مریمؑ کو پالے اور نہ تو اُن کے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے (الاحزاب - ۵)

دیکھو کہ محسوس واقعات کے علم کا طبعی طریقہ اُس وقت موجود رہ کر دیکھنا اور سننا تھا، اُس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی گئی، کہ آپ وہاں یقیناً اُس وقت موجود نہ تھے، اب رہ گیا کسی دوسرے انسانی ذریعہ سے سننا اُسکی بھی نفی پہلے ہی سے ہے کہ تیری قوم میں سے بھی کسی کو معلوم نہ تھا، اور نہ دوسروں سے معلوم کیا، اب اس کا علم جس غیر طبعی

طریقہ سے رسول کو دیا گیا وہ وحی کا ذریعہ ہے،

اسی طرح حضرت یوسفؑ کے پورے واقعہ کے ذکر کے بعد فرمایا،

ذَٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُفِیْهِ إِلَيْكَ وَ  
مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ  
یَحْكُمُونَ (یوسف - ۱۱)

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، ہم اس کو تیری طرف ہی  
کرتے ہیں اور تو اُس وقت اُن کے پاس نہ تھا، جب  
اپنا کام طے کرنے لگے اور چال چل رہے تھے،  
اس میں بھی علم شاہ کی نفی کر کے، علم غائب کو ثابت کیا گیا، بہر حال ان آیتوں سے واضح ہے، کہ ماضی کے  
واقعات کے غیر طبعی طریقہ علم کو بھی علم غیب کہا گیا ہے،

۲۔ اسی طرح آئندہ مستقبل میں جو واقعات ہونے والے ہیں اُن کو بھی غیب کہا گیا ہے، اُن کا علم دلائل  
قیاس کے طبعی ذرائع کے علاوہ غیر طبعی ذریعہ سے ہوا ہو، تو اُس کو بھی علم غیب کہیں گے، قرآن پاک میں ایک موقع  
پر اُن کفار کے جواب میں جو نشانہوں کے طالب تھے، یہ کہا گیا،

فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَبِهُوا ذَٰلِكُمْ  
مِنْ الْمُنْتَظَرِ (یوسف - ۲)

تو کہہ دے کہ غیب کا علم خدا ہی کے لیے ہے، انتظار کرو زمین  
بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں،  
مستقبل کے منظرہ واقعات کو اس آیت میں "غیب" کہا گیا ہے، اسی طرح قیامت کو بار بار غیب کہہ کر غیر  
خدا سے اس کے علم کی نفی کی گئی ہے،

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَ كَعِلْمِ السَّاعَةِ (لقمان - ۳۰)  
يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا  
عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي، (اعراف - ۳۳)

خدا ہی کے پاس قیامت کا علم ہے  
وہ قیامت کو پوچھتے ہیں، کہہ دے کہ اُس کا علم میرے پروردگار  
کے پاس ہے،  
اسی طرح مستقبل کے دوسرے واقعات کے علم کی بھی انسانوں سے نفی کی گئی ہے،  
وَمَا تَذَكَّرُ أَن نَّسْأَلُ مَاذَا أَكْتَسِبَ عَبْدًا أَوْ

کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کر چکا اور نہ کوئی پہ جانتا ہے

مَا تَذَرْنِي لِنَفْسٍ تَأْتِي الْأَرْضَ تَمُوتُ (لقمان ۴۸) کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا،

۳۔ اُن چیزوں پر بھی غیب کا اطلاق کیا گیا ہے جو گواہی اور مستقبل نہیں، بلکہ زمانہ حال میں موجود ہیں، تاہم انسان کے حواس خمسہ اور عقل کی محدود طاقت سے اُن کا علم نہیں ہو سکتا، ہم کو دیکھنے اور سننے کی طاقت دی ہے، مگر اُس کے لیے کسی نہ کسی مسافت، عدم حجاب اور دیگر شرائط کی قید لگا دی گئی ہے جن کے بغیر ہماری یہ طاقت بالکل بے کار ہے، ہم دلی میں بھٹک رہے ہیں، ہمیشہ کے پیش نظر مناظر کو نہیں دیکھ سکتے، اور نہ بغیر آلات کے ہم یہاں سے وہاں کی آواز آج بھی سن سکتے ہیں، اس لیے زمانہ حال کے علم کے لیے بھی جو طبعی شرائط اور قیود ہیں، اُن کے بغیر جو علم حاصل ہو گا وہ غیبی ہو گا،

حادثہ عورت سامنے موجود ہے، اگر اُس کے بطن کے پے درپے حجابات کے اندر جنکواں تکھیں چاکنہیں کر سکتیں، کیا ہے؟ کس کو معلوم ہے،

يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ (لقمان ۴۹) اور اللہ جانتا ہے، رحمون کے اندر جو ہے،

آسمان و زمین میں اس وقت جو کچھ ہے، وہ سب زمانہ حال میں سب کے سامنے موجود ہے، تاہم اُس کا علم ہمارے حواس اور عقل کی محدود دسترس سے اُس وقت تک باہر ہے جب تک ہمارے دیکھنے اور سننے اور جاننے کے لیے خدا نے جو طبعی شرائط بنا دیے ہیں، وہ پورے نہ ہوں،

وَاللَّهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (ہود ) اور خدا ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب،

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (بقرہ ) بیشک خدا جانتا ہے آسمانوں اور زمین کا غیب،

۴۔ عالم غیب کی آخری چیز وہ امور ہیں، جو غیر مادی ہونے کی وجہ سے ہمارے حواس اور عقل کے تنگ دائرہ علم سے قطعاً باہر ہیں، ہم فرشتوں کو نہیں دیکھتے، خدا کی رویت کی صلاحیت نہیں رکھتے، جنت و دوزخ ہم کو یہاں نظر نہیں آ سکتی، یہ تمام امور بھی غیبی ہیں،

الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ (انبیاء ۴۷) جو لوگ اپنے رب کے ڈرتے ہیں غیب میں،

اَلَّذِيْنَ يُؤْتِيْهِ مِّنْ غَيْبٍ (بقہ ۱۰) وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں غیب میں

اَلَّذِيْنَ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادًا بِالْغَيْبِ (مريم ۷) وہ جنت جس کا وعدہ اس مہربان خدا نے اپنے بندوں کے لیے کیا ہے  
 ”غیب میں“ کے معنی ہیں بے جانے، بن دیکھے، جو اس سے علم حاصل کیے بغیر اور باوجود اس کے کہ وہ چیزیں اس عالم میں دیکھی نہیں جاسکتی ہیں،

پیغمبر کو اللہ تعالیٰ غیب کی جن باتوں سے آگاہ کرتا ہے، وہ ان چاروں قسم کے امور غیب ہوتے ہیں: بعض گذشتہ قوموں اور پیغمبروں کے عبرت انگیز اور نصیحت آمیز حالات سے بھی روایت اور تحریر کے ذریعہ کے بغیر، وحی کے واسطے سے اُن کو مطلع کرتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کے حوالوں سے اوپر گزر چکا، آئندہ مستقبل میں دنیا کے فتنوں، امت محمدیہ کے انقلابات، قیامت کے مناظر، اور اُس کے بعد کے پیش آنے والے واقعات کا علم آپ کو دیا گیا، جیسا کہ اول دنیا وی پیشینگوئیوں اور قیامت و محشر کے اُن مناظر سے ظاہر ہے جو قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں تبصریح مذکور ہیں اسی طرح حال کے اُن احوال و مناظر کا علم بھی ثابت ہے، جو باوجود سائنس موجود ہونے کے احساس و تدقیق کے طبی شرائط نہ پائے جانے کے سبب عام انسانوں کو نظر نہیں آتے، قبروں کا انکشاف پس پردہ رویت، دوسروں کے موجودہ احوال سے واقفیت وغیرہ، اس علم غیب میں سے بھی پیغمبر کو عطا ہوتا ہے، اور سب کے آخر میں وہ مغیبات ہیں، جن کا احساس و تصور ہمارے مادی ذرائع علم سے قطعاً خارج ہے، تاہم وہ بھی اُس کو دکھائے اور بتائے جاتے ہیں، خود خدا کا دیدار، فرشتوں کی رویت، جنت و دوزخ کا مشاہدہ، وغیرہ، ان تمام امور غیب میں سے اللہ تعالیٰ جس رسول کیلئے جس قدر مناسب اور سزاوار سمجھتا ہے، اُس کا علم وحی کے مختلف قسم کے ذریعہ سے اُس کو عطا فرماتا ہے،

وحی اور ملکہ نبوت | حکماء اسلام نے وحی کی حقیقت ”ملکہ نبوت“ کے لفظ سے ظاہر کی ہے، اس کی تشریح یہ ہے، کہ ترتیب کائنات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ کائنات میں علم اور عقل نے پستی سے بلندی کی طرف رفتہ رفتہ ترقی کی ہے، جمادات بے حس ہیں، اس کے اوپر نباتات ہیں، جنہیں صرف محدود احساس ہوتا ہے، اور دماغی

قوی، حافظہ، تذکرہ اور غور و فکر کی قوت سے وہ محروم ہیں، ان سے اونچے حیوانات ہیں، جنہیں یہ تمام قوی ناقص طریقے سے نمودار ہوتے ہیں، اور آخر میں ان سے بالاتر، مستی یعنی انسان میں جا کر یہ قوی پورے کمال میں ظاہر ہوتے ہیں، ان قوی کی ترقی ہمیں تک محدود نہیں ہو بلکہ جس طرح نباتات میں قوت احساس ہے، جس سے جارات محروم ہیں، اور حیوانات میں حافظہ، تصور، تنقل وغیرہ کی وہ قوتیں ہیں، جو نباتات میں نہیں، انسان میں وہ دماغی و ذہنی قوی ہیں، جو حیوانات میں نہیں، اسی طرح انبیاء میں علم و تنقل کی ایک ایسی قوت موجود ہوتی ہے، جو عام انسانوں میں نہیں ہوتی، اور اسی کا نام ملکہ نبوت ہے،

جو اس صرف مادیات کو دریافت کرتے ہیں، دماغی قوی مادیات سے بلند ذہنیات اور عقلیات کو اور ملکہ نبوت اس سے بھی اونچا جاتا ہے، وہ ذہنیات و عقلیات سے بلند تر حقائق یعنی غیبیت کا کو دریافت کرتا ہے، اس ذریعہ علم میں غور و بحث اور منطقیانہ فکر و نظر اور ترتیب، مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ حقائق اس طرح سامنے آتے ہیں جس طرح وجدانیات، فطریات، بدہشیات، اور محسوسات سامنے آتے ہیں اور انہیں کی طرح وہ یقینی بھی ہوتے ہیں، اور چونکہ اس ذریعہ میں علم انسانی کے عام ذریعے اور طریقے یعنی وجدان، فطرت نوعی، بدہشت اولیہ، احساس اور غور و فکر سے معلومات حاصل نہیں کیے جاتے، بلکہ خود علام الغیوب، وہ علم ان انسانی وسائل کے بغیر ان کو عطا کرتا ہے، شرع کی زبان میں اسی کو وحی ملام کہتے ہیں، علم کلام کی اصطلاح میں ملکہ نبوت اور عام محاورہ میں اس کو غیبی علم کہہ لیجئے،

لیکن اہل نقل کی اصطلاح میں وحی کی یہ صورت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو وقتاً فوقتاً احکام اور ارادوں سے براہ راست فرشتوں کے ذریعہ سے مطلع کرتا رہتا ہے، یہی وحی ہے،

اسان نظر سے معلوم ہو گا کہ اہل عقل و نقل کے اختلاف کا منشا یہ ہے کہ آیا یہ وحی خود پیغمبر کے مافوق اور غیر معمولی وہی علم و فہم کا نتیجہ ہوتا ہے، یا خود براہ راست وقتاً فوقتاً تعلیم ربانی کا، دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ جس طرح عام انسانوں میں علم و فہم کی قوت آغاز پیدائش ہی میں فطرۃ و رعیت کر دی جاتی ہے، اسی طرح انبیاء میں منشاء لہی



جاننے کی قوت بھی شروع ہی میں فطرۃ ودیعت کر دی جاتی ہے، یا یہ کہ وہ فطرۃ تو ویسے ہی عام انسانی طریقہ کا طبعی علم و فہم رکھتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نبوت کے بعد اپنے منشاء الہی سے انکو کسی غیبی ذریعہ سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتا رہتا ہے، لیکن افسہ یہ ہے کہ حقیقت عقل کی نقل سے اور عقل کی عقل سے علیحدگی میں نہیں، بلکہ اتحاد میں ہے، وہ لوگ جو عقل فطریہ دونوں کے جامع ہیں، وہ ان دونوں کو جمع کرتے ہیں،

### یار ما این دار دو آن نیز مسم

ہنسبیا علیہم السلام میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بدر فطرت اور آغاز پیدائش سے ان امور کے متعلق جنکا ان کی رسالت و نبوت سے تعلق ہے، اور جن کو دین کہتے ہیں، وہ کئی استعداد اور عمومی فہم ہوتا ہے جس سے غیر انبیا محروم ہیں، اور اس پوشیدہ قوت کا عملی ظہور اُس وقت سے شروع ہوتا ہے جب وہ نبوت کے منصب پر عطا فرما ہوئے ہیں، اسی کا نام ”ملکہ نبوت“ ہے، اور انہم امور دین کے متعلق ان کو وقتاً فوقتاً جو غیبی اطلاع ملتی رہتی ہے، اس کا نام ”وحی“ ہے،

آج کل قرآن فہمی اور عقل کے مدعیوں اور نقل کے لفظی پابندوں میں جو اختلاف ہے، وہ دراصل انہیں دو قوتوں کے درمیان تمیز نہ کرنے کا نتیجہ ہے، نقل کے لفظی پابندی سمجھتے ہیں کہ ہر لفظ جو نبی کے منہ سے نکلتا ہے، وہ اسی معنی میں وحی ہے، جس معنی میں قرآن ہوا کہ وہ براہ راست خدا کی غیب کی اطلاع ہے، اور عقل کے مدعی یہ سمجھتے ہیں، کہ قرآن بیشک خدا کی براہ راست وحی ہے، مگر اس کے ماسوا رسول جو کچھ کہتا ہے، وہ اس کے پیغمبرانہ نہیں، بلکہ انسانی و بشری علم و فہم کا نتیجہ ہے، لیکن حقیقت ان دونوں کے ماوراء ہے، جیسے وحی قرآنی وحی براہ راست ہے، اویسی طرح نبی کے دوسرے احکام اُس کے عام انسانی و بشری علم و فہم کا نہیں، بلکہ اسکی پیغمبرانہ وہی قوت علم و فہم کا نتیجہ ہیں، جو وحی کی ایک دوسری قسم اس لیے کہی جاسکتی ہے، کہ اُس کا منشاء ”ملکہ نبوت“ کے ذریعہ وحی ربانی کی ترجمانی ہے، اس لیے پیغمبر کی وحی اور ملکہ نبوت دونوں کے احکام واجب الاتباع ہیں،

کتاب اور سنت | اس تقریر کا منشاء یہ ہے، کہ پیغمبر کو جو علم حاصل ہوتا ہے، اُس کی دو قسمیں ہیں، ایک وحی حقیقی یعنی

وہ علم جس کو اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے خاص الفاظ میں پیغمبر پر نازل کرتا رہتا ہے، اور جس کے مجموعہ کو کتاب الہی صحیفہ ربانی، تورات، انجیل، زبور اور قرآن کا نام دیا گیا ہے، دوسرا وہ علم جو پیغمبر کے ملکہ نبوت یا نور نبوت، یا فہم نبوت کا نتیجہ ہوتا ہے، پہلا علم اصلی اور دوسرا ضمنی ہے، یا یوں کہو کہ پہلا اصولی اور دوسرا فروعی ہے، یعنی علم اول پیغمبر پر شریعت کے غیر متبدل اور ازلی احکام کلیہ اور نہات کو واضح کرتا ہے، اور دوسرا علم پہلے علم کے غیر متبدل کلی اصول کے ماتحت اس کے مقصود کی صحیح تشریح اور اس کے جزئیات کی ضروری تفصیل کرتا ہے، اور غیر اہم اور متبدل امور کے متعلق ہنگامی اوقات میں مصلحتی احکام بتاتا ہے، اور اسی دوسری قسم کا علم ہے جو روایات اور احادیث کی صورت میں ہے، اور جس کو اہل اصول اصطلاحاً **سنت** کہتے ہیں، کتاب اصولی احکام ہیں، اور **سنت** ان اصولی احکام کی عملی تشریح ہے، بیان ہے کہ کتاب براہ راست وحی الہی کا نتیجہ ہے، اور سنت ملکہ نبوت اور فہم نبوی کا کتاب بلفظ وحی ہے، اور سنت یعنی وحی مثلاً اور وحی غیر مثلاً بعض علمائے اصول نے کتاب اور سنت دونوں کو وحی مانا ہے اور ان دونوں کے درمیان تفریق یہ کی ہے کہ کتاب اس وحی کا نام ہے جس کی تلامذت کیجاتی ہے، اور سنت اس وحی کو کہتے ہیں جس کی تلامذت نہیں کیجاتی، اس تشریح کا مقصود حقیقہ تلامذت عدم تلامذت کا فرق نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ کتاب میں معنی کے ساتھ الفاظ بھی وحی کئے گئے ہیں، اور وہ الفاظ بھی محفوظ ہیں، ان کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ وائے لکھا فظون کی پیشینگوئی میں داخل ہے، اور اس لیے اس میں الفاظ کی کمی بیشی اور حذف و اضافہ محال ہے، اور سنت میں الفاظ کی نہیں صرف معانی کی حفاظت ہے، اسی لیے کتاب کی وحی مدون، مکتوب اور محفوظ لگتی، اور نماز میں اس کی قرأت کا حکم ہے، اور یوں بھی عام طور سے اس کی تلامذت مسنون ہے، اور سنت کی وحی بالفاظہا مقصود نہیں، اس لیے اس کی حفظی حفاظت کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی، اور نہ نماز میں اس کے الفاظ قرأت کیے جاسکتے ہیں، اور نہ اس کی تلامذت کیجاتی ہے، اور نہ ان کو کتاب الہی کہا جاسکتا ہے، مگر معنی مہولی حیثیت سے ان کی حفاظت خود قرآن نے اپنے اندر کر لی ہے، اور جزئیات کی حیثیت سے گو الفاظ میں نہیں، مگر عمل میں خود رسول اور اس کے پیروں اور پھر ان کے پیروں کے مسلسل تعامل سے یہاں تک کہ آج بھی تمام مسلمانوں کے عمل درآمد سے عملی توازن کی صورت میں محفوظ ہے، اور

بعد کے اماموں نے اچھی طرح تحقیق کر کے الفاظ اور کتب حدیث کے اوراق میں بھی اُن کو محفوظ کر دیا ہے، سنت کو وحی کہنا اس لحاظ سے ہے کہ اُس کے جزئیات اصولاً وحی حقیقی یعنی کتاب کے اندر داخل ہیں اور اس کی کلیت میں سنت کے تمام احکام مندرج ہیں بنا برین چونکہ سنت وحی کے کلی منشا کے اندر داخل ہے، وہ بھی ضمنی حیثیت سے وحی کہی جاسکتی ہے، لیکن چونکہ اُس میں الفاظ کی تعیین خدا کی طرف سے نہیں، اسلئے وہ غیر منشاء ہے، اس فسق کا راز یہ ہے، کہ کتاب کی اصلی حیثیت کلی قانون کی ہے، قانون کے اصل منشا کی حفاظت اور وضاحت کے لیے نہ صرف اُس کے ایک ایک لفظ کے محفوظ رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ اُس کے لیے ایک ایک نقطہ، شوشہ، وقف، وصل، فصل، عطف، قطع، تقدم، تاخر، یعنی اکمل کی اصطلاح میں ایک ڈیش اور کونے کی بعینہ حفاظت کی ضرورت ہے، ورنہ ذرا سے تغیر میں قانون کا مطلب کچھ کچھ ہو جاسکتا ہے، اور سنت کی یہ کلی قانونی حیثیت نہیں ہے، بلکہ وہ اُس کلی قانون کی تشریحات، تفصیلات، اور جزئیات ہیں، جو درحقیقت اس کلی قانون کے اندر مندرج تھے، مگر چونکہ عام لوگوں کی فہم میں نہیں آتے تھے، یا عام لوگ اُس کو نہیں سمجھتے تھے، اس لیے صحابہ کے دریافت پر یا خود حضور صلیعم نے اسکی ضرورت محسوس فرما کر اُس کو کھول کر بیان فرمادیا، کہ پھر اشتباہ نہ رہ جائے،

اسی مقام پر ایک اور نکتہ بھی ہے، کہ کتاب الہی میں جو حکم جن الفاظ میں ادا ہوا ہے، وہ اگر بعض کم فہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا، اور انھوں نے آنحضرت صلیعم سے اسکی تشریح چاہی، یا انہیں نہیں معلوم ہوا، کہ اس خاص جزئی واقعہ کا کیا حکم ہے، اور قرآن پاک کی کس اصل سے ماخوذ و مستنبط ہوگا، اور اس لیے انھوں نے آنحضرت صلیعم سے دریافت کیا، تو اُس کے جواب میں اگر آنحضرت صلیعم قرآن پاک کے بعینہ انھیں الفاظ کو بے کم و بیش دہرا دیتے تو یہ بیکار ہوتا، کہ انھیں الفاظ کے نہ سمجھ سکنے کے سبب سے تو سوال کی نوبت آئی، اس لیے ضرور تھا کہ آنحضرت صلیعم الفاظ کو بدل کر اور طریقہ تعبیر کو تغیر دے کر ان الفاظ کی تشریح فرمائیں، اور یہی احادیث ہیں،

درحقیقت احادیث میں قانون الہی اور کتاب ربانی ہی کے مفہوم و منشا کو رسول اللہ صلیعم نے سمجھنے والوں

کی سہولت، مگر ہون کی تکمیل بہت اور اصل منشاء الہی کی پوری توضیح اور کہیں پوری تاکید کی خاطر مختلف لفظوں مختلف عبارتوں اور مختلف تعبیروں سے ادا فرمایا ہے، اس لیے اہل مفہوم و منشا کے لحاظ سے احادیث کے معانی ضنائی وحی ہیں لیکن الفاظ عبارت اور تعبیر کی حیثیت سے یعنی لفظاً وحی نہیں ہیں، بلکہ فہم نبوی، اجتہاد نبوی اور ملکہ نبوت کے غیر خطا پذیر نتائج ہیں، اسی لیے اُن کو اصطلاح میں ”وحی غیر متلو“ کہتے ہیں۔

ہم اس فرق کی ایک مثال دیکر اپنے مطلب کو زیادہ واضح کر دینا چاہتے ہیں، قرآن پاک میں والدین کی خدمت اور اطاعت کا حکم ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اشارہ ہے کہ والدین کی رضا مندی گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے، یہ وحی الہی کا حقیقی منشاء ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منشاء الہی کو ان الفاظ اور مختلف تعبیروں سے ادا فرمایا، مان کے پاؤں کے نیچے جنت ہے، لکھی ارشاد ہوا ”رب کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے، ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا ”تیری مان، تیری مان“ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، صحابہ حضوری کے شرف سے ممتاز تھے، کہ زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے، ”وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا“ حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ! ”کون“ ارشاد ہوا، ”وہ جس نے اپنی مان یا باپ کی ضعفی پائی اور پھر اُن کی خدمت گزاری کر کے جنت نہ حاصل کر لی“ ایک اور جگہ میں صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! صلہ نیک کے کاموں میں خدا کو سب سے زیادہ کون کام پسند ہے؟ فرمایا ”وقت پر نماز ادا کرنا“ دریافت کیا اس کے بعد فرمایا ”مان باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا“

ان تمام احادیث پر معمولی سی غور و فکر کی نظر بھی یہ راز ظاہر کر دیگی، کہ یہ کل حدیثیں ذیل کی آیتوں کی تشریح بیان ہیں،

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بقرہ ۹۰-۹۱-۹۲)

مان باپ کے ساتھ نیک کرو،

وَلَا تَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا

(اسلمیل ۳)

وہ بوڑھے ہو جائیں تو ان کو اُفت نہ کہو،

وَنَجَّادًا عَنِ سَيِّئَاتِهِمْ (الحق ۲۰) یہ (ان باپ کے خطہ نگذار) وہ ہیں جنکی بدیوں سے ہم درگزر کرتے

یہی حال دوسرے قرآنی احکام کے بیانات و تشریحات کا ہے،

احادیث قرآن کا بیان ہیں | قرآن پاک اور احادیث دونوں پر جنکی عمیق وسیع نظر ہے، اُن کو یہ بر ملا معلوم ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ کے تمام فرعی اور ثانوی احکام قرآن پاک کے عمومی اور کلی احکام کے تحت میں مندرج ہیں، اچھے صلعم نے اپنے الفاظ میں صرف اُن کی تشریح فرمائی ہے، اس قسم کی حدیثوں کی عموماً تین شکلیں ہیں، ایک وہ جنہیں آنحضرت صلعم نے اپنے الفاظ میں حکم بیان فرمانے کے بعد خود قرآن پاک کی کوئی آیت اس کے ساتھ پڑھ دی، اس قسم کی حدیثوں کے سپان ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟ دوسری شکل یہ ہے کہ اپنے آیت نہیں پڑھی مگر خود اس حکم میں ایک دو لفظ ایسے فرمادیے ہیں جو کسی آیت کا جزو ہیں جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہ حکم فلا آیت کی تشریح ہو، اس صورت میں بھی اصل فرع کی تیز اہل علم کے لیے آسان ہے، تیسری شکل یہ ہے کہ اپنے کسی آیت یا اشارہ کے بغیر صرف حکم بیان فرمادیا، اس قسم کی حدیثوں کے ماخذ کی تلاش دقت نظر کا کام ہے، چنانچہ بہ زبان نبوت اور فہم رسالت کے طرز و اسلوب کے سمجھنے والے راغبین فی العلم ہی پاسکتے ہیں،

الہام واجتہاد و حکمت | امام شافعی نے کتاب الرسالہ میں احادیث و سنن کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ جو بعینہ قرآن پاک میں مذکور ہیں، دوسری وہ جو قرآن پاک کے فعل حکم کی تشریح ہیں، تیسری وہ جنکا ذکر (بظاہر) قرآن پاک میں نہ تفصیلاً ہے، نہ اجمالاً، یہی تیسری قسم قابل بحث ہے، امام صاحب نے اس کے متعلق ائمہ سلف کے چار نظریے نقل کیے ہیں،

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کی کلی اطاعت فرض کی ہے، اور اس کے علم میں پہلے ہی سے یہ ہے کہ رسول

۱۔ مجھے پہلے شبہ تھا کہ میں اس رائے میں مفرد ہوں، مگر بعد اللہ کی تلاش و تفحص سے ثابت ہوا کہ دیگر متعدد علماء سے اصول کا یہی مسلک ہے، چنانچہ یہ خیال اجمالاً سب سے پہلے امام شافعی کی کتاب الرسالہ (ص ۲۸ و ۲۹ و ۶۲) مطبوعہ علیہ مصر ۱۳۱۶ھ میں اور یہ نظریہ سب سے زیادہ مفصل امام شافعی اندلسی المتوفی ۵۹۹ھ کی اہم تصنیف الموافقات فی اصول الاحکام (جلد اول ص ۱۷۵-۲۲۱) مطبوعہ سلفیہ مصر ۱۳۴۱ھ میں موجود ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب کی حجتہ اللہ الباقیہ میں بھی اسکا ایک باب ہے، ۱۲۸ کتاب الرسالہ امام شافعی صفحہ ۲۸

جو کچھ کے اور کر چکا اس میں رضا سے الہی کی توفیق اس کے ساتھ شامل ہوگی اور حاصل یہ ہے کہ پہلے ہی سے رسول کو یہ توفیق ربانی عنایت کی گئی ہے کہ وہ رضا سے الہی کو دریافت کرے

۲۔ رسول نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے جس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو (مقصود یہ ہوا کہ اس قسم کے حکم بھی دراصل کتاب اللہ ہی سے مانور ہیں، گو بظاہر کم بنیون کو ایسا نظر نہ آئے)

۳۔ تمام احادیث نبوی القاری فی الرُّوْع ہیں (یعنی رسول کے دل میں خدا نے ڈال دیئے ہیں) اور یہ اس حکمت کا نتیجہ ہیں جو آپ کے دل میں ڈالی گئی،

۴۔ اس قسم کے تمام امور جو احادیث میں ہیں، کتاب الہی سے جدا گانہ مستقل پیغام ربانی کے ذریعہ رسول کو معلوم ہوئے ہیں،

چوتھے نظریہ کو چھوڑ کر بقیہ تین راہیں میرے خیال میں تقریباً ایک ہی ہیں، پہلے نظریہ کا منشا یہ ہے کہ صریح وحی کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً نبی پر آتی رہتی ہو اس کو ابتدا ہی سے ایک توفیقِ الہی بھی عنایت ہوتی ہے جس سے وہ پیش آمدہ امور میں رضا سے الہی کو دریافت کر کے فیصلہ کرتا ہے، تیسرے نظریہ میں اسی توفیقِ علم کو اہتمام تھا، فی الرُّوْع اور دل میں ڈال دینے سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرے نظریہ کا منشا یہ ہے کہ رسول کے جو احکام بظاہر کتاب اللہ میں نہ ہوں، ان کی اصل بھی درحقیقت کتاب اللہ میں ہے اور رسول اُسی اصل سے اپنے احکام کو مستنبط کرتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ استنباط عام انسانی و بشری فہم سے نہیں ہوتا، ورنہ اس کا غلطی سے پاک ہونا مستلزم رہے گا، بلکہ وہ پیغمبرانہ قوتِ فہم کا نتیجہ ہوگا، اور جب ایسا ہے تو اس پیغمبرانہ قوتِ فہم کی تعبیر خواہ اہتمام سے کرو، اتفاق سے کرو، یا فہم کو حکمت نبوی کا نتیجہ کہو یا توفیقِ الہی کہو، بات ایک ہی ہوتی،

میرے نزدیک صحیح مسلک یہ ہے کہ رسول کے تمام صحیح ذبانی احکام بھی عموماً اس کے صفحہ ربانی سے مانور و مستنبط ہیں اور ان کے جزئیات کتاب الہی کے کلیات کے تحت میں مندرج ہیں اور رسول کا یہ اخذ استنباط اور فہم اس کی اُس پیغمبرانہ قوتِ علم کا نتیجہ ہیں، جن کو حکمِ مطلق نبوت اور اہل شریعت حکمت، اہتمام اور تشریح صدر وغیرہ

الغافل سے تعبیر کرتے ہیں اور جو خطا اور غلطی سے یکسر پاک ہو،

اجتہاد نبوت | اس موقع پر علمائے اصول کی ایک اور اصطلاح ”اجتہاد نبوی“ کی تشریح ضروری ہے، علمائے اصول لکھتے ہیں کہ جب کوئی نیا واقعہ آنحضرت صلعم کے سامنے پیش آتا، اور وحی نازل نہ ہوتی، تو آنحضرت صلعم فرماتے یعنی گزشتہ وحی شدہ احکام کے مطابق سے آپ حکم دیدیتے تھے، (یہ فقہاء کا طریقہ تعبیر ہے، ورنہ یوں کہنا چاہیے کہ رسول اپنی اس حکمت ربانی کے فیض سے مدد لیکر جو خدا نے اُس کے سینہ میں ودیعت رکھی ہے گزشتہ وحی کے کلیات کی روشنی میں اُس کا فیصلہ فرماتے تھے) بہر حال خواہ فقہاء کے طریق پر اجتہاد نبوی کو نصوص قرآنی سے مستنبط سمجھئے یا شاہ ولی اللہ صاحب کے نظریہ کے مطابق رسول کے علم سینہ اور وحی شدہ اصول کلی کے جزئیات تسلیم کیجئے، بہر حال میں وہ نتیجہ امت کے لیے واجب العمل اور خطا سے پاک ہی کیونکہ یہ مقدمہ اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ انبیاء گناہوں سے معصوم، ضلالت مگر اہی سے پاک اور ہوائے نفسانی سے مبرا ہوتے ہیں، اس لیے امور رسالت اور امور دین میں اُن کی کوئی رائے غلط نہیں ہو سکتی، کہ ان کی غلطی سے پوری امت کا غلطی پر قائم ہو جانا مسلم ہے، حالانکہ اُن کی بعثت کی غرض ہدایت ہے ضلالت نہیں، ان وجوہ سے اُن کا اجتہاد اگر کبھی کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ جائے، جو مصلحت الہی کے مطابق نہیں ہوتا تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ اُس پر تنبیہ فرما کر اُن کو اپنی مرضی سے مطلع فرمادیتا ہے، (اس کی مثالیں آئندہ آئیں گی) الغرض بعض امور میں خیر کے کسی خاص پہلو کو پیش نظر رکھ کر اس سے بہتر پہلو سے تغافل ہونے یا غیب اور مستقبل سے عدم واقفیت کے سبب نبی کا اجتہاد خطا کرنا ممکن ہے، مگر اُس خطا پر نبی کا قائم رکھا جانا ناممکن ہے، ایسی صورت میں نبی کا ہر ایسا اجتہاد حکم جس پر وحی الہی نے فوراً کوئی تنبیہ نہیں کی، یعنی رکھتا ہے، کہ وہ حکم علم الہی کے منشا کے مطابق اور خطا، و غلطی سے مبرا ہے، او اس کے دوسرے معنی وحی حقیقی یا باطنی وحی کے ہیں،

۱۔ سطور بالا میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کے حوالہ کے لیے دیکھو شرح تشریحات ہام المتوفی ۱۲۸۵ھ مسمیٰ بالتقریر والحقیر للعلامة ابن امیر الحاج المتوفی ۱۲۸۵ھ ج ۲ ص ۲۹۸-۲۹۹ مطبعہ امیر پور مصر ۱۳۱۱ھ اور التاویج فی کشف حقائق الشیخ والتوضیح فی حل غوامض الشیخ ج ۲ ص ۲۵۲ مطبعہ مکتب صنائع مقلدین ۱۳۱۱ھ بحث الرکن الثانی فی السنۃ،

میری رائے میں یہ اصطلاح بھی معنی گذشتہ اصطلاحوں کے قریب قریب ہے، اس لیے اس اجتہادِ نبوی کے معنی انہامِ حکمت، ملکہ نبوت، فہم نبوی، وغیرہ گذشتہ اصطلاحات سے عملاً الگ نہیں کہ اس کی حیثیت بھی حی ثنائی کی قرار پا جاتی ہے،

اس بحث پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ الباقیہ میں جو خیال ظاہر فرمایا ہے اُس کا ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں،

## ”قوانینِ محبتِ اُمّیّتِ نبویہ شریعت کے خاتمِ نبی“

### ”علومِ نبوی صلیہ کے اقسام“

رسول اللہ صلیہ کی جو روایتیں حدیث کی کتابوں میں جمع کی گئی ہیں، انکی دو قسمیں ہیں،  
۱۔ ایک تو وہ جنکا تعلق تبلیغِ رسالت سے ہو اور یہ آیت،

مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ

فَاتَّقُوا (حشر-۱) کرے اُس سے باز آؤ،

اسی قسم کے متعلق نازل ہوئی ہے،

علومِ معاویہ یعنی قیامت اور آخرت کے احوال، جزا و سزا اور عجائبِ الملکوت (یعنی دوسرے عالم کے احوال و کیفیات) اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سب کا دار و مدار صرف وحی پر ہے، اور ان اصول کے مطابق جن کا ذکر اوپر گزر چکا، قوانینِ شریعت، اور عبادات و معاملات کی جزئیات کا ضبط بھی اسی قسم میں داخل ہے لیکن ان میں سے بعض چیزوں کا دار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتہاد پر ہے، لیکن رسول اللہ صلیہ کا اجتہاد بھی وحی کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو غلط رائے قائم کرنے سے محفوظ رکھا ہے، اور یہ ضروری



نہیں ہے کہ آپ کا ہر اجتہاد کسی خاص نص یا آیت سے استنباط کا نتیجہ ہو، جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے، بلکہ آپ کے اجتہاد کی زیادہ تر صورت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے شریعت اور وضع قانون کے مقاصد انسانوں کی آسانی اور سہولتی اور اصولی مقاصد کا قانون آپ کو تعلیم کر دیا تھا، وہ مقاصد جن کا اخذ وحی تھا، آپ اسی کئی اصولی قانون کے ذریعہ سے جو آپ کو سکھایا گیا تھا، ان کی تشریح فرما دیا کرتے تھے حکمت کی متفرق باتیں اور عام مصلحتیں جن کے لئے آپ نے کوئی وقت مقرر کیا نہ ان کے حدود بتائے، مثلاً اخلاقِ صالحہ اور اخلاقِ غیر صالحہ کا بیان بھی تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے، لیکن ان میں اکثر کا دار و مدار اجتہاد پر ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو باہمی معاملات و اجتماع کا کئی قانون تعلیم کر دیا تھا، اور آپ نے حکمت کی باتیں اسی کئی قانون سے جو آپ کو تعلیم کر دیا گیا تھا مستنبط کیں، اور ان کے متعلق ایک کلیہ بنایا، فضائلِ اعمال اور ان پر عمل کرنے والوں کے مناقب بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں، اور میرے خیال میں ان میں بعض کا دار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتہاد پر ہے، ان قوانین کا بیان اور پر گزرجچکا ہے، اور ہم اسی قسم کی شرح کرنا اور ان کے معانی کو بیان کرنا چاہتے ہیں؛

۲۔ دوسری وہ روایتیں ہیں جو تبلیغ رسالت سے تعلق نہیں رکھتیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں صرف ایک آدمی ہوں، جب میں تمہارے دین کے متعلق تم کو کوئی حکم دوں تو اس پر عمل کرو، اور جب میں تم کو اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو یہ سمجھو کہ میں صرف ایک آدمی ہوں، اور چھوہاروں کے جوڑ لگانے کے واقعہ میں آپ کا یہ فرمان کہ میں نے ایک خیال قائم کیا تھا، میرے خیال پر تم لوگ عمل نہ کرو، البتہ جب خدا کی کوئی بات بیان کرو تو اس پر عمل کرو، کیونکہ میں خدا پر جھوٹ نہیں باندھتا، اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے، طب کے متعلق حدیثیں اور ان کا یہ ارشاد کہ تم سیاہ رنگ اور ایسے گھوڑے پر سوار ہو جس کی پیشانی میں تھوڑی سی سفیدی ہو، اسی قسم میں داخل ہے، اور اس کا دار و مدار تجربہ پر ہے،

آپ نے جو کچھ عادت کیا، عبادۃ نہیں، اتفاقاً کیا، قصداً نہیں، وہ بھی اسی قسم میں داخل ہے، آپ نے جو واقعات ایسے بیان کیے، جن کا نام قوم میں چرچا تھا، مثلاً اقم ذرعا اور خرافہ کے قصہ وہ بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں،

اور اسی بات کو حضرت زید بن ثابتؓ نے جب اُن سے چند لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کی، اس طرح بیان کیا ہے، کہ میں آپ کا پڑوسی تھا، اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، تو آپ مجھ کو بلا بھیجتے تھے، اور میں آپ کے حکم سے اس کو لکھا کرتا تھا، لیکن جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر فرماتے تھے، اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے، اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے، تو کیا میں ان تمام چیزوں کو بطور حدیث بیان کروں؟“

اسی میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں، جنکو آپ نے اپنے زمانہ کی جزئی و عام مصلحت کے طور پر کیا ہے، اور وہ تمام امت کے لیے ضروری نہیں ہیں، مثلاً فوجوں کی آراستگی، اور جنگی علامت کی تعیین کے وہ احکام جنکو غلیفہ دیتا ہے، اور حضرت عمرؓ کے اس قول کے کہ اب ہم کوچ میں اگر کر چلنے کی کیا ضرورت؟ ہم ایک قوم (کفار قریش) کے سامنے اس کی نمائش کرتے تھے، لیکن اب خدا نے اس کو ہلاک کر دیا، بھی یہی معنی ہیں کہ وہ اس کو ایک خاص جزئی و عام مصلحت سمجھتے تھے، لیکن چونکہ اپنے اس اجتہاد پر پورا اطمینان نہ تھا، اس لیے اُن کو یہ خوف ہوا، کہ شاید اس کا کوئی اور سبب ہو، اس لیے اس میں دست اندازی نہیں کی، اسی طرح دوسرے احکام بھی اسی پر معمول کئے گئے ہیں، مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ ”جو شخص جسکو قتل کرے اُس کا ہتھیار اسی کا حق ہو، نیز آپ کے مخصوص فیصلے بھی اسی قسم میں داخل ہیں، کہ آپ مقدمات کے ان فیصلوں میں گواہوں اور قسموں کے مطابق فیصلے کرتے تھے، آپ نے حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ سے جو یہ فرمایا تھا کہ ”واقعہ میں حاضر جو کچھ دیکھتا ہے اس کو غائب نہیں دیکھتا“ اس کے معنی بھی یہی ہیں، (انتہی کلامہ)

شاہ صاحب کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس کا تعلق پیغمبرانہ فرائض، تبلیغ رسالت، اور مقامات امور دین سے ہے، یہ تمام باتیں براہ راست وحی و تعلیم الہی سے ماخوذ ہیں، دوسری وہ جو عام انسانی باتیں ہیں، اس کی متعدد صورتیں ہیں،

۱۔ کسی جزئی عارضی مصلحت کی بنا پر کوئی حکم جیسے حج میں اپنے سہل قانون کو حکم دیا کہ وہ قریش کے سامنے  
اگر کسی کرین، تاکہ قریش یہ نہ سمجھیں کہ مدینہ کی آب و ہوائ نے ان کو کمزور کر دیا ہے،

۲۔ وہ امور جنکو دین و رسالت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں، بلکہ زمانہ کے حالات کے ساتھ وہ بدلتے رہتے  
ہیں، مثلاً جنگ کا طریق، ہتھیار کے اقسام، حکومت کے صیغوں کی ترتیب وغیرہ،

۳۔ وہ امور جنکو آپ اپنی شخصی، قومی، یا ملکی عادت کے مطابق کرتے تھے، جن کو دین و رسالت سے کوئی  
واسطہ نہیں، مثلاً وضع و لباس، فرش پر نشست، کھل اور زھنا، دسترخوان اور چھون کا عدم استعمال، عمامہ باندھنا،  
تہ بند پہننا، اونٹ پر سوار ہونا وغیرہ،

۴۔ وہ امور جو عرب میں بطور قصہ کے مشہور تھے، اور آپ نے بھی ان کو اُسی طرح تفننِ طبع کے لیے یا کسی  
اخلاقی نتیجہ کی خاطر بیان فرمایا، مثلاً ام زرع اور اُسکی نو سہیلیوں کی کہانی، خرافہ کی داستان، بنی اسرائیل کی بعض  
۵۔ عربوں کے بعض تجربی مسلمات، اور علاج و معالجہ کی بعض باتیں،

۶۔ زراعت وغیرہ کے متعلق بعض ذاتی رائے، مثلاً مدینہ میں قاعدہ تھا، کہ فصل کے موقع پر چھوہارون  
کے پھول مادہ چھوہارون کے درختوں میں ڈالے جاتے تھے، آپ نے یہ طریقہ دیکھا تو اُس کو محض رسمی بات سمجھ کر  
فرمایا کہ ”اگر ایسا نہ کیا کرو تو کیا ہو؟“ مدینہ والوں نے آپ کے اس ہلکے سے اشارہ کو حکم کے طور پر مانا اور اس  
سال یہ ترکیب چھوڑ دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اُس سال پیداوار کم ہو گئی، لوگوں نے آکر عرض کی، فرمایا میں نے ایسا کیا  
کیا تھا، ”انکم اعلم یا مس“ دنیا کا کف تم اپنے دنیاوی کاروبار اور معاملات سے زیادہ واقف ہو، یہ امور  
تغیر اور رد و بدل کے قابل ہو سکتے ہیں،

الغرض یہ وہ امور ہیں، جنہیں رسول کے ارشادات کی حیثیت، انسانی باتوں کی ہے، لیکن ان کے علاوہ  
دوسرے امور جنکا تعلق دین و رسالت و نبوت سے ہے، مثلاً عقائد، عبادات، اخلاق اور اخبارِ معاد اور  
معاملات کے بعض ضروری حصے، یہ سب سب وحی اور تعلیم ربانی سے ہیں، جو دائمی اور ناقابلِ تغیر ہیں،

ان ناقابل تغیر امور کی تعلیم اطلاع کی دو صورتیں ہیں، براہ راست وحی الہی جو وقتاً فوقتاً پیغمبر کی تعلیم و اطلاع کے لیے خدا کی طرف سے آیا کرتی تھی، اور دوسری اجتہاد نبوی، یہاں بحث اسی دوسری چیز سے ہے، شاہ صاحب اس کے متعلق دو باتیں فرماتے ہیں،

۱۔ ایک یہ کہ اجتہاد نبوی کی صورت و حقیقت مجتہدین کے اجتہاد کی طرح نہیں ہو۔ مجتہدین کا اجتہاد کسی خاص نص سے استنباط کا نام ہے اور پیغمبروں کے اجتہاد کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اجمالی طور سے شریعت کے کلی اصول و قواعد کا علم منصب نبوت کے ساتھ ساتھ عطا فرمایا ہے، اسی علم کے مطابق آپ وحی کی توضیح احکام منصوصہ کی تفصیل کسی کلی کے جزئیات مسائل کی تشریح، اپنے الفاظ میں فرمادیا کرتے تھے،

۲۔ پیغمبر کا یہ اجتہاد، دوسرے عام انسانی مجتہدین کے اجتہادات کے برخلاف خطا و غلطی سے یکسر پاک و منزہ ہوتا ہے، کیونکہ اُن کی رائے خطا و غلطی پر باقی رکھے جانے سے محفوظ بنائی گئی ہے، اسی لیے اُن کا پیغمبر اجتہاد بھی بمنزلہ وحی کے ہو۔

”پیغمبرانہ اجتہاد“ کی جو تشریح شاہ صاحب نے فرمائی ہے، اُس کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ نہایت آسان ہے، کہ دو لوگ، بلکہ نبوت، اہتمام، انکار، حکمت ربانی، فہم نبوی سے جو کچھ مراد لیتے ہیں، اُس میں اور ”اجتہاد نبوی“ میں عملاً کوئی فرق نہیں ہے، کہ اس اجتہاد سے مقصود وہ قوت علیہ یا الہامیہ یا نبویہ ہے، کہ جس کو اللہ تعالیٰ خاص پیغمبر سینہ میں ودیعت رکھتا ہے، اس لیے مجتہدانہ اجتہاد اور پیغمبرانہ اجتہاد کے درمیان صرف لفظ کی مشارکت ہے، معنی کی نہیں، مزید بحث آگے آئیگی،

ایک نکتہ کی طرف بیان اور اشارہ کر دینا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور جتنے صاحب کتاب انبیاء آئے، اُن کی وحی کتاب اور تاج حکمت نبوی میں فرق و امتیاز باقی نہیں رہا، چنانچہ توراۃ و انجیل و زبور میں سب باتیں ملی جلی ہیں، جیسا کہ اُن کے پڑھنے سے ہر شخص کو نظر آسکتا ہے، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری اور غیر منسوخ کتاب لیکر آئے تھے، اس لیے آپ کی کتاب کی ہر طرح حفاظت کی گئی، اور ہر تحلیط اور آمیزش سے محفوظ

رکھی گئی، بلکہ اسی لیے آغاز اسلام میں آپ نے تاجِ حکمت نبوی کی تحریر سے لوگوں کو باز رکھا، تاکہ کتاب کے ساتھ اون کی آمیزش نہ ہو، بعد کو جب یہ خطرہ باقی نہیں رہا، تو اکثروں کے نزدیک یہ ہے کہ آپ نے انکی تحریر کی اجازت دیدی اور بعض متشدّد صحابہ اور علمائے کے نزدیک یہ اجازت مخصوص لوگوں کے لیے تھی، عام نہیں، لیکن یہ اختلاف تحریر و کتابت میں ہے، اونکی صحیح طور سے حفاظت و روایت و تبلیغ میں نہیں، اسلئے اس خدمت کو تمام صحابہ نے اپنا بیعت نامہ میں اور تمام علمائے صحابہ میں نے ہمیشہ ادا کیا،

عصمت اور بیگانگی | نبی کی نمبری اہم خصوصیت، اونکی معصومی اور بے گناہی ہے، یہود میں چونکہ پیشینگو ہونے کے علاوہ نبی کا کوئی صحیح تحمل نہیں، اس لیے ان کی کتابوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جو ان کی شانِ نبوت کے سراسر منافی ہیں، عیسائیوں میں صرف ایک مسیح کی ذات معصوم مانی جاتی ہے، لیکن اسلام میں یہ عقیدہ ہر نبی اور رسول کی نسبت عام ہے، اُس کے نزدیک تمام انبیا اور رسول گناہوں سے پاک اور معصوم تھے، ان سے تقاضاے بشریت بھول چوک ہو سکتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ اپنی وحی سے اونکی ان غلطیوں کی بھی اصلاح کرتا رہتا ہے، نبوت کے متعلق عقلی حیثیت سے بھی جب تک عصمت کا اصول بنا نہ لیا جائے، نبی اور عام حکیم و مصلح میں فرق نمایاں نہیں ہو سکتا، اور نہ نبیوں اور رسولوں کی کامل صداقت و صحت پر اعتبار کیا جاسکتا، اسی لیے اسلام نے اس عقیدہ کا بھی بڑا اہتمام کیا ہے، ایک ایک کر کے تمام پیغمبروں کے مقدس احوال کا تذکرہ کیا ہے، اور ان واقعات کی تردید کی ہے، جو شانِ عصمت کے خلاف ہیں، اور جن کو لوگوں نے ان کے سوانح میں شامل کر دیا ہے،

عرب کے مشرکوں کا یہ عقیدہ تھا، کہ کابین جو غیب کا حال بتاتے ہیں، اور شاعر جو پر جوش اور پرتاثر کلام نظم کرتے ہیں، یہ شیطانوں سے سیکھ کر بتاتے اور کرتے ہیں، اور یہی بات وہ محمد رسول اللہ صلیم کی نسبت بھی رہنوردِ بابتدہ کہتے تھے، قرآن نے ان کے جواب میں کہا، درخت اپنے پھل سے اور شے اپنے آثار سے پہچانی جاتی ہے،

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ  
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ، إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَىٰ  
الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَ، وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ  
شیطان کا زور ایمان والوں پر نہیں چلتا، اور نہ اُن کے  
جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں، اُس کا زور انہیں پر چلتا ہے  
جو اس سے دوستی کرتے ہیں، اور اپنے رب کا شریک ٹھہرتے ہیں  
اس کے بعد آخر تک اس خیال کی تردید کی ہے، اور پھر خاتمہ اس پر ہے،

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ، وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ  
وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ، إِنَّ اللَّهَ  
مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ،  
اور صبر کر۔ اور تیرا صبر کرنا بھی خدا ہی کی مدد سے ہے، اور نہ  
تو اُن پر غمگین ہو، اور نہ اُن کے فریب سے تنگدل ہو، بیشک  
خدا اُن کے ساتھ ہے، جو پرہیزگار ہیں، اور جو نیکو کار  
(نحل - ۱۷) ہیں،

اس آیت سے ظاہر ہوا، کہ انبیائے کرام شیطانوں کے فریب سے آزاد، متقی، پرہیزگار اور نیکو کار ہوتے ہیں  
سورہ شعراء میں اسی شبہ کا جواب تمام پیغمبروں کے حالات کو سنا کر آخر میں یہ لکھ کر دیا ہے،  
هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَسْتَغِيثُونَ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا، لَا تَقُولُوا سُبْحَانَ اللَّهِ  
تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ، يُلْقُونَ السَّمْعَ  
وَأَكْثَرُهُمْ كَذِبُونَ، (شعراء - ۱۱)  
کیا میں تمہیں بتاؤں، کہ شیطان کس پر اترتے ہیں، اور نہ  
براہ راست ہیں، جو جھوٹ گھڑتے ہیں، گنگار ہوتے ہیں،  
(لوگوں کو یہ یقین دلانے کیلئے کہ وہ غیب کی باتیں سن رہے ہیں،

سورہ جاثیہ میں مخالفین کے جواب میں کہا گیا،  
وَلِكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ يَتَّبِعُ آيَاتِ اللَّهِ تُفْسِي  
عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِِّرُ مُسْكَبِرًا كَانَ لَمْ نَكُنْ لَهَا  
فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ، (جاثیہ - ۱۱)  
بھنگار ہو اُس پر جو جھوٹ گھڑنے والا گنگار ہے، خدا کی آیتوں کو جو  
اُس کو ٹپکھڑ سنائی جاتی ہیں، وہ سنتا ہو اور پھر اپنے غور پر اُڑا رہتا ہو،  
گویا کہ اُس نے سنا نہیں، تو اس کو دردناک عذاب کی بشارت ہے

اس کے معنی یہ ہوتے کہ انبیاء علیہم السلام جھوٹ گھڑنے والے اور گنگار نہیں ہوتے، کہ اگر ایسے ہوں تو تو فرشتوں  
کے بجائے وہ شیطانوں کے قرین و رفیق ثابت ہوں، اور اُن کی سچائی اور صداقت مشتبہ ہو جائے، اور نیز یہ کہ

نبوت کی حقیقت کذب و گنہگاری کے صریح منافی ہے،

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا،

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُتَىٰ بِهِ إِلَهٌ أَلَيْسَ  
وَالْحُكْمُ وَالنُّبُوَّةُ تُحْكَمُ لِلنَّاسِ كُفُلًا  
عِبَادًا لِلَّهِ مِنْ دُونِ اللَّهِ. (آل عمران - ۸)

یعنی پیغمبروں کی دعوت کا منشا خدا کی بندگی کا اعلان ہے، نہ کہ لوگوں کو اپنا بندہ اور پرستار بنانا،

یہ گناہ ان سے سرزد نہیں ہوتا،

اور ایک آیت میں فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلُّ وَمَنْ يَفْعَلْ يَأْتِ  
بِمَا غُلِّيَ بِهِ لِقَابُ يُدْرِكُ فِي كُلِّ نَفْسٍ مِمَّا  
كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُفْلَكُونَ، أَفَمِنْ أَتْبَعِ  
رِضْوَانِ اللَّهِ لِمَنْ بَاءَ بِسَخَطِ اللَّهِ بِمَا لَمْ  
يَنْهَ عَنْهُ وَلِئِنْ الْمَصِيرُ هُمْ دَرَجَاتٍ  
عِنْدَ اللَّهِ، وَاللَّهُ بِصِيْرِهِمْ بَصِيرَةٌ  
لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ  
فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ  
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ  
وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ،

کسی پیغمبر کا یہ کام نہیں کہ وہ کچھ چوری سے چھپائے۔ اور جو  
چھپایا گیا قیامت کے دن لیکر اس کو حاضر ہوگا پھر موت  
ہر شخص کو اس کے کام کا پورا بدلہ ملے گا، اور ان پر ظلم نہ ہوگا،  
کیا جو خدا کی خوشنودی کی پیروی کرے، وہ اس کے جیسا  
ہو سکتا ہو، جو خدا کا غضب کماے، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو،  
اور وہ برا ٹھکانا جو انسانوں کے خدا کے نزدیک کئی درجے میں  
اور خدا ان کے کام سے خبردار ہو، بے شک اللہ نے ایمان والوں  
پر احسان کیا، کہ ان میں ایک ایسے رسول کو بھیجا جو ان کو  
انکی آیتیں پڑھکھڑکاتا ہو، اور ان کو پاک و صاف بناتا، اور  
کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور وہ بے شک اس سے  
پہلے کھلی گمراہی میں تھے،

(آل عمران - ۱۷)

ان آیتوں میں گوہر نبی سے غلغلہ (مال چھپانے) کی نفی کی ہے، اور فرمایا ہے کہ نبی جو خدا کی خوشنودی کی ہمیشہ پیروی کرتے ہیں وہ انکے مانند نہیں ہو سکتے جو خدا کی خفگی کھاتے ہیں مگر خصوصیت کیساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ اُس سے ایسا جرم سرزد ہو سکے کہ اللہ کی رضا مندی کا طالب، انکی ناخوشی کے کام کا متر نہیں ہو سکتا، اور جو دوسروں کو احکام الہی سنائے، خود اُس سے اُن احکام کی خلاف ورزی ممکن نہیں اور جو دوسروں کو پاک و صاف کرنے پر مامور ہے، وہ خود گنہگار و ناپاک نہیں ہو سکتا،

انبیاء علیہم السلام کے لیے بار بار قرآن نے ”چنکر پسند کرنا“ کا لفظ استعمال کیا ہے، جو سراسر ان کی عظمت اور گناہوں سے محفوظ و پاک رہنے پر دلالت کرتا ہے، عام پیغمبروں کے متعلق یہ آیت ہے،

اللَّهُ يَصْطَفِي بَيْنَ الْمَلَائِكَةِ رَسُولًا مِّنَ النَّاسِ ۚ خَدَّاءُ رُسُلِهِ مِّنَ النَّاسِ ۚ

(ج - ۱۰) اور آدمیوں سے،

چند مخصوص پیغمبروں کی شان میں ہے،

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ  
وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ (آل عمران - ۳۴)

اہل دنیا پر چنکر پسند کیا،

خاص حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد ہوا،

وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَا فِي الدُّنْيَا (بقدرہ - ۱۶)

ہم نے اُس کو دنیا میں چنکر پسند کیا،

حضرت موسیٰؑ کی نسبت فرمایا،

إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَ

میں نے تجھ کو اپنے کلام اور پیغاموں کے لیے لوگوں

پر چنکر پسند کیا،

بِسْمِ اللَّهِ (اعوان - ۱۷)

ایک آیت میں پیغمبروں کے لیے اصطفا کے ساتھ خیر (بہتر اور نیکو کار) کی صفت ظاہر کی گئی ہے،

وَأَذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَيَعْقُوبَ ۚ

ہمارے خاص بندوں ابراہیم، اور اسماعیل اور یعقوب کو



اُولٰٓئِكَ لَا يَدْبُرِي وَالْأَبْصَارُ اِنَّا اَخْلَصْنَاهُمْ  
بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ وَاتَّقُوا عِندَ النَّارِ  
المُصْطَفَيْنَ الْاٰخِيَارَ ( ص - ۴ )  
یاد کر وجوہاتھوں والے (قوت عمل) اور انھوں نے  
(قوت علم) تھے، ہم نے انکو آخرت کی خالص نصیحت کیلئے خالص  
کیا، اور وہ ہماری بارگاہ میں چنے ہوئے نیکو کاروں میں تھے

سورہ انبیاء میں کثر پیروں کے تذکرہ کے بعد فرمایا،

وَكَلَّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ، وَجَعَلْنٰهُمْ اٰيَمَةً  
يَّقُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فَعَلِ  
الْخَيْرٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ  
وَكَانُوا لَنَا عٰبِدِيْنَ ( انبیاء - ۵ )  
اُن میں سے ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا اور ہم نے انکو وہ پیشوا  
بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ دکھاتے تھے، اور ہم نے انکو  
نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز پڑھنے کی اور زکوٰۃ دینے  
کی وحی کی اور وہ ہمارے پرستار تھے،

کیا اس سے زیادہ اونکی عصمت اور یگانہ ہی کی شہادت ہو سکتی ہے، کہ وہ امام و پیشوا اور صالح اور خدا کے  
پرستار بنائے گئے،

سورہ انعام میں بہت سے پیغمبروں کے نام گنا کر سب کو صالح فرمایا گیا،

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ، (انعام - ۱۰) یہ سب صالحوں میں تھے،

پھر آگے چل کر فرمایا، كَلَّا فَضَّلْنَا عَلٰی الْعٰلَمِيْنَ (انعام - ۱۰) "ہر ایک کو دنیا والوں پر فضیلت دی"

پھر اُن کا ذکر کر کے فرمایا، وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دو اور ہم نے اُن کو برگزیدہ کیا اور

اُن کو سیدھی راہ چلایا "یہ صالح ہونا، برگزیدہ ہونا اور راہ راست پر ہونا، سراسر عصمت اور بے گناہی ہے،

شقی و سعید اور گنہگار و نیکو کار دونوں کی سیرتوں اور زندگیوں کا فرق اتنا نمایاں ہے، کہ اُن میں نیکیاں

اور اشتباہ ممکن نہیں، تاہم سیر کی خاموشی اور خلق کی گویا زبانیں پہنچ چکی اس فرق و امتیاز کی منادوی کرتی

رہتی ہیں، اس اصول کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

اَفَرٰحِیْبَ الدِّیْنِ اجْتَنَبُوا السَّیِّئٰتِ اَنْ  
کیا وہ جو گناہوں کے ترکسب میں، یہ گناہ کرتے ہیں کہ

تَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ  
ہم اوکو انکی طرح جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے بنائیں گے

فَعِيَالُهُمْ ذَوَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (ہائہ - ۲)  
ان دونوں کی زندگی اور موت یکساں ہو یہ انکا فیصلہ کتنا برا

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کی زندگی، اور موت دونوں ممتاز ہوتی ہیں،

انبیاء کے وصف میں فرمایا،

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَ  
جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں، اور اُس سے ڈرتے ہیں

وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ، (احزاب - ۵)  
اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے،

آنحضرت صلعم کے اہل بیت اور پیو یون کو جو عزت اور شرف حاصل ہے، وہ نبوت و رسالت ہی کی  
نسبت سے ہے، ازواج مطہرات کی شان میں ہے،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ  
اے پیغمبر کی بیویو! تم عام عورتوں میں سے کوئی ایک

إِنَّ أَقْرَبَ شَيْءٍ، (احزاب - ۴)  
نہیں ہو، اگر تم متقی ہو،

پھر اہل بیت نبوی کو خطاب کر کے فرمایا کہ ارادہ رہا یہ ہے، کہ وہ تم کو برائی سے پاک اور صاف

اور ستھرا بنائے،

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ  
اللہ یہی چاہتا ہے، کہ تم سے ناپاکی کو دور کر دے، اے نبی

أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (احزاب - ۳)  
کے گھر والو! اور تم کو بالکل صاف ستھرا بنا دے،

ظاہر ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے ازواج و اولاد کی شرافت کے لیے گناہ اور بدی کی بجااست فعل ہے  
تو خود انبیاء علیہم السلام کا کیا ذکر ہے، ایک دوسری آیت میں حضرت عائشہؓ کو تہمت سے بری کر کے اللہ تعالیٰ

نے ارشاد فرمایا،

الْحَبِشَاتُ الْخَبِيثَاتُ وَالْحَبِشَاتُ الْخَبِيثَاتُ  
گندیاں، گند زن کے واسطے، اور گند سے، گند یوں کے

وَالطَّيِّبَاتُ الطَّيِّبَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ الطَّيِّبَاتُ  
پیسے، اور ستھرا بان، ستھروں کے واسطے، اور ستھرے ستھروں

اُولَٰئِكَ مُبَرَّذُونَ مِمَّا قِيلُوا ذُرُّهُمْ (نور-۳) کے واسطے یہ اُن کی تہمت سے پاک ہیں،

یہاں طیب، پاک اور تھرے سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے، اور اسی سحر اپن، پاکی اور طہارت سے ازواجِ مطہرات کے اخلاقی سحر اپن، پاکی، اور طہارت پر استدلال کیا گیا ہے، انبیاء و حقیقت مقدسہ اور پیشوا، اور نمونہ بنکر اس دنیا میں بھیجے جاتے ہیں، اسی لیے فرمایا، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴿۱۰۱﴾ تمہارے لیے خدا کے رسول میں اچھی پیروی ہے، نیز اُن کی اطاعت واجب ہے،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (ن-۹) ہم نے کوئی نبی نہیں بھیجا، لیکن اس لیے کہ خدا کے حکم اُس کی اطاعت کیجائے،

اور خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تصریح ہے، کہ آپ کی پیروی، خدا کا محبوب بننے کا مستحق ٹھہرتی ہے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران) اگر تم خدا کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا تم کو چاہیگا، کیا کسی گنہگار اور عصیان کار کی زندگی، پیروی، اتباع اور نمونہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، تاریکی سے روشنی کبھی نکلی، اور گندگی سے پاکی کبھی پیدا ہوئی، اور گنہگاروں کی دعوت سے کبھی نیکو کاری پھیلی ہے؟ برائیوں اور گنہگاروں کا اصلی سرخشاہ اور منبعِ شیطان، یا انسان کی خود قوتِ شر ہے، لیکن خدا کے خاص بند اُس کے دامِ فریب سے آزاد ہیں،

اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَّ كُفِيَ بِذَنْبِكَ وُكَيْلًا (اسرائیل-۷) یقیناً میرے بندوں پر تیرا (اسے شیطان) کوئی زور نہیں تیرا پورا دگار اپنی بندوں کی طرف سے کچھ کر دینے کو ہے

کیا انبیائے کرام علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی بندہ رب ہو سکتا ہے،

انسانوں کی گمراہی اور عصیان کاری، دوسرے شیطانی کا نتیجہ ہوتی ہے خواہ یہ شیطان خود اپنے دل کے اندر (خناس) چھپا ہو، یا انسان اور جن کی صورت میں ہو، ہر ایک کے قفسہ سے اُن کی ذات، پاک اور بلند ہے

آنحضرت صلعم کو بعض خود غرض لوگوں نے بعض مشورہ دین میں پھسلانا چاہا، مگر خدا نے پھسلنے نہ دیا، اور فرمایا کہ میری جو رحمت اور مہربانی تجھ پر مبذول ہے، وہ ہر وقت تیری دستگیر ہے، اور گمراہی سے تیری نگہبان ہو اور کتاب الہی اور حکمت و دانائی جو تجھے عطا ہوئی وہ تیری پاسبان ہے،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصْرِفُونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝۱۰

اور اگر تجھے اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو ایک گروہ نے تیرے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور وہ گمراہ نہیں کر سکتے، لیکن خود اپنے آپ کو، اور تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور خدا نے تجھے کتاب اور حکمت اتاری ہے، اور اُس نے وہ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا، اور تجھے خدا کا بڑا فضل ہے،

اور یقیناً موقع و محل کی شہادت سے اس سب سے بڑے فضل سے یہاں مراد عصمت ہی، خود نفس انسانی بھی اپنی جھوٹی تمناؤں، خود غرضانہ آرزوؤں اور خوشنما خیالوں سے لوگوں کو دھوکا دیتا ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام اس فریب تمنا سے بھی پاک ہیں، بشریت کے اقتضائے یہ تو ممکن نہیں کہ خود اپنے دشمن، اور جس دعوت حق کو لیکر وہ آئے ہیں، اس کی جلد از جلد کامیابی، اور لوگوں کے بہرعت قبول ایمان کے متعلق اُن کے دل میں تمناؤں اور آرزوئیں پیدا ہوتی ہوں، لیکن وہ مصلحت الہی کے مطابق نہیں ہوتیں، اس لیے اللہ تعالیٰ اُن خیالات اور تمناؤں کو اُن کے دلوں سے نکال دیتا ہے، اور اپنے فیصلہ کو برجا رکھتا ہے، فرمایا

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَلْهِيهِ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ أَلْبَتَّ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱۱

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا، لیکن یہ کہ جب وہ خیال باندھتا ہے، تو شیطان اس کے خیال میں کچھ ملا دیتا ہے، تو خدا شیطانوں کی ملاوٹ کو مٹا دیتا ہے، اور اپنے حکم کو مضبوط کر دیتا ہے، اور خدا غالب اور حکیم ہے، (ہج - ۷)

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کے کرام غلط خیال آرائی کے گناہ سے بھی محفوظ رکھے جاتے ہیں،

آنحضرت صلعم کے متعلق فرمایا گیا،

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (نجم-۱) (اے سلمانو!) تمہارا صاحب نہ گمراہ ہوا، نہ بھٹکا،

اس عدم گمراہی اور عدم ضلالت کا تعلق کسی خاص عہد اور وقت سے نہیں ہے، بلکہ اس آیت میں آنحضرت صلعم کے ہر عہد سابق اور زمانہ ماضی سے ضلالت اور غویت کی پوری نفی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کا دامن سدا ان کاٹھون سے پاک رہا،

بعض شبہات کا ازالہ | قرآن پاک میں بعض ایسے الفاظ ہیں جن سے ایک ظاہر میں کو یہ دھوکا ہو سکتا ہے، کہ بعض پیغمبروں کے دامن پر عدم معصومیت کے بھی دلغ ہیں، مگر علمائے محققین نے ان میں سے ہر ایک شبہ کا تشفی بخش جواب دیدیا ہے، اور خصوصیت کے ساتھ علامہ ابن حزم اندلسی نے الفصل فی الملل والنحل (جلد چہارم) میں اور قاضی عیاض مالکی نے شفادہ ثلث، باب اول، میں خفاجی نے شرح شفا (جلد چہارم) میں اور متاخرین میں ملا دوست محمد کابلی نے تحفۃ الاخلاقی عصمت الانبیاء میں ایک ایک شبہ کو پوری طرح رد کیا جس سے ظاہر میں کا پردہ آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جاتا ہو، اور اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے، ان میں سے ہر شبہ کا ذکر کرنا اور ان کا رد کرنا ایک طویل عمل ہے، مختصر اصولی طور سے یہ کہا جاسکتا ہے، کہ اس مسئلہ میں جو غلط فہمیاں کسی پیش آتی ہیں، ان کے دو اسباب ہیں، اور ان اسباب کی تشریح کر دینا ہی اون غلط فہمیوں کو دور کر دینا ہو۔ اس سب سے پہلی بات یہ ذہن نشین کر لینی چاہئے، کہ انبیاء علیہم السلام کا پایہ بندوں میں بلکہ تمام مخلوقات میں خواہ کسی قدر بلند ہو، اور ان کا دامن گناہ و عصیان کے گرد و غبار سے کتنا ہی پاک ہو، تاہم اوس فوج جلال والا کرام کے سامنے ان کی حیثیت ایک عبد، ایک بندہ، اور ایک عاجز مخلوق ہی کی ہے، ایک عبد غلام خواہ کسی قدر اطاعت کیش، کتنا ہی وقار شعار، اور مطیع و فرمانبردار ہو، تاہم اپنے آقا کے سامنے اوسکو اپنے قصور کا معترف، اپنی تقصیر کا مقصر، اپنی کوتاہیوں پر نچل، اور اپنی فروگزاشتوں پر نادام ہی ہونا چاہیو ہی لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیکی اور پاکی کی شہادت سے قرآن بھرا ہوا ہے، وہ خدا کی عظمت و جلال اور اس کی رحمت و شفقت کے ذکر

مین فرماتے ہیں،

وَالَّذِي سَمِعَ أَنِّي لَيُعْفِيَنِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ اور وہ خدا جس سے جزا کے دن اپنی بھول چوک کی معافی کی

(شعراء-۵) پوری اُمید رکھتا ہوں،

نبی کا یہ اعتراف و اقرار اور خجالت و ندامت، اُس کا نقص نہیں، بلکہ اُس کی بندگی اور عبودیت کا کمال ہے اور اُفاقا کو حق پہنچتا ہے، کہ اُس کے غلام، اطاعت و فرمانبرداری کے جس حیرت انگیز رتبہ تک بھی پہنچے ہیں، وہ اُن سے اطاعت کیشی، اور وفا شعار سی کے اُس سے بھی بلند رتبہ کا مطالبہ کرے، کہ اُس کے دربار میں اُن کے عروج و ترقی کی کڑسی اور بھی اونچی ہوتی جائے، بعض آیتوں میں اگر کسی پیغمبر کو خدا سے مغفرت مانگنے کی ہدایت لگی ہو تو اُس کا سبب گناہ کا وجود نہیں، بلکہ ہر قدم پر گزشتہ رتبہ اطاعت پر قناعت کر لینے پر تنبیہ اور مزید اطاعت کا مطالبہ ہے، تاکہ وہ اُس کے مزید تقرب کا ذریعہ بن سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے،

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَنْفَاجًا فَوَسِّعْ يُحْدِ رِبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّكَ كَانَ تَوَّابًا، (فتح) جب اللہ کی مدد آچکی اور فتح ہو چکا اور لوگوں کو اللہ کے دین میں گروہ درگروہ جاتے دیکھ چکا تو اپنے پروردگار کی پاکی بیان کر اور اُس سے معافی چاہ کہ وہ بڑے رحیم و بخشنے والا ہے

غور کرو کہ خدائی مدد آنا، فتح ہونا، بُت پرستی کی بجائے، اور لوگوں کا سلمان ہو جانا کوئی جرم ہے جس سے کوئی معافی چاہے، اسی طرح سورہ فتح میں فرمایا،

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِّيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَيُخْصِرْكَ اللَّهُ نَصْرًا عَنِ زَيْدٍ، (فتح-۱) ہم نے تجھ کو کھلی فتح دی تاکہ اللہ تیری اگلی پچھلی خطا کو معاف کرے اور اپنا احسان تجھ پر پورا کرے، اور تجھ کو سیدھی راہ چلائے، اور تجھ کو مضبوط مدد دے،

دوبارہ غور کرو کہ مکہ کی فتح کامل نصیب ہونے کو حضور کی معافی سے بجز اس کے کیا تعلق ہے، کہ اللہ تعالیٰ

اپنے بندہ کے حق خدمت کو قبول فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتا ہے،

اس استغفار سے مقصود نعوذ باللہ پیغمبر کی گنہگاری کا ثبوت نہیں، بلکہ اُس کی عہدیت کا ملہ کا اظہار ہے،  
حضرت عیسیٰ علیہ السلام، جن کے خدا کے بیٹے ہونے کے عیسائی، اور فرشتے، جن کی خدا کی بیٹیاں ہونے کے  
اہل عرب قائل تھے، اور اُن کو خدا کا درجہ دیتے تھے، اُن کے متعلق قرآن نے کہا،

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمُسِيءُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا  
الْمُتَكَبِّرُ الْمُنَكِّرُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ  
عِبَادَتِهِمْ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْمِلْهُمْ إِلَهِهِمْ جَمِيعًا نَسَاءً  
سیخ کو ہرگز اس سے عار نہ آئیگا کہ وہ خدا کا بندہ ہو، اور نہ  
مقرب فرشتوں کو اور جو اُس کی بندگی سے عار کرے گا، اور  
بڑائی چاہے گا، تو خدا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کرے گا،

اس سے مقصود نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ کی توہین نہیں، بلکہ اُن کی عہدیت اور بندگی کا اعلان ہے،  
الغرض انبیاء کا خدا کے حضور میں اپنی کوتاہی کا اعتراف، اُن کی گنہگاری کا ثبوت نہیں، بلکہ اُن کی عہدیت  
کا ملہ کا اظہار ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کسی پیغمبر کی نسبت یہ فرمانا کہ میں نے تجھے معاف کیا، اوس کی گنہگاری کا اعلان  
نہیں، بلکہ اپنی پسندیدگی، رضا، اور قبولِ تام کی بشارت ہے، سورہ فتح کی جو آیتیں اوپر گزر رہی ہیں، اُن کو پڑھو، تو ظاہر  
ہوگا کہ چونکہ بیت برستی کی آلائش سے مکہ کی تطہیر اور کل جزیرہ عرب میں حق و باطل کی تیز مکہ کی فیصلہ کن فتح پر موقوف  
تھی، جب وہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کی مسلسل کوششوں اور جانفروشیوں سے حاصل ہوئی تو خدا نے اعلان  
فرمایا کہ آج اس فتح سے نبوت کے فرض کی، اور تجھ پر میرے سلسلہ احسانات کی تکمیل ہوئی، پھر خدا آپ سے صراطِ مستقیم  
کی طرف ہدایت کا اور اپنی زبردست مدد کا وعدہ کرتا ہے، حالانکہ ان میں سے ہر چیز آپ کو پہلے ہی عنایت ہو چکی  
تھی، کیا فتح مکہ سے پہلے آپ صراطِ مستقیم یعنی اسلام پر نہ تھے، یا آپ کو زبردست مدد نہیں مل چکی تھی، یہ سب مرتبہ حاصل  
تھے، مگر ان باتوں کے یہاں ذکر سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ وہ اس موقع پر اس طرح اپنی مزید رضامندی کا اظہار  
فرمائے، اور رسول کی اگلی پچھلی تمام فروگزاشتوں پر (اگر ہوں) خطِ عفو پھیرنے کا اعلان کر کے ان کو نیا خلعتِ فاخرہ  
عطا، اور نئے مراتبِ جلیلہ عنایت کرے،

عبدیت کا ملکہ کا یہی راز دنیا ہے، جو حضرت مسیح کے اس فقرہ میں نمایاں ہے، ایک سرداران کو "اے نیک شہزادہ" کہہ کر خطاب کرتا ہے، اُس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں،

"تو کیوں مجھ کو نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں، مگر ایک یعنی خدا" (لوقا ۱۸-۱۹)

حضرت مسیح کے اس فقرہ سے کسی کا یہ قیاس کرنا کہ وہ نیک نہ تھے، کس قدر غلط ہوگا، اسی طرح حضرت عیسیٰ کا اپنی مشہور دعائیں یہ کہنا، کہ

"اور جس طرح ہم اپنے قرضداروں کو بخشتے ہیں، تو اپنے دین ہم کو بخندے" (متی ۶-۱۲)

اُن کی گنگاری کی دلیل نہیں، بلکہ عبدیت کا ملکہ کے اظہار کا ثبوت ہے،

مکملہ۔ عربی زبان میں گناہ کے لیے مختلف الفاظ ہیں، مثلاً ذنب، اثم، جرم، وغیرہ، ان میں سے ذنب کے سوا دوسرے الفاظ کا اطلاق اُس حقیقی گناہ پر کیا جاتا ہے، جو بال قصد اور جان بوجھ کر کیا جائے، لیکن ذنب کا اطلاق ہر غلط فعل پر ہوتا ہے، خواہ وہ جان بوجھ کر کیا جائے، یا بے جانے، غلط فہمی سے ہو، یا سوچ سمجھ کر بھول چوک سے ہو، یا قصداً، اور اُن کاموں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جو درحقیقت عام امت کے لیے گناہ نہیں، لیکن انہیں کے حق میں اتنی غفلت بھی مواخذہ کے قابل ہے، اسی معنی میں کہا گیا ہے، کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقْرَبِينَ، رَنُیُونَ کی نیکیاں، مقربین کی بُرائیاں ہیں (ع)

جن کے رتبے میں سوا اُن کو سوا شل ہو

انبیاءِ علیہم السلام کے استغفار کے موقع پر ہمیشہ ذنب کا لفظ استعمال ہوا ہے، جرم، اثم یا جنت کا نہیں، ذنب کا لفظ بھول چوک اور غفلت سے لیکر عصیان تک کو شامل ہے، اس لیے کسی نبی کو اگر خدا کی طرف

سے اس فرق کو عام غفلت و نسیان نے طوطا نہیں رکھا، مگر جن علماء نے غفلت کے لفظ کے فروق پر کتنا بھروسہ کیا، انہوں نے اس کی تصریح کی ہو، ہم یہاں پر بیروت کے مشہور عیسائی لغت نویس ادیب، الاب، ہرنکوس لانس کی کتاب فرائد اللغز فی الفروق کی عبارت نقل کرتے ہیں، الاثم الذنب الذی یستحق العقاب علیہ ولا یصفت بہ الا بالجور، و بین الاثم والذنب فرق من حیث ان الذنب سطلق الجرم علیہ اکان او سوا، بخلاف الاثم فانه ما یستحق فاعلہ العقاب، یختص بما لیکون علیہ، والجنس ابلیغ من الذنب، لان الذنب یطلق علی الصغیر و الجنس علی الکبیر، والجنس مکرر یطلق الا علی الذنب، الخلیط، (صفحہ ۹۷ و ۹۸) مطلبہ کا نو لکیر، ۱۸۸۹ء



سے استغفار و توبہ کی ہدایت کی گئی تو اُس کے معنی صریح عصیان و گناہ کے نہیں، بلکہ یہی انسانی بھول چوک اور فروگزاشت ہے، جس کی اصلاح و توبہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم اور لطف و عنایت سے فرماتا رہتا ہے، اور اسی کیلئے استغفار کا حکم اُن کو ہوتا رہتا ہے،

اسی سے ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے، کہ بھول چوک، اور بلا ارادہ غفلت، گواہت کے حق میں قابلِ مواخذہ نہیں، مگر انبیاء علیہم السلام کے بلند مرتبہ کے لحاظ سے یہ چیزیں بھی گرفت میں آتی ہیں، کیونکہ ان کا قول و فعل شریعت بن جاتا ہے، اس لیے شریعت کی حفاظت کے لیے اُن کے ہر قول و فعل کی حفاظت بھی ضروری ہے، اس بنا پر اگر اُن سے احیاناً کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے، تو فوراً اس پر تنبیہ کی جاتی ہے، اور ان کو ہتیار کر دیا جاتا ہے، اور اسی کیساتھ اُن کی یہ چیز معاف کر کے اُن کو بشارت سنادی جاتی ہے، اور اس طرح ہر چھوٹے بڑے، دانستہ اور نادانستہ تمام گناہوں سے اُن کا دامن پاک و صاف رکھا جاتا ہے،

فَتَلَقَّى آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (تہ-۴) تو آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں تو وہ اس کی طرف رجوع ہوا  
ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ (طہ-۷) پھر خدا نے آدم کو برگزیدہ کیا، پھر اس کی طرف رجوع ہوا،  
لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ (تہ-۱۳) یقیناً اللہ نبی کی طرف رجوع ہوا،  
فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَتَجَنَّبْنَاهُ مِنْ الْعَقَمِ (انبیاء-۶) پھر ہم نے یونس کی دعا قبول کی، اور اس کو غم سے رہائی دی  
لِيُعْظِمَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، (فتح-۱) تاکہ ہم تیری اگلی پھپھی سب فروگزاشت معاف کر دین،

کابل اور عام عفو و مغفرت کا یہ مرتبہ بلند خود بندہ کی زندگی میں، انبیاء کے سوا کسی دوسرے کو نصیب نہیں  
۲۔ انبیاء کی معصومیت کے مسئلہ میں غلط فہمی کا دوسرا سبب یہ ہے، کہ انبیاء کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت زندگیوں میں، قوت اور فعل کا جو فرق ہے، اُس کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا، علم اور جہل، ضلالت اور ہدایت، اضافی الفاظ میں سے ہیں، علم کی ہر حد کو علم کے مافوق درجہ کے لحاظ سے جہل اور ہدایت کے بلند سے بلند مرتبہ کو اُس سے

بھی اوپر کے مرتبہ کے لحاظ سے ضلالت کہہ سکتے ہیں،

انبیاء علیہم السلام کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت زندگیوں میں قوت اور فعلیت کا فرق ہے جس طرح تخم میں تمام برگ و بار پوشیدہ ہوتا ہے، لیکن وہ اس وقت درخت نہیں ہوتا، اور نہ اُس میں تنہا شاخیں، پتے، پھول اور پھل ہوتے ہیں، اور نہ اُس کا عالم پناہ سایہ ہوتا ہے، لیکن ایک وقت آتا ہے، جب وہی تخم بڑھ کر ایک نیا درخت بن جاتا ہے، اُس کے پتے انگھون میں ہریالی پیدا کرتے ہیں، اُس کے پھول شامِ جان کو معطر کرتے ہیں، اُس کے پھل کام و دہن میں شہد پکاتے ہیں، اُس کے سایہ میں تھکے ماندے مسافر آرام پاتے ہیں، اسی طرح نبوت کی بقیہ اور لاحقہ زندگیوں میں عظیم الشان فرق ہے، اور اسی فرق کی بنا پر اُس کی قبل از نبوت زندگی، ظہور نبوت کے بغیر تاریکی، اور ضلالت، اور بعد کی زندگی نور اور ہدایت معلوم ہوتی ہے، جس طرح عام افراد کی زندگی اسلام و ایمان کے بغیر، ضلالت اور اسلام و ایمان کے بعد ہدایت بن جاتی ہے، اسی طرح انبیاء کی زندگی اُن کی نظر میں نبوت کے بغیر ضلالت اور نبوت کے بعد ہدایت ہوتی ہے، غرض یہ ہے کہ ظہور نبوت سے پہلے کا زمانہ اُن کی ضلالت کا، اور بعد کا زمانہ اُن کی ہدایت کا عہد کہلاتا ہے، لیکن ضلالت اور ہدایت کا یہ مفہوم اس مفہوم سے بالکل مختلف ہے، جو غیر انبیاء کے حق میں مستعمل ہے، اللہ تعالیٰ جہاں آنحضرت صلیعہ پر اپنے احسانات گناتا ہے فرماتا ہے،

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَآوَىٰ، وَوَجَدَكَ ضَلٰلًا ۝۱۱

فَصَدّٰى، وَوَجَدَكَ عَابِلًا ۝۱۲ فَاعْتَنٰى (ضحیٰ-۱۱)

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ یہاں ہدایت سے نبوت، اور ضلالت سے قبل نبوت کی زندگی مراد ہے جو نبوت کے بعد کی زندگی کے مقابلہ میں نسبتہ ضلالت ہی ہے،

”ضلالت“ کے معنی عربی میں صرف صریح گمراہی ہی کے نہیں، بلکہ نادانستہ بھولنے، بھٹکنے، اور غفلت کرنے کے بھی ہیں، عورتوں کی شہادت کے موقع پر ہے،

اَنْ تَصِلَ اِحْدٰى مَھْمَا فَتَنْكِحِ اِحْدٰى ھَاۤ اٰخَرٰی ۝۱۳

کہ بھول جاوے ایک عورت تو یاد دلا دے اسکو دوسری،

ایک اور آیت میں علم الہی کی تعریف میں ہے،

لَا يُضِلُّ رَبِّي ذِكْرًا يَنْسِي (طہ ۲)

نہ چوکتا ہے میرا رب نہ بھولتا ہے،

ان آیتوں میں لفظ ضلالت کا استعمال بتاتا ہے کہ فضائل کے معنی عربی زبان اور محاورہ قرآن میں صرف گمراہ کے نہیں بلکہ بھول چوک کے بھی ہیں اسی طرح اُس حالت کے بھی ہیں جن میں گمراہی کو گمراہی معلوم ہوئی ہے، لیکن ہنوز ہدایت الہی کا نور اُس کے سامنے نہیں چمکا، غلطی کا احساس ہوتا ہے، مگر اُس غلطی کی جگہ ہنوز صحت نظر نہیں آئی ہے، جہل کی برائی تو معلوم ہو گئی ہے، مگر ہنوز علم کا دروازہ نہیں کھلا ہے، اور یہی قبل نبوت کی کیفیت ہوتی ہے، حضرت موسیٰؑ نے اپنی نبوت سے پہلے ایک تم شعا قبطی کو گھونسا مارا تھا، جس کے صدمہ سے وہ اتفاقیہ مر گیا تھا، نبوت پاکر جب وہ لوٹے تو فرعون نے اُن کو طعنہ دیا، کہ تم تو میرے فراری مجرم ہو، حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا،

فَعَلْتُهَا إِذْ أَنَا مِنَ الضَّالِّينَ (شعراء ۲۰)

میں نے اُس حالت میں کیا تھا، کہ میں چوکنے والوں میں تھا

اس چوک اور ضلالت سے مقصد صرف یہی ہے، کہ اُس وقت میں نبوت کی عزت سے سرفراز نہ تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے نبوت سے پہلے کوئی گمراہی کی بات نہیں کی تھی نہ بُت کو پوجا تھا، نہ فرعون کو سجدہ کیا تھا، نہ کوئی اور شرک کیا تھا، کسی کے ظمانہ سے اتفاقیہ کسی کمزور کا مرجانا، مارنے والے کا کوئی بالقصد گناہ نہیں، جس کو ضلالت کہیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا اپنے کو اس وقت ضال کہنے سے مراد نبوت سے سابقہ زندگی ہے، اس قبل نبوت کی زندگی کو بعد نبوت کی زندگی کے لحاظ سے جسے یہاں "ضلالت" کہا گیا ہے، دوسری جگہ اس کو "غفلت" (بیخبری) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، حضرت یوسفؑ کے قصہ میں آپ کے خطاب ہے،

فَحَسْبُ نَقْصٍ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِأَوْحَيْنَا

إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ

لَمِنَ الْغَافِلِينَ (یوسف ۱)

ہم تجھے بہترین قصہ سنائے ہیں، کیونکہ ہم نے تیری طرف

یہ قرآن اتارا، اگرچہ اس قرآن کی وحی سے پہلے تو

بے خبروں میں تھا، (یوسف ۱)

اس ”نخیری“ کے عالم کی تفسیر دوسری آیت میں ہے، جس میں پیغمبر کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت کی زندگی کا فرق ظاہر فرما دیا ہے،

وَكُنَّا لَكَ اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا  
مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ  
وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا هَدَيْنَا بِهِ مَنْ نَّشَاءُ  
مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَفِي صِرَاطٍ  
مُّسْتَقِيمٍ (شوری - ۵)

اور اسی طرح ہم نے اپنے (خلوت خانہ) راز سے ایک  
روح تیری طرف وحی کی، تو نہیں جانتا تھا، کہ کتاب  
کیا ہے، اور نہ ایمان، لیکن ہم نے اُس کو نور بنا دیا،  
جس سے جس کی چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے ہمارے  
کرتے ہیں، اور تو سیدھی راہ دکھاتا ہے،

”کتاب ایمان“ کے نور و ہدایت ملنے سے پہلے کی یہی وہ کیفیت و حالت ہے، جس کو کہیں ضلالت اور کہیں غفلت کہا گیا، اس سے مقصود حقیقی گنہگاری، عصیان کاری، اور باطنی گمراہی نہیں ہے، بلکہ طلبِ حق، تلاشِ معرفت، اور انتظارِ حقیقت ہے، کہ وہی اُن کے حق میں ضلالت اور غفلت کا حکم رکھتا، آخر وہ وقت آتا ہے، جب روشنی چمکتی ہے، روحانی سکون کا چشمہ بہتا ہے، اور منزلِ رسی کے بعد دوسروں کی رہنمائی کا منصب عطا ہوتا ہے، یہ ہدایت کا دور ہے، چنانچہ ایک موقع پر انبیاء کے نبوت ملنے کو ہدایت کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے،

وَوَهَبْنَا لَكُمْ إِبْرَاهِيمَ نَبِيًّا وَتَعْثُوبًا كَلَّا هَذَا بَيِّنَاتٌ  
وَأَن تَرْجِعُوا إِلَىٰ آلِهَتِكُمْ فَزِلَالٌ فِي سَبِيلِكُمْ

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب بخشا، اور اُن میں  
ہر ایک کو ہدایت دی، اور اُن سے پہلے نوح کو ہدایت دی

اس ہدایت دینے سے اگر نبوت عطا کرنا مراد ہے، تو ظاہر ہے کہ عدمِ نبوت کا عہد ”ضلالت“ ہی کہلائے گا، مگر اس سے مقصد صرف وہ حالت ہوگی، جہاں اُن کو ہنوز نبوت نہیں ملی تھی، اور اس مرتبہ بلند کا انتظار تھا، اس تشریح سے یہ واضح ہو گیا کہ انبیاء کے حق میں ضلالت سے مقصود گنہگاری، عصیان کاری اور گمراہی نہیں، بلکہ عدمِ نبوت کا دور، اور رسالت کی زندگی سے پہلے کا عہد ہے، جو نبوت و رسالت کی ہدایت کے مقابل

میں نسبت ضلالت ہے،

نبی کی بشریت | نبی کی مصوئیت اور اُس کے دوسرے مقدس خصوصیات کے باوجود اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ نبی خدا کا مخلوق خدا کا بندہ اور آدمی ہی ہوتا ہے، وہ خدا، خدا کا اوتار، دیوتا یا فرشتہ نہیں ہوتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ اُن مسائل میں سے ہے، جن کی اصل حقیقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے افراد و تقریبات کی تاریکی میں گم تھی، اور آپ کے فیض تعلیم سے وہ روشن ہوئی، اسلام سے پہلے یہودیوں کی طرح ایسے اہل مذہب بھی تھے، جو پیغمبر دن کو ایک پیشنگوئی کی صفت کے علاوہ ہر شئی سے متولی انسان سمجھتے تھے، وہ ہر قسم کے گناہ بھی کرتے تھے، وہ بندگان کے بھی مرتکب ہوتے تھے، وہ کفر بھی کرتے تھے، تاہم وہ پیغمبر بھی جاسکتے تھے، دوسری طرف عیسائی بھی تھے، جو اپنے "نجات دہندہ" کو انسانیت سے پاک، خود خدا، یا خدا کا جز یا "نا سوت ولا ہوت" کا ایک مجموعہ سمجھتے تھے، اور ہندو بھی تھے، جو اپنے رہنماؤں کو دیوتا، اور اوتار، یعنی مجسم خدا، یا انسان کے بھیس میں خدا سمجھتے تھے، اور جن کو ہر قسم کی خدائی طاقتوں کا حامل سمجھتے تھے۔ اسلام نے اپنی تعلیم ان دونوں کے وسط میں پیش کی، وہ ایک طرف رسولوں کو مخلوق محض، صرف انسان اور پورا بندہ اور خدا کے حکم کے سامنے عاجز و درماندہ تسلیم کرتا ہے، لیکن دوسری طرف وہ اُن کو خدا کا برگزیدہ مصلوٰی نیک، اور خدا کی قدرت سے فیض پاکر برکتوں، سعادتوں، اور ہدایتوں کا مرکز، اور اس کی اجازت سے عجیب و غریب امور صادر کرنے والا، بتاتا ہے، اور بے اعتدالی کے اُن دونوں خیالات کی جو غلط فہمی پر مبنی ہیں، علانیہ تردید کرتا ہے۔ اہل عرب بھی ہندو، یونانیوں، اور عیسائیوں کی طرح یہ سمجھتے تھے، کہ انسان کی رہنمائی کے لیے خود انسان نہیں بلکہ انسان سے مافوق ہستی ہونی چاہیے، اور وہ ہستی صرف فرشتوں کی ہے، قرآن نے اُن کے اس خیال کی بار بار تکذیب کی ہے، اور کہا ہے کہ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے، تو فرشتہ کو اُن کے پاس رسول بنا کر بھیجا جاتا، اور انسانوں میں فرشتہ بھی آتا تو انسانیت ہی کے پیکر میں آتا، تو ایسی حالت میں تم اس فرشتہ کو فرشتہ کب مانتے، حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کے دورِخ ہوتے ہیں، ایک طرف تو وہ بشریت کے جامہ میں ہوتے ہیں اور انسانوں ہی کی طرح کھاتے، پیتے، چلتے، پھرتے، سوتے جاگتے، شادی بیاہ کرتے اور پیدا ہوتے اور مرتے ہیں اور

طرف وہ اپنی روحانیت، بے گناہی، پاکدامنی، اور اختصاصِ نبوت میں انسانوں سے بلند ترین، ہیروئوں کی طرح جن کی نظر ان کے انسانی رُخ پر پڑتی ہے، وہ ان کو ہر طرح معمولی انسان سمجھتے ہیں، اور عیسائیوں کی طرح جنکی نظر ان کے فوق انسانی خصائص پر پڑتی ہے، وہ ان میں الوہیت کے اوصاف ثابت کرنے لگتے ہیں، حالانکہ حق ان دونوں کے بیچ میں ہے، وہ اپنے بشری اوصاف کے لحاظ سے بلاشبہ انسان ہوتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنی فوق بشری خصوصیات کی بنا پر فوق البشر ہوتے ہیں، یہی مغالطہ اپنے اپنے پیغمبروں کے متعلق کفار کو ہوتا تھا، پیغمبروں کے سامنے جب اپنی نبوت اور خدا کی طرف سے آنے کا دعویٰ پیش کرتے تھے، تو وہ ان کی بشری خصوصیتوں کو دیکھ کر کہتے تھے، کہ تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، تم خدا کے قاصد اور پیامبر کیسے ہو سکتے ہو، چنانچہ کفار نے بار بار پیغمبروں کو کہا،

اَبَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا رَّسُوْلًا۔ (اسرائیل۔۱۰) کیا خدا نے بشر کو قاصد (رسول) بنا کر بھیجا،

وہ بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا،

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا مِّثْرَ سُوْلًا۔ (اسرائیل۔۱۱) میں تو نہیں ہوں مگر انسان رسول،

ان کو شبہ تھا، کہ کیا گمراہ انسانوں کو، انسان ہی رہنائی کر سکتا ہو،

اَلْبَشَرُ يَهْدِيْ وَنُنَّا۔ (تفابن۔۱) کیا انسان ہماری رہنائی کریں گے،

یہ وہی شبہ تھا، جس میں ہنسی کے عیسائی حضرت عیسیٰ کی انسانیت سے منکر ہوئے، کہ موروثی گنہگار انسان کو انسان کا بیٹا کیونکر نجات دے سکتا ہے، اور یہ نہیں سمجھے کہ انسان موروثی گنہگار نہیں، بلکہ وہ گنہگار بھی ہو سکتا ہو اور بے گناہ بھی، بے گناہی اور معصومیت کے لیے انسانیت سے پاک ہونا ضرور نہیں، یہی بات اور کفار کی سمجھ میں بھی نہیں آتی تھی، اور انہی کو ظاہری اور جسمانی طور سے اپنی ہی طرح انسان سمجھ کر، ان کو نبوت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اور کہتے تھے،

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ (ابراہیم۔۱۱) تم تو نہیں ہو لیکن ہماری ہی طرح ایک بشر۔

دوسروں کو نبی کے انکار کرنے پر اس طرح آمادہ کرتے تھے کہ

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (انبیاء-۱) نہیں ہے یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر

مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (مومنین-۲) نہیں ہے یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر

انبیاء کے سامنے وہ یہی دلیل پیش کرتے تھے،

مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (شعراء-۸) تم تو ہماری ہی طرح بشر ہو

مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (یسین) تم لوگ تو ہماری ہی طرح بشر ہو

اور وہ اپنے اس دعویٰ کی صداقت کو ہدایت اور مشاہدہ سے ثابت کرتے تھے،

مَا نَذْكَرُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُنَا (ہود-۳) ہم تو تم کو اپنی ہی طرح بشر دیکھتے ہیں،

انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ ہاں تمہاری ہی طرح ہم بشر ہیں، لیکن خدا کے فضل و کرم سے

سرافراز ہیں، اور یہی تم میں اور ہم میں فرق ہو فرمایا،

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (انکے رسولوں نے جواب دیا کہ ہم تمہاری ہی طرح بشر ہیں لیکن خدا

وَلَكِنَّ اللَّهَ يُصَوِّتُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ لَهُ مَا يُدْرِكُ الْأُفُقَ (ہود-۴۱) اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے،

ان کفار کی نظر صرف ان کے ایک رُخ یعنی عام انسانی پہلو پر پڑتی تھی، انبیاء نے جواب میں اس پہلو کے

ساتھ اپنے دوسرے رُخ کو بھی ان کے سامنے پیش کر دیا، اور کہا کہ ہاں ہم انسان ہیں لیکن ایسے انسان جس پر اللہ تعالیٰ

کے فضل و کرم کی بارش ہے، یعنی نبوت سے سرافراز اور اسکی خصوصیتوں سے ممتاز ہیں

دوسرے نبیوں کی طرح ختم المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ بار بار ارشاد فرمایا، بلکہ وحی الہی نے آپ کی

زبان سے یہ اعلان کر دیا کہ مکہ و مکین تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی اور بشر ہوں، اس اعلان نے جو حقیقت

اُس غلط عقیدہ کے مٹانے کے لیے تھا، جو انبیاء کی شان الوہیت کے متعلق عیسائیوں کے اثر سے لوگوں میں پھیل

گیا تھا، اور افسوس ہو کہ اس قسم کا غلط خیال اُس نبی کی امت کے ایک گروہ میں بھی پایا جاتا ہے، جو دنیا میں خدا کی

توحید کامل کا مبلغ بنکر آیا تھا، دوسری طرف اس اعلان سے ایک تقریباً پسند کردہ نے یہ نتیجہ نکالا، کہ پیغمبر اور عام انسانوں میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں، اور نہ پیغمبروں کو عام انسانوں پر کوئی بلندی و برتری حاصل ہے، آئیہ کہ پیغمبروں پر وحی آتی رہتی ہے، اور عام انسان اس سے محروم ہیں، گویا اس کا منشا یہ ہے کہ پیغمبر صرف اُس لمحہ اور اُن میں منصب ہوتا ہے، امتیاز پاتا ہے جب اُس پر کسی قسم کی وحی نازل ہوتی ہے، اور اُس کے پہلے اور اُس کے بعد وہ عام انسان ہوتا ہے، اس سے آگے بڑھ کر اسی لیے ایک اور مختصر سے فرقہ نے یہ دعویٰ کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ حکم صرف وہی ہے، جو وحی قرآنی کی صورت میں آیا، اس کے علاوہ آپ کے تمام احکام جو قرآن سے باہر ہیں، وہ صرف حاکمانہ اور انتظامی امور ہیں، جنگی پیروی کرنا نہ اسلامی شریعت ہے، نہ اسلام کا جز ہے، یہ خیالات حقیقت میں دوسرے مغرطانہ فرقہ کے مقابلہ میں تقریباً نہ ہیں، اور دونوں اعتدال کی حد سے باہر اور حقیقت اُن کے بیچ میں ہے،

قرآن پاک میں تین جگہ وہ آیتیں ہیں، جنہیں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا اعلان ہے، مگر ہر جگہ توحید کامل کے بیان اور خدا کے مقابلہ میں رسولوں کی عبدیت کی تشریح اور اس عقیدہ باطل کی تردید میں ہے، کہ رسولوں کے ہاتھوں میں یہ قوت ہونی چاہیے کہ وہ خدا سے زبردستی کسی بات کو منوالین، اور سعی و سفارش کر کے تصور معان کرادیں، قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اُن کو جو کچھ حاصل ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی اجازت، اذن اور عطا سے ہے، سورہ کہف میں اُن مشرکوں کا ذکر ہے، جو خدا کے بندوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں،

اَلْاَشْجِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ  
دُوْنِیْ اَوْ لِبَنَاتِیْ ۗ اِنَّا اَعْتَدْنَا لَیْلَہُمْ لَکَفِیْرًا  
نُزُلًا (کہف-۱۲) کافروں کے لیے جہنم تیار کی ہے،  
کیا وہ جنہوں نے کفر کیا، یہ سمجھتے ہیں، کہ وہ میرے بندوں کے برابر  
اور فرشتوں کو (میرے سوا) اپنا حمایتی بنائیں گے ہم نے ان

قرآن اس خیال کو کفر قرار دیتا ہے، یہ رکوع کا شروع ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے غیر محدود و ابدی و کمال کا ذکر ہے، پھر ارشاد ہے،

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ لَوْ کُنِیْ اِلٰہًا لَّا کُنْتُ  
اَلْمَرۡکُومَ کہ میں تو تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں، مجھ پر وحی



کہا جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہی،

إِلَهُ وَاحِدٌ، (آیت ۱۲۰)

دوسری جگہ یہی تعلیم بعینہ سورہ حم السجدہ (فضلت) میں ہے،

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ ۚ فَاسْتَقِيمُوا إِلَىٰ الْيَقِينِ ۖ وَاسْتَغْفِرُوا لَهُ ۖ

کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، انکی طرف سیدھے ہو، اور اس پر

وَوَيْلٌ لِلْبَاطِلِينَ ۚ (حم السجدہ ۱۰۷)

اس آیت کا منشا بھی یہی ہے، کہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں سول اُسی طرح ایک بندہ ہے، جس طرح خدا کے

دوسرے بندے، دعائیں خدا ہی سے مانگنی چاہئیں، اور اسی سے اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست کرنی

چاہیے، یہ اختیارات خاص خدا کے ہیں، بندوں کے نہیں، اس تعلیم سے مقصد حقیقت میں عیسائیوں کے مسئلہ

کفارہ اور ان کے اس عقیدہ کی تردید ہے کہ گناہوں کا معاف کرنا حضرت عیسیٰ کے اختیار میں ہوگا، اور مسلمانوں

کو اپنے رسول کی نسبت اس قسم کی باطل عقیدہ تندیوں سے بچانا ہے، چنانچہ تیسری جگہ قرآن پاک میں جہان

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کا یہ مطالبہ مذکور ہے، کہ تم خدا کے پیغمبر ہو، تو میرے لیے سونے کی چھت بنا دو، جہان میں

نہیں، وہاں نہ زمین جاری کرو، ہمارے سنان جنگلون کو باغ و بہار بنا دو، اپنے ساتھ جلو میں فرشتوں

کے پرے لیکر جلو، ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ، اور وہاں سے ہاتھ میں کتاب لیکر سامنے اترو،

وَقَالُوا إِنَّا تَوَكَّلْنَاكَ يَا اِلهَ غَلُّظٍ قَدِيرٌ ۖ اَوْ تَكُونُ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ

اور انھوں نے کہا کہ ہم تم پر ایمان اوس وقت تک نہیں لائیں گے

يَتَّبِعُونَكَ، اَوْ تَكُونُ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ ۖ

جب تک تم ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نہ بہاؤ، یا تمہارے

عَنِ النَّجْمِ ۖ اَوْ تَكُونُ لَكَ اَنْهَارٌ مِّنْ تَحْتِهَا يَنْفِرُ، اَوْ تُسْقَطُ

یہ کج رویوں اور انگوروں کا ایک باغ نہ ہو جائے، یا

السماء كَمَا زَعَّمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا اَوْ تَأْتِي بَالِدٍ ۖ

تم کہتے ہو آسمان کو ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گراؤ، یا خدا کو اور زمین

وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا، اَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ

کو خاں بنا کر نہ ملے، یا تمہارے لیے سونے کا ایک گھر

رُحْرُفٍ اَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَوْ نَشَاءُ لَنَمَسُّنَا فِيْهَا مِنَّا ۚ

نہ ہو سکتا، یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ، اور وہاں تمہارے آسمان پر

لَوْ تَنَزَّلُ حَتَّى تَنَزِلَ عَلَيْنَا لَنَسْبَحَنَّكَ ۖ

چڑھنے کا ہم کو اُس وقت تک یقین نہ آئے گا جب تک تم وہاں

(نبی اسرائیل - ۱۰)

سے ایک نوحہ نہ ہم پر نازل آجائے جس کو ہم پڑھ لیں،

یہ امور مشکل و محال نہ تھے، لیکن نبوت کے اوصاف کو ان بازگو انداز مشون سے تعلق نہ تھا، اور اس سے زیادہ یہ کہ اس غلط عقیدہ کا ابطال کرنا تھا کہ پیغمبرین براہ راست کچھ خدائی اختیارات ہوتے ہیں اس لئے آپ کو یہ جواب سکھایا گیا کہ آپ فرمائیں،

قُلْ إِنَّمَا رَسَّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ ۚ

اے پیغمبر! میں تو ایک بشر ہوں رسول

وَمَا أَمْسَحُ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ

اور لوگوں کو تب تک پانچ بات آئی، ایمان لانے سے باز نہیں کیا،

إِلَّا أَنْ قَالُوا الْبَشَرُ لَنْ يَكُونَنَّ لَهُ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ

مگر اس خیال سے کہ کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہو کہ

كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلِكًا يُبَشِّرُ بِمَطْلُوبٍ يُرِيدُ

کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو

لَنَزِّلُنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكَاتٍ سَوَاءٌ لَّا (اسراء - ۱۱)

رسول بنا کر ان پر نازل کرتے،

آنحضرت صلعم سے حکم خدا بجز اس بھی صادر ہو سکتا، اور ان کی حیرت انگیزی کو انہوں نے تسلیم بھی کیا، پھر بھی نبیاً کہ ایک بشر رسول کیونکر ہو سکتا ہے، قائم رہا،

کفار نے ہجرات دیکھنے کے بعد بھی یہی کہا،

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السَّمْعَىٰ

یہ تو تمہاری ہی طرح بشر ہے، کیا تم دیکھ بھال کر بھی جاؤ

وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ (انبیاء - ۱)

کے پاس آتے ہو،

ہجرات کی حیرت انگیزی کو جادو و کھڑکھڑایا گیا، مگر پھر بھی ان کو بشریت، رسالت کے منافی ہی معلوم ہوئی، اور یقین کیا گیا کہ نبوت و رسالت کے اوصاف و خصائص تم سے زیادہ ان کو معلوم ہیں، جبکہ تم سے پہلے آسمانی کتب عطا ہوئیں، یعنی یہود، ان سے پوچھ لو کہ رسول اور نبی بشر ہی ہوتے آئے ہیں،

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ

اور ہم نے نہیں بھیجا رسول بنا کر تم سے پہلے لیکن ان لوگوں

فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (انبیاء)

یہی جواب سورہ یوسف میں دیا گیا،

وَأَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الْارْبَعَاءَ أَلَّا تُؤْتُوا إِلَهُمْ مِنْ  
أَهْلِ الْقُلُوبِ (یوسف ۱۲)

اس سے زیادہ تفصیل سورہ نحل میں ہے،

وَأَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الْارْبَعَاءَ أَلَّا تُؤْتُوا إِلَهُهُمْ  
فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ،  
بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ، وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ  
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ  
يَتَفَكَّرُونَ، (نحل ۶۰)

اور ہم نے انہیں بھیجے تم سے پہلے لیکن انسانوں کو جنگی طر  
ہم وحی کرتے تھے، تو پوچھ لو کتاب انوں سے اگر تم نہیں  
جانتے کھلی نشانیاں اور کتابیں بیکرا، اور ہم نے تمہارے کتاب  
رذکر) تمہاری تاکہ تم کھول کر بیان کرو، جو ان کی طر  
تمہاری گئی، اور تاکہ وہ سوچیں،

ہر شخص جو مشیت اور بشریت کی ان آیتوں پر ایک نگاہ ڈالے گا، وہ یہی سمجھے گا کہ ان آیتوں میں جس قسم کی مشیت  
اور بشریت کا ذکر ہے، اُس کا تعلق ظاہری جسمانی اور جسمانی قویٰ اور مخلوقیت سے ہے، ورنہ اخلاقی، روحانی، دماغی،  
علمی اور عقلی حیثیت سے وہ انسان رہ کر بھی غیر نبی انسانوں سے بلند تر اور علامتہ ممتاز ہوتا ہے، نبی اور غیر نبی میں  
وحی کے امفارق ہونے کے معنی نہیں ہیں، کہ نبی القائے ربانی سے متصف ہونے کے علاوہ بقیہ تمام اوصاف دکالت  
یا عیوب و نقائص میں عام انسانوں کے برابر ہوتا ہے، یہ کہنا ایسا ہی ہے، جیسے اگر کوئی یہ کہے کہ عالم و جاہل میں  
علم کا فرق ہے، ورنہ دونوں برابر کے انسان ہیں، تو اس کے معنی یہ نہیں، کہ علم و جاہل کے علاوہ علم و جاہل کے علاوہ  
ممتاز و متضاد اوصاف میں بھی وہ دونوں برابر ہیں، اور ان میں عقل، اخلاق، تہذیب، سلیقہ، راستے اور حکمت و  
دانائی کا کوئی فرق نہیں، حالانکہ ان میں علم و جاہل کا فرق کمکر، و حقیقت ان دونوں کے درمیان علم و جاہل کے  
سیکڑوں اوصاف، لوازم، اور خصائص کا فرق و امتیاز تسلیم کرنا ہے،

اسی طرح نبی اور غیر نبی میں وحی کا فرق مانکر وحی والے اور بے وحی والے انسانوں میں خود وحی اور عدم وحی کے سینکڑوں لوازم، خصائص اور اوصاف کا فرق تسلیم کرنا پڑے گا، وحی و رسالت کو چھوڑ دو، دوسرے انسانی کمالات کو مثلاً لا تو بھی یہی ماننا پڑے گا، انسان کے لیے جتنے اوصاف و کمالات ممکن ہیں ان سب کی اعلیٰ سے اعلیٰ جانب کمال تک پہنچنا ممکن ہو اور جو وہاں تک پہنچ جاتے ہیں، وہ اپنے جسمانی اوصاف و خصائص کے لحاظ سے انسان ہونے کے باوجود، اپنے دوسرے قویٰ میں عام انسانوں سے یقیناً بلند اور ممتاز ہوتے ہیں، کوئی کہہ سکتا ہے کہ جسمانی قوت کا ایرانی ہیرو رستم انسان نہ تھا، علم و عقل کا یونانی مجسمہ ارسطو، انسانیت سے پاک تھا، اور موجودہ دنیا کی بہت سی حیرت انگیز ایجادوں کا مخترع اڈین بشر نہیں، لیکن اس انسانیت اور بشریت کے اشتراک کے باوجود، اپنے دائرہ میں، وہ عام انسانوں سے بلند تر اور ممتاز تر ہیں، اور با انیمہ وہ اپنے جسمانی خصائص، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، دیکھنے بھاننے، صورت شکل، ہاتھ پاؤں، ہر ایک چیز میں وہ ویسے ہی انسان ہیں اور مخلوق انسان بلکہ مجبور انسان ہیں، جیسے دوسرے کمزور، جاہل اور بلید الذہن انسان، یہی مثال ایک معنی میں انبیاء کرام علیہم السلام کی بھی ہے، کہ وہ غیر نبی انسانوں کے ساتھ بہت سے انسانی اوصاف میں شریک ہوئے کے باوجود، وحی اور اس کے خصائص اور لوازم میں ان سے صریحاً الگ، بلند اور اعلیٰ بلکہ بعض جسمانی خصائص میں بھی ان سے ممتاز ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صوم وصال کہتے دیکھ کر جب صحابہ بھی آپ کی پیروی میں کئی کئی دن تک کا متصل روزہ رکھتے ہیں، تو آپ ان کو منع کرتے ہیں، اور اپنی نسبت فرماتے ہیں، اَیُّکُم مِّثْلُیْ اَبِیْتُ یَطْعَمُنِیْ رُبِّیْ وَ یَسْقِیْنِیْ، تم میں کون میری مثل ہے، میں رات گزارتا ہوں، تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، کیا عام انسانوں کو بھی یہ روحانی غذا اور روحانی سیرابی میسر آتی ہے، اور وحی کے علاوہ بعض دوسری حیثیتوں سے بھی مثلیت کی اس میں نفی نہیں ہے؟

اسی طرح نیند کی حالت میں بھی نبی کے قلب اور اس کے احساسات کا غافل نہ ہونا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے

لے صحیح بخاری کتاب الصوم،

اپنے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا؛ وَكَذَلِكَ الْأَنْبِيَاءُ تَنَاهَوْا عَنْهُمْ وَلَا تَنَاهَوْا قُلُوبَهُمْ۔ اور اس  
طرح انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کے دل نہیں سوتے؛ کیا یہی کیفیت عام انسانوں کی نیند کی بھی ہو؟ آنحضرت صلیع  
لوگوں کو نماز میں صفوں کو درست رکھنے کی تاکید کرتے ہیں، تو فرماتے ہیں کہ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھ  
ہی دیکھتا ہوں جیسے سامنے سے؛ کیا عام انسانوں کی قوت بصارت کا یہی عالم ہوتا ہے، قرآن پاک میں ہے اَفَتَرَىٰ  
عَلَىٰ مَائِدَتِي الْيَغْيَرُ الَّذِي لَا يَنْهَىٰ عَنْ يَدِهِ وَلَا يَنْهَىٰ عَنْ يَدِهِ وَلَا يَنْهَىٰ عَنْ يَدِهِ وَلَا يَنْهَىٰ عَنْ يَدِهِ۔ اور اس نے قر  
آن کے کناروں میں دیکھا کیا عام انسان بھی یہ مشاہدہ کرتے ہیں، آنحضرت صلیع کے انتساب اُمّات المؤمنین  
تو جو شرف حاصل ہوا، اس کا اقتضایہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُمّات المؤمنین کو خطاب کر کے فرمایا، يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ  
سَمِعْتُكَ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنَّ الْفَيْثُ (احزاب - ۴)۔ اسے پیغمبر کی بیویوں کی طرح ہی نہیں ہو، جیسی ہر عورت اگر خدا کا  
ذکر رکھو تو اگر پیغمبر کی بیویان تقویٰ کے بعد عام عورتوں کی مثل نہیں ہیں، تو خود پیغمبر تو بدرجہا اس کا سزاوار ہے کہ  
وہ کا احَدٍ مِّنَ الرِّجَالِ نہ ہو، اور اپنے خصائص میں عام انسانوں سے بدرجہا بلند تر اور ممتاز ہو،

الفرض نبی اور غیر نبی میں صرف وحی و نبوت کا جو فرق ہو، اس کے یہی معنی ہیں کہ ان دونوں میں وحی  
رسالت کے تمام لوازم خصوصیات اور ضروری اوصاف میں فرق لازمیتاً ہے، اس لیے کسی انسان کو صاحب وحی  
ماننے کے ساتھ ہی اس کو ان تمام اوصاف و لوازم اور خصوصیات کا مالک بھی ضروری ماننا پڑے گا،

اجتہاد نبوی میں خلا | شبہ کا ایک اور سبب یہ ہے کہ قرآن مجید میں بعض جگہ آنحضرت صلیع کو اپنی چند فروگزشتوں پر تنبیہ  
میں لایا گیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاص وحی الہی کے علاوہ آپ اپنی عقل و مصلحت سے جو حکم دیتے تھے، وہ غلطیوں  
سے پاک نہیں ہوتا تھا، اس سلسلہ میں یہ بات تمام مسلمانوں کو تسلیم ہے کہ جن بعض امور میں آپ پر وحی قرآن نازل  
نہیں ہوتی تھی، ان میں آپ اپنے پیغمبرانہ علم و حکم اور فہم نبوی سے فیصلہ فرماتے تھے، لیکن غور کے قابل یہ بات ہے کہ  
اگر آپ کو آپ کے اس فیصلہ پر خدا نے تعالیٰ کی طرف سے کبھی کوئی تنبیہ نہ ہوئی ہوتی، تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ آپ کے

تمام فیصلے صحیح اور منشاء الہی کے مطابق ہوتے تھے، مگر یہ بھی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ اجتہاد نبوی کے فیصلوں کی صحت و خطا کی ذمہ داری خدا نے نہیں لی تھی، اس لیے تنبیہ نہ فرمائی گئی، مگر واقعہ ان دونوں کے خلاف ہے، صورت یہ ہے کہ بعض فیصلوں پر تنبیہ کی گئی ہے، اور بعض پر نہیں، اس سے بدانتہہ ثابت ہوتا ہے کہ اجتہاد نبوی میں غلطی ہو جانا ممکن ہے، مگر اس غلطی پر چند لمحوں کا قیام بھی ممکن نہیں، ادھر لغزش ہوئی، اور ادھر علام الغیوب کی بے خطا وحی نے اس کی تنبیہ اور اصلاح کی، اس واقعہ سے دوسرا نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام امور و احکام جن کو اپنے پیغمبرانہ اجتہاد و علم و حکمت سے ارشاد فرمایا، یا ان پر عمل کیا، اور وحی الہی نے ان پر خاموشی برتی، تو منشاء الہی نے گویا ان کی صحت و صداقت پر اپنی خاموشی سے مہر کر دی، اور ان کی حیثیت بمنزلہ وحی کے ہو گئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی عمر ۱۲ سال ہو، ان پورے تیس سالوں میں ہزاروں واقعات اور امور پیش آئے جن پر اپنے اجتہاد اور شرح صدر سے فیصلے صادر کئے، مگر ان میں سے کل پانچ باتیں ایسی ہیں، جن پر وحی الہی نے تنبیہ کی، اور عجیب تر یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جس کا تعلق حکم دینی، شریعت ابدی، اعتقاد عبادات یا شرعی معاملات سے ہو، بلکہ وہ کل کے کل ایسے امور ہیں، جنکی حیثیت ہمارے شخصی یا جنگی ہے، اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ دین و شریعت میں آپ کے پیغمبرانہ اجتہاد ہی فیصلے خطا و غلطی سے ہمارے پاس تھے اس خطا کے معنی عام انسانوں کے اجتہادات میں جن اسباب غلطیاں واقع ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں کہ جن مقامات پر ان کا اجتہاد مبنی ہوتا ہے، وہ غلط ہوتے ہیں، یا ان کا علم، ان کو قطعی طور سے نہیں ہوتا، یا استقرار تام نہیں ہوتا، یا یہ پوری نہیں ہوتی، علت مشترکہ صحیح نہیں معلوم ہوتی، مگر یہ تمام صورتیں اجتہاد نبوی میں منافی ہیں، کیونکہ اجتہاد نبوی ان طریقوں پر مبنی ہوتا، نہ وہ غور و فکر، نظر و استدلال، اور استقرار و تمثیل کے منطقی و اصولی ذرائع پر قائم ہوتا ہے، بلکہ وہ نور رسالت، فہم نبوت، حکمت ربانی اور شرح صدر پر مبنی و قائم ہوتا ہے، جنہیں یہ بیچ کی منزلیں سرے سے نہیں ہوتی ہیں، اسی لیے لفظ اجتہاد جو عام طور پر پہلے معنی میں مستعمل اور مشہور ہو، اس سے اس مقام پر الباس کی بچنے کی خاطر احتراز کرنا بہتر ہے، ایک اور نکتہ بھی پیش نظر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ اجتہاد میں اگر غلطی ہوئی ہے تو اس غلطی کا مفہوم

یہ نہیں ہے کہ اپنے جو پہلو اختیار فرمایا، وہ کوئی گناہ، یا بدی، یا بد اخلاقی کا پہلو تھا، بلکہ یہ ہے کہ وہ بہتر راستوں میں سے اپنے بہترین راستے کو چھوڑ کر بہتر راستے کو اختیار کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی، اور بہتر کی جگہ بہترین کی تلقین کی اس قسم کے جو چند واقعات پیش آئے ہیں، اُن پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ بہترین کو چھوڑ کر جس بہتر کو اپنے اختیار فرمایا، اُس کا منشا ہمیشہ است پر رحم و کرم اور شفقت کی نگاہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری یا عارضی رحم و کرم و شفقت کی جگہ اُن احکام کی تلقین فرمائی، جنہیں گونا گونا گویا معلوم ہوتی ہے، مگر علام الغیوب کی دائمی مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ وہی سخت پہلو اختیار کیا جائے،

ذیل میں ہم اُن اجتہادی امور کی تشریح کرتے ہیں، جن پر وحی الہی نے تنبیہ کی ہے،

چار اجتہادی امور پر تنبیہ الہی | جن اجتہادی امور پر وحی الہی نے تنبیہ کی ہے اُن میں،

۱۔ پہلا واقعہ یہ ہے، کہ ہجرت کے قبل مکہ معظمہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کی تبلیغ فرما رہے تھے، تو ایک دن قریش کے بڑے بڑے رؤساء آپ کی مجلس میں آکر بیٹھے، آپ اُنکو سمجھا بھجھا رہے تھے، بت پرستی کی برائیاں اور توحید کی خوبیاں اُن پر ظاہر فرما رہے تھے، اور دل سے چاہتے تھے، کہ وہ اس دعوت کو قبول کر لیں، کہ اتنے میں ایک مخلص لیکن غریب اور نابینا سلمان عبداللہ بن ام مکتوم بھی آکر بیٹھ گئے، اور کچھ دریافت کرنا چاہا، قریش کے یہ رؤساء بید مغرور اور خود پسند تھے، وہ آپ کے جلسوں میں صرف اس لیے آنا پسند نہیں کرتے تھے، کہ آپ کی مجلس میں بد حال بے حیثیت اور ادنیٰ درجہ کے لوگ آیا کرتے ہیں، اس لیے اس موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، اُن رمیون کی اثر پذیری کے کچھ امکانات نظر آ رہے تھے، عبداللہ بن ام مکتوم کا آجانا اور پوچھنا ناگوار ہوا، کہ اُن کے آنے سے ان رمیون کی فوجی اور بڑائی کے جذبہ کو اشتعال ہوا، اور راستہ سے بدک گئے،

عبداللہ بن ام مکتوم کی آمد اور دریافت پر یہ ناگواری جو بالکل نیک نیتی سے تھی، یعنی اس لیے تھی کہ آپ سچے تھے، کہ عبداللہ بن ام مکتوم تو مسلمان ہی ہیں، اس وقت ان کی بات کے جواب نہ دینے میں چنداں ہرج نہیں لیکن ان رمیون کی ناگواری پورے باشندگان مکہ پر اثر انداز ہوگی، اگر یہ مسلمان ہو گئے، تو مکہ میں اسلام کی اشاعت

ٹی راہ میں پھر کوئی روک باقی نہیں رہی۔ یہ سمجھ کر آنحضرت صلیم علیہ السلام نے ام مکتوم کی طرف سے بے اتفاقات ہو کر ان رئیسوں کی تبلیغ و معنیت کی طرف سرتاپا متوجہ رہے، اس پر وحی الہی نے حسب ذیل الفاظ میں تنبیہ کی،

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّہٗ  
يُرْسِلُکَ اَوْ یَدْعُکَ لِتَفْتَحَ الذِّکْرِ لَکِی، اَمَّا مِنْ شِئْنٰکِی  
فَاَنْتَ لَنْ تَصُدِّقَی، وَمَا عَلَیْکَ الْاَلْبِیْزَکِی، وَتَا  
مَنْ جَاءَکَ یَسْعٰی، وَهُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْہُ تَلٰی،  
کَلَّا اِنَّہٗمَا تَنْزِیْلٌ فَتَنْ شَاءَ ذَکَرٌ، (یس۔ ۱)

تواری جڑھائی، اور نہ پھیر کہ وہ اندھا آیا، اور تجھے کیا خبر کہ نہایت  
وہ منور آیا سوچتا تو (تھارا) سمجھنا کام آتا، وہ جو پروا نہیں کرتا  
سو تو اس کی فکر میں ہی اور اس کے نہ سنو نے کا سمجھ کوئی ازرا  
نہیں اور جو تیرے پاس دوڑا آیا، اور وہ (خلاصے) ڈرتا ہے  
تو اس سے تغافل کرتا ہے یوں نہیں، یہ تو نصیحت ہی جو

ان آیتوں میں آنحضرت صلیم کے اس اجتہاد پر کہ ایک پرانے لیکن غریب مسلمان کی مزید ہدایت سے قریش کے رئیسوں کا سمجھنا زیادہ بہتر ہے تنبیہ لگائی، اور اس نکتہ کو ذہن نشین کیا گیا کہ اسلام کی اصولی بنیادوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُس کے نزدیک امیر و غریب، آقا اور غلام اونچے اور نیچے، کی کوئی تمیز نہیں، انکی نگاہ میں بنیا اور نامنیا دونوں برابر ہیں، یہ نکتہ تو اس وقت کے فیصلہ میں آپ کے پیش نظر رہا کہ ایک مسلمان اندھے کی دجوئی سے اپنا رئیسوں کی جائز دجوئی کر کے اُن کو اسلام کی طرف مائل کرنا زیادہ بہتر ہے، مگر یہ نکتہ نظر انداز ہو گیا کہ اس طرز عمل سے خود اسلام کی بنیادی تعلیم پر کیا اثر پڑے گا، اسیلئے وحی الہی نے تنبیہ کی کہ اسلام کا یہ پیغام دنیا کے لیے صلائے عام ہے جو چاہے قبول کرے، اس میں کوئی تمیز و تخصیص نہیں، علاوہ ازین اس کا بھی اشارہ کیا کہ یہ رؤسائے قریش جن کے مسلمان ہونے کی آپ اس قدر کوشش فرما رہے ہیں، وہ ایمان سے محروم ہی رہیں گے، اس لیے ان کی طرف مزید بڑھ بے سود ہے، اور ظاہر ہے کہ آپ اُن کے حق میں دانائے غیب کے اس فیصلے سے پہلے آگاہ نہ تھے، اس لیے آپ اپنے موجودہ علم کے مطابق اپنے فعل کو صحیح سمجھ رہے تھے،

دوسرا واقعہ اس سے پہلے لڑائی میں مسلمانوں کے مال غنیمت حاصل کرنے اور بدر کے قیدیوں سے زبردستی قبول کرنے کا ہے، اس وقت تک ظاہر ہے کہ مال غنیمت اور فدیہ کا قانون نازل نہیں ہوا تھا کہ ابھی اس کا موقع ہی نہیں آیا تھا



مسلمانوں کو مدنیہ منورہ اگر سب سے پہلے سر پہ غلامین مال غنیمت ہاتھ آیا، اس کے بعد ہی بدر کے معرکہ میں پھر مال غنیمت ملا اور ساتھ ہی قریش کے ستر قیدی بھی ہاتھ آئے، جنہیں اکثر کدہ کے دولتمند اور شرفاء تھے ان قیدیوں کی نسبت مسلمانوں کی مختلف رائیں تھیں، بعضے ان کو آگ میں زندہ جلا دینا چاہتے تھے، کچھ لوگ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینا چاہتے تھے جس سے ان کو چالیس ہزار درم ملنے والے تھے، نفسیات کے ماہر جانتے ہیں، کہ جو قوم مدت سے ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف اٹھاتی رہتی ہے، وہ بیکسی مظلومیت، مغلوبیت، اور غربت کے دور سے نکل کر جب پہلے پہل غالب اور دولتمند ہوتی ہے، اور اس کو ملکی و مالی قوت پر دسترس حاصل ہوتی ہے، تو وہ لمحہ اُس کی زندگی میں اخلاقی حیثیت سے بڑا ہی نازک ہوتا ہے، غلبہ، قوت، اور دولت پاکر بھی اُس کے نشہ میں وہ سرشار نہ ہوا، اور اپنے دل و دماغ پر قابو رکھے یہ بڑا ہی مشکل کام ہے، جو مظلوم تھا، وہ غالب ہو جائے، اور جو ظالم تھا، وہ مغلوب ہو جائے، اور اُس وقت ردِ عمل اپنا کام کر کے مظلوم غالب کو اپنے ظالم مغلوب سے شدید انتقام لینے کا جذبہ نہ پیدا کرے، یہ کوئی آسان کام نہیں، سیاسی و مذہبی تاریخین اسکی متعدد مثالیں موجود ہیں، کہ ایسا نہ ہو سکا، خود عیسائی قوم کو دیکھیں جس نے یہودیوں اور بت پرست رومیوں کے ہاتھوں سے تین صدیوں تک برابر سخت سی سخت تکلیفیں اٹھائیں لیکن قسطنطنیہ کے زمانہ میں جب دفعۃً جو مظلوم تھے، وہ غالب اور جو ظالم تھے وہ مغلوب ہو گئے، تو عیسوی قوم کا پچھلا جو ہر ایک ایک کر کے رخصت ہو گیا، اور ان لوگوں نے جو پہلے مظلوم تھے، اس نشہ میں چور ہو کر یہودیوں اور رومی بت پرستوں کیساتھ وہ کچھ کیا، جس سے اخلاق انسانی کی تاریخ آج بھی شرماتی ہے، غزوہ بدر کی غیر متوقع فتح نے مظلوم و بیکس مسلمانوں کے لیے تاریخی دور کا وہی نازک موقع پیدا کر دیا غریب و تنگ دست مسلمانوں کو جو سا اسی سال سے کسبِ معاش سے محروم، اور غیر مہمونی ضروریات کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے، ان کو غنیمت اور فدیہ کی دولت ہاتھ آئی، اور وہی قریش جن کے ظلم و ستم سے ان کے بدن زخمی اور ان کے سینے داغدار تھے، وہ دفعۃً مغلوب ہو گئے، ان کے بڑے بڑے سردار، ان کے ہاتھوں سے لڑائی میں مارے گئے، اور ان کے ہاتھوں میں قید ہو کر، ستر سردار صرف ان کے رحم و کرم پر زندہ تھے،

اب تک مسلمان نہایت یکدلی پہنچتی، اور غلو سے اپنی راہ طے کر رہے تھے، اور یہ اخلاقی جو مہر مظلوموں کی برادری میں اکثر پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن دولت اگر ان کے بجائے ان میں اختلاف، تفریق اور حرص و طمع اور ذاتی اغراض کے جذبات پیدا کر دیتی ہے، اس اتفاقی دولت اور غیر متوقع فتح و غلبہ نے صحابہ کرام کے لیے امتحان کا وہی نازک موقع پیش کر دیا، اور دنیا کے سب سے بڑے رہنما کی قوت رہنمائی کے اظہار کا بھی یہی موقع تھا، چنانچہ اس وقت مال غنیمت، زبرد فیہ اور قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق غالب فاتح مسلمانوں میں اختلاف برپا رہا۔

رہنما ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس وقت اہم ترین کام تھا، اپنے امرا و اول کی طرف توجہ فرمائی، کہ مظلوم فاتح قوت پا کر اپنا جو ہر نہ کھو بیٹھیں، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان قیدیوں کے قتل کی جو تجویز پیش کی تھی، اپنے رفیق اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تجویز کہ فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے، قبول فرمائی، اور ان سے فرمایا کہ اسے ابو بکر تھارے

مثال ابراہیم اور عیسیٰ کی ہو، اور اسے عمر تمہاری مثال نوح اور موسیٰ کی ہے، آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی بنک دلی اور حضرت عیسیٰؑ کی رحم دلی کی مثال کی پیروی کی، اور بدد کے ان قیدیوں کی جان بخشی فرمائی، اور قتل کے سچے زبرد فیہ ادا کر دیتے پر رہائی کا حکم دیدیا، اور جو ان میں نادار تھے، ان کو چند مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر آزادی کا فرمان جاری کر دیا، اور صحابہ کو تاکید کی، کہ ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کریں، چنانچہ بعضوں کا یہ حال تھا کہ وہ خود کچور پر قناعت کرتے تھے، اور اپنے قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے،

لیکن وحی الہی کی نگاہ میں اس سے زیادہ اہم پہلو ان غریبوں کا وقفہ مال و دولت کی حرص و طمع میں مبتلا ہو جانا تھا، چنانچہ یہی صورت پیش آئی، مال غنیمت کے فراہم کرنے والوں نے دعویٰ کیا، کہ اس پر ہم نے لڑائی کا قبضہ کیا ہے، اس لیے ہمارا ہے، لڑنے والے جو جوانوں نے دعویٰ کیا، کہ ہماری تلواروں سے فتح حاصل ہوئی ہے، اس لیے اس کے اصلی حقدار ہم ہیں، جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے، وہ کہتے تھے کہ سب نازک اور خطرناک فرض ہمارا تھا، اس لیے ہم کو ملنا چاہیے، یہی اختلاف زبرد فیہ کی ملکیت کی نسبت بھی ہوا ہوگا، جیسا کہ سورہ انفال ص ۱۰۱ میں مذکور ہے،

ما صدک حاکم ج ۲ ص ۱۸۱ اکتان بلخازی، حیدر آباد کن ملہ سیرت ابن ہشام، ذکر انبیاء بیدر والا ساری ج ۱ ص ۳۹۱ مطبوعہ محمد علی، مصر

کی ابتدائی آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے،

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ  
الرَّسُولِ فَاَتَقُوا لِلّٰهِ مَا تُصَلُّوْنَ اَزَاتِ بَيْنِكُمْ وَاٰطِيعُوا  
اَللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الانفال - ۱)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے پوچھا گیا، کہ سورۃ انفال کے نزول کی کیا وجہ ہے، تو کہا،

فِيْنَا اَصْحَابُ بَدْرٍ نَزَلَتْ حِيْنَ اَخْتَلَفْنَا فِي الْاَنْفَالِ  
وَسَاعَاتٍ فِيْهِ اخْلَاقُنا فَاَمْرًا عَنِ اللّٰهِ مِنْ اَيْدِيْنَا  
فَجَعَلَ اللّٰهُ اِلٰى رَسُوْلِهِ صَلَواتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
صَلَمُ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَنْ سَلَاةٍ

یہ سورہ ہم بدر والوں کے متعلق نازل ہوئی جب مالِ غنیمت  
بنے باجم اختلاف کیا، اور اس میں ہمارے اخلاق برے ہو گئے  
تو خدا نے اُس کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا، اور رسولِ خدا  
صلعم بین المسلمین عن سلاۃ

یہی وہ تنبیہ ہے جو وحی الہی نے آنحضرت صلیعم کے اس فیصلہ پر کی اور آیت اتری،  
مَا كَانَ لِتَيْبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَكَ اَسْرٰى حَتّٰى تُخْرَجَ  
فِي الْاَرْضِ طَرْدِيْنٌ وَعَنْ عَضُدٍ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ  
يُرِيْدُ الْاِخْرَاجَ طَوَّلَ اللّٰهِ عَنْ رِيْءِكَ لِمَا كُتِبَ  
بِكَ مِنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَكَ سَكْرَتُكَ فَاِذَا اخَذْتَ عَذَابَ  
عَظِيْمٍ، فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا حَلٰلًا  
اَتَقُوا اللّٰهَ طَاَتَ اللّٰهُ خُفُوْا رَحِيْمٍ (الانفال - ۹)

کسی پیمبر کو زیرِ بائین کر اُس کے پاس قیدی ہوں انکا زمین  
میں فساد کرے، تم لوگ دنیا کا سامان چاہتے ہو، اور اللہ تعالیٰ  
چاہتا ہے، اور اللہ غالب اور دانا ہے، اگر خدا کی طرف سے یوں  
ہونا مقدر نہ ہو چکا ہوتا، تو تمہارے اس لینے پر تم کو بڑی  
سزا ملتی، تو اب جو تم نے لوٹ میں پایا حلال و پاک کر کے  
کھاؤ، اور اللہ کا ارب کرو، اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

اسی قدر نہیں بلکہ اُن قیدیوں کو جن سے زبردیہ وصول ہوا یا وصول کیا جا رہا تھا، اس کے بعد ہی یہ آیت اتری

لے سیرت ابن ہشام، ذکر الفتنی بدر و الاساری ج ۱ ص ۳۹۱ مطبوعہ محمد علی، مصر  
لے سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۹۱

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي آيِدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى  
 اِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا الْيُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا  
 اُخْذَ مِنْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ وَاللَّهُ عَفُوفٌ رَحِيمٌ  
 اسے پیغمبر! تمہارے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں اُن سے کہو  
 کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی جانے لگا، تو تم کو اس سے بہتر  
 چیز دینا جو تم سے لے لیں، اور تم کو معاف کرے گا، اور اللہ بخیر  
 کرنے والا اور رحم والا ہے، (انفال - ۱۰۰)

بعضوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ یہ تنبیہ قیدیوں کے زبرد فیہ لیکر رہا کرنے اور قتل نہ کیے جانے پر ہوئی، حالانکہ ظاہر  
 ہے، کہ جن قیدیوں سے زبرد فیہ لیے جانے پر اللہ تعالیٰ نے اُن سے ہمدردی فرمائی اور اگر وہ حن نیت سے ظاہر  
 فرمیں، تو اُن کی مغفرت کا وعدہ، اور اس دنیاوی خزانہ ریزہ سے، جو اُن سے بطور فدیہ لیا گیا، اُن کو بہتر دولت  
 دیئے جانے کی امید دلائی، کیا اُن کا قتل زبرد فیہ لینے سے کم سزا ہوتی؟ اور جن سے فدیہ لیا گیا، اُن کے قتل کیے  
 جانے پر ان کے قاتلوں پر اس سے زیادہ سزائیں، اور ان مقتولوں سے اس سے زیادہ ہمدردی نہ کی جاتی،

بہر حال وہی مال غنیمت اور زبرد فیہ جن کو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف و صریح وحی آنے سے  
 پیشتر قبول فرمایا تھا، اور جیسے تنبیہ ہوئی، وہ آخر کار ”اجتہاد نبوی“ کے مطابق مناسب موقع پر جائز اور حلال و طیب  
 ہی ٹھہرایا گیا، اور غلطی غلطی باقی نہیں رہی، مال غنیمت لینے کے متعلق کُلُّوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ کا حکم اسی وقت آگیا، اور فدیہ  
 لینے کی اجازت اِمَّا مَتَابَعِدُ وَاِمَّا فِدَاءُ کے الفاظ میں بعد کو مناسب زمانہ میں آگئی، اور اس مال و دولت کی  
 حرص و طمع سے اس وقت جو بد اخلاقی پیدا ہونے والی تھی اُس کا ازالہ ہمیشہ کے لیے اس طرح کر دیا، کہ اسکی تقسیم کا  
 ابدی قانون بنا دیا گیا، اور اُس میں تمام ضروری مستحقین کے حصے لگا دیئے گئے،

تیسرا واقعہ | تیسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ غزوہ تبوک کیلئے جا رہے تھے، جس میں بکثرت مسلمانوں کی شرکت کی ضرورت  
 تھی، کہ مقابلہ رومیوں کے دل بادل فوج سے تھا، اور کسی منظم سلطنت سے ٹکرا کھانے کا یہ پہلا موقع مسلمانوں کو پیش  
 آیا تھا، اور موسم بھی نہایت گرم اور سخت تھا، تیس ہزار مسلمانوں کی جمعیت روانہ ہو گئی، مگر کچھ غلصہ سلمان مجبوراً چھوڑ  
 لے مزید تفصیل کے لیے دیکھو سیرۃ النبی جلد اول میں غزوہ بدر کا بیان،

گئے، اور اکثر منافقین نے جان بوجھ کر اسکی شرکت سے جی چڑایا، آپ واپس آئے، تو عدم شرکت کے قصور وار منافقین  
آ کر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے عذرات بیان کرنے لگے، آپ نے اُن کا اعتبار کر کے، رحم فرما کر، اُن کے قصور سے  
درگزر کیا، اس پر توبہ ہوئی،

سَيَعْلَمُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ  
الْأَنفُسَ هُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ عَنَّا  
عَنْكَ لَمَّا اذْنَتْ لَهُمْ حَتّٰى يَتَّبِعَنَ لَكَ الَّذِيْنَ  
صَدَقُوْا وَلَعَلَّكَ لَن تَعْلَمَ اَلَّذِيْنَ بَيْنَہٗ (توبہ ۷۷)

وہ خدا کی قسم کھائیں گے کہ اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمہارے  
ساتھ نکلتے، اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں، اللہ جھکوٹے نہیں  
اُن کو رخصت کیوں دی، جب تک تجھ پر یہ کھل جاتا جو اُن  
سچ بولے اور تو جان لیتا جھوٹ بولنے والوں کو،

ظاہر ہے کہ آپ علم غیب سے آگاہ نہ تھے، اور اُن کے واقعی حالات سے بخبر تھے، اس لیے بظاہر اُن کے قول پر اعتبار  
ہی کرنا تھا، اور وہی آپ کے کیا، مگر علام الغیوب نے حقیقت بحال سے باخبر فرما کر، اُن کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا، بہر حال  
سیان بھی منشاء سے خطا، اگر خطا بھی جائے، تو وہی ترحم کی شان تھی،  
چوتھا واقعہ منافقین کی نسبت آپ کو اطلاع دیدی گئی تھی، کہ اُن کے حق میں آپ کی دعائے مغفرت قبول نہ ہوگی، اور  
فرمادیا گیا تھا، کہ

اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا اسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنَّ تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً  
فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ  
وَرَسُوْلِهِ (توبہ ۱۰۰)

تو اُن کی مغفرت کی دعا مانگے، یا نہ مانگے، اگر ستر دفعہ بھی انکی  
مغفرت کی دعا مانگے تو ہرگز ان کو خدا نہ بخشے گا، یہ اس لیے کہ  
انہوں نے خدا کا اور اس کے رسول کا انکار کیا،

اس حکم کے آنے کے بعد عبداللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہوا، یہ منافقوں کا سردار تھا، اُس کا لڑکا مخلف  
مسلمان تھا، اُس نے اگر آپ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی، جس کو آپ فرط کرم سے رد نہ فرما سکے، حضرت  
عمرؓ نے عرض بھی کی کہ یا رسول اللہ! اُس کے عدم مغفرت کے متعلق تو حکم ہو چکا ہے، فرمایا میں ستر دفعہ سے بھی زیادہ  
اس کی مغفرت کی دعا مانگوں گا، بہر حال آیت بالا میں گو آپ کے مغفرت مانگنے اور نہ مانگنے دونوں کو بیکار نہ ہو

بتایا گیا تھا، مگر ان کے حق میں سرے سے دعائے مغفرت نہ مانگنے کی کوئی ہمانست نہ تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت سے اس بیکار فرض کو انجام دیا، تاکہ اُس کے غلصہ مسلمان فرزند کی دشمنی نہ ہو، اور اس پہلو سے تغافل فرمایا، کہ لو ایک مسلمان کی دجوتی تو ہوگی، مگر بیسیوں منافقین کو اپنے چھپانے میں کامیابی ہو جائیگی، اور وہ مسلمانوں کے اندر رہ کر قتلوں کے باعث بنیں گے، اس لیے حکم ہوا،

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَاتَ أَبَدًا أَوْ  
 سَلَّمَ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِلَّا تَصَدَّقَ كَفْرًا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ  
 وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ (تحریر - ۱۱)

اور نہ کبھی اُن میں سے کسی کے جنازہ کی ناز پڑھ، اور نہ اُسکی قبر پر کھڑا ہو، بیشک انھوں نے خدا اور اس کے رسول کا انکار کیا، اور اسی گنہگاری کی حالت میں مرے،

پانچواں واقعہ | اس کی تفصیل یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض بیویوں کی خوشنودی اور رضامندی کے لیے کرمیاء چیز کو جو آپ کو بہت مرغوب تھی، اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، یعنی اُس کے کبھی نہ استعمال کرنے کا عہد فرمایا تھا، ظاہر ہے کہ ہر شخص پر مباح چیز کا کھانا فرض نہیں، اور سکو حق حاصل ہو کہ وہ اپنی خوشی سے یا کسی دوسرے کی رضامندی کیلئے اُس کے نہ کھانے کا عہد کرے۔ اس لیے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیویوں کی خاطر جن کو وہ شے پسند نہ تھی، اُسکو اپنے اوپر حرام کر لیا، تو ظاہر ہے، کہ آپ کا اپنی بعض بیویوں کی خاطر داری کے لیے ایسا کرنا الزام کے قابل نہیں، کہ آپ نے بحیثیت شوہر کے اُن کی اتنی دجوتی کو بھی عورتوں کے ساتھ عدل انصاف کے مناسب سمجھا، مگر اس مسئلہ کی ایک دوسری حیثیت بھی تھی، اور وہ یہ کہ بحیثیت ایک پیغمبر کے، ایک حلال و جائز چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے اور اس کے نہ کھانے کا عہد کرنے سے آپ کی اقتدا میں امت کے عام افراد بھی اُس کو ناجائز نہیں تو ناپسند ضروری کرتے اور یہ ایک طرح سے شریعت الہی میں تبدیل و تحریف کا مڑوٹ ہو جاتا، اس لیے حکم آیا، کہ ان امور میں پیغمبر کو کسی کی دجوتی اور خاطر داری کی پروا نہ چاہیے، فرمایا،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتِ الْأَوَاحِيكِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (تحریر - ۱۲)

اپنے پیغمبر کو! خدا نے میرے لیے حلال کیا ہے، اُس کو حرام کیوں کرنا ہو، اپنی بیویوں کی مرضی چاہتا ہوں اور خدا بخشنے والا مہربان ہے،

اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا آپ کو نبی کے خطاب کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ بحیثیت ایک انسان اور شوہر ہونے کے آپ ایسا کر سکتے تھے، مگر پیغمبر کی حیثیت سے آپ کو یہ اختیار نہیں،

الغرض یہی وہ پانچ واقعے ہیں جنہیں آپ کی اجتہادی خطا ثابت کی گئی ہو، مگر تفصیلات سے معلوم ہو گیا ہوگا،  
 ۱۔ ان کو خطا کہنا درحقیقت مجاز ہے، کہ پیغمبر کی بلندی اور معصومی کو پیش نظر رکھ کر اس کو اس مجازی خطا کی بھی اجازت نہیں، اور اسی لیے وحی الہی نے ان میں سے ہر موقع پر تنبیہ کی، اور اپنے صحیح فیصلہ سے رہنمائی فرمائی، اب کیا کاشمیرہ یہ بھی ہو کہ جس طرح آنحضرت صلیم کو یہ معمولی مسامحات پیش آئے، جنکی تنبیہ اصلاح ہر وقت وحی الہی نے کی، ایسے ہی ممکن ہے، کہ آپ کو اور بھی ایسے مسامحات پیش آئے ہوں، جنکی تنبیہ و تصحیح کی حکمت الہی نے پرواہ کی اور خاموشی برتی، اگر کسی کو یہ شبہ ہے تو وہ درحقیقت رسالت و نبوت کی مرتبہ شناسی اور دین الہی و شریعت ربانی کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کے طرق رشد و ہدایت کی معرفت سے کو سون دور ہے، رسولوں کی بعثت اس لیے ہے کہ وہ غلط کار انسانوں کو، اذن کی غلطی سے نکال کر حق و جواب کی تعلیم دیں، نہ اس لیے کہ ان کے ذریعہ اُلٹے ہدایت کے بجائے مزید ضلالت کا اضافہ ہو، استغفر اللہ، ثم استغفر اللہ، اس لیے ناممکن ہے کہ رسولوں کے ہاتھوں اور زبانوں سے کوئی ایسا کام یا حکم صادر ہو جو حکمت الہی کے مطابق نہ ہو، اور پھر وہ اسکی تصحیح اور رہنمائی سے تغافل برتے، اور انسانوں کو خود اپنے رسولوں کے ذریعہ گمراہ ہونے دے،

پیغمبرانہ اجتہاد اور اسے علم کا وہ کوثر ہے، جس کی دھارین ہمارے منہ سے نہیں، بلکہ دل کے سرخسہ سے بہتی ہیں، جو انسانی رائے و تجربہ سے نہیں، بلکہ احکام الہی، القائل ربانی، حکمت یزدانی، فہم رسالت، ملکہ نبوت سے ماخوذ ہیں، اور جس کی نسبت محرم اسرار شریعت عمر فاروق بر سر منبر یہ فرماتے ہیں،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الرَّاىَ انَّمَا كَانَ مِنْ  
 رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 وَأَنَّمَا هُوَ مِنَ الظَّنِّ وَالشَّكِّ (ابوداؤد، کتاب التفسیر)  
 اے لوگو! آنحضرت صلیم کی رائے غلطی سے پاک تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ  
 آپ کو وہ رائے دکھاتا تھا، اور ہماری رائے ہر لاگمان اور  
 از خود کہنا ہے،

وہ راسے نبوی، جو خدا کے بتانے اور دکھانے سے قائم ہوئی ہو، ظاہر ہے کہ بہتر نہ وحی کے ہے، اور اس کا نام بشری اجتہاد اور انسانی رائے نہیں، بلکہ نبوی اجتہاد اور پیغمبرانہ رائے ہو، جو علما و وحی الہی کی ہم مرتبہ اور کلام ربانی کی ہم پایہ ہے، حضرت عمرؓ نے اس خطبہ میں جو کچھ کہا ہو، درحقیقت وہ خود کلام پاک سے مستنبط ہو، قرآن پاک میں ہو، ہم نے تجھ پر کتاب بچائی کے ساتھ اتاری، تاکہ لوگوں کے درمیان جو اللہ تجھ کو سوجھائے فیصلہ کرے، اور تو نہ ہو وہاں بازو نہ کی

طرت سے جھگڑنے والا،

(نساء - ۱۶)

اس سے ظاہر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دکھایا، سو جھایا، اور اسے پیدا کرانی جاتی تھی، وہ خدا کی طرف سے ہوتی تھی، یہی وہ پیغمبرِ انہ رائے ہے جسکی نسبت خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا،

انا قضی بینکم ورائی فیما لم یزل علی  
میں تم لوگوں کے درمیان اس مسئلہ میں، جسکی نسبت مجھ پر

(ابوداؤد - انقصیہ)

وہی نہیں ہوئی، اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں،

یہ فیصلہ اگر غلط ہوتا تو فوراً وحی الہی دست گیری کرتی اور صحیح راستہ پر لے آتی، جیسا کہ گذشتہ پانچوں اوقات ظاہر ہے،

ایک غلط استدلال | اس آیت پاک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ مقدمات کے فیصلوں میں آپ کو ارادت الہی ہوتی تھی، یعنی خدا کی طرف سے آپ کو راسے سو جھائی جاتی تھی، اور ظاہر ہے، کہ ارادت الہی (خدا کی طرف سے بھلا جانا) تاکہ آپ کتاب الہی کے مطابق فیصلہ کریں غلط نہیں ہو سکتی، لیکن ابو داؤد وغیرہ میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مقدمہ سے فرمایا،

دوین ایک بشر ہوں تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لیکر آتے ہو، اور شاید تم میں سے بعض زیادہ زبان آور ہوں، جو اپنی دلیل کو خوبی سے بیان کر سکتے ہوں، تو میں جیسا سنتا ہوں، ویسا فیصلہ کرتا ہوں، تو میں اگر کسی کو وہ حق ملاؤں جو اُس کا نہیں، بلکہ اُس کے بھائی کا ہو، تو وہ نہ بے کمین اُس کو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیر ہا ہوں (کتب الاقصیہ)



اس سے ایک غلط فہم یہ استدلال کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے ہمیشہ غلطی سے پاک نہیں ہوتے تھے، اس لیے امت آپ کے قضایا اور فیصلوں کی پیروی پر مجبور نہیں، لیکن ایسا خیال کرنا سرسری معاملہ ہے، اصل یہ ہے کہ مقدمات میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک واقعہ کی اصلی رو داد جس کو ہر مدعی اور مدعا علیہ اپنے دعویٰ کے مطابق بنا کر اپنے رنگ میں بیان کرتا ہے، اس کے بعد دوسری چیز اس بیان کردہ رو داد کے مطابق صحیح اور غلط حکم اور فیصلہ ہے، جو تادم مقدمہ کی اس رو داد پر مبنی ہوتا ہے، جو حاکم و قاضی کے سامنے بیانات اور شہادتوں کے ساتھ پیش ہوتی ہے، یہ بات کہ واقعہ کی اصلی رو داد کیا ہے اور ان میں سے کون صحیح کہہ رہا ہے، علم غیب سے تعلق رکھتا ہے، جس کا دعویٰ کسی نبی کو نہیں، اور اگر ہو بھی تو یہ دعویٰ بجائے خود مسلم ہے کہ قاضی کا ذاتی علم و انسانوں کے درمیان فیصلہ کا نبی نہیں قرار پاسکتا، اس کے لیے فریقین کے بیانات شہادتیں اور دلائل ہی بکار آمد ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ امراؤں کے متعلق عموماً آپ کو غیب کا علم عطا نہیں ہوا، لیکن دوسری چیز، یعنی جس رو داد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح باور کیا، اس کے مطابق آپ کا فیصلہ کبھی بھی صحیح و صواب اور علانہ نہیں ہوتا تھا، یہ کہنا رسول و نبی کی شان کی توہین و تحقیر ہے، اور اس ارادت الہی کے خلاف ہے، جس کا شرف مقدمات کے فیصلہ میں آپ کو بخشا جاتا تھا اس لیے جو غلطی فیصلوں میں آپ سے ہو سکتی تھی، وہ فریقین میں سے کسی ایک کی دلیل شہادت کو شکراؤں کے صحیح یا غلط، مطابق واقعہ یا مخالف واقعہ سمجھنے میں، لیکن جس کو آپ صحیح باور فرمایا اس کے مطابق مناسب و صحیح حکم و فیصلہ کرنے میں آپ سے کبھی غلطی نہ ہوئی، اور نہ ہو سکتی تھی، اور امت آپ کی پیروی آپ کے ان قضایا اور فیصلوں میں کرتی ہو نہ کہ نزاع مذکور کے گذشتہ واقعات اور گذشتہ مقدمات کے صحیح یا غلط باور کرنے میں فشتان بینہما،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان میں نکتہ یہ ہے، کہ شاید فریقین میں سے کوئی غلط بیان یا جھوٹا یا برسرِ طلب جو اپنے مقدمہ کی رو داد زیادہ خوبی سے بنا کر، آپ کی عدالت سے موافق فیصلہ حاصل کرے، یہ سمجھے کہ گو حقیقت میں میراث نہ تھا، لیکن جب عدالت نبوی نے میراث حق میں فیصلہ کر دیا، تو میراث ملکیت ثابت ہو گئی، اور غصب

حق کے گناہ سے برات ہو گئی، تو اس کا ایسا سمجھنا صحیح نہ ہوگا اگر تو قانون کا حکم نافذ ہو جائیگا، مگر خداوند برسر حق تھا اور  
حق ہی رہیگا، اور جو برسر باطل تھا، وہ باطل ہی رہیگا، اور جو اصل مالک تھا، وہی مالک رہیگا، اور جو غاصب ہے وہ غاصب  
ہی ٹھہریگا، اسی اعلان کا اثر تھا، کہ جب آنحضرت صلعم نے ایک مقدمہ میں فریقین کو اس حقیقت سے مطلع فرمایا تو  
دونوں روپڑے اور دونوں ایک دوسرے کے حق میں دست بردار ہونے پر آمادہ ہو گئے،

آنحضرت صلعم رو داد مقدمہ کو سامنے رکھ کر جو فیصلے فرماتے تھے وہ تمام تر حق، منصفانہ اور صحیح ہوتے تھے اور  
ان کی اطاعت سے انحراف، کفر و نفاق تھا، اسی لیے ارشاد ہوا کہ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا  
شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا  
مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نساء-۱)

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک وہ تجھ کو  
حکم نہ مانیں، پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلہ سے تنگی نہ پائیں  
اور مان کر تسبیح کرین،

وَمَا كَانَ لِمَنْ يَلُومُنَّكَ مِنْ شَيْءٍ أَنْ يَضُرَّكَ شَيْئًا  
وَرَسُولُكَ أَمْثَرَ الْأَنْبِيَاءِ لَكُمْ وَلَهُمْ أُولَٰئِكَ  
أَسْرَٰهُم مِّنْ بَعْضِ اللَّهِ وَرَسُولُكَ فَتَقْدِرُ  
حُكْمًا لَّامْتِنَانًا (احزاب-۵)

کسی ایسا انداز مرن یا غور نہ کر کہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا  
رسول کی بات کا فیصلہ کر دے، تو بھی اس کو اپنے کام کا  
اختیار رہے، اور جو خدا اور اس کے رسول کے حکم  
چلا، وہ صریح گمراہ ہوا،

کیا امت کو رسول کی اطاعت اور اس کے فیصلہ کے بچوں و چرا قبول کر لینے کا خدا کی طرف سے تاکید  
حکم برسر باطل پہلو پر ہو سکتا ہے؟ چنانچہ دوسری آیت میں اسکی تصریح کر دی گئی ہے، کہ آپ کا کوئی فیصلہ کبھی ظالمانہ  
اور غلط نہیں ہو سکتا،

وَإِذَا دُعِيَ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِحُكْمٍ بَيْنَهُمْ  
إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمْ  
رَسُولٌ فَإِنَّهُمْ مُّعْرِضُونَ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمْ  
رَسُولٌ فَإِنَّهُمْ مُّعْرِضُونَ

اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے تاکہ  
رسول، ان کے درمیان فیصلہ کر دے، تو ان میں کا ایک

اَلْحَقُّ يَأْتِي الْيَوْمَ مُذْعِنِينَ، اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ  
 اَمْ اَنْزَلْنَاهُ اَمْرًا يَخْفَىٰ عَلَيْنَا اَمْ اَنْ يَكْبِتَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ  
 وَهِيَ سُوْرَةُ بَلّٰ اَوْ لَيْلِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ، (دورہ ۶)

عقل بشری | اس میں بھی شک نہیں کہ وحی اور ملکہ نبوت کے علاوہ نبی میں نبوت و رسالت کے فرائض سے باہر کی چیزوں میں اس کی عقل رہی ہوتی ہے، جو عام انسانوں کی ہوتی ہے، اور جس میں اجتہادی غلطی کا ہر وقت امکان ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک اجتہاد کی یہی وہ دوسری قسم ہے جس میں نبی سے بھی غلطی ہو سکتی ہے کہ اس کا مدار وحی و الہام اور ملکہ نبوت پر نہیں، بلکہ انسانی علم و تجربہ پر ہوتا ہے، اور یہی وہ قسم ہے جس کا اتباع پیروں پر واجب نہیں، اور اس کی بہترین مثال کھجور کی کاشت کا واقعہ ہے،

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلعم مدینہ منورہ کے بعض باغوں میں گزرے تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھجوروں کے درختوں پر چڑھ کر کچھ کر رہے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کر رہے ہیں، ایک ہمارے ہی نے کہا کہ یہ مادہ کھجوروں میں زکھجوروں کے پھول ڈالتے ہیں، کہ پھل زیادہ آئیں، فرمایا: "میں تو نہیں سمجھتا کہ اس سے کچھ فائدہ ہوگا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "اگر ایسا نہ کرتے تو بہتر ہوتا،" اُس نے جا کر باغ والوں سے آپ کا یہ فقرہ بیان کر دیا، اُنہوں نے جو سہرا پا اطاعت تھے، اُس پر عمل کیا، اور ایسا کرنا چھوڑ دیا، پھل اُس سال کم آئے، یا کم ٹھہرے، آپ کا پھر گزر ہوا، تو اُن لوگوں نے صورت حال عرض کی، آپ نے فرمایا میں نے تو یونہی ایک بات سمجھ سے کہہ دی تھی، اگر اُن کو اس عمل سے فائدہ ہوتا ہے تو کریں، پھر فرمایا،

اِنَّمَا اَنَا نَبِيٌّ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِيْنِكُمْ  
 فَخُذُوْا بِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَاۤئِيْ فَاْتَمَرُوْا  
 اِنَّا نَبِيٌّ،

میں تو ایک آدمی ہی ہوں، جب تمہارے دین کا کوئی حکم دوں تو اس کو قبول کرو، اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں،

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں،

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرٍ دُنْيَاكُمْ  
تم اپنے دنیا کے کام کو زیادہ جانتے ہو،

تیسری روایت کے یہ الفاظ ہیں:-

اَنْتُمْ اَخْلَنْتُمْ ظَنًّا فَلَا تَأْخُذُونِي بِالظَّنِّ وَلَكِنْ  
میں نے ایک گمان سا کیا تھا، گمان پر جھکنا نہ پکڑو، ہاں جب  
اِذَا حَدَّثَكُمْ عَنِ اللَّهِ فَتَشِئْنَا فَخُذُوا بَدَلِهِ فَاِنِّي  
خدا کی طرف سے کوئی بات کہوں تو اس کو لو، کہ میں خدا پر جھوٹ  
لَنْ اَكْذِبَ عَلَى اللَّهِ،  
نہ کہوں گا،

ان تینوں روایتوں میں آپ نے اپنے اس ارشاد کو ظن (گمان) رائے اور امر دنیا سے تعبیر فرمایا ہے۔  
اس سے یہ کلیہ بھی مین آتا ہے، کہ امور دین و شریعت میں آپ کا حکم واجب اور من جانب اللہ ہے، لیکن کھیتی  
باڑی، علاج و معالجہ وغیرہ خالص دنیاوی امور میں اگر آپ نے کچھ کہا ہے، تو اس کی حیثیت فقط مشورہ اور  
رائے کی ہے، یہی سبب ہے کہ صحابہ کرام جن باتوں میں اپنا مشورہ آپ کو دینا چاہتے تھے، پوچھ لیتے تھے، کہ یا رسول  
اللہ! یہ وحی سے ہے یا رائے ہے، آپ جب فرمادیتے تھے کہ رائے سے ہے، تو وہ اپنا مشورہ پیش کرتے، اور اپنے  
فرماتے تو قبول فرماتے، غزوہ بدر میں آپ نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالنا چاہا، ایک صحابی نے اگر عرض کی یا رسول  
اللہ! اس مقام کا انتخاب وحی سے ہے یا رائے سے؟ فرمایا میں رائے سے ہے تو عرض کی کہ جنگی نقطہ نظر سے یہ مقام بہترین، فلان  
مقام بہتر ہے آپ نے انکی رائے پسند کی اور اپنی رائے کو اس طرح صلح و جنگ اور حکومت کے دوسرے معاملات میں بھی  
صحابہ سے مشورہ لیا، اور عمل فرمایا، اور اسی میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے (اکثر تو یہ) نبی اور حکومت، یا امام اور نبی صحابہ سے  
میلو کا حکم خدا کی طرف سے پہنچا، غزوہ احزاب میں خندق کو دینے میں سلمان فارسی کی رائے پر عمل کیا، لیکن امور جنگ و سیاست میں بھی  
جس بات کا حکم عقل و شریعت سے نہیں، بلکہ وحی الہی یا فہم نبوی سے ہوا تھا، او میں آپ نے نہ کسی سے مشورہ لیا، اور  
نہ کسی کے مشورے کو قبول فرمایا، صلح حدیبیہ کے شرائط اور دفعات جو سرانصر صلی اللہ علیہ وسلم نے ربانی پر مبنی تھے، اور  
بدلتے پر حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ نے کیا کیا زور نہیں لگایا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ التفات نہ فرمایا، اور آخر میں  
لے تینوں و تین صحیح مسلم باب جو بامثال ما قالہ شہداء و ما ذکرہ صلعم من معاش الدنیا علی سبیل الراہ ج ۲ ص ۳۵ مصر میں ہیں،

نے بتا دیا کہ فہم نبوت سرسری سمجھتی تھی اسی طرح غزوہ احد جیسے نازک موقع پر عبد اللہ بن ابی کاتین سو آدمیوں کے ساتھ پھر جانا گوارا کیا، مگر مدینہ سے باہر جا کر صرف آراہونے سے باز نہ آئے، اور پھر مستقبل نے مصلحت الہی کے راز کو فاش کیا،

ایک ادنیٰ سا تامل عقلی حیثیت سے بھی یہ راز بتا دیکھا کہ دنیا میں ہر صاحب فن کی ایک نہیں دو عقلیں ہوتی ہیں، ایک اُس فن کے متعلق جسکی استعداد اُس کے اندر رکھی جاتی ہے، اور پھر تعلیم و تربیت، مشق اور کثرتِ عمل سے وہ اتنی بلند اور پختہ ہو جاتی ہے، کہ وہ اس فن کے بڑے بڑے عمیق اور مشکل وقائق کو ایک نظر میں معلوم کر رہے ہے، اور اُس کے لایخل عقد دن کو اشارہ دن میں حل کر دیتی ہے، لیکن اوس دائرہ کے باہر اوسکی دوسری عقل عام انسانوں ہی کی طرح معمولی ہوتی ہے، ایک شخص جو فنِ تعمیر کی مہارت اور پختہ سہ اور انجینئرنگ کی حیثیت میں غیر معمولی عقل و ذہانت رکھتا ہے، بالکل ممکن ہے، کہ کھجور کی کاشت میں اوسکی عقل معمولی انسانوں سے بھی کم درجہ ہو، ایک فلسفی جو اپنے زورِ فکر سے افلاطون و ارسطو کی غلطیاں نکالتا ہو، وہ تعمیر کے فن میں ایک معمولی مزدور سے بھی زیادہ کم عقل ہو، یہ روزمرہ کی پیش آنے والی مثالیں ہیں، اسی طرح وہ برگزیدہ انسان جو روزانہ کے اسرار، معرفتِ ربانی کے حقائق، تزکیہ نفس کے رموز، اخلاق و معاشرت کے آداب، اور حقوق و شریعت کے مسائل میں دقیقہ رس فہم، اور نکتہ دان عقل رکھتا ہو، اوسکو تعمیر و کاشتکاری کے مسائل میں محض معمولی درجہ ہو، بلکہ بالکل نہ ہو،

اسی طرح انبیاء علیہم السلام امورِ دین و شریعت میں وحی اور ملکہ نبوت سے جو کچھ فرماتے ہیں، وہ عین مصلحت عین حکمت، خطا اور غلطی سے سرتاپا مبرا اور پاک ہوتا ہے، لیکن دوسرے امور مثلاً پہننے اور سننے، کھانے پینے، رہنے سہنے، سلطنت و سیاست، نظم و نسق، صلح و جنگ، سامان و اسلحہ، موکب و سواری، صنفیت و حرمت طہرے، علاج، وغیرہ دنیاوی امور کی نسبت کمال مصلحتیں بتا کر جزئیات کی تفصیل سے انھوں نے احتراز فرمایا، اور کسی قطعی فیصلہ کا مسلمانوں کو پابند نہیں کیا، پہننے اور سننے کے متعلق، صرف تین باتیں فرمائیں، پہلی یہ کہ وہ لباس

اور طرز لباس نہ اختیار کیا جائے، جس سے ستر عورت نہ ہو، دوسری یہ کہ مرد، وہ لباس اختیار نہ کریں، جو عورتوں کے لیے زیبا ہے، نہ عورتیں وہ لباس اختیار کریں جو مردوں کے لیے مناسب ہے، تیسری بات یہ ہے کہ وہ لباس پسندیدہ نہیں، جس سے غرور و نخوت نمایاں ہو، کھانے پینے میں چند حرام چیزوں کے سوا کسی کی مانست نہیں نظم و نسق اور نظام حکومت و سلطنت میں چند کلی اصول تعلیم فرمائے، شہنشاہانہ اور جابرانہ حکومت نہ ہو، لوگوں میں مساوات ہو، اور اہم امور میں اہل حل و عقد کا باہمی مشورہ ہو، و علیٰ ہذا القیاس،

الغرض یہی وہ امور ہیں جنہیں زمانہ اور تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ تغیر و انقلاب ہوتا ہے، اس لئے اُن کو ہمیشہ کے لیے محدود کر دینا مصلحت الہی کے خلاف تھا،

ملکہ نبوت عقل نبوت | گذشتہ مباحث سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ نبی میں علم و فہم کے تین ذریعے ہیں، وحی، ملکہ نبوت  
کاشعری ثبوت | اور عام عقل بشری، ان میں سے اول آخر کے ثبوت کے لیے اب کسی استدلال کی ضرورت

نہیں کہ اول تو یہ مسلمات سے ہیں، اور دوسرے اوپر کے تشریحات میں متقبل طور سے اُن پر بحثیں ہو چکی ہیں، لیکن اب تک ہم نے دوسری چیز یعنی ملکہ نبوت کیلئے کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ کہنی ہے کہ جن علمائے اس کی حقیقت ظاہر کی ہے، انہوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے لیے الگ الگ اصطلاحیں قائم کی ہیں، مگر مفہوم و معنی کے لحاظ سے وہ دراصل ایک ہیں، سلف صالحین میں سے بعض نے اس کو اتقار فی الرفوع (دل میں ڈالنا) نبی کی حکمت قلبیہ، توفیق ازیلی، اور قوت تبیین سے تعبیر کیا ہے، امام غزالی و امام رازی، اور دوسرے متکلمین نے اس کو ملکہ نبوت سے ادا کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب اور علمائے اصول نے اس کو پیغمبرانہ قوت اجتہاد کہا ہے، اور صوفیہ کی عام پسند اصطلاح میں اس کو علم لدنی کہا جاتا ہے، مگر ان سب کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں، یعنی نبی کے اندر کی وہ پیغمبرانہ عقلی قوت، جو بشری عقل سے فوق ہے، جس کے ذریعہ سے وہ وحی کی تشریح، اسرار شریعت کا بیان، اور دقائق حکمت کی اپنی زبان سے توضیح کرتا ہے،

سہ ماہیہ تمام الفاظ امام شافعی کی کتاب لرسالہ میں مذکور ہیں۔

انبیائے کرام کے اُن ربّانی انعامات کی فہرست پڑھیے، جنکا تذکرہ قرآن نے جا بجا کیا ہے، تو وحی کی مخصوص نعمت کے بعد سرِ فہرست جو چیز نظر آئے گی وہ علم نبوت ہے جس کو کہیں ذکر (یا دواشت) کہیں حکم (حق و باطل میں تمیز کا ملکہ) کہیں حکمت (دہائی) کہیں تشریح صدر (سینہ کا کھول دینا) کہیں تقسیم (سمجھ بوجھ دینا) کہیں تعلیم (دکھا دینا) کہیں آراء (دکھا دینا سوچھا دینا) کہا گیا ہے، ان سب مختلف الفاظ کا مفہوم وحی سے نیچے اور عقل بشری سے اوپر عقل نبوی کے سوا اور کیا ہے؟ ان سے مراد وحی تو اس لیے نہیں کہ ان کا ذکر وحی سے الگ ہوتا ہے، اور عقل بشری اس لیے نہیں کہ عقل بشری خاص نبی پر کوئی انعام نہیں، کہ یہ نعمت تو ہر انسان کو کچھ نہ کچھ ملی ہے، اس بنا پر اس سے مراد عقل نبوی اور حکمت نبوی کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا،

حکمت | انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں، ان میں ایک خاص نعمت کا ذکر قرآن پاک میں بار بار آتا ہے، اور وہ حکمت ہے، آلِ ابراہیم پر اللہ تعالیٰ نے جو احسانات کئے ان کا ذکر وہ ان الفاظ میں فرماتا ہے،

۱۔ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ  
وَأَتَيْنَاهُم مَّلَكًا عَظِيمًا (نساء: ۸)

تو بے شک ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت دی،  
اور ان کو بڑی سلطنت بخشی،

حضرت لقمان کی نسبت ہے،

۲۔ وَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ (لقمان: ۲۰)

اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت دی،

حضرت داؤد کی شان میں ہے،

۳۔ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَأَتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَ  
فَضْلَ الْخِطَابِ (ص: ۲۰)

اور ہم نے داؤد کی سلطنت مضبوط کی، اور اس کو حکمت اور  
قولِ فصیل عطا کیا،

۴۔ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ  
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مَا يَشَاءُ (بقرہ: ۲۴۷)

اور داؤد نے جالوت کو مارا، اور خدا نے داؤد کو سلطنت اور  
حکمت بخشی، اور جو چاہتا ہے، اس میں سے کچھ سکھایا،

حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں:-

۵- قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهِ (زخرف-۶)

۵- میں تمہارے پاس حکمت لیکر آیا ہوں تاکہ جن باتوں میں تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتیں ان میں سے کھول دوں،

خود اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ پر اپنا احسان جتا رہا ہے، تو فرماتا ہے،

۶- وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ ۖ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ قَوْلًا لَئِنْ أَتَاكُمْ مِنْ رَسُولٍ فَلَا جُنُودَ لَكُمْ بِهِ ۚ وَآخِذُوا بِحِبْطِ النُّبُوَّةِ ۚ إِنَّا كُنَّا نَسُحُونَ بَيْنَهُمْ إِذْ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْنَا نَزْلًا مُبِينًا ۚ (آل عمران- ۴-۱۵)

۶- اور یاد کرو جب میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل کی تعلیم دی،

عام انبیاء کے متعلق ہے،

۷- وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ قَوْلًا لَئِنْ أَتَاكُمْ مِنْ رَسُولٍ فَلَا جُنُودَ لَكُمْ بِهِ ۚ وَآخِذُوا بِحِبْطِ النُّبُوَّةِ ۚ إِنَّا كُنَّا نَسُحُونَ بَيْنَهُمْ إِذْ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْنَا نَزْلًا مُبِينًا ۚ (آل عمران- ۹)

۷- اور جب اللہ نے نبیوں سے وعدہ لیا کہ جو میں تم کو کوئی کتاب اور کوئی حکمت دوں،

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی یہ دعا مانگی تھی،

۸- رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِمَّنْ يَتْلُو آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (لقمہ- ۱۵)

۸- ہمارے پروردگار! اور ان میں ایک سول بھیج، جو ان کو پیری آئین سنائے، اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے، انکو سنوارے، بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے،

اللہ تعالیٰ نے انکی یہ دعا قبول فرمائی۔

۹- كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِمَّنْ يَتْلُو آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (لقمہ- ۱۸)

۹- جس طرح اس نے تم میں ایک سول بھیجا، وہ تمکو ہماری آئین سناتا اور تمکو سنوارتا ہے، اور تمکو کتاب اور حکمت سکھاتا ہو، اور وہ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے،

اس دعا سے ابراہیمی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا احسان اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں ہم پر

جسایا ہے،



۱۰۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ ۚ كَانُوا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ يَهْتَاجُونَ ۚ  
 ۱۱۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (آل عمران - ۱۰)

۱۰۔ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا، کہ اُن میں انھیں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کو اُن کی آئین پڑھکراتا ہو اور اُن کو سنواتا ہو اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہو اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے،  
 اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی احسان انھیں الفاظ میں سورہ ہجمہ میں دہرایا ہے،  
 ۱۱۔ وہی اللہ جس نے اُن پر لوگوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں سناتا ہے اور اُن کو پاک و صاف کرتا ہے اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہو اور وہ ضلالِ مُبین (جمعاً) اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے،

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اپنا یہ احسان اُن پر ظاہر فرمایا ہے،

۱۲۔ وَكَوْنَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَظَمَتْ خَافِقَهُ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۚ وَكَانَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (نساء - ۱۲)

۱۲۔ اور اگر خدا کا فضل و کرم تجھ پر نہ ہوتا تو اُن میں سے ایک بھٹا ارادہ کر چکی تھی کہ وہ تجھے گمراہ کر دے اور وہ گمراہ نہیں کرتے لیکن اپنے آپ کو اور تجھے کچھ نقصان نہ پہنچا سکتے، خدا نے تجھے کتاب اور حکمت اتاری اور تجھ کو وہ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا اور تجھ پر خدا کا بڑا فضل تھا،  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے،  
 ۱۳۔ ذَلِكَ بِمَا أَوْحَى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (اسرائیل - ۱۷)

یہ وہ ہے جو خدا نے حکمت کی باتوں میں سے تپسوری کی ہے،

عام مسلمانوں سے ارشاد ہے،

۱۳۔ وَاذْكُرُوا أَنفُسَنَا اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُمْ  
۱۳۔ اور اللہ کا جو احسان تم پر ہے، اور اُس نے تم پر جو کتاب اُتائی

مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةَ يَعِظُكُمْ فِيهَا (نقہ- ۲۹)  
انہی ہی ہوا، انکو یاد کرو، خدا تم کو اس سے سمجھاتا ہے،

خاص طور سے ازواج، اطہرات کو خطاب ہے،

۱۵۔ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ  
۱۵۔ اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں

وَالْحِكْمَةِ (احزاب- ۴)  
سنائی جاتی ہیں، اُن کو یاد رکھو،

یہ نعمت حسب استعداد عام مسلمانوں کو بھی ملا کرتی ہے،

۱۶۔ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتِ  
۱۶۔ اور خدا جس کو چاہتا ہے حکمت بخشتا ہے، اور جس کو حکمت بخشنے لگی

الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (نقہ- ۳۰)  
اوسکو بڑی دولت (بھلائی) دی گئی،

اسی کے ذریعہ تبلیغ و دعوت کا حکم بھی ہوتا ہے،

۱۷۔ اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْعِظَةِ  
۱۷۔ اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف، تو حکمت اور چمکی نصیحت کے

الْحُسْنَىٰ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (نمل- ۱۶)  
ذریعہ سے بلا، اور اُن سے عمدہ طریقہ سے مناظرہ کر،

ایک جگہ قیامت اور عبرت کے واقعات پر حکمت کا اطلاق ہوا ہے،

۱۸۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيتَهُمْ مُّزْدَجَرًا  
۱۸۔ اور اُن کو اتنے احوال جتنے مین ڈانت ہو سکتی ہیں پہنچ چکے ہیں،

حُكْمُهُ بِالْفَتْةِ فَمَا لُفِنَ الذُّنُورُ (نمل- ۱۷)  
مؤثر حکمت، تو اُن کو ڈرسانے والے فائدہ نہیں پہنچا سکتے

اور ہر کی سطروں میں وہ تمام آیتیں لکھ دی ہیں، جنہیں حکمت کا لفظ آیا ہے، ان آیتوں میں ”حکمت کا لفظ

کہیں تنہا آیا ہے اور کہیں کتاب کے بعد کتاب کے دوسری قرآن میں آئے ہیں، ایک صحیفہ ربانی کے

متنی میں، اور یہ اکثر آیا ہے، اور دوسرے نوشتہ الہی اور علم الہی کے معنی میں، جیسے کہ کتاب اللہ سُبْحٰنَہُ

(اگر خدا کا نوشتہ، یا علم پہلے نہ ہوتا) ان سابقہ آیتوں میں کتاب سے تو بے شبہ آسمانی کتاب اور صحیفہ ربانی،

یا یون کہو کہ وحی کتابی، جیسے تورات و قرآن وغیرہ مراد ہے، لیکن ”حکمت“ کا مفہوم ان آیتوں میں کیا ہے؟

حکمت کے لغوی معنی تو "دانائی کی بات اور کام کے بین، مگر یہاں اس سے مقصود کیا ہے؟ اس تحقیق کے لیے ضرورت ہے کہ مستند اہل لغت، اور ماہرین قرآن کے اقوال نقل کر کے تبصرہ کیا جائے، سب سے قدیم لغت نویس ابن درید المتوفی ۳۲۰ھ اپنی کتاب جمہرۃ اللغۃ میں "حکمت" کے حسب ذیل معنی لکھتا ہے،

تکلی کلمۃ وعظمتک اور جبروتک اور عتک  
ہر وہ بات جو سمجھ جائے، یا سمجھنا ہی کرے، یا کسی اچھی  
الی مکرمۃ اور عتک من قبیحہ فی حکمۃ و  
کی طرف بلائے، یا کسی بری چیز سے روکے وہ حکمت اور  
حکمر (جلد ۲ ص ۱۸۶ - حیدر آباد) حکم ہے،

لغت کا امام جوہری، اپنی صحاح اللغۃ میں لکھتا ہے،  
الحکمة من العلم والحکیم العالم وصاحب  
حکمت یعنی علم اور حکیم یعنی عالم اور حکمت والا، اور حکیم کا معنی  
الحکمة والحکیم المتقن للامور (جلد ۲ ص ۲۶۱) کو خوبی سے کرنے والا،  
عربی لغت کی بسوڑا مستند کتاب لسان العرب میں ہے،  
والحکمة عبارة عن معرفة افضل الاشياء بافضل  
اور حکمت بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعہ سے جاننے  
العلوم (ج ۱ ص ۳۰۰ مصر) سے عبارت ہے،

نفاۃ قرآن کے مشہور امام رغبہ صہبانی مفردات القرآن میں کہتے ہیں،  
والحکمة اصابة الحق بالعلم والعقل، فالحکمة  
اور حکمت، علم اور عقل سے سچی اور صحیح بات کو جاننا، تو  
من اللہ تعالیٰ معرفة الاشياء وایجادھا علی  
اللہ تعالیٰ کی حکمت، چیزوں کا جاننا اور ان کو کمال خوبی  
غایۃ الاحکام و من الاشياء معروفة  
پیدا کرنا ہے، اور انسان کی حکمت موجودات کو جاننا  
الموجودات وفعل الخیرات (ص ۱۲۶ - مصر) اور اچھی باتوں کا کرنا ہے،

یہ تو عربی لغت کے اماموں کی تصریحات تھیں اب ان ہزرگون کے اقوال پر غور کرنا ہے، جو زبان عربی کے ساتھ قرآن اور شریعت کے استدلالات اور محاوروں سے بھی کمال طور سے آگاہ تھے، ابن حبان اندلسی

نے اپنی تفسیر بحر المحیط میں ان کے اکثر اقوال کو یکجا کر دیا ہے،

- ۱۔ قال مالك وابو رزين: الحكمة الفقه في الدين  
۱۔ امام مالک اور ابو رزین کا قول: حکمت، دین میں سمجھ اور اس  
والفهم الذي هو حجة ونور من الله تعالى،  
فہم کو کہتے ہیں جو ایک فطری ملکہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نورا  
۲۔ وقال مجاهد: الحكمة ففهم القرآن،  
۲۔ مجاہد کا قول: حکمت یعنی قرآن کا فہم،  
۳۔ وقال مقاتل: العلم والعمل به لا يكون الخلل  
۳۔ مقاتل کا قول: حکمت، علم اور علم کے مطابق عمل کو کہتے ہیں جس سے  
حکما حتى يجمعهما،  
توحید، مروت تک نہیں کہنا جاتا جب تک کہ علم اور عمل دونوں کا جامع نہ ہو  
۴۔ وقيل: الحكم والقضاء،  
۴۔ بعضوں کا قول: حکمت فیصلہ کرنا،  
۵۔ وقيل: ما لا يعلم الا من جهة الرسول،  
۵۔ کسی کا قول: حکمت وہ جو رسول کے سوا کسی اور ذریعہ سے معلوم نہ ہو  
۶۔ وقال ابو جعفر محمد بن يعقوب: كل صواب  
۶۔ ابو جعفر کا قول: ہر وہ صحیح بات جو صحیح عمل پیدا کرے،  
من القول ورت فعلا صحيحاً فهو حكمة،  
حکمت ہے،  
۷۔ وقيل وضع الاشياء مواضعها،  
۷۔ کسی کا قول: چیزوں کو اپنی جگہ پر رکھنا حکمت ہے،  
۸۔ وقيل: كل قول وجب فعله،  
۸۔ ایک اور کا قول: ہر وہ بات جس کا کرنا ضروری ہو،

امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

- ۱۔ قال (مالك): المعرفة بالدين والفقه في  
۱۔ مالک کا قول: دین کی معرفت اور دین میں سمجھ اور  
الدين والاتباع له،  
ادب کی پیروی،  
۲۔ قال ابن زيد: الحكمة الدين الذي لا  
۲۔ ابن زید کا قول: حکمت دین کا وہ حصہ ہے جو صرف رسول  
يعرفونه الا به صلعم. يعلمهم اياها، قال الحكمة  
سے معلوم ہوتا ہے، وہی ادب کو سکھاتا ہے، نیز انہیں کا  
العقل في الدين وقدره "ومن يؤت الحكمة  
قول ہے کہ حکمت، دینی عقل کا نام ہے اور اس پر آیت پڑھی

لہ زیر آیت والفت فیہم رسول لا یفہم الا بمرحہ ص ۳۹۲، مابوہ سعادت مصر

فَقَدْ أَوْفَى خَيْرًا كَثِيرًا" وقال عيسى "وَلْيَعْلَمُوا  
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاللَّهُ مَرَاتُهَا وَالْجَنَّةُ وَقَرَّةُ ابْنِ  
 زَيْدٍ" وَأَتْلُ عَلَيْهِمْ بِنَا الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا  
 وَنَهَايْنَا قَالَ لَمْ يَنْتَفِعْ بِالْآيَاتِ حِينَ لَمْ تَكُنْ مَعَهُ حِكْمَةٌ  
 قَالَ وَالْحِكْمَةُ شَيْءٌ يَجْعَلُهُ اللَّهُ فِي قَلْبِ مَنْ يَشَاءُ لَمْ يَبْدَعْ

۳۔ من قنادة: والحكمة اى السنة ۳۔ قناده: حکمت بنی سبت نبوی،

آخرین امام طبری اپنا فیصلہ سناتے ہیں،

۴۔ قال ابن جریر الطبری: والصواب من القول  
 عندنا فی الحکمة انها العلم بالحکام اللہ الی لا  
 ۴۔ ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حکمت اُن احکام الہی کے  
 علم کا نام ہے جو صرف رسول کے بیان (تشریح) سے معلوم  
 ہوتے ہیں اور اُن کی اور جواوُن کی مثالیں اور نظیریں  
 ہیں اُن کی معرفت کو کہتے ہیں، اور "حکمت" کا نظام  
 رہو عندی ماخرة من الحکمة الذی بمعنی  
 الفصل بین الحق والباطل،  
 نزدیک "حکم" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی حق و باطل  
 میں تیز کرنے کے ہیں،

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کتاب الرسالہ میں قناده کے مسلک کو پسند کیا ہے، لکھتے ہیں

۵۔ وسمعت من ارضی من اهل العلم بالقرآن  
 يقول: الحکمة سنة رسول الله صلعم (ص ۲۸)  
 ۵۔ میں نے قرآن کے اہل علم سے جب کو پسند کرتا ہوں یہ  
 سنا کہ حکمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نام ہے،

امام شافعی اسی کتاب میں آگے چل کر بعضوں کا قول نقل کرتے ہیں،

وسنة الحکمة التي التي في روي عنه عن الله  
 ۲۸۔ عن رجل  
 اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے دل میں خدا  
 کی طرف سے ڈالی گئی،

ائمہ لغت اور علمائے قرآن کے ان تمام اقوال پر ایک غائر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ یہ کل کے کل ایک ہی  
مفہوم کی مختلف تعبیریں اور ایک ہی حقیقت کی متعدد تفسیریں ہیں، حکمت عقل و فہم کی اُس کامل ترین حقیقت کا  
نام ہے، جس سے صحیح و غلط، صواب و خطا، حق و باطل اور خیر و شر کے درمیان تمیز و فیصلہ، بذریعہ غور و فکر، دلیل  
برہان اور تجربہ و استقراء کے نہیں، بلکہ منکشفانہ طور سے ہو جاتا ہے اور اُسی کے مطابق اُس صاحب حکمت کا عمل  
بھی ہوتا ہے،

ہر فن کے واقفکار و وقف کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو کسی فن کو باقاعدہ حاصل کرتے، اوس کی مشق کرتے  
اور اس میں مارت اور کمال ہم پہنچاتے ہیں، دوسرے وہ جو اُس فن کی فطری استعداد اور قابلیت رکھتے ہیں  
اور تجربہ و دلیل کے بغیر خود اپنی فطری صلاحیت، صحیح و جہان اور سلیم ذوق سے اوس فن کی کسی شے کو دیکھنے  
کے ساتھ اُس کے متعلق سچی تلی رائے دیتے ہیں، اور حرف حرف صحیح دیتے ہیں، اسی کا نام آپ صحت و جہان اور  
سلامت ذوق رکھتے ہیں، شاعری، انشا پر داری، اور دوسرے فنون لطیفہ میں اوسکی مثالیں بکثرت دیکھی اور  
سنی جاتی ہیں، اسی طرح بعض لوگوں میں اشیاء کے حق و باطل اور افعال کے خیر و شر کی تمیز کا صحیح و جہان،  
اور صحیح ذوق ہوتا ہے، اُس کے دقیق سے دقیق مسئلہ کے متعلق اپنے ربانی ذوق و جہان سے صحیح رائے دیتے  
ہیں، جو دوسرے لوگ وسیع مطالعہ اور غور و فکر کے بعد بھی نہیں دیکھتے یہی وہ معرفت اور نور الہی ہے جو جہد  
اور سعی و محنت سے نہیں، بلکہ عطا و بخشش سے حاصل ہوتی ہے، اور اسی کا نام حکمت ہے،

دوسری ربانی استعداد و فن اور فطری بخشش کی طرح حکمت کا عطیہ بھی سب کو یکساں نہیں ملتا، بلکہ  
حسب استعداد معمولی حکمت سے لیکر اعلیٰ ترین اور کمال ترین حکمت تک عطا ہوتی ہے، اس کے مختلف درجے  
اور مراتب عام انسانوں کو مل سکتے ہیں، اور ملتے ہیں، لیکن اسکا اعلیٰ ترین اور کامل ترین درجہ اور مرتبہ صرف انبیاء  
علیہم السلام کو ملتا ہے،

مگر یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح اس ربانی عطیہ، آسمانی فہم، دینی عقل اور نورانی قوت پر حکمت کا

اطلاق ہوتا ہے، اُسی طرح اس قوتِ حکمت کے آثار و نتائج اور اُس کی تعلیمات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ دوسری آیت جس میں حضرت لقمان کو حکمت دیے جانے کا بیان ہے، اُس کے بعد اس حکمتِ لقمانی کی حسبِ ذیل تعلیمات کا ذکر ہے، اللہ کا شکر ادا کرنا، شرک کی ممانعت، والدین کی خدمت، انہوں کی پیروی، خدا کا ہمہ گیر علم، نماز کا حکم، صبر، فقر و غرور کی ممانعت، تینا نہ روی، آہستہ بولنا، اسی طرح تیسری آیت میں حکمتِ محمدی کی حسبِ ذیل تعلیمات کی تفصیل ہے، شرک کی ممانعت، والدین کے ساتھ احسان، قربتِ دارون اور بیگنون سے نیک سلوک، اسراف کی برائی، نرمی کی بات کرنا، تینا نہ روی، اولاد کے قتل کی مذمت، کسی کی جان نہ لینا، مقتول کا بدلہ لینا، یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ، عہد پورا کرنا، ناپ تول ٹھیک کھنا، بے جانی چیز کی پیروی نہ کرنا، فقر و غرور کی مذمت، ان تمام باتوں کو بیان فرما کر اللہ کرتا ہے،

ذٰلِكَ جَاءَ اَوْحٰی اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (اسرا ۵۴) یہی حکمت کی وہ بعض باتیں جو خدا نے تجھ پر وحی کی ہیں،

حکمت کی ان بعض باتوں کی تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکمت کے مظاہر و نتائج کس قسم کی باتیں ہوتی ہیں، یہ عموماً وہی باتیں ہوتی ہیں جنکی عالمگیر صداقت اور سچائی کو خود فطرتِ انسانی اور حسِ اخلاقی تسلیم کرتی ہو اور یہی سبب ہے کہ تیسری اور چوتھی آیت میں حکمت کا اطلاق زہور پر اور پانچویں اور چھٹی آیت میں اکچل پچل ہوا ہے کہ ان میں اسی قسم کی دلائل و دلیلوں اور عالمگیر صداقتوں کی تعلیم ہے اور خود قرآن پاک نے بھی اپنی ”حکمت والا قرآن“ ظاہر کی ہے، تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (لقمان ۲۶) وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (تیسین) وَالَّذِي كَرَّمَ (ال عمران) ان آیتوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ”حکمت“ کی بعض اہم تعلیموں اور باتوں کو وحیِ الہی خود اپنے اندر بھی شامل کر کے ان کو آبِ مَظہر بنا دیتی ہے، یہ چیز انبیاء کو کتاب کی وحیِ الہی کیساتھ عام طور سے ملتی ہے، فرمایا،

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِنَ النَّبِيِّنَ لِمَآ اَنْتُمْ كَاٰتِبُوْنَ اور یاد کرو جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ اللہ جو میں

کُتِبَ رُوْحُکُمْ تِیْرَ (ال عمران ۹) تم کو کتاب اور حکمت دونوں،

بہر حال یہ حکمت کی قوتِ انبیاء علیہم السلام کو بدرجہ اتم حاصل تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کی ہر بات و نائی

اور ان کا ہر کام دانشمندی پر مبنی تھا، اور یہ قوت ان کو حاصل تھی تو اس قوت کے آثار و نتائج بھی "اقوال و افعال" کی صورت میں ظاہر ہوئے، اور ان نبوی حکیمانہ آثار و نتائج کا اقرار و اعتراف اور ان پر عمل بھی نبوت کی تصدیق کے اندر داخل ہوا، پس رہوین آیت میں ہے،

وَلَا تُكْرِنُ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَحُكْمِهِ (اور اسے محمد رسول اللہ کی بیویوں!) تمہارے گھر میں خدا کی

جو آیتیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں، اونکو یاد رکھو، (احزاب-۲۱)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو آیاتِ الہی کے علاوہ کس حکمت کے یاد رکھنے کا حکم دیا گیا، ظاہر ہے کہ وہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و دانائی کی باتوں کو یاد رکھنے کا حکم ہے، اب اگر وہ باتیں امورِ دین سے متعلق نہ ہوتیں، تو ان کے لیے ان کا یاد رکھنا کیوں ضروری قرار دیا جاتا، اسی طرح اٹھویں، نویں، دسویں، اور گیارہویں آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں ہے،

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، (جمہ-۱) وہ مسلمانوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کے بعد کس حکمت کی تعلیم دیتے تھے؟ ظاہر ہے کہ خود اپنی حکمت کی، تو جس حکمت کی تعلیم دیتے تھے، وہ خود ان کے اندر بھی تھی، کہ جو چیز ان کے پاس نہیں، وہ دوسروں کو کیا بخشے، تو جب یہ قوت آپ کے پاس تھی، تو اس کے آثار و نتائج بھی اقوال و افعال کی صورت میں ہون گے، جنکی وہ تعلیم فرماتے تھے، اور اپنے ان امورِ حکمت کی تعلیم سے آپ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا ہے، کہ مسلمان ان پر عمل کریں، پانچویں آیت میں ہے، کہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں،

قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي

تَخْتَلِفُونَ فِيهِ (ذخرف-۶۰) تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتیں ان میں سے کھول دوں،

۱۔ لفظ نبی سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ وہ کتاب کے لیے خاص ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کا کوئی صفحہ پڑھ کر نہیں سناتے تھے، بلکہ الفاظِ الہی کو زبانی ادا فرماتے تھے، ۲۔ قرآن پاک میں حرفِ عِلّت سے قبل واو آیا کرتا ہے، جیسے وَلَيَأْتِيَنَّ مِنَ الْمُتَّقِينَ یہ حرفِ عطف نہیں،



اس سے معلوم ہوا کہ حکمت کا ایک فرضیہ تسبیح بھی ہے، یعنی کسی محل، دو معین اور مختلف فیہ مسئلہ کی تشریح و تفصیل جس سے وہ اجمال اور اختلاف جاتا رہے، اور اصل مقصود کی تشریح ہو جائے، چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے تورات کے بعض احکام کی جنہیں یہود مختلف الزائے تھے، تفصیل فرمائی، اور انکی غلطی دور کی، بارہویں آیت میں ہے،

وَلَوْ كُنَّا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ  
ظَآئِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ  
إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ وَنَزَّلْنَا  
عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ  
تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (نساء)

اور اگر خدا کا فضل و کرم تجھ پر نہ ہوتا تو اون میں سے ایک گروہ نے  
چاہا تھا کہ تجھ کو گمراہ کرے، اور وہ گمراہ نہیں کرتے لیکن اپنے آپ کو  
اور تجھے ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچائیں گے، اللہ نے تجھے  
کتاب و حکمت اتاری اور تجھ کو سکھایا جو نہیں جانتا تھا اور  
اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے،

ان آیتوں میں بیان ہے، کہ منافقین کا ایک گروہ آپ کو غلط رائے دیکر بہکانا چاہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ ان کی یہ چال کار گرنہ ہوئی، اور وہ تجھ کو بہکانہ سکے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ کا تجھ پر فضل و کرم ہے اور وہ فضل و کرم یہ ہے کہ اُس نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری، اور تجھے وہ علم بخشا، جو پہلے نہ تھا، اس سے ظاہر ہوا، کہ گمراہی سے آپ کی یہ حفاظت، خطا سے یہ عصمت، اور علم کی پیشکش آپ کو کتاب اور حکمت کے ملنے کے سبب حاصل ہوئی ہے، الغرض اس حفاظت و عصمت کے حصول میں کتاب الہی کیساتھ حکمت ربانی کے انعام کو بھی دخل کا ملحق ہے یہ تو وہ نبوی حکمت ہے جس کا سرختم صرف سینہ نبوت ہے، لیکن یہ فیض حسب استعداد ان کے اتباع میں دوسروں کو بھی ملتا ہے، جس کا یہ اثر ہوتا ہے، کہ وہ سچی اور صحیح بات کو بہت آسانی سے سمجھ لیتے، قبول کر لیتے، اور اس پر عمل کرتے ہیں،

تبلیغ اسلام کے تین ذریعہ، حکمت، برعظمت، اور خوش خلقی کے مناظرہ میں سب سے اول اوی کو  
جگہ دینی،

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ  
تو اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کیساتھ دعوت دے

الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (مغل-۱۶)  
اور اُن سے مناظرہ بطریق احسن کر،

سچی بات اور صاف بات دل تک پہنچ جاتی، اور بہت جلد اپنا اثر دکھاتی ہے، فرمایا،

حِكْمَةً بِالْعَفَّةِ (قصر-۱)  
دل تک پہنچ جانے والی حکمت،

یہ حکمت ہر نیکی کی جڑ اور بھلائی کی اصل ہے، پھر اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کیا دولت ہو سکتی ہے، اسی لیے

ارشاد ہوا،

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا  
جس کو حکمت دی گئی اوس کو بڑی نیکی (دولت)

دی گئی، (بقدر-۳۷)

اس سلسلہ میں دو مشہور و مستند محدثوں کا حوالہ بھی مناسب ہے، جس سے حکمت کی حقیقت واضح

ہوگی، اور کم از کم قرن اول میں اس لفظ کا مفہوم ظاہر ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کے ایک خطیب کا بیان

سن کر فرمایا،

إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ لِحِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسُحْرًا  
بعض شعر حکمت ہیں اور بعض تقریریں جادو ہوتی ہیں

اس حدیث میں بعض اشعار کو حکمت اور بعض تقریر و بیان کو جادو کہا گیا ہے، اس تقابل سے ظاہر ہے

کہ اس عربی حکمت کا مفہوم اردو حکمت کے مفہوم سے بلند تر ہے، یعنی سحر و جادو کے مافوق انسانی تصور کی طرح

حکمت کے عربی مفہوم میں کوئی مافوق بشری تخیل ضرور ہے، اسی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ عربی میں "حکمت" کے

معنی عقل و فہم وغیرہ مراد الفاظ سے کوئی بلند اور غیر معمولی حقیقت ہے اور وہ میں اس حقیقت کو "حکمت"

کے ساتھ لفظ الہامی "بڑھا کر ادا کیا جاسکتا ہے" یعنی "الہامی حکمت"

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، رشک و حسد اگر

جائز ہے تو صرف دو شخصوں پر ایک اُس پر جس کو مال کی دولت ملی، تو وہ اُسکو صحیح مصرف میں لٹاتا ہے،

دوسرے رَجُلٌ آتَاہُ اللہُ الْحِکْمَۃَ فَهُوَ یَقْضِیْ بِہَا وَیُعَلِّمُہَا (صحیح بخاری، کتاب علم) "اُس شخص پر جس کو حکمت ملی ہے، تو وہ اس کے ذریعہ سے فیصلہ کرتا ہے، اور دوسروں کو سکھاتا ہے، اور اس میں تعلیم ہونے کی شان پیدا ہوتی ہے، یہ عام انسانوں کا درجہ ہے، تو انبیاء علیہم السلام کو یہ دولت کس بہتات سے ملی ہوگی اور وہ یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں بھی آئی، اب اس حصولِ دولت یعنی عطاۃِ حکمت کا نتیجہ بھی آپ کے ظاہر ہونا چاہیے اور وہ فیصلہ اور تعلیم ہے، آپ کے یہ لہانہ فیصلے اور حکیمانہ تعلیمات تمام تروجی ربانی کی علی اور ربانی شرح اور بیان ہے، کتابِ حکمت کی تعلیم | اوپر کی چار آیتوں ۸-۹-۱۰-۱۱ میں خفیف سے تغیر کے ساتھ حسبِ فیل آیت ہے،

یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْہُمْ وَیُعَلِّمُہُمْ الْحُکْمَۃَ (وہ رسول) اُن رَانَ طُرُھُ (کو خدا کی آیتیں سناتا اور دِلِکُمُتَہُ (جمعہ - ۱) اُن کو سنواتا اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے،

ان آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین کاموں کا ذکر ہے،

۱- خدا کی آیتوں کو پڑھنا، اور دوسروں کو سنانا،

۲- اُن کو شرک اور بد اخلاقی کی نجاستوں سے پاک و صاف کرنا اور سنوارنا،

۳- اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینا،

سوال یہ ہے کہ پہلی اور تیسری آیتیں ایک ہی معنی رکھتی ہیں، یا دو، اگر ایک معنی رکھتی ہیں، تو اس بیسود استعارہ کا فائدہ کیا ہوگا کیونکہ نہ دوسری جگہ بھی یَتْلُوْا یعنی تلاوت ہی کا لفظ رکھ دیا گیا، اور اگر دو الگ الگ معنی رکھتی ہیں، جیسا کہ ہر صاحبِ نظر سمجھ سکتا ہے، تو ان دونوں معنوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہوگا، اگر رسول کا فرض محض دینی کی زبان سے نئی ہوئی آیتوں کو پڑھ کر دوسروں کو سنانا ہے، اور اسی پر اس کی تبلیغ کا فریضہ ختم ہو جاتا، تو اس کا تیسرا فرض الفاظ کی تلاوت سے آگے بڑھ کر کتاب اور حکمت کے سبق کی تعلیم کو نہ کر دیا جاسکتا، بالکل ظاہر ہے کہ تعلیم کا مہنوم تلاوت سے بہت کچھ زیادہ ہے، خصوصاً جبکہ لفظ تعلیم تلاوت کے بعد آتا ہے، دینی کے الفاظ کو سنانے سے تلاوت کا فرض ادا ہو جاتا ہے، مگر تعلیم کا فرض ہنوز باقی رہ جاتا ہے، کتاب کی تعلیم

کے معنی تلاوت کی طرح کتاب کے الفاظ کا سنا دینا اور پڑھا دینا اور دوسروں کو یاد کر دینا نہیں، بلکہ الفاظ قرآنی کی تلاوت کے بعد جو آپ کا پہلا کام تھا، اُس کے مشکل مطالب کو حل کرنے بھل معانی کو سمجھانے اور اپنی زبان اور عمل سے انکی شرح و تفصیل کر دینے کا نام "کتاب و حکمت کی تعلیم" ہے، اور یہ آپ کا دوسرا تفسیر فریضہ تھا، اور یہی وہ تعلیم تھی جسکا ان آیتوں میں بار بار ذکر ہے، اب جب ان مطالب و معانی کی شرح و تفسیر بھی آپ کے فرائض نبوت میں داخل تھی، تو اس پیغمبرؐ نہ شرح و تفصیل کی حیثیت بھی دینی ہوگی، اور اس کی تفصیل بھی امت کے لیے ضروری ہوگی، آپ کی اسی زبانی و علمی شرح و تفصیل کو صحابہ اور تابعین نے اپنی روایت و عمل سے محفوظ رکھا، اور وہ احادیث و سنن کے نام سے موسوم ہے،

اس تفصیل کے بعد حکمت کے اوتن معنوں پر ایک نظر دوبارہ ڈال لیجئے، جو انہ لغت اور علمائے قرآن نے بیان کیے ہیں، تو آپ کو یقین آجائے گا کہ وہ کل ایک ہی حقیقت کی مختلف تفسیریں، اور ایک ہی معنی کی متعدد تفسیریں ہیں، انحضرتِ مسلم کے اقوال و افعال جنکے اصطلاحی نام احادیث و سنن ہیں، کتاب الہی کی علمی و زبانی تشریح ہیں، کتاب الہی وحی زبانی کا نتیجہ ہے، اور احادیث و سنن، سینہ نبوی کی ملانہ حکمت کا اس مقام پر اہم شے بھی لی تحقیق پیش نظر ہے،

وَسَمِعْتُ الْحَكَمَةَ الَّتِي اتَى فِي رِوَايَةٍ عَنْ اللَّهِ  
عَنْ وَجَلٍ (كتاب الرسالة ص ۲۸ مصر)  
اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے قلب میں خدا  
لی طرف سے ڈالی گئی،

اور اسی مفہوم کو چاہا ہر اس طرح ادا کرتے ہیں، کہ الحکمۃ فہم القرآن، حکمت فہم قرآن کا نام ہے دوسری عبارت میں یوں کہو کہ قرآن کے معانی و مطالب کی تشریح حکمت ہے، اور اس تشریح کا نام جو رسول کی دست و زبان سے ادا ہوئی، سنت ہے، اور اس معنی کو امام مالک اور ابو ذرین اور ابن زید وغیرہ دوسری صدی کے علمائے قرآن ان عبارتوں میں ادا کرتے ہیں کہ "حکمت، معرفت دین، فقہ دین اور اس دینی علم کو کہتے ہیں جس کو رسول نے بیان کیا، اور حکمت اُس نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کسی قلب میں پیدا کر کے

اُس کو منور کر دیتا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اصل حکمت نبوی وہ نور نبوت اور الہامی معرفت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے قلب و سینہ میں ودیعت رکھا تھا، اور چونکہ آپ کے سنن و اقوال اپنی اسی ودیعت شدہ حکمت نبوی کی پیداوار اور آثار و نتائج ہیں، اس لیے اُن پر بھی حکمت کا اطلاق جائز ہے، اس تفصیل کے بعد ظاہر ہو گا کہ بعض اماموں اور عالموں نے حکمت کی تشریح میں اصل معنی کی طرف توجہ کی ہے، اور بعض نے ثانوی معنی کو بیان کیا ہے، اور دونوں ہی پر ہیں،

علم | علم کے لغوی معنی جاننے کے ہیں، مگر ہر فن کے تعلق سے جاننے کی نوعیت اور معلومات کی حیثیت مختلف ہوگی، انبیاء کے تعلق سے اس کا جب استعمال ہوگا، تو اس سے طبعاً امر اور خدا کی توحید، ذات و صفات، دین و نبوت کے احکام اور اخلاقی تعلیمات ہوگی، حضرت ابراہیم توحید پر استدلال کر کے اپنے باپ سے فرماتے ہیں،  
يَا بَتِّ اِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ  
اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو  
(مریمہ - ۳) تیرے پاس نہیں آیا،

حضرت خضر کے متعلق ہے،

وَعَلَّمْنَاهُ صَبْرًا لِّدُنَا عَلَّمْنَا رُكْعًا (۹) اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا،

خدا کے پاس سے تو ہر چیز ہے، پھر ”اپنے پاس سے علم سکھانے“ کا مفہوم کیا ہے، ہر وہ شے جو انسان کی ذاتی محنت، کوشش، جدوجہد وغیرہ معمولی ذرائع کے بغیر حاصل ہوتی ہے، وہ منجانب اللہ کی جاتی ہے، اسی طرح خدا کے پاس سے علم عطا ہونے کے معنی اُس علم کے ہیں، جو انسان کے طبعی ذرائع علم و استدلال اور تلاش و تحقیق کے بغیر خود بخود عطا ہو، وہی علم خدا داد ہے، اور اسی لیے صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو علم لدنی (پاس والا علم) کہتے ہیں،

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی نسبت ہے،

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا (نمل-۲) اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا،

حضرت یوسفؑ کے آغاز نبوت کے موقع پر ہے،

وَكُنْ لَكَ يَحْيَىٰ نَبِيًّا سُبْحًا وَبُقَاتًا ۚ وَتُعَلِّمُكَ مِنْ تَحْتِ الْوُحُوشِ  
اور اسی طرح تیرا پروگیا رچھکو نواز گیا، اور تجھ کو باتوں کی حقیقت

اَلْاَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ (یوسف-۱) (تاویل) سکھائیگا، اور تجھ پر انعام پورا کرے گا،

ان آیتوں میں اُس علم کا ذکر نہیں ہے جس کا منشأ وحی موقت ہے، کیونکہ ان میں سیاق کلام سے علم کے یکبارگی دیئے جانے کا ذکر ہے، جو وحی موقت کی شان نہیں، خصوصاً آخری آیت میں تاویل احادیث کا علم بیک دفعہ دیئے جانے کا تذکرہ ہے، اسی لیے حضرت یوسفؑ ایک خواب کی تفسیر بیان کر کے دوسرے موقع پر کہتے ہیں،

ذٰلِكَ اَمْرًا عَلَيْنَاۤ اَنْ نَّجِيَّ (یوسف-۵) یہ وہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھایا ہے،

یہ بیان نہیں ہے، کہ خواب کی تفسیر کے وقت اُن پر وحی اگر حقیقت سے اُن کو مطلع کرتی تھی، بلکہ خود اُن کے اندر یہ علمی قوت ہمیشہ کے لیے ودیعت کر دی گئی تھی، اسی قسم کا وہ علم ہے جس کی نسبت سے بعض انبیاء کو یحییٰ بن مریم علیہ السلام (جاسننے واسنے) کا خطاب ملا،

وَبَشِّرْهُ بِالْعِلْمِ عَلِيمٍ (ذاریت-۲) اور فرشتوں نے اس کو ایک بڑے صاحبِ علم فرزند کی خوشخبری دی

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِالْعِلْمِ عَلِيمٍ (تہ-۲) ہم تجھے ایک بڑے صاحبِ علم فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں،

یہاں لفظ عَلِيمٌ اختیار کیا گیا ہے، عالم نہیں، جو لفظ عالم سے علم پر زیادہ دلالت کرتا ہے، ان آیتوں سے ظاہر ہوا کہ وحی موقت جو گاہ گاہ آتی ہے، اس کے علاوہ علم کا ایک دائمی عطیہ بھی نبی کی شان ہے،

علم و حکم بہت سے انبیاء کے متعلق علم کے ساتھ حکم کا عطا ہونا بھی بیان ہوا ہے، حکم کے معنی لغت میں فیہد اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے ہیں، جس کا ترجمہ اردو میں سمجھ اور بوجھ کے نتیجہ یعنی فیصلہ کے کر سکتے ہیں، اہم و اہم اور اہم و اہم فی مفر دانت القرآن میں لکھتے ہیں،

والحکم بالشیء ان تقضی بالشیء بانہ کذا  
 کسی نے پر حکم کرنا یہ فیصلہ کرنا ہے، کریشی ایسی ہے، یا ای نہیں  
 اولیس کذا سواء التزم ذلک غیرہ اولہ  
 ہے، امام اس سے کہ اس فیصلہ کا تم دوسرے کو پابند کر سکو  
 تلمذہ (۱۲۶- مصر)  
 یاد کر سکو،

عربی لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے،

الحکم العلم والفقه والقضاء بالعدل (۱۵-۱۶)  
 حکم کے معنی علم، سمجھ، اور منصفانہ فیصلہ کرنا،

ان انبیاء علیہم السلام کو جنکو کسی کتاب کا ملنا ثابت نہیں اس علم اور حکم کا عطا ہونا ثابت ہے، اس سے یہ  
 معلوم ہوا کہ وحی کتاب کے علاوہ کسی اور عطیہ علم و حکم کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضرت یوسفؑ کی شان میں  
 وَلَمَّا بَلَغَ أَتَيْنَهُ نَاثِقِينَ حُكْمًا وَعِلْمًا،  
 اور جب یوسف جوانی کی قوت کو پہنچا، تو ہم نے اُس کو حکم  
 (یوسف- ۳)  
 اور علم دیا،

حضرت لوطؑ کے متعلق ہے،

وَلَمَّا أَتَيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا (انبیاء- ۵)  
 اور لوط کو ہم نے حکم اور علم دیا،

حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کے ذکر میں ہے،

فَقَضَيْنَاهُ إِلَيْكُمْ حُكْمًا وَكَلَّمْنَا تِلْكَ الْأَنْبِيَاءَ حُكْمًا وَعِلْمًا  
 تو ہم نے سلیمان کو وہ فیصلہ سمجھا دیا، اور ہر ایک کو اپنے حکم  
 اور علم دیا تھا، (انبیاء- ۶)

حضرت یحییٰؑ کی نسبت ہے،

يُحْيِي سَمْعًا الْكِتَابَ بَقِيَّةً وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ  
 اسے یحییٰ کتاب (توراة) کو مضبوطی سے پکڑا اور ہم نے اس کو  
 صَبِيًّا، (مریم- ۱)  
 حکم پہنچا دیا،

ایک جگہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنی تعینات ان الفاظ میں شمار کرتا ہے،

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ  
 اور بلاشبک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم، اور

وَالنَّبُوءَةُ (جائیدہ - ۲)

نبوت دی،

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اور حکم اور نبوت تین چیزیں ہیں، یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ان آیتوں میں حکم سے مراد دنیاوی حکومت اور سلطنت ہے، کہ اس معنی میں یہ لفظ خالص اور قدیم عربی میں نہیں آیا، یہ اہل عجم کا نیا ورہ ہے، قرآن نے ہر جگہ اسکو فیصلہ اور قوت فیصلہ کے معنی میں استعمال کیا ہے، جیسے

فَاَحْكُم بَيْنَنَا بِلِحْيَتِكَ (ص - ۱) ہمارے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کر،

فَاَحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (ص - ۲) تو لوگوں کے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کر،

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاَحْكُم بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (مائدا - ۶) اور اگر تو ان کے درمیان فیصلہ کرے تو انھماں کیساتھ فیصلہ کر،

حضرت داؤد اور سلیمان ایک مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہیں،

وَذَاذُرِّيَّتِهِمْ لِي إِذْ يَحْكُمُونَ فِي الْأُمَمِ، اور داؤد اور سلیمان کو جب وہ دونوں حکیت کا

(انبیاء - ۶) فیصلہ کر رہے تھے،

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَنَحْكُمُهُ إِلَى اللَّهِ ط اور جس کسی چیز میں تم نے اختلاف کیا، تو اس کا فیصلہ

(شعرا - ۲) اللہ کی طرف ہے،

سب بڑھکر یہ کہ یہی تین باتیں سورہ انعام میں بہت سے پیغمبروں کے نام گنا کر الگ الگ دہرائی گئی ہیں،

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ یہ وہ لوگ تھے جنکو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت

وَالنَّبُوءَةَ (انعام - ۱۰) بخشی،

جن پیغمبروں کے نام اوپر گناے گئے ہیں، اور جنکی طرف وہ لوگ لکھوا اشارہ کیا گیا ہے، یہ ہیں،

ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، ایسا

اسماعیل، الیسع، یونس، لوط، عیسیٰ السلام، ان انھارہ ناموں میں "حکم" بمعنی حکومت و سلطنت (اگر ہو) تو اس



کے متقی صرت دو ہیں، سلیمان اور داؤد، اور چاہے کسی طرح کسی تاویل سے یوسف اور موسیٰ کو بھی شامل کر لیں جو باقی چودہ نام ان پیغمبروں کے ہیں، جنکو اس کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا، اس لیے لامحالہ حکم کا لفظ قرآن میں بت کے اصلی اور صحیح و صریح معنی میں مستعمل ہے اور اس لفظ سے خدا کا جو مقصود ہے، وہ کتاب کے ساتھ ساتھ ان پیغمبروں کو براہ حقیقت میں ملا تھا، غلط فہمی کا پورا پردہ چاک کرنے کے لیے ایک اور آیت کریمہ پر نظر ڈالیے،

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَ  
الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا  
عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا  
رَبَّانِيْنَ بِمَا كَانُوا يَعْلَمُونَ اَلْكِتَابُ وَ  
بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ (ال عمران - ۸۰)

کسی بشر کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اللہ اس کو کتاب، حکم اور نبوت دے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بند سے بنو، بلکہ جو تم کو کتاب (تورہ) سکھاتے تھے، اور جو تم پڑھتے تھے اُس کے ذریعہ سے تم خدا

ان آیتوں میں مخاطب اہل کتاب ہیں، اور جس مقدس بشر کا ان میں ذکر ہے، بظاہر اُس سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں، وہ نہ ہوں تو خود محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم ہیں اور یہ اُس وقت کی بات ہے، جب یہود کی پوری قوت مدینہ کے اطراف اور حجاز میں موجود تھی، اور اسلام ہنوز ان کے مقابلہ میں کمزور نہ تھا، ایسی صورت میں جس حکم کے ملنے کا ذکر ان آیتوں میں ہے، وہ کتاب اور نبوت ہی کی جنس کی کوئی خیر ہو سکتی ہے، کہ حضرت عیسیٰ کو تو حکومت و سلطنت کا ادنیٰ شائبہ بھی عطا نہیں ہوا تھا، اور آنحضرت صلی علیہ وسلم کو اُس وقت تک جنگ بنی اسرائیل اپنی ممتاز قوت کیساتھ مدینہ اور حجاز میں موجود تھے، یہ رتبہ نہیں ملا تھا، آیت ان الْحُكْمُ اَللّٰهِ میں بھی حکم سے مراد ہی فیصلہ اور قضائے ربانی ہے، حکومت و سلطنت نہیں، تسکین کے لیے اس آیت کے آگے پیچھے کے الفاظ پر نظر ڈالو،

قُلْ اِنِّيْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ  
مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۗ اِنِ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

اُمید ہے (ای پیغمبر!) کہ میں اپنے پروردگار کی کھلی دلیل پر ہوں اور تم اُسکو جھٹلاتے ہو، میرے پاس وہ نہیں جسکی تم جلد

لِلّٰهِ يَنْقُصُ الْحَقُّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ، کرتے ہو، فیصلہ کسی کا نہیں لیکن اللہ کا وہ حق بیان کرتا

(الغافر - ۷)

ہے، اور سب فیصلہ کرنے والوں سے وہ بہتر ہے،

ان وجوہ سے اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ انبیاء علیہم السلام کو منصب نبوت اور وحی کتاب کیسے حکم کی سند بھی ملتی ہے، جس کے صاف و صریح معنی کلام عرب، اور لغت، اور قرآن کے قرینوں سے علم، فہم، فیصلہ، اور حق و باطل میں تمیز ہے، اور اس لیے رسول کی اس قوت و طاقت کے نتائج بھی ہمارے لیے واجب العمل ہیں،

شرح صدر ربانی علم و معرفت کا ایک اور مقام شرح صدر ہے، شرح صدر کے معنی "سینہ کھولنے کے ہیں" عام خیال یہ ہے کہ سینہ کی تنگی اور ضیق، جہل و نادانی کی علامت، اور سینہ کی کشادگی اور فراخی، علم کی وسعت اور معرفت کی فراوانی پر دلالت کرتی ہے، اسی لیے شرح صدر کے اصطلاحی اور مجازی معنی علم کی کثرت اور آگاہی کی وسعت کے ہیں، اور خاص طور سے اُس علم و معرفت اور اطلاع و آگاہی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جو کسی دقیق اور مشکل مسئلہ کے متعلق دفعہ اور یک بیک قلب میں وارد ہو جاتی ہے، اور اس حل سے اس کی تسکین ہو جاتی ہے، اور اس کے شکوک و شبہات دور ہو کر اُس کو یقین کی راحت و مسرت حاصل ہو جاتی ہے،

جمہور ابن درید میں ہے،

والشرح من قولهم شرح لك الامن - شرح، اہل عرب کے اس محاورہ سے جو کہ "میں نے تیرے لیے بات

..... ای اوضحتہ و کشفتمہ، و شرح اللہ صد

فانشرح اذا تسع لقلول الحنیر (۱۲۴-۲) سینہ کو کھول دیا، تو وہ کھل گیا، یعنی جب کسی کے قبول کرنے کیلئے

صحاح جوہری میں ہے،

الشرح الکشف لقول شرح الغامض شرح یعنی کشف و کھولنا، تم کہتے ہو میں نے اس پوشیدہ

اذا فسرته، مسئلہ کی شرح کر دی، یعنی اس کی تفسیر کر دی،

سان العرب میں ہے،

الشرح الکشف يقال شرح فلان امرا اى شرح یعنی کشف، کہا جاتا ہے کہ فلان نے او کی بات کی شرح  
اوضحه وشرح مسئلةً مُشكلةً بَيَّنها، وشرح کردی، یعنی اوسکو واضح کر دیا، اور مشکل مسئلہ کی شرح کر دی  
الثنی بشرح شرجا وشرح حد فقه بینه یعنی اوسکو بیان کر دیا، اور کسی چیز کی شرح کرنا یعنی تفصیل  
و کشف وکل ما فتح من الجواهر فقد شرح و کدی اور کھول دیا، اور جو امر میں سے جو کھولا جائے وہ اسکی  
تقول شرجت الغامض اذا افسرته ..... شرح کی گئی، پوشیدہ مسئلہ کی شرح کر دی یعنی تفسیر کر دی  
... وشرح الله صدره لقبول الخیر شرح اور خدا نے اس کے سینہ کو کھول دیا کہ نیک  
شرحاً فالشرح وسعه لقبول الحق فالتسع بات کے قبول کرنے کیلئے تو وہ کھل گیا، یعنی اوسکو قبول حق کیلئے  
قال ابن الاثير: الشرح المحفظ والشرح ابن عرابی نے کہا: شرح کے معنی یاد رکھنا، کھولنا، بیان  
الفقه والشرح البيان، والشرح الفهم کرنا، سمجھنا،

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت کے منصب ملتے وقت دعا مانگی،  
رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي خُلِّي  
عَقْدًا ثَمَنَ لِّسَانِي يُفْقَهُ أَقُولِي، (طہ - ۲) میرے دل کو آسان کر دے اور زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگوں کو میری بات کو  
دعا کے پہلے جملہ میں حضرت موسیٰ نے اپنے لیے شرح صدر کی استدعا کی ہے، اور آخر میں فصاحت بیان  
کی یعنی اول میں صحیح معانی کے القاء اور آخر میں ان کے لیے صحیح الفاظ کے انتخاب کی دعا ہے، تاکہ اونکی  
دعوت و تبلیغ کو مخاطب سمجھ سکیں، لیکن یہ دولت محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو بن مانگی ملی، خدا نے فرمایا،  
أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ، وَوَضَعْنَا  
عَنكَ وَزْرَكَ، (الشراح - ۱) کیا ہم نے (اسے محمد!) تیرے لیے تیرے سینہ کو کھول نہیں  
دیا، اور تیرے بوجھ کو تجھ سے اتار دیا،

شرح صدر اور سینہ کھولنے کی جو تشریح احادیث صحیحہ میں مذکور ہے، اس کے لیے عام اصطلاح صحیحہ

کی ہے، یعنی عالم رویا یا بیداری میں فرشتوں نے اگر سینہ مبارک کو نشانگان کیا، اوس کو آب زمزم سے دھویا اور سونے کے طشت میں ایمان اور حکمت بھر کر لائے، اور ان سے سینہ مبارک کو مہمور کر کے نشانگان کو برابر کر دیا، اگر یہ واقعہ اپنی ظاہر حقیقت پر محمول کیا جائے، تو بالکل کھلی ہوئی بات ہے، کہ سینہ مبارک کو واقعاً چاک کر کے اور زمزم کے پانی سے پاک و صاف کر کے ایمان اور حکمت اس میں بھر گیا، اور اگر تمثیل کے رنگ میں لیا جائے، تو بھی حقیقت مانتی پڑے گی، کہ سینہ صافی ایمان و حکمت سے مہمور کیا گیا، بہر حال شرح صدر کی حقیقت ایمان اور حکمت کی ربانی بخشش ہے،

شرح صدر کے اس مذکورہ بالا معنی کو جوشق صدر کے واقعہ کی تفصیل سے واضح ہے، اگر کوئی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہو تو مجھ اللہ کی تسکین کا سرمایہ بھی قرآن پاک میں موجود ہے، سورہ زمر میں ہے،

أَفَتُنْشِخُ اللَّهَ صَدْرَهُ بِالْإِسْلَامِ فَهُوَ

عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ (زمر - ۲)

اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشنی میں ہے،

اسلام کے لیے سینہ کے کھول دینے سے مقصود یہ ہے، کہ اسلام کی حقیقت مؤثر طریقہ سے اس پر اس طرح ٹھل گئی، کہ اس کو اسلام کی سچائی کا پوری طرح یقین آگیا، اور اس کو اپنے اس یقین پر کامل تسکین حاصل ہو گئی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کو اپنی منزل مقصود کے ہر قدم پر اللہ کی روشنی حاصل ہے، یہی شرح صدر کی حقیقت ہے، اس روشنی کی کمی و بیشی درجوں اور منصوبوں کے مطابق ہوگی،

اس سلسلہ میں حدیث کے دو ایسے موقعوں کا ذکر کرنا ہے، جن سے لفظ "شرح صدر" کے معنی کی پوری تشریح ہو جاتی ہے، یہاں یہ نکتہ پیش نظر ہے کہ ان حدیثوں سے معنوی احتجاج یہاں مقصود نہیں، بلکہ صدر اول کے کلام عرب سے شرح صدر کے محاورہ کی تشریح مقصود ہے،

صحیح بخاری، صحیح مسلم، و نسائی، ابواب معراج و اسرار و فرض الصلوٰۃ و مستند احمد بروایت انس بن مالک و سنن ترمذی، تفسیر سورہ انشراح،

۱۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے بعض قبیلے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ اُن پر فوج کشی کا ارادہ کرتے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ اُن کو عرض کرتے ہیں، کہ یا خلیفہ رسول اللہ! اُن سے جہاد کیونکر ممکن ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اُس نے جان و مال مجھ سے بچا لیا، حضرت صدیقؓ نے جواب دیا، خدا کی قسم! میں اُس سے لڑونگا، جو زکوٰۃ اور نماز میں فرق کرتا ہے، نماز خدا کا حق ہے، اور زکوٰۃ بندوں کا حق ہے، اگر وہ بکری کا ایک بچہ بھی جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیتے تھے، اب نہ دیں گے، تو میں اُن سے لڑونگا،

قَالَ اللَّهُ مَا هَؤُلَاءِ اِنْ قَدْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ  
اَبِي بَكْرٍ فَعَرَفَتْ اَنَّهُ الْحَقُّ (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ) کے سینہ کو، تو میں نے جان لیا کہ وہی حق ہے،

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے بہت سے حافظ شہید ہوئے۔ اُس وقت حضرت عمرؓ نے اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مشورہ دیا کہ قرآن پاک کو ایک ترتیب کا غدر پر یکجا لکھ لیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، کہ میں وہ کام کیونکر کروں جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، لیکن حضرت عمرؓ اپنے مشورہ کے پتھر ہونے پر اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کی سمجھ میں بھی بات آگئی، اُس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے

فَلَمْ يَزَلْ عَمَّ بِرَأْيِهِ حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ  
تَوَعَّرَ بَارِبَارٍ مَجْجَسَةً كَيْتَةً رَسَبَ، يَمَانُ تَمَكُّ كَمَا خَدَانِي

لَذَلِكَ وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَيْتُ عَمَّ  
کے لیے میرے سینہ کو کھول دیا، اور میں نے بھی وہی

(صحیح بخاری۔ جمع القرآن) دیکھا جو عمرؓ دیکھتے تھے،

ان دونوں موقعوں پر لفظ شرح صدر اپنے استعمال کا محل اور اپنی حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے یہی شرح صدر ہے، جس کو قرآن نے جیسا کہ اوپر سورہ زمر کے حوالہ سے گذرا، ظہورِ ربانی یا ذریعہ بصیرت کہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شرح صدر کی جو وسعت عطا ہوئی تھی، اُس کے سمجھنے سے پہلے بلاغت کا ایک سلسلہ سمجھ لینا چاہیے، جب کوئی لفظ متعلقات کے صلہ اور مقول کے ساتھ مقید ہو کر بولا جاتا ہے تو اُس سے معنی کی

تخصیص و تحدید ہو جاتی ہے، لیکن وہی لفظ جب تعلقات کے صلہ اور مفعول کی قید کے بغیر بولا جائیگا، تو وہ  
 عموم کے ساتھ فعل کے ثبوت کا فائدہ دے گا، مثلاً علم (جانتا) مفعول کو چاہتا ہے، جس چیز کا علم ہوتا ہے، اور اسکو  
 عبارت میں مفعول بناتے ہیں اور اس عبارت میں اس علم سے مقصود اسی خاص شے کا علم ہوگا جبکہ مفعول  
 بنایا ہے، لیکن اگر مفعول حذف کر دیں تو اس کا مقصد کسی خاص چیز کے علم کے بجائے مطلق اور عام علم کا ثبوت  
 ہوگا، ایک جگہ قرآن میں یَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (روہ) "وہ حیات دنیا کا ظاہری پہلو جانتے  
 ہیں" ظاہر ہے کہ اس علم کا تعلق صرف ایک چیز کے علم سے ہے یعنی دنیا کی ظاہری زندگی کے علم سے، عام علم  
 سے نہیں، لیکن دوسری جگہ ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُونَ "کیا جو جانتے ہیں اور  
 جو نہیں جانتے (یعنی جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے) دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یہاں یہ ذکر نہیں کہ اس  
 خاص بات کو جانتے ہیں، بلکہ مقصود عام علم ہے، تو یہاں معنی یہ ہونگے کہ "جو ہر طرح کے علم والے ہیں اور جو  
 مطلق بے علم ہیں دونوں برابر نہیں ہو سکتے" بلاغت کی کتابوں میں هُوَ يٰۤاْمُرُوْهُمْ بِطٰىعٍ وَنٰهٰی عَنْ طٰغٰی  
 اَصْحٰنٰكٍ وَاسْتٰكْبٰرٍ کی مثالوں سے اس مفہوم کی توضیح کی گئی ہے،

اس تہید کے بعد شرح صدر کے گذشتہ استعمالات اور مثالوں پر نظر ڈالیے، ہر جگہ آپ کو یہ معلوم ہوگا،  
 کہ جس بات کے سمجھنے کے لیے سینہ کھولا جاتا ہے، اس پر لام آتا ہے، یا قرینہ سے سمجھا جاتا ہے، مثلاً اسلام کیلئے  
 سینہ کھول دیا جمع قرآن کے لیے سینہ کھول دیا، مانعین زکوٰۃ کے قتال کے لیے سینہ کھول دیا، مگر حضرت موسیٰؑ اور  
 آنحضرت صلیع کے لیے قرآن میں جس شرح صدر کا ذکر ہے، اس میں اس بات کا ذکر نہیں ہے، جس کے لیے ان  
 انبیاء علیہم السلام کے سینے کھولے گئے، اس سے یہ مقصود ہے کہ ان انبیاء کو امور دین میں مطلق اور عمومی شرح صدر  
 عنایت ہوئی، اور یہیں سے عام امت اور انبیاء کے فرق مراتب کا اظہار ہوتا ہے، کہ امت کے عام افراد کو خاص  
 خاص امر کے سمجھنے کے لیے شرح صدر ملتی ہے، اور انبیاء کو اپنے دائرہ میں کلی اور عمومی حیثیت سے یہ چیز عنایت  
 ہوتی ہے،

ایک اور لطیف پہلو بھی یہاں ذکر کے قابل ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان دونوں موقعوں پر پڑی اور لکھی ہے، حضرت موسیٰ کہتے ہیں: ”میرے لیے میرے سینہ کو کھول دیا“ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”کیا میں نے تیرے لیے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا؟“ سو یہ ہے کہ ”میرے لیے“ اور ”تیرے لیے“ کے اضافہ کی ضرورت، اور اس ”لام“ کی حاجت کیا تھی؟ مفسرین میں امام زعفرانی نے اس سوال کے جواب دینے کی کوشش کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ صرف تاکید کے لیے ہے، حالانکہ یہ لام تملیک کے بجائے لام افادہ ہے، جیسا کہ خلق لکم مافی الارض جمیعاً میں ہے، مقصد یہ ہے کہ یہ شرح صدر کی دولت تجھ کو تیرے لیے ملی ہے یعنی تیرے کشفِ علم کے لیے، یا تائید کے لیے، یا فائدہ کے لیے اور یہ کشفِ علم اور شرح صدر خود تیری ذات کے لیے ہے، کہ وہ کامل سے کامل تر ہو کر ظاہر ہو

اب آخری سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کی جو یہ عمومی شرح صدر عنایت ہوئی، اس کا کوئی اثر و نتیجہ بھی تو نمایاں ہو گا؟ تو دراصل اسی کے یہ آثار و نتائج ہیں جو ”انفال“ و ”اقوال“ اور ”احادیث و سنن“ کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں،

**تیسرا کتاب** | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جس شریعت کو لے کر آئے، وہ آخری اور ابدی تھی، اور ایسی آخری اور ابدی شریعت کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ زیادہ تر زور شریعت کے کلی اور ابدی اصول و مبادی پر دے، چنانچہ اس آخری وحی الہی نے اپنی کتاب الہی کو صرف اصول و کلیات تک محدود رکھا، اور جزئیات کے لیے اپنی آیتوں میں ایسے اشارے رکھے جن کے سہارے سے وہ دل جو علم و معرفت سے پر نور اور حکمت سے معمور، اور شرح صدر اور تائید ربانی سے فیضیاب ہوں وہ ملی قدر مراتب جزئیات کو صحیح طور سے جان لین چنانچہ یہ رتبہ سب سے پہلے خود نبی کو ملا، اور چونکہ وہ خطائے معصوم ہے، اس لیے اُس کے اس منصب کے نتائج بھی خطائے محفوظ ہیں، پھر رسول کے وسیلے سے یہ رتبہ خلفائے راشدین، اکابر صحابہ، ائمہ تابعین و تبع تابعین و محدثین عظام اور علمائے اعلام کو ہمیشہ کے لیے ملتا رہا، اس کا اصطلاحی نام اجتهاد ہے، جس کو ہر زمانہ کے

فیضیابِ علومِ نبوت اور حاملینِ اسرارِ شریعت، خدا کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق، اسکی وحی کی روشنی میں ہمیشہ انجام دیتے رہے ہیں، اور دیتے رہیں گے، یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی توضیح و تفسیر کی داری بھی خود اپنے اوپر لی ہے، فرمایا،

لَا تَحْرِكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُجَلَّ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا  
جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَاِذَا اَقْرَأَتْهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ  
تُحْمَرَانَ عَلَيْنَا بَيَانَهُ،

تو قرآن کی وحی کیساتھ اپنی زبان کو اس غرض سے حرکت  
نہ دے، تاکہ اسکی تلاوت و اشاعت میں جلدی کرے ہم  
پر ہر قرآن کو جمع کرنا اور اسکا پڑھانا، اور جب ہم نے اسکو  
پڑھا دیا، تو تو اس پڑھائی کی پیری کر، پھر ہم پر اسکی شرح

(قیامہ - ۱)

اس ”بیان اور شرح“ کی ذمہ داری کبھی بذریعہ وحی ادا ہوئی ہے، جو قرآن میں مذکور ہے، اور کبھی رسول  
کی تقریر و عمل سے پوری ہوئی ہے، جو عملی تو اترے منقول اور احادیث و سنن کے مستند دفتر میں موجود ہے  
یہ امر کہ اس بیان و شرح کی طاقت، اور اس شرح و بیان کا اختیار رسول کو خدا کی طرف سے عطا  
ہوا تھا، حسب ذیل آیت سے ثابت ہے،

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ  
اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ، (نحل - ۶)

”بیان“ اور تبیین کے لفظی معنی کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں، اور ان کا استعمال دو معنوں میں ہوتا  
ہے، ایک اعلان، اور اظہار کے معنی میں، یعنی اخفا کے مقابل، دوسرے توضیح و تفسیر کے معنی میں، قرآن  
پاک میں یہ لفظ تبیین اپنے دونوں معنوں میں آیا ہے، اب یہ تمیز کہ کس آیت میں کیا معنی مراد ہیں، سیاق و  
سباق اور موقع و محل سے ہو سکتی ہے، مثلاً ایک جگہ قرآن پاک میں ہے،

يَا هَلْ اَلَكُمُ الْكِتَابُ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ  
لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَ

اے کتاب والو! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا، کہ کتاب  
کی جو باتیں تم چھپاتے تھے، وہ ان کو تمہارے لیے



لَيَعْلَمَنَّ كَثِيرٌ، (مائتہ ۳۰)

ظاہر کرنے اور بہت سی باتوں سے درگزر سے،

یہاں تبیین صریح طور سے اختلاف کے مقابلہ میں ہے، اس لیے یہاں تبیین کے معنی یقینی طور پر اظہار و اعلان کے ہیں، لیکن یہی لفظ دوسری جگہ سورہ نحل میں اس طرح آیا ہے،

وَمَا أُنزِلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لَتُبَيِّنَ لَهُمُ  
الَّذِي اُخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً  
تَقْوِيَّ لِقَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ، (نحل - ۸۰)

اور ہم نے تجھے کتاب نہیں اتاری، لیکن اس لیے تاکہ تُو واضح کر دے، اوس کو جنہیں انھوں نے اختلاف کیا، اور ایمان والوں کیلئے رہنمائی اور رحمت بنا کر اوسکو اتارا،

اختلاف کے مقابلہ میں اظہار اور اعلان کی نہیں، بلکہ توضیح و تشریح کی ضرورت ہے، کہ جس امر میں اختلاف ہو، وہ اس توضیح و تفسیر کے بعد دوہو جائے، اب پہلی آیت پر غور کرنا چاہیے جو اسی سورہ میں آئی اور مقام پر ہے،

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ  
إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ،

کو اتارا تاکہ لوگوں کی طرف جو اتارا گیا تو اوسکو اُن کیلئے کھول کر بتا دے، شاید کہ وہ سوچیں، (نحل - ۶)

سوال یہ ہے کہ اس آیت پاک میں بیان کرنے کا مفہوم ظاہر کرنے کے ہیں یا تشریح و تفصیل کرنے کے ہیں، ہمارا دعویٰ ہے کہ ظاہر کرنے کے بجائے یہاں غور و فکر کی مناسبت اور قرینہ کے سبب تشریح و تفصیل کے معنی لینا صحیح ہے، امر مخفی کا اظہار سننے اور ماننے کے تو مناسب ہو سکتا ہے، مگر سوچنے کے نہیں سوچنے اور غور و فکر کرنے کے لیے یہاں تشریح و تفصیل کی ضرورت ہے، نہ کہ اظہار و اعلان کی، اب جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل و تبیین کا منصب خدا کی طرف سے ثابت ہے، تو اُس تفصیل و تبیین کی پیروی اور اتباع بھی خدا ہی کے احکام کی پیروی ہوگی، اور آپ کی پیروی و تشریح آپ کے نورِ حکمت کا فیضان ہوگا جس کے انشائے خود کتاب الہی کے اندر اوسکو موجود نظر آتے ہیں،

اُراٹ | انسانی الفاظ میں یہ قدرت نہیں کر اُن کے ذریعہ سے کوئی ایسا قانون وضع کیا جاسکے جو ایک طرف اختلافِ فہم سے محفوظ رہے، اور دوسری طرف اُس میں یہ وسعت ہو کہ تمام آئندہ پیش آنیوالے واقعات پر جبکہ جزئیات کی کوئی حد نہیں پوری طرح حاوی ہو، لیکن فہمِ انسانی کے اختلاف کے جو تقاضے قانون میں ہوتے ہیں، گو اُن کو تادمِ دور نہیں کیا جاسکتا تاہم اُن کو کم کیا جاسکتا ہے، اسلام نے اپنے قانونِ الہی سے جو بہرِ حال انسانی بول چال کے الفاظ میں ہے، اس اختلافِ فہم کے نقص کو کم کرنے کے لیے یہ کیا کہ اپنے رسول کی معرفتِ ربانی اور علیٰ طور سے اسکی تشریح و تبیین کر دی، گو انسانی ذرائعِ حفظ و روایت کی فطری کمزوریوں کے سبب سے اس تشریح و تبیین میں بھی اختلافِ فہم پیدا ہو گیا، مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر یہ تشریح و تبیین نہ ہوتی تو اختلافات کی خلیج اس سے بھی زیادہ عمیق اور وسیع ہوتی،

روزِ مرہ کے پیش آتے رہنے والے جزئیات کے فیصلہ کی یہ صورت رکھی گئی کہ آنحضرتِ صلعم کی عدالت میں روزانہ اس قسم کے واقعات اور مقدمات پیش ہوتے رہتے، اور آپ وحیِ کتاب کے اصول و کلیات کے ماتحت اپنے نورِ بصیرت اور فہمِ حکمت سے اُن کے فیصلے فرماتے رہتے، خلفائے راشدین نے اپنے اپنے عہد میں ان نو بنوا و تازہ بتازہ واقعات کے فیصلوں کے لیے اولاً وحیِ کتابی کو اور اُس کے بعد آنحضرتِ صلعم کے ان قضایا اور فیصلوں کو جو فہمِ نبوت، نورِ بصیرت، اور ارادتِ الہی کے ذریعہ فیصلہ ہوئے تھے، اپنا ماخذ قرار دیا، اور یہی اصول بعد کے فقہاء اور مجتہدین نے اختیار کیا، اور ہر نئے واقعہ کو وہی کتاب، اور فیصلہِ نبوی کے معصوم و مسلم معیار پر جانچ کر اُن میں سے کسی نہ کسی ماثِل اور مشابہ فیصلہ پر قیاس کر کے اپنے فیصلے دیے، اور جو چیزیں اُن میں نہ ملیں، اُن کو معمولی عدل و انصاف، رسم و رواج، عقل و فکر و استحسان وغیرہ کے اصول پر سمجھ کر اُن کا فیصلہ کیا، یہی مجموعہ آج فقہِ اسلامی کہلاتا ہے،

وحیِ الہی قرآنِ پاک میں ہے، اور آنحضرتِ صلعم کے قضایا اور فیصلے احادیث و سنن کی صحیح روایتوں میں محفوظ ہیں، وحیِ الہی کی صداقت میں تو کلام نہیں ہو سکتا، اب رہ گئی آنحضرتِ صلعم کے قضایا اور فیصلوں

کی پیروی، تو اس کے متعلق بھی وحی الہی ناطق ہو،

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

بَيْنَنَا أَرْكَكَ اللَّهُ، (نساء-۱۶)

ہم نے (اسے پیغمبر) تیری طرف سچائی کے ساتھ کتاب اتاری  
تاکہ تو لوگوں کے درمیان جو جھگڑا اٹھ سو جائے اُس کے ذریعہ فیصلہ کرے۔  
اس کتاب الہی کے نزول کی غرض ہی یہ بتائی گئی ہے کہ تو اسے پیغمبر اس کے احکام اور قوانین کو لیکر  
اُس فہم کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ تجھ کو سوجھائے، اور دکھائے، تو لوگوں کے درمیان فیصلہ اور انصاف کر اللہ تعالیٰ  
کا اپنے پیغمبر کو یہی سوجھانا اور دکھانا جو کچھ تھا، وہ آپ کے عمل اور قضایا اور فیصلوں کی صورتوں میں محفوظ ہو،  
اور اسلام کے قانون کا وحی الہی کے بعد دوسرا ماخذ ہے۔

آنحضرت صلی علیہ وسلم کے عدل و انصاف پر خود منافقین تک کو بھروسہ تھا، چنانچہ اُن کا قاعدہ تھا، کہ جب اُن کا  
حق کسی پر ہوتا تو وہ دوڑے ہوئے عدالت نبوی میں حاضر ہوتے، کیونکہ سمجھتے تھے، کہ یہ حق آپ ہی کی عدالت  
سے ہم کو ملے گا، لیکن جب اُن پر کسی کا حق نکلتا تو وہ ٹال جاتے اور دوسرے طریقے سے فیصلہ چاہتے، اس  
پر اللہ تعالیٰ نے اُن کی سرزنش کی،

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ  
إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ  
بُيُوتٌ مِّنْ بَنِينَ، إِنْ يَكُنْ لَهُمْ مَّزْجٌ  
أَمْ لَا تَأْتُوا أَمْ لَا تَحْفَظُونَ أَنْ يَحْجِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ  
وَرَسُولُهُ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ  
إِنَّمَا كَانَ قَوْلُ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ  
وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا  
وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ

اور جب اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف بلا جائیں کہ رسول اُن کے  
درمیان فیصلہ کر دے، تو اُن میں سے کچھ لوگ منحرف ہوتے  
اور اگر ان کو کچھ حق پہنچتا ہو، تو فرمان بردار بن کر رسول کے پاس  
چلے آئیں، کیا اُن کے دل میں بیماری ہی، یا وہ شک ہیں  
یا وہ ڈرتے ہیں، کہ خدا اور اس کا رسول ان کے ساتھ ہے انہیں  
کر لگا بلکہ وہی لوگ بے انصاف ہیں، ایمان ان کی باقی  
تھی کہ جب ان کو خدا اور رسول کی طرف بلا جائے تاکہ وہ ان کے  
درمیان فیصلہ کر دے، تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا

يُطِيعُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِشِ إِلَهُهُ وَيَتَّقِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ.

انہیں لوگوں کو بھلا ہے، اور جو کوئی اللہ کے اور اس کے رسول کے حکم پر چلے، اور اللہ سے ڈرتا رہے، اور اللہ سے بچ کر بچے، وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچے، (نور - ۷)

ان آیات سے معلوم ہوا، کہ رسول کے تمام فیصلے منصفانہ ہوتے تھے، اور رسول کے فیصلوں کی اطاعت خود خدا کے حکم کی اطاعت ہے، بلکہ ایمان کی دلیل اور نشانی ہے،

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نساء - ۶)

تو تم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہونگے جب تک وہ تجھے اپنے جھگڑوں کا منصف نہ بنائیں اور پھر جو فیصلہ کرے، اس سے اپنے دل میں خفگی نہ پائیں، اور پوری طرح تسلیم کریں،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ جَلَدًا مُّبِينًا (احزاب - ۵)

اور مومن مرد، یا مومن عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دے، تو ان کو اپنے کام کا اختیار ہو، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ

یہ اطاعت، اور مطلقاً سرفکندگی، اور تمام فیصلوں کا قطعی حقی اور منصفانہ فیصلہ ہونے کی رہائی ذمہ دار ہر حاکم وقت، اور سلطان زمانہ کے لیے نہیں، یہ انبیاء کے لیے خاص ہے، دو شخصوں کے باہمی جزئی و شخصی منکاح کا فیصلہ ظاہر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ وحی قرآنی کے ذریعہ نہیں کرتا تھا، بلکہ رسول کے فہم نبوت، نور نبوت، فیض شریعت، صدر تبیین حقیقت اور ارادت (دکھانا اور سوچنا) کے ذریعہ فرماتا تھا، لیکن کلیات کی حیثیت سے وہ یقیناً وحی قرآنی کے مطابق ہوتا تھا، اور ان کلیات کے مطابق ان جزئیات کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ آپ کو سوچھاتا تھا،

آپ کے ان قضایا اور فیصلوں کی رضامندانہ اطاعت ہر مسلمان پر قیامت تک ضروری ہے آپ کی

زندگی کے بعد ان فیصلوں کی اطاعت یہ ہے کہ اس قسم کے مقدمات اور معاملات میں ہم وہی فیصلے جاری کریں جو آپ نے اپنی زندگی میں ان میں کیے، کہ آپ کے فیصلے بحکم خدا غلطی سے پاک، ظلم سے بری، اور بے انصافی سے منزہ تھے، اور دنیا میں رسول کے سوا کسی انسان کو اس بے گناہی اور عظمت کا درجہ اور تہجہ حاصل نہیں،

رسول کا وجود مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو امام و پیشوا اور ہادی و رہنما فرمایا ہی، یعنی نبوت اور وحی سے سرفراز ہونے کے بعد ان کی ذات مجسم ہدایت و رہنمائی، اور امامت و پیشوائی کے لیے خاص ہو جاتی ہے، ان کی بعثت اسی لیے ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی فرمائیں، اور ان کو ضلالت و گمراہی سے بچائیں جس امت میں مبعوث ہوتے ہیں، اُس کے سامنے ہدایت و رہنمائی کے دو چراغ روشن ہوتے ہیں، جن دونوں کی روشنی مل کر ایک ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جھین پیو و اپنی شرارت اور سازش سے گمراہ بنا نا چاہتے تھے، خطاب کر کے فرماتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّي طَلِعْتُ مَا فَرَّقَ بَيْنَ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَمُ بَعْدَ إِلَيْنَا كُفْرُ  
الْكَافِرِينَ، وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ  
آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ (آل عمران: ۱۰۰)

اے مومنو! اگر تم اہل کتاب کی کسی گروہ کا کانٹو گے، تو وہ یہاں  
لاچکے بعد تمہیں مرتد کر کے کافر بنا دیں گے، اور تم کو کون کرے  
کفرنا چاہیے، درحالیکہ تم کو اللہ کی آیتیں سنائی جاتی ہیں،  
اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے،

آیت کے آخری ٹکڑے سے ثابت ہوا کہ کفر سے بچالے والی دو مستقل چیزیں مسلمانوں کے پاس تھیں  
ایک تو آیات الہی جو ان کو سنائی جاتی تھیں، اور دوسری خود رسول کا مستقل وجود جو اپنی تعلیم و تہذیب  
صحبت، اور اثر سے ان کو بہکنے نہ دیکھا، اور ضلالت سے مانع آئے گا، اگر صرف کتاب الہی اس کتاب کو انجام  
دیکھتی تو رسول کے ذکر کی حاجت، بلکہ خود بعثت کی ضرورت کیا تھی، اس سے یہ واضح ہوا کہ اللہ کی کتاب  
صامت (قرآن) اور اس کی کتاب ناطق (رسول) سے مل کر اپنے فریضہ کو انجام دیتی ہے،

تذکیہ | انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور انحضرت صلیم کا خصوصاً ایک اور امتیازی وصف تذکیہ ہے، تذکیہ کے معنی پاک و صاف کرنے کے ہیں، نبوت محمدیہ کے اس وصف کا ذکر ان آیتوں میں ہے، جنہیں آپ کی یہ توصیف لگائی ہے، ایک رسول جو لوگوں پر خدا کی آئین تلامذت کرتا ہے، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہو، اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے، ظاہر ہے کہ آپ کا یہ تیسرا وصف، دو پہلے اوصاف سے الگ ہے، یہ پاک و صاف کرتا ہے، آیات الہی کی تلامذت، اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد نبی کی عملی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے، کہ آپ کی تعلیم و تربیت فیضانِ صحبت، حسنِ اخلاق، پسند و معظمت، اور تبلیغ و دعوت کی تاثیر سے بڑے، اچھے، بد نیک اور شرار اختیار بنجاتے ہیں،

انبیاء علیہم السلام کی ہر تاریخ اس واقعہ کو ظاہر کرتی ہے، کہ وہ گمراہ اور بدکار قوموں میں مبعوث ہوئے ہر طرح کی اذیتیں اور ٹھانین، تکلیفیں سہین، مصیبتیں جھیلین، اور آخر تاریکی کو روشنی سے، جہالت کو علم سے، اور کفر کو توحید سے بدل کر رہے، اور مدت تک اُن کی تاثیر کا فیض جاری رہا، اُن کا یہ وصف تذکیہ وحی و الہام کے علاوہ اُن کے جسم و جان اور زبان و دل کی کیمیا اثری کا نام ہے، خواہ ادنیٰ زبان اوس وقت وحی الہی سے مترنم ہو یا خاموش، ہر آن آفتاب حق کی کرنیں مطلعِ نبوت سے نکل نکل کر دلوں کی سرزمین کو روشن کرتی رہتی تھیں،

اور اسی لیے نبوت کا سینہ، صدق و صفا کا آئینہ ہوتا ہے، نبی کا مجسم پیکر ظلمتِ کدہ عالم کا چراغ، اور علم و ہدایت کا مطلع انور ہوتا ہے، جس طرح اس کا مجسمہ الہامی اور وحی ربانی نور ہوتا ہے، وہ خود بھی سراپا نور ہوتا ہے، جس سے اندھے دیکھتے، گمراہ راہ پاتے، اور حق کے طالب روشنی حاصل کرتے ہیں، خود آپ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا

وَنَذِيرًا وَذَاعِبِا إِلَى اللَّهِ بِآذَانِهِ وَسِرَاجًا

بنا کر بھیجا،

مُشِيرًا، (احزاب - ۶)

یہ اس پاس کی چیزوں کو روشن کرنے والا چراغ خود رسولؐ کی ذات ہے، سوال یہ ہے کہ اگر آپ کے جسم و جان، زبان و دل، خلق و عمل، علم و فہم میں روشنی نہیں تو آپ کی ذات جو انھیں چیزوں کا مجموعہ ہے، روشن چراغ کیونکر ثابت ہوگی، اور جب آپ کی ذات مبارک کی یہ تمام چیزیں انوار الہی ہیں تو ان انوار میں سے ہر نور کی روشنی میں چلنا ہدایت ہے، اور ان میں سے کسی سے قطع نظر کرنا بھی ظلمت کے ایک گوشہ میں قدم ڈھنسا کر آیت و ملکوت کی رویت جس طرح انبیاء علیہم السلام اپنی قوتِ سامعہ سے مذائے غیب کو سنتے اور صدائے وحی کو سماعت کرتے ہیں، اسی طرح ان کی آنکھیں بہت کچھ دیکھتی ہیں جو عام انسان نہیں دیکھتے، حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں ہے،

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انعام - ۹)

اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں کی اور زمین کی مملکت دکھاتے تھے، تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں ہو،

استعدادِ نبوت کی تربیت اور نشوونما کے لیے یہ رویت و بصیرت کی مافوق قوت اور ان کو عطا ہوئی حضرت موسیٰؑ کو طور پر جو کچھ نظر آیا، وہ جلوہ گریِ حق و عشق کی مشور کمانی ہے، آنحضرت صلیم کے مشاہد روحانی کا تذکرہ معراج کے تعلق سے ان الفاظ میں کیا گیا ہے،

لِيُشْرِيَهُ مِنْ اَيْتِنَا (اسرائیل - ۱)

تاکہ ہم اُس (رسولِ بندہ) کو اپنی نشانیاں دکھائیں،

دوسری جگہ ہے،

مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰ، اَفَتُؤْمِنُوْنَ عَلٰی مَا يُرٰى  
وَلَقَدْ رَاٰ نَزْلَةَ الْخُبْرِ، (نجم - ۱)

دل جھوٹ نہیں بولا جو اُس نے دیکھا، اُس پر اُس سے جھگڑتے ہو، اور دوسری بار اُس کو اُترتے دیکھا،

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰ، لَقَدْ رَاٰ مِنْ اٰیٰتِ  
رَبِّهِ الْكُبْرٰى، (نجم - ۱)

نگاہ نہ بہکی، اور نہ سرکش ہوئی، اُس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں،

ایک اور مقام پر ہے،

وَلَقَدْ رَاكُمْ بِآلُفِي الْمُبِينِ (نکویر) اور اُس نے یقیناً اوس کو آسمان کے گھٹکے کن روں میں دیکھا،

یہ مشاہدہ وحی والہام کے علاوہ نبوت کے دوسرے حاسہ بھارت کے امتیاز کو ظاہر کرتا ہے۔

سابعِ غیب | جس طرح آیات و ملکوت کا مشاہدہ نبوت کے حاسہ بھارت کا امتیازی وصف ہے، اسی طرح غیب کی آواز اور وحی کی صدا کو سننا بھی اُن کے حاسہ سماعت کا امتیاز ہے، قرآن پاک میں اسکی تصریحات موجود ہیں، کہ وہ خدا سے ہم کلام ہوتے تھے، اور وحی کو پاتے تھے وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (ن-۲۳) اور خدا نے موسیٰ سے بات کی،

حضور کو حکم ہوا،

وَلَا تَهِنُ بِالْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ يُقَضِيَ إِلَيْكَ وَحْيُهُ اور اس سے پہلے کہ قرآن کی وحی تجھ پر پوری ہو، قرآن کے پڑھنے

میں جلدی نہ کر،

(ظہ-۶)

خدا نے پیغمبروں کو پکارا، اور انھوں نے اوسکی آوازیں سنیں، نَادَيْنَا هُمْ فَجَاءُوا "بار بار یہ الفاظ قرآن میں پیغمبروں کے متعلق آئے ہیں،

تبلیغ و دعوت | نبی کا سب سے پہلا اور اہم فرض تبلیغ اور دعوت ہے، یعنی جو سچائی اور سکو خدا سے ملی ہے، اوسکو دوسروں تک پہنچا دینا، اور جو علم اوس کو عطا ہوا ہے، اس سے اوروں کو بہرہ ور کرنا، خدا کا جو پیغام اُس تک پہنچا ہے، وہ لوگوں کو سنا دینا، اوس نے اوس کو جس صداقت سے آگاہ کیا ہے، اُس سے اپنے ہمجنسوں کو باخبر کرنا، جو مالی، جانی، زبانی، دماغی، روحانی اور اخلاقی طاقتیں اوسکو بخشی گئی ہیں، اُن کو اس راہ میں مصروف کرنا، اور اس سمجھانے بچھانے اور راہِ راست پر لانے میں صداقت کی ہر تائید سے کام لینا، اس اعلان اور دعوت میں جو تکلیف بھی پیش آئے، اس کو راحت جاننا، جو مصیبت بھی درپیش ہو، اوسکو آرام سمجھنا، جو کا بھی اس وادی میں اُس کے تلون میں چھین، اُن کو رگ گل سمجھنا، اس حق کی آواز کو دبانے کے لیے جو قوت بھی سراٹھائے، اس کو کچل دینا، اور مال و منال، اہل و عیال، جو چیز اس سفر میں سنگ راہ ہو کر سامنے



آئے اس کو ہٹا دینا، اور ان کی اس ساری کوشش و کوش کا مقصد خدا کی رضا مندی، مخلوق کی خیر خواہی اور اپنے فرض رسالت کی ادائیگی کے سوا کچھ نہیں ہوتا،

یہ ہے انبیاء کی تبلیغ و دعوت کا مفہوم، دنیا میں جب قدر بغیر آئے، انھوں نے اپنے فرض کو اسی ایتار اور قربانی کے ساتھ انجام دیا، اور ایک لمحہ بھی اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کی، اور آج دنیا میں جو کچھ خدا کی محبت، بھائیوں کا پیار، انسانوں کی ہمدردی، بیکسوں کی مدد، غریبوں کی اعانت، اور دوسری نیکیوں کا اس سطح زمین پر موجود ہے، وہ سب بلا واسطہ یا بلا واسطہ دانستہ یا نادانستہ انھیں کی دعوت و تبلیغ اور خیر و جہد کے اثر اور نتیجے ہیں،

دنیا کے بڑے سے بڑے مفکر، بڑے سے بڑے شاعر، بڑے سے بڑے حکیم اپنا فرض خود سمجھ لینا، یا دنیا سے زیادہ دوسروں کو سمجھا دینا، سمجھتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام جس صداقت کو پاتے ہیں، اس کو دوسروں کے سمجھانے، اور ہر ممکن طریق سے اس کے پھیلانے، اور اہل دنیا کو اس کے باور کرانے میں اپنی پوری قوت صرف کر دیتے ہیں، اور ہر مشکل کو جھیل کر نافرمانوں کو حقیقت سمجھاتے اور اندھوں کو راہ راست دکھاتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کی تعریف میں خدا فرماتا ہے،

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا (ہود)

جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں، اور اُسی سے ڈرتے ہیں، اور اُس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اور اللہ ہی ہے،

حضرت موسیٰ کو حکم ہوتا ہے،

اِذْ هَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی (طہ - ۱)

فرعون کے پاس جا کہ اس نے سرکشی کی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے، کہ پیغام ربانی کی بے محابا تبلیغ کرو، اور دشمنوں سے نہ ڈرو، کہ تمھاری حقانیت

کا خود دشمن شاہ عالم ذمہ دار ہے،

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغُوا مِمَّا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُم

اے پیغمبر! تم میرے رب کے پاس سے جو تیری طرف آ رہا ہے

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ  
 اوسکو پہنچا دے، اور اگر یہ نہ کیا تو، تو نے اوس کے پیغام پہنچانے

يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ ۱۰۰)  
 کے فرض کو ادا نہیں کیا، اللہ تجھکو لوگوں سے بچائے گا،

ان کی تبلیغ و دعوت میں تشریر اور انداز و دونوں ہوتا ہے، تفسیر یعنی بشارت دینا، اور خوشخبری سنانا، انداز یعنی خدا کے جلال سے ڈرانا، عذاب الہی کا خوف دلانا، اور ان کو اہل ان کے انجام بد سے آگاہ کرنا، اور انکی آمد اس شان سے اس لیے ہوتی ہے کہ خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو جائے،

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِيَاذَنُوا بِمَا بَلَغُوا  
 یہ سب پیغمبر خوشخبری سناتے اور نسیار و بیدار کرتے ہوئے آئے

لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (نساء ۶۴)  
 تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کیلئے خدا پر کوئی حجت نہ رہے

ان سب پیغام الہی پہنچانے کے ساتھ اپنی خیر خواہی، دلسوزی و اخلاص مندی کا اعلان کیا،

أَبْلَغَكُمْ رِسَالَتِي وَإِنَّا لَكُم ناصِحٌ أَمِينٌ  
 میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا

(اعراف - ۹) امانت دار خیر خواہ ہوں،

يَقُولُ لَقَدْ أَرْسَلْتُ رِسَالَتِي وَنُصِّحْتُ  
 اسے میرے لوگو! میں نے اپنے رب کا پیام تم کو پہنچا دیا، اور تمہاری

لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّصِيحِينَ (اعراف - ۱۰)  
 خیر خواہی کر چکا، لیکن تم خیر خواہوں کو پیار نہیں کرتے،

يَقُولُ لَقَدْ أَرْسَلْتُ رِسَالَتِي وَنُصِّحْتُ  
 اسے میرے لوگو! میں نے اپنے رب کے پیام تم کو پہنچا دیا،

لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّصِيحِينَ  
 اور تمہاری خیر خواہی کر چکا، تو پھر کیسے نہ ماننے والے لوگو

(اعراف - ۱۱) پر میں غم کھاؤں،

یہ بھی فرمایا کئے،

لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجَرْتُمُونِ  
 میں اپنی نصیحت کی تم سے مزدوری نہیں مانگتا، میری

فَطَلَبْتَنِي (ہود - ۵)  
 مزدوری تو خدا پر ہے، جس نے تجھکو پیدا کیا،

لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجَرْتُمُونِ  
 میں اپنی تبلیغ کے بدلہ تم سے مال و دولت کا خواہاں

ایک شبہ کا ازالہ | اس سلسلہ میں ہجو ایک اور غلط فہمی کو دور کرنا ہے، جو بعضوں کو حضورؐ کی صفت تبلیغ کے سمجھنے میں پیش آئی ہے، قرآن مجید میں متعدد آیتیں اس معنی کی آئی ہیں کہ رسول کا فرض صرف پیغام پہنچانا (البلانغ) ہے، اس سے آج کل کے بعض کوتاہ بینوں کو یہ دھوکا ہوا کہ رسول کا فرض صرف وحی الہی کی تبلیغ ہے، یعنی قرآن پاک کے الفاظ کو انسانوں تک بعینہ پہنچا دینا اس کا کام ہے، اس کے معانی کی تشریح اور مطالب کی توضیح کا نہ اس کو منصب ہے، اور نہ حق ہے، اُن کے نزدیک تبلیغ رسول کی حیثیت صرف ایک قاصد اور نامہ بر کی ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ خط تو پہنچا دیتا ہے، مگر اُس خط کے مفہوم و معنی کی تشریح کا اس کو حق نہیں ہوتا، بلکہ اس کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس بند لفاظہ میں کیا ہے،

شاید اُن کو یہ دھوکا اس آیت کے علاوہ لفظ "رسول" سے بھی ہوا ہے، جس کے لفظی معنی پیغامبر اور قاصد کے ہیں، لیکن وہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ جہاں اُس کو رسول کہا گیا ہے، نبی (خبر پانے والا) بھی تو کہا گیا ہی، بشر (نو شخصری سنانے والا) نذیر (ڈرانے والا) سرانج منیر (روشن چراغ) صاحب حکمت صاحب خلق عظیم، صاحب مقام محمود، مجتبیٰ (مقبول) مصطفیٰ (برگزیدہ) ہتین (بیان اور شرح کرنے والا) معلم (سکھانے والا) مزکی رب پاک و صاف کرنے والا) داعی الی اللہ (اللہ کی طرف بلانے والا) حاکم (فیصلہ کرنے والا) مطاع (واجب اطاعت) آمر (حکم دینے والا) اونیابی (روکنے والا) بھی تو کہا گیا ہے کیا یہ اوصاف و القاب اس کی اسی حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں، کہ وہ صرف ایک پیغام پہنچانے والا قاصد ہے، جس کو اصل پیغام کے مفہوم و معنی سے ایک معمولی قاصد اور نامہ بر کی طرح کوئی سروکار نہیں؟ اُس کے پیغام کے مفہوم و معنی کی تشریح و تفسیر کا آج تو ہر عربی دان کو حق حاصل ہے، اور اس کی اصل تحقیق تک پہنچ جانے کا ہر تدعی کو دعویٰ ہے، مگر خود صاحب پیغام کو اپنی پیغامبری کے وقت یہ مفہوم و معنی کا علم تھا، اور نہ اس کی تشریح کا اس کو حق تھا، اِنَّ هَذَا الْعَجَابُ، ہم نے پچھلے صفحات میں جو کچھ لکھا ہے اس سے

اس غلط خیال کی پوری تردید ہو جاتی ہے۔

اون کے اشتباہ کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اسلام میں شرع اور وضع قانون کا حق صرف اللہ تعالیٰ کیلئے تسلیم کیا گیا ہو کہ وہی اصلی شارع ہے۔ اب اگر رسول کو بھی وحی کتابی سے الگ شرع بنانے کا حق تسلیم کیا جائے تو خدا کے سوا ایک اور شارع تسلیم کرنا ہوگا لیکن اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم رسول کو شارع نہیں، شارع قرار دیتے ہیں، کیا عدالت کی کرسی پر ٹھیکرچ جب حکومت کے قانون کی توضیح و تشریح کرتا ہے تو وہ اپنے اس عمل سے سلطانِ وقت بنکر وضع قانون کا منصب حاصل کرتا ہے، یا صرف قانون کے مفہوم کا شارح ہوتا ہے؟ یہی حیثیت آسمانی عدالت کے اوس قاضی کی ہے جس کو ہم نبی اور رسول اور معلم اور متین کہتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر پیام اور مقصد اور مفہوم اور فیصلہ سے صرف وحی کے اسی نظم خاص کے ذریعہ اپنے پیغمبر کو مطلع نہیں فرماتا، جس طریق خاص سے قرآن مجید نازل ہوا ہے، بلکہ وہ اپنی تینوں قسموں کے ذریعہ سے اپنے اغراض اُس رسول پر واضح کرتا ہے، اور ان میں سے ہر طریق کی وحی کی اعطائے تمام امت پر فرض ہے، خواہ وہ وحی ہو، جو الفاظِ الہی کی قید کیساتھ آئی ہو جس کو قرآن کہتے ہیں، یا ربانی مفہوم و معنی رسول کے الفاظ میں ادا ہوں، جس کو حدیث و سنت کہتے ہیں، الغرض خواہ وہ کتابِ الہی کے ذریعہ سے ہو، یا حکمت ربانی کے فیض سے ہو،

قرآن مجید کی وہ آیتیں جنکے معنی یہ ہیں، کہ ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچانا ہے، یہ نشانہ نہیں کہ وہ صرف پیغام پہنچانے والا ہے، خوشخبری سنانے والا نہیں، ہشیار و بیدار کرنے والا نہیں، پیغامِ الہی کے اظہار سنانے کے بعد ان کی تعلیم دینے والا نہیں، آیاتِ الہی کی تعبیر و تشریح کرنے والا نہیں، رہنما اور ہادی نہیں، بنیاستوں سے پاک و صاف کرنے والا نہیں، ایسا کہ قرآن کا انکار اور عقل و فہم کا ماتم ہے تو ان میں کئی جگہ ہے،

اِسْمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ (ص، رعد، نازعات) تو تو صرف ڈر سنانے والا ہے

ایک جگہ ہے،

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ (ص-۵)

میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں،

کیا ان آیتوں کا مفہوم یہی ہے کہ ڈر سنانے کے سوا رسول کا کام بشارت اور خوشخبری سنانا نہیں، اور وہ

صرف مُنذِر ہے، مُبَشِّر نہیں، اصل یہ ہے کہ اس قسم کی آیتوں

إِنَّمَا عَلَى رُسُلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (مائتہ ۱۲) ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچا دینا ہے،

کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ وہ صرف پیغام رسان اور قاصد ہے، مُبَشِّر اور شاریح نہیں، بلکہ یہ ہے کہ اس کا

کام صرف خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے، زبردستی لوگوں کے دلوں میں اس پیغام کا اتار دینا نہیں، بزور لوگوں

کو مسلمان بنادینا نہیں، جبراً منوالینا نہیں، اور نہ پیغام پہنچا دینے کے بعد تمہارے کفر و انکار و عدم ایمان

کی ذمہ داری اس پر ہے، قرآن میں جہاں جہاں اس معنی کی آیتیں آئی ہیں، اُن کا منشا یہی اور صرف یہی

ہے، قرآن پاک کی تیرہ مختلف آیتوں میں یہ بات کہی گئی ہے، اور ہر جگہ ہی ایک مفہوم ہے،

۱۔ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ کتاب والوں اور اُن پڑھون سے کہدے، کیا تم نے اسلام

عَاسَلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمْتُمْ فَقَدْ اهْتَدَوْا قبول کیا، اگر کیا تو ہدایت پائی، اور اگر منہ پھیرا تو پھیر

وَأَنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَاللَّهُ (اسے رسول) صرف پیغام پہنچانا ہے، اور اللہ بندوں

بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ (ال عمران-۲) کا دیکھنے والا ہے،

مفہوم بالکل ظاہر ہے، کہ اسلام کی ہدایت قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں، اگر لوگ قبول کریں

تو انھوں نے حق کی راہ پائی، اور اگر انکار کیا تو رسول کا کام صرف پیغام پہنچا دینا تھا، وہ اُس نے پہنچا دیا

اُس کا فرض ادا ہو چکا، اب خدا جانے، اور اُس کے بندے جانیں،

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ تو میرا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور ہمارا فرض

(معد-۶) اُن سے حساب لینا ہے،

اس کی مزید تفصیل سورہ غاشیہ میں ہے،

فَذَكِّرْنَا انَّا كُنَّا مُذَكِّرُونَ لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُحِيطٍ  
 اَلَا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ، فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ  
 اَلَا كِبَرُ، اِنَّ الْيَسَارَ اَيُّا بَعْضُهُمْ لَتُؤْتِيَهُنَّ اَلَيْسَ  
 جَسَا بَعْضُهُمْ (غاشیہ - ۱)  
 (تو اے پیغمبر!) تو نصیحت کر، تو صرف نصیحت کرنے والا ہے  
 اُن پر دار و نہ نہیں، لیکن جس نے منہ پھیرا اور انکار کیا، تو خدا  
 اوس کو بڑی سزا دیگا، بے شک پھر ہماری ہی طرف تو کر  
 آنا ہے اور میں پر اُن کا حساب لینا ہے،

یہی مفہوم سورہ شوریٰ میں ہے کہ رسول کا کام صرف سمجھانا اور تبلیغ کرنا ہے، وہ سلطان کا فرما، وارث  
 اور فرما نروا بنا کر نہیں بھیجا گیا، کہ لوگوں سے بزور اپنی بات منوائے،  
 فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا،  
 اِنْ عَلَيكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (شوری - ۵)  
 تو اگر وہ انکار کریں تو ہم نے تجھ کو اُن پر نگہبان بنا کر نہیں  
 بھیجا، تیرا کام صرف پہنچا دینا ہے،

کافروں نے جب بھی رسولوں کو جھٹلایا، انھوں نے یہی کہا کہ ہمارا کام پہنچا دینا ہے، ماتے نہ ماتے کا  
 اختیار ہے،

قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ تَشْتَلُوْا مَا اَنْزَلَ الْغَيْثُ  
 مِنْ سَحَابٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ، قَالُوْا رَبُّنَا  
 يَعْلَمُ اَنَّا اِلَيْكُمْ لَمَرْسَلُوْنَ، وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا  
 الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (یسین - ۲)  
 کافروں نے کہا تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، خدا نے کچھ نہیں  
 اتارا، تم جھوٹ کہتے ہو، رسولوں نے جواب دیا ہمارا پروردگار  
 خوب جانتا ہے، کہ ہم بھیجے ہوئے ہیں، اور ہمارا فرض  
 صرف کھول کر پہنچا دینا ہے،

خود اللہ تعالیٰ نے بھی رسولوں کو تسلی دی ہے، کہ ان منکروں کے انکار سے دل شکستہ نہ ہو، اگلے پیغمبر  
 کے منکروں نے بھی یہی کیا تھا، تمہارا فرض اُن کو منوانا نہیں، اُن تک ہمارا پیام پہنچانا ہے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عْبَدْنَا  
 مِنْ دُوْنِهِ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَا اٰبَاؤُنَا وَلَا  
 اور شرکوں نے کہا اگر خدا چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی اور  
 کو نہ پوجتے نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ اس کے

حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ هَكَذَا فَفَعَلَ لَكَ  
مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ  
الْمُبِينُ. (نحل-۵)

حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے، (خدا کہتا ہے کہ) ایسا ہی  
کیا تھا ان کے پہلوں نے، کیا ہمارے پیغمبروں پر  
پہنچانے کے سوا کچھ ہے؟

وَإِنْ تَكْذِبُوا فَقَدْ كَذَبَ أَمَمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ  
وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (عَلَيْكُمْ)

اگر تم جھٹلاؤ، تو کیا ہے تم سے پہلے بھی تو میں جھٹلا چکی ہیں  
اور رسول پر نہیں لیکن کھول کر پہنچا دینا،

رسول کا کام پہنچا دینا ہے، باقی علام الغیوب جو چاہے سو کرے،  
مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا  
تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ. (مائکہ ۱۳)

رسول پر نہیں ہے لیکن پہنچا دینا، اور اللہ جانتا ہے جو تم  
ظاہر کرتے ہو، اور جو چھپاتے ہو،

بَقِيَّةُ آتِينَ حَسْبُ ذِيلٍ مِنْ، جَوَّابُكَ هِيَ مَفْهُومُ كَوَادِرْتِي هُنَّ،  
وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْتَدُوا  
فَإِنْ كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ فَاغْلَبُوا إِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ  
الْمُبِينُ (مائکہ ۱۴)

اور اللہ کا فرمان اور رسول کی بات مانو اور بچو، اور  
اگر تم نے منہ پھیرا تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف  
کھول کر پہنچا دینا ہے،

قُلْ اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا  
فَأَنصَا عَلَيْهِ مَا حُلَّ وَعَلَيْكُمْ مَا حَلَلْتُمْ وَإِنْ  
تُطِيعُوا فَتَحْتُمْ وَآمَّا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا  
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ. (نور-۷)

کہہ دے اسے پیغمبر اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت  
پھر اگر وہ منہ پھیریں، تو رسول پر وہ ہے جس کا اوپر بوجھ ہے اور تم  
وہ ہے جس کا بوجھ تم پر ہے، اگر اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے  
اور رسول پر نہیں لیکن کھول کر پہنچا دینا،

كَذَلِكَ يَنْتَعِمُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ  
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (نحل-۱۱)  
وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ

اسی طرح اللہ پر اپنا احسان پورا کرنا، تاکہ تم مسلمان ہو جاؤ اور اگر  
انہوں نے منہ پھیرا تو تم پر ہوا اس کے کچھ نہیں کہ کھول کر پہنچا دے  
اور خدا کا فرمانو، اور رسول کی فرمانبرداری کرو، اگر تم نے

فَاِنَّمَا عَلَى رُسُلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (تغابن ۲) منہ پھیر تو ہمارے رسول پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے،

بہنمبر کا قول ہے،

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّا اُرْسِلْتُ بِهٖ اِيَّاكُمْ تو اگر تم منہ پھیر دو تو میں جو پیام دے کر تمہارے پاس بھیجا گیا

(ہی ۵-۵) وہ میں نے تم کو پہنچا دیا، (یعنی میرا فرض ختم ہو چکا)

ان تمام آیتوں کا تعلق نبوت کے منکروں سے ہے، یہاں پر یہ نکتہ بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ہنوز نبوت کے منکر ہوں، ان سے رسول کا تعلق صرف تبلیغ و نصیحت، پسند و موعظت، اور سمجھانے کا ہی، لیکن جو خوش قسمت اقرار نبوت کی سعادت کو حاصل کر لیں، تو ان کا تعلق رسول سے پھر اتباع و پیروی و اطاعت کا ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد رسول اوس کو تبلیغ ہی نہیں، بلکہ امر و نہی بھی کرتا ہے، کوئی حکومت، دوسرے ملک کے کسی باشندہ کو زبردستی اپنی رعایا نہیں بناتی، لیکن اگر کوئی شخص از خود اس حکومت کی رعایا بن جائے تو پھر اس کے قانون کی پیروی پر زور مجبور کیا جائے گا، کہ رعایا بننے کے معنی ہی اوس کے قانون کے قبول کرنے کے ہیں،

انبیاء کی تعلیم کا امتیازی عقیدہ | دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے، وہ ایک ہی دین اور ایک ہی عقیدہ لیکر آئے، وہی توحید و ہی نبوت، وہی عبادت، وہی اخلاق، وہی جزا و سزا، اور عمل کی پرش، اس لحاظ سے انبیاء کی تعلیم میں کوئی اصولی فرق نہیں اس لیے فرمایا کہ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّي بِهِ تَوْحِيدًا اِلٰهِيًّا، یعنی خدا نے تمہارے لیے وہی دین شروع کیا، جو توحید وغیرہ دوسرے پیغمبروں کو دیا، اور اسی کا نام اسلام ہے، لیکن انبیاء کی تعلیم کا اہم اصول اور سب سے ضروری جز توحید ہے، اور وہی نبوت کے ساز کا اصلی اور ازلی ترانہ ہے،

مکن ہے کہ دنیا میں اسلام سے پہلے بہت سے اچھے لوگ گذرے ہوں اور ان کی دعوت بھی مفید ہو ان کے اخلاقی و غلط بھی دل پسند ہوں، وہ یونان کے حکیم ہوں، یا ہندوستان کے اوتار، لیکن ان کی تعلیم میں اگر توحید کی دعوت شامل نہیں، تو وہ نبوت کے رتبہ کے قابل نہیں، کہ پیغمبرانہ تعلیم کی پہچان ہی توحید کی دعوت



ہے، اگر یہ نہیں تو نبوت بھی نہیں فرمایا،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوْحِيْ  
اور پہنچے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا لیکن اونکو یہ وحی کی

إِلَيْهِ إِنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِيْ (انبیاء)

کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میری ہی پرستش کرو،

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا  
اور ہر قوم میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ خدا کی عبادت

اللَّهِ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (غل-۵) کرو اور بتوں سے پرہیز کرو،

اس سے معلوم ہوا کہ تعلیمی حیثیت سے نبوت کی شناخت اسی سے ہو سکتی ہے، اسلام سے پہلے جس علی

نبوت کی تبلیغ کا اہم ترین جزو توحید نہیں، اوسکو دعوائے نبوت کا کوئی حق نہیں،

نبوت کی غرض غایت انبیاء علیہم السلام کی آمد کی غرض و غایت کو شاعرانہ زبان اور خطیبانہ جوش بیان میں بہت کچھ

بتایا جاسکتا ہے، لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ان اغراض کو گنایا جائے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی مبارک

کی زبان سے ادا ہوئے ہیں، اصل دعویٰ وہی ہے، جس کو مدعی ظاہر کرتا ہو، نہ کہ گواہ،

انبیاء کی بعثت کی سب سے پہلی غرض اُس روز راست کے بھولے ہوئے اذلی عہد و پیمان بندگی کی یاد دہانی

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بُنَيِّ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ  
اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے اونکی نسلوں سے

ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَسْتُ  
عہد لیا، اور اونکو خود اپنے اوپر آپ گواہ کیا، کہ کیا میں تمھارا پروردگار

بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا إِنْ هِيَ  
نہیں ہوں، انھوں نے کہا کیوں نہیں تو ہی ہم نے گواہی دی

الْفِئِمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ (اعراف-۲۲) کہ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اوسکو بھول گئے تھے،

اس لیے ضرور ہوا کہ ان کو موقع موقع اُن کا یہ وعدہ یاد دلایا جائے،

یہی وجہ ہے کہ رسول کی بعثت کی ایک غرض یہ بھی بتائی گئی ہے، کہ اُن کا وجود بنی آدم پر تمام حجت ہو،

مکن ہو کہ آدم کے فرزند یہ بجائے کرین کہ ہم کو کوئی یاد دلانے والا نہیں آیا تو فرمایا،

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ رسول خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ رسولوں

لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (ن-۲۲) کی آمد کے بعد لوگوں کے لیے خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہے،  
 تذکرہ کے بعد نبی کا فرضِ اولین ہدایت اور رہنمائی ہے، کہ وہ حقیقتِ اللہ تعالیٰ کی صفتِ ہادی کے  
 منظر اور موردِ بین، اسی لیے ایک آیت میں نبی اور رسول کے لیے ہادی کا لفظ آیا ہے، فرمایا:  
 وَكُلٌّ قَوْمٌ هَادٍ (رعد-۱) اور ہر قوم کے لیے ایک راہ دکھانے والا آیا،

سورہ شوریٰ میں فرمایا:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (شوریٰ) اور تو اسے پیغمبرِ سیدھی راہ دکھاتا ہے،

سورہ انبیاء میں بہت سے پیغمبروں کے ذکر کے بعد ہے،

وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُهَدُّونَ بِأَمْرِنَا (انبیاء) اور ہم نے ان پیغمبروں کو پیشہ بنایا، جو ہر حکم سے راہ دکھاتے تھے  
 اسی طرح ان آسمانی کتابوں کو جو ان کو دیکھی تھیں، بار بار ہدایتی (ہدایت) کہا گیا ہے، اور کہیں ان  
 کو ضیاء اور نور (روشنی) کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے،

اس ہدایت اور رہنمائی کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ بندگانِ الہی کو باطل کے اندھیرے سے نکال کر حق  
 کی روشنی میں لاتے ہیں، انسان جن فاسد خیالات، بیہودہ افکار بے سود اعمال کی تاریکیوں میں پھنس کر نظر  
 بصیرت اور روحانی معرفت کے نور سے محروم ہو جاتا ہے، انبیاء ان اندھوں کے ہاتھ پکڑ کر ان کو ظلمات سے  
 انوار میں لاتے ہیں، ان کو شک کی جگہ یقین، جہل کی جگہ علم، باطل کی جگہ حق، اور ظلمت کے بجائے نور عطا کر

هَذَا الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدٍ كَذَلِكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ (ہی) اللہ جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے، تاکہ وہ تم کو

يُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (حدیدہ-۱) تاریکیوں سے نور میں لائے،

اس دنیا کی نجات صرف اعتدال میں ہے، جب کبھی مزاجِ انسانی کی طرح اوس کے اون عناصر  
 میں چنے او سکی ترکیب ہوئی ہے، افراط و تفریط پیدا ہوگی، روئے زمین پر فساد رونما ہوگا، انسانی جماعتوں  
 اور قوموں میں بھی یہ ترازو جب اعتدال کے معیار پر پوری نہ ہوگی، کبھی دونوں پہلے برابر نہ ہوں گے، آسمان

سے زمین تک ایک ایک ذرہ اعتدال کی ترازو میں تلا ہوا ہے، کیمسٹری اور علم الفلک کا واقفکار اس ترازو کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اور حیرت کرتا ہے کہ کہیں ایک ذرہ کی کمی بیشی نہیں ہے جس طرح اس مادی دنیا میں یہ حیرت انگیز توازن ہے، ٹھیک اُسی طرح روحانی اور اخلاقی دنیا میں بھی اس توازن کی ضرورت

ہے، عقائد ہوں کہ عبادات، اخلاق ہوں کہ معاملات، اسی توازن کا نام **حق** اور **عدل** ہے، فرمایا،

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۚ أَلَّا تَطْغَوْا

اور آسمان کو اونچا کیا، اور ترازو رکھی، کہ اس ترازو میں

فِي الْمِيزَانِ، وَاقِمُْوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ

کمی بیشی نہ کرو، اور تول کو ٹھیک رکھو، اور ترازو کو

لَا تَخْسِرُوا الْمِيزَانَ، (رحمن - ۱)

گھٹاؤ نہیں،

یہ توازن اور برابر تول جو بے ارادہ اور بے اختیار دنیا کے ذرہ ذرہ میں اور اس کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک کام میں خالق فطرت کے اندازہ اور تقدیر سے قائم ہے، یہی توازن اور برابر کا تول رسولوں کے ذریعہ آئی ہوئی میزانِ شریعت کے مطابق ذی ارادہ اور خود اختیار انسانوں کی ایک ایک حرکت، اور ایک ایک جنبش میں ہونا چاہئے، بے ارادہ دنیا کی میزان کا نام **قانونِ فطرت** ہے، اور بارادہ دنیا کی میزان کا نام **قانونِ شریعت** ہے، بے ارادہ دنیا کا نظام عدل اسی خدائی میزانِ فطرت سے چل رہا ہے، اگر اس میزان میں ایک ذرہ بھی کمی بیشی ہو جائے، تو عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے، اسی طرح انسانی دنیا کی سکینت، طہانیت، اور امن و امان کا نظام اسی میزان کے ذریعہ قائم ہو سکتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو اس کا نظام بھی درہم برہم ہونا لازمی ہے، فرمایا،

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا

ہم نے بے شبہ اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلین دے کر

مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ

بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری، تاکہ

بِالْقِسْطِ (حدید - ۳)

لوگ عدل کو قائم کریں،

انبیاء کی بعثت کی یہ غرض و غایت کہ لوگ شریعت کی میزان کے مطابق **عدل** اور توازن کو قائم کریں

اس موجودہ دنیا ہی کے نظام کی امن و سلامتی کے لیے ہے، آج یورپ کے اتحاد کی گونج نے دنیا کے گوشہ گوشہ کو پرتھور بنا دیا ہے، آج رسولوں کی اہمیت اور ان کی تعلیمات کی ضرورت پر شکوک و شبہات کی زلزلہ باری ہو رہی ہے، لیکن وہی دنیا ہی مباحث سے قطع نظر کر کے عملی حیثیت سے دنیا کی ایک ایک تعلیم اور ایک ایک آبادی کا جائزہ لو، آج جہاں کہیں بھی سچائی کی کوئی روشنی اور حقیقت کی کوئی کرن نکلتی ہے، وہ اسی مطلع خورشید سے چھنکر نکلتی ہے، کوئی دیندار ہو یا ملحد، خوش عقیدہ ہو یا بے عقیدہ، یونان کا حکیم ہو یا افریقہ کا جاہل، یورپ کا تمدن ہو یا صحرائی کا وحشی، رومی ہو یا زنگی، عیسوی ہو یا موسوی، بت پرست ہو یا موجد، سچ ہو یا ہندو، مسلم ہو یا غیر مسلم، شہری ہو، یا دیہاتی، ہالیوڈ کی چوٹی پر آباد ہو، یا زمین کی گہرائی میں کہیں بھی ہو، کوئی بھی ہو، اگر وہ اللہ کے نام کی عظمت سے واقف ہے، اور نیکی اور بدی کی تمیز سے آشنا ہے، تو وہ خدائی رسولوں اور ربانی پیغمبروں کے علاوہ کس معلم کی کوششوں کا ممنون ہے؟ آج جہاں بھی عدل و میزان کا وجود ہے، وہ کسی یونانی حکیم، یا یورپین فلاسفر کی تعلیم و تصنیف و تقریر و خطبہ کا اثر نہیں ہے، بلکہ طبقہ انبیاء ہی کی بے واسطہ یا بواسطہ تعلیمات کا نتیجہ ہے، آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں کیسے ہی بدترین مبلغ سہی مگر نیکی، عدل، احسان، ہمدردی، نیکو کاری، حسن خلق کی تعلیم، تبلیغ اور دعوتِ اومنین کی زبانوں سے ہو رہی ہے، جو رسولوں کے پیروں اور پیغمبروں کے تابع ہیں، جو عقیدہ کے طہرین، اذن کی بھی نیکو کاری اور اومنین پیغمبروں کے نادانستہ فیضانِ تعلیم کا نتیجہ ہے، اس بنا پر جو لوگ ذہنی طور سے پیغمبروں کے منکر ہیں، وہ بھی عملی طور سے ان کی تعلیم کے مقرر اور مستفید ہیں، اسی لیے انبیاء کا وجود تمام دنیا کے لیے رحمت بنکر ظاہر ہوا ہے، اور قرآن نے آسمانی کتابوں کو بار بار رحمۃ و ہدائی، رحمت اور رہنمائی کی غرض سے بھیجے کا جو اعلان کیا ہے، وہ تامل سے غرض و غایت کی تشریح ہے، اور اسی لیے خاتم نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات تمام عالم کے لیے رحمت بنکر آئی، فرمایا

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ، اور ہم نے تجھ کو (اے محمد) تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے،

تائید و نصرت | انبیاء علیہم السلام جو مقصد لے کر آتے ہیں، خواہ کسی قدر مشکلات پیش آئیں، کتنی ہی رکاوٹیں ہوں  
کتنی ہی تکلیفوں اور زحمتوں کا سامنا ہو، بالآخر وہ مقصد کامیاب ہی ہوتا ہے، پیغمبروں کی سیرت اور اذن کی  
دعوت کی تائید، خود اس دعویٰ پر گواہ صادق ہے، قرآن نے کہا،

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ اِنَّهُمْ  
لَهُمْ الْمُصْطَفٰوْنَ وَاِنْ جُنْدَنَا لَهُمْ  
الْغَالِبُونَ، (الصافات - ۵)

اور ہماری بات اپنے رسول بندوں کے لیے پہلی ہی ط  
ہو چکی ہے، کہ یقیناً انھیں کی مدد ہوتی ہے، اور ہماری  
شکر غالب ہوتا ہے،

نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آخر کے دن بھی انھیں کو اور ان کے ذریعہ اہل ایمان کو کامیابی ہوگی،  
اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ  
الدُّنْيَا وَيُوَفُّوْنَهُمْ اَوْدَانَهُمْ اَلَّذِيْنَ كَانُوْا يُعْتَدُ  
الظَّالِمِيْنَ مَعْدَرَتَهُمْ وَلَهُمُ الدَّفْعَةُ وَ  
لَهُمُ السَّعْيُ الدَّارِ، (سومن - ۶)

اور بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد  
اس دنیا میں کرتے ہیں، اور اُس دن بھی جب گواہ کھڑے  
ہونگے جس دن گنہگاروں کو ان کے بہانے کام نہ دیں گے  
اُن پر چڑکار ہوگی اور ان کیلئے برا کھر ہوگا،

پیغمبروں پر ایسے بھی سخت وقت آتے ہیں، جب اپنی قوم کے قبول ہدایت کی طرف سے پوری سی  
ہوجاتی ہو اور اُمید کی روشنی کسی طرف سے دکھائی نہیں دیتی، اور عذاب میں دیر ہونے کے سبب ان کے منکر یہ سمجھتے  
ہیں کہ ان کو عذاب کی دھکی جھوٹ دی گئی، تو دفعۃً اُمید کا دروازہ کھلتا ہے، اور خدا کی تائید و نصرت کے پرے  
آتے اس طرح دکھائی دیتے ہیں، کہ صالح لوگوں کے دل قبول کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں، اور جان  
پر کسی نہ کسی طرح عذاب اگر ان کا استیصال ہو جاتا ہے، فرمایا،

حَتّٰى اِذَا اسْتَأْذَنَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ  
قَدْ كُذِّبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا، (یوسف - ۱۲)

یہاں تک کہ جب پیغمبروں کو (اپنی قوم کے ایمان) یا دوسی  
لگی اور ان کے منکر دن کو یہ خیال ہو گیا کہ ان کے جھوٹ کیا گیا تو

اللہ تعالیٰ کی اسی تائید و نصرت اور حفاظت و دعوت کا یہ یقین اذن کو ہوتا ہے، کہ وہ مشکل کو اس ر

میں بھیل لیتے ہیں اور اپنے سروں کو تھیلیوں پر لیے پھرتے ہیں، مخالفوں کی فوج و لشکر تیغ و خنجر اور خوف و خطر کے باوجود اپنی دعوت و تبلیغ کے فریضہ سے باز نہیں آتے، اور کسی دامن پر بھی مخالفوں سے صلح پر آمادہ نہیں ہوتے، منکروں کو شروع شروع میں اون کی ظاہری پیچاری اور تنہائی کو دیکھ کر، ان کی ناکامی کا گمان ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کے سوا ظن کی تردید کر کے فرماتا ہے،

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعْدَهُ رُسُلَهُ، سونست خیال کر کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی

(ابراہیم - ۷) کرے گا،

ازل کے دن ہی یہ قانون بن چکا ہے، کہ سچائی کے ان پکارنے والوں ہی کی آخر حیت ہوگی،

كُتِبَ اللَّهُ لَا تُخْلِفَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (مجادلہ - ۳) اللہ لکھ چکا کہ میں ہی غالب ہوں گا، اور میرے رسول،

فائدہ اس تفصیل اور تشریح سے مقصود ناظرین کو نبوت کے اعلیٰ کمالات کا ایک جلوہ دکھانا تھا،

فلسفی را از پیروا شناس	آبگینہ را ز گوہر و اشناس
آبگینہ را نہ پنداری بدست	جزو میکہ گوہرے آری بدست
چون گمراہ بدست شب چراغ	آبگینہ شد سپہ چون پر زراغ
فلسفی اندر بن چاہ و نژد	زردبان دارد بخور شید بلند
زردبانش می برد تا چند ارش	پس بچاہ افتد نگون گشتہ سرش
وان پیمر خود ز بارم آسمان	رشتہ افکنده سوئے خاکیان
رشتہ جان را بدین رشتہ تباب	پس بر آ، تا بار گاہ آفتاب
ز آسمان پیمیر آواز ت دہد	فلسفی از خاک پرواز ت دہد
این زود و رت رہنماید سو جان	وان بخواند خود ترا از کوئے جان

# شبِ ظلمت

پیغمبرِ اسلام کی بعثت کے وقت دنیا کی ہندسی اور اخلاقی حالت

اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کی ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے، بارش کی تشکیلی سختی اس کے بعد ہی زیادہ خوشگوار معلوم ہوتی ہے، روشنی کی پوری قدر شبِ تاریک ہی میں ہوتی ہے، اور فضا جس قدر تاریک ہو، بجلی کی چمک اتنی ہی زیادہ درخشان نظر آتی ہے، تو اس میں شبہ نہیں کہ ہر اصلاحی تحریک کی وقعت اور عظمت کے جانچنے میں یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ دنیا اس وقت کتنی گمراہی میں مبتلا اور اصلاح کی محتاج تھی، اور یہی اصلاح کی محتاج تھی، جس کے لیے پیغمبرِ انہ دست و بازو کی حاجت تھی، اور وہ بھی ایک ایسے پیغمبر کے دست و بازو کی جس کے متعلق خود خدا یہ فرما سکے،

إِنَّ الدِّينَ بِيَاكُوعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ  
جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، وہ خدا کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، اور ان کے ہاتھوں کے اوپر خدا کا ہاتھ ہے، (فتح - ۱)

اسلام یا محمد رسول اللہ صلعم کے پیغام اور تعلیم کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ ہے، کہ وہ دنیا کی ایک عظیم الشان روحانی اخلاقی معاشرتی دعوت تھی، اس بنا پر ہم دیکھنا چاہیے کہ ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی کیا حالت تھی؟ اس وقت کی دنیا کے متعلق اگر یہ کہا جائے، کہ وہ ایک ایسا کرہ ارضی تھا، جس پر آفتاب نہیں چمکتا تھا، تو بالکل سچ ہوگا، تمام دنیا میں سچے اور صحیح عقیدہ کا کہن وجود نہ تھا، تو حید کی روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ خروم تھا، تھوڑے یونان و روم میں، سورج، چاند، اور مختلف تیاروں اور ستاروں کی خدائی تھی، انہیں کے معبود تھے، اور ان کے ناموں پر بے گناہ انسانوں اور جانوروں کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں، ہر جگہ پتھر کی مورتوں اور مٹی

کی صورتوں اور سونے چاندی اور جواہرات کے بتوں کی پوجا کی جاتی تھی،

اس وقت کی دنیا میں اخلاق کے تین معلم تھے، رواقی، عیسائی اور بودھ مت کے پیرو اور یہ تینوں کے تینوں تجربہ، رہبانیت، اور جوگی پن میں مبتلا ہو کر اس طرح غفلت ہو گئے تھے کہ دنیا کا دستِ تکی شل ہو کر رہ گیا تھا، اور ایسی سخت سنگد لائے ریاضتوں کو نیکی اور عبادت کا مراد سمجھ رہا تھا کہ آج انکی تفصیلات سننے سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں،

یہ سچ ہے کہ مسیح نے چھ صدی قبل ترکیہ نفس کے کچھ درس دیئے تھے، لیکن مدت ہوئی، دنیا اس کو بھلا چکی تھی، یہ بھی سچ ہے کہ موسیٰ نے اس سے بھی پیشتر ہدایت و نجات کی ایک شمع جلائی تھی، لیکن قتلوں اور ہنگاموں کی آمدھی میں یہ چراغ طو رہی جل کر گل ہو گیا تھا، اور پھر یہ بھی سچ ہے کہ مدت مدید ہوئی کہ زرتشت نے روحانیت کی آگ سلگائی تھی، لیکن یہ شعلہ بھی انسانی خون کی چھینٹوں سے سرد ہو چکا تھا، یہ بھی سچ ہے کہ آگ بھی پہلے بودہ نے آریہ ورت کے پہاڑوں اور غاروں میں روح کا دارالامن ڈھونڈ نکالا تھا، مگر حوادث کے طوفان نے ان پہاڑوں کو بے نام و نشان صحرا اور ان غاروں کو درندوں کا بھٹ بنا دیا تھا، ہر قوم دوسری قوم سے برسرِ بیکار اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا، حرص و طمع اور کشت و خون کی گرم بازاریں تھیں نفس انسانی کی ملکوتی طاقت جذباتِ خبیثہ کے دیوتا کے سامنے پامال ہو چکی تھی، عدل رستی اور پاکبازی و پارسائی کے عطرِ معبر کی خوشبو انسان کے جانہ خاکی سے اڑ چکی تھی، توحید اور خدا پرستی کا نور دیوتاؤں، دیسیوں، ستاروں، شہیدوں، دیوں، اور مجنوں کی پرستش کی عالمگیر تاریکی میں چھپ گیا تھا، غرض دنیا کے حالات ہر طرح سے اس ضرورت کے متقاضی تھے کہ کوئی عالم کا معلم، اخلاق کا معلم، حق کا داعی، کوئی نجات دہندہ، آخری بار وجود میں آئے، اور وہ انسانیت کے شیرازہ میں، جو عرصہ دراز سے پراگندہ و منتشر ہو رہا تھا، نظم و انتظام پیدا کر دے، اور روحانیت و خدا پرستی کے خزان رسیدہ باغ کو از سر نو پربہار بلکہ سدا بہار اور دنیا کے ظلمتکار کو بچھڑا کر مطلعِ انوار بنا دے،



یہ اس عہد کی دنیا کی حالت کا ایک اجمالی خاکہ تھا تفصیل کے لیے ہمیں مختلف قوموں اور ان کے مذہبوں کی تاریخ پر ایک ایک کر کے نظر کرنی چاہیے،

ظہور اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی اور مذہبی حالت

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت مصر، یونان، کلدانیا، اسیریا، اور بابل کی عظمت، افسانہ پارسیہ بن چکی تھی، خود عرب و مضافات عرب میں جو نامور حکومتیں کبھی تھیں مثلاً

نابتی، حمیری، سبائی وغیرہ مدت گزری کہ ان کا خاتمہ ہو چکا تھا،

اس موقع پر صرف یہ دیکھنا مقصود ہے کہ صبح سعادت کے طلوع کے وقت میں کون کون قومیں دنیا پر حکمران تھیں اور ان کی مذہبی و اخلاقی حالت کیا تھی، اور دنیا کے مذاہب اس وقت کی روحانی حالت کے سنبھالنے کی کمان تک استطاعت رکھتے تھے، اس وقت روئے زمین کی اہم طاقتیں دو ہی تھیں فارس اور روم فارس کا مذہب مجوسیت تھا، جس کا دائرہ عراق سے لیکر ہندوستان کی سرحد تک محیط تھا، اور روم کا مذہب عیسوی تھا، جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے تینوں براعظموں کو گھیرے تھا، لیکن مذہبی حیثیت سے دو اور قومیں بھی ذکر کے قابل ہیں جنہیں سے ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ قدامت کا دعویٰ ہے، اور وہ یہود اور ہندو ہیں،

موس فارس عرب کی پہلی ہمسایہ سلطنت فارس تھی جس کے تمدن کا ستارہ ایک زمانہ میں اوج کمال پر تھا مگر عہد بعثت سے سو ڈیڑھ سو برس پہلے سے ساسانی شان و شوکت اور کیانی جاہ و جلال ٹٹتے ٹٹتے سایہ سا گیا تھا مسلسل بغاوتوں، ستاکانہ خونریزیوں اور سیاسی بد امنیوں نے اس کو تہ و بالا کر دیا تھا، بادشاہوں کے ظلم و ستم اور امراء کی غیاشیوں اور خود غرضیوں نے صداقت، اخلاص اور ہر قسم کے اخلاقی جوہر کو جن کے خیر سے قوم کی زندگی تعمیر ہوتی ہے افنا کر دیا تھا،

ایران میں بابل کے اثر سے ستارہ پرستی بہت عام تھی، اسی کا اثر ہے کہ فارسی لٹریچر میں افلاک اور ستاروں کی کار فرمائی آج تک نمایاں ہے، زردشت نے اس تاریکی میں اپنی آگ روشن کی، اور نور و

ظلمت یا خیر و شر کے دو خالق یزدان و اہرمزُن اُسکے دو خدا اور آگ اور مٹی مسجد بنی، اسلام سے کچھ صدیاں پیشتر ہی  
 نے مسیحیت اور مجوسیت کی آمیزش سے مذہب کا ایک نیا مرقع تیار کیا تھا، جس میں نور و ظلمت کے فلسفہ کا  
 ایسا گور کھ دھندلایا تھا جس سے اخیر آخر تک اس قوم کو نکھنا نصیب نہ ہوا، اسکی تعلیم یہ تھی کہ دُنیا سے گوشہ گیر  
 کر کے اُس کو ایران و برباد اور ترک زد و ولج سے نسل انسانی کو منقطع کر دیا جائے، تاکہ ہدی کا خاتمہ ہو جائے  
 اخلاقی حیثیت سے حرمت کا وجود ہمیشہ اُن کے ہاں مختلف فیہ رہا، باپ کا بیٹی کو، اور بھائی کا بہن کو اپنی زود  
 بین پسند و ہاں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی، یہ سنکر کس قدر حیرت ہوگی، کہ یزدگرد ثانی جو پانچویں صدی عیسوی کے  
 وسط میں وہاں کا بادشاہ تھا، اس نے اپنی بیٹی سے اپنا عقد کیا، اور پھر اس کو قتل کر ڈالا، عورتوں کو اس قسم  
 اور اس مذہب میں جو حیثیت حاصل تھی، وہ اُن افسانوں اور مقولوں سے ظاہر ہے، جو ایرانی ادبیات کا  
 اب بھی جزو ہیں، اور جو شاہنامہ کے اوراق میں اب بھی ہر شخص کو نظر آسکتی ہے، عورتوں کی بیوفائی، بغض  
 اور اُن پر عدم اعتماد پرانے ایرانی تمدن کا سب سے بڑا جزو تھا،

سلاطین اور امراء درجہ بدرجہ رعایا کے خدا اور دیوتا تھے جن کو سجدے کیے جاتے تھے، اُن کی اوتھیت  
 کے گیت گائے جاتے تھے، اُن کے دربار میں کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا، اُن کے خلاف کوئی کبتالی  
 جرات نہیں کر سکتا تھا، اُن کے جرائم پر اُن کو سزا نہیں دی جاسکتی تھی، رعایا اُن کے مظالم کے سامنے دم نہیں  
 مار سکتی تھی،

ملک کا بڑا حصہ رومی عیسائیوں کی دائمی جنگ سر پریشان حال تھا، اور گرجاؤں اور آتشکدہ دن کی  
 باہمی آدیزش کا غیر مختتم سلسلہ قائم تھا، جب رومی فاتح ہوتے تو آتش خانے ٹوٹ کر کلیسے بناتے اور جب ایرانی

۱۔ کتاب الفہرست ابن ندیم ذکر مانی، و کتاب البیہ، و التاریخ مقدسی فرقہ نازیہ ۳۵۰ تا تاریخ غر اخبار الفرس ثعلبی، مطبوعہ پیرس  
 صفحہ ۵۰۲، ۳۵۰ ایضاً صفحہ ۳۵۰، ابو داؤد دین ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں حکم دیا کہ جو سیدین کو اس فصل شیع سے باز رکھا جائے  
 کتاب الخراج والامارۃ و الفی جلد دوم صفحہ ۲۴  
 ۲۔ مورخوں کی تاریخ عالم ج ۸ ص ۸۴، ۳۵۰ غر اخبار الفرس ثعلبی، صفحہ ۵۰۲ پیرس،

غالب آتے، تو کیسے ٹوٹ کر آفتاب دیوتا کے معبد اور آتش خانے تعمیر ہو جاتے، یہودیوں کا جو مظالم توڑے جاتے اُس کا ایک مختصر سا نقشہ تورات کے قصہ ایسٹرین نظر آتا ہے، اور بعد کو متوجع عیسائیوں پر وہ جس جس طرح ظلم کرتے تھے، اُسکی تفصیل کین کے اوراق میں منتشر طور پر ملے گی،

بعثت سے پہلے جہان بانی کا قرعہ قیاد اول بن فیروز کے نام پڑا، بیرونی حملوں اور اندرونی بد نظمیوں کا سلسلہ روز بروز بڑھتا گیا، آخر رعایا نے قباد کو قید کر دیا، قباد نے قید خانہ سے بھاگ کر تاتاریوں کے پاس پناہ لی، اور ان کی اعانت سے دوبارہ تاج مہل کیا لیکن ملک پر اس سے بھی زیادہ مصیبت یہ نازل ہوئی ہے کہ اس کے عہد میں مزدک نام ایک شخص پیدا ہوتا ہے، جو اس امر کی تعلیم دیتا ہے، کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی ملک نہیں، بلکہ اُن کو تمام جماعت میں مشترک ہونا چاہیے، چنانچہ ایک شخص کی بیوی مزدک کے عقائد کی رو سے ہر شخص کے ساتھ ہم بستر ہو سکتی تھی، عیش پرست اور ہوس ران امراء اور عوام دونوں نے اُس کو خوشی خوشی قبول کیا، اس مذہب نے بہت جلد شاہی سایہ میں ترقی حاصل کی، اور خود قباد نے اس دین کی ترویج و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا، قوم کی اخلاقی حالت پر اس تعلیم کا جو اثر پڑ سکتا ہے، وہ ظاہر ہے نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ملک عیش پرستی اور ہوس رانی کے نشہ میں سرشار ہو گیا،

۵۳۱ء میں قباد کی جگہ خسرو نوشیروان نے لی، ایرانیوں میں اس کی عدل پروری اسب تک مشہور ہوئی مگر اس کو یہ مبارک لقب اپنے عزیزوں اور افسردن اور ہزاروں بے گناہوں کے قتل کے بدولت ملا، مزدک کی فتنہ کو اُس نے تلوار کے زور سے دبانا اور کیش زردشتی کو دوبارہ فروغ دینا چاہا، مگر خود اُس کا بیٹا نوشیروان شلیٹ پرستی کی طرف مائل تھا، اس کے پاداش میں قید ہوا، اور قید سے بھاگ کر ایک عیسائی فوج کے کمر زوشتیوں سے صفت آرا ہوا اور مارا گیا،

۵۷۹ء میں نوشیروان نے وفات پائی، اور ایران کا تخت، ہرمز چہارم کے حصہ میں آیا، اغیار کی

۱۵ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع یا زہم جلد ۲۱ ص ۲۲۳، ۱۵ غرارجا الفرس شاہی صفحہ ۵۵۰ پیرس،

دست اندازیوں کیساتھ اندرونی نظمی اور باہمی خانہ جنگی، بادشاہوں کی متغافل شکاری، امر کی عیش پرستی اور عوام کے اخلاقی انحطاط میں برابر ترقی ہی ہوتی گئی، یہاں تک کہ ۶۳۲ء میں مجاہدین اسلام کی فتح مندی کے طوفانی صحرے کے سامنے ملک فارس کی ٹٹمٹاتی ہوئی شمع ہمیشہ کے لیے بجھ گئی،

اوپر کے بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ایران کی سرزمین نعمت و حمید سے کبھی گوش آشنا نہیں ہوئی، اخلاق کے متحدہ ابواب میں جو ادن کے آئین میں کبھی دخل نہیں ہوئے، یزدان و اہرمین، نور و ظلمت اور خیر و شر کی بھول بھلیوں نے ان کو ہمیشہ سرگردان رکھا، حکومت اور شاہی کے متعلق ان کا تخیل خدائی کا مرتبہ تھا، اسلام و فارس کی جنگ میں مغیرہ بن شعبہ مسلمانوں کی طرف سے سفیر بنکر جب سپہ سالار ایران کی بارگاہ میں گئے، اور آزادی کے ساتھ جا کر برابری سے بیٹھ گئے، تو ایرانی امیرون کو اس میں اپنے نائب السلطنہ کی توہین نظر آئی، اور ان کو سامنے سے ذلت کے ساتھ اٹھا دیا، اونھوں نے جواب میں کہا: ”ہم عربوں کا یہ دستور نہیں کہ ایک خدا بنکر بیٹھے اور دوسرے اُس کے سامنے غلامی اور بندگی کریں!“

آنحضرت صلعم کی ولادت سے تقریباً ڈیڑھ صدی پیشتر سے ایران میں جس قسم کا سیاسی انحطاط شروع ہو گیا تھا، وہ روز بروز بڑھتا ہی گیا، اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے، کہ فارس کے روحانی تشکدہ میں اب زندگی کی کوئی چرنگاری باقی نہیں رہ گئی تھی، اسی لیے جب اسلام کا نور طلوع ہوا، تو اس کے شعور کے لیے کوئی دوسرا پردہ پنج میں نہ ہوا، ہر جان ملک جو کجاسمی تعصب، عساکر اسلامی کو ان کی زبان سے ”قرقان عرب“ کا لقب دلاتا ہے، فتح فارس کے متعلق حسب ذیل رائے دیئے ہیں:-

یزدجرد ثالث کا عہد حکومت اس لیے یادگار ہے کہ اسی زمانہ میں فارس کی مسلم نشانی

کا تختہ برہنہ تن ”سوسمار خوارون“ کے ایک ستہ نے الٹ دیا کہ اسی تحقیر آمیز لقب کیساتھ عرب قبائل

کے یہ مغرور ہمایہ ان کا ذکر کرتے تھے، اس انقلاب عظیم کی علت کوئی معمولی سبب نہیں ہو سکتا

(مسلمان) فارسی مورخین، کچھ تو اپنے حب وطن اور کچھ اپنی دہم پرستی کی بنا پر اس واقعہ کو ایک عجیب و غریب خیال کرتے ہیں، جس کے ذریعہ سے خدا نے مغز کی صداقت کو ظاہر کر دیا، لیکن جو لوگ دنیاوی حیثیت سے اس واقعہ پر غور کرتے ہیں، انہیں فوراً نظر آجاتا ہے، کہ فارس کی ایسی سلطنت، جو عیش پرستی کے ہاتھوں لاغر و نحیف ہو چکی ہو، جس میں اندرونی منافقات کے باعث بد نظمیان پھیلی ہوئی ہوں، جو بیرونی جاربات سے بیکھرستہ نہاں ہوں، اور جو اپنی لکڑی اور نقابست سے قعرِ دال کی جانب خمیدہ پشت ہو، اس کے لیے پر جوش قزاقانِ عرب کی مدافعت کرنا سخت دشوار تھا۔

مگر سوال یہ ہے کہ پاک نثر دساسانیوں کی خستگی و ناتوانی، تھا بہت کمزوری "قزاقانِ عرب" ہی کی ترقی کی کیون تہید بنی؟ کیا نہتے عربوں کے پاس اس سے زیادہ سامانِ جنگ اور سپاہی تھے، جو عراقِ ایران کے اخیرِ خیر معرکوں میں بھی ایرانی عربوں کے مقابلہ میں لاتے رہے؟ واقعہ یہ ہے، کہ زرتشت کی آگ میں اب گری نہیں باقی رہی تھی، نورِ ظلمت، خیر و شر، نیکی و بدی کے فلسفہ نے ایران کی ہر قسم کی علمی طاقت فنا کر دی تھی، "یزدان" اور "اہرمین" کی دو علمی حکومت نے روحانی امنِ امان کی سلطنت برباد کر دی تھی، یسویں چھوٹے بڑے فلسفیانہ مذاہب فرستے پیدا ہو گئے تھے، جنہیں سب سے اہم مانوی فرقہ تھا، جو عیسائیت اور مجوسیت کا ماحول کرب تھا، آخر میں مزدکی فرقہ کی ہیمنہ تعلیم نے ایران کی اخلاقی رُوح کو اور بھی موت کے قریب کر دیا، نو شیردان نے تواریک نوک سے اس فرقہ کو دبایا، اور اس کے صلہ میں بادشاہِ عادل و دادگر کا خطاب بھی پایا، تاہم ایران کی روحانی زندگی ان خون کی چھینٹوں کے بعد بھی اسی طرح تشنہ لب رہی، جس طرح پہلے تھی، اور منتظر تھی کہ دنیا کے خشک صحرائے عرب سے چشمہ اُبل کر ادھر آئے تو وہ اپنی پیاس بجھائے۔

عیسائیِ روم | آغاز اسلام کے وقت جس قدر ایران کی جہانی دروہانی شہنشاہی کے اوراق منتشر و پراگندہ تھے،

۱۔ ملکہ صاحب کی تاریخ ایران، جلد اول صفحہ ۱۱۳۳، ۱۱۳۴ تفصیل کے لئے فہرست ابن ندیم دیکھو صفحہ ۴۲، ۴۳، مصر،

روم کی قبائے سلطنت اس سے کچھ کم کرم خوردہ نہ تھی، حالانکہ یہ وہی رومۃ الکبریٰ ہے جو یونان کے زوال کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت سمجھی جاتی تھی اور جس کے ایک تاجدار جو لیس سیزر کا نام ہمیشہ کے لیے قیصر کی صورت میں بادشاہ و شہنشاہ کامرادون بن گیا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی سلطنت میں مبعوث ہو کر دنیا کو امن و سلامتی کا پیام سن کر رخصت ہوئے، اُن کے رفیع و صعود کے بعد ہی اُن کے شاگردوں میں فرقہ آرائیان شروع ہوئیں، اور بالآخر پال نے جو ایک نو عیسائی یہودی تھا، اس طرح عیسائیوں پر غلبہ پایا کہ اس کے بدعات کی خاک میں اصلی عیسویت ہمیشہ کے لیے دفن ہو گئی، اور باپ، بیٹے روح القدس کا مشترک نہ عقیدہ اس میں داخل ہو گیا، اور توراۃ جس کا کوئی نقطہ نور حضرت عیسیٰ بھی مٹا نہیں سکتے تھے، وہ اُن کی روحانی شاگردی کے مدعی (پال) کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے لعنت قرار پائی، ۳۲ء میں رومی سلطنت کے مشرقی و مغربی دو حصے ہو گئے، مشرقی حصہ کے تاجدار قسطنطین اعظم نے عیسائی مذہب اختیار کیا، اور رفتہ رفتہ پوری رومی حکومت میں یہ مذہب پھیل گیا، مگر درحقیقت اُس مشرقی تاجدار روم کے اس قبول مذہب کا جذبہ اخلاص و صداقت سے زیادہ سیاست اور سلطنت کی مصلحت پر مبنی تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اب باپ، بیٹے، اور روح القدس کی تثلیثی الوہیت میں ہر نیامک جو فتح ہوتا، اس کا دیوتا کسی نہ کسی نام اور رسم سے اس مذہب میں شامل ہو جاتا، تخت سلطنت کے غیر متوقع جھولنے نے مذہبی خاکساروں میں یہ حوصلہ پیدا کر دیا، کہ کلیساؤں نے مذہبی شہنشاہی کا خواب دیکھنا شروع کر دیا، اس کے لیے عقائد کی وہ لڑائیاں کھڑی کی گئیں، کہ شاہانہ سایہ میں بیٹھ کر بھی کونساو نے خدا کے دین کا خاکہ تیار نہیں کیا، اتحاد اور اجتماع کی ہر نئی کوشش نئی مذہبی تفریق کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، اور ایک عیسوی مذہب ایک صدی کے اندر اندر بیسیوں فرقوں میں تقسیم ہو گیا،

۳۳۷ء میں قسطنطین کی وفات پر مذہبی خانہ جنگیوں کے ساتھ ساتھ رومیوں کی سیاسی خانہ جنگیوں کی زیر خاکستر آگ بھی زور شور سے شعلہ زن ہوئی، اعیان سلطنت میں مختلف گروہ بن دیان ہو گئے، اور با

۱۵۰-۱۴۵-۱۴۰ء یہ مضامین عیسائیوں کی انجیل کے حصہ اعمال اور خطوط میں جابجا تہجیر مذکور ہیں،

الغرض چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ پر یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دو چار سال بعد روم بقول  
 گبن کے اپنے زوال کے سب سے ترین نقطہ تک پہنچ گیا تھا، اور (گبن کی زبان میں) اس کی مثال بعینہ اس  
 عظیم الشان درخت کی ہو گئی تھی، جس کے سایہ میں ایک وقت تمام اقوام عالم آباد تھیں، مگر اس پر ایسی خزان کی  
 کہ برگ ہمارے ساتھ اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بھی رخصت ہو گئی تھیں، اور اب خالی ترے خشک ہو رہا تھا،  
 خود پایہ تخت کے اندر غنیم کے گھس آنے کا ایسا خوف تمام آبادی پر چھایا ہوا تھا، کہ تقریباً کل کاروبار بند ہو گئے  
 تھے، وہ بازار اور تماشاکاہیں جہاں دن رات پھل پھل رہتی تھی، اب ویران اور سنان پڑی تھیں، عیشیہ  
 کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک عرصہ سے تامل کے بجائے تجربہ کی زندگی زیادہ پسند کرتے تھے، تاکہ زیادہ آسانی اور  
 آزادی کے ساتھ اپنے شہوانی جذبات کی تسفی کر سکیں۔

ملک کی عام سیاسی و اخلاقی حالت سے قطع نظر کر کے، جب ہم مذہبی پہلو پر نظر کرتے ہیں تو اس سے  
 بھی زیادہ دلخراش تصویر نظر آتی ہے، بہت پرست رعایا کو چھوڑ کر جو ستارون، دیوتاؤں اور بتوں کی پوجا میں  
 بدستور مصروف تھیں، اور جنہوں نے عیسائیت قبول بھی کر لی تھی، وہ باپ، بیٹا، روح القدس اور مریم کی خدا  
 کے متفقہ تھے، حضرت عیسیٰ اور مریم روح القدس کی شخصیت اور مرتبہ کی تعیین نے عیسویوں فریق پیدا کر دیے  
 تھے، جنہیں زبانی مناظروں سے گزر کر جنگ و جدل کی نوبت آ گئی تھی، یہاں تک کہ ۵۱۴ء میں خود عیسائیوں  
 کے دو گروہوں کے درمیان ایک عظیم الشان مذہبی جنگ چھڑی جنہیں ۶۵۰۰۰ عیسائیوں کو خارج البلد  
 ہونا پڑا، اس جنگ عظیم کے علاوہ ہمہ وقت ہر فریق دوسرے فریق کے خون کا پیاسا رہا کرتا، اور بار بار  
 بھوٹی بھوٹی باتوں پر کشت و خون کی نوبت آ جاتی، پادریوں نے اپنے منصب مذہبی کو حصول جاہ کا ایک  
 ذریعہ قرار دے لیا تھا، اور اس بنا پر محض حسب جاہ کی خاطر وہ ہر طرح کی ناجائز کوششوں میں مصروف رہتے  
 ان پادریوں کے ایک استقف اعظم سینٹ سرل نے جو جو سفایاں کی ہیں، ان کی تفصیل کے لیے ایک

پوری کتاب درکار ہے، ایک مرتبہ اُس نے اپنے مریدوں کو ہمراہ لیکر غیر مسلح یہودیوں پر دھاوا کیا، اور ان سب کو جلاوطن کر دیا، ان کا مال اسباب ہر ل کے مریدوں کے ہاتھ لگا، اور ان کے معاہدہ زمین کے برابر کر دیئے گئے، ہر کا حریف اسٹس نامی پادری تھا، ایک روز جب اسٹس راستہ سے گزر رہا تھا، تو ۵۰۰ راہبوں کی جماعت اس پر ٹوٹ پڑی اور اپنی سنگ باری سے اُس کو خون میں نہلا دیا، سر ل کی ایک خاتون دوست بلتیشیا نامی تھی ایک روز وہ اپنی درنگاہ سے واپس آرہی تھی کہ راہبوں کے ایک بہت بڑے گروہ نے اس پر حملہ کر دیا، گاڑی سے اتار کر برہنہ کی گئی اور اس حالت میں تمام شہر کی سڑکوں پر گھسٹے ہوئے اُسے کلیسا میں لائے، جہاں پہنچ کر پاپٹیر کے گریز سے اس کا خاتمہ کر دیا گیا، قتل کے بعد اس کا گوشت ہڈیوں سے جدا کیا گیا، نقش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے، اور آلائشِ جسم کو آگ میں ڈال دیا گیا، یہ واقعات ایسے ہیں جنکے ذکر سے آج قلم رزنا ہے، مگر عیسائی مذہب کے علمبرداروں کا سب سے روشن کارنامہ ہے، یہی حالت ان تمام ملکوں کی تھی جہاں روہیوں کے زیر سایہ عیسوی مذہب پھیلا ہوا تھا، یعقوبی، نستوری، اور دوسرے فرقے جو سرکاری عیسوی مذہب کے الگ تھے، وہ دراز صوبوں اور ملکوں میں اپنی پناہ ڈھونڈتے تھے، تائیس کی کونسل کے بعد آریوس اور اُس کے حریفوں میں جو معرکہ آرمیاں ہوئیں، انھوں نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ شہزادہ امن کا مذہب ان جنگ جوؤں کے ہاتھ تباہ و برباد ہونے سے بچ نہیں سکتا،

مسٹر مارٹس، جو پیغمبر اسلام کو، نعوذ باللہ، بہت بڑا حکما قرار دیتے ہیں، اپنی تاریخ ہندوستان میں ضمنہ ایک موقع پر تحریر کرتے ہیں :-

”اس نازک موقع پر (یعنی ظہور اسلام کے وقت) ان بے باکانہ بدعات کے درمیان جو چرچ

جو بچ کر رہے تھے، اور اختلافات کے اس غیر منقطع سلسلہ کے درمیان، جو چرچ میں ایک پل

ڈالے ہوئے تھے، اگرچہ مشرق میں اہل سحیت کی شمع نظر آتی تھی، لیکن بہت ہی مدہم، روم کے



قصر وں کی قوت کچھ تو اندرونی نزاعوں اور کچھ بیرونی حملوں کے باعث اپنی بنیاد سے اکھڑ کر فخر  
 ناک طرف تیز رفتاری کے ساتھ جا رہی تھی، یہودی بے مہری کے ساتھ گیلی کے اس حقیر شخص کے  
 مذہب پر نظر کر رہے تھے، جس کے دین کو اب شاہ قسطنطین کے مسیحی ہو جانے کے بعد پوری شہر  
 دشوکت اور شاہی عظمت حاصل ہو گئی تھی، اور ہر اس تحریک کی مدد کے لیے تیار تھے جو ایسے قابل  
 نفرت مذہب کا خاتمہ کرنا چاہے۔۔۔۔۔ اہل فارس نہایت غیظ و غضب کے ساتھ ان پر جوش  
 و نار وادار مستند عیسائیوں کو دیکھ رہے تھے جنہوں نے ان کے معبود آتش شمس کی بے حرمتی کی  
 تھی، اور شرک کی ساری دنیا اپنے برباد شدہ معبودوں اور ڈھٹے ہوئے معبودوں پر ماتم کر رہی  
 اور ان کے انتقام کے لیے آمادہ اور مستعد تھی۔

مارس صاحب واقعات کی نقشہ کشی میں خواہ کتنا ہی مسیحی رنگ بھرن لیکن نفس واقعات کی صحت انکو  
 شاید ہم سے بھی زیادہ ملم ہے،

بہر حال مؤرخین کا بیان ہے، کہ تیسری صدی سے لیکر ساتویں صدی تک مسیحیت کی جو حالت رہی  
 ہے، وہ اس کے لیے باعث تنگ ہے، مشرکانہ رسوم نے مذہب کی جگہ لے لی تھی، اصل رومی بت پرستانہ  
 عقیدوں نے مسیحی مذہب کا روپ بھر لیا تھا، حضرت مسیح کے ناسوتی اور لاہوتی دو عنصروں کی تحلیل و تھوڑا  
 بین لانے کے لیے لگی، جس سے حضرت مسیح کے ”وہی ایک ہے“ کی تعلیم ہمیشہ کے لیے ان کے مذہب سے مٹ گئی  
 ضیعت الاعتقادی اس درجہ بڑھ گئی تھی، کہ قبر پرستی عام ہو گئی تھی، اور ہر بڑے پادری سے اسکی وفات کے بعد  
 دعا مانگی جاتی تھی، ملک شام میں جو بڑے پادری اور بطریق تھے، ان کے معتقد ان کو سجدے کرتے تھے،  
 مسیح و مریم روح القدس اور حواریین اور مسیحیت کے دیگر اساطین کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش اس کثرت سے  
 ہونے لگی، کہ اس کی نظیر زمانہ مابعد کے رومن کیتھولک فرقہ کی بت پرستی میں بھی نہیں ملتی،

سیل صاحب ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :-

”گر جا کے پادریوں (CLERGY) نے مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے، اور اس منہجیت اور نیکی کو منقود کر دیا تھا، اصل مذہب کو بھول گئے تھے اور اس کے متعلق اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے، اسی تاریک زمانہ میں اکثر وہ توہمات جو رومن چرچ کے لیے باعث ننگ بن مذہبی صورت میں قائم کیے گئے، خصوصاً ولیون اور مجنون کی پرستش نہایت بے شری سے ہونے لگی، نیس کی کاؤنسل کے بعد مشرقی چرچ روزانہ کے مناظرات میں مشغول ہو گیا، اور ایرینس سبلنس، بسطرنس، اور یوٹیکنس کے جھگڑوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، انصاف علانیہ فروغ کیا جاتا تھا اور ہر طرح کی بدعنوانیاں ہوتی تھیں،

مغربی چرچ میں ڈیسیس اور اسیسٹس نے بشارت کی جگہ حاصل کرنے کے لیے قتل تک پہنچا دی اور آخر ٹیٹس کی فتح ہوئی، اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ سسی نیس (SICININUS) کے گرجا میں ایک روز میں ۱۳۷ آدمی قتل کئے ہوئے پائے گئے، اور کوئی حیرت نہیں کہ یہ لوگ ان جگہوں کے اس قدر خواہاں ہوتے تھے، اس لیے اس ذریعہ سے ان کو گراں بہا سمجھتے تھے، اپنی گاڑیوں پر نہایت تزک و احتشام سے نکلتے تھے، اور ان کے دسترخوان پر بادشاہوں سے زیادہ شان و شوکت ہوتی تھی،

ان منافقات کا سبب زیادہ تر شاہ ہوا کرتے تھے، جسٹینین کے وقت میں حالت اور زبہ خراب ہو گئی، اس کے نزدیک اپنے عقیدہ کے مخالفوں کو مار ڈالنا کوئی جرم ہی نہ تھا، بادشاہوں اور پادریوں میں عقائد اور اخلاق کی جو خرابیاں پھیلی ہوئی تھیں اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عوام کی حالت بھی مبتذل ہو گئی، ان کا مقصد صرف روپیہ پیدا کرنا رہ گیا خواہ کسی ذریعہ سے ہو اور اس روپیہ کو وہ نفاست اور عیاشی میں اڑاتے تھے،

عقائد کی خرابی کے علاوہ روم اور فارس کی سلطنتیں بھی کمزور ہو گئی تھیں، شہنشاہ قسطنطین کے بعد روم کی سلطنت روز بروز کمزور ہوتی گئی، عام طور سے اس کے جانشین بزدلی اور مظالم کیلئے مشہور تھے، انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک ملک کا مغربی حصہ گاتھ لوگون (GOTHs) نے روند ڈالا تھا، ..... یونانیوں کی عیش پسندی اور اخلاقی انحطاط

نے ان کی قوت کو زائل کر دیا تھا،

رومیوں نے عیسوی مذہب کو جس صورت میں قبول کیا تھا، اس کی تصویر ڈیر سپر کے الفاظ میں حسب ذیل ”دونوں (عیسائیت اور بت پرستی) کی باہمی کشمکش کا نتیجہ ہوا کہ دونوں کے مہول شریک ہو گئے، اور ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا، جس میں بت پرستی و عیسائیت دونوں کی شانیں پہلو بہ پہلو جلوہ گر تھیں“ ..... جون جون زمانہ گزرتا گیا وہ مذہبی عقائد جتنی تفصیل و تفصیل نے بیان کی ہے، متغیر ہو کر ایک عام پسند مگر پایہ اخلاق سے گرے ہوئے مذہب کی شکل اختیار کرتے گئے، ان عقائد میں قدیم یونانی اصنام پرستی کا عنصر مخلوط ہو گیا ..... عقیدہ تثلیث قدیم مصری روایات کے سانچہ میں ڈھال لیا گیا ..... مریم عذرا کو تو ”خدا کی ماں“ کا لقب دیا گیا۔

اسی زمانہ میں ایک گروہ مریمی کے نام سے پیدا ہوا، جو حضرت مریم کو بھی شریک الوہیت کر کے بچاؤ افانیم تلمذ کے افانیم اربعہ کا اعتقاد رکھتا تھا، جس کی تردید قرآن پاک نے سورہ آل عمران میں فرمائی ہے اسی کے ساتھ اور بت سے معتقدات رومی بت پرستوں سے لیکر عیسائیت میں داخل کیے گئے، اور نام بدل کر رومی بت پرستوں کے دیوتاؤں کے رسوم مقدس عیسائی کلیساؤں میں جگہ پانے لگے اور ان مسائل میں بھی مختلف فرقوں کے اندر اختلافات باہمی نہایت شد و مد سے پیدا ہوئے، یہاں تک کہ ان مذہبی منافقات کے

تصفیہ کے لیے حکومت کو بار بار دست اندازی کرنا پڑتی تھی، رفتہ رفتہ رشوت ستانی کا بازار گرم ہو گیا، اور یہ حالت ہو گئی کہ جو شخص کسی بڑے دنیاوی عہدہ دار کے پاس جتنا رسوخ و تقرب حاصل کر سکتا اسی نسبت سے اس کو بڑی دینی خدمت مل جاتی تھی؛

یہ تو مسیحی دنیا کے مشرقی حصہ کا حال تھا، مغربی حصہ کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب تھی، یہاں <sup>من</sup> مسیحیوں کی نامتی مین مذہبی مناصب کے لیے کشت و خون ایک عام و معمولی واقعہ تھا، یہاں تک کہ بعض دفعہ مقتولین کی تعداد کسی سخت خوزیز جنگ کے مقتولوں کے مساوی پہنچ جاتی، چنانچہ ایک مرتبہ جب ایک اعلیٰ مذہبی عہدہ کے لیے دو پادریوں کے درمیان مقابلہ ہوا، تو صرف ایک <sup>من</sup> مین، ۱۳ آدمی کام آئے، اس سفاکانہ جدوجہد کا باعث صرف یہ تھا کہ اس زمانہ کے مذہبی عہدے اکتساب زر، حصول لذت، اور کسب جاہ کے بہت بڑے ذرائع تھے، چنانچہ جتنی نفیس غذا مین پادریوں کے دسترخوان پر رہتی تھیں، اتنی بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی تھیں؛

سلاطین اور مذہب کے حاملین کے اخلاق کا پر تو عام رعایا اور پیروں پر لازمی طور پر پڑتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ بد اخلاقی، اسراف اور ہوس پرستی، مسیحی دنیا کی آب ہوا میں سرایت کر گئی، لوگ ہر طرح کے ناجائز وسائل سے روپیہ کماتے، اور کمال بیدروی کے ساتھ اپنے مسرفانہ لہو و لعب اور عیاشی میں اڑا ڈالتے،

پوپوں نے اور ارون کے بعد درجہ بدرجہ مذہبی عہدہ داروں نے اپنی اپنی جگہ پر تختیاں نہ بلکہ خدائی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے، جو وہ زمین پر کھولتے تھے وہ آسمان پر کھولا جاتا تھا، اور جو یہاں بند کرتے تھے وہ وہاں بھی بند ہو جاتا تھا قرآن مجید نے اونکی اسی حالت کا ذکر اس آیت میں کیا ہے کہ اَتَّخِذُوا اَحْبَابَهُمْ وَرَبُّكَ اَنَّهُمْ اَرْبَابُكُمْ دُونَ اللّٰهِ انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا خدا بنا لیا تھا

دینداری کا سب سے اہم جز تجربہ کی زندگی اور رہبانیت تھی، ہر قسم کے آرام و آسائش سے جسم کو محروم کر کے ہر قسم کی تکلیف و عذاب میں اپنے کو تمام عمر مبتلا رکھنا بہترین عبادت تھی، کسی نے تمام عمر غسل نہ کرنے کی قسم کھا تھی، کسی نے اپنے کو دلہل میں ڈال دیا تھا، کوئی اپنے کو بوجھل زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھا، کسی نے سایہ بیٹھنے کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، کسی نے اپنے کو اندھیری کوٹھری میں بند کر لیا تھا، ماں باپ، عزیز و قریب اہل و عیال، دینداری و تقویٰ شکاری کی راہ کے کاٹے تھے، ان سے پرہیز بلکہ ان سے نفرت کمال تقویٰ سمجھا جاتا تھا، اور اسی پر فخر کیا جاتا تھا۔

ہندوستان | دنیا کے اون متہذبن ملکوں میں جہاں کوئی با اثر مذہب قائم تھا ایک ہندوستان بھی جو ہندوستان کے کچھ پانچ مختلف دور گزرے ہیں، ایک اہلی ہندو ویدک عہد جو دو ہزار سال ق م سے لیکر تقریباً چودہ سٹھ ق م تک رہا، دوسرا اور جنگ، یعنی جس میں کورون اور پانڈون وغیرہ کے مناقشات رہے، اور جو چودہ ق م سے لیکر تقریباً ایک ہزار قبل مسیح تک رہا تیسرا دور عقلیت جس میں حکماء و عقلمین کا دور دورہ تھا، اور جو ۱۰۰۰ قبل مسیح سے لیکر تقریباً تیسری صدی قبل مسیح کے نصف تک رہا، چوتھا دور بودھ جس مذہب کا عروج تقریباً دو سو پچاس قبل مسیح سے لیکر پانچویں صدی عیسوی کے خاتمہ تک رہا، پانچواں دور، پراکرت جہین بجائے وید یا گوتم بدھ کی تعلیمات کے پرانوں کی تلقین پر عمل درآمد تھا، اور یہ عہد تقریباً پانچویں صدی عیسوی کے آخر سے لیکر مسلمانوں کے داخلہ ہند تک قائم رہا،

مورخین کا اجماع ہے کہ قدیم ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ تاریک اور نقائص سے معمور آخری دور ہے، جو تقریباً سترہ سے شروع ہوتا ہے، اس دور کے نمایاں خصوصیات حسب ذیل تھیں،

(۱) شرک جو ابتدا ہی سے ہندوستان کی خمیر میں داخل تھا، اب وہ حد اعتدال سے خارج ہو گیا، چنانچہ

وید میں جو ۳۳ دیوتاؤں کی تعداد تھی، وہ اب بڑھتے بڑھتے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں تک پہنچ گئی،

۱۵ تاریخ اخلاق یوگ لیکچر کی دوسری جلد میں یہ واقعات مفصل لکھے ہیں، ۱۵۱ آر سی، دت کی "ہندوستان قدیم" جلد ۲ صفحہ ۲۴

(۲) ویدک عہد میں اصنام کی پرستش کا رواج نہ تھا، لیکن اس زمانہ میں مندروں کے اندر بت پرستی  
 علی العموم رائج ہو گئی تھی۔

(۳) مندروں کے محظنین بد اخلاقی کے سرخسہ تھے، جو لاکھوں کروڑوں ناواقف پرستش کرنے  
 والوں کو مذہب کے نام سے خوب لوٹتے تھے۔

(۴) ویدک عہد میں ساری ہندو قوم میں یگانگی تھی، لیکن اب ذات پات کی تفریق شروع ہو گئی  
 جو نظام معاشرت کی تباہ کن تھی۔

(۵) عورتوں کو محکومیت و غلامی کا درجہ دیا گیا۔

(۶) قوانین اس قدر غیر معقول و نامنصفانہ وضع کئے گئے کہ جن سے علانیہ بعض ذاتوں کی پاسداری  
 و حمایت اور بعض پر جبر و ستم مقصود تھا، مثال کے لیے چند قوانین درج ذیل ہیں،  
 (الف) برہمن کو کسی حالت میں، خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا مرتکب رہ چکا ہو سزائے موت  
 نہیں دی جاسکتی،

(ب) کسی اونچی ذات کے مرد کا کسی نیچی ذات کی عورت کے ساتھ زنا کرنا کوئی جرم نہیں،

(ج) کسی بودھ راہبہ تک کی عصمت دری کی سزا کچھ جرمانہ کافی تھی،

(د) اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھو لے تو اس کی سزا موت ہے،

(ه) اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے، تو اس کے اعضاء قطع کر ڈالے جائیں گے۔

اگر اسے گالی دے تو اس کی زبان کاٹ ڈالنی چاہیے، اور اگر اسے تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل سے  
 منہ میں ڈالنا چاہیے۔

(۷) راجاؤن کے محل میں بادہ نوشی کثرت سے رائج تھی، اور رانیان اسی حالتِ خمار میں جا  
عصمت امار ڈالتی تھیں،

(۸) شاہراہوں پر آوارہ گرد و جرائم پیشہ افراد کا مجمع لگا رہتا تھا،

(۹) خدا کی تلاش آبادیوں اور بازاروں میں کرنے کے بجائے جنگلون اور پہاڑوں میں کی جاتی تھی  
جسم کو سخت سے سخت ایذا اور تکلیف اُن کی بہترین عبادت تھی،

(۱۰) اوہام و خیالاتِ فاسدہ، بھوتوں، بلیتوں، اور سیکڑوں قسم کے ظنون و اوہام اُن کا مذہب  
تھا، اور آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز اُن کا خدا تھی، اور ہر ایک کے سامنے سر بسجود ہونا اُن کا دھرم تھا،  
بتوں، دیوتاؤں، دیویوں کا شمار اندازہ و قیاس سے باہر تھا، اور اُن کے افسانوں کا گیت اُن کا ترانہ حمد  
تھا، ظہور اسلام کے بعد بھی جو عرب سیاح یہاں آتے رہے، انھوں نے پیشیا کرنے والے جو گیون کے دُور  
حالات لکھے ہیں، جنکو پڑھ کر اُن کی حالت پر رحم و افسوس آتا ہے، اور اسی طرح اُن میں سے وہ سیاح جو سندھ  
اور دکن کے شہروں اور ساحلوں سے گذرے ہیں اُن کے معبدوں میں پجاری عورتوں اور لیو دیویوں  
کی جو اخلاقی کیفیتیں لکھی ہیں، وہ حد درجہ شرمناک ہیں، اور اس سے زیادہ شرمناک یہ ہے، کہ یہ سب خدا کی  
خوشنودی اور مذہبی عقیدہ کے رو سے انجام دیا جاتا تھا،

عورتیں جو اُن میں ہاری جاتی تھیں، ایک عورت کے کئی کئی شوہر تھے، وہ بیوہ ہو کر زندگی کی لہڑی  
سے عمر بھر کے لیے قانوناً محروم کر دی جاتی تھیں، اور اسی لیے شوہر کے مرنے پر بعض عورتیں زندہ در آتش ہونا پسند  
کرتی تھیں، لڑائی میں شکست کے خوف کی صورت میں اُن کو خود اُن کے باپ بھائی اپنے ہاتھوں سے قتل  
کر دیتے تھے، یہاں کے بعض فرقوں میں عورتیں مرد کو، اور مرد عورتوں کو ننگا کر کے اُن کی پوجا کرتے تھے، اور

اولیٰ آری، دت کی ہندوستان قدیم صفحہ ۶۹۵ء لکھنؤ، ہندوستانی کا سفر نامہ صفحہ ۱۱۵ اور ۱۱۶ء پیرس و آثار البلا و قزوینی صفحہ ۸۱ء سفر نامہ ابوزید صفحہ ۱۳۰  
احسن التعمیم صفحہ ۸۲ء مہاجارت کے قصہ کا آغاز پڑھو ۱۷۷ء ستیا رتھ پرکاش سمولاس گیارہ صفحہ ۱۷۷ء ۱۷۸ء ۱۷۹ء ۱۸۰ء ۱۸۱ء ۱۸۲ء ۱۸۳ء ۱۸۴ء ۱۸۵ء ۱۸۶ء ۱۸۷ء ۱۸۸ء ۱۸۹ء ۱۹۰ء ۱۹۱ء ۱۹۲ء ۱۹۳ء ۱۹۴ء ۱۹۵ء ۱۹۶ء ۱۹۷ء ۱۹۸ء ۱۹۹ء ۲۰۰ء ۲۰۱ء ۲۰۲ء ۲۰۳ء ۲۰۴ء ۲۰۵ء ۲۰۶ء ۲۰۷ء ۲۰۸ء ۲۰۹ء ۲۱۰ء ۲۱۱ء ۲۱۲ء ۲۱۳ء ۲۱۴ء ۲۱۵ء ۲۱۶ء ۲۱۷ء ۲۱۸ء ۲۱۹ء ۲۲۰ء ۲۲۱ء ۲۲۲ء ۲۲۳ء ۲۲۴ء ۲۲۵ء ۲۲۶ء ۲۲۷ء ۲۲۸ء ۲۲۹ء ۲۳۰ء ۲۳۱ء ۲۳۲ء ۲۳۳ء ۲۳۴ء ۲۳۵ء ۲۳۶ء ۲۳۷ء ۲۳۸ء ۲۳۹ء ۲۴۰ء ۲۴۱ء ۲۴۲ء ۲۴۳ء ۲۴۴ء ۲۴۵ء ۲۴۶ء ۲۴۷ء ۲۴۸ء ۲۴۹ء ۲۵۰ء ۲۵۱ء ۲۵۲ء ۲۵۳ء ۲۵۴ء ۲۵۵ء ۲۵۶ء ۲۵۷ء ۲۵۸ء ۲۵۹ء ۲۶۰ء ۲۶۱ء ۲۶۲ء ۲۶۳ء ۲۶۴ء ۲۶۵ء ۲۶۶ء ۲۶۷ء ۲۶۸ء ۲۶۹ء ۲۷۰ء ۲۷۱ء ۲۷۲ء ۲۷۳ء ۲۷۴ء ۲۷۵ء ۲۷۶ء ۲۷۷ء ۲۷۸ء ۲۷۹ء ۲۸۰ء ۲۸۱ء ۲۸۲ء ۲۸۳ء ۲۸۴ء ۲۸۵ء ۲۸۶ء ۲۸۷ء ۲۸۸ء ۲۸۹ء ۲۹۰ء ۲۹۱ء ۲۹۲ء ۲۹۳ء ۲۹۴ء ۲۹۵ء ۲۹۶ء ۲۹۷ء ۲۹۸ء ۲۹۹ء ۳۰۰ء ۳۰۱ء ۳۰۲ء ۳۰۳ء ۳۰۴ء ۳۰۵ء ۳۰۶ء ۳۰۷ء ۳۰۸ء ۳۰۹ء ۳۱۰ء ۳۱۱ء ۳۱۲ء ۳۱۳ء ۳۱۴ء ۳۱۵ء ۳۱۶ء ۳۱۷ء ۳۱۸ء ۳۱۹ء ۳۲۰ء ۳۲۱ء ۳۲۲ء ۳۲۳ء ۳۲۴ء ۳۲۵ء ۳۲۶ء ۳۲۷ء ۳۲۸ء ۳۲۹ء ۳۳۰ء ۳۳۱ء ۳۳۲ء ۳۳۳ء ۳۳۴ء ۳۳۵ء ۳۳۶ء ۳۳۷ء ۳۳۸ء ۳۳۹ء ۳۴۰ء ۳۴۱ء ۳۴۲ء ۳۴۳ء ۳۴۴ء ۳۴۵ء ۳۴۶ء ۳۴۷ء ۳۴۸ء ۳۴۹ء ۳۵۰ء ۳۵۱ء ۳۵۲ء ۳۵۳ء ۳۵۴ء ۳۵۵ء ۳۵۶ء ۳۵۷ء ۳۵۸ء ۳۵۹ء ۳۶۰ء ۳۶۱ء ۳۶۲ء ۳۶۳ء ۳۶۴ء ۳۶۵ء ۳۶۶ء ۳۶۷ء ۳۶۸ء ۳۶۹ء ۳۷۰ء ۳۷۱ء ۳۷۲ء ۳۷۳ء ۳۷۴ء ۳۷۵ء ۳۷۶ء ۳۷۷ء ۳۷۸ء ۳۷۹ء ۳۸۰ء ۳۸۱ء ۳۸۲ء ۳۸۳ء ۳۸۴ء ۳۸۵ء ۳۸۶ء ۳۸۷ء ۳۸۸ء ۳۸۹ء ۳۹۰ء ۳۹۱ء ۳۹۲ء ۳۹۳ء ۳۹۴ء ۳۹۵ء ۳۹۶ء ۳۹۷ء ۳۹۸ء ۳۹۹ء ۴۰۰ء ۴۰۱ء ۴۰۲ء ۴۰۳ء ۴۰۴ء ۴۰۵ء ۴۰۶ء ۴۰۷ء ۴۰۸ء ۴۰۹ء ۴۱۰ء ۴۱۱ء ۴۱۲ء ۴۱۳ء ۴۱۴ء ۴۱۵ء ۴۱۶ء ۴۱۷ء ۴۱۸ء ۴۱۹ء ۴۲۰ء ۴۲۱ء ۴۲۲ء ۴۲۳ء ۴۲۴ء ۴۲۵ء ۴۲۶ء ۴۲۷ء ۴۲۸ء ۴۲۹ء ۴۳۰ء ۴۳۱ء ۴۳۲ء ۴۳۳ء ۴۳۴ء ۴۳۵ء ۴۳۶ء ۴۳۷ء ۴۳۸ء ۴۳۹ء ۴۴۰ء ۴۴۱ء ۴۴۲ء ۴۴۳ء ۴۴۴ء ۴۴۵ء ۴۴۶ء ۴۴۷ء ۴۴۸ء ۴۴۹ء ۴۵۰ء ۴۵۱ء ۴۵۲ء ۴۵۳ء ۴۵۴ء ۴۵۵ء ۴۵۶ء ۴۵۷ء ۴۵۸ء ۴۵۹ء ۴۶۰ء ۴۶۱ء ۴۶۲ء ۴۶۳ء ۴۶۴ء ۴۶۵ء ۴۶۶ء ۴۶۷ء ۴۶۸ء ۴۶۹ء ۴۷۰ء ۴۷۱ء ۴۷۲ء ۴۷۳ء ۴۷۴ء ۴۷۵ء ۴۷۶ء ۴۷۷ء ۴۷۸ء ۴۷۹ء ۴۸۰ء ۴۸۱ء ۴۸۲ء ۴۸۳ء ۴۸۴ء ۴۸۵ء ۴۸۶ء ۴۸۷ء ۴۸۸ء ۴۸۹ء ۴۹۰ء ۴۹۱ء ۴۹۲ء ۴۹۳ء ۴۹۴ء ۴۹۵ء ۴۹۶ء ۴۹۷ء ۴۹۸ء ۴۹۹ء ۵۰۰ء ۵۰۱ء ۵۰۲ء ۵۰۳ء ۵۰۴ء ۵۰۵ء ۵۰۶ء ۵۰۷ء ۵۰۸ء ۵۰۹ء ۵۱۰ء ۵۱۱ء ۵۱۲ء ۵۱۳ء ۵۱۴ء ۵۱۵ء ۵۱۶ء ۵۱۷ء ۵۱۸ء ۵۱۹ء ۵۲۰ء ۵۲۱ء ۵۲۲ء ۵۲۳ء ۵۲۴ء ۵۲۵ء ۵۲۶ء ۵۲۷ء ۵۲۸ء ۵۲۹ء ۵۳۰ء ۵۳۱ء ۵۳۲ء ۵۳۳ء ۵۳۴ء ۵۳۵ء ۵۳۶ء ۵۳۷ء ۵۳۸ء ۵۳۹ء ۵۴۰ء ۵۴۱ء ۵۴۲ء ۵۴۳ء ۵۴۴ء ۵۴۵ء ۵۴۶ء ۵۴۷ء ۵۴۸ء ۵۴۹ء ۵۵۰ء ۵۵۱ء ۵۵۲ء ۵۵۳ء ۵۵۴ء ۵۵۵ء ۵۵۶ء ۵۵۷ء ۵۵۸ء ۵۵۹ء ۵۶۰ء ۵۶۱ء ۵۶۲ء ۵۶۳ء ۵۶۴ء ۵۶۵ء ۵۶۶ء ۵۶۷ء ۵۶۸ء ۵۶۹ء ۵۷۰ء ۵۷۱ء ۵۷۲ء ۵۷۳ء ۵۷۴ء ۵۷۵ء ۵۷۶ء ۵۷۷ء ۵۷۸ء ۵۷۹ء ۵۸۰ء ۵۸۱ء ۵۸۲ء ۵۸۳ء ۵۸۴ء ۵۸۵ء ۵۸۶ء ۵۸۷ء ۵۸۸ء ۵۸۹ء ۵۹۰ء ۵۹۱ء ۵۹۲ء ۵۹۳ء ۵۹۴ء ۵۹۵ء ۵۹۶ء ۵۹۷ء ۵۹۸ء ۵۹۹ء ۶۰۰ء ۶۰۱ء ۶۰۲ء ۶۰۳ء ۶۰۴ء ۶۰۵ء ۶۰۶ء ۶۰۷ء ۶۰۸ء ۶۰۹ء ۶۱۰ء ۶۱۱ء ۶۱۲ء ۶۱۳ء ۶۱۴ء ۶۱۵ء ۶۱۶ء ۶۱۷ء ۶۱۸ء ۶۱۹ء ۶۲۰ء ۶۲۱ء ۶۲۲ء ۶۲۳ء ۶۲۴ء ۶۲۵ء ۶۲۶ء ۶۲۷ء ۶۲۸ء ۶۲۹ء ۶۳۰ء ۶۳۱ء ۶۳۲ء ۶۳۳ء ۶۳۴ء ۶۳۵ء ۶۳۶ء ۶۳۷ء ۶۳۸ء ۶۳۹ء ۶۴۰ء ۶۴۱ء ۶۴۲ء ۶۴۳ء ۶۴۴ء ۶۴۵ء ۶۴۶ء ۶۴۷ء ۶۴۸ء ۶۴۹ء ۶۵۰ء ۶۵۱ء ۶۵۲ء ۶۵۳ء ۶۵۴ء ۶۵۵ء ۶۵۶ء ۶۵۷ء ۶۵۸ء ۶۵۹ء ۶۶۰ء ۶۶۱ء ۶۶۲ء ۶۶۳ء ۶۶۴ء ۶۶۵ء ۶۶۶ء ۶۶۷ء ۶۶۸ء ۶۶۹ء ۶۷۰ء ۶۷۱ء ۶۷۲ء ۶۷۳ء ۶۷۴ء ۶۷۵ء ۶۷۶ء ۶۷۷ء ۶۷۸ء ۶۷۹ء ۶۸۰ء ۶۸۱ء ۶۸۲ء ۶۸۳ء ۶۸۴ء ۶۸۵ء ۶۸۶ء ۶۸۷ء ۶۸۸ء ۶۸۹ء ۶۹۰ء ۶۹۱ء ۶۹۲ء ۶۹۳ء ۶۹۴ء ۶۹۵ء ۶۹۶ء ۶۹۷ء ۶۹۸ء ۶۹۹ء ۷۰۰ء ۷۰۱ء ۷۰۲ء ۷۰۳ء ۷۰۴ء ۷۰۵ء ۷۰۶ء ۷۰۷ء ۷۰۸ء ۷۰۹ء ۷۱۰ء ۷۱۱ء ۷۱۲ء ۷۱۳ء ۷۱۴ء ۷۱۵ء ۷۱۶ء ۷۱۷ء ۷۱۸ء ۷۱۹ء ۷۲۰ء ۷۲۱ء ۷۲۲ء ۷۲۳ء ۷۲۴ء ۷۲۵ء ۷۲۶ء ۷۲۷ء ۷۲۸ء ۷۲۹ء ۷۳۰ء ۷۳۱ء ۷۳۲ء ۷۳۳ء ۷۳۴ء ۷۳۵ء ۷۳۶ء ۷۳۷ء ۷۳۸ء ۷۳۹ء ۷۴۰ء ۷۴۱ء ۷۴۲ء ۷۴۳ء ۷۴۴ء ۷۴۵ء ۷۴۶ء ۷۴۷ء ۷۴۸ء ۷۴۹ء ۷۵۰ء ۷۵۱ء ۷۵۲ء ۷۵۳ء ۷۵۴ء ۷۵۵ء ۷۵۶ء ۷۵۷ء ۷۵۸ء ۷۵۹ء ۷۶۰ء ۷۶۱ء ۷۶۲ء ۷۶۳ء ۷۶۴ء ۷۶۵ء ۷۶۶ء ۷۶۷ء ۷۶۸ء ۷۶۹ء ۷۷۰ء ۷۷۱ء ۷۷۲ء ۷۷۳ء ۷۷۴ء ۷۷۵ء ۷۷۶ء ۷۷۷ء ۷۷۸ء ۷۷۹ء ۷۸۰ء ۷۸۱ء ۷۸۲ء ۷۸۳ء ۷۸۴ء ۷۸۵ء ۷۸۶ء ۷۸۷ء ۷۸۸ء ۷۸۹ء ۷۹۰ء ۷۹۱ء ۷۹۲ء ۷۹۳ء ۷۹۴ء ۷۹۵ء ۷۹۶ء ۷۹۷ء ۷۹۸ء ۷۹۹ء ۸۰۰ء ۸۰۱ء ۸۰۲ء ۸۰۳ء ۸۰۴ء ۸۰۵ء ۸۰۶ء ۸۰۷ء ۸۰۸ء ۸۰۹ء ۸۱۰ء ۸۱۱ء ۸۱۲ء ۸۱۳ء ۸۱۴ء ۸۱۵ء ۸۱۶ء ۸۱۷ء ۸۱۸ء ۸۱۹ء ۸۲۰ء ۸۲۱ء ۸۲۲ء ۸۲۳ء ۸۲۴ء ۸۲۵ء ۸۲۶ء ۸۲۷ء ۸۲۸ء ۸۲۹ء ۸۳۰ء ۸۳۱ء ۸۳۲ء ۸۳۳ء ۸۳۴ء ۸۳۵ء ۸۳۶ء ۸۳۷ء ۸۳۸ء ۸۳۹ء ۸۴۰ء ۸۴۱ء ۸۴۲ء ۸۴۳ء ۸۴۴ء ۸۴۵ء ۸۴۶ء ۸۴۷ء ۸۴۸ء ۸۴۹ء ۸۵۰ء ۸۵۱ء ۸۵۲ء ۸۵۳ء ۸۵۴ء ۸۵۵ء ۸۵۶ء ۸۵۷ء ۸۵۸ء ۸۵۹ء ۸۶۰ء ۸۶۱ء ۸۶۲ء ۸۶۳ء ۸۶۴ء ۸۶۵ء ۸۶۶ء ۸۶۷ء ۸۶۸ء ۸۶۹ء ۸۷۰ء ۸۷۱ء ۸۷۲ء ۸۷۳ء ۸۷۴ء ۸۷۵ء ۸۷۶ء ۸۷۷ء ۸۷۸ء ۸۷۹ء ۸۸۰ء ۸۸۱ء ۸۸۲ء ۸۸۳ء ۸۸۴ء ۸۸۵ء ۸۸۶ء ۸۸۷ء ۸۸۸ء ۸۸۹ء ۸۹۰ء ۸۹۱ء ۸۹۲ء ۸۹۳ء ۸۹۴ء ۸۹۵ء ۸۹۶ء ۸۹۷ء ۸۹۸ء ۸۹۹ء ۹۰۰ء ۹۰۱ء ۹۰۲ء ۹۰۳ء ۹۰۴ء ۹۰۵ء ۹۰۶ء ۹۰۷ء ۹۰۸ء ۹۰۹ء ۹۱۰ء ۹۱۱ء ۹۱۲ء ۹۱۳ء ۹۱۴ء ۹۱۵ء ۹۱۶ء ۹۱۷ء ۹۱۸ء ۹۱۹ء ۹۲۰ء ۹۲۱ء ۹۲۲ء ۹۲۳ء ۹۲۴ء ۹۲۵ء ۹۲۶ء ۹۲۷ء ۹۲۸ء ۹۲۹ء ۹۳۰ء ۹۳۱ء ۹۳۲ء ۹۳۳ء ۹۳۴ء ۹۳۵ء ۹۳۶ء ۹۳۷ء ۹۳۸ء ۹۳۹ء ۹۴۰ء ۹۴۱ء ۹۴۲ء ۹۴۳ء ۹۴۴ء ۹۴۵ء ۹۴۶ء ۹۴۷ء ۹۴۸ء ۹۴۹ء ۹۵۰ء ۹۵۱ء ۹۵۲ء ۹۵۳ء ۹۵۴ء ۹۵۵ء ۹۵۶ء ۹۵۷ء ۹۵۸ء ۹۵۹ء ۹۶۰ء ۹۶۱ء ۹۶۲ء ۹۶۳ء ۹۶۴ء ۹۶۵ء ۹۶۶ء ۹۶۷ء ۹۶۸ء ۹۶۹ء ۹۷۰ء ۹۷۱ء ۹۷۲ء ۹۷۳ء ۹۷۴ء ۹۷۵ء ۹۷۶ء ۹۷۷ء ۹۷۸ء ۹۷۹ء ۹۸۰ء ۹۸۱ء ۹۸۲ء ۹۸۳ء ۹۸۴ء ۹۸۵ء ۹۸۶ء ۹۸۷ء ۹۸۸ء ۹۸۹ء ۹۹۰ء ۹۹۱ء ۹۹۲ء ۹۹۳ء ۹۹۴ء ۹۹۵ء ۹۹۶ء ۹۹۷ء ۹۹۸ء ۹۹۹ء ۱۰۰۰ء

نذہبی تہوار دن میں شراب پی پی کر ایسے بدست ہوتے تھے کہ پھر انھیں مان بہن، بیٹی اور اپنی اور پرانی  
کی تیز باقی نہیں رہتی تھی، اور اس کو وہ نیکی کا کام سمجھتے تھے، شور و رون کے نام سے ایک پوری قوم کی قوم  
ایسی غلامی میں مبتلا تھی کہ تعلیم و تربیت، تہذیب و اخلاق اور دین و ایمان ہر چیز سے محروم رہنا اس کا فرض تھا  
وید کی آواز بھی اس کے کان میں نہ پڑ جائے تو اُس میں سیسہ گھلا کر ڈال دینے کا حکم تھا،  
راجاؤں کی بیویوں کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی، قانون کی بنیاد مساوات انسانی پر نہیں، بلکہ ذات  
پر تھی، عورتیں فروخت کی جاتی تھیں،

اس مختصر خاکہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ بدعہ اسلام سے ایک صدی پیشتر سے دیوتاؤں کی یہ جم بھومی بھی  
شیطانوں کے اُس جال میں گرفتار تھی، جس کے شکار فارس و روم ہو رہے تھے،  
ہیودا دنیا کی آبادی اور اصلاح کی سب سے زیادہ امید اُس قوم سے ہو سکتی ہے، جو سام کی اولاد میں سب سے  
پہلے وحی الہی کی امانت و اربابی، اسی یہ قرآن نے اُن سے کہا کہ تَكُونُوا اَوَّلَ كَافِرِيْهُمْ (بقہ ۵-۶) اور  
سب سے پہلے تم ہی پیغام الہی کے منکر نہ بنو، مگر یہ قوم سخت جانی کے ساتھ سنگدل بھی ثابت ہوئی، اس نے  
پتھروں کے سینوں کو پھٹتے، اور اُن کی چھاتیوں سے میٹھے پانی کا دودھ بہتے دیکھا اور پیا مگر کچھ بھی اوسکے  
سینہ کا دل پتھر ہی رہا، قرآن نے اپنے زمانہ میں اسکو طعنہ دیا،

فَهِىَ كَاثِرَةٌ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (بقہ ۸-۹) اُنکے دل پتھروں کے مانند بلکہ ان سے بھی بڑھ کر سخت ہیں  
اُس نے مختلف زمانوں میں اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، اُن کو تکلیفیں دیں، بلکہ اُن کو قتل تک کر دیا  
حضرت موسیٰ اور اُن کے بعد کوئی پیغمبر اُن میں ایسا نہ آیا، جس نے ان کی سنگدلی کا ماتم نہ کیا ہو، اور انکی  
سرکشی پر اُن کے حق میں بددعا نہ کی ہو چنانچہ خود قرآن مجید نے کہا،

لَعَنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ اِسْرٰٓئِيْلَ عَلٰی لِسٰنِ نَّبِیِّ اِسْرٰٓئِيْلَ مِنْ سَبْحُوْنَ نَعْمَ لَعْنَتُكَ اَنْتَ اَعْلَمُ  
دَاوُدَ وَ عِیْسٰی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِكَ بِمَا





تیرے درمیان کوئی دوسرا معبود ہو تو کسی اپنی معبود کو سجدہ نہ کرنا، خداوند تیرا خدا میں ہوں جو تجھے  
 مصر کی سرزمین سے باہر لایا، اپنا منہ کھول کہ اوسے بھر دو گنا، پر میرے لوگوں نے میری آواز  
 پر کان نہ دھرا اور اسرائیل نے مجھے نہ چاہا، تب میں نے اُن کے دلوں کی سرکشی کے سبب  
 بہت سے بنی اسرائیل جو حضرت داؤد سے باغی ہو کر لڑنے پر آمادہ تھے، حضرت داؤد نے اُن کے  
 متعلق یہ بددعا کی،

”کہ تو وہ خدا نہیں جو شرارت سے خوش ہو، شریر تیرے ساتھ رہ نہیں سکتا، وہ جو شیخی  
 باز میں تیری آنکھوں کے سامنے کھڑے نہیں رہ سکتے، تو سب بدکاروں سے عداوت  
 رکھتا ہے، تو اُن کو جو جھوٹ بولتے ہیں، ناپود کر دیگا۔ . . . . اے خداوند اپنی  
 صداقت میں میرا مہرب ہو، میرے دشمنوں کے سبب میرے سامنے اپنی راہ کو سیدھا کر  
 . . . . . اُن کے باطن میں سراسر کھوٹا پن ہے۔ . . . . اے خدا تو انھیں  
 ملزم جان، ایسا ہو کہ وہ اپنی مشورتوں سے آپ ہی گرجائیں، اُن کو اُن کے گناہوں  
 کی کثرت کے سبب نکال پھینک، کہ اُنھوں نے تجھ سے سرکشی کی ہے،“ (زبور۔ ۵)  
 حضرت عیسیٰ نے بھی انجیل میں بنی اسرائیل کو لعنت کی اور فرمایا،

”اے ریاکار فقہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھیری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو باہر سے  
 بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں، پر بھتیر مڑو دن کی ہڈیوں اور ہر طرح کی ناپاکی سے بھری ہیں  
 اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے پر باطن میں ریاکار اور شرارت  
 سے بھرے ہو،“

اے ریاکار فقہو اور فریسیو! تم پر افسوس کیونکہ نبیوں کی قبریں بناتے، اور راست باز  
 کی گوریں سنوارتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادوں کے دنوں میں ہوتے تو ان

کے خون میں اُن کے شریک نہ ہوتے، اسی طرح تم اپنے اوپر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں  
کے قاتلون کے فرزند ہو، پس اپنے باپ دادون کا پیمانہ بھرو، اے سانپو! اور اے  
سانپون کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے، (متی ۲۳-۲۴-۳۳)  
بعینہ یہی الزام قرآن نے بھی اُن کو دیا ہے،

وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّاتِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط ذَٰلِكَ بِمَا  
عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ، (بقرہ-۷)  
اور وہ ناحق پیغمبروں کو مار ڈالتے ہیں، اس لیے کہ وہ  
نافرمان اور حد سے بڑھنے والے ہیں،  
قُلْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُنَّ إِنِّي بَرِّئٌ مِّنكُمْ  
مُّبِينٌ، (بقرہ-۱۱)  
کہہ کہ پھر کیوں اللہ کے نبیوں کو پہلے تم قتل کرتے رہے  
اگر تم مومن تھے،

آل عمران میں اس سبھی بڑھکر ہر حق کے داعی اور خیر کے مبلغ کے قتل کر دینے کا اُن پر سب کا الزام ہے،  
إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ  
النَّبِيَّاتِ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ  
بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ  
بیشک وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور پیغمبرین  
کو ناحق قتل کرتے، اور ہر اُس شخص کی زندگی کے دشمن  
بجائے ہیں جو اُن کو عدل و نیکی کی بات سمجھاتے تو ان کو  
(الاعمران-۳)  
در دنیا ک سزا کی خوشخبری سناوے،

سورۃ بقرہ اور آل عمران میں یہودیوں کے ایک ایک عیب کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے، جس  
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دین و ملت کا قوم کتنا بگڑ گیا تھا، ان کی مذہبی سنگدلی اور تعصب کا سب سے  
در دنیا ک سانحہ وہ ہے جو اسلام سے ۵۰۰ برس پہلے آئین میں پیش آیا کہ یہودی جمہوریوں نے نجران کے عیسائیوں کو  
گڑھوں میں آگ جلا کر اُن میں جھونک دیا، اور وہ کنارے بیٹھے اس حسرتناک منظر کا تماشا دیکھتے رہے چنانچہ  
قرآن مجید نے اس پر رد و استہسان کو ان لفظوں میں انہیں یاد دلایا،

قُلْ أَصْحَابُ الْأُحُدِ وَإِذْ النَّارُ ذَاتِ الْوَقُودِ  
گڈھے والے لوگ مارے گئے، بھڑکتی آگ کے گڈھے،

اِذْهُمْ عَلٰی مَا قُعُوْا وَّهُمْ عَلٰی مَا كُفُّوْا  
 جب وہ ظالم اُن کے کنارے بیٹھے ایمان والوں کی کشتی  
 بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّا  
 جو کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے، اُن کا گناہ یہی تھا  
 اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (برج - ۱) کہ وہ غالب اور خوبون والے خدا پر ایمان رکھتے تھے،

جزئیات کو چھوڑ کر کلی طریقہ سے ان میں حسب ذیل تقاضے تھے،

۱۔ ان کو اپنے محبوب خدا، اور خاص خدا کے کلمہ ہونے پر بے انتہا غور تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ہم کچھ کریں  
 ہم سے قیامت میں مواخذہ نہ ہوگا،

لَنْ اُنْبِئُكَ اللّٰهُ وَاَحْبَبُ وَا (مائدہ - ۱۲) ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں،  
 وَقَالُوا لَنْ تَصْنَعَنَا النَّارَ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً اور کہا کہ ہم کو دوزخ کی آگ ہرگز نہیں چھوئے گی، لیکن  
 (بقہ ۸-۹) چند روز،

وہ سمجھتے تھے کہ جنت کی نعمتیں صرف انہیں کے لیے خاص ہیں، قرآن نے کہا،

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدّٰرُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ  
 کہہ دے کہ اگر آخرت کا گھر تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف  
 خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَقْنَطُوا لِمَوْتِ  
 تمہارا ہی ہے تو موت کی آرزو کیوں نہیں کرتے  
 اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ، (بقہ ۸-۱۱) اگر تم سچے ہو،

وہ سمجھتے تھے کہ نبوت اور رسالت صرف اُن کے گھر کی چیز ہے، کسی دوسرے کا اس میں حق نہیں  
 قرآن نے اُن کے جواب میں کہا،

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَآءُ، (جمعہ ۱) یہ خدا کی مہربانی ہے، وہ جس کو چاہے دے،

جوان میں پڑھے لکھے عالم تھے، وہ خدا کے احکام کو اپنے منشا اور دوہندوں کی خوشنودی کے لیے  
 اپنی باطل تاویلوں سے اور لے بدلتے رہتے تھے، اور اپنی تصنیفات اور اجتماعات کو کتاب الہی کا درجہ دیتے  
 يُمَجِّدُوْنَ الْكَلِمَةَ عَنْ مَّوٰضِعَہَا، (مائدہ ۷۶) وہ نظروں کو اپنی مناسب جگہ سے ہٹا دیتے ہیں،

قَوْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْنَرُوا بِهِ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ. (لقہ ۸-۹)

تو پھر ان پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ وہ اس سے دنیا کا منہ لیں فائدہ اٹھائیں، تو پھر ان پر جو وہ لکھتے ہیں، اور پھر ان پر جو وہ کہتے ہیں،

جو ان میں ان پڑھ اور جاہل تھے، وہ اپنے سنے سنائے قصوں پر ایمان رکھتے تھے،

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ (لقہ ۸-۹)

اور ان میں بعض ان پڑھ ہیں، جنکو قرأت کا علم نہیں، لیکن بناوٹی باتیں معلوم ہیں، وہ صرف انکے خیالات ہیں

الحکام الہی میں سے جو آسان اور ضرورت کے مطابق حکم ہوتا، اسکو قبول کرتے، اور دوسرے حکموں کو پس پشت ڈالتے،

بَدَّ فَهَرَقَ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كَتَبَ اللَّهُ وَلَوْلَا ظُهُورُهُمْ لَأَفْهَمُوا كَأَفْهَمُوا لَا يَعْلَمُونَ (لقہ ۱۲)

جنکو خدا کی کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک فرقہ اللہ کی کتاب پس پشت ڈالتا ہو، گویا کہ وہ جانتا ہی نہیں،

أَفْهَمُوا كَأَفْهَمُوا رَسُولٌ كَذَّابٌ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ اسْتَنْبَرْتُمْ ثُمَّ قَالُوا كَذَّابٌ فَفِرُّوا قَاتِلُوا

کیا جب کوئی رسول تمہارے پاس وہ لیکر آیا جو تمہاری نفسانی خواہش کو مانق ہو، تم نے غور کیا، تو کچھ کو جھٹلایا اور کچھ

(لقہ ۱۲-۱۱) کو مار ڈالتے ہو

ایک دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے، اور یہود نے بھی آپ کی ملکی سرداری کو ایک گورنر مقرر کیا تھا، تو ایک زنا کا مقدمہ آپ کی عدالت میں لائے، آپ نے پوچھا کہ تمہارے مذہب میں اس جرم کی سزا کیا ہے، بولے ہم مجرم کو کوڑے مارتے ہیں اور اسکی تشہیر کرتے ہیں، آپ نے ان سے تورات طلب فرمائی جب وہ لائے، اور اس جرم کے متعلق حکم کی آیتوں کو پڑھ کر سنانے لگے تو بیچ سے سنگساری کا حکم چھپا دیا، مگر ایک نو مسلم یہودی عالم نے اس حکم کو پڑھ کر بتا دیا، آپ نے فرمایا خداوند امین پہلا شخص ہو گا جو تیرے

مردہ حکم کو زندہ کر دینا، (صحیح بخاری مؤلف کتاب الحدود، والوداؤد و باب رجم الیہود میں)  
 آپس میں قتل و غوریزی کا بازار ان میں گرم تھا، ان میں ایک طاقتور قبیلہ دوسرے کمزور قبیلہ کو گھر سے باہر  
 کر دیتا تھا، اور پھر کوئی گرفتار ہو جاتا تو فدیہ دے کر اس کو چھڑا بھی لیتے تھے، قرآن نے کہا،

ثُمَّ أَنْتُمْ هُمْ أَكْثَرُ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ  
 پھر تم ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے اور  
 فَرِيقًا مِنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ  
 گروہ کو ان کے گھر دن سے نکالتے ہو، اور ان کے برخلاف گناہ  
 بِلَا تَنَمٍّ وَالْعُدْوَانِ وَإِنْ يَأْتُواكُمْ مُّسْلِمِينَ  
 اور ظلم سے مدد کرتے ہو، اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی بن کر آتے  
 فَقَدْ دُهِمُّوا وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ  
 تو تم فدیہ دیکر چھڑاتے ہو حالانکہ ان کا نجان تم پر حرام تھا،  
 أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتُكْفُرُونَ  
 کیا تم کتاب کے کچھ حکموں کو مانتے، اور کچھ کا انکار  
 بِبَعْضٍ (بقرہ ۸-۱۰) کرتے ہو،

۲۔ دوسری چیز مال و دولت کی حرص و طمع تھی، اس کی وجہ سے ان میں ہر قسم کی لالچ اور اخلاقی کمزوری  
 پیدا ہو گئی تھی، کسی بڑے کام کی خاطر وہ اپنی راحت و آرام اور جسم و جان کو قربان نہیں کر سکتے تھے،  
 وَكَتَبَتْ لَهُمْ أَرْحَمُ النَّاسِ عَلَى حَبِئَتِهِمْ وَمِنْ  
 اُن کو سب لوگوں سے زیادہ زندگی کا لالچی پاؤ گے، مشرکوں  
 الَّذِينَ أَشْرَكُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَرَسُولِهِمْ  
 سے بھی زیادہ ان میں ایک ایک چاہتا ہے کہ اس کو ہزار برس  
 أَلْفَ سَنَةٍ (بقرہ ۱۱) کی زندگی ملے،

عربوں کے ساتھ ان کے لین دین کے تجارتی تعلقات قائم تھے، مگر وہ سخت نادہندہ تھے، اور سمجھتے  
 کہ عربوں کیساتھ جس طرح سختی اور بددیانتی کے ساتھ بھی برتاؤ کیا جائے وہ مذہباً منع نہیں، قرآن نے اس معاملہ  
 میں عیسائی اہل کتاب کی تعریف کے بعد اسرائیلی اہل کتاب کی نسبت فرمایا،

وَمِنْهُمْ مَّنْ إِنْ تَأْمَنُوا بَدِينِ الْيَهُودِ  
 کتاب والوں میں بعض ایسے ہیں کہ اگر ان کو ایک دین بھی  
 الْيَهُودِ إِلَّا مَا دُمَّتْ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ  
 امانت رکھنے دو، وہ تم کو اس وقت واپس نہ دیں، جب تک

قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمُورِ شَيْءٌ وَكَفَى لَوْ  
 عَلَى اللَّهِ لَكِنَّ رَبَّ وَهُمْ يَكْفُرُونَ (ال عمران - ۸۰)

تم اونکے سر پر کھڑے نہ رہو یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان جابل  
 عربوں کا ہم پر قی نہیں اور وہ جان بوجھ کر خدا پر جھوٹ بولتے ہیں  
 تورات میں ”اپنے بھائی“ کے علاوہ ”اجنبی“ سے سود لینے کی اجازت کا مطلب وہ یہ لیتے تھے کہ یہودیہود سے  
 نہ لے، اور اہل عرب جو یہود نہ تھے، ان سے بھاری بھاری شرح سود وصول کرنا جائز سمجھتے تھے، اور تعجب پر تعجب  
 یہ تھا کہ ان کے علماء اور ان کو اس سے باز نہیں رکھتے تھے، اس حرام خوری اور ان کے علماء کی اس خاموشی پر ان کو  
 قرآن نے بار بار ٹوکا،

وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْأَثْمِ  
 وَالْعُدْوَانِ، وَأَكَلِهِمُ الشَّهْتِ طَلَبُ مَسَا  
 كَانُوا يَعْمَلُونَ، لَوْ لَا يَنْصَحُهُمُ الرَّبُّ بَاتِينَ وَحَلَا  
 عَنْ قَوْلِهِمْ الْأَثْمُ وَأَكَلِهِمُ الشَّهْتِ طَلَبُ  
 مَا كَانُوا يَكْنَعُونَ، (مائدا - ۹۰)

سَمِعُونَ لَكَلِّدٍ أَكَلُونَ الشَّهْتِ طَلَبُ (مائدا - ۹۰)  
 وَأَخَذَ مِنْهُمْ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكَلِهِمْ مَوَا  
 النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (نساء - ۲۲)

اسی لیے وہ تورات کی آیتوں میں تحریف، اور ان کے معنوں میں تاویل کر کے ایسے فقہی حیلے تراشتے  
 تھے کہ وہ ہر حکم کو اپنے مطلب کے مطابق بنا لیتے تھے، خدا نے فرمایا،

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَهْدِيكُمْ  
 بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ اسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا  
 وَالرَّبَّائِيُّونَ وَلَا جُحَارٍ بِمَا اسْتَفْضَلُوا مِنْهُ

ہم نے تورات اتاری، جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسکی  
 مطابق نبی جو تابعدار تھے، یہودیوں کا فیصلہ کرتے تھے،  
 اور ان کے درویش دعا میں بھی خدا کی تسبیح جن حصوں کو

کُتِبَ اللَّهُ . . . (مائدا-۷۷)

انہوں نے بچا رکھا تھا، اُن میں سے فیصلہ کرتے،

اس کے بعد اس کے احکام کے اہرار اور خاص کر قصاص کا ذکر کیا اور فرمایا،

وَمَنْ لَّمْ يَجِدْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (مائدا-۷۸)

وہی کافر ہیں،

ان میں مشرکانہ بت پرستی کے بھی بعض اثرات پیدا ہو گئے، وہ جہت اور طاغوت کی پریش میں مبتلا تھے

قرآن اُن کو خطاب کر کے کہتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكُتُبُ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا

مُصَدِّقًا لِّمَا سَمِعْتُمْ . . . . . إِنَّ اللَّهَ لَا

يَغْفِرُ أَنْ تُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ

لِمَنْ يَشَاءُ . (نساء-۷۹)

اے کتاب والو! ہم نے جو اتارا جو تمہاری کتاب کی

تصدیق کرتا ہے، اس پر ایمان لاؤ . . . . . خدا

شرک کو معاف نہیں کرتا، اور اس کے سوا جس کو چاہے

معاف کرے،

یہ کتاب تو نے اُن کو نہیں دیکھا جنکو کتاب کا

ایک حصہ دیا گیا، وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ یہ کافر مسلمانوں سے زیادہ صحیح

راستہ پر ہیں،

راستہ پر ہیں،

راستہ پر ہیں،

راستہ پر ہیں،

راستہ پر ہیں،



اور شہرون میں اس طرح پرگندہ اور منتشر تھے کہ عرب کے باہر دنیا کی قوموں میں اُن کا کوئی شمار نہ تھا، عرب کے اندر جو یہود زمانہ دراز سے آباد تھے، ان کا بڑا شغل زراعت اور تجارت تھا، سودی کاروبار کرتے تھے، غریب عربوں کو اپنے گران شہر سود اور قرضوں کے بار میں اس طرح دباے تھے کہ اُن کی حالت اُن کے سامنے غلاموں کی سی تھی، اس سلسلہ میں صرف ایک واقعہ کا ذکر پوری حالت کے اندازہ کے لیے کافی ہوگا، محمد بن مسلمہ انصاری اور اُن کے رفقاء جو مدینہ کے یہودی سردار کعب بن اشرف کے قتل پر مامور ہوئے تھے، وہ اس سے ملنے اور بات چیت کرنے گئے، انھوں نے اس سے کہا: اے کعب! اس شخص (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو صدقہ وصول کر کے تم کو دق کر ڈالا، اب میں تم سے کچھ قرض لینے آیا ہوں، اُس نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم تھا کہ تم اُس سے آخری راہ ہو جاؤ گے، انھوں نے کہا، میں نے اس کی پیروی اختیار کی ہے، لیکن میں اُس کو چھوڑنا نہیں چاہتا، انتظار ہے کہ معاملہ کی صورت کس طرح ملتتی ہے؟ میں تم سے کچھ غلہ قرض لینے آیا ہوں، اس نے کہا، مگر تم کفالت میں کیا چیز رہن رکھو گے، انھوں نے کہا، تم بناؤ تم کیا چاہتے ہو، اُس نے کہا اپنی بیویاں گرو رکھو، انھوں نے جواب دیا، ہم اپنی بیویاں کیسے گرو رکھ سکتے ہیں کہ تمام عربین تمہارے جان جو اب نہیں، بولا اچھا تو اپنے لڑکوں کو گرو رکھو، کہا ہم اپنے لڑکوں کو کیسے گرو رکھیں، اُن کی کوئی بے عزتی نہ کرے، یہ ہمارے لئے بڑی شرم کی بات ہے، ہاں ہم اپنے ہتھیار گرو رکھ سکتے ہیں۔

اس سوال و جواب کے اندازہ ہوگا کہ یہود کی اخلاقی حالت کتنی پست اور ذلیل ہو چکی تھی، کوئی غیر عورت اگر اُن کے بازار کی طرف جا سکتی تو اس کی عزت بچی مشکل ہو جاتی، کسی بچہ کو ذرا ستہ زیور کے لالچ میں موقع پاتے تو بیدری سے قتل کر کے زیور اتار لیتے، علماء اور پیشوایان دین کی وہی کیفیت تھی جس کا نام اُس وقت سے چھ سو برس پیشتر حضرت عیسیٰ نے کیا تھا، لفظی مؤسکافیوں اور ظاہری دینداری کے سوار روح و اخلاق کا جو ہر سانس

کھو گیا تھا، اسلام جو براہیم حنیف کے ترانہ توحید موسیٰ کی صدائے طور کی آواز بازگشت تھی، وہ اُن کے نزدیک عجب بے بستیوں کے جاہلانہ مذہب سے زیادہ بڑا تھا، وہ کہتے تھے کہ اُن مسلمانوں سے یہ مشرک زیادہ راہ راست پر ہیں، اسلام کی اس مصالحانہ دعوت

يَا هَلْ أَكْتَلِبُ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا  
وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ  
بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ  
دُونِ اللَّهِ (آل عمران - ۷۰) بنائیں،

میں بھی عداوت اور دشمنی ہی کی جھلک نہ کھائی دیتی تھی، اس لیے مدینہ میں اسلام کی صلح کی ہر کوشش کو دیکھ کر اُسے کہہ، کیونکہ روحانی عظمت کے مقابلہ میں اس دعوت کے قبول میں اونکو اپنی قومی و مالی و تجارتی عظمت کی بربادی نظر آتی تھی،

عیسائیوں کی نقل میں وہ بھی عویر (عور) کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، وَقَالَتِ الْيَهُودُ دُعَيْنِ ابْنُ اللَّهِ، (توبہ - ۵) اپنی دولت و ثروت کے غرور میں وہ کہتے تھے، يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ (مائدا - ۶۴) خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، قرآن کی دعوت کے جواب میں کہتے تھے کہ ہم پر اس دعوت کا اثر نہیں ہو سکتا کہ ہمارے دل نامشروع ہوں، وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ، (بقرہ - ۱۱) ان نفرون سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اب دنیا میں نیابت الہی کے منصب کے قابل نہیں رہے تھے،

عجب باہر یہودیوں کی پرانہ لڑیاں مختلف سلطنتوں کے سایہ میں پناہ گزین تھیں، اُن کا مذہبی مرکز اُن کے ہاتھ سے نکل چکا تھا سیاسی اہمیت وہ مدت ہوئی کہ کھو چکے تھے، ابراہیم و یعقوب کے خدا کے بجائے، ہر جگہ سونے چاندی کے ڈھیر ہی کو خدا بنائے تھے، اُن کے مذہبی فرقوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی، جنہیں باہمی عداوت

قائم تھی، اور اُس وقت سے چھ سو برس پہلے کی طرح بنی اسرائیل اب پھر ایک نبی اعظم کی بعثت کا بیتابانہ انتظار کر رہے تھے، (لقرہ - ۱۱) خود عرب میں یہود اس وقت اُس نبی کے جلد پیدا ہونے کی بشارت کا اپنی مجلسوں میں تذکرہ کرتے رہتے تھے، جسکی پیشینگوئیوں سے تورات کے صحیفے بھرے تھے، اور انھیں سے سُن سُن کر فریاد کے ادس و خزعرج ایک نبی کی آمد کی پیشینگوئی سے باخبر تھے،

دنیا کی ان مختلف قوموں کے حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد ضرورت ہے کہ اُس قوم کے حالات پر ایک تفصیلی نظر ڈالی جائے جس کے اُفق نبوت سے صبح سعادت طلوع ہونے والی تھی،

### ظہور اسلام کے وقت عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت

مِیْن میں جب وہ مشہور سیلاب آیا، جس کی بلندی سطح زمین سے ایک سو بیس فٹ اور پتھی توپائے تخت یعنی مآرب اور اسکے اضلاع دفعہ برباد ہو گئے، یہ دوسری صدی عیسوی کا واقعہ ہے، قرآن مجید نے اسی سیلاب کو سبیلِ عزم کہا ہے، اس سیلاب کا ایک نتیجہ ہوا کہ اٹھ بڑے بڑے خاندان، جلاوطن ہو کر ادھر ادھر نکل گئے، جس سے نظام سلطنت میں ضعف آگیا، چھٹی صدی عیسوی میں یہاں کے فرمانروا، ذونواس سے جو مذہبِ یہودی تھا، رُخا نے بغاوت کی اور شاہِ حبش سے اعانت چاہی، اس نے ۵۲۹ء میں ایک فوج بھیجی، جس نے ذونواس کو مغزول کر دیا، اور اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، ۵۲۹ء میں قبیلہ حمیر کے ایک باحوصلہ شخص ڈویرن نے فارس کی مدد سے اپنا ملک واپس لیا، لیکن چند روز کے بعد وہ قتل کر دیا گیا، اور مین شاہنشاہی فارس کا ایک معمولی صوبہ رہ گیا،

جو قبیلے مین سے نکلے ان میں سے ایک نے دوسری صدی عیسوی میں ہیرہ مین، جہان اب کوفہ

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ذکر بعیت عقبہ،  
۲۔ اس بند کے اندام کی تاریخ کی تعیین مشکل ہے اور اسی لیے اسکی تعیین میں کئی نظریے ہیں، کوئی اسکو اگر دوسری صدی عیسوی کا واقعہ بتاتا ہے، تو دوسرا پانچویں صدی عیسوی کا، اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس بند کے مختلف حصے مختلف زمانوں میں منہم ہوتے رہے، اور بنے رہے، آخری دفعہ پانچویں صدی عیسوی میں بالکل برباد ہو گیا، (سیلان)

آباد ہے ایک سلطنت قائم کی، لیکن وہ فارس کے زیر اثر اور مذہبی خیالات میں قیوس سے متاثر تھی، دوسرا یہ  
شام میں جا کر آباد ہوا، جو عثمانی خاندان کہلاتا ہے، چونکہ یہ خاندان رومیوں کے زیر اثر تھا اس لیے رفتہ رفتہ  
عیسائی ہو گیا، اور اسلام کے زمانہ تک عیسائی رہا۔

غرض عرب کے اصلی تمدن پر بیرونی اثر جو کچھ پڑا تھا وہ مجوسیّت یا نصرانیّت کا تھا، یہودی معتقدات اور خیالات  
کا اثر بھی بہت کچھ تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ عرب کا ایک بڑا حصہ یعنی وادی القریٰ اور خیمہ و فدک نامہ یہودی آباد  
تھا، اور خود مدینہ میں یہودی ہی صاحب اقتدار اور صاحب حکومت تھے، باقی تمام ملک میں مشرک کا یہوم جاری اور جاہلانہ  
مذہب پھیلے تھے، لوگ بتوں، پتھروں، درختوں، ستاروں، فرشتوں اور جنوں کی پرستش کرتے تھے،  
خدا کا اعتقاد نامہم امین شہ نہیں کہ عرب زمانہ دراز سے ایک خداے برتر پر اعتقاد رکھتے تھے، آجکل عرب کے  
جو قدیم کتبائے دستیاب ہوئے ہیں، انپر اللہ کا لفظ خدا کے معنی میں لکھا ہوا ہے، البتہ اسکا املا اللہ نہیں بلکہ  
ہلہ ہے، عرب شمال کے عرب جو بائیں کہلاتے ہیں ان کے ناموں کے ساتھ اللہ کا لفظ بھی شامل ہوتا تھا  
مثلاً زید اللہ، عبد اللہ، خود قرآن مجید میں خدا کا تبار کی نسبت کہتا ہے،

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
لَيَقُولَنَّ اللَّهُ قُلُوبُ الْحَمْدُ لِلَّهِ (رقن - ۳)  
اور جو تم انہیں پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا  
تو بول اٹھیں گے کہ خدا نے، تم کہو کہ خدا کا شکر ہے،

یہ اصل میں حضرت ابراہیم کی تعلیم تھی، لیکن رفتہ رفتہ شرک کا اعتقاد پیدا ہوا، یعنی یہ کہ خداے اعظم کے  
سوا اور بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہیں گو اللہ ان سب میں بڑا ہے، یہ اعتقاد اسقدر راسخ ہو گیا کہ اور معبودوں کے  
انکار سے ان کو اسقدر رنج ہوتا تھا جس قدر خود خدا کے انکار سے ہوسکتا تھا، بلکہ چونکہ ان کے نزدیک دنیا کا  
کاروبار اور روزمرہ کی ضرورتیں انہی چھوٹے چھوٹے خداؤں سے انجام پاتی تھیں اور کام اکثر انہی خداؤں سے

۱۔ اکثر علماء انساب کا بیان یہی ہے کہ یہ قبائل بن سوائے تھے لیکن میں نے ارض القرآن میں بدلائل اس سے اختلاف کیا ہے،  
۲۔ مذاہب اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا، جلد اول، صفحہ ۶۶۷، بحوالہ پروفیسر تولدیک،  
(ریٹا)

پڑتا تھا، اس لیے اللہ کا خیال کچھ یوں ہی سار گیا، انھی خداؤں کی پرستش کرتے تھے، انھی پر قربانی چڑھاتے تھے، انھی سے حاجتیں مانگتے تھے، اللہ تو زمین آسمان بنا کر بیکار سا ہو چکا تھا، جو کچھ کرتے تھے یہی خدایانِ اصغر کرتے تھے، یہی سبب تھا کہ کوئی شخص اللہ کا خالی نام لیتا تھا تو لوگ بہت کبیدہ ہوتے تھے،

وَإِذَا ذَكَرَ اللَّهُ وَحْدَهُ شَمَّرَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَإِذَا ذَكَرُوا اللَّهَ تَجَافَوْا عَن فَضْلِهِ ۚ فَسَاءَ مَا يَحْكُمُونَ  
اور جب خالی اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو یہ لوگ جو کہ قیامت کے  
مستعد نہیں ہیں، ناک بھون چڑھاتے ہیں، لیکن جب خدا کا  
دُؤنِہم اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ط (سورہ زمرہ - ۵) سوا اورون (معبودون) کا بھی ذکر کیا جاتا تو دفعہ وہ کھل جاتا

اور سمجھتے تھے کہ ان چھوٹے معبودون کی نذر و نیاز و قربانی سے خدا خوش ہوگا، اور وہ اُس کے دربار میں سفارش کریں گے، چنانچہ وہ کہتے تھے،

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُنَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (زمرہ - ۱) ہم ان بتوں کو اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کے قریب کے دیں  
ہاں کہ کی الوہیت! شرک کے علاوہ، خداے عظیم کی نسبت یہ مانتے تھے کہ اُس کے بال بچے بھی ہیں، چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے،

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةً ۚ أَلَا تُنْتَهَوْنَ  
جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو خدا  
کی بیٹیاں کہتے ہیں، (سورہ نجم - ۱)  
أَلَمْ تَرَ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ رُكُلًا ۖ تَلْقَاؤُكُمْ أَذْهَمَ ۚ  
تمہارے تو رُک کے ہوں اور خدا کے رُک یاں اب یہ تو کچھ  
ضعیف زعیٰ (سورہ نجم - ۱) اچھی تقسیم نہیں،

اس لیے جس طرح بعض یہود و عیسائی اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو خدا کا کاستی سمجھتے تھے، وہ فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھ کر ان کی الوہیت کے بھی قائل تھے،  
وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُتَّخَذَ الْوَلَدُ الْمَلَائِكَةُ وَالنَّبِيُّنَ  
اور نہ تو خدا تم کو اس کا حکم دیتا ہے کہ فرشتوں اور  
پیغمبروں کو خدا ائمہ راؤ، (آل عمران - ۸) اُس بابا (آل عمران - ۸)

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادٍ جُزْءًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ  
 مُبِينٌ ۚ إِذِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُمْ  
 بِالْبَنِينَ، ..... وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ  
 الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَّا شَاهِدُوا  
 خَلْقَهُمْ ۖ وَسَتُنَكِّبُ شَهَادَتَهُمْ وَيُسْأَلُونَ  
 لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۚ (زخرف-۲۰)  
 فَاسْتَفْتَاهُمُ الرَّبُّ بِالْبَنَاتِ وَالْبَنِينَ  
 أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ  
 أَلَا أَنَّهُمْ مِنْ فِرْعَوْنٍ لَيَقُولُنَّ وَلَدَ اللَّهُ  
 وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ، (صافات-۵)

اور ان مشرکوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا ایک حصہ  
 کا بنایا، بیشک انسان، کھانا فرمان ہے، کیا خدا جو پیدا  
 کرتا ہے وہ اپنے لیے لڑکیاں سے اور نکلے کے دیکھ کر عورت  
 ..... اور ان مشرکوں نے فرشتوں کو جو رحمت کے خدا کے  
 بندے ہیں، لڑکیاں قرار دیا، کیا وہ انکی پیدائش کے وقت خود  
 تھے انکی کوئی لکھی اور یا پس کی یا انکی کوئی نہیں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم انکی پرستش  
 تو ان سے پوچھ کہ کیا تیرے رب کی لڑکیاں ہوں، اور انکے  
 لڑکے ہوں، کیا ہم نے فرشتوں کو لڑکیاں پیدا کیا ہے، وہ ضحک  
 تھے، ہاں یہ ان مشرکوں کی بناوٹ ہے، وہ کہتے ہیں کہ  
 کے اولاد ہوئی، اور وہ جھوٹے ہیں،

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ یہ فرشتے خدا کے ہاں اپنے پرستاروں کے سفارشی نہیں گے، خدا نے اسکی

تردید میں کہا،

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُفْقِي شَفَاعَتَهُ  
 شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِهِ (نجم-۲۰)  
 اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں کہ انکی سفارش خدا کی جا  
 بغیر کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی،  
 قیامت میں فرشتوں سے پرس ہوگی کہ یہ مشرک تمہاری پوجا کرتے تھے،  
 ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهْلُوا آيَاتِكُمْ  
 كَانُوا يَعْبُدُونَ (سبا-۵)  
 پھر خدا فرشتوں سے کہے گا کہ کیا یہ انسان تمہیں کو پوجتے  
 تھے،

جنات کی الوہیت | فرشتوں کی طرح وہ جنات کو بھی خدا کے عزیز و قریب سمجھتے تھے اور خدا کے ادن سے  
 رشتے لگاتے تھے،

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ لَبًّا (صافات-۵) اور مشرکوں نے خدا و جنوں کے درمیان شتہ داری بنائی

اسی لیے وہ جنات کو خدا کی خدائی میں شریک کرتے تھے،

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ (انعام-۱۲) اور انھوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا اور وہ خدا کی

بنائے بغیر علم (انعام-۱۲) مخلوق ہیں، اور بن جانے والے کیلئے بیٹے اور بیٹیاں گنوا

اور جب وہ خدا کے رشتہ دار اور خدائی کے شریک ٹھہرے، تو ان کی عبادت اور پرستش بھی ضروری ہوئی

چنانچہ جاہلیت میں اہل عرب ان جنوں کی بھی پوجا کرتے تھے، بل کانُوا لِعَبْدُوں الْجِنَّ (انعام-۱۲) اکثر انھیں پوجتے ہوئے

(سباہ) بلکہ یہ جن کو پوجتے تھے اور ان میں سے اکثر انھیں پر ایمان رکھتے تھے، مسافر جب راستہ میں کہیں قیام

کرتے تھے، تو پہلے وہاں کے جنوں کی دہائی پکارتے تھے، قرآن میں ہے، وَانَّهُ كَانَ مِنْ جَالِ بْنِ الْاِنْسِ يَعْبُدُونَ

بِرِجَالِ بْنِ الْجِنِّ فَرَادُوهُمْ هَاقًا (جن-۱) اور ربات یہ تھی کہ کچھ انسان بعض جنوں کی دہائی مانگا کرتے

تھے، اور انھوں نے ان کو اور مغرور بنا دیا، چنانچہ بعض خوفناک مقامات میں خاص طور سے ان کے نام کی

قربانی کی جاتی تھی ان میں سے ایک مشہور مقام درہم تھا، جہاں کے رہنے والے جنوں (سکان الدرام) پر جانور

ذبح کر کے چڑھائے جاتے تھے، تاکہ قربانی کرنیوالے انکی شرارت سے محفوظ رہیں، قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو لیح

خاص طور سے جنوں کی پوجا کرتی تھی، اور کلبی کا بیان ہے کہ انھیں کے متعلق یہ آیت اتری ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَلُكُمْ (اعراف-۲۴) خدا کو چھوڑ کر تم جنکو پوجا کرتے ہو وہ تمھاری ہی طرح

بندے ہیں،

بہت سستی جن خداؤں کو یہ لوگ مانتے تھے، ان کے بت بنائے تھے، اور جا بجا عظیم الشان بتکدے قائم ہو گئے

تھے، یہ رولج اس قدر عام ہو گیا تھا کہ جہاں کوئی خوبصورت چہرہ مل گیا اٹھالیا اور اسکی پرستش شروع کر دی، اس

الصحیح مسلم کتاب التفسیر

للسان العرب لفظ "سکن"

لکھنا کتاب الاصل نام ہشام انکلی مطبوعہ مصر ص ۳۴

زیادہ خوبصورت ملگیا تو اُس کو پھینک دیا اور اسکی پرستش کرنے لگے، جہاں کوئی پتھر نہ ہاتھ آیا خاک کا ایک تودہ بنا،  
ایک بکری لا کر، اسکا وودھ اُسپر دھوایا، پھر اُس کے گرد طواف کیا، اور اب وہ ایک معبود بن جاتا تھا، چنانچہ صحیح بخاری  
کتاب المغازی، باب وفد بنی خلیفہ میں، یہ پوری تفصیل مذکور ہے،

اس بت پرستی کی ابتداء یوں ہوئی کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جب کا نام عمرو بن لُحی تھا، اور جو قبیلہ جرہم کو  
شکست دیکر کعبہ کا متولی بن گیا تھا، ایک دفعہ بھاگ گیا، وہاں لوگوں کو بت پرست دیکھ کر بت پرستی کی طرف مائل ہوئے  
اور وہیں سے ایک بت لا کر کعبہ میں نصب کیا، چونکہ اس کا اثر تمام عرب پر تھا، اس لیے تمام عرب نے بت پرستی  
قبول کر لی، اور گھر گھر بتجانے بن گئے، انہیں ہیل سب بڑا تھا، اس سے اتر کر منات، لات، اور عتے تھے،  
منات مدینہ منورہ سے سات ہیل پر تھا، انصار کے قبیلے یعنی اوس و خزرج اور اور پاس پاس کے  
قبائل اُسی کالج کرتے تھے، کعبہ کالج بھی جب یہ لوگ کرتے تھے تو احرام پہین آ کر اتار تے تھے، حلیفہ معاہد  
بھی یہیں ہوتے تھے، عبدالعزیٰ مزنی کہتا ہے،

اِنِّیْ حَلَفْتُ بِمَیْنِ حِجْدِیْ بَرَّکَ مِیْنُ نَمَاتِیْ کِی سَجِّی قَمَّ کَہَا نِی

بِصَنَاءَ عِنْدَ حَلِّ اَلِ الْخَزْرِیْ اہل خزرج کے احرام اتارنے کی جگہ کے پانا

لات، قبیلہ ثقیف کا معبود تھا جو مقام طائف میں نصب تھا، اہل طائف اس کو کعبہ کے برابر  
تسلیم کرتے تھے،

عرتے ایک درخت تھا، اُسکے پاس ایک بت تھا، یہ قبیلہ غطفان کا بت تھا، لیکن قریش بھی  
اُسکی نہایت عزت کرتے تھے اور اسکی زیارت کو جاتے تھے، قریش جب کعبہ کا طواف کرتے تھے تو یہ پڑھتے  
وَاللّٰتِ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةِ الْاُخْرٰی لَات، عزثی، اور تیسرا منات، یہ بڑے برگزیدہ ہیں،

۱۔ یہ پوری تفصیل معجم البلدان، لفظ منات میں ہے،  
۲۔ معجم البلدان، لفظ لات و کتاب الاضام للکلبی مطبوعہ دارالکتب المصریہ ۱۳۴۳ھ صفحہ ۱۹



اَنْصَحُ الْعَرَابِيْنَ الْعُلَا وَ اَنْ شَفَاعَتَهُنَّ لَشَرِّهَا، اور انکی سفارش کی خدا کے ہاں ٹیس ہو۔

بت پرستی نے رفتہ رفتہ اور بہت سی برائیاں پیدا کر دیں، جانوروں سے گذر کر انسانی قربانیان اُن کی چڑھائی جانے لگیں، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جدِ امجد عبد المطلب نے جو اپنے صاحبزادہ (عبداللہ) کی قربانی کرنی چاہی تھی اسی رسم کی تقلید تھی،

بحیرۃ سائبہ، حام کے نام سے بتوں کے نام پر ساند چھوڑتے تھے، کعبہ کے سامنے جو قربانی کرتے تھے اس کا خون، کعبہ کی دیواروں پر ملتے تھے، بتوں کے سامنے شگون کے تیر رہتے تھے، ان میں سے ایک پر ”ہان“ ایک پرنان لکھا رہتا تھا، جو کام کرنا چاہتے پجاری سے کہتے کہ فال نکالے، ”ہان“ کا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے ورنہ باز رہتے،

جاہلیت میں جن چیزوں کی پرستش کی جاتی تھی، وہ مختلف قسموں کی تھیں، اصنام و اوثان، انصاب، اور بتوت، اصنام و اوثان جنکا واحد صنم اور شن ہے، یہ انسانی شکل و صورت کے بت تھے، اگر وہ لکڑی کے ہوتے تو نجیم کہلاتے، اور اگر رنگ اور مسالے سے بنے تو ان کو دُمیہ کہتے، انصاب اور نصب بن گھڑے پتھر ہوتے تھے، جنکو کھڑا کر کے اُن پر چڑھا دے چڑھاتے اور جانور ذبح کرتے تھے، بتوت جبکا واحد بتوت ہے، چند گھڑے، جیسے رضا، رنام، قلیس وغیرہ، جنہیں بت پرستانہ رسوم ادا کئے جاتے تھے، جن بتوں کے ارد گرد چکر لگاتے تھے، اُن کو دوار کہتے تھے، اور ان پر جو قربانی کی جاتی تھی، اوسکو بقیہ کہتے تھے، پتھروں کا ڈھیر لگا کر اس کے چاروں طرف چکر لگاتے تھے، اس ڈھیر کو رجمہ کہتے تھے، جاہلی شاعر کہتا ہے،

کما طاف بالرحمۃ المرتجم جیسے پتھروں کے ڈھیر کا طوفان لگانے والا طوفان کہتے،

جن بتوں کی پرستش کی جاتی تھی انکی کوئی انتہاء تھی، ع

”قبیلہ قبیلہ کا ایک بت جدا تھا“

۱۔ نیل المرام فی تفسیر آیات الاحکام صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱ ۲۔ ان الفاظ کے لیے دیکھو سان العرب،

خاص خانہ کتبہ اور اُس کے اطراف میں تین سو ساٹھ بیت تھے، ان میں سے قرآن پاک میں جن کے نام بتائے گئے ہیں وہ یہ ہیں، لاث، عیسیٰ، مناتہ، یغوث، یعوق، نسر، وود، سواع، بعل، لیکن جاہلیات کے پرانے موزون اور لغت نویسوں نے جاہلیت کے شخصی ناموں اور شعراء کے اشعار سے بہت سے نام ذکر کیے ہیں، ہشام کلبی کی کتاب الاصل میں جو اس موضوع پر پہلی کتاب ہے، اور جواب مقررین چھپ بھی گئی ہو تقریباً تیس بتوں کے نام ہیں، علامہ زکی پاشا جنھوں نے کلبی کی اس کتاب کو ۱۳۴۳ھ میں تخریج اور تکمیل کے بعد شائع کیا ہے، اپنے تکرار میں چھپالیس نام اور بڑھائے ہیں، میں اور جازمین آثار قدیمہ کے محققوں نے عہد جاہلیت کے جو کتبے پڑھے ہیں، اُن میں اتمہ، عتار، نکرہ، قینان وغیرہ بہت سے اور ناموں کا پتہ لگایا ہے، میں نے ارض القرآن کی دوسری جلد میں جو ۱۳۲۶ھ میں چھپی ہے، ان معلومات کو یکجا کر دیا ہے،

ذیل میں ہم اُن بتوں کی فہرست درج کرتے ہیں، جنکے نام اب تک معلوم ہو چکے ہیں،

بتوں کے نام | قبیلوں کے نام جو اُن کو خاص طور سے پوجتے تھے،

لاث -	ثقیف.
عُزَی -	قریش، و بنو شیبان بن جابر،
مناتہ -	اوس خویج اور عام عوب،
یغوث -	بنو مذحج و اہل جریش،
یعوق -	بنو ہمدان و اہل حیان،
نسر -	حتمیر،
وود -	بنو کلب،
سواع	بنو نجیمان،
اساف،	بُت، ہسپر ج میں قربانی ہوتی تھی،

نائله ، بُت - سپر حج بین سربانی ہوتی تھی ،

اَقْصَر ، قضاۃ و تخم و جذام ، و عالمہ و غطفان ،

باجر ، از دو طی و قضاۃ ،

ذوالِ اِخْلَص ، بنو امامہ ، ششم ، بجالہ ، از دالِ اسرۃ ،

رُضا ، یا رُضی ، بنو سبیبہ کا بھائی ،

رُام ، خمیر کا بت خانہ ،

سبحہ ،

سعد ، بنی ملک بن کنانہ ،

سَعِیر ، عَشْرہ

ذوالِ شَرِی ، بنو حارث ،

عالم ، از دالِ اسرۃ ،

عم انس یا عُمَیْس ، خولان ،

قلس ، طی ،

ذوالِ کَفِّین ، بنو وس ،

سناف ، قُریش ،

نُصم ، مَزَنیہ ،

بُہل ، قُریش ،

بَعْل ، قَبَائِل بنی عدنان ،

یَعُوب ، جدیلہ بن بنی طی ،

شہل	بنو عبد الاشہل
اوال	بکر تہلب
بس	غطفان کا بُت خانہ
بعیم	ایک لکڑی کا بُت
بلج	ایک بُت
جسم	”
جریش یا جرش	ایک بُت جس کی طرف عبد جرش کی نسبت ہے
جلسد	ایک بت کا نام
چسار	ہوازن کا معبود
دار	بنو عبد الدار
دوار	ایک بُت کا نام
ذوالرحل	حجاز کا ایک بُت
شارق	ایک بت کا نام جس کی طرف عبد الشارق کی نسبت ہے
شس	بنو عبد شس
صدا	عاد کا بت
صمودا	”
ضمار	عباس بن مرد اس سلی کا قبیلہ
ضمیرن	منذر اکبر
عجب	قضاہ

عوض،	بکر بن وائل،
عون،	ایک بت کا نام،
غبنب،	اس پر جانور ذبح کئے جاتے تھے،
قراض،	سعد الغنیمہ،
کشمی،	جدیس و ظم،
ثعم،	ایک بت کا نام،
مخرق،	بکر بن وائل،
مدان،	عبد المدان،
مرحب،	حضرت موت،
منہب،	ایک بت کا نام،
ہبا،	عاد،
ذات الودع،	ایک بت کا نام،
یالیل،	عبد یالیل،

ستار پرستی | عرب میں ستارہ پرستوں کا بھی ایک گروہ تھا مختلف قبیلے مختلف ستاروں کی پوجا کرتے

تھے، اُن میں ربیعہ اہم سورج اور چاند تھے، اسی لئے قرآن پاک نے خصوصیت کیساتھ کہا،

لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (حم السجدة - ۵) نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو،

یسن میں سبا کی قوم سورج ہی کو دیوی مانتی تھی، (نمل - ۳) یسن کے بادشاہ شرمیر عرش نے سورج

دیوی کا مندر بنوایا تھا، سورج اور چاند کے بعد ستاروں میں شہری کی بڑی قدر و منزلت تھی اسی لئے قرآن پاک

لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (حم السجدة - ۵) کہلاتا ہے،

نے کہا،

وَإِنَّهُ مُرَوِّبُ الشَّعْرِى (نغم- ۳) اور وہی خدا شعری کا مالک ہے،

صاعدانڈی المتوفی ۱۲۶۲ھ نے اپنی کتاب طبقات الامم میں عرب کے حسب ذیل قبیلوں کو مختلف ستاروں کا پرستار بتایا ہے،

قبیلہ حمیر سورج کو پوجتا تھا، کنانہ چاند کو، تمیم دبران کو، لخم اور جذام مشتری کو، طی سہیل کو، قیس شعری عبور کو، اور اسد عطار کو،

جن اور شیاطین اور بہت پلٹ جن اور شیطان کی نسبت عرب کے عجیب عجیب عقائد تھے، وہ جن شیطان اور بہت پلٹ، سب کو ایک ہی جنس سمجھتے تھے، گو اختلاف صورت اور اشغال کی وجہ سے ان کے الگ الگ نام پڑ گئے تھے، جو آجہتہ جنگوں اور میدانوں میں رہتے تھے، اور مسافروں کو اپنی صورتیں یا لباس بدل بدل کر دیکھا دیتے تھے ان کا نام غول تھا یہ مذکور بھی ہوتے تھے اور نوٹ بھی،

عبد بن ایوب النیری،

وغول اقصرۃ ذکر وانثی اور بیابان کے دو غول مرد بھی اور عورت بھی  
سكان علیہما قطع الیجاد گویا کہ ان دونوں پر کس کے ٹکڑے پڑے ہیں،  
نوٹ کو سحلاۃ کہتے تھے،

انثی وسحلاۃ وغول بقصرۃ میں پھسلتا ہوں اور چڑیل اور غول بیابان میں  
اذا اللیل واری الجن فیہ ارنمت جب بات پر نپوش ہوتی تھی تو بہت ٹہن آواز دیتے تھے  
عمر بن یربع ایک ممتاز شخص تھا اس نے سحلاۃ سے نکاح بھی کیا تھا اور اس سے اولاد بھی ہوئی  
تھی، راجز کہتا ہے،

۱۔ طبقات الامم قاضی صاعدانڈی، ص ۲۳، بیروت،

یا قاتل اللہ بسنے السعلاة خدا سحلاۃ کے فرزندوں کو مارے،

باقیس، ملکہ مین سعلاۃ ہی کے پیٹ سے تھی،

یہ اکثر گائے بجاتے تھے اور اہل عرب ان کے نعنون سے محفوظ ہوتے تھے،

کمر حبث دونک من بهماء مظلمة گنتی اندھیری گھپ راتوں میں، میں سنے

تہ اذا ما مغنے جنلا سمرہ صحر کو قطع کیا جب ہان کے بتا کا منفی انسانہ کوئی کرتھا،

صحرائین بدوون کی بھگتوں میں شریک ہوتے تھے، جاڑوں میں جب بدواگ جلا کر بیٹھتے تھے تو

یہ بھی آگ تاپنے کو آجاتے تھے، لیکن جب ان کو کھانے پر بلاتے تھے تو وہ عذر کرتے تھے کہ ہم آدمیوں کی غذا نہیں کھا سکتے،

التواناری فقلت منون انتم وہ لوگ رات کو میرے پاس آتے تو میں نے کہا تم کوئی

فقالوا الحق قلت عمو اظلاما انھوں نے کہا ہم جن میں ہیں گناہ اس تاریکی میں خوش ہو

دعوت الی الطعام فقال منهم میں نے ان کو کھانے کیلئے بلایا، تو ان میں سے ایک سے وارنے کہا

زعیم نحسد الانس الطعاما ہم ستم انسان کے کھانے پر حسد کرتے ہیں۔

یہ زیادہ تر جہان آباد تھے ان موضوعوں کے نام، بدی، بقار، اور عبقر تھے،

ع جن البدی واسیا اقداما بدی کے جن، جن کے تدم جے تھے۔

ع تحت السنور جنة البقار زہون کے نیچے بقار کے بھوت تھے،

ع علیہن فسیان کجنتہ عبقر اور ان پر شہسوار جو ان عبقر کے بھوت معلوم ہوتے تھے۔

ان کے اقام حسب ذیل تھے،

جو آدمیوں کے ساتھ بل بل کر رہتے تھے ان کو عامر کہتے تھے،

جو بچوں کو ستاتے تھے ان کا نام رُوح تھا،

جو زیادہ شریعتی تھے اُن کو شیطان کہتے تھے،

اس درجہ سے بڑھکے جو شریعت پر ہوتا تھا اسکو حضرت کہتے تھے،

یہ اکثر نوجوان اور جوانوں کو اٹھالے جاتے تھے، حضرت علیؑ کے ایک بھائی طالبؓ تھے، اُن کو اٹھا لگئے اور پھر اُن کا پتہ نہ لگا، عمرو بن عدیؓ نے جو عرب کا بادشاہ تھا اس کو بھی اٹھا لے گئے تھے، لیکن کئی برس کے بعد، حذیفہؓ ابرش کو لا کر دے گئے،

اسی طرح خرافہ کا قصہ ہے جس کو جن اٹھا لے گئے تھے، مدت کے بعد وہ واپس آیا، تو عجیب عجیب باتیں بیان کرتا تھا،

ان اجنبی یا شیاطین سے جن لوگوں کے تعلقات زیادہ بڑھ گئے تھے ان میں سے تائب شر، اور ابوالہول، طوسی زیادہ مشہور ہیں، طوسی نے ایک دفعہ ایک بھوت کو مار ڈالا تھا اس کے واقعات ایک نظم میں لکھے ہیں

لَقِيتُ الْغُولَ تَسْرِي فِي ظِلَالِهِ      مِثْلَ غَوْلٍ بِرِيَابَانِي سَیِّئَاتِهَا  
مِنْ غَوْلٍ بِرِيَابَانِي سَیِّئَاتِهَا      كَوْنَهُ سَیِّئٌ مِثْلِي وَحَوْلِي

فَصَدَّتْ وَانْتَحَيْتُ لَهَا بَعْضُهَا      تَوَاسَّيْنَا رُوحًا، اَوْرَيْنِي بِنِهَا  
حَسَاہُ غَيْرُ مَوْثِقٍ يَمَانِي      اُس کی طرف بڑھا،

فَقَدَّ سِرَاتَهَا وَالْبَرْدَ مِنْهَا      تَوَاسَّيْنَا رُوحًا، اَوْرَيْنِي بِنِهَا

فَخَرَّتْ لِي دِينَ وَالْجَعْرَانِ      اَوْرُوهُ دُونِهَا تَحُونِ اَوْرَيْنِي بِنِهَا

انھیں اجنبی اور شیاطین کا زور توڑنے کے لیے قرآن نے قیامت کے اس سوال و جواب کا انداز اختیار کیا کہ اُن کے دوست انسان وہاں بھی اونکی دوستی کا دم بھرتے جائیں گے، اس سے اندازہ ہو گا کہ

سے شہر کی ترمذی باب الستر، سہ یہ تمام تفصیل کتاب ایوان، جاحظ سے ماخوذ ہے، اس نے کئی درجہ میں نہایت تفصیل سے یہ واقعات لکھے ہیں، دیکھو کتاب مذکور، صفحہ ۸۰ تا صفحہ ۸۰، جز ہشتم، مطبوعہ مطبعہ سعادت، مصر،



جاہل عربوں پر ان کا کس قدر استیلا تھا،

يَمْشِي الْجَحَنَ قَدْ اسْتَكْبَرْتُمْ مِّنْ الْاِنْسِ ۚ اے جنوں کے گروہ! تم نے انسانوں سے بہت کچھ ڈھونڈ

وَقَالَ اَكُلِيْضُمْ مِّنْ اِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ کیا، اور ان کے دوست اور انسان بولے، اے ہمارے

بَعْضُنَا بِبَعْضٍ (النعام- ۱۵) رب! ہم میں سے ایک نے دوسرے کا کام نکالا،

کہانت اکہانت ایک سخت بلا تھی، جو تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی، ہر جگہ ایک یا کئی کاہن ہوتے تھے، جو ان

واقعات کی پیشین گوئی کرتے اور آسمانی خبریں بتاتے تھے، اہل عرب کا اعتقاد اور خود کا ہنوں کا وجود

تھا کہ ان کے ساتھ ایک ایک جن رہتا ہے اور وہی انکو اتھا کرتا ہے، وہ اپنی شکل و صورت ایسی بناتے

تھے کہ پہچان لئے جاتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس سے ایک آدمی گذرا، انھوں نے قیافہ سے

پہچان لیا کہ وہ کاہن ہے، اوسکو بلا کر پوچھا کہ "تیرے جن نے تجھ سے سب سے عجیب تر بات کیا

بیان کی؟" اس نے کہا کہ میں ایک روز بازار میں پھر رہا تھا کہ میرا جن گھبرایا ہوا آیا، اور کہا،

الہ ترالی الجن را بلا سہما ویا سہما من بعد کیا تم جنوں کی سرگمی اور انکی ناامیدی اور انکے کاروبار

انکا سہما و لحن قہا بالقلاص و حلا سہما کی اتہری نہیں دیکھتے،

حضرت عمرؓ نے فرمایا سچ کہتا ہے، میں ایک روز زمانہ جاہلیت میں بتوں کے پاس سویا ہوا تھا کہ میں نے

خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی نے ایک گوسالہ لاکر ذبح کیا اس کے بعد ایک شخص زور سے چلایا،

یا جلیج، اس پر بھیج رجل فصیح یقول لا الہ اے جلیج، کامیاب ام! ایک فصیح شخص لا الہ اللہ

لا الہ اللہ، کتاب،

اس کے چند ہی دنوں کے بعد آنحضرت صلیع کی بعثت ہوئی، صحیح بخاری (تفسیر سورہ الضحیٰ) میں روا

ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ علیل ہو گئے اور دو تین دن رات کو عبادت کے لیے نہیں اُٹھے

۱۔ کتاب البیان والنبین ۲۔ جلد اول ۳۔ مطبوعہ مطبع علیہ مصر ۴۔ صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۵۴۵

اس پر ایک عورت (یہ ابواب کی زوجہ تھی) نے اگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا،

انی ارجوان لیکن شیطانک قد ترکک میل خیال ہو کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا،

یہ وہی خیال تھا، چونکہ کفار آپ کو کاہن خیال کرتے تھے، اس لیے اُن کو خیال تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی

جن یا شیطان رہتا ہے، قرآن پاک نے اسی کی تردید اس آیت میں کی ہے،

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِیْنُ ۝

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتا ہے، شیطان

تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَشِیْمٍ ۝ یَلْقَوْنَ السَّمْعَ

ہر جھوٹے گنگار پر اترتا ہے، جو سنی سنی بات اٹھا کرتے

وَاَكْثَرُهُمْ كَذِبُوْنَ ۝ (شعراء - ۱۱) ہن، اور وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہن،

یہ کاہن تمام مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور اس بنا پر تمام ملک پر اُن کا اثر چھایا ہوا تھا

ان میں سے حازمی، شقی، سلح، عزمی، بہت مشہور تھے، جا حظ نے اُن کے کاہنہ فقرے، کتاب بیان میں

نقل کئے ہن،

وَالْاَرْضُ وَالسَّمَاءُ، وَالْعَقَابُ وَالصَّقْعَاءُ

قسم ہے زمین اور آسمان کی اور عقاب اور آفتاب کی

وَاَقْعَةُ بَبَقْعَاءُ، لَقَدْ اَنْفَرَ الْمَجْدُ بَنِي

میدان میں واقع ہوا کہ بزرگی بنو عسرا، پر غالب آگئی

الْعَشْرُ الْمَجْدُ وَالنَّسَاءُ،

بوہر بڑائی اور بندی کے،

یہ کاہن جو خبریں بتاتے یا تلقین کرتے وہ بڑے تکلف کے مقفی اور مسجع فقرے ہوتے اس لیے جب

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ماقط اکل نیچہ کا مقدہ پیش ہوا، اور آپ نے اس کی دیت کا فیصلہ کیا تو ایک شخص نے

سوجک دستور کے مطابق اعتراض کیا،

اَرَأَيْتَ مِنْ لَّاشَرْبٍ وَلَا اَكْلٍ وَلَا صَاحِجٍ

خود فرمایا کہ جس نیچے نے نہ کھا یا نہ پیا نہ چخا نہ رویا کیا اسکا

فَاَسْتَطَعْتُ اَلِیْسَ دَمَهُ یَطْلُ

خون معاف نہ ہوگا،

آپ نے فرمایا یہ کاہنوں کے بھائیوں میں سے ہے، (صحیح مسلم و صحیح بخاری باب الکھانتہ)

یہ کہن تچانوں میں رہتے تھے، اور کسی ٹھٹھ کے پجاری ہوتے تھے جب لوگ اُن سے غیب کی بات پوچھتے، یا وہ خود آئندہ کے متعلق پیشینگوئی کرنے لگتے، تو ایک خاص کیفیت اپنے اوپر طاری کرتی۔ مرد بھی کہن ہوتے تھے، اور بعض عورتیں بھی ہوتی تھیں، جو کاہنہ کہلاتی تھیں، یہ مصیبتوں اور بلاؤں کے دور کرنے کے لیے بت پرستانہ علاج اور تدبیر بتاتے تھے، یہ اپنی کہانت کی اجرت میں بڑی بڑی رقم اور تدرائے وصول کرتے تھے، اسلام کے بعد ان میں جو مسلمان ہو گئے تھے، وہ علانیہ اپنے خدع و فریب کا اعتراف کرتے تھے، اُن کو نذر و نیاز اور اجرت کی جو رقم یا تحفہ ملتا، اُس کا نام حلوٰں الکاہن تھا، یعنی کاہن کے منہ میٹھا کرنے کے لیے تحفہ، اسلام نے اگر اس کو روک ڈیا،

غرض ان کاہنوں نے عوام فریبی کا بڑا جال پھیلا رکھا تھا، اور یہ انہی کا اثر تھا کہ ملک کا ملک سیکرو قسم کی وہم پرستیوں میں مبتلا ہو گیا تھا۔

شعرا کی نسبت بھی عرب کا خیال تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے اور وہی اُس کو اشعار افکار کرتا ہے، چنانچہ تمیل شاعر کی شیطان، عمرو کی بیٹی تھی، اور اُسے جو عرب کا مشہور شاعر تھا، اس کے شیطان کا نام سحر تھا، اُسے خود کہتا ہے،

دعوت خلیلہ مسحلا ودعوالہ میں نے اپنے دوست سحر کو پکارا اور انھوں نے

بجھنا میدعی اللہ جین المذموم اُسکے لیے ہننام کو پکارا، اور یہ کہینہ بطور کیلئے بلایا جاتا

حبانی اسخی الجحیٰ نفسہ فداعہ مجھ کو میرے جن دوست نے میری جان اُسپر فدا ہو

باقلم حیّاش العشیات من جہم شاموں کی بوقت سب سے بڑے جوش ماریو اور سخت پھر کر پڑو

جو اعلیٰ درجے کا شاعر ہوتا تھا اس کا شیطان یا جن مذکور ہوتا تھا، ابوالنجم کہتا ہے،

لے بخاری جلد اول ص ۱۷۷ کتاب الطب باب الکلمات ص ۱۷۷ بخاری یقیناً لہٰذا شی کے دیوان مطبوعہ دیاناصف میں صرف پہلا شعر ہے اور اس کا بھی دوسرا مصرع اس طرح ہے، جھنا میدعی اللہ جین المذموم

اَنّٰی وَکَلَّ شَاعِرٌ مِنَ الْبَشَرِ      ہر شاعر کا شیطان تو مومنٹ ہے  
 شیطاٰنہ اِنّے وشیطانِی ذکر      مگر میرا شیطان مذکر ہے  
 شتقان اور شیبان، رؤسائے شیاطین تھے جو شاعری سکھلاتے تھے، ایک شاعر کو اس پر فخر تھا کہ  
 اس کا معلم اسی شیبان کی اولاد سے ہے،

ولی صاحب بن بنی الشیبان      میرا ساتھی شیبان کی اولاد ہے  
 فطوّرًا اقول وطرّاً اھوّلَا      تو کبھی مین شکر کتا ہوں کبھی وہ،  
 اوہام پستی | سانپ کو قتل نہیں کرتے تھے، یہ اعتقاد تھا کہ سانپ مارا جائے تو اُس کا جوڑا اگر بدلہ لیتا ہے، یہ  
 اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد روح ایک پرند بن کر اڑتی رہتی ہے، اُس کو ہامہ کہتے تھے، یہ اعتقاد تھا کہ پیٹ مین ایک  
 سانپ رہتا ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے، جو کام کرنا چاہتے تھے پہلے شگون لے لیتے تھے، مثلاً قسوت  
 کوئی پرند دہنی جانب سے اُڑا تو مبارک سمجھتے تھے اور یا مین جانب سے اُڑا تو اُس وقت اُس کام سے باز رہتے  
 تھے، بکری کے جب بچہ پیدا ہوتا تو اگر زہر ہوتا تو بت پر چڑھادیتے، اونٹنی جب دس بچے جن لیتی اسکو چھوڑ دیتے  
 وہ ساند کی طرح چھوٹی پھرتی،

کسی شخص کے پاس جب اونٹوں کی تعداد ہزار تک پہنچ جاتی تو ایک اونٹ کی ایک آنکھ پھوڑ دیتے  
 کہ نظر نہ لگجائے، جب کبھی قحط پڑتا تو بیٹھیا دتہ کی دم مین گھانٹس بھونس باندھ کر آگ لگا دیتے اور سمجھتے کہ اس سے  
 پانی برسیگا، سفر مین جاتے تو کسی درخت مین ڈورا وغیرہ باندھ کر گرہ لگا دیتے، واپس آکر دیکھتے اگر گرہ کھلگئی ہے  
 تو سمجھتے کہ انکی بیوی نے بدکاری کی، سفر مین راستہ بھول جاتے تو کپڑے اٹک کر پہن لیتے اور سمجھتے کہ اس سے  
 راستہ مل جاتا ہے، یہ خیال تھا کہ جو شخص لات و عزیمتی کو گالی دیتا ہے اُس کو برص یا جذام ہو جاتا ہے، ہاتھوں  
 مین پتیل کی انگوٹھی پہنتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے ضعف جاتا رہتا ہے،

لے ابو داؤد مطبوعہ بغداد جلد ۱ ص ۲۳۵ یہ باتیں بلوغ العرب اور الطول العرب فیہ کتا بون بن مذکور بن لے مسند دارمی ص ۱۵۵ لے ابن ماجہ جلد ۱ ص ۱۰۰

اس قسم کے سیکڑوں اوہام پھیلے ہوئے تھے، جہاں شمار نہیں ہو سکتا، یہ تو اُن کے مذہبی حالات و خیالات تھے، انکی اخلاقی کیفیت بھی ایسی ہی ہست تھی، اُن کے اخلاقی متناہی میں سب سے نمایاں چیز انکی جنگجوئی تھی، جس نے اُن کو حد درجہ خونخوار، سنگدل اور سفاک بنا دیا تھا، جنگجوئی اور اُرداسی بات پر لڑنا، اور ایک دوسرے کا سر کاٹ لینا اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی، قبیلہ دوسرے قبیلہ سے، اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسرِ پیکار تھا، ہر بچہ اپنے باپ اور عزیزوں کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبہ میں پرورش پاتا تھا، اور جوان ہو کر اس مقدس فرض کو انجام دیتا تھا، اور اس طرح آپ ایک لڑائی کا سلسلہ برسوں تک قائم رہتا تھا، انھیں لڑائیوں کو مورخین اور اہل ادب ایام العرب کہتے ہیں، جنگی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے، میدانی نیشاپوری المتوفی ۱۱۸۵ھ نے کتاب الامثال میں اُن کی ۳۲ لڑائیوں کے نام بتانے کے بعد یہ لکھا ہے،

هذا الفن لا يتقصا كالحصاء فاقصرت  
 یہ فن شمار کا استقصاء نہیں کر سکتا، اسلئے جو کچھ میں نے بیان  
 علی ما ذکرک (جلد ۴ ص ۳۷) غیر مصر کیا ہے، اسی پر میں نے قناعت کی،

یہ تمام لڑائیاں وہ ہیں جو اسلام سے چالیس پچاس برس پیشتر سے اسلام تک ہوئیں، اُن میں سب سے مشہور لڑائی عبس و ذبیان کی ہے، جس کا واقعہ یہ ہے کہ ان دو قبیلوں کے دو گھوڑے وحش اور غبر اک کا بھی مقابلہ تھا، ان میں سے ایک فریق نے گھوڑے دوڑ کے قواعد کی خلاف ورزی کی، اور لڑائی ہو پڑی، یہ لڑائی ان دونوں قبیلوں میں پورے چالیس برس تک قائم رہی، دوسری مشہور لڑائی حرب لبوس ہے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ لبوس نامی ایک قبیلہ کی عورت کی اونٹنی، کلیب بن وائل کے چراگاہ میں جا پڑی، کلیب نے اپنے تیر سے اس کے تھن کو زخمی کیا، اس بات نے قبیلہ میں آگ لگا دی، کلیب جان سے مارا گیا، اور بکرو و تغلب میں خونریز جنگ ہوئی، عکاظہ کے میلہ میں سلیم اور غطفان کے سرداروں میں کچھ مناقشہ ہوا، چند روز کے بعد موقع پا کر ایک قتل کر دیا گیا، اس کے انتقام کے لیے خون کی ندیاں بہیں، بکرو و تمیم میں ایک چراگاہ کے مقابلے

میں خوزیر لڑائی ہوئی، اوس و خزیج مدینہ کے دو قبیلوں میں جو ہولناک لڑائیاں ہوتی رہیں، ان میں سب سے مشہور یوم بُعَاث ہے جس میں دونوں قبیلوں کے اکثر سردار کام آئے، اس لڑائی کا خاتمہ انصارِ مدینہ کی بیعت پر ہوا، قریش کی مشہور لڑائیوں کا نام ایامِ فُجَار ہے، ایک اور مشہور لڑائی کا نام دُمی قار ہے، الغرض معمولی سے اشتعال سے قتل تک نوبت پہنچتی تھی، قتل سے انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، اور لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا، ان میں لڑنا، اور مرنا اور مارنا جاہلیت کا شرف، اور قبیلہ کی آن سمجھی جاتی تھی، اور اس خون آشامی کا ذوق ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی، ان لڑائیوں میں سفاکی، بیرحمی، اور قتل و غارت کی بدترین مثالیں پیش آتی رہتی تھیں،

شرابِ خوری | شراب جو ہر قسم کے فسق و فجور اور مظالم اور بدکاری کا سرچشمہ ہے، عربوں میں اس کا اس قدر رواج تھا کہ ہر گھر ایک میکہ بن گیا تھا، اس کا نہ پینا اس قدر ناموس بات تھی کہ جن چند آدمیوں نے اسلام سے پہلے اس کے پینے سے پرہیز کیا تھا، ان کے نام یاد رکھے گئے ہیں، دوست و احباب کسی گھر میں جمع ہوتے، شراب کا دُور چلتا، ساتھ ہی جوئے کھیلتے، ان میں اونٹوں کی ہار جیت ہوتی، جو جیتا رہ جیتے ہوئے اونٹوں کو اسی وقت ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیتا، کبھی نشہ میں سرشار ہو کر خود صاحبِ خانہ اٹھ کھڑا ہوتا، اور اپنے اونٹوں کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر کر دیتا، لوگ گوشت بھونتے، کباب لگاتے، اور کھاتے اور کھلاتے، اور اپنی اس بیجا فیاضی پر فخر کرتے، سامنے فاحشہ مغنیہ عورتیں گاتیں بجاتیں، اور اسی مخموری کے عالم میں بشری کی باتیں کرتے، جاہلیت کا مشہور شعارِ ظفر کہتا ہے،

وان تبغنی فی حلقة القوم تلفنی      وان تقنتنی فی الحوائت تصطد  
اگر تو مجھے لوگوں کے حلقہ میں ڈھونڈے تو پایکا      اور اگر شرابخانوں میں مجھ شکار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے،  
منی تانتی اصبحت کاسارویۃ      وان کنت عنہا غائباً فاغن وازد

لہٰذا ان لڑائیوں کے مفصل حالات کے لیے دیکھو عقد الفرید ابن عبد ربہ جلد ۱۳ اور امثال میدانی لفظ "یوم"

جب بھی تو میرے پاس آئے ہیں تجھ کو شراب کا سیرپ پالہ پلاؤں گا، اور اگر تو اس سے نیاز ہو کر نہ آئے، جا اور بے نیازی کر  
 ند اما می بیض کا لہجہ وقینہ تروح الیٰنا بین پرد و محمد  
 میری نعل شراب کے ہم نشین تارون کی طرح گورے چٹے ہیں ایک مغنیہ جو شام کو ہار پائی تھی اور زعفرانی کپڑوں میں آتی ہے  
 رحیب قطاب الجیب منہار فیکہ بجس النداسی بختہ المتجرد  
 اُس کے گریبان کا رنگ گلاب ہے، شرابی رفیقوں کی دست درازی سے مانوس اور اُس کے بدن کے برہنہ ہوتے طیف ہیں  
 اذ انحن قلنا اسمعینا انبرت لنا علیٰ رسلہا مطر و قہ لہ تشدد  
 جب ہم کہتے ہیں کہ ہم سنناؤ، تو آہستہ آہستہ ۔۔۔ نزاکت کے ساتھ آگے بڑھتی ہے،  
 و ما زال تشرابی الخفق و لذتی و بیعتی و انفاقی طریفی و متلدی  
 میری شراب نوشی اور لذت اندوزی اور اپنی مہل کردہ اور موروثی دولت کو خرچ کرنا میرا شعار رہا۔  
 فلوک ثلاث حق من لذۃ الفسۃ و سجدت لہم اعفل متی قاهر عرقہ  
 اگر تین باتیں نہ ہوئیں، جو ایک شریف کا لطف ذوق ہیں، تو تین اپنی مورت کی پروا نہ کرتا،  
 فمنہن سبق العا ذلات بشریۃ لعمیت متی ما نعل بالماء تنزید  
 ان میں سے ایک تو نصیحت کرنے والیوں کی بات کا خیال کرے بغیر سچ و میاں رنگ شراب کا پیالہ پی لیا کہ جن فیلا نے جو جس  
 و تقصیر یما الدجن و الدجن معجب بہ صکتہ تحت الخباء المعتمد  
 اور دوسری باغی گھڑ گھڑا کے دن کو اور وہ کیسا پر لطف نہ تھی کسی بلند خیمہ کے نیچے حسین مشرق سے لطف اندوزی میں چھو کرنا،  
 کریمیر وی نفسہ فی حیۃ ستعلم ان متناقد ایتنا الصدی  
 میں وہ فیاض ہوں جو اپنی زندگی میں اپنے آپ کو شراب پلا کر سیراب کرتا ہوا موت کے بعد معلوم ہو گا کہ ہم میں کیا کتنا  
 و بزرگ جھو دقت انارت ہیا فحقی دیوا دیہا اشتی بعض سبب مستحرم  
 کتنے سوئے بیٹھے اونٹ تھے، کہ میرے خون نے اس کے انگوٹھ کو ڈاڑیا جب میں تنگی تلواریس کر چلا۔

فسرت کھاتا ذات خیف جلالة عقيلة شیعہ کا الویل بلند

تو ایک موٹی اونٹنی جو ایک بڑے کی جو لٹھ کی طرح جھگڑا رہی تھی، قیمتی چیز تھی سامنے آگئی

وقال الاما ذاترون بناربا شدید علینا بغیہ متعدد

تو اسے کو بچ کاٹ کر اسکو گرا دیا تو اس بڑے نے کہا کہ اس بدست کو دیکھو جو جان بوجھ کر ظلم کر رہا ہے

فطل الاماء یمتلن حوارها وقسے علیہا بالسدیف المسرہا

تو نوڈیاں اس کے بچے کو بھوننے لگیں اور چربی دار کوہان کا گوشت لیکر روڑنے لگیں،

لبید بن ربیعہ جو عرب کا مشہور شاعر، اور سب سے متعلقہ کی محفل کا چوتھا ممبر ہے کہتا ہے،

بل انت لاتدرین کم من لیلۃ طاق لذید لھوھا وندامھا

بلکہ تو نہیں جانتی کہ کتنی کھلی ہوئی راتیں، جن کی دلچسپی اور مسنوسہ پر لطف تھی

قد بیت سامرھا وغایۃ تاجر وافیت اذا رفعت وعزمدامھا

میں اُن کا قہقہہ گو تھا، اور شراب فروش کی منزل میں آتا جا تا رہا جب شراب کی قیمت زیادہ، اور شراب گران ہو گئی

اُغلی السباء بکل ادکن عاتق او جنة قدحت وفض ختامھا

میں اس کی قیمت کو اور گران کر رہا تھا پانی خالی گنگ کی شک نام کو خرید کر چوپائیاں بھری جاتی، اور اس کی ہر ٹوڑی جاتی،

وصبح صافیۃ وجذب کرینۃ بموت ترتتالہ ابھامھا

اور کتنی صبح کی صاف شراب، اور مغنیہ کا عود کو کھینچ کر، اپنے انگوٹھے سے دبانے

بادرت حاجتھا الدجاج بسحرة لاعل منها حین ھب نیا مھا

پہلے شراب کی ضرورت مرغ سحر سے پہلے پوری کی، تاکہ میں اسکے سونے والوں کے جاگنے سے پہلے دہراؤں،

تغلب ان قبیلوں میں تھا جنہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، لیکن اس مذہب سے بھی عربوں

کو اس بری عادت سے باز نہیں رکھا تھا، بلکہ شراب کی درآمد زیادہ تر انہیں عیسائیوں کے ملک شام سے ہوتی



تھی بے گلب کا سب سے بڑا شاعر، اپنے فزیہ میں کہتا ہے:

الاھبى يصحنك فاصحينا ولا تبقه خموسا لا ندرينا  
 ہاں اپنا پیالہ لیکر اٹھ جا اور مجھے صبح کی شرب پلا، اور اندر کے دشمنی کا وودن کی کوئی شراب چھوٹے نہ پیا  
 مشعنة كأن الحصى فيهما اذا ما الماء خالطها سفيها  
 پانی میں ملی ہوئی گویا اُہین کو سم کے پھول پڑے ہیں، جب گرم پانی اُس میں ملاؤ،  
 تجس ربذى اللبانة عن هواه اذا ما ذاقها حتى تليها  
 غرضند عشق بھلا دے، اگر اوس کو چکھ لے، یہاں تک کہ اوس کو نرم کر دے  
 ترى اللعز الشهيح اذا اُمرت عليه لماله فيها مهيها  
 تنگ دل بخیل پر بھی اگر اُس کا ایک دو رو گزاریا جائے تو وہ اپنی دولت کو ٹھکے،  
 صبت الكاس عناقر عمرى وكان الكاس يجرها اليها  
 اے عمر کی ماں! تو نے ہم سے پیالہ ہٹایا، حالانکہ پیالہ کا دور داہنی طرف تھا،  
 وما شرا الثلثة اهرى بصاحبك الذى لا تصبينا  
 حالانکہ تیرا وہ ہم نشین جس کو تو نہیں پلاتی، تین میں سب سے بدتر نہیں،  
 وكاس قد شربت بعبلك واخدرى فى دمشق وقاصرينا  
 اور ایک وہ پیالہ جسکو بعلبک نے پیا، اور دوسرا وہ جو دمشق اور قاصرین میں پیا،

ان اشعار سے اندازہ ہو گا کہ جاہلیت میں شراب نوشی کا کیا عالم تھا، شراب فروشوں کی دوکانیں  
 کسی ممتاز مقام پر ہمیشہ کھلی رہتی تھیں، اور نشان کے لیے وہاں جھنڈا اوڑا کرتا تھا، جسکو غایت کہتے تھے،  
 (دیکھو اوپر لیبید کا دوسرا شعر) انتہا یہ ہے کہ تجارت کا لفظ "شراب فروش" کا مرادف بن گیا تھا، ایک  
 جاہلی شاعر عمرو بن قیس کہتا ہے،

اذا سبب الریط والمروط الی ادنی تجاری والفض المصا

(حماسہ)

یاد دہوہ دن جب میں اپنی چادر گھسٹتا ہوا قریب ترین شرابخانہ میں جاتا تھا اور اپنے گیسو ون کو جھاڑتا تھا

بدترین قریش کے جو دو لہتمند دُسا مارے گئے تھے، ان کے مرثیہ میں قریش کا ایک شاعر خاص طور  
ان کی بوم شراب اور مجلس رقص و سرود کی بربادی کا ماتم کرتا ہے،

وماذا بالقلب قلب بدر من القینات والشرب الکراہ

بدگدھے میں رحیم مقولین کی لاشیں ڈالی گئی تھیں (ناپختہ والیون اور فیاض شرابیون کا ماتم)

شراب کے رواج عام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عربی زبان میں شراب کے ڈھائی سونام ہیں  
اور علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے خاص ان ناموں پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، تمام گھرون میں شراب  
کی مجلسیں قائم ہوتیں، گھر کی عورتیں اور چھوٹے بچے ساقی بنتے تھے، یہ شعرا پر گزر چکا ہے جس میں شاعر اپنی  
بیوی سے کہتا ہے،

صنبت الکاس عناً ادم عمیر اے ام عمر! تو نے شراب کا پیالہ ہم سے ہٹایا

وکان الکاس مجراھا الیمینا حالانکہ پیالہ کی گردش داہنی طرف سے تھی

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے میں اپنے باپ (عباس) کی زبان سے کم سن  
میں یہ سنا کرتا تھا، استقنا کاساً دہاقاً "شراب کا ایک لبریز پیالہ ہم کو پلا"

صحیح بخاری کتاب الاشریہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب شراب حرام ہوئی تو اُس وقت ایک محلہ قائم  
تھی جس میں حضرت ابو دجانہ، ابو طلحہ، ہبیل بن یساف، شریکؓ تھے اور میں جو کہ سب کچھ تھا ساقی گری کی خدمت انجام دے رہا تھا،  
شراب سب تکلفی سے پی جاتی تھی، کس درجہ کے لوگ پیتے تھے، کس قسم کے افعال اس حالت  
میں سرزد ہوتے تھے، اس کا اندازہ صحیح بخاری کی ایک روایت سے ہو گا جو حرمت شراب سے قبل کا واقعہ ہے:

صحیح بخاری، باب الحجۃ، جلد اول، ص ۵۵۵، صحیح بخاری باب ایام الحجۃ جلد اول، ص ۵۵۵، ایضا کتاب الغزوات، غزوہ بدر، ص ۵۵۵

غزوہ بدر میں حضرت علیؓ کو مالِ غنیمت میں سے ایک اونٹنی ملی تھی، خمس میں سے ایک اور اونٹنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عطا فرمائی، حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے ہو چکا تھا، اور وہ دعوتِ ولیمہ کی طیارہ کر رہے تھے، ارادہ تھا کہ جنگل میں جا کر ذخیرہ (ایک گھنٹہ کا نام ہے) لائین اور زرگرون کے ہاتھ فروخت کر لیں اس ارادہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کی اونٹنیوں کے کوہان کسی نے کاٹ لیے ہیں اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال لیا ہے، لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا کام ہے؟ معلوم ہوا کہ پاس ہی ایک گھریں حضرت حمزہؓ چند انصا کیے تھے شراب پی رہے تھے، ایک مہینہ نے گاتے گاتے یہ مصرع گایا،

اَلَا يٰ اَحْسَنَ لِلشَّرَابِ  
اَسَے حمزہ! موٹی اونٹنیوں کے لیے،

حضرت حمزہؓ تو اریکڑ لکڑ اٹھے اور اونٹنیوں کے پیٹ چاک کر کے، ان کے کلیجے نکال لیے، حضرت علیؓ نے جا کر، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر کی اور یہ ماجرا بیان کیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چادر اوڑھی اور حضرت علیؓ کو لیکر حضرت حمزہؓ کے پاس گئے، حضرت حمزہؓ مجبور تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، اور کہا تم سب میرے غلام ہو۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ حالت دیکھ کر چلے گئے، حضرت حمزہؓ نے سترہ میں شہادت پائی ہے، اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، شراب کی حرمت جس تدریج سے نازل ہوئی، اس سے اندازہ ہوگا کہ تمام ملک کس طرح اس میں مبتلا تھا، کس طرح وہ مقبول عام ہو چکی تھی کہ اس کی حرمت کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا تھا، اور کیا یہ اور اشارہ سے گذر کر جب تک صاف صاف ممانعت نہیں کر دی گئی لوگ سمجھ نہیں سکے،

ابوداؤد، کتاب الاثمہ میں روایت ہو کہ جب شراب کی ممانعت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا،

”اے خدا! شراب کے بارہ میں ہم کو صاف صاف بتاؤ۔“ ان کے اصلی الفاظ یہ ہیں،

اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَّنَا فِى الْخَمْرِ بَيِّنَاتٍ لِّاَشْفَاءِ۔ اے خدا! شراب کے بارے میں ہمارے لیے ثانی بیا کر دے۔

اس پر سورہ بقرہ کی یہ آیت اتری،

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ  
 قُلْ فِيهِمَا آثَمُ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ  
 لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمْ لَكَاِبِرٌ مِّنْ نَّفْعِهِمَا  
 لوگ تھے شراب اور قمار بازی کی نسبت سوال کرتے  
 ہیں، تو کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور  
 لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں، لیکن فائدہ سے  
 (بقرہ ۲۰۷-۲۰۸)

اس آیت کے اترنے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے پلاتے رہے، یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک انصاری  
 نے حضرت علیؑ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ کی دعوت کی شراب کا دور چل رہا تھا کہ مغرب کی نماز کا وقت  
 آگیا، ایک صاحب نے امامت کی، مگر نشہ کے خمار میں قل یا ایہا الکافرون کے سورہ کو کچھ کچھ پڑھ گئے، اس پر  
 یہ آیت اتری،

اس شراب کی حرمت کی یہ درجی صورت حضرت عمرؓ (ترمذی تفسیر مائده و ابوداؤد کتاب الاشربة) حضرت ابوہریرہؓ (مسند احمد ج ۲ صفحہ ۲۵۱)  
 اور حضرت علیؓ (ابوداؤد کتاب الاشربة) سے مروی ہے، یہ بات کہ وہ کون صحابی تھے جنھوں نے نشہ کی حالت میں غلط سلا سو پڑھ  
 دی تھی، روایات سے صاف طور سے ظاہر نہیں ہوتی، ایک روایت میں حضرت علیؓ کا نام ہے، دوسری میں عبدالرحمان بن عوفؓ کا  
 نام اور تیسری میں کوئی مابعد مذکور ہے، حضرت الاستاذ نے سیرۃ جلد دوم (تاریخ احکام ذکر حرمت شراب) میں ابوداؤد کتاب الاشربة  
 کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا نام لکھ دیا تھا، مگر مزید تحقیق سے یہ نسبت مشکوک معلوم ہوتی ہے، اس خاص روایت کا مرکزی راوی عطاء  
 بن اسائب عن ابی عبدالرحمن السلی ہے، ابو عبدالرحمن سلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے، اس سے یہ روایت مختلف  
 طریقوں سے آتی ہے، اور ہر ایک میں شراب پینے والوں، اور حالت نشہ میں نماز پڑھانے والے کے نام کا اختلاف ہے، چنانچہ ہر  
 روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

وہ روایتیں جن میں حضرت علیؓ کا نام ہے،

۱- عن ابی جعفر الرازی عن عطاء بن السائب  
 عن ابی عبدالرحمان السلی عن علی بن ابی  
 طالب قال صنع لنا عبدالرحمن بن عوف  
 طعماً فادعانا وسقانا من الخمر فاخذت  
 الخمس منا وحضرت الصلوة فقد مونی  
 فقراءت قل یا ایہا الکافرون لا تعبدون  
 ابو جعفر رازی نے عطاء بن سائبؓ عطاء نے ابو عبدالرحمان  
 سلمی سے ابو عبدالرحمان سلمی حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت  
 کی کہ ہم کو انھوں نے فرمایا کہ عبدالرحمان بن عوف نے ہمارے لئے  
 کھانا تیار کر لیا اور ہم کو مدعو کیا اور شراب پلائی، جب ہم شراب کے نشہ  
 میں چور ہو گئے، اور نماز کا وقت آیا تو لوگوں نے مجھ کو امام بنایا اور  
 میں نے قل یا ایہا الکافرون کا اعلان کیا، اور انھوں نے

لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى  
حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (نساء ۴۳)

نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو، یہاں تک کہ تم جو کہو  
اُسکد سمجھ بھی سکو،

اس کے بعد جب نماز کا وقت آتا تو منادی اعلان کرتا تھا کہ کوئی مخمور نماز میں شامل نہ ہونے پائے۔

بقیہ حاشیہ ۲۱۵) ونحن نعبد ما نعبدون، فانزل الله  
يا ايها الذين امنوا لا تقربوا الصلوة و  
انتم سُكَارَى (ترمذی تفسیر نساء)

و نحن نعبد ما نعبدون، پڑھی، (پس خدا نے یہ آیت نازل  
”یا ایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلوة و انتم سُكَارَى“  
یعنی مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو،

۲۔ عن سفیان حدیثنا عطاء بن السائب عن  
ابی عبد الرحمن السلمي عن عیسیٰ  
علیه السلام ان رجلاً من الانصار  
دعا وعبد الرحمن بن عوف فسقاها  
قبل ان تحرم الخمر فاتهم على في المغرب  
فقهر قل يا ايها الكافرون فخطب فيهم فأنزلت  
لا تقربوا الصلوة و انتم سُكَارَى حتى تعلموا  
ما تقولون (ابوداؤد کتاب الاشربة)

۲۔ سفیان نے عطاء بن سائب سے عطاء بن ابوعبدالرحمان  
سلمی سے، ابوعبدالرحمان سلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے  
روایت کی ہو کہ انصار کے ایک شخص نے ان کو اور عبدالرحمان  
بن عوف کو مدعو کیا اور تحريم شراب پہلے ان دونوں کو سزا  
پلائی، پھر علی نے نماز مغرب کی امامت کی اور قل یا ایہا  
الکافرون پڑھا، لیکن اس میں گڑبگڑ کیا، پس یہ آیت اتری  
”لا تقربوا الصلوة و انتم سُكَارَى“ حتی تعلموا ما تقولون  
نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جایا تاکہ کچھ کہتے ہو اُسکو جان

وہ روایتیں جن میں عبد الرحمن بن عوف کا نام ہے،

۳۔ عن سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی  
عبد الرحمن السلمي عن علی بن رضی اللہ عنہ  
قال دعا نارجل من الانصار قبل ان تحرم  
الخمر فقهر عبد الرحمن بن عوف و  
صلی بهم المغرب فقهر قل يا ايها الكافرون  
فالتبس عليه فنزلت لا تقربوا الصلوة و انتم  
سُكَارَى الآية (مسند رکھاکہ کتاب الاشربة)

۳۔ سفیان نے عطاء بن سائب سے عطاء بن ابوعبدالرحمان سلمی  
ابوعبدالرحمان سلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت  
کی ہو کہ ایک شخص پہلے انصار کے ایک شخص نے حکم دیا  
کیا تو عبدالرحمان بن عوف نے امامت کی اور انکو مغرب  
کی نماز پڑھائی اور قل یا ایہا الکافرون پڑھا لیکن اس میں  
خطا ہو گیا، پس یہ آیت اتری لا تقربوا الصلوة و انتم سُكَارَى  
الآیۃ، نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو،

۴۔ سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی  
عبد الرحمن السلمي عن علی بن رضی اللہ عنہ  
كان هو وعبد الرحمن ومثل اخرين

۴۔ سفیان نے عطاء بن سائب سے عطاء بن ابوعبدالرحمان  
سے، ابن عبدالرحمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت  
کی ہو کہ وہ اور عبدالرحمان بن عوف اور ایک دوسرے آدمی سزا

لیکن چونکہ اب بھی مانعت کا کوئی عام حکم نہ تھا، اس لیے نماز کے علاوہ اور اوقات میں لوگ پیتے پلاتے رہتے تھے، حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی، اتفاق سے اسی زمانہ میں بعض انصار نے حضرت سعد وقاصؓ کی دعوت لی، اُس میں شراب کا دور بھی چلا، یہ پی کر بدستی میں کہنے لگے کہ مہاجر انصار سے بہتر ہیں، اسپر بات بڑھی، اور مارت تک نوبت پہنچی، اس پر یہ حکم آیا، (صحیح مسلم فضائل سعد بن وقاص)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۶) الحکم فیصلی بضم عبد الرحمن بن عدت فقم قل یا ایہا الکافرون فخلط فیہا فنزلت لا تقربوا الصلوۃ الایہ (مسند رک حاکم کتاب الاشریہ)

۵۔ خالد بن عبد اللہ عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن ان عبد الرحمن صنع طعاما فانا من اصحاب النبی صلعم فیہم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فقر قل یا ایہا الکافرون لا تعبدوا ما تعبدون ونحن عابدون ما عبدتم پڑھی، اس پر یہ آیت اتری، لا تعبدوا الصلوۃ، الایہ، وہ روایت حسین نام کی تعین نہیں،

۶۔ سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا نازج من الانصار قبل تحویل الخمر فحضرت صلوۃ المغرب فتقدروا رجل فقر قل یا ایہا الکافرون فالتبس علیہ فنزلت لا تقربوا الصلوۃ، الایہ (مسند رک حاکم تفسیر نار الزچہ روایتوں میں مختلف قسم کے اختلافات ہیں، پہلی اور پانچویں روایت میں ہے کہ داعی عبد الرحمن بن عوف تھے، دوسری تیسری اور چھٹی میں ہے کہ داعی کوئی انصاری تھے، چوتھی میں دعوت کے بغیر مجلس شراب کا ذکر ہے،

۷۔ سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا نازج من الانصار قبل تحویل الخمر فحضرت صلوۃ المغرب فتقدروا رجل فقر قل یا ایہا الکافرون فالتبس علیہ فنزلت لا تقربوا الصلوۃ، الایہ (مسند رک حاکم تفسیر نار الزچہ روایتوں میں مختلف قسم کے اختلافات ہیں، پہلی اور پانچویں روایت میں ہے کہ داعی عبد الرحمن بن عوف تھے، دوسری تیسری اور چھٹی میں ہے کہ داعی کوئی انصاری تھے، چوتھی میں دعوت کے بغیر مجلس شراب کا ذکر ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ  
وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْكَارُ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ  
إِنَّ شَيْطَانًا لَّكَ لَعَلُّكُمْ تُفْلِحُونَ (مائده: ۱۲)

اسے ایمان والو! بیشک شراب، جواہت اور پانے  
ناپاک اور شیطان کے کام ہیں، تو ان سے بچو،  
تاکہ فلاح پاؤ،

اس کے بعد شراب قطعاً حرام ہو گئی، حرمت شراب کی یہ آخری آیت جس وقت اتری ہے، حضرت  
ابو عبیدہ امین، اور ابی بن کعب جو سید القراء تھے، ابو طلحہ کے گھر میں مہمان تھے، اور شراب کا دور چل رہا تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) ۲۔ پہلی اور دوسری مین جو کہ امام حضرت علیؑ تھے جنھوں نے نشہ میں کچھ کا کچھ پڑھ دیا، تیسری چوتھی اور پانچویں  
مین ہے کہ وہ امام عبدالرحمان بن عوفؓ تھے، اور چھٹی مین حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ کوئی آدمی امام تھا،  
۳۔ اور روایتوں میں ہے کہ اس دعوت کی مجلس میں شراب تھی، چھٹی مین شراب کا مطلق ذکر نہیں ہے، بلکہ وہ شخص جو امام  
بناتا تھا، وہی شاید کہیں سے پی کر آیا ہو، گو کہ حرمت شراب سے پہلے پینا کوئی شرعی جرم نہیں، تاہم حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کا پینا جو بچپن سے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت میں چل کر جوان ہوئے، قیاس کے خلاف ہی، خصوصاً اس آیت کے بعد، قُلْ فِيْهِمَا اَلْاَشْمُ لَيْسَ  
(کہدے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے) حضرت علیؑ کا پینا، اور بھی زیادہ واقف کی صحت میں شک پیدا کرتا ہے، پھر جب یہ دیکھا  
جاتا ہے کہ اس روایت میں مختلف قسم کے ایسے اختلافات ہیں جو ناقابل تطبیق ہیں،

ان اختلافات کا راز اس وقت کھل جاتا ہے، جب ان کے راویوں پر نظر ڈالی جاتی ہے، سب پہلا راوی ابو عبدالرحمانؓ  
جس کا نام عبداللہ بن حبیب ہے، وہ پہلے حضرت علیؑ کا طرفدار و حامی (شیعہ) تھا، بعد کو عثمانی (بنی امیہ کا طرفدار) اور حضرت علیؑ کا لطف  
ہو گیا، پھر اس کا یہ دعویٰ کہ اُس نے حضرت علیؑ سے سنا ہے، محدثین میں مسلم نہیں، بخاری نے اس کو مانا ہے، لیکن ابن ابی حاتم  
نے اس سے انکار کیا ہے، روایت کے دوسرے راوی عطاء بن السائب کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، اس لیے لوگوں نے اُس کو چھوڑ  
دیا تھا، گوسفیان کی اس سے روایتیں حافظ کی خرابی سے پہلے کی سمجھی جاتی تھیں، مگر اوپر کی روایتوں میں دیکھو کہ خود سفیان کی  
روایتوں میں بھی وہی ناقابل تطبیق اختلاف موجود ہے، ان وجوہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف فیہ جزئیات غیر مسلم ہیں، اور واقعہ  
کی اصلی صورت وہی ہے جو چھٹی روایت میں ہے، کہ وہ مجلس محض دعوت کی تھی، جس میں حضرت علیؑ اور دوسرے صحابہ موجود تھے، کہ  
نہار کا وقت آگیا، اور ایک صاحب جو غمور تھے، نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے، اور آیتین غلط سلط پڑھ دیں، چونکہ اس واقعہ کے راوی  
حضرت علیؑ تھے، اور وہ دعوت میں بھی شریک تھے، اس لیے یا تو ابو عبدالرحمانؓ علی عثمانی نے فرقہ داری کے جذبہ میں یا عطاءؓ نے ذرا  
بھول میں، واقعہ کی نسبت ادھر سے ادھر کر دی،

اس آخری چھٹی روایت کی تائید حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہوتی ہے، جس کی سند اس پورے سلسلہ سے الگ اور  
مستقل ہے

عن ابی ہریرۃ قال سئلت الخضر ثلاث مرات قد مر رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم فی شرب الخمر یا کلوا من الخمر یا فاسدوا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم یرسلونک  
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ  
شراب میں بار میں حرام کی گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ شرب  
لائے تو لوگ شراب پیتے تھے، اور جوئے کا مال

ساتی گری کی خدمت حضرت انسؓ سے متعلق تھی، چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الاشرار میں، خود حضرت انسؓ کی زبانی روایت ہے،

كُنْتُ اسقِى ابا عبيدة واباطلحة و  
ابن بكعب: فجاءهم ات فقال ان  
الخمر حُرِّمَتْ -  
میں ابو عبیدہ اور ابی بن کعب اور ابوطلقہ کو سیراب  
پلا رہا تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا کہ شراب  
حرام ہو گئی،

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں صحیح مسلم اور دیگر حدیث کی کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے

(بقیہ کتاب ۱۲۸) عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير  
ومنافع للناس واثمهما اكبر من نفعهما  
الاية فقال الناس ما حذر علينا انما  
قال فيهما اثم كبير وكانوا يشربون  
الخمر حتى اذا كان يوم من الايام صلب  
رجل من المهاجرين اذ اصحابه في  
المغرب خلط في قراءته فانزل الله  
فيها آية اعط منهن يا ايها الذين امنوا  
لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى حتى تعلموا  
ما تقولون، وكان الناس يشربون حتى  
ياق احدكم الصلوة وهو مفيق، ثم انزلت  
آية اعط من ذلك يا ايها الذين امنوا انما  
الخمر والميسر وكالا زكاه رجس من عمل  
الشيطان فاجتنبوا لعلكم تفلحون. فقالوا  
انتهيان ربنا (مسند احمد جلد ۲ ص ۳۵)

لکھتے تھے لوگوں نے آپؐ ان دونوں کے متعلق  
سوال کیا تو خدا نے آپؐ پر یہ آیت نازل فرمائی "یسا کہ  
عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير ومنافع للناس  
واثمهما اكبر من نفعهما، الاية" لیکن لوگوں نے کہا خدا  
نے ہم پر حرام نہیں کی صرف یہ کہا کہ ان دونوں میں بہت  
بڑا گناہ ہے" اب بھی لوگ شراب پیتے رہے، یہاں تک کہ  
ایک دن ایک ہاجر نے نماز مغرب پڑھائی اور اپنی قرات میں  
کر دیا ایسے فعل نے شراب کے متعلق اس سے زیادہ سخت آیت  
آرامی سے یا ایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلوة وانتم  
سکارى حتى تعلموا ما تقولون" اب بھی  
لوگ شراب پیتے رہے، البتہ جب کوئی نماز پڑھنے  
جاتا تھا تو ہوش کی حالت میں جاتا تھا پھر اس سے زیادہ  
سخت آیت نازل ہوئی "یا ایہا الذین امنوا انما  
الخمر والميسر وكالا زكاه رجس من عمل  
الشيطان فاجتنبوا لعلكم تفلحون" فقالوا  
لعلکم تفلحون، اب لوگوں نے کہا کہ خداوند اہم باز آئے،

اس میں حضرت علیؓ کا کہیں ذکر بھی نہیں، حضرت علیؓ جیسے قرآن کے صاحب فہم کی نسبت یہ خیال کرنا کہ پہلی آیت کے  
اشارہ سے وہ شراب کی حرمت کو نہ سمجھ سکے تھے، قبول کے قابل نہیں، محدثین میں حاکم نے مستدرک میں چھٹی روایت کو لکھ کر بیان کیا کہ  
اس واقعہ میں حضرت علیؓ کا نام شامل کرنا خواجہ کی کارستانی ہے جس کی تردید اس روایت سے ہو جاتی ہے جس کو خود حضرت علیؓ



کہ اس جلسہ میں گیارہ بزرگ شریک تھے جنہیں حضرت معاذ بن جبل بھی تھے، اس موقع پر لحاظ کے قابل بات ہے، کہ اگرچہ یہ بدتون کی عادت تھی، اور اس وقت بھی سب بخارین جھوم رہے تھے، تاہم چون ہی یہ آواز آئی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شراب کی ممانعت کر دی، کسی نے پوچھا گچھا تک نہیں اور دقتہ جام و سبوتوڑا لے، یہ صرف ابو طلحہ کے گھر کا حال نہ تھا، بلکہ تمام مدینہ کے گلی کوچوں میں شراب کی ندیاں گہنیں بخاری، باب المظالم میں ہے،

فَجَرَتْ فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ مَدِينَةٍ كَلْبُونَ مِنْ شَرَابٍ بَتِي پھرتی تھی

ان ندیوں کی روانی سے اندازہ ہوگا کہ عرب میں شراب نوشی کی کثرت کا کیا عالم تھا، قمار بازی | شراب خواری کے ساتھ ساتھ ان میں قمار بازی کا بھی عام رواج ہو گیا تھا، عرب کے مال دولت کا تہتر سرمایہ اونٹوں کے چند گلوں تک محدود تھا، اس لیے جو ابھی انہیں کے ذریعہ سے کھیدا جاتا تھا، چنانچہ ایک جاہل شاعر اپنے حریف سے کہتا ہے،

أَعْيَرْتَنَا الْبَاخِضَ وَالْحَصِيصَ وَذَلِكَ عَادِيَانِ رِيْطَةَ ظَاهِرٍ

کیا تو ہمیں بے آب و خشک اور گھٹیا کھانے والوں کی ریت پر عیب نہیں لگ سکتا

نَحَابِي بَهَا الْكُفَاءُ نَا وَنَحْمِيْنَهَا وَنَشْرَبُ فِيْ اثْمَانِهَا وَنَقَامِصُ

ہم کو اپنے ہمسروں کو بطور عطیہ کے دیتے ہیں اور انکو ہماری مین صرت کرتے ہیں انکی قیمت خریدتے اور جو کھیتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹) روایت فرماتے ہیں، حاکم کہتے ہیں،

وَفِيْ هَذِهِ الْحَدِيثِ فَايِدٌ تَا كَثِيْرَةٌ وَهِيَ

الْخَوَابِجُ تَنْسِبُ هَذَا السُّكْرَ وَهَذَا الْقَهْرَ

إِلَى امِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَنَا

غَيْرُكَ وَفَدَّ بَرَاءَةُ اللَّهِ مِنْهَا، فَانْهَ رَاوِي

هَذَا الْحَدِيثِ (مسند رک، تفسیر ج ۲ ص ۲۳)

اور اس حدیث میں بہت بڑا نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ

خوارج نے اس نشہ اور اس فساد قرأت کو امیر المؤمنین

علی بن ابی طالب ہی کی طرف منسوب کیا تھا، تو خدا نے

ان کو اس سب الزام سے بری کر دیا کہ وہی اس

حدیث کے راوی ہیں،

مصرعہ

در حقیقت، وہ واقعہ صرف راوی تھے، لیکن عثمانی اور خارجی راوی نے خود حضرت علی کو صاحبِ واقف بنادیا، اس طرح ابی جہل و انصار

طبع اول صفحہ ۳۳۰ بحوالہ روایت ابی جہل

اس غرض سے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو دس ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور ان ہی ٹکڑوں پر پانی بھرتے تھے، ان پانسوں کی صورت یہ تھی کہ دس تیر مقرر کر لیے تھے، جن کے نام یہ ہیں: اقد، توام، رقیب، حلس، ہست، مقلی، منافس، منیج، سفیج، وند، ان میں ہر تیر کے مختلف حصے معین کر لیے تھے، اور جب جو اکیلے تھے تو ان کو ایک تھیلے میں ڈال کر ایک منصف شخص کے ہاتھ میں دیدیتے تھے، وہ اول کو گڈ کر کے ایک ایک تیر کو ایک ایک شخص کے نام پر نکالتا جاتا تھا، جس کے نام پر وہ تیر نکلتے تھے، جن کے حصے مقرر تھے وہ کامیاب ہوتے تھے، اور جن تین تیروں کا کوئی حصہ نہ تھا، وہ جس کے نام پر نکلتے ان کو ناکامیابی ہوتی تھی، اس طرح گوشت کے جو ٹکڑے جمع ہو جاتے تھے، ان کو فقیروں اور محتاجوں اور دوستوں پر تقسیم کر دیتے تھے، چونکہ یہ فیاضی کے اظہار کا ایک طریقہ تھا، اس لیے قمار بازی کی مجلسوں میں شریک نہ ہونا ایک قومی عار تھا، اور اس قسم کے لوگوں کو نہایت خجل خیال کرتے تھے، اور ان کو "برم" کا خطاب دے رکھا تھا جو لوگ یہ خطاب حاصل کر لیتے تھے ان سے شادی بیاہ کرنا تنگ عار خیال کیا جاتا تھا، چنانچہ ایک جاہلی شاعر اپنی بی بی کو وصیت کرتا ہے:

واذا هلكت فلا تریدي عاجزا غساولا برما ولا معزلا

اور اگر میں ہلاک ہو جاؤں تو عاجز، کمزور، اور جوے میں نہ شریک ہونے والے اور فقیر قوم سے مل کر رہنے والے نہ بن کر رہا

جوے کی ایک صورت جس کو "رہان" کہتے تھے یہ تھی کہ کسی شرط پر بازی لگاتے تھے اور جب وہ شرط پوری نہیں ہوتی تھی تو جس چیز پر بازی لگائی جاتی تھی او سکولے لیتے تھے، چنانچہ جب رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ ہوئی اور بادجود رومیوں کی شکست کے قرآن مجید نے پیشین گوئی کی کہ ان کو چند سال میں ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہو جائے گا، تو کفار نے حضرت ابو بکرؓ سے اسی قسم کی شرط لگائی، اور اس فتح کے لیے چھ برس کی مدت مقرر کی، چنانچہ جب یہ مدت گزر چکی اور رومیوں کو فتح و ظفر نصیب نہیں ہوئی، تو حضرت ابو بکرؓ نے

لہ یہ پوری تفصیل تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۳۷۱ میں ہے،

کو بازی ہار جانا پڑی، رفتہ رفتہ اس قمار بازی کا مذاق ان میں اس قدر عام ہو گیا تھا کہ لوگ بالی دولت ٹھوچکنے کے بعد بی بی اور بالی بچوں پر بازی لگا دیتے تھے، یہ قمار بازی اور وہ بھی شرب کی بدستی کے عالم میں اکثر مار پیٹ اور لڑائی پر ختم ہوتی تھی، عیس و ذبیان کی چل سالہ جنگ گھوڑ دوڑ ہی کی قمار بازی کا نتیجہ تھی حصول دولت اور کسب شہرت کے اس غلط طریقہ سے خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے تھے،

سود خواری عرب میں سود خواری کا عام رواج تھا، تمام دولت مند سود پر لین دین کرتے تھے، حضرت جحش بن عبد  
نے جو قریش کے سردار اور آنحضرت مصلح کے چچا تھے، تجارت کا کاروبار نہایت وسیع پیمانے پر پھیلا رکھا تھا،  
اور اس تعلق سے سود خواری میں نہایت شہرت رکھتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حجۃ الوداع  
میں سود کی حرمت کا اعلان کیا، تو سب سے پہلے اُن ہی کے سود کو باطل قرار دیا، حضرت عثمانؓ اور خالد بن ولیدؓ  
سود پر قرض دیتے تھے، مسعود بنی ثعلبی طائف کا مشہور رئیس تھا، اور اس کے بھائی عبدیاسیل ہبیب بن ربیعہ نہایت  
دولتمند تھے، بنو نضیرہ ان ہی لوگوں میں سود پر داد و ستد کرتے تھے، چنانچہ جب طائف فتح ہوا، اور یہ چاروں  
بھائی اسلام لائے، تو انھوں نے بنو نضیرہ سے سود کا تقاضا کیا، اس پر یہ آپس میں نازل ہوئی،

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ (بقرہ ۲۸)

مسلماؤ! خدا سے ڈرو اور بقیہ سود کو، اگر تم مسلمان ہو تو چھوڑ دو،

ان کے علاوہ طائف ایک سرسبز اور دولت مند شہر تھا اس لیے وہاں کے لوگ عموماً سود پر ہوا کرتے تھے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جن شرائط پر مصالحت کی اُن میں ایک ضروری شرط یہ بھی تھی کہ وہ لوگ سود خواری نہ کریں گے اسی طرح یمن کے خبرانی سوداگر بھی سودی کاروبار کرتے تھے اُن سے بھی یہی شرط لگائی ہے

۱۷۱۳ھ ترمذی متا جو ہے کی اس صورت کو بہان کہتے تھے، اور اب تک وہ حرام نہیں ہوئی تھی، ۱۷۱۴ھ تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۳۱، ۱۷۱۵ھ ایضاً ص ۳۵، ۱۷۱۶ھ فتوح البلدان، بلاذری فتح طلائع، ۱۷۱۷ھ البدایہ و النہایہ، ۱۷۱۸ھ

سود کا عام اور متداول طریقہ تو یہ تھا کہ ایک معین شرح پر قرض دیتے تھے اور اس المال کے ادا کرنے کے لیے میعاد مقرر کر دیتے تھے جب میعاد گزر جاتی تھی تو اس کا تقاضا کرتے تھے، اگر دیون اس کو ادا نہیں کر سکتا تھا، تو میعاد میں اور اضافہ کر دیتے تھے، اور اس کے عوض میں شرح سود بڑھا لیتے تھے، لیکن اس نے رتی کر کے ایک نہایت ظالمانہ صورت اختیار کر لی تھی، جو سود در سود سے بھی زیادہ خطرناک تھی، یعنی ایک میعاد متعینہ کے لیے کسی کو مثلاً سو روپیہ دیتے تھے، لیکن مدت گزر چکی اور تقاضا کرنے پر دیون اس رقم کو ادا نہیں کر سکتا تھا تو میعاد اور بڑھا دیتے تھے، لیکن اس کے معاد ضمیمہ میں اس المال میں بھی مٹنا کر دالیتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی یہ اضافہ دو گنی چو گنی مقدار تک پہنچ جاتا تھا، اس طرح اضافہ ہوتے ہوتے دیون کی کل جائداد مستغرق ہو جاتی تھی، یہ معاملہ زیادہ تر غریبوں اور کاشتکاروں کے ساتھ پیش آتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ غریبوں اور کاشتکاروں کا تمام طبقہ چند دولت مندوں، اور خصوصاً یہودیوں کے ہاتھ میں گرا

قرآن مجید کی یہ آیت اسی طریقہ سود کو مٹانے کے لیے نازل ہوئی،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ مَعْزِفًا ۖ  
مُضَاعَفَةً ۚ وَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ قَرْضَهُمْ ۚ فَإِنْ لَا يَدْفَعُوا فَمَا لَهُمْ بِيَدِهِمْ ۚ

مسلمانو! دو ناچار گنا سود نہ کھاؤ اور خالصے ڈرو، یعنی  
ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ،

سود کے علاوہ قرض کے متعلق اور بھی مختلف قسم کی ناجائز بخیاتان پیدا ہو گئی تھیں، مثلاً اگر راہن سونا متعینہ پر مال مرہونہ کو چھڑانہ سکتا تھا، تو مرہون اس کا مالک ہو جاتا تھا، مال و دولت سے گذر کر غریبوں اور بال بچوں تک کو رہن رکھوا دیتے،

لوٹ مار سب میں روز کی لوٹ مار نے اگرچہ ہر قبیلہ کو غارت کر اور راہن بنادیا تھا، تاہم بعض قبائل میں اس قسم کے خاص خاص جھگڑے قائم ہو گئے تھے، جنہوں نے راہن کو اپنا بالکل ذریعہ معاش اور عام مشغلہ بنالیا تھا، اس قسم کے لوگوں کو ”لصوص“ کہتے تھے، اور قبیلہ سٹے کو عرب میں عام طور پر چور شہرت حاصل

سے موطا امام مالک ص ۳۲۵ بخاری، قتل کعب بن اشرف،

تھی، وہ اسی گروہ کی بدولت تھی،

یہ گروہ شہر سے باہر میدانوں میں جھگڑوں میں، پہاڑ کے کھوون میں رہتا تھا، اور ادھر سے جو مسافر یا قافلے گزرتے تھے ان کو لوٹ لیتا تھا، ان کا استیصال صرف ایک پرزور نظام حکومت ہی سے ہو سکتا تھا جو عرب میں مفقود تھا، چنانچہ قبیلہ طے کے عیسائی سردار عدی بن حاتم مسلمان ہو کر جب آپسے ملنے آئے اور اپنے ان سے یہ پیشین گوئی کی کہ وہ دن آئے گا جب حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت بے خوف نہ خطر حضرت موت کا سفر کرے گی تو چونکہ وہ قبیلہ طے کے ایک رئیس تھے اور ان کو اس قبیلہ کے ڈاکوؤں کا حال معلوم تھا، اس لیے ان کو تعجب ہوا کہ یہن طے کے لصوص کیا ہو جائیں گے؟

ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت، مویشی، بلکہ اہل عیال تک پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے تیار رہتا تھا، تاجروں اور سوداگروں کے قافلے بغیر کسی بھاری انعام کے کسی میدان سے سلامت گزر نہیں سکتے تھے، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا، اور مویشیوں کو ہانک کر لے جاتا تھا، صبح کا وقت جبکہ رات بھر چلنے کے بعد مسافر آرام کرتے تھے اس کام کے لیے مخصوص ہو گیا تھا، چنانچہ ”صبح“ کا لفظ عربی میں لوٹنے کے معنی میں جاہلیت میں عام طور سے بولا جاتا تھا، کامیاب ڈاکو اپنے کارناموں کو نظم کرتے تھے، اور خضر پڑھتے تھے، ایک قبیلہ کا شاعر حارث نامی ڈاکو کے سلامت نکل جانے پر کہتا ہے،

یا لھف زیابۃ الحارث      الصالح فالغانم فلائب

اے زیابہ کا افسوس حارث کے لیے جو صبح کو ڈاکہ ڈالنے والا، پھر لوٹنے والا پھر سلامت واپس جانے والا ہے

حج کے تین مہینوں میں بہتہ وہ اس پیشہ سے باز رہتے تھے، لیکن اس سے زیادہ مدت پر وہ نہیں کرتے تھے، اور چونکہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت اور مویشی پر موقع پا کر اسی طرح تصرف کرتا تھا، اس لیے وہ اس کو عیب نہیں، بلکہ بہادری کا کام سمجھتے تھے، اور اس طرح ملک میں مسلسل قتل و غارت اور لوٹ مار کا طریقہ



چونکہ یہ چوری عربوں کی اقتصادی کمزوری کا نتیجہ تھی اس لیے اس کیلئے غیر وسیع پیمانہ کی تخصیص نہ تھی بلکہ اس کا اثر عزیزو اقارب، ہمسایہ، دوست و آشنا، خاندان، غرض سب پر پڑتا تھا، چنانچہ مدینہ میں، بَیْشَرُ بَیْشَرِیْنِ، بَیْشَرِیْنِ آدمی تھے، جنکو بنو اسیرق کہا جاتا تھا، ان میں بَیْشَرِیْنِ تھا اور آنحضرت صلیع کی چھوٹے بھائی کے دو سرور کی طرف منسوب کر دیتا تھا، یہ لوگ نہایت تنگ دست اور فاقہ مست تھے، انھوں نے رفاعہ نامی ایک شخص کے بالا خانہ سے جبین ہتھیار، تلوار، اور زرہ وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھی، نقب لگا کر چوری کی، اپنے رفاعہ کے ہتھیار واپس دلا لیکن رفاعہ نے اُن کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا اور بَیْشَرِیْنِ کو شکرین سے جاملایا،

مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس مرض میں گرفتار تھیں، اسی لیے قرآن پاک نے عورتوں سے محبت لینے وقت یہ عہد لینے کی بھی تاکید کی کہ اَنْ لَا یَسْرِقْنَ (ممتحنہ ۲) یعنی وہ چوری نہ کریں گی، شرفاً اگر اس الزام میں پکڑے جاتے تو وہ چھوڑ دیئے جاتے تھے، اس لیے یہ برائی رکھنے نہیں پاتی تھی، چنانچہ اسلام کے بعد بھی جب قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو اس پر قریش کو سخت تردد ہوا اور لوگوں نے کہا، اس کے متعلق آنحضرت صلیع کی خدمت میں کون سفارش کریگا؟ لوگوں نے اسامہ بن زید کو منتخب کیا، جنکو آپ بہت پیار کرتے تھے، انھوں نے سفارش کی تو آپ نے فرمایا "تم حدود اللہ کے متعلق سفارش کرتے ہو؟ پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، اور اس میں فرمایا کہ گذشتہ قومن، صرف اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ جب شریف آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے، اور ضعیف چوری کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے، خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ لیتا۔"

خود شہر کے اندر اس قسم کے واردات کی یہ حالت تھی کہ صفوان بن امیہ ایک روز ایک بیش قیمت چادر اور ڈھکڑا سو رہے تھے، ایک شخص نے موقع پا کر اس کو اڑا لیا، وہ گرفتار کر کے آنحضرت صلیع کی خدمت میں لایا گیا، تو آپ نے اُس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا صفوان کو اُس پر رحم آیا، اور اگر عرض کی کہ یا رسول اللہ ایک چادر کے لیے

ایک عرب کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اپنے فرمایا میرے پاس لانے سے پہلے ہی اسکا خیال رکھنا تھا، حاکم تک پہنچنے کے بعد کسی کو سفارش کا حق حاصل نہیں ہے،

سفاکی ویرجی و دشت | رات دن کی لوٹ مار اور کشت و خون سے درندوں کے تمام اوصاف پیدا ہو گئے تھے زندہ اونٹ اور دنبہ کے کوہان اور چکستیان کا ٹکڑا بک لگاتے اور یہ انکی بڑی مرغوب غذا تھی،

زندہ جانوروں کو درخت وغیرہ سے باندھ دیتے اور ان پر تیر اندازی کی مشق کرتے لڑائیوں میں جانور عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے مقتولوں کے ناک کان کاٹ لیتے اور عورتیں ان کے ہار بنا کر پہنتیں، منت مانتے کہ دشمن کو قتل کرینگے تو اسکی کھوپری میں شراب سنگیے،

سزا دینے کا ایک یہ طریقہ تھا کہ مجرم کو دو درختوں کی ٹہنیوں جھکا کر اس کے اعضا ان میں باندھ دیتے، اور پھر ٹہنیوں کو چھوڑ دیتے، مجرم کا بدن چمک کر ٹہنیوں کے ساتھ رہ جاتا،

کبھی کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دُم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ ڈال دیتے، اس کے بدن کے ٹکڑے اڑ جاتے، اس قسم کی سزائیں اکثر عرب کے سلاطین اور رؤسا دیا کرتے تھے،

کبھی آدمی کو کسی کو ٹھہری میں قید کر کے اس کا کھانا پانی بند کر دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ اسی طرح بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتا تھا، اس طریقہ سزا کا نام ان کے ہاں صبر تھا، مردوں کی قبر پر اونٹ باندھ دیتے تھے، اور اسکو کھانے کو نہیں دیتے تھے، وہ چند روز میں مر جاتا تھا، سمجھتے تھے کہ یہ مردے کی سواری بنیگا، اس اونٹ کو "بلیہ" کہتے تھے،

زنا اور فواحش | زنا اور فحش و فجور عام تھا، اور یہ واقعات، فحشہ اشعار میں بیان کیے جاتے تھے، امرا انھیں عرب کا سب سے بڑا شاعر تھا، اس کے ساتھ شاہزادہ اور والی ملک تھا، اس نے اپنی پھوپھی زاد بہن غنیرہ اور اور عورتوں کے ساتھ جو افعال شنیعہ اور بیجا بیان کیں، قصیدہ لایہ میں فخر کے ساتھ تفصیل سے لکھی ہیں، باوجود اس کے



اس قصیدہ کے اشعار عرب میں بچہ بچہ کی زبان پر تھے،

ابن عباس سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت کو بالاعلان زنا کو جائز نہیں سمجھتے تھے، لیکن چھپے چوری کرنے کو جائز سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ کھلم کھلا کرنا تو مکینہ پن ہی، لیکن چھپ کر کرنے میں مضائقہ نہیں، فاحشہ عورتیں گھر و کے سامنے جھنڈیاں لگا کر بیٹھتی تھیں اور صاحب لڑیات کہلاتی تھیں، انکی اولاد اصلی اور حلالی اولاد کے برابر سمجھی جاتی تھی، اسلام سے پہلے ایسی عورتیں خود کو مکہ معظمہ میں تھیں، ان میں سے ایک کا نام عناق تھا، مرنہ بنو نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اجازت مانگی کہ میں عناق سے نکاح کروں، اُس پر یہ آیت اتری،

وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا الْكَاثِرُونَ (نور) اور زانیہ عورت سے زانی یا شرک ہی نکاح کرتے ہیں،

بڑے بڑے دوسا گھر کی لونڈیوں کو یہ حکم دیتے تھے کہ بدکاری کے ذریعے سے جا کر کچھ کمالائیں، اور انکی نذر گرین، عبداللہ بن ابی، مدینہ کا رہتا تھا، اور اس درجہ کا شخص تھا کہ ہجرت سے پہلے تمام انصار نے تلخ بنوایا تھا کہ اسکو بادشاہ بنا کر پہنائیں گے، چنانچہ صحیح بخاری میں یہ واقعہ منقول ہے، عبداللہ بن ابی کی دو لونڈیاں تھیں، ایک کا نام میکہ اور دوسری کا نام امیمہ تھا، وہ ان دونوں کو زنا کاری کرنے پر مجبور کرتا تھا، اُس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری،

وَلَا تَكْرِهُوا فَتِيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ (سورہ نور: ۳۱) اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو،

موجودہ طریقہ کے علاوہ، نکاح کی اور چند قسمیں جاری تھیں، جو حقیقت میں بدکاری ہی کی قسمیں تھیں، ایک یہ کہ کوئی شجاع اور بہادر شخص ہوتا تو اپنی عورت کو اس کے پس بھجرتے کہ اس سے بہتر ہو، بچہ پیدا ہوتا تھا تو سمجھتے تھے کہ امین بھی وہی اوصاف آجائینگے جسکا یہ نطفہ ہے،

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ چند آدمی جنکی تعداد ایک وقت دن سے زیادہ نہیں ہوتی تھی، کسی عورت کے

پاس جاتے اور سب اس سے مصححت ہوتے جب وہ حاملہ ہو جاتی اور بچہ جلتی تو سب کو بلوا بھیجتی اور کسی ایک سے لیتی تھی کہ یہ بچہ تمہارا ہے، اسکو قبول کرنا پڑتا، اور پھر وہ اسکا بیٹا بھجا جاتا،

تیسرے طریقہ یہ تھا کہ فاشہ عورتیں جو سر بازار جھنڈیاں لگا کر بیٹھتی تھیں، اُن کے لڑکا پیدا ہوتا تو قیافہ شناس کو بلوا بھیجتیں، وہ صورت شکل دیکھ کر بتاتا کہ فلاں شخص کا لفظ ہے، عورت اسکو بلا کر کہتی کہ یہ تمہارا بچہ ہے، صحیح بخاری کتاب النکاح میں یہ تینوں طریقے تفصیل سے مذکور ہیں،

ایک اور قسم عارضی نکاح کی جاری تھی اور وہ یہ تھی کہ کسی عورت سے مدت متعینہ کے لیے نکاح کر لیتے تھے، اُس مدت کے گزرنے کے بعد اسکی اجرت دیکر اسکو الگ کر دیتے تھے، اسکو مُتَّحہ کہتے تھے، اسلام نے شروع میں اسکو ضرورۃً چندے باقی رکھا، پھر ہمیشہ کے لیے اس کو حرام کر دیا،

بشری و حیوانی | شرم و حیا کا وجود نہ تھا، حج کعبہ میں ہزاروں لاکھوں آدمی جمع ہوتے لیکن قریش کے سوا باقی سب مادرِ زاد تنگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے، عورتیں جب تنگی ہو کر طواف کرتیں تو لوگوں سے کہتیں کہ کوئی ہم کو اتنا کپڑا دیتا کہ ستر عورت ہو جاتا، پھر یہ شعر پڑھتیں،

الْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهُ اَوْ كَلَّةٌ      آج بدن کا کچھ حصہ کھلے گا یا سارا  
فَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا اُحْلَ      اور جو کھلا ہو اس لطف اٹھانے کی میں اجازت نہیں دیتی،

صحیح مسلم باب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے،  
ہم نے وقت اوٹ نہیں کرتے تھے، کھلے میدان میں بے ستر ہو کر نہاتے تھے،  
پاخانہ پشیا ب کے وقت پردہ نہیں کرتے تھے، جلدوں میں بیٹھتے تو بیویوں سے ہم صحبتی کے تمام دستاویز بیان کرتے،

سویلی ماون پروراشہ قبضہ کر کے بیوی نہاتے،

لے فرائی باب الاستسار عند الفضل لے ابو الدرداء کتاب الطہارۃ لے ابو الدرداء کتاب النکاح باب پاکہ بن لکرا رطل یا کون من احبہ

عورتوں پر ظلم | عورتوں کی حالت نہایت خراب تھی، مویش کے مشرکہ میں سے ان کو کچھ نہیں ملتا تھا، عجب کا قول تھا کہ میراث اسکا حق ہے جو تلوار پر کڑ سکتا ہو، اسی بنا پر چھوٹے بچے بھی وراثت سے محروم رہتے تھے، لڑائیوں میں مفتوحہ قبیلہ کی عورتیں، عین میدان جنگ میں، فاتحین کے تصرف میں آجاتیں، اگر صلح ہو جاتی اور عورتیں واپس دیدیجاتیں، تو باد جو داس کے کہ سب کے ناموس برباد ہو چکے ہوتے، بدستور گھروں میں لے لیجاتیں، اور یہ کوئی غیب نہیں خیال کیا جاتا تھا، فاتحین اس تصرف پر فخر کرتے اور اشعار میں ادا کرتے، ہونچہ نے جب بنو عامر پر فتح پائی تو ان کی عورتوں کو عین میدان جنگ میں رسوا کیا، فردوق نے اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

فطلت وظلت یرکبون ہبیرھا      تو گوگ عورتوں پر متصرف ہو گئے،  
ولیس لھم الا عوا لیماستر      اور اگر کوئی پردہ بیچ میں تھا تو صرف بیز تھے،  
قبیلہ قیس اور بنو دارم میں جو معرکہ ہوا جو جر حان کے نام سے مشہور ہے اسکی نسبت جریر کہتا ہے۔  
فلکت نساء ہم بغیر مھوسر      ان کی عورتوں سے بغیر ہر کے نکاح کیا،  
عمر و معدیکرب، عرب کے مشہور بہادر اور شاعر تھے، ان کی بہن ریحانہ کی عصمت اسی طرح جب برباد ہوئی تو عمر و نے کہا،

امن ریحانۃ الداعی السميع      کیا ریحانہ کی طرف سے کوئی پکارنے والا سننے والا ہے؟  
یوترقنی واصحابی ہجوع      جس نے مجھے بے خواب کھا ہی لیکن میرا جاب سوتے ہیں  
اذا لم تستطع امرافدعہ      اگر تم کسی کام کو نہ کر سکو تو اس کو چھوڑ کر،  
وجا و نرہ الی ما تستطیع      وہ کرو جو کر سکتے ہو،  
طلاق کے لیے کوئی مدت اور عدت نہ تھی، یعنی جب تک شوہر چاہے، عورت نہ شوہر کے پاس رہ سکتی تھی، نہ کسی اور سے شادی کر سکتی تھی،

مسکاح کی کوئی حد نہ تھی، غیلان بن سلمہ ثقفی جب اسلام لائے تو انکی دس بیویاں تھیں، وہ سب اس نے اسلام قبول کیا تو آٹھ بیویاں اُن کے عقد نکاح میں تھیں۔

دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرتے، باپ مرجاتا تو اسکی کل بیویاں (بجز حقیقی ماں کے) بیٹے کے تصرف میں آتیں اور اسکی جائز بیویاں سمجھی جاتیں،

ایام کے زمانہ میں، عورتوں کو الگ کر دیتے، اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے،

عورت جب بیوہ ہو جاتی تو گھر سے باہر ایک نہایت تنگ کوٹھری رہنے کو اور خراب سے خراب کپڑا پہننے کو دیے جاتے، خوشبو وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز استعمال نہ کر سکتی، اس حالت کے ساتھ جب پورا سال گزر جاتا تو ایک بکری یا گدھا لاتے، اس سے وہ اپنے جہم یا... کو مس کرتی، پھر کوٹھری سے باہر نکلتی اور اسکے ہاتھ میں مینگنی دی جاتی، وہ مینگنی کو پھینک دیتی اسوقت سوگ سے نکل آتی اور قدیمی حالت قائم ہوتی عورت کا جو ہر مقرر ہوتا وہ باپ کو ملتا، عورت کو اس سے سروکار نہ ہوتا،

غرض مجموعی حیثیت سے، عورت، بدترین مخلوق، اور ہر قسم کی جبر و تعوی کا تختہ گاہ بنتی تھی، رفتہ رفتہ یہاں نوبت پہنچی کہ جس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی اسکو سخت سنج ہوتا، اور شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا،

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ

اور جب اُن میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری سنائی

وَجْهَهُ مُسْوًّذًا وَهُوَ كَظِيمٌ ۚ يَتَوَارَىٰ

جاتی ہے، تو اسکا مونہہ کالا پڑ جاتا ہے، اور غصہ کے

مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ

گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، اس خوشخبری کے رنج کو

أَيُّسِرُكُمْ عَلَيْهِ هَؤُلَاءِ إِذْ يَدْعُؤُا

لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ ذلت کیسا

فِي الْأَرْبَابِ ط (سورہ نحل - ۶)

اسکو قبول کر لے یا زندہ زمین میں دفن کر دے،

ابو حمزہ ایک رئیس تھا، اُس کے لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے گھر میں رہنا چھوڑ دیا، اس پر اسکی بیوی یہ شعر

سے ابو داؤد، کتاب النکاح، ص ۱۷۰ ابو داؤد، کتاب النکاح، باب احوال المتوفی عنہا زوجہا،

پڑھ پڑھ کر بچی کو لوریان دیتی تھی،

مَآلَہِی حَمْرَۃٌ لَا یَاتِیْنَہَا  
 اَبَوحَمْرَہ کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے پاس نہیں آتا  
 بَیْتُہُ فِی بَیْتِ اللّٰہِی تَلْکِیْنَہَا  
 اور ہمایہ کے گھر میں رات بسر کرتا ہے،  
 غَضَبَانَ اَلَا تَلْہَا الْبَیْضَا  
 اسپر ناراض ہو کہ ہم بیٹے نہیں جنتے  
 تَاللّٰہِ مَا ذَاکَ بَاہِدِیْنَا  
 خدا کی قسم یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں،  
 وَنَحْبُکَ الْزَّرْعَ لِزَّارِعِیْنَا  
 ہم بطور کھیت کے ہیں،  
 نَنْتَبِہُ مَا قَدْ فَرَّ عَوْدَہَا فِیْنَا  
 ہم میں جو بویا جائے گا وہی اگے گا،

رفتہ رفتہ دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی، لڑکی پیدا ہوتی تو اسکو میدان میں لپکا کر زمین کھودستے اور زندہ گاڑ دیتے  
 اس کو عربی میں فاد کہتے ہیں،

ایک صاحب نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں آکر ظاہر کیا تھا کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے  
 آنحضرت کو زندہ دفن کیا ہے،

عورت کو وراثت کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا، اُن کا قانون تھا کہ وراثت کا حق اُنھی کو ہے جو تلوار چلا سکتے  
 عورت بیوہ ہونے کے بعد اپنے شوہر کے وارثوں کی ملک سمجھی جاتی تھی، وہ اگر اگر بیوہ پر چادر ڈال دیتا تو وہ انکی  
 جائزہ خولہ بن جاتی،

دشت و جہالت | حرام حلال کی کوئی تمیز نہ تھی، ہر چیز اور ہر جانور جو کھا سکتے تھے کھاتے تھے، خشرات الارض  
 عام غذا تھی، پھل کی تک کھا جاتے تھے، خون کو کھا لیتے اور قاشین تراش تراش کر کھاتے، مردہ جانور کھانا عام بات  
 تھی، پچھڑے کو آگ میں بھون کر کھاتے، زندہ جانور کا گوشت کھا کر کھا لیتے تھے، گردن مڑو کر کڑکڑ سے سے مار کر،

۱۔ تفسیر ابن جریر و ابن کثیر تفسیر سورہ وَاذَ النَّمْلِ کہ ہر، ۲۔ تفسیر ابو جابر علیہ السلام فی اَوَادِہِ الذَّکْوَانِ سَنَاطَا لَہِ الْبَیْضِ ۳۔ تفسیر  
 دَاوُدَہُ سَلَوَاتِہُ، ۴۔ اِنَّا الْزَّوْلُ سِوْطِیْ اَیْمَہُ، وَحَمْرَہُ عَلَیْکَہَا الْبَیْضَا،

زندون کا مارا ہوا، سب کھاتے تھے، گدھے کا گوشت بھی کھاتے تھے،

عرب کا مشہور جاہلی شاعر اشی مہمون جس نے آغاز اسلام کا زمانہ پایا ہے اور اہل ادب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اسکا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، انہیں وہ اسلام کی تائید میں اہل عرب کو جن باتوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، وہ یہ ہیں،

وَأَيُّكَ وَالْمِثْلُ لَا تَاكُلْتُمْ وَلَا تَأْخُذُونَ سِوَاهُ الْقَصْدِ

مرداروں سے پرہیز کرو اور ان کو نہ کھا، اور نہ تیرے جانور کو قصد و گیر مار کر کھا،

وَذَا النِّصْبِ لَنْ نَصْبُ لَا تَنْسَكْتَهُ

اڈھکڑے کئے ہوئے تہون پر قربانی کر اور نہ تہون کی پوجا کر اور اللہ کی عبادت کر،

وَالْمَسَائِلَ الْمَعْرُومَ لَا تَتْرَكْتَهُ

اور محروم بھیگے مانگنے والے کو کسی انجام کو نہ چھوڑ اور نہ زنجیر میں بند رہے ہوئے قیدی کو،

وَلَا تَسْخَرَنَّ مِنْ بَالِشِ ذِي ضَرْثٍ

اور نہ کسی مصیبت زدہ نفس سے ٹھٹھا کر، اور نہ کبھی یہ سمجھ کہ آدمی ہمیشہ رہنے والا ہے،

وَلَا تَقْرَبَنَّ جَارَةَ انْسِبَتِهَا

علیک حراد فانکھن او تائید ا اور نہ اپنی ہمسایہ خاتون سے بدکاری کر وہ تجھ پر حرام تو یا نکاح کرے اور یا نکولڑا جا،



## عربوں کے خصوصیات

### خیرالائم بننے کی اہلیت

لیکن ان تمام مفاسد اور برائیوں کے باوجود اہل عرب میں کچھ ایسی خصوصیتیں بھی تھیں جو دنیا کی تمام قوموں میں انھیں کے ساتھ مخصوص تھیں اور انکی انھیں فطری اور طبعی خصوصیات و امتیازات کا اثر تھا کہ خلاق فطرت نے ان کو اپنی تہوت و رسالت اور تعلیم و شریعت کا اہل سمجھا، اور ان کو اپنے اس خلعت خاص سے سرفراز کیا، صحتِ نسب | ان خصوصیات میں سب سے پہلی چیز انکی صحیح النسب ہے، شمالی عرب کے تمام قبیلے حضرت ابراہیم کی اولاد اور انکی نسل سے تھے اور یہ بات ایسی مشہور و متواتر روایتوں سے ثابت تھی کہ کسی نے انکی تردید کی ہمت نہیں کی تو ان نے حضرت ابراہیم کی جن اولادوں کے نام بتائے ہیں ان میں سے ایک ایک نام کا سراغ عرب کی پرانی آبادیوں میں ملتا ہے، چنانچہ ریورنڈ فارسٹر نے ۱۸۸۷ء میں عرب کا جو تاریخی جغرافیہ لکھا ہے، اس میں پوری دلیل اور تفصیل اور شہادتوں کے ساتھ ان آبادیوں کا پتہ لگایا ہے، اور انکی جگہیں متعین کی ہیں، قدیم یہودی مورخ یوسفوس نے بھی یہی لکھا ہے، اور آجکل ایک یہودی فاضل ڈاکٹر اسرائیل ولفسون نے تاریخ الیہود فی بلاد العرب ایک کتاب لکھی ہے، اُس میں بھی اُس نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے، اور انکی صحت پر ویلین پیش کی ہیں، اور بعض حال کے مناظر عیسائیوں کے علاوہ اس واقعہ کے تواتر میں کسی نے شک نہیں کیا ہے، اور غالباً اسی پلے سینٹ پال نے اپنے خطوط میں "عرب کی ہاجرہ" کی تائید کی ہے، اور قرآن پاک نے اہل عرب اور قریش کو خطاب کر کے صاف کہا ہے،

۱۔ ترجمہ انگریزی ص ۲۲، جلد اول صفحہ ۲۵، تاریخ الیہود فی بلاد العرب لا اسرائیل ولفسون مطبوعہ مطبعۃ الاعمال مصر ۱۹۱۵ء  
۲۔ سینٹ پال لکھتیوں کے نام باب ۴-۲۵،

تھارے باپ ابراہیم کا مذہب۔

مسئلہ آپیکھا ابراہیم (ج)

حضرت ابراہیم تک نام بنام سلسلہ نسب کے پہنچنے میں پشورن کی کمی بیشی، یا ناموں کا گھٹنا بڑھنا ممکن ہے، مگر مجموعی حیثیت سے یہ دعویٰ کہ حضرت ابراہیم کی اولاد تھے کسی حیثیت سے مشکوک نہیں ہے خصوصاً جب اس کے ساتھ خارجی تہذیب پر بھی نظر کر لیا جائے کہ وہی تمدن اور طرز معاشرت جو تورات میں حضرت ابراہیم اور ان کے اہل و عیال کی نظر آتی ہے، اسلام کے عہد تک بلکہ آج تک وہ اسی طرح عربوں میں قائم و باقی ہے، وہی خیمے ہیں، وہی بیت اللہ حج اور قربانی کی عبادتیں ہیں، اور یہ ایسا کھلا قرینہ ہے جو آج بھی یورپ کے محققوں کی نگاہوں کے سامنے ہے، مشہور جرمن محقق نولڈیک کہتا ہے،

”اور نیز عربوں میں قدیم سامی کیرکٹراپنے خاص رنگ میں باقی سمجھا جاتا ہے، اور انکی زبان اہل زبان کے بہت قریب ہے۔“

اہل عرب کو اپنے حسب و نسب کی حفاظت کا جو خیال و لحاظ تھا اوس کے ذکر سے عرب کی تاریخ میں مہموز چنانچہ نسب پر فخر کرنا اور انکی شاعری کا اور نسی مفاخرت اور انکی تقریر کا سب سے بڑا موضوع تھا، اپنے باپ اور ان کے سلسلہ ناموں کو یاد رکھنا ان کا خاندانی فرض سمجھا جاتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں سے ہٹ کر جانوروں دگھوڑوں تک کے نسب نامے وہ محفوظ رکھتے تھے قبائل کے نسب تعلقات کو یاد رکھنے والے خاص خاص ہر قبیلہ میں موجود رہتے تھے اور یہی سبب ہے کہ آج بھی ان کے اکابر اور مشاہیر کا سلسلہ نسب آپ کو معلوم ہو سکتا ہے، اور اس پر بہت سی اہم کتابیں لکھی گئی ہیں، اور یہ وہ خصوصیت ہے جو دنیا میں صرف اہل عرب کیساتھ مخصوص ہے، یہود اور بنی اسرائیل بھی گو حضرت ابراہیم ہی کی نسل سے تھے، مگر وہ بھی اس خصوصیت میں انکی برابری نہیں کر سکتے کہ دوسری قوموں کے اختلاط اور میل جول اور کسی خاص وطن نہ ہونے کے سبب انکی اکثر خاندانی خصوصیتیں مٹ گئیں۔

لے انسانیکو پڑیا بریا نیجا بطبع یا زوہم ہضمون السنہ سامیہ میں نے ارض القرآن جلد اول صفحہ ۱۸۱ پر مدلل بحث کی جو اور علی یورپ کے حوالے کیا کر دیے ہیں،



نسب بجائے خود کوئی فخر کی چیز نہیں، اسی لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غل کے مقابلہ میں نبی فخر کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی ہدایت کے لیے جو دعا کی تھی، اور ان کو جس بیت اللہ کی پاسبانی سپرد کی تھی اور ان میں ایک نبی کی بعثت کی جو دعا مانگی تھی، اور خدا نے ان کی نسل میں دینی اور دنیاوی برکات کے عطا کرنے کا جو عہد کیا تھا، ان سب کے پورا ہونے اور ان کے حقیقی مصداق بننے کے لیے نسل ابراہیم کی صحیح النسب کی ضرورت تھی، اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شرف کے ساتھ مخصوص کیا،

کسی پہلے مذہب میں نفل تھے | اسی طرح ان کو ان تمام اثرات سے محفوظ رکھا جو قوموں کے عادات و اخلاق اور استعداد کو بدل دیتے ہیں، مثلاً وہ باوجود اس کے کہ ہر چار طرف سے مختلف بڑے بڑے مذہبوں سے ٹکرا رہے تھے، مگر کوئی مذہب ان کو فتح نہیں کر سکا تھا، جو نیست خلیج فارس سے لیکر مین تک حکمران تھی، یہودیت میں اور حجاز کے تجارت گاہوں پر قابض تھی، عیسائیت اپنی فوج و لشکر، اور راہبوں اور قیسوں کے دل بادل کے ساتھ، مین سے لیکر شام کے حدود تک پھیلی تھی، اور بعض افراد اور بعض قبیلوں کو وہ برے نام عیسائی بنا بھی چکی تھی، مگر پورا عرب بدستور اپنی خاص حالت پر باقی تھا، عرب میں جو نیک طبع اور دیندار لوگ ہوتے تھے، وہ مجوسی یا یہودی یا عیسائی ہونے کے بجائے اپنے کو دین ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے، اور اسی لیے اپنے مذہب کا نام دین حنیفی رکھتے تھے، اور یہ سب اس لیے ہو رہا تھا تا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین ابراہیمی کی دعوت و تجدید کا راستہ کھلا رہے،

حکوم نہ تھے | عرب کا ملک تخلیق عالم کے آغاز سے اسلام تک، ہر غیر قوم کی حکومت سے ہمیشہ آزاد رہا، شمالی عرب نے کبھی کسی قوم کی غلامی نہیں کی، بابل کے بخت نصر نے بنی اسرائیل کو زیر و زبر کر دیا، مگر عرب کی طرف آنکھ نہ اٹھا سکا، یونانیوں اور رومیوں نے مصر سے لیکر عراق کی سرحد تک صدیوں تک حکومت کی، مگر خاص عرب کے اندر قدم نہ رکھ سکے، سکندر نے اور اس کے بعد کے رومی سپہ سالاروں نے جب ادھر نظر اٹھائی تو فطرت نے ہمیشہ ان کو شکست دی، عرب کا ملک دنیا کی دو عظیم الشان حکومتوں، یعنی ایران اور روم کی سرحد پر واقع تھا، مگر وہ دونوں اپنے حرص و آز کا ہاتھ اس کی طرف بڑھانے سے قاصر رہیں، گستاخ عیسائی جشیون نے مین مستح کرنے

کے بعد ہاتھوں کے بھرست کدیا تھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی، مگر قدرت الہی نے اُن کو تباہ کر دیا یہ تمام اہتمام و انتظام اسیلے  
تھا کہ کوئی دوسری جابرانہ قوت اُن کے دل و دماغ کی استعداد کو برباد نہ کر سکے، انکی آزادی کی رنج برقرار اور انکی فطرت  
حاکمیت بدستور قائم رہے، تاکہ یہ مخفی خزانہ خدا کے آخری مذہب کی حکومت کے قیام و بقائین کا آمد ہو،

کتابی ناسیہ سے نا آشنا تھے جس طرح وہ خارجی اثرات سے پاک تھے، اسی طرح صحیفہ فطرت کے سوا ہر قسم کے کتب  
علم سے وہ نا آشنا تھے یعنی اس ذریعہ سے بھی وہ دوسری قوموں کے دماغی اثرات سے محفوظ تھے اور علم کی جاہلانہ  
اور کج بحثانہ ذہنیت سے پاک تھے، وہ اُمی تھے تاکہ ایک اُمی معلم کی ربانی تعلیم کے قبول کرنے کے لیے ہر طرح  
تیار رہیں،

وہ زمین کے وسط میں آباد تھے عرب کا ملک پرانی دنیا کے وسط میں واقع ہے، ایک طرف ایشیا، دوسری طرف

افریقہ، اور تیسری طرف یورپ کا راستہ اُس سے قریب ہے، پھر بحری جاسے وقوع نے اسکو جزائر اور دور دراز

ملکوں سے قریب کر دیا تھا، اس لیے عرب کے نکل کر وہ ایک طرف عراق ہو کر، ایران، ترکستان، خراسان، ہندوستان

کابل، ہندوستان تک پہنچ گئے، اور دوسری طرف شام ہو کر مصر، افریقہ، الجزائر، یونان، مراکش، اور اسپین تک

جا پہنچے، اور بحری راستوں سے ایک طرف سے تمام جزائر افریقہ، حبشہ، زنجبار، پھو، جزائر ہند، جاوا، سلاوا،

اور چین تک اور اُس طرف ساہیرس، کریٹ، اور سلی تک، یہ تمام مواقع اس لیے میسر آئے کہ عرب کی جائے وقوع

اس دعوت کے لیے مناسب مرکز تھا فرض کرو کہ اگر اس دعوت کی جگہ ہندوستان یا چین ہوتی تو اسپین اور

سلی تک پہنچنے کے لیے کتنا عرصہ درکار ہوتا، پھر یہ کہ اسوقت تک دنیا میں دو مشرقی اور مغربی طاقتوں کے

زیر فرمان تھی، ان دونوں کے زور کو برابر طور سے اور ایک ساتھ توڑنے کیلئے عرب کے سوا دنیا میں کوئی جگہ نہ تھی،

جہاں سے دونوں پر ایک ساتھ حملہ کرنا، اور دنیا کو اُن کے خون آشام پنجوں سے نجات دینا باسانی ممکن ہوا،

بعض اخلاقی خوبیاں ان کے علاوہ اہل عرب کو خیر الائم بننے اور عالم کے لیے شاہد نمود اور منسلح بننے کے لیے کچھ

اور اخلاقی خوبیوں کی بھی ضرورت تھی، اور وہ اُن میں بدرجہ اتم موجود تھیں، ان خوبیوں کے بغیر وہ اسلام کی

عظیم الشان تحریک کے علم بردار نہیں ہو سکتے تھے، اور نہ وہ دنیا کی رہنمائی کا فرض انجام دے سکتے تھے۔  
 شجاع و بہادر تھے | وہ حد سے زیادہ شجاع و بہادر تھے، وہ خطرات سے بخوف تھے، وہ لڑائی کو کھیل سے زیادہ <sup>وقت</sup> نہیں دیتے تھے، یہی سبب ہے کہ وہ تمام دنیا کی قوموں اور سلطنتوں کے مقابلہ میں تہنا کھڑے ہوئے اور کسریٰ اقصیٰ کو انھوں نے ایک ساتھ چیلنج دیا، اور اس تحریک کے پھیلائے میں تھوڑی تھوڑی غیر مسلح جمعیاتوں سے ہزاروں اور لاکھوں کی فوج کا بے خطر مقابلہ کیا، اور کامیاب ہوئے،

پرجوش تھے | ساتھ ہی وہ پرجوش بھی تھے، ایسے جس دعوت اور تحریک کو لیکر اٹھے، اسکو پوری کوشش، عزم، اور جوش کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا، اُن کے عزم اور جوش کو نہ پہاڑ روک سکا اور نہ دریا، ہر جگہ وہ توحید کا علم لیے بحر و بر و پشت و جل میں پھیل گئے، اور اپنے عزم و راسخ سے ارکانِ عالم کو متزلزل کر دیا،  
 حلقو تھے، | اُن کی جسمانی شجاعت و بہادری نے اُن کو دل کا شجاع اور بہادر بھی بنا دیا تھا، جو بات اُن کے دل میں ہوتی تھی، وہی اُنکی زبان پر تھی، اہل بدینہ میں جو نفاق کا عنصر پیدا ہو گیا تھا، وہ یہود کے اثر کا نتیجہ تھا، اور نہ <sup>نیش</sup> اور عام اہل عرب میں یہ بات نہ تھی، یا تو وہ کھلے دشمن تھے، یا کھلے دوست، اپنے نزدیک وہ جس کو حق سمجھتے تھے اُس کے ظاہر کرنے میں اُن کو کسی کا باک نہیں ہوتا تھا،

عقل و دانش والے تھے | باوجود اس کے کہ وہ عموماً ظاہری ذہانت و خاند سے عاری تھے، مگر فطرت کے عطیہ عقل و دانش سے وہ کافی طور پر بہرہ مند تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی رضی اللہ عنہ، طلحہؓ، زبیرؓ، خالد بن ولیدؓ بن جراحؓ، وغیرہ سینکڑوں ہزاروں صحابہؓ نے علم، مذہب، اخلاق اور سیاست میں جو نکتہ سنجیاں کیں، وہ خود اُنکی عقل و دانش کی گواہ ہیں، روم و ایران کی متحد قوموں سے جس طرح انھوں نے معاملہ، مراسلہ اور نامہ و پیام کیا، اور علم و سیاست کے اچھے سے اچھے ہوئے مسئلہ کو جس طرح سلجھایا وہ خود اسی نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے، اُن کے شعرا کے کلام، اُن کے مقررون کی تقریریں، اُنکے نصحاء کے مقولے سنئے تو اُن کی اس فطری <sup>جست</sup> حسرت کا اندازہ ہوگا کہ ظاہری تعلیم کے بغیر کون کونسا عمل و گہر وہ اپنے منہ سے اگل سکے،

ذہن اور حافظہ کے تیز تھے فطرت کا قاعدہ ہے کہ اگر اُس کے بعض قوی بیکار رہیں، تو انکی قوت دوسرے ذریعہ قوی کو وہ منتقل کر دیتی ہے، اور جس عضو سے زیادہ کام لیا جاتا ہے، اسکی قوت کو وہ ترقی دیتی رہتی ہے، اسی اصول کے موافق ظاہری تعلیم اور نوشت و خواند سے محروم ہونے کے سبب سے جہان اُن کے بعض قوی بیکار ہو رہے تھے، وہاں اُنکو اپنی یادداشت کے لیے تحریری اوراق اور سفینوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود اپنے دل و دماغ پر بھروسہ کرنے کی عادت تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کا ذہن اور حافظہ بہت قوی تھا، یہی سبب ہے کہ اُن کے شعرا اپنے بڑے بڑے قصیدوں کو زبانی پڑھتے تھے، اور جو کچھ کہتے تھے اس کو بزبان یاد رکھتے تھے، اور اُن کی اسی قوت کا یہ فیض تھا کہ اُن میں کا بڑا طبقہ تحریر کے بغیر قرآن پاک کی بڑی بڑی سورتوں کو یاد رکھتا تھا، اور بہتیرے ایسے تھے جو پورے قرآن کو یاد رکھتے تھے، اور یہ انھیں کی تقلید ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں ایسے ہزاروں مسلمان پائے جاتے ہیں جو پورے قرآن کے حافظ ہوتے ہیں، اور اہل عرب کی اسی خصوصیت کا مظہر یہ بھی تھا کہ احادیث و سیر اور واقعات کا بڑا سرمایہ تحریر کے علاوہ زبانی ایک دوسرے کو پوری ذمہ داری اور حفاظت کیساتھ منتقل ہوتا رہا، اور سینکڑوں اصحاب ایسے تھے جو ہزاروں لاکھوں احادیث کو حرف عرف اور لفظ لفظ کی پابندی کے ساتھ یاد رکھتے تھے، اہل عرب کی اس خصوصیت نے اسلام کی حفاظت اور شاعت کا نہایت اہم فرض انجام دیا،

فیاض تھے | اہل عرب کی ایک خاص امتیازی صفت انکی فیاضی تھی، همان نوازی اُن کی سب سے بڑی خصوصیت تھی، ہمسایوں اور پناہ گزینوں کی امداد میں وہ اپنی جان تک لڑا دیتے تھے، اپنی شہرت اور ناموری کیلئے اونٹوں کو ذبح کر کے کھلا دینا، یا جوے میں چلتی ہوئی دولت کو اجاب کے جلسہ دعوت میں اڑا دینا، اور اس پر فخر کرنا، انکی قومی رسم تھی اور یہی اوصاف اُن کی شاعرانہ مدح میں سب سے زیادہ نمایان نظر آتے ہیں، اسلام نے اُن کی اسی صفت کو تھوڑی سی اصلاح کے بعد خدا کی راہ میں خیرات و صدقات و زکوٰۃ سے بدل دیا، اور اسلام کی مشکل کشائی میں اُس نے سب سے زیادہ مدد دی،

سادات پسند تھے | چونکہ وہ کبھی کسی دوسری قوم کے محکوم نہیں ہوئے تھے، اور نہ وہ کسی ایک مطلق العنان شخص ہی بادشاہ کے تابع فرمان بنے تھے، اس لیے انکی خودداری کا جذبہ بیدار تھا، وہ غلام بننا نہیں جانتے تھے، وہ اپنے کو ذلیل کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اور وہ بڑے سے بڑے شخص کے سامنے برابری کے ساتھ بے باکانہ ہٹھکراتیں کرتے تھے۔  
عرب میں بیسیوں لڑایاں صرف اسی خودداری کی مخالفت میں پیش آئی تھیں، جبکہ ایک منظر سب سے متعلقہ کے آخری تصدیق نظر آتا ہے، اہل عرب کے اس جذبہ نے حلقوں کی مساوات اور جمہوریت پسندی، وغیرہ اسلامی تعلیمات کے پھیلانے میں بڑی مدد دی،

علی تھے، اہل عرب کے فطری اخلاق و کردار کی آخری دفعہ یہ ہے کہ وہ طبعاً علی اور علیت پسند تھے وہ اہل ایران اور اہل ہند کی طرح محض تخیل پسند خیال آرا اور نظریہ باز نہ تھے، وہ محکم عمل تھے، اور علیت کو پسند کرتے تھے، چونکہ وہ چاروں کیسے اور کیونکر کے فلسفیانہ الجھنوں سے پاک تھے، وہ دنیا کے کاروباری آدمیوں اور سپاہیوں کے طرح چند بھی باتوں کو قبول کر کے ان پر فوراً عمل بناتے تھے، یہی سبب ہے کہ عجیبانہ نکتہ آفرینی اور بال کی کھال نکال کر اوس کی الجھنوں کے سلجھانے میں وہ کبھی گرفتار نہیں ہوئے، وہ ہمہ تن عمل اور صرف عمل تھے، اسی بنا پر شارع علیہ السلام نے ان کے سامنے ایک علی مذہب کو پیش کر کے ان کو سرتاپا علی بنادیا، اور جو کچھ وہ تسلیم لائے، اس کا منجم پیکر بکر چند سال میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا، دور دور سے بدوی آنحضرت صلیم کی خدمت میں آتے تھے، اور شک و محبت اور مناظرہ و فیصلہ و قتال کے فرائض و اخلاق کی علی تعلیم حاصل کر کے اپنے قبیلہ میں واپس چلے جاتے تھے، اور بالآخر اپنی علی دعوت سے اپنے پورے قبیلہ کو مسلمان بنا لیتے تھے، وہ اگر مکر اور نمکن و نامکن کی بحث میں نہیں پڑتے تھے، وہ تعلیم کو دیکھتے تھے اور سنتے تھے، وہ اچھی معلوم ہوتی تو اس کو قبول کرتے، اور اس پر عمل کر کے دینی اور دنیاوی فائدہ اور نتائج کے حصول کا یقین کرتے تھے، اور اسی غیر متزلزل یقین اور ایمان کے ہمروہ پر وہ مشکل سے مشکل اور خطرناک سے خطرناک کام کر گزرتے تھے، اہل عرب کی اسی خصوصیت نے اسلام کی سادگی کو برقرار رکھا، اور غمی فلسفیت و نظریات سے پاک و متبرک رکھا، اور ساتھ ہی چند ہی سال کے اندر اندر مغرب

شرق، شمال و جنوب میں اسلام کا پھر برا آسمان پر اڑنے لگا،

ان اوصاف کی مصلحت اہل عرب کے ان تمام فطری و طبی اوصاف و اخلاق کو دیکھ کر یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری دین کی اشاعت اور حفاظت کے لیے جس قوم کا انتخاب کیا تھا، وہ ازل سے اس کے لیے منتخب ہو چکی تھی، باوجود ان کی ہر قسم کی گمراہیوں کے یہ چند اچھے اوصاف اس لیے اُن میں ودیعت کئے گئے تھے، تاکہ جب خدا کی بادشاہی کا دن آئے تو ان کی فطری استعداد کا یہ سرمایہ، اس کی امداد و اعانت کے لیے خزانہ غیب کا کام دے، یہی وہ سرمایہ تھا جو اس وقت نہ ہندو عجم میں تھا، نہ روم و فرنگ میں تھا، اور نہ ترک و زنگ میں تھا وہ عرب اور صرف عرب میں تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری نبوت کے لیے اسی قوم کو برگزیدہ کر کے یہ امانت اُس کے ہاتھ میں سپرد کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی اولاد میں اسماعیلؑ کو پسند کیا، اور اسماعیلؑ کی اولاد میں بنی کنانہ کو، اور بنی کنانہ میں سے قریش کو، اور قریش میں سے بنو ہاشم کو، اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو" ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "میں عبد المطلب کے بیٹے عبد اللہ کا بیٹا ہوں اللہ نے تمام لوگوں کو پیدا کیا تو مجھے اس نے اُن سب میں سب سے بہتر نسل میں رکھا، انکو دو جھوٹوں میں (عرب عجم میں) تقسیم کیا، تو مجھے اس جھوٹے میں یعنی عرب میں بنایا، جو سب سے بہتر تھا، اس جھوٹے کو بھی قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے اُس قبیلہ میں پیدا کیا، جو سب سے بہتر تھا، پھر اس قبیلہ کو گھرانوں میں تقسیم کیا، تو مجھے سب سے بہتر گھرانے میں پیدا کیا، پھر اس گھرانے کو افراد پر تقسیم کیا تو مجھے اس گھرانے کا سب سے بہتر فرد بنایا۔"



## صبحِ سعادت

دنیا اور عرب کی سرزمین اس ظلمت میں تھی کہ صبحِ سعادت نمودار ہوئی اور نورِ شید نبوت کے طلوع کا غلغلہ بڑا ہوا، ظلمتِ شب کا فور ہوئی، اور تھوڑی دیر میں ذرہ ذرہ سورج کی کرنوں سے پر نور ہو گیا یہ ظاہر ہے کہ یہ سورج کو دنیا کو روشن کرنے نکلا تھا، لیکن وہ نکلا عرب ہی کے اُفق سے تھا، اس لیے ضروری تھا کہ اُس کے نور سے پہلے اسی ملک کی سرزمین روشن ہو،

ایک قوم کا انتخاب | سرورِ کائنات کو گو خدا نے تمام عالم کی اصلاح کے لیے بھیجا تھا اور اس بنا پر ایک ایسی شریعت کامل عطا کی جو نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کے لیے ابد تک کافی ہے، لیکن کوئی شریعت کوئی قانون کوئی دستور العمل تک مفید اور کارآمد نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ساتھ ایسا گروہ موجود نہ ہو جو اس شریعت کی عملی تصویر ہو اور جسکی ہر بات ہر ادا، ہر جنبش، عملی خطیب بن کر گردش کو اپنا ہم زبان اور ہم عمل بنائے،

اس بنا پر خاتمِ انبیاء کا سب سے اہم مقصد ایک خاص قوم کو تربیت دیکر اصلاحِ عالم کے لیے تیار کرنا تھا، دنیا کی اور تو میں باری باری اس منصب پر ممتاز ہو چکی تھیں، ایک زمانہ تھا جب بنی اسرائیل جیسی قوم جو آج تمام دنیا

سے شاہ ولی اللہ صاحب لکھے ہیں کہ جو پیغمبر تمام عالم کے لیے مبعوث ہوتا ہے وہ علاوہ ان اصول کے جو اور مذاہب میں ہیں چند اور نئے اصول اختیار کرتا ہے جن میں سے ایک یہ ہے،

وہ ایک قوم کو سنتِ راشدہ کی طرف دعوت دیتا ہے انکو پاک اور درست کرتا ہے، پھر ان کو اپنا دست و بازو بناتا ہے اور ان کو دنیا میں پھیلا دیتا ہے اور ان کے ذریعہ سے مجاہد کرتا ہے، جیسا کہ خدا نے کہا تم بہترین امت ہو جو دنیا کے لیے پیدا کئے گئے ہو،

يَدْعُو قَوْمًا إِلَى السَّنَةِ الرَّاشِدَةِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُصْلِحُ  
شَأْنَهُمْ ثُمَّ يَخِذْهُمْ بِمَنْزِلَةِ جَارِحَةٍ فِيْمَا هَدَى  
بِهِمْ أَهْلَ الْأَرْضِ وَيُفَرِّقُهُمْ فِي الْبِلَادِ وَهُوَ قَوْلُهُ  
تَعَالَى لَكُمْ خَيْرٌ مِمَّا تُخْرِجُونَ لِلنَّاسِ رَحْمَةً  
اللّٰهُ الْبَالِغُ صَفْحہ ۱۲۳ مطبوعہ عسقلانیہ

میں خوار اور ذلیل ہے، (اِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ) ہم نے تم کو تمام دنیا کی قوموں پر فضیلت دی، کا تاج بہن مٹی لیکن اوپر بہ تفصیل گدڑ چکا کہ اب تمام قوموں میں صلاحیت کا مادہ مفقود ہو چکا تھا، ایران تین ہزار برس تک ناز و نعمت میں پل کر ترقی کی روح فنا کر چکا تھا، وہیون کے تمام قوائے عمل بوسیدہ ہو چکے تھے، ہندوؤں کا دل دماغ صرف دہم پرستی کا کام دینے کے قابل رہ گیا تھا، صرف ایک عرب تھا جو بن حنیٰ کی طرح مادہ ہائے نشو و نما سے لبریز تھا اور ایک لوحِ سادہ کی طرح ہر قسم کی نقش آرائیوں کے قابل تھا، مشیتِ ایزدی نے اسی کوتاہی اور خیرِ روز میں وہی عرب جو سرتاپا اہل ہمت و پادشہت اور سرتاپا درندہ پن تھا، کُنْتُمْ خَیْرًا مِّمَّا أُخْرِجْتُ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کا منظر بن گیا،

ان لوگوں کا حلیہ و جمال اور خط و خال یہ تھا،

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنَّاہُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوْا  
الصلٰۃَ وَاٰتَوْا الزکوٰۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوفِ  
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (رج-۶)

وہ لوگ کہ ہم جب اُن کو دنیا میں اقتدار دینگے تو وہ  
ناز قائم کرینگے، زکوٰۃ دینگے، اچھی باتوں کا حکم دینگے اور  
بری باتوں سے روکین گے،

اصلاح و ہدایت کی ہر قوم کی اصلاح و ہدایت میں اول سخت اور متعدد مشکلات پیش آتی ہیں لیکن ان کی نوعیت ایک دو سے زیادہ نہیں ہوتی، لیکن عرب کی اصلاح میں ہر نوع، ہر حیثیت، ہر

مشکلات

جہت کی گونا گوں اور لاعلاج مشکلات تھیں اور ایسی تعین جنہیں سے ایک کمال کرنا بھی قدرتِ انسانی سے بالاتر تھا، بنو اسرائیل ایک مدت سے مصر میں، قبطیوں کی غلامی کر رہے تھے، اور قبطیوں کے جو رولم کا طوفان ان کے سر سے گزر چکا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر یہ احسانِ عظیم کیا کہ فرعون کے بچہ ستم سے اُن کو چھڑا کر، مصر سے نکال لائے، لیکن غلامی میں رہتے رہتے ان کی طبیعت میں اس قدر ذلت پسندی لگئی تھی کہ جب اُن سے کہا گیا کہ آگے کنعان کی زمین ہے، اُس کو لڑکر لو، اور اسی پر تختِ سلطنت بچھاؤ تو انھوں نے حضرت

ساحتم بہترین قوم ہو جو انسانوں کے لیے (پروردہ عدم سے) پھر لائی گئی، جو نیکیوں کا حکم دیتی اور برائیوں سے روکتی ہے،



موسیٰ سے صاف کہہ دیا کہ تم اور تمہارا خدا، دونوں جا کر رُود، ہم تو یہاں سے آگے قدم نہیں بڑھاتے، یہ ایک امتداد  
معاشرت کا اثر تھا، جو مرتے مرتے ان لوگوں کی طبیعت سے نہیں گیا، اور جب تک یہ نسل پوری اپنی موت  
سے مرکز مقرر نہیں ہو گئی، بنو اسرائیل کو کفان کی زمین میں قدم رکھنا نصیب نہیں ہوا،  
یہ صرت ایک شکل کی مثال تھی اب عرب کی مشکلات کا اندازہ کرو،

اجالت | عرب کی قوم امی محض تھی، الوہیت، رسالت، کتاب، معاد، عبادت ان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس  
سے ان کے کان آشنا ہوں، اسلام کا ہر لفظ جو ان کے کان میں پڑتا تھا ان کو ایک تعجب انگیز اور بالکل بیگانہ  
آواز معلوم ہوتی تھی، قرآن مجید نے ان کے اس جاہلانہ حیرت و استعجاب کو متعدد آیتوں میں ذکر کیا ہے،  
لَیْسَ، وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ ۝ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ قرآن حکیم کی نعم، تو بیشبہ پیغیرون میں سے ہے، اور راستہ  
عَلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ ۝ تَنْزِیْلِ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝ ہے یہ قرآن رحمت والے غالب خدا کے پاس سے اترا ہے،  
لَتَنْذِرْ قَوْمًا اِنْذَرْنٰ سَآءَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ تاکہ تو اس قوم کو گاہ کرے، جگہ اسات کو گاہ نہیں کیا گیا  
(یسین-۱)

یہ نبوت کے شرف سے محروم قوم ایک آسمانی مذہب کے تمام خصائص سے محض بیگانہ تھی،

وَعَجِبُوْا اِنْ جَاءَهُمْ مُّسَدِّدٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ  
الْکٰفِرُوْنَ هٰذَا سِحْرٌ کَذٰبٌ ۝ اَجْعَلِ لَّہٗ  
اِلٰہًا وَّاحِدًا اِنْ هٰذَا الشَّیْءُ حَجَابٌ ۝ وَالْطَّلَقُ  
اَلَمْ نَلٰہُمْ مِنْہُمْ اَنْ اٰمِنُوْا وَاَصْبِرُوْا عَلٰی اِلْحٰثِہُمْ  
اِنَّ هٰذَا الشَّیْءُ یُرَادُہٗ مَآ سَآءَ غُصَابٍ ۝ اَفِیْ  
اَلَا یُخٰیِرُہٗ اِنَّ هٰذَا اِلَّا اِخْتِلَافٌ ۝ (ص-۱)

اور انھوں نے تعجب کیا کہ ان میں ایک پیغمبر ہو کر ان کے پاس  
ایا، کافروں نے کہا یہ در ونگو جادوگر ہے اس نے اسے خدا  
کو ایک خدا بنا دیا یہ عجیب بات ہو، ان کے پنج اٹھ کھڑے ہو  
کہ چلو اور اپنے معبودوں پر چرے رہو، اس میں اس کی پیغمبر  
کوئی غرض ہو، ہم نے تو سابق مذہب میں یہ نہیں سنا  
گھڑی ہوئی بات ہے،

بلکہ ان کو تعجب ہو کہ ان میں سے ایک ان کے پاس  
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اِنَّا جَاءُہُمْ مُّسَدِّدٌ مِّنْہُمْ فَقَالَ

الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ (ق-۱) پیغمبر نکر آیا، کافروں نے کہا یہ تو بڑی تعجب کی بات ہے،

صفات الہی، آثار نبوت، احوال معاد، ان میں سے ہر بات کو سنکر وہ اسی طرح سرتاپا حیرت بخاتے تھے، نبوت کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ انسان تو اس کے سزاوار نہیں اس منصب پر تو فرشتوں کو ممتاز ہونا چاہئے تھا

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ (فرقان ۳) جو ایک دن ہمارے سامنے آنے کے سنکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ فرشتے پیغمبر بنا کر ہم پر کیوں نہ اتارے گئے،

إِذْ جَاءَهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بُيُوتٍ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ (فصلت ۲۰) پیغمبر جب ان کے پاس سامنے سے اور پیچھے سے آتے ہیں کہ ایک خدا کے سوا کسی اور کو نہ پوجو تو وہ کہتے ہیں کہ خدا اگر کسی پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو اتار تا رہا، تم تمہاری باتوں کا انکار ہی کرینگے،

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ هُدًى مِنَ اللَّهِ أَنْ قَالُوا أَلَمْ يَبْعَثِ اللَّهُ نَبِيًّا قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَرَيْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ رَسُولًا (نہل ۱۱) ہدایت آنے کے بعد صرف اس شبہ نے لوگوں کو ایمان لانے سے باز رکھا کہ کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، جواب میں کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے بستے ہوتے تو ابستہ ہم آسمان سے کسی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے،

نبوت کا تخیل اگر ان کے ذہن میں کبھی آتا تھا تو بشریت سے ماوراء صورت میں یعنی یہ کہ وہ انسانی ضرورت سے منزہ ہو، اس کے پیچھے خدا کا اور فرشتوں کا پراہو، آسمان اور زمین کے خزانے اس کے دست قدرت میں ہوں

وَقَالُوا الْاِنْ لَكُنَّا مِنْكَ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ اَلَا رَضِيَ يَهُودُ عَاهُ اَوْ تَكُونُ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ تَحِيْلٍ وَعَنْبٍ فَتَقْطَرُ اَلْاَنْهَارُ خَالِصًا اَنْفُوسَ نَفْسٍ اِيْمَانٍ لَا يَنْفِكُ (نہل ۱۱) انہوں نے کہا اے پیغمبر ہم تجھ پر سو شک ایمان نہ لائینگے جب تک زمین سے ہمارے لیے تو چشمہ نہ بہا دے، یا میری ملکیت میں کھجور دن اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو جنہیں

تَفْجِيرُهُ أَوْ تَسْقِطُ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْكَ السَّعَفَا  
 نہیں جاری کر دی ہوں یا جیسا کہ تو نے کہا ہم پر بادل کا  
 اَوْ تَأْتِي بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا أَوْ يَكُونُ لَكَ  
 کوئی ٹکڑا اگر اوسے یا خدا اور فرشتوں کو پرانا کرنے لے اُسے، یا  
 نَبِيَّتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ (نبی اسراء)  
 تیرے پاس کوئی سونے کا گنہ ہوا تو آسمان پر نہ چڑھ جائے،  
 رَقَالُوا سَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيُشْرِي  
 انہوں نے کہا یہ عجیب پیغمبر ہے، یہ تو کھاتا پیتا ہے، بازاروں  
 فِي الْأَسْوَاقِ مَا كُولا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ  
 مین چلتا پھرتا ہے اس پر کوئی فرشتہ کیون نہ اتر جو اس کی کشتی  
 مَعَهُ نَذِيرٌ أَوْ يُلْقِي إِلَيْهِ كَنزًا أَوْ تَكُونُ لَهُ  
 لکھو لوگوں کو ڈرانا، یا اسکے پاس کوئی خزانہ کیون نہیں ڈال دیا گیا یا  
 جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا (فرقان - ۱)  
 اس کیلئے خاص کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا،

پیغمبر کے لیے اُن کے خیال میں یہ بھی ضروری بات تھی کہ وہ بڑا دولت مند ہو، اُس کے قبضہ میں کوئی بڑی جائیداد  
 ہو، بیویوں کے ہرے بھرے باغ اور سونے چاندی کے خزانے اُس کے پاس ہوں، چنانچہ گذشتہ آیت میں کفار کے  
 اس خیال کی طرف بھی اشارہ ہے، کہ اور طائف کے چور و سار و لٹمنہ دتھے وہ اس منصب کے سب سے زیادہ  
 مستحق سمجھے جاتے تھے،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ  
 وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مگر یا طائف کے کسی بڑے آدمی پر  
 الْقُرَيْشِيِّينَ عَظِيمٍ (زخرف - ۳۷)  
 کیون نہیں اترتا،

کسی کتاب کے نازل ہونے کے معنی اُن کے خیال میں یہ تھے کہ آسمان سے کاغذ و دین میں ایک لکھی لکھائی  
 ترشی ترشائی، جلد بندھی ہوئی ایک کتاب سب کے سامنے مجمع میں اتر آئے،

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْكَ الْقُرْآنُ  
 کافروں نے کہا اس پر قرآن کیسے بارگی کیون نہیں  
 جُمْلَةً وَاحِدَةً (فرقان - ۳۷)  
 اُترا،

وَلَوْ تُلَوِّحُ مِن لِّوَقِيفٍ حَتَّىٰ تُنْزَلَ عَلَيْنَا  
 اور (کافروں نے کہا) ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے کے بھی قوت رکھتے ہیں  
 كِتَابًا بِالْقُرْآنِ (نبی اسراء - ۱۰)  
 نہیں ہونگے جب تک ہم پر کوئی ایسی کتاب نہ اترے جس کو ہم لکھ کر پڑھیں

وَلَقَدْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قُرْآنٍ فَلَمْ تُسَوِّهِ  
بِأَيِّدِهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا  
الْحَشْرُ مُبِينٌ ه (انعام - ۱)

اور اگر کاغذوں میں لکھا ہو کوئی قرآن آسمان سے تمہارا ہے جس کو  
اپنے ہاتھ سے ٹول بھی سکتے تو کافر ہی کہتے کہ یہ تو کھڑا ہوا  
جادو ہے،

غرض ایک آسمانی مذہب کی کیفیت سے بالکل بے خبر تھے، اہمیت اور صفات الہی کے اسرار نبوت کے  
خصائص نزول کتاب کی حقیقت، ہر چیز ان کے لیے حیرت اور استعجاب کا سرمایہ تھی،

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ  
آبَاءَهُمْ الْأَوَّلِينَ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ  
فَهُمْ لَهُ مُشْكِرُونَ (ممنون - ۴)

کیا انھوں نے بات پر غور نہیں کیا، یا ان کے پاس وہ تعلیم  
آئی ہے جو ان کے اسلاف کے پاس نہیں آئی، یا انھوں نے  
اپنے رسول کو نہیں پہچانا، تو اس کے منکر ہیں،

اس بنا پر عجب مشرکین اور کفار کو ایک مدت تک صدائے نبوت سے گوش آشنا ہونے کی حاجت تھی اور  
اس میں کمی برس صرف ہو گئے، لیکن وہ لوگ جو اس صدائے نامانوس نہ تھے ان تک آواز پہنچنے کی دیر تھی کہ  
وہ سرتاپا لیتیک تھے، حصہ اول میں گزر چکا ہے کہ سابقین اسلام عموماً وہی لوگ تھے جو اہل کتاب یا خفار کے  
انغوش پروردہ تھے، اشخاص کے علاوہ قبائل کا بھی یہی حال تھا، مشرکین کلام الہی کا جواب خندہ تحقیر سے دیتے  
تھے اور رموز نبوت کے دانا چمچ پریم اور دل پر کیف سے،

إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا بُشِّرَ  
عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سَجْدًا هُمْ يَقْنَطُونَ  
سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعًا  
وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَسْكُونُ وَيَزِيدُهُمْ  
خُشُوعًا ه (نبا سہیل - ۱۱)

جس کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہو (یہود و نصاریٰ) جب ان کو قرآن  
کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو منہ کے بھلے سجدے میں گر پڑتے  
ہیں اور کہتے ہیں کہ پاک ہو ہمارا پروردگار ہم سے (ایکٹ نمبر  
آخر الزمان کے بھیجے گا) جو وعدہ کیا تھا وہ ضرور پورا ہو اور کہ  
وہ منہ کے بھلے گرتے ہیں اور یہ ان کے خشوع کو اور بڑھاتا ہے  
ان میں سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ محبت رکھنے کو

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ۖ هَٰذَا الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْحَقِّ يُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِهِمْ لَا يُصْلِحُونَ ۖ وَإِذَا أُنزِلَتْ آيَاتُ الْكِتَابِ عَلَيْهِمْ يَقُولُوا هَٰذَا نَجْوَىٰ النَّبِيِّ ۖ فَهُمْ لَا يَأْتُونَ الْبَيِّنَاتِ إِلَّا نَجْوَىٰ ۚ وَإِذَا أُنزِلَتْ آيَاتُ الْكِتَابِ عَلَيْهِمْ يَقُولُوا هَٰذَا نَجْوَىٰ النَّبِيِّ ۚ فَهُمْ لَا يَأْتُونَ الْبَيِّنَاتِ إِلَّا نَجْوَىٰ ۚ وَإِذَا أُنزِلَتْ آيَاتُ الْكِتَابِ عَلَيْهِمْ يَقُولُوا هَٰذَا نَجْوَىٰ النَّبِيِّ ۚ فَهُمْ لَا يَأْتُونَ الْبَيِّنَاتِ إِلَّا نَجْوَىٰ ۚ

وہ ہیں جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، سبب یہ ہے کہ ان میں قیس اور ابہ بن اور وہ بکر نہیں کرتے اور جب وہ کلام سنتے ہیں جو پیغمبر پر اترا ہے، تو انکی آنکھوں کو توڑ دیتا کہ حق کو پہچان کر انہو بہاتی ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا یا ہم کو لائے ہو بھی حق کی شہادت دینے والوں میں لکھنے سے الشہیدین (مائتہ ۱۱)

مذہب کے یہود جو اسلام سے سیاسی اور دینی کینہ اور تعصب رکھتے تھے اور اس بنا پر اسلام کے مقابلہ میں زبان سے اپنی کور باطنی کا اظہار وہ اپنا فرض سمجھتے تھے، تاہم ختم دل کو سنش حق سے باز نہیں رکھ سکتے تھے،

الَّذِينَ اتَّبَعُوا الْكُتُبَ يَعْرِفُونَ مَا كُنَّا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (بقراءہ ۱۱)

جنگم کتاب دیکھتے ہیں وہ اس پیغمبر کو اسی طرح پہچانتے ہیں، جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ جان کر حق پوشی کرتے ہیں،

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ

اور جب خدا کے پاس سے پیغمبر وہ کتاب لیکر آیا جو خود اُنکی آسمانی کتابوں کو سچ کر رہی ہو، تو باوجود اس کے کہ وہ کافروں کو اس سے پہلے اسی کے نام سے دباتے تھے، اب حق پہچان کر اس کا انکار کرتے ہیں،

قرآن مجید کی شہادتوں سے قطع نظر کر کے، اگر واقعات پر غور کیا جائے تب بھی یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی، مجرد دعوت حق سننے کے ساتھ جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو لبیک کہا، ان کے حالات پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے لیے صرف اثر پذیر دل اور ذوق آشنا نگاہ کا جو یا تھا، حضرت سعد بن زید، عثمان بن مظعون، صہیب زومی، ابوذر غفاری، سلمان فارسی وغیرہ جو سابقین اسلام

ہیں، اسی قسم کے لوگ تھے، ابولہب، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ، قریش کے مشرکین خدا کا کلام تیرہ برس  
 متصل سنتے رہے، لیکن ان کے دل کی سنگینی میں کوئی فرق نہ آیا، رفتہ رفتہ مکہ کا قریشی عیسائی صرف ایک با  
 قرآن منسا ہے اور ناموس اکبر کی آواز پہچان لیتا ہے، مکہ کے مشرک ٹرپن برس تک آپ کے چہرہ کو دیکھتے رہے  
 لیکن نور الہی کو نہ پہچان سکے، اور عبد اللہ بن سلام یہودی عالم نے صرف ایک دفعہ جمال پر انوار کو دیکھا اور پکا  
 اٹھے کہ یہ حق کی تجلی ہے، روسائے قریش ہر روز اپنی آنکھوں سے نزول وحی کا تماشہ دیکھتے ہیں اور خوش نہیں  
 کرتے اور نجاشی حکومت کی سند پر اور ہر قل شہنشاہی کے تخت پر بیٹھ کر غائبانہ کلام اللہ کی چند آیتیں سننے ہیں  
 اور ٹرپ جاتے ہیں، قریش کے گھریہ دولت خود اترتی ہے، اور وہ اس کو ٹھکراتے ہیں، لیکن مدینہ سے بھی سہرا  
 کے پڑوسی جو ان کی زبان سے آخری نبوت کی بشارت سن چکے تھے، اتفاقاً مکہ آتے ہیں اور اس دولت آباد  
 کو اپنے گھر اٹھا لجاتے ہیں، طائف کے سنگدل جاہل، بنی پرستھر برساتے ہیں، اور انکی منسی اڑاتے ہیں، اور بخرا  
 کے عیسائی عالم مناظرہ کی غرض سے مدینہ آتے ہیں، لیکن چہرہ پر پیغمبری کی معصومیت دیکھ کر دہل جاتے ہیں اور  
 صلح کا ہدیہ پیش کرتے ہیں،

قریش، اور حجاز کے رازِ نبوت کے نامحرم دعوتِ حق کا جواب اکس برس تک تیغ و سنان سے دیتے ہیں  
 لیکن شہرب، حبر، یمن، عمان، اور بحرین کے بڑے بڑے اور عظیم الشان قبائل جو یہود، نصاریٰ اور مجوسوں کے  
 اثر سے ان رموز سے کسی قدر آگاہ ہو چکے تھے، وہ آوازِ حق پہنچنے کے ساتھ دفعۃً مسلمان تھے،  
 ابائی دین و رسوم کی پابندی | بہنئی تحریک کو غور سے دیکھو تو معلوم ہو گا کہ اس کے قبول کرنے میں جو چیز سب سے پہلے  
 عائق ہوتی ہے، وہ قومی رسم و رواج اور ابائی دین و مذہب کی پابندی ہے، انسانیت کے پاؤں میں اس  
 سے بھاری کوئی زنجیر نہیں، دوست و آشنا کا چھوٹنا، ماں باپ سے علیحدگی، آل و اولاد سے کنارہ کشی، مال و  
 جائیداد سے دست برداری، جماعت کی مخالفت، قوم سے انقطاع، وطن سے دوری، ایسی چیزیں نہیں ہیں  
 جنکو ہر انسان آسانی سے برداشت کر سکے، بلکہ رسم و رواج کی دیرینہ محبت، اور ابائی کنش و آئین کی موروثی

الفت، حق و باطل کی تمیز، اور نیک و بد کی پہچان کی حس مٹا دیتی ہے، عام دنیا کی فطری حالت کے علاوہ عرب کی قوم، قدامت پسندی، اور قدیم حالت پر بقا اور استحکام میں خاص شہرت رکھتی ہے، دنیا کمان سے کمان بدلتی چلی گئی، پرانی سامی نسل کی بدویانہ خصوصیتیں جو تو راہ میں پڑھتے ہیں، وہ تمام سامی قوموں سے مل گئیں، مگر عرب میں اُس وقت بھی نمایاں تھیں، اور آج بھی نظر کے سامنے ہیں، دینِ ابراہیم کے چند اصول، حج، قتلہ، اور قربانی، وغیرہ ہزاروں برس کے بعد بھی عرب میں ملتا کہ باقی رہ گئے تھے، اور اُن سے نہیں چھوڑے تھے، اُن کے شعرو شاعری اور فخر و مباہات کا سب سے پر جوش مضمون آباؤ اجداد اور نام و نسب پر فخر و غرور تھا، جبکہ چھوڑنا اُن کے نزدیک اپنی پرانی عزت و عظمت کی دیوار کو خود گرا دینا تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں دینِ حق کی منادی شروع کی، تو اسکی شدید مخالفت جس بنا پر سب سے زیادہ کی گئی، وہ یہی دینِ آبائی کے ترک کا مسئلہ تھا، اور یہی دینِ جدید کے بطلان کی سب سے مستحکم دلیل اُن کے پاس تھی، چنانچہ قرآن مجید نے بار بار اُن کے اس قول کو دہرایا ہے، اور اسکی نفی کو ظاہر کیا ہے،

وَإِذْ أَقْبَلَ لَهُمْ آبَاؤُهُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالَوَا  
بَلْ نَسْبَحُ مَا اتَّخَذْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا آُلُوًّا كَانُوا  
آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَحْتَدُونَ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے وہی

پروردگار کو سب سے بہتر کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک روش پر پایا ہے

اور ہم انھیں کے نقشِ قدم پر چل کر رہنا ہی پائین گئے، اور اسی

طرح ہم نے اسے پیغمبر تم سے پہلے کسی آبادی میں کر

پیغمبر نہیں بھیجا، لیکن اُس کے دو امتدوں نے یہی کہا کہ

ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک روش پر پایا ہے، اور ہم

(بقرہ ۸۰-۸۱)

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا

عَلَىٰ أُمَّةٍ مُّحَمَّدٌ وَنَهَ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا

مِنْ قَبْلِكَ فِي قَوْمٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفًا هَٰ

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ أُمَّةٍ

مُتَّقِدُونَ قُلُوبًا لَّا يَشْكُرُونَ بَٰهْدَىٰ جَمَٰ

رَجَدْتُ عَلَيْهِ أَبَاؤُكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلُوا

بِهِ كَافِرُونَ

(زخرف-۲)

انہیں کے نقش قدم کے پیرو ہیں، کہو بے پیغمبر کیا اگرچہ میں

روش سے جس پر تم نے اپنے بزرگوں کو پایا زیادہ سیدھا رہا

لیکر تمھارے پاس کیوں نہ آؤں (تب بھی تم انہیں کی پرکھ

کر دے گے) انہوں نے کہا کہ ہم تو جو دیکر تم بھیجے گئے ہو، اسکا

انکار ہی کرتے رہیں گے،

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَحَدُّنَا عَلَيْهِمْ

أَبَاؤُنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي

بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ

(اعراف-۳)

اوجھ وہ کوئی بے شرمی کی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ

نے اپنے بزرگوں کو اسی پر پایا، اور اللہ نے ہم کو اسی کا

دیا ہے، اہم دوسے پیغمبر کہ اللہ تو بے شرمی کی بات کا بھی

حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ پر وہ تہمت باندھتے ہو جو تم نہیں جانتے

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اُس کے

پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں، ہم نے اپنے باپوں

کے پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں، ہم نے اپنے باپوں

کے پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں، ہم نے اپنے باپوں

کے پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں، ہم نے اپنے باپوں

کے پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں، ہم نے اپنے باپوں

کے پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں، ہم نے اپنے باپوں

کے پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں، ہم نے اپنے باپوں

کے پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں، ہم نے اپنے باپوں

کے پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں، ہم نے اپنے باپوں

کے پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں، ہم نے اپنے باپوں

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى

الرَّسُولِ قَالُوا احْسَبْنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ أَبَاؤُنَا

أَوْ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَ

لَا يَهْتَدُونَ (مائدہ-۱۴)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ

لَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ

اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا

عَلَيْهِ آبَاؤُنَا أَوْ لَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ

إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ

(لقمان-۲۳)

کچھ لوگ ایسے ہیں جو علم ہدایت، اور روشن کتاب کے بغیر

اللہ کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں، اور جب ان سے کہا

جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اسکی پیروی کرو تو کہتے

ہیں، بلکہ ہم ہی کی پیروی کریں گے، جس پر ہم نے اپنے باپ

دادوں کو پایا، کیا اگرچہ ان کو شیطان و دوزخ کے عذاب

ہی کی طرف کیوں نہ پکارے (تو وہ اُسی کی پیروی کریں گے)



کفار کے یہ سوال در جواب خود ظاہر کرتے ہیں کہ اُن کو اپنے آبائی رسوم کا چھوڑنا کس درجہ محال نظر آتا تھا؟ آپ نے نبوت کے تین برس بعد جب بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی، تو قریش کی عدالت میں آپ پر سب سے بڑا جرم یہی قائم کیا گیا کہ یہ خاندانی دیوتاؤں کی تحقیر بزرگوں کی توہین اور آبائی رسم و رواج کی مذمت کرتے ہیں۔ مکہ میں جب آپ نے علی الاعلان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، اور بہت سے نیک لوگوں نے اس دعوت پر لبیک کہا، تو قریش کے بڑے بڑے رئیسوں نے ابوطالب کے پاس جا کر آپ کے خلاف جو الزامات قائم کیے، وہ یہ تھے "اے ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے دیوتاؤں کو برا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی توہین کرتا ہے، ہم کو بیوقوف اور نادان کہتا ہے، اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ بتاتا ہے، تو یا تو تم ان کو روکو، یا ہکو اور اُس کو چھوڑ دو کہ باہم سمجھ لیں"

یہ اُن کی عدالت کا پہلا مطالبہ تھا، ابوطالب نے اُن کو سمجھا بھکا کر واپس کیا، تو کچھ دنوں کے بعد انھوں نے پھر اپنا مطالبہ ان الفاظ میں پیش کیا: "اے ابوطالب! تم نے اپنے بھتیجے کو اب تک منع نہیں کیا، اب خدا کی قسم ہم اپنے بزرگوں کی برائی، اپنی نادانی، اور اپنے دیوتاؤں کی جو نہیں سُن سکتے، تو یا تو اس کو باز رکھو اور باہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ" اس اعلان جنگ سے کام نہ چلا تو وہ تیسری دفعہ ابوطالب کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں "اے ابوطالب! ولید کا بیٹا عمارہ کیسا خوش رو جوان ہے، تم اُس کو تہنیتی بنا لو، اور اپنے بھتیجے کو قتل کے لیے ہمارے حوالہ کر دو، کہ اُس نے تمہارے اور تمہارے بزرگوں کے دین و مذہب کی مخالفت کی ہے، تمہاری قوم کی جماعت کو براگندہ کر دیا ہے، اور ان کو بے وقوف اور نادان کہتا ہے" سب سے آخری دفعہ قریش کے رئیسوں نے خود آنحضرت صلعم سے مل کر گفتگو کی اور کہا، کہ "اے محمد! تمہارے سوا کسی قوم میں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا، جو اپنی قوم پر وہ مصیبت لایا ہو، جو تم لائے ہو، تم نے باپ دادوں کو برا کہا، ہمارے مذہب کی تحقیر کی، دیوتاؤں کو گالی دی، ہم کو بے وقوف اور نادان بنایا، اور جماعت میں فقر و فاقہ پھیل گئی، اسی برائی نے تمہیں ہمارے دشمن بنایا" لہذا یہ تمام واقعات ابن اسحاق اور سیرۃ کی تمام کتابوں میں تفصیل مذکور ہیں،

ان الزامات کی فہرست کی ایک ایک دفعہ پڑھو معلوم ہو گا کہ آبائی دین، موروثی رسم و رواج اور خاندانی دیوتاؤں کی غلامی سے آزاد ہونا، ان پر کتنا بار تھا؟ اور وہ اس جرم کو کتنا سنگین سمجھتے تھے، موسم حج میں آنحضرتؐ مسلم جب لوگوں کے پاس جا جا کر توحید کا پیغام سناتے تھے، تو ابولہب آپ کے اثر کو باطل کرنے کے لیے آپ کی تقریر کے بعد آپ کے پیچھے پیچھے صرف یہ کہتا جاتا تھا "لوگو! یہ وہی ہے جو تم کو تمہارے باپ داداؤں کے مذہب سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے"

ابوطالب جنھوں نے ہر موقع پر آنحضرتؐ مسلم کی حمایت کی تھی اور وہ آپ کو اپنے جان و دل سے زیادہ عزیز رکھتے تھے وہ بھی آپ کی دعوت حق کو اپنے دین آبائی کے مقابلہ میں پذیرائی کے قابل نہ سمجھے، بھتیجے نے بار بار کہا، "چچا جان! بکلمہ شہادت، ایک دفعہ کہ قیامت میں آپ کی شفاعت کی ایک سند مجھے ہاتھ آجائے" ابوطالب نے جواب دیا "جان پدر! سب کچھ تمپر شمار لیکن بزرگوں کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا، عین اُس وقت جب ابوطالب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے، اور نزع کی حالت تھی، آپ اُن کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ "چچا جان! اب تو لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں" اور عبد اللہ بن امیہ نے جو اُن کے پاس بیٹھے تھے، کہا "ابوطالب کیا تم (اپنے باپ) عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟" آپ بار بار لا الہ الا اللہ پڑھنے کی درخواست کرتے تھے اور یہ دونوں اُن کو وہی عبد المطلب کے دین سے علیحدگی پر شرم دلاتے تھے، بالآخر ابوطالب نے یہی کہا کہ "میں عبد المطلب کے دین پر ممتا ہوں" اور لا الہ الا اللہ نہیں کہا، صحیح بخاری کی روایت ہے، صحیح مسلم میں اس کے بعد ہے کہ ابوطالب نے کہا کہ "بھتیجے! جو فقرہ تم کہتے ہو میں کہہ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ ابوطالب موت سے ڈر گیا، ابن اسحاق میں ہے کہ انھوں نے آہستہ سے وہ فقرہ کہہ دیا، بہر حال اس واقعہ سے جو دکھانا ہے وہ یہ ہے کہ اس

سے مستدرک حاکم ج ۱۔ صفحہ کتاب الایمان، صفحہ کتاب الجنائز، باب اذا قال المشرك عند الموت لا الہ الا اللہ، صفحہ ۳۳ صحیح مسلم کتاب الایمان باب ۹ صفحہ ابن ہشام، وفات ابی طالب،

حالت میں بھی غافین کے پاس اسلام سے باز رکھنے کے لیے اس سے زیادہ پرزور اور پراثر دلیل نہ تھی کہ ابوطالب  
 کیا ابائی مذہب کو چھوڑ دو گے؟ اس سے معلوم ہو گا کہ اسلام کی اشاعت کے راستہ میں تیخل کتنا بڑا پتھر تھا،  
 تو ہم پرستی | عرب کی اصلاح و ہدایت کی راہ میں ایک اور عائق عرب کی توہم پرستی تھی، ہر قوم میں جاہلون کا بڑا  
 طرح یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ فلان دینوتا یا فلان پیر کے خلاف اگر کچھ زبان سے نکلا تو فوراً بلا میں آکر ہم کو لپیٹ  
 جانگی، عرب میں گھر گھر سینکڑوں بت اور میسوں صنم خانے تھے، دنیا کے تمام کام انہیں اہنام اور بتوں سے  
 متعلق سمجھے جاتے تھے، مدتوں سے یہ خیال راسخ چلا آتا تھا کہ فلان بت کی پرستش یا خدمتگزاری میں اگر کوئی  
 لگے تو آسمان سے پانی برسنا بند ہو جائے گا، فرزند زینہ پیدا نہ ہو گا، باغون میں پھل نہ آئیں گے، اسی بنا پر اسلام  
 کے نام سے ان کو لڑ رہا تھا، اور یہ تیخل صرف اسی وقت پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ ایک مدت سے عرب میں چلا  
 آتا تھا، حضرت ہود کی دعوت کے جواب میں ثمود نے کہا،

إِنْ تَقُومُوا إِلَٰهَآ أَخَذْنَا كَبَعُضُ الْيَمِينِ ۖ  
 ہم تو اس کے سوا کچھ اور نہ کہیں گے کہ ہمارے کسی دین

(ہود: ۵)

ابتداءً جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتوں کے خلاف وعظ کہنا شروع کیا تو اکثر لوگوں نے  
 (نفوذ باللہ) پاگل سمجھ لیا، جاہلیت کے زمانہ کے بعض کافر احباب ہمدردی کی راہ سے جھاڑ پھونک کرنے  
 آئے، ضمام بن ثعلبہ ایک صحابی تھے، وہ مسلمان ہو کر اپنے قبیلہ میں جب آئے، اور لات و عنزی کی مذمت  
 شروع کی، تو تمام قبیلہ خوف سے کانپ گیا کہ "ضمام! ان کو برا نہ کہو، دیکھو کہیں تم کو برص، جنون یا جذام نہ ہو جائے"  
 حضرت زینہ مسلمان ہونے کے بعد بصارت سے محروم ہو گئی تھیں، انھوں نے کہا شروع کیا کہ "لات و عنزی  
 نے ان کو اندھا کر دیا ہے" حضرت طقیل بن عمرو دسی مسلمان ہو کر جب اپنے وطن تشریف لے گئے اور اپنی

ابن کثیر از تفسیر ابن جریر، بنوئی وغیرہ تمام مفسرین نے لکھا ہے، اللہ دیکھو تفسیر آیہ وما آتتہم نعمة ربك بجمعنکون و نیز  
 کتابہ میں جنتہ علیہ السلام باب تخفیف الصلوة و الخطیبة لکے مسند واری کتاب الصلوة، اللہ اس دعا پر ترجمہ حضرت زینہ، و سیرہ  
 ابن ہشام و ذکر متضعین سلیمان،

یوی کو اسلام کی دعوت دی، تو انھوں نے کہا: "دیکھو ذوالشری (بت) کہین برباد نہ کر دے،"

فتحِ مکہ کے بعد جبکہ دیوتاؤں کے زور و قوت کا زرافشا ہو چکا تھا، اور اکثر قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا تاہم لات، عزی، منات، ذی الکفین، سواع کے بتانوں کو وہ اپنے ہات سے نہ توڑ سکے، خاص مدینہ سے راسخ الایمان مسلمان بھیجے گئے جنھوں نے اس فرض کو انجام دیا، پوجاریوں نے کوئی مزاحمت نہ کی، وہ سمجھتے تھے کہ ان دیوتاؤں کو کون توڑ سکتا ہے، جو اس گستاخی کا ارادہ کر گیا وہ خود تباہ و برباد ہو جائیگا،

تو ہم پرستون میں کسی مذہب کی صحت و بطلان کی دلیل شواہد عقلی نہیں ہیں، بلکہ دنیا کے ظاہری مادی فوائد اور جانی و مالی خیر و برکت، لیکن قوانینِ گاہِ عالم میں ایک مذہب پرست بھی اسی طرح الام و مصائب میں گرفتار ہو سکتا ہے، جس طرح ایک غیر مسلمان، عرب کے بد و اعراب ابتدائے مسلمان ہونے کی ہمت بھی کرتے تھے تو معایہ توقع بھی کر لیتے تھے، کہ اب وہ ہر قسم کے آفاتِ ارضی و سماوی سے محفوظ ہیں، اس بنا پر اگر کبھی اونکی اس توقع کو صدمہ پہنچتا تو دفعہ وہ متزلزل ہو جاتے تھے، صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ہے،

كان الرجل يقدر المدينة فان ولدت امرأته غلاما وتجت خيله قال هذا دين صالح وان لم تلد امرأته ولم تنجب خيله قال هذا دين سوء،  
 باہر کا جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ آتا تھا اونکی یہ حالت تھی کہ اگر اونکی بیوی لڑکا جنمی اور اونکی گھوڑی بچہ دیتی تو کہتا کہ یہ نہایت عمدہ مذہب ہے، لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کہتا کہ یہ نہایت برا مذہب ہے،

قرآن مجید کی یہ آیت اسی قسم کے لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے،

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْبِدُ اللَّهَ عَلَى حُرُوفٍ  
 فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ لِّطَمَآنٍ بِهِ وَإِنْ أَصَابَهُ  
 فَلَنَّهُ لِيُفْلَكٍ عَلَى وَجْهِهِ (ج ۱۰)  
 اور بعض لوگ وہ ہیں جو خدا کی بندگی کناہ کھڑے ہو کر کرتے ہیں یعنی دل سے نہیں کرتے اگر انکو فائدہ پہنچتا تو انکو طمنا ہو جاتا، لیکن اگر فتنہ پہنچتا ہو تو فوراً روگردان ہو جاتے ہیں،

۱۔ اسباب ذکر فضیل بن عمرو دسی، ۲۔ ابن سعد و طبری، ذکر ہدم اصنام، ۳۔ تفسیر سورہ حج جلد ثانی صفحہ ۶۹۱، ۴۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ حج،

ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ آئے اور اتفاق سے ایک عرصہ تک کسی مسلمان گھرنے میں کوئی لڑکانہ پیدا ہوا تو دشمن اس واقعہ کو اپنی بددعاؤں کا نتیجہ سمجھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، آخر چھ مہینے کے بعد عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے اور مسلمان بے انتہا مسرور ہوئے، سو اتفاق یہ کہ اول اول جو لوگ مدینہ میں آتے تھے، ان کو وہاں کی آب و ہوا اس نہیں آتی تھی، ابتداً ہجرت میں جب حضرت ابو بکرؓ و حضرت بلالؓ آئے تو سخت بیمار ہوئے، حضرت طفیل بن عمروؓ نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو انکو بھی مدینہ کی آب و ہوا ناموافق ہوئی، اگرچہ مخلصین اور ابابہؓ فہم پر اس قسم کی عارضی ناگوار یوں کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا، تاہم عام لوگ جنکی ہم پرستی فطرتِ ثانیہ ہو گئی تھی، اس قسم کے اتفاقی واقعات سب سے متاثر ہوتے تھے، چنانچہ جب عکل و عزیہ کے چند لوگوں نے مدینہ میں آکر اسلام قبول کیا اور آب و ہوا کی ناموافقیت کے سبب سے بیمار ہوئے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تبدیل آب و ہوا کی غرض سے ان کو اونٹوں کی چراگاہ میں بھیج دیا تو گوہر صبح ہو گئے تاہم مرتد ہو گئے، اسی طرح ایک بدو نے آکر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، لیکن سو اتفاق سے دوسرے دن بخار میں مبتلا ہوا تو اپنی بیعت توڑنی چاہی، آپ نے تین بار منع فرمایا، لیکن اس کے اصرار سے آخر بیعت فسخ کر دی اور فرمایا،

المدینۃ کالکیر تنفی خبثھا وتنصع طیبھا      مدینہ لگ بھٹی ہو جیس کو لگ کے دیتا ہوا، حقیقی جوہر کو خالص کر دیتا  
انہی اسباب کی بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ کے متعلق یہ دعا فرمائی،

اللھم حبیب الینا المدینۃ کجنا مکۃ      خداوند اکملہ کی طرح یا اس سے زیادہ ہمارے لیے مدینہ کو  
واشد، اللھم وحیھا وبارک لنا فیھا      محبوب بنادے، اسکو امراض سے صحت کر دے اس کے پیار  
وصاعھا وانقل حماھا فاجعلھا بابا جفۃ      میں برکت دے، اور اس کے بخار کو جفہ میں منتقل کر دے،  
قبائل کی خانہ جنگیان | اسلام کی اشاعت کا ایک بڑا مانع عرب کی باہمی خانہ جنگیان تھیں، جو عرب کے انھیں

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ و اصحابہ ذکر عبداللہ بن زبیرؓ صحیح بخاری کتاب المرضى و باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الاطباء  
۲۔ صحیح بخاری کتاب الحارین، ۳۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۵۳ کتاب الحج، فضائل مدینہ، و باب اعظام السنۃ ۴۔ صحیح بخاری باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الاطباء

قومی کا عنصرِ غمگین تھیں، یہ خانہ جنگیان ہزاروں برس سے چلی آتی تھیں، اور انکی وجہ سے قبائل میں ایسے نژاد ثابت الاساس انتہائی جذبات پیدا ہو گئے تھے جن کا منہ تو ربا محال تھا، انھی لڑائیوں نے نثار (انتقام خون) کی رسم پیدا کر دی تھی، جبکا ذکر اوپر گذر چکا ہے، یہ رسم ایسی سخت اور شدید الاثر تھی کہ ایک شخص کے خون کے لیے قبیلہ کا قبیلہ مٹ جاتا تھا، ہزاروں برس کے خون قومی قرض کی طرح باقی چلے آتے تھے جو درجِ جبر ہوتے رہتے تھے، اور بچہ بچہ کی زبان پر ہوتے تھے، جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ ہوش سنبھالنے کے وقت سب سے پہلے نثار کا لفظ سنتا تھا، یعنی خاندان میں فلاں شخص قتل کیا گیا ہے اور اس کے خون کا انتقام اب تک باقی ہے، اس لیے بچہ بچہ کا نصب العین ابتدائے زندگی سے یہی نثار ہوتا تھا،

اس بنا پر ایک شخص یا ایک خاندان جس خلوص اور عقیدت مندی کے ساتھ اسلام کی طرف جھکتا تھا، اسی زور اور قوت کے ساتھ دوسرا فرق اسلام کی مخالفت اور اس سے سرکشی پر آمادہ ہو جاتا تھا، مکہ میں اسلام کی مخالفت کا صرف یہی راز تھا، کہ خدا نے نبوت کے لیے ہاشم کا گھرانہ چن لیا تھا، بنو امیہ کی مخالفت اس کے لیے لاجالہ ہوتی تھی،

مدینہ میں اوس و خزرج دو قبیلے تھے، اسلام سے پہلے دونوں لڑ لڑ کر تھک گئے تھے، اسلام کی آواز آئی تو گو دونوں نے ایک ساتھ لبیک کہا، تاہم قبیلہ اوس کا ایک ایک فرد اگر بہت تن اخلاص و جوش تھا، تو خزرج میں بیسیوں منافق تھے، انتہا یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہجرت سے پہلے دونوں قبیلوں کی نماز کی ہمت کے لیے باہر سے ایک تیسرے قبیلہ کا آدمی بلوایا گیا تھا، کہ خدا کے سامنے بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے کھڑے ہونے سے عار تھا،

خزاعہ اور بنو بکر باہم شدید دشمن تھے، اور انہیں باہم پرانی عداوت چلی آتی تھی، مدینہ آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صلح کا پیام اور اسلام کی دعوت دی، خزاعہ نے اسلام کی دعوت قبول کی، اسکا لازمی نتیجہ اسے ابن ہشام ذکرِ جمعیتِ عقبہ،

یہ ہوا کہ بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے،

خوب غور کرو، انصار اسلام لاکر ہمہ تن نیکو کاری اور پاکیزہ نفسی کے پیکر بن گئے، لیکن ثار کے جذبات کس طرح آسانی سے دفعہ شتعل ہو جاتے تھے، ایک موقع پر ایک یہودی نے جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑ دیا، تو انصار کے دونوں قبیلوں (اوس اور خزرج) کی تلواریں میان سے نکل آئیں، اور بڑی مشکل سے آنحضرت صلیم نے اُنکے جوش کو فرو کیا،

حضرت عائشہؓ کے واقعہ افک میں جب آنحضرت صلیم نے منبر پر کھڑے ہو کر اسکی شکایت کی اور حضرت سعد بن معاذؓ نے کہا "یا رسول اللہ! اگر وہ (تہمت لگانے والا) ہمارے قبیلہ کا ہے تو میں اوسکی گردن اڑا دیتا ہوں، اور اگر ہمارے بھائی خزرج کے قبیلہ سے ہے تو آپ حکم دین، میں بجالاؤں گا۔" اس پر سعد بن عبادہ جو قبیلہ خزرج کے رئیس تھے، دفعہ کھڑے ہو گئے، اور کہا،

لذبت لعمر الله لا تقتله ولا تقدر علی قتله ولو كان من رهطك ما احببت ان يقتل  
خدا کی قسم، تو جھوٹ کہتا ہے، تو اوسکو نہ قتل کریگا، نہ کر سکتا ہے اور وہ شخص اگر تیرے قبیلہ کا ہوتا تو اوسکو قتل کیا جانا پسند نہ کرتا،

اس پر اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے، چنانچہ صحیح بخاری حدیث افک میں ہے،

فقال الحیان الاوس والخزرج حتی صعدوا ان یقتلوا، ورسول الله قائم علی المنبر،  
پس دونوں قبیلے اوس اور خزرج مشتعل ہو گئے، یہاں تک کہ دونوں کشت و خون پر آمادہ ہو گئے اور آنحضرت صلیم اُس وقت منبر پر کھڑے تھے،

۱۔ اصحابہ جلد ۱ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۸ مع صغیر طبرانی میں بھی ایک اور اسی قسم کا واقعہ مذکور ہے، معجم عبد اللہ، ۲۔ صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک،

ایک بار محکم بن جنامہ لیشی نے عہد اسلام میں قبیلہ بنی نضیح کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، آنحضرت صلیم کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، قبائل کے تعلقات کی بنا پر عیینہ نے مقتول اور اقرع بن حابس نے قاتل کی طرف سے وکالت کی، بات بڑھی، اور سخت شور و شغب ہوا، تو آپ نے عیینہ سے فرمایا "دیت کیوں نہیں قبول کر لیتے؟" اُس نے کہا "کی قسم اس وقت تک دیت نہ قبول کروں گا جب تک اس کی بی بیوں کو اس قدر نہ ستاؤں جس قدر اس نے ہمارے بی بیوں کو ستایا ہے" اس پر اور شور و غل ہوا، آپ نے پھر یہی الفاظ فرمائے اور عیینہ نے وہی پہلا جواب دیا، چونکہ یہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا، اور قتل کا یہ پہلا مقدمہ تھا، جو آنحضرت صلیم کی خدمت میں پیش ہوا تھا، اس لیے قبیلہ بنو لیشی کے ایک شخص نے جو مسلح کھڑا تھا، کہا کہ "ابتداءً اسلام میں اس واقعہ کی مثال بکری کے اُس ریوڑ کی سی ہے کہ اُس کے پہلے حصہ کو تیر مارا گیا، تو دوسرا بدک کے بھاگ گیا، یعنی اگر قاتل کے موافق فیصلہ کیا گیا تو لوگ سمجھیں گے کہ اسلام قصاص کو دیت سے بدل دینا چاہتا ہے اور چونکہ دلوں میں اب تک انتقام کے جذبات تازہ ہیں اور لوگ دیت لینا پسند نہیں کرتے اس لیے اُن کو اسلام کے قبول کرنے میں تاثر ہوگا، لیکن آنحضرت صلیم چونکہ سفر میں تھے، اس لیے دیت میں ۵۰ اونٹ اُسی وقت دیئے اور مدینہ پہنچ کر ۵ اونٹ کا وعدہ فرمایا، اہل عرب میں یہ جذبہ استقدر ترقی کر گیا تھا کہ گو اپنے فتح مکہ میں اس عام کی منادی کر دی، اور تلوار کے میان میں کر لینے کا حکم دیا، تاہم انتقام کا جوش اب تک تازہ تھا،

قبیلہ بنو لیشی کا ایک شخص اسلام لانے کی غرض سے آنحضرت صلیم کی خدمت میں جا رہا تھا، اس نے زمانہ جاہلیت میں قبیلہ خزاعہ کا کوئی جرم کیا تھا اور وہ لوگ انتقام کے لیے اُس کو ڈھونڈ رہے تھے، سو اتفاق سے وہ راہ میں مل گیا، اور اُن لوگوں نے اُس کو فوراً قتل کر دیا کہ اگر بارگاہ نبوت میں نہ پہنچتا تو پھر اس کا موقع تھا نہ آئیگا، آپ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سخت برہم ہوئے، ان لوگوں نے حضرت عمر، حضرت ابو بکر، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے سفارش کی درخواست کی، آنحضرت صلیم نے نماز کے بعد ایک خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ تھے،

لے ابو داؤد و جلیل صفحہ ۵۵ کتاب البیات،



مذہب نے مکہ کو دار الحرام بنایا ہے، آدمیوں نے نہیں بنایا ہے، خدا نے کل چند گھنٹوں کے لئے اُس کو میرے لیے حلال کر دیا تھا، لیکن آج اس کی قدیم حرمت دوبارہ لوٹ آئی ہے، اور خدا کے سب سے نافرمان بندے تین آدمی ہیں، ایک وہ جس نے حدودِ حرم میں کسی کو قتل کیا، دوسرا وہ جس نے اپنے قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو مار ڈالا، تیسرا وہ جس نے زمانہ جاہلیت کا انتقام لیا، تم نے جس شخص کو قتل کر ڈالا ہے میں اس کی دیت دوں گا۔

چنانچہ اپنے اس کی دیت ادا فرمائی،

بنو نعلبہ کے ایک آدمی نے جاہلیت میں اوس خرنسج کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا، بنو نعلبہ اسلام لا کر جب مدینہ آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، ایک انصاری بے اختیار چلا اوٹھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہمارے مجرم ہیں، ان سے قصاص دلو ایسے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے لاہیجی والد علی ولد لہ، یعنی لڑکے کے جرم کا بدلہ باپ سے نہیں لیا جائیگا، ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تارک کا جذبہ کس طرح رگ رگ میں سرایت کر گیا تھا، اور اس جذبہ کا مستقل ہو جانا کقدر آسان ہوتا تھا،

خانہ جنگیوں پر ختم نہیں، یوں بھی تمام قبائل رقیب اور حریف متقابل تھے، دو مختلف قبیلوں کے آدمیوں میں کسی ذاتی معاملہ پر بھی نزاع ہو جاتی تھی اور ان میں کوئی اپنے قبیلہ کا نام پکارتا تھا، تو قومی جنگ کا سامنا ہو جاتا تھا، ایک دفعہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مار دیا، انصاری نے یا لہ انصار (انصاری دہائی) پکارا، مہاجر نے بھی یا اللہ مہاجرین کا نعرہ مارا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، آپ نے نکل کر فرمایا کہ یہ کیا جہالت کی کچا مابال دعوی الجاہلیۃ، یہ کیا جہالت کا دعویٰ ہے،

لوگوں کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعلِ شیع کا سخت دشمن ہے اس لیے جب تک وہ اپنا انتقام نہ لے لیتے

۱۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۱، ۲۔ دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۳۰۸، ۳۔ صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۴۹۹، ذکر نبی دعوت جاہلیہ،

ان کو اسلام لانے میں تامل ہوتا تھا، عمرو بن ایش ایک صاحب تھے وہ آنحضرت صلیع کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام سے متاثر اور اس کے قبول کرنے کے لیے ہر طرح آمادہ تھے، لیکن ایک عائق تھا جو اس میں حائل تھا یعنی مازوہ جاتے تھے کہ اسلام لا کر اس خاندانی فرض کے ادا کرنے کی اونکو اجازت نہیں مل سکتی، ابن مندہ نے ان کے حال میں لکھا ہے،

وكان له تارفي الجاهلية وكراه ان يسلم  
ان كان اتقام زمانه جاهليت من باقى رويها تھا جب تک  
حتی یاخذہ،  
نہ لے لیں انھوں نے مسلمان ہونا پسند نہ کیا،

اسی طرح حضرت عمرو بن مالک جب آنحضرت صلیع کی خدمت میں اسلام لا کر اپنے قبیلہ میں پس گئے تو اسلام کی دعوت دی تو قبیلہ والوں نے کہا، بنو عقیل پر ہمارا نار (انتقام) باقی ہے وہ نے میں تو اسلام لائیں چھپا انھوں نے اسی وقت بنو عقیل پر جو مسلمان ہو چکے تھے حملہ کیا، اور اس فرض سے سبکدوش ہوئے،

سیاسی مشکلات | جہالت، وحشت، پابندی رسوم، آبائی اثر وغیرہ وغیرہ ان میں سے ایک چیز بھی مانع صلاح نہ ہوتی تاہم صرف سیاسی اسباب ایسے جمع تھے کہ قریش یا دیگر قبائل سب کبھی اسلام کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے، مکہ میں دو خاندان برابر کے رقیب تھے، امیہ اور ہاشم، اور آنحضرت کی بعثت سے پہلے امیہ کا پلڑہ بیچ علائکہ گران ہو چکا تھا، آنحضرت صلیع نے جب بعثت کا اظہار کیا، تو سب سے پہلے امیہ کے خاندان نے سرکشی کی اور سب تک یہی خاندان تھا، جو تمام لڑائیوں اور معرکہ آرائیوں کا علمبردار تھا، بنو امیہ کے بعد اور خاندان

تھے اور وہ بھی حرم کے مناصب دہ گانہ (رفادۃ وغیرہ) کے ممتاز حصہ دار تھے، ان میں سے ہر ایک دیکھ رہا تھا کہ اس جدید انقلاب میں ان فوائد اور امتیاز کا بالکل خاتمہ ہے، ابوہریرہ سے جب ایک شخص نے کہا کہ محمد کی دعوت اسلام کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اس نے صاف کہا کہ میں کیا کہوں، محمد کے خاندان نے عمرو شرف میں برتری کا دعویٰ کیا، اور ثبوت میں دعوتیں کھلائیں، اس کے جواب میں ہم نے

لے اسد الغابہ صفحہ ۸۰ جلد ۴، ۵ اصحابہ فی احوال الصحابہ ذکر عمرو بن مالک،

اسی شان کی دعوتیں دین، انھوں نے خون بہا دیئے، ہم نے بھی دیئے، انھوں نے زرباشیان کین، ہم نے بھی کین، ہم دونوں دوش بدوش ہو چکے تھے کہ دفعۃً اُن کی طرف سے یہ دعویٰ پیش ہوا کہ ہمارے خاندان نبوت اور آسمان سے وحی بھی آگئی، اب ہم کہاں تک برداشت کریں، خدا کی قسم ہم کبھی محمد پر ایمان نہیں لا سکتے، یہی ابوہل جب انصار کے ہات سے قتل ہوا تو اُس نے مرتے وقت حسرت سے کہا کہ کاش مجھ کو کاشنگاروں کے سوا کسی اور قوم نے قتل کیا ہوتا،

تھا۔  
خوب غور سے دیکھو بدر، اُحد، حمراء، الاسد، احزاب وغیرہ تمام لڑائیوں میں یہی اموی عنصر تھا جو کام کر رہا قریش کے قبیلہ سے باہر جو بڑے بڑے قبیلے تھے، مثل غطفان، اسد، وغیرہ وہ یا اہل مکہ ہی کے خاندان کی کوئی شاخ تھی یا قریش کے حلیف، ہم ہمد تھے، خیبر میں یہود تھے جو قوم کے کاٹ سے قریش سے الگ تھے لیکن تجارتی حیثیت سے تمام تر انہی کے زیر بار تھے، انہی سے قرض وام لیتے تھے، انہی کے ہاں مال متاع بہن رکھتے تھے، خیبر اور غطفان ایک مدت دراز سے باہم حلیف تھے، اس طرح مکہ سے لیکر خیبر اور نجد تک ایک سلسلہ اتحاد میں مربوط تھا،

کعبہ تمام عرب میں قبلہ گاہِ اعظم تھا، ہر سال تمام ملک حج کرنے کے لیے آتا تھا، اور آستانہ کعبہ پر چھڑکتا تھا، کعبہ کے مجاور معمولی پنڈوسے نہ تھے، بلکہ خیمہ و خرگاہ، تیغ و سپر، جاہ و خشم، غرض ریاست و مارت کے تمام سرور سامان رکھتے تھے، اس لیے تمام عرب میں اُن کی شنشنا ہی قائم تھی، یہی بات ہے کہ جب تک مکہ فتح نہیں ہوا، اسلام چین سے نہیں بڑھ سکا، لیکن اسلام کی مخالفت، صرف قریش کی متابعت پر محدود نہ تھی، بلکہ بڑا سبب یہ تھا کہ اسلام سے خاص قریش کو جو نقصان پہنچ سکتا تھا، براہِ راست وہی تمام روسائے قبائل کو پہنچتا تھا، عرب کا ملکی نظام یہ تھا کہ تمام ملک میں قبائل پھیلے ہوئے تھے، اور ہر قبیلہ کا ایک رئیسِ اعظم ہوتا تھا جو تمام قبیلہ پر حکمران ہوتا تھا، اور مالِ غنیمت سے چوتھ وصول کرتا تھا، جس کو مزیع کہتے تھے، اُس کے علاوہ غنیمت میں

سے ابن ہشام حصہ اول، مطبوعہ مصر، طبع اول، تصحیح بخاری واقعہ بدر، طبع طبری واقعہ خیبر

جو عورت، یا اور کوئی عمدہ چیز اس کو پسند آتی تھی اس کو چھانٹ لیتا تھا، اسکا نام صفی تھا، یہ گویا چھوٹی چھوٹی مچھوٹی مچھوٹی تھیں، جو تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھیں، یہ ریاست خاندانی اصول پر چلتی تھی، باپ کے مرنے کے بعد، بیٹا ریس منتخب ہوتا تھا، قبیلہ کے تمام معاملات، ذاتی نزاعیں، قصاص، یا خون بہا کے فیصلے سب، بیٹس کے ہاتھ فیصل ہوتے تھے، یہ رؤساء عام قوم سے بہت سے حقوق میں ممتاز ہوتے تھے،

قبائل میں یہی امتیاز مراتب تھا کہ جو قبائل زیادہ شریف مانے جاتے تھے، ان میں سے ایک ایک کو اگر کوئی دوسرا قبیلہ قتل کر دیتا تھا، تو اسکا خون دوسرے قبیلہ کے دو خون کے برابر سمجھا جاتا تھا، اور اس لیے ایک کے بدلہ میں دو کو قتل کرتے تھے، یہ امتیاز اور فرق مراتب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ جب غزوہ بدر میں قریش کی فوج میں سے عقبہ و شیبہ میدان میں آئے اور مبارز طلب ہوئے اور انصار ان کے مقابلہ کو نکلے تو عقبہ نے اس بنا پر ان کے مقابلہ سے انکار کر دیا کہ قریش اور انصار کا جوڑ نہیں،

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جبکہ بن الایم خاندان عثمان کا اخیر فرمانروا اسلام لایا، اور مکہ میں آیا، ایک لطواف میں اسکی چادر کسی شخص کے پانوں کے نیچے لگی، جبکہ نے اس کے گال پر تھپڑ کھینچ مارا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبکہ نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر شکایت کی، حضرت عمرؓ نے واقعہ سن کر کہا اس کا کیا تصور ہے، تم نے جو کیا اسکی جزا پائی، جبکہ نے کہا میرا یہ تہہ ہے کہ کوئی مجھے ہاتھ اٹھاتا تو قتل کر دیا جاتا، حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں زمانہ جاہلیت میں یہی قاعدہ تھا، لیکن اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا، جبکہ نے کہا جو مذہب شرفاء کو ذلیل کر دیتا ہے میں اس سے باز آتا ہوں، یہ کہہ چوری سے روم چلا گیا اور عیسائی ہو گیا،

عرب کا ہر رئیس قبیلہ درحقیقت چیلیم تھا اور اسلام قبول کرنے کے وقت اس کو یہی منظر نظر آتا تھا، اسلام ان تمام واقعات اور خصوصیات کو مٹاتا تھا، اس کے دربار میں شاہ و گدا، رئیس و عامی، شریف و حقیر کا ایک درجہ تھا، اس لیے عرب میں تمام رؤساء قبائل کو صاف نظر آتا تھا کہ اسلام کا پھیلنا، ان کے ہرقسم کے فخر و امتیاز کا مٹ جانا ہے،

عرب میں ایک دوسری حریف طاقت یہودیوں کی تھی، جو حجاز سے لیکر شام کے دروازوں تک پھیلے تھے، اُن کے ہاتھ میں بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے، فن جنگ سے واقف تھے، سامان و اسلحہ وافر رکھتے تھے، دولت کی بہتات تھی، باغون اور زمینوں پر اُن کا قبضہ تھا، عرب کے تمام مادی ذرائع معاش کے وہ تنہا اجارہ دار تھے پھر اسلام آیا تو اس طرح کہ اس نے یہودیوں کی ایک ایک برائی کو پشت از بام کیا، اور اُن کے مذہبی وقار کے کھوکھلا پن کو علی الاعلان ظاہر کیا، اس لیے انھیں صان نظر آتا تھا کہ یہ نئی طاقت ملک میں جبر پکڑ کر اون کو بیخ و بنیاد سے اڑکھاڑ دیگی، چنانچہ قرظیہ بنی قریظہ، بنی قریظہ، بنی قریظہ، اور شریب، خیبر، فدک، تیمار وادی القریٰ وغیرہ کے یہودی زمیندار، سوداگر، مہاجرین اور قلعہ نشین اُن سے چاہتے تھے کہ اس قوت کو کسی طرح ابھرنے نہ دیں اور آخر لڑائیاں پیش آئیں اور دین توحید کے مقابلہ میں اہل شرک کا ساتھ دیکر، خندق و احزاب و غطفان کے معرکے پیش کیے، عرب کے مختلف قبیلوں اور سرحدی صوبوں پر ایران اور روم کی سلطنتیں، فرمانروائی کرتی تھیں، عراق، یمن اور بحرین پر ایران کی حکومت تھی، اور حجاز کے شمالی حدود پر قیصر کا قبضہ تھا، عرب کے مختلف ہمسایہ قبیلے انھیں دو میں کسی ایک سلطنت کی حفاظت کا دم بھرتے تھے، اور یہ دونوں سلطنتیں اس بیچ کے سرحدی ملک کی ایک ایک حرکت اور جنبش پر نظر رکھتی تھیں، اس لیے اس ملک میں اتنی بڑی ایک عظیم الشان تحریک کا قوت پکڑنا اُن کو کسی پسند نہیں آسکتا تھا، اسی لیے عرب میں اسلام کی قوت کا ان کو جب احساس ہوا، تو انھوں نے اس کی دادرسی کرنی چاہی، کسراے ایران نے یمن کے اپنے ایرانی گورنر کو لکھا، کہ اس نے مدعی کو پکڑ کر ہمارے سامنے حاضر کرو، اور قیصر نے تو حکم کھلا حملہ کی تیاری ہی کر دی تھی، جس کے باعث تبوک کی فوج کشی ہوئی، اور آخر حضرت صلح کے بعد اسلام کو ان دونوں ہمسایہ طاقتوں سے نبرد آزما ہوتا پڑا،

ذریعہ معاش | اسلام لانے کا ایک بڑا مانع یہ تھا کہ عرب کا ذریعہ معاش عموماً قافلوں پر حملہ آوری اور سلب ہوا اور رہنری تھا، اوپر ہم امالی قالی سے نقل کر آئے ہیں کہ عرب کا ذریعہ معاش غارتگری تھا اور چونکہ حج کے چار مہینے تک جنگ و غارت سے باز رہنے میں اُن کے ذرائع معاش مسدود ہو جاتے تھے، اس ضرورت

وہ حج کے مہینوں کو بدل کر لیا کرتے تھے،

اندر ونی عرب تمام تر دشت و صحرا اور بالکل ویرانہ ہے، زراعت یا تجارت کی کوئی صورت نہیں، باوجود اس کے لاکھوں نفوس آباد ہیں، اس لیے اُن کو غارتگری کرنی پڑی اور امتدادِ زمانہ سے یہ عادت اُن میں رائج ہو گئی تھی، رفتہ رفتہ ٹھگی، رہزنی اور سرقت تمام ملک میں پھیل گیا تھا، یہاں تک کہ بڑے بڑے نامور شعراء چور اور رہزن ہوتے تھے،

اکثر بڑے بڑے جتھے اس لیے قائم ہوتے تھے کہ بنجارے جو ملک میں پھر کر قلعہ کی تجارت کرتے تھے انکو لوٹ لیا کریں، آنحضرت صلعم نے دو تہہ بجنڈل پر جو سرتیہ بھیجا تھا، اسی کے اندر ادنیٰ غرض سے بھیجا تھا، دو تہہ مدینہ منورہ سے پندرہ منزل کے فاصلہ پر ہے، تاہم یہ لوگ اس قدر فاصلہ سے خود مدینہ پر چھاپہ مارنے کی تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو خبر ہو گئی اور حفظِ مآثرِ مہم کے لیے خود وہاں تک گئے اور چند روز قیام کر کے اُن اطراف کا بندوبست کیا،

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اسلام لانے سے پہلے چند شخصوں کو قتل کر کے اُن کا مال چھین لیا تھا، چنانچہ جب اسلام لائے اور اس واقعہ کا اظہار کر کے لوٹ کا مال بھی آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ

اما لا سلام فاقبل واما المال فليست اسلام تو میں نے قبول کیا، لیکن مال سے مجھ کو کسی

منہ فی شئ، (صحیح بخاری کتاب الفروط ذکر صلح حدیبیہ) قسم کا واسطہ نہیں،

ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے، حدیثوں میں جو وارد ہے کہ آنحضرت صلعم اکثر سبعیت اسلام کے وقت جن باتوں کا اقرار لیتے تھے، ان میں ایک یہ بھی ہوتا تھا کہ چوری نہ کریں گے، اسکی یہی وجہ تھی کہ ان جرائم کا رواج تھا ورنہ آج اگر شرعاً سے بیعت کے وقت یہ اقرار لیا جائے تو لوگوں کو تعجب ہو گا کہ بیعت لینے کی کیا چیز ہے،

اسلام قبول کرنے کے ساتھ ان تمام جرائم سے توبہ کرنا ہوتا تھا، اس لیے عرب کو اسلام قبول کرنے کے وقت یہ نظر آتا تھا کہ وہ تمام ذرائع معاش سے مجبور ہو جاتے ہیں، وہ قافلوں پر حملہ نہیں کر سکتے کہیں ڈاکہ نہیں ڈال سکتے کسی کا مال نہیں چھین سکتے، تو اب ان کے لیے کیا باقی رہ جاتا ہے،

قریش خود رہن اور غار نگرنے تھے وہ شہر کی تمدن زندگی بسر کرتے تھے، تاہم دیگر اسباب کیساتھ ان کے اسلام نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بھی تھی، کہ قبول اسلام کا اثر ان کے وسائل معاش پر بھی پڑ سکتا تھا، قریش کا ذریعہ معاش صرف ان تجارتی تعلقات تک محدود تھا، جو انھوں نے باضابطہ طور پر دوسرے قبائل اور ممالک سے قائم کر رکھے تھے، اور یہ تمام قبائل اور ممالک مذہبی حیثیت سے اسلام کے دشمن اور حریف مقابل تھے، اس بنا پر قریش کو خوف تھا کہ اگر وہ اسلام کے حلقہ میں داخل ہو جائیں گے تو ذوق یہ تمام تجارتی تعلقات منقطع ہو جائیں گے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ الحجاب الصحیح لمن بدل دین المسیح (صفحہ ۳۸ جلد ۲) میں امام شافعی کی روایت سے لکھتے ہیں،

قال الشافعی کانت قریش تنساب الشام	امام شافعی کا بیان ہے، کہ قریش شام میں اکثر تجارتی
انتبیا بالکثیرا وکان کثیر من معائشہا	حیثیت سے آمد و رفت رکھتے تھے، اور ان کی معاش کا
منہ، و تاتی العراق، فیقال لما دخلت فی	تعلق زیادہ تر اسی سے تھا، اور اس غرض سے وہ عراق
الاسلام ذکر للنبی صلعم فیہا	میں بھی آتے جاتے تھے، تو کہا جاتا ہے کہ جب قریش
من انقطاع معائشہا بالتجارۃ من الشام	کے لوگ اسلام لائے تو آنحضرتؐ سے ان ذرائع معاش
والعراق اذا فارقت الکفر ودخلت فی	کے منقطع ہو جانے کا خوف ظاہر کیا، اور شام و عراق
الاسلام، وخلاف ملک الشام والعراق	بادشاہوں کی اس مخالفت کا ذکر کیا جو ان کو اہل اسلام
لا اهل الاسلام، فقال النبی صلی اللہ	کے ساتھ تھی، اس پر اپنے فرمایا کہ جب کسری ہلاک ہو جائے گا
علیہ وسلم اذا هلك کسری فلا کسری	تو پھر اس کے بعد دوسرا کسری نہ ہوگا، چنانچہ عراق
بعد فلا یبقی بارض العراق کسری یشیت	کسری کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، اور اپنے فرمایا کہ جب

لہ امر بعدہ اذ اہلک قیصر  
قیصر ہلاک ہو جائیگا، تو پھر دوسرے قیصر کا وجود نہ ہوگا چنانچہ  
فلا قیصر بعدہ فلم یکن بارض الشا  
ارض تمام مین پھر کوئی قیصر نہیں ہوا، جسکی وہاں حکومت ہو  
قیصر فاجا بہم علی ما قالوا،  
اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب اون کے

رفع شک | اس موقع پر ایک غلطی کا ذکر کرنا ضرور ہے، جو عام طور پر یورپ مین پھیلی ہوئی ہے، اہل مغرب  
کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی وجہ زیادہ تر یہ ہوئی کہ اس مین عرب کی ہر قسم کی خواہش ہائے نفسانی  
کے پورے کرنے کا سامان موجود تھا، عرب جنگ و جدل اور لوٹ مار کے شائق تھے، اسلام نے انھی چیز  
کو جہاد و غنیمت کی صورت مین بدل دیا، عرب سخت نفس پرست تھے اسلام نے چار بیویاں، اور غیر محدود  
لوٹ لیں کی اجازت دیدی، اہل عرب زاہدانہ زندگی سے بالکل آشنا نہ تھے، اسلام نے بھی رہبانیت کی  
تحقیق کی، اب کیا چیز تھی جو اہل عرب کو اسلام سے روک سکتی تھی،

لیکن یہ خیال تمام تر غلط ہے، جہاد اور تعدد ازواج اور سرکاری کی بحث کتاب کے دوسرے حصوں  
مین آگئی یہاں اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ جہاد یا تعدد ازواج جو کچھ بھی تھا قدیم آزادی سے کوئی نسبت  
نہیں رکھتا تھا، جہاد صرف کافروں سے جائز تھا، فرض کر دیا کہ قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تو اس پر کوئی  
شخص ہتھیار نہیں اٹھا سکتا تھا، اور اس کے مال و متاع سے تعرض نہیں کر سکتا تھا، لیکن قدیم رسم کے لحاظ  
سے اتحاد و مذہب کوئی روک نہ تھی، تمام قبائل بت پرستی مین متحد تھے، لیکن ہمیشہ ایک دوسرے کو ٹوٹتے رہتے  
تھے، جہاد کے لیے اور بہت سی پابندیاں تھیں جو پہلے بالکل نہ تھیں، جہاد مین صرف پاس پاس کے قبائل  
شریک ہوتے تھے، دور دور کے قبائل اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے، جہاد مین جو لوٹ لیاں گرفتار ہوتی  
تھیں، ان سے اس وقت تہ تیغ جائز ہوتا تھا، جب ایک مہینہ کی مدت گزر جائے یا اگر حاملہ ہے تو بچہ پیدا ہو چکا  
لیکن اسلام سے پہلے فتح کے ساتھ ہی عورتوں کو تصرف مین لے آتے تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے، پہلے  
کناح کے لیے تعداد کی کوئی قید نہ تھی ایک ساتھ آٹھ آٹھ دس دس شادیاں کرتے تھے اب چار کی قید ہو گئی



اور وہ بھی اس سخت شرط کے ساتھ کہ سب میں عدل و مساوات رہے، اس لیے یہ کہنا کہ اسلام عرب کے مرغوبات کو قائم رکھتا تھا تا مگر غلط ہے، برعکس اس کے عرب کی ایک ایک چیز و ایات قدیمہ، بھلا عادات، رسوم، نفس پرستی ہر چیز اسلام کے قبول کرنے کی مانع تھی،

ہر قوم پر جو چیز سے زیادہ سختی کے ساتھ حکمران ہے، وہ قدیم عادات اور رسوم اور خیالات ہیں، آج یورپ علوم و فنون اور آزادی خیال میں اس حد تک ترقی کر گیا ہے لیکن جو یہود و تعجب انگیز زمین پہلے قائم تھیں اب بھی قائم ہیں، یا تو توحید کی وجہ سے ان کی برائیاں سرے سے نظر ہی نہیں آتیں یا آتی ہیں تو ان کی حکومت کے مقابلہ میں آزادی خیال اور علوم و فنون سب عاجز ہو کر رہ جاتے ہیں،

عرب میں جب قدر رسمن قومی عاداتیں تھیں جو ان کی ہستی کی عناصر بن گئی تھیں، اسلام ایک ایک کا دشمن تھا، ثار، یعنی انتقام خون، عرب کے جذبات کا سب سے بڑا منظر تھا، اسلام نے اسکو بالکل مٹا دیا، خاندانی فخر و مباہات ان کی قومی زندگی کی روح تھی فنا کر دی گئی، ابوسفیان رئیس العرب کو بلالؓ (جو حبشی غلام تھے) کے ساتھ بٹھنا پڑا، یا تو قریش کو انصاف کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے بھی عار تھا، یا اب قریش کی لڑکیاں غلاموں کے (زید و سالم وغیرہ) گھر میں لگئیں، عکاظ وغیرہ کے میلے جہاں عرب سال کے سال جمع ہو کر اپنے مفاخر کی داستانیں سناتے تھے، سر دڑ گئے،

اسلام ایک طرف تو عرب کے تمام مفاخر کو خاک میں ملاتا تھا دوسری طرف خود اس میں ہولے نفس اور تفریح طبع کا کوئی سامان نہ تھا، اسلام قبول کرنے کیساتھ پانچ وقت کی نماز گلے کا ہار بن جاتی تھی، جو آزاد مزاجوں پر سخت گران تھی،

وَاتَّخَذَ الْكَبِيرَةُ الْأَعْلَى الْخَاشِعِينَ (بقمرہ ۵) اور وہ (نماز) خاشعین کے سوا، اور وہ پر یقیناً گران ہے،

روزہ یعنی تین دن تک متصل کھانا چھوڑ دینا کوئی آسان کام نہ تھا، زکوٰۃ ایسا سخت ٹکس تھا کہ محض اس کے ادا کرنے پر حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں عام بغاوت ہو گئی، صرف حج ایک ایسا فرض تھا جو بظاہر زندہ دلی کا

سامان رکھتا تھا، لیکن اب حج وہ جاہلیت کا حج نہیں رہا تھا، طوافِ عریان کی اجازت نہیں ہی، بڑی لچپی کی چیز بت تھے وہ ایک ایک کر کے حرم سے نکال دیئے گئے، مقامِ منیٰ میں خاندانی واقعات کی رجز خوانی کا جو طریقہ چلا آتا تھا بند کر دیا گیا، یہ فرائض اور اوامر کا حال تھا، اسی کے ساتھ محرمات اور نوہی کی وہ عالمگیری تھی کہ اُن کے جاہلانہ خیال کے مطابق زندگی، زندگی نہیں بلکہ زندانِ ننگی تھی، زنا حرام، شراب حرام، قمار حرام، سونا چاندی حرام، ظلس و حریر حرام، چنگ و عود حرام، تصویر حرام، پھر زندہ دلی اور لطیف زندگی کے لیے باقی کیا رہ جاتا ہے،

خوب غور سے دیکھو، تمام دیگر مذاہب نے عبادتوں میں بھی لچپی کا سامان رکھا ہے، عیسائیوں کی نماز گا کر ادا کی جاتی ہے، پارسیوں میں زمرہ ہوتا ہے، ہندو بھی عبادت کے وقت بھجن گاتے ہیں، اور سامنے دلفریبت ہوتے ہیں، لیکن اسلام میں بظاہر دلاؤیزی اور دلفریبی کی ایک چیز بھی نہیں،

مذکورہ بالا واقعات کی بنا پر یورپ کا یہ اعتراض کس قدر غلط اور تماشہ سہو پا ہے کہ اسلام اس لیے پھیلا کہ وہ نفس پرستی کی ترغیب دلاتا اور اس کے سامان مینا کرتا تھا،  
پھر کیا تھا؟ اس کا جواب آگے آتا ہے؟



# تبلیغِ نبویؐ

اور

## اُس کے اصول و اُس کی کامیابی کے سبب

تمام گذشتہ موافق، عوائق، مشکلات، اور دشواریوں کی دیواریں آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے ٹوٹی گئیں، اسلام پھیلا اور اس طرح پھیلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا کو چھوڑا، تو تمام عرب میں ایک بھی بت پرست نہ تھا، اس لیے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے اسباب کیا تھے؟ مخالفین کے نزدیک تو اس کا جواب صرف تلوار ہے، لیکن کار لا کے بقول نیتے اور یکہ دہنا اسلام کے ہاتھ میں یہ تلواریں تلوار کے زور سے آئی؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تلوار صرف اسلام کی تبلیغی دعوت تھی، اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں، اسلام کی اس طاقت کی تشریح کر دینا مناسب ہے،

فرضیت تبلیغ [تبلیغ کے لفظی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں، اور اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں، اُس کی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں اور ملکوں تک پہنچائیں، اور اُن کو اُس کے قبول کرنے کی دعوت دیں، قرآن پاک میں تبلیغ کے ہم معنی چند اور الفاظ بھی ہیں، جن میں سے ایک لفظ اُذکار ہے، جس کے معنی ہشیار اور آگاہ کرنے کے ہیں، دوسرا لفظ دَعْوۃ ہے جس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہیں اور تیسرا لفظ تَذْکیر ہے، جس کے معنی یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہیں، بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا میں دو قسم کے مذہب تھے، دو ایسے جو تبلیغی تھے، یعنی عیسائیت اور بودھ مت، باقی زیادہ تر ایسے ہی تھے جو تبلیغی نہیں، جیسے یہودیت، جوتھیت، ہندویت، جو دو تبلیغی سمجھے جاتے تھے، اُن کی نسبت یہ فیصلہ مشکوک ہے کہ آیا یہ تبلیغ

۱۷ ہیر و زاینڈ ہیر و در شپ رُخ

اُن کے اہل مذہب کا حکم تھا یا بعد کے پیروں کا عمل ہے؟ کیونکہ اُن کے مذہبی صحیفوں میں اس تعظیم دعوت کی کھلی ہوئی ہدایتیں اور اُن کے بانیوں کی زندگی میں اوکی علی مثالیں نہیں ملتی، تمام مذاہب میں صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے تبلیغ کی اہمیت کو سمجھا اور اُس کے متعلق اپنے صحیفہ میں کھلے احکام دیئے اور اُس کے داعی و حامل علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اوکی علی مثالیں پیش کیں،

جن مذہبوں نے تبلیغ کو اپنا اصول نہیں ٹھہرایا، اُن کے ایسا کرنے کی اصلی وجہیں دو ہیں، ایک یہ کہ اُن کے نزدیک اس حق کے قبول کرنے کی عزت کا استحقاق پیدائش سے حاصل ہوتا ہے، کوشش نہیں دوسرا سبب یہ ہے کہ جو حق اُن کے پاس ہے، وہ اُن کے نزدیک اتنا پاک و مقدس ہو کہ اوکی خاص پاک و بزرگ و محترم نسل قوم کے علاوہ، دوسری تمام قومیں جو ناپاک نجس و کتر ہیں، اُن تک اپنے پاک مذہب کو لیجانا، خود اُس مذہب کی پاکی کو صدمہ پہنچانا ہے، یہی سبب ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دفعہ جب ایک کنعانی (متی ۱۵) یا یونانی (مرقس ۷) عورت نے اُن سے برکت چاہی تو فرمایا: "میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھڑون کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" (متی ۱۵-۲۵) پھر فرمایا "مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی (یعنی اسرائیل کا مذہب) کتوں (غیر اسرائیلی قوموں) کو بھینک دین" (۲۷) پھر فرمایا "غیر قوموں کی طرف نہ جانا، اور سامریوں کے گھر میں داخل نہ ہونا، بلکہ پہلے اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھڑون کے پاس جاؤ، اور چلتے ہوئے منادی کرو" (متی ۱۰-۶) پھر ارشاد فرمایا "وہ چیز جو پاک ہے، کتوں کو مت دو، اور اپنے موتی سورون کے آگے نہ پھینکو" (متی ۷-۶) ہندوؤں نے اپنے مذہب کو تمام قوموں سے جو چھپا کر رکھا، اوسکا بھی یہی سبب تھا کہ وہ اپنا پاک مہرم چھپوٹوں اور اچھوتوں کو سکھا کر اوسکو ناپاک نہیں کرنا چاہتے تھے، یہودیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ نامختون اس نعمت کے اہل نہیں،

تبلیغ کی اہمیت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تمام قوموں کو برابری اور مساوات کی ایک ہی سطح پر لا کر کھڑا کیا، اور خدا کے پیغام کی منادی کا سب کو یکساں مستحق قرار دیا، اس لیے اپنی تبلیغ کے لیے قریش و غیر قریش، حجاز و یمن

عرب و عجم، ہند و روم کی شخصیں نہیں فرمائی، بلکہ دنیا کی ہر قوم، ہر زبان، اور ہر گوشہ میں صدائے الہی کا پہنچانا ضروری قرار دیا، ابتدائی وحی میں انجانوں کو ہشیار اور بخبروں کو آگاہ کرنا سب سے پہلا حکم تھا، **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ** (مدثر) ”اے چادر پوش! اٹھ کھڑا ہو، اور ہشیار و آگاہ کر“ پھر بار بار حکم ہوتا رہا کہ **يَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ جَوِيْرِي طَرِّ** اتار آگیا اوسکو اور تک پہنچا ”فادح و استغفر کما أمّرت“ (شعری) لوگوں کو دعوت دے اور مضبوط قائم رہ، جس طرح تجھے حکم دیا گیا ”فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَى“ (اعلیٰ) لوگوں کو نصیحت کر اگر نصیحت فائدہ مند ہو، **وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ** (ذاریات-۳) ”اور نصیحت کر کہ نصیحت اہل ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے“ **فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مِنْ بَيْنَاتٍ دَلِيلًا** (رق-۴) قرآن سے سمجھاؤ اوسکو جو میری دھکی سے ڈرتا ہو، اور ان کے علاوہ بیسیوں آیتوں میں اس فرض کی اہمیت ظاہر کی گئی، حضرت علیؓ سے آنحضرت صلیم نے فرمایا کہ ”اے علیؓ! تمہاری کوشش سے ایک آدمی کا بھی دین حق کو قبول کر لینا دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھ کر ہے۔“

اس سے زیادہ یہ کہ اسلام نے اپنے ہر پروردگار کی دعوت، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور تو اسی باقی یعنی باہم ایک دوسرے کو سچائی کی نصیحت کرنا، ضروری قرار دیا ہے، اور مسلمانوں کا یہ فرض بتایا ہے کہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تارکی سے نکالنے کی جدوجہد کریں،

آنحضرت صلیم کو حکم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے خطرات سے بے پروا ہو کر پیام الہی لوگوں تک پہنچائے، اور اگر ایمان نہ لایا تو رسالت کا فرض انجام نہ دیا،

**يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ** اے خدا کے پیغام پہنچانے والے، تیرے پروردگار کے

**وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ** **وَلَا تَكُنْ مِنَ الْكَافِرِينَ** **يَعِصُوكَ مِنَ النَّاسِ** (مائدہ-۱۰)

ایسا نہیں کیا تو تو نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا، اور تجھ کو خدا

اسی وصیت اس کے بعد اس فریضہ تبلیغ کی وسعت کی بحث ہے، پیغام الہی، سچائی کا ایک ہوتا چشمہ ہے، جو آستین

اہستہ قدرتی رفتار سے پہلے اپنی قریب کی زمین کو پھر آگے کو پھر اُس سے آگے کو سیر کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین کے کناروں تک پہنچ جاتا ہے، آنحضرت صلیم کو اس تسبیح کا حکم اسی تدبیر کے ساتھ ہوا، سب سے پہلے خاص اپنے گھر اور خاندان کے لوگوں کو سمجھانے کا حکم ہوا،

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (شعراء-۱۱) اور اپنے سب سے نزدیک کے اہل خاندان کو آگاہ و ہشیار کر،

اس کے بعد یہ دائرہ بڑھ کر شہر مکہ اور اُس کے اطراف کی آبادیوں تک پہنچتا ہے،

لَتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا (نساء-۱) تاکہ تو مکہ اور جو اُس کے آس پاس کے بدوی ہیں اور انکو

(شورہ-۱) آگاہ و ہشیار کرے،

تب تسبیح کا دائرہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور ہر زندہ روح یعنی سمجھ بوجھ، احساس و عقل وغیرہ حقیقی زندگی

کی علامتیں جسمیں جو ہوں اور اسکی مخاطب ہوتی ہے،

إِنْ هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ لِّیُنذِرَ (یوسف-۱) یہ قرآن تو صرف ایک نصیحت اور صاف صاف خدا کا

کلام ہے تاکہ وہ اسکو ہشیار کرے جو زندہ ہے،

پھر جس تک بھی وہ آواز پہنچ جائے سب سے اس کا خطاب ہے،

لَا تُنذِرُكَ رَبِّهِمْ وَمَنْ يَبْلُغْ (الغاشیہ-۱) تاکہ میں تمہیں آگاہ و ہشیار کر دوں اور انکو جس تک میری یہ آگاہی

(الغاشیہ-۱) و ہشیار کرنے والی آواز پہنچے،

پھر تمام انسانوں تک اسکی وسعت ہوتی ہے،

هَذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ (ابراہیم-۱) یہ قرآن تمام انسانوں کے لیے پیغام ہے،

آنحضرت صلیم کو خطاب ہوا،

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا حَافَّةً لِّلنَّاسِ لِنُنذِرَ (سبا-۱) اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا

وَذُنُوبُهُمْ (سبا-۱) اور ہشیار کرنے والا بنا کر بھیجا،



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں رہ کر مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو بیدار و ہشیار کیا، حج کے موسم میں عرب کے ایک ایک قبیلہ کو جا کر حق کا پیغام پہنچایا، اور اسی زمانہ میں یمن اور حبشہ تک اپنی آواز پہنچ گئی، اور لوگ تلاش حق کے لیے آپ کے پاس آئے، مدینہ منورہ آئے تو قریش کو برسوں تک دوسرے قبیلوں تک اسلام کے پہنچنے میں سدا رہا بنے رہے، پھر بھی مبلغ اور داعی بھیج بھیج کر قبیلوں تک آواز پہنچائی گئی، اور بالآخر قریش کے خلاف اس لیے تلوار اٹھائی گئی کہ اسلام کو تبلیغ کی پُر امن آزادی ملے، پھر برس کے جنگ و جدل کے بعد حدیبیہ میں قریش نے اسلام کے اس مطالبہ کو تسلیم کیا، اور تبلیغ کی آزادی عطا کی، قرآن نے اسلام کی اس اوحانی فتح کو فتحِ ممیز قرار دیا، اور اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا نازل ہوا، اس کے بعد ہی عرب اور بیرون عرب میں اسلام کے داعی، قاصد اور مبلغ بھیجے گئے، اور دنیا کے امراء اور سلاطین کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے گئے، اور عرب کے علاوہ ولیم، ایران، حبش اور روم کے طالب آئے، اور فیضانِ حق سے سیراب ہوئے، مشرکین عرب، یہود، عیسائی اور پارسی سب نے آپ کے زمانہ ہی میں آپ کے نور سے روشنی حاصل کی،

لیکن نفس تبلیغ کی فرضیت و اہمیت سے بھی زیادہ اہم چیز تبلیغ کے اہول ہیں،

تبلیغ کے اہول | یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو کسی سچائی کے قبول کی دعوت دینی چاہیے، دنیا میں پہلی دفعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا، وہ مذہب بھی جو تبلیغی ہونے کے دعویٰ رکھتے ہیں، انہیں کہہ سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کے لیے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے، لیکن صحیفہ محمدی نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروں کو یہ بتایا ہے کہ پیغامِ الہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کو قبولِ حق کی دعوت دیجائے،

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (نحلہ ۱۲۵) نصیحت کے ذریعہ سے بلا، اور ان سے مناظرہ کر،

ماہِ صَحیح مسلم باب صلح الحدیبیہ،



تبلیغ و دعوت کے یہ تین ہول مسلمانوں کو سکھائے گئے، عقل و حکمت، مو عطفہ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن  
 مسلمان مستحکموں نے بیان کیا ہے، کہ تبلیغ و دعوت کے یہ تین ہول وہی ہیں، جو منطقی استدلال میں عموماً کام میں  
 لائے جاتے ہیں، یعنی ایک تو پرہیزگار نیاں جنہیں یقینی مقدمات کے ذریعہ سے دعویٰ کے ثبوت پر دلیلین  
 لائی جاتی ہیں، دوسرے خطا بیات ہیں جنہیں مؤثر اور دلپذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے،  
 اور تیسرے جدلیات جنہیں مقبول عام اقوال اور فریقین میں مسلم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے، قرآن  
 پاک نے پہلے طریقہ کو حکمت، دوسرے کو مو عطفہ حسنہ، اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا ہے،  
 اور استدلال کے یہی وہ تین طریقے ہیں، جنہیں ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے،  
 خیر یہ تو فلسفیانہ نکتہ آفرینی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات پیش کر کے  
 اُس کے قبول کی دعوت دیتے ہیں، تو عموماً تین طریقے برتتے ہیں، یا تو اُس بات کے ثبوت اور تائید میں  
 کچھ دلنشین دلیلیں پیش کرتے ہیں، یا اُس کو مخلصانہ نصیحت کرتے ہیں، اور مؤثر انداز سے اسکو نیک و بد اور  
 نسیب و فرائض سے آگاہ کرتے ہیں، یا یہ کرتے ہیں کہ اوسکی دیلون کو مناسب طریقہ سے رو کر کے اوسکی غلطی کو اُس پر  
 واضح کرتے ہیں، پہلے طریقہ کا نام حکمت، دوسرے کا نام مو عطفہ حسنہ، اور تیسرے کا نام جدال بطریق  
 احسن ہے، تبلیغ و دعوت کے یہی تین طریقے اسلام نے بتائے ہیں۔

قولِ لیلین [حکیمانہ استدلال ہو، یا وعظ و نصیحت ہو، یا جدال و مناظرہ ہو، ضرورت یہ ہے کہ داعی نرمی و خیر خواہی سے  
 باتیں کرے، کہ سختی اور شدت کا طریق دوسرے کے دل میں نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور یہی  
 ہی اچھی اور سچی بات ہو لیکن اس قسم کے جذبات اوس کے قبول کی استعداد اُس سے سلب کر لیتے، اور سنتے  
 والے میں اپنی غلطی پر صند اور ہٹ پیدا کر دیتے ہیں، جس سے دعوت کا فائدہ اور نصیحت کا اثر باطل ہو جاتا ہے  
 اسی لیے قرآن پاک نے اپنے پیغمبروں کو اپنے مخالف سے مخالفت دشمن کو بھی نرمی ہی سے باتیں کرنے کی  
 تاکید کی ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو فرعون جیسے سرکش کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے

کی ہدایت ہوتی ہے، تو ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے،

إِذْ هَبَّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ، فَفُتُّ لَأَلَّهُ فُتًّا

لَيْسَ لَعَلَّهُ يَنْدَكِرُ وَيَخْشَىٰ، (طہ-۲) تو اس سے نرم گفتگو کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کر لیا (خدا) اور

دعوت و تبلیغ میں رفق نرمی اور لطف و تحمل کی تعلیم کی اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی کہ نہ کوئی داعی اور واعظ پیغمبروں سے بہتر ہو سکتا ہے، اور نہ فرعون سے بڑھ کر کوئی مجرم ہو سکتا ہے، پھر ایسے مجرم کے سامنے اس لطف و نرمی سے وعظ و نصیحت کی تعلیم جب پیغمبروں کو ہوتی ہے، تو عام داعی و مبلغ و واعظ کو عام مخالفین، مجرموں اور سرکشوں کے ساتھ بدرجہا زیادہ رفق و ملامت سے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے، اعراض اور قول بلیغ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافقوں کے بارہ میں جو آپ کی نافرمانی کے جرم کے ترکب ہوئے تھے، یہ حکم ہوتا ہے،

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي

الْأَنفُسِ قَوْلًا بَلِيغًا، (نساء-۹) ایسی بات کہ جو ان کے دلوں میں اثر کرے،

اس تعلیم میں تین ہدایتیں ہیں، اول یہ کہ دعوت و تبلیغ میں مخالفت کی بدستیزی، بدتمیزی، اور دشمنی کو دیر گذر اور برداشت کرنا چاہیے، دوسرے یہ کہ ان کو نصیحت کرنا اور سمجھانا چاہیے، اور تیسرے یہ کہ گفتگو کا وہ مؤثر طرز و انداز اختیار کرنا چاہیے جو دل میں گھر کرے،

تیسرے تشریح | انہیں ربانی ہدایتوں کی تعمیل میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابوسہلؓ کو مین اسلام کی دعوت و تبلیغ کیلئے متعین فرمایا، تو نصیحت کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی، ایترا ولا تقبیرا ویشرا ولا تنفرا، ”دین الہی کو آسان کر کے پیش کرنا، سخت بنا کر نہیں، لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا“ یہ وہ تبلیغی اصول ہیں جو ایک داعی و مبلغ کی کامیابی کی جان ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے، اور

صحابہ نے عام مسلمانوں کے سامنے اسی اصول کے مطابق دین الہی کو پیش کیا، اور کامیابی حاصل کی، دین کی جائز آسانی اور سہولت کو پیش کرنا اور اُس کو سخت، درشت اور مشکل نہ بنانا ہی اُس کے قبولِ عام کی راہ ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے لطف و شفقت، رحم و کرم اور مہر و محبت کی دلنوا صدائوں سے دلوں کو پر امید اور سرور بنانا اس سے بہتر ہے کہ بات بات پر خدا کی قہاری و جباری، اور ہیبت و جلال کا ذکر کر کے دلوں کو خوفزدہ اور مایوس بنایا جائے،

**تدریج** | تبلیغ کا ایک اور اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم فرمایا کہ کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ ایک دفعہ اُسکی گردن پر نہ ڈالا جائے، بلکہ رفتہ رفتہ وہ اُس کے سامنے پیش کئے جائیں پہلے توحید اور رسالت کو پیش کرنا چاہیے، اس کے بعد عبادات کو، عبادات میں بھی اہم پھر اہم کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے، عبادات میں سب سے اہم نماز ہے، پھر زکوٰۃ ہے، پھر دوسرے فرائض ہیں، حضرت معاذ بن جبلؓ کو مین بھیجے وقت اپنے فرمایا، تم یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے، تو اُن کو پہلے اُسکی دعوت دینا کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، اور محمدؐ اسکا رسول ہے، جب یہ مان لیں تو اُنکو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر دن رات پانچ وقت کی نمازین فرض کی ہیں، اور جب یہ بھی مان لیں تو اُنکو بتاؤ کہ خدا نے اُن پر صدقہ فرض کیا ہے، یہ صدقہ اُنکے دولت مند سے لیکر اُنکے غریبوں کو دیدیا جائے، جب یہ اسکو تسلیم کر لیں تو دیکھو صدقہ میں چن چکر اُنکے بڑھیا مال کو نہ لینا، اور ہاں مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا، کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

**تالیفِ قلب** | تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں اسلام نے ایک اور طریقہ کو بھی پیش کیا ہے، جسکو تالیفِ قلب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے وَالْمُؤَلَّفَاتِ قُلُوبُهُمْ (توبہ - ۸۰) اس کے لفظی معنی ہیں، دلوں کو ملانا، اور اس سے مقصود اُس شخص کے ساتھ جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو، لطف و محبت، امداد و اعانت، اور غمخواری و ہمدردی کرنا ہے، کیونکہ انسان طبعاً شریفانہ جذبات کا ممنون ہوتا ہے، اور یہ ممنونیت عناد اور ضد کے خیالات کو دور

کر کے قبولِ حق کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو اپنے اس اعجاز سے اسلام کا حلقہ بگوش بنالیا تھا، چنانچہ مکہ کے بعض رئیس اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اسلام لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی غنیمت کا سارا مال انھیں کو تقسیم کر دیا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ پھر حق کے خلاف اُن کی گردنیں نہ اٹھ سکیں، جو اسلام کے سخت مخالف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت بغض رکھتے تھے، وہ کہتے ہیں: ”مجبوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا جتنا دیا، اور مجھے اُن سے سخت بغض تھا، لیکن آپ کے ان احسانات نے مجھے ایسا متاثر کیا، کہ اب میری نگاہیں اُن سے زیادہ کوئی پیارا نہیں ہیں“ ایک دفعہ ایک بدو نے آکر کہا کہ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بکریوں کے جتنے روڑ ہیں، مجھ کو عنایت کیجئے، آپ نے اس کو وہ سب دیدئے، یہ فیاضی دیکھ کر ایسا اُس پر اثر پڑا کہ اس نے اپنے پورے قبیلہ کو آکر کہا: ”بھائیو! اسلام قبول کرو کہ محمدؐ اتنا دیتے ہیں کہ اُن کو اپنے فقر و افلاس کا ڈر ہی نہیں ہے“

ایک یہودی کا لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، وہ بیمار پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے نذر لے گئے اور جا کر اُس کے سرہانے بیٹھے، پھر فرمایا کہ لڑکے اسلام قبول کرے، اُس نے مستفسرانہ نگاہ سے باپ کی طرف دیکھا، اُس نے کہا ابو القاسم! اپنی کنیت کی بات مان لے، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھے تو زبانِ مبارک پر یہ فقرہ تھا کہ اُس خدا کی حمد جس نے اس کو دوزخ سے بچالیا۔

دعوتِ عقل | اسلام نے تبلیغ و دعوت کے جو اصول بتائے ہیں، اُن کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ ایک استدلالی اور عقلی مذہب ہو، کہ بغیر اس کے حکمت و دانشمندی، وعظ و نصیحت اور جدال و مناظرہ کی بنیاد قائم نہیں رہ سکتی، اس بنا پر مذاہبِ عالم کی تاریخ میں نبوتِ محمدیہؐ سے پہلی زبانِ آوارہ ہے، جس نے حاکمانہ قانون (توراة) یا صرف عقول کے الٹ پھیر (انجیل) یا راجاؤں کے احکام (وید) کے بجائے عقلِ انسانی کو مخاطب کیا، غور و فکر کی دعوت دی، فہم و تدبیر کا مطالبہ کیا، اُس نے اپنی ہر تعلیم کے ساتھ اپنی تعلیم کی خوبی، مصلحت اور حکمت خود ظاہر کی، اور باری خالقون کو آیاتِ الہی میں غور و فکر کی ہدایت کی، فرمایا،

۱۔ صحیح مسلم باب جودہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۰، مصر ۱۳۵۵ھ، ایضاً ۳۳ صحیح بخاری کتاب الجنائز،

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوا لَنَا  
 اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْصُمُونَ  
 قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (العامہ ۱۸)

نیز ارشاد ہوا،

لِيَهْلِكَ مَن هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَغِيٍّ مِّنْ  
 حَقٍّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (انفال)  
 غفلت شعار کافروں کی نسبت فرمایا،

وَكَآيِنٌ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
 يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ  
 (یوسف ۱۱)

غور و فکر کرنے والے اہل ایمان کی تعریف میں فرمایا،

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِلَافِ  
 اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولٰٓئِیْ لَا لَبَابٍ ۚ  
 يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبٍ  
 وَتَتَفَكَّرُوْنَ ۚ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
 رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۙ ه (ال عمران ۲۰)

اس سے زیادہ عقلی، اور علمی استدلال کی دعوت اور کیا ہوگی، مگر بہر حال یہ خارجی استدلال تھا، اندر  
 استدلال کی بھی اُس نے دعوت دی، فرمایا،

وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تَتَّبِعُوْنَ (ذاریات ۳)

اور خود تمہارے اندر نشانیاں ہیں، تم دیکھتے نہیں،

صحیفہ محمدی کی نسبت ہر جگہ یہ الفاظ فرمائے،

بَصِيرَةً وَذِكْرِي لِعَبْدٍ مِّنْ مَّنْ يُّنِيبُ (۱)

یہ بصیرت اور نصیحت ہی ہر رجوع ہونے والے بندہ کیلئے،

هَذَا الْبَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ (اعراف ۲۴)

یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرتیں ہیں،

هَذَا الْبَصَائِرُ لِلنَّاسِ (جاثیہ ۷)

یہ لوگوں کے لیے بصیرتیں ہیں،

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ (نساء ۱۱)

کیا یہ قرآن میں تذکرہ نہیں کرتے،

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَفَعَالُهَا (معد ۲۴) کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر انکے تاسے ہیں،

وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ (یس ۱)

حکمت والے قرآن کی قسم،

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ (یونس ۱)

چھکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں،

نہ صرف اسی قدر بلکہ خدا کا وجود، توحید، رسالت، قیامت، جزا و سزا، عبادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج

اخلاق وغیرہ ہر تعلیم کی تلقین کرتے وقت اُس نے اسکی صداقت کی عقلی دلیل پیش کی ہیں اور ہر مسئلہ کی

حکمتیں علی الاعلان ظاہر کی ہیں، آئینہ صفحہ میں ہر قدم پر اسکی دلیل آپکھین گئی،

مذہب میں زبردستی نہیں | آج یہ وہ حقیقت ہے جس کی صدا ہر دور و دیوار سے آتی ہے لیکن شاید لوگوں کو معلوم

نہیں کہ دنیا میں اس حقیقت کا اعلان سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان مبارک سے ہوا، اور ظاہر

ہے کہ جو مذہب اپنی اشاعت کے لیے صرف دعوت و تبلیغ کا راستہ رکھتا ہو جس نے اس کے اصول بتا

ہوں، جس نے عقل و بصیرت اور فہم و تدبر کا ہر معاملہ میں لوگوں سے مطالبہ کیا ہو، ہر قدم پر عقلی استدلال اور

مصلحت و حکمت کا اظہار کیا ہو، وہ کیونکر تہمید و اکراہ اور زور و زبردستی کے طریق کو اختیار کر سکتا تھا، اسلام نے

نہ صرف یہ کہ مذہب کی جبری اشاعت کو ناپسند کیا، بلکہ اسکا فلسفہ بتایا کہ مذہب زبردستی کی چیز نہیں، کہ اسلام

میں مذہب کا اولین جز ایمان ہے، ایمان یقین کا نام ہے، اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا

ایک ذرہ بھی بزور پیدا نہیں کر سکتی، بلکہ تیز سے تیز تلوار کی نوک بھی کسی لوحِ دل پر یقین کا کوئی حرف نقش

نہیں کر سکتی فرمایا:-

سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا دِينَ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ  
دین میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت گمراہی سے لگ  
مِنَ الْغَيِّ، (لقہ ۲۴-۲۵) ہو چکی،

یہ وہ عظیم الشان حقیقت ہے جس کی تلقین انسانوں کو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی  
دوسری جگہ فرمایا،

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ  
اور کہہ دے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے،  
وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ، (رکعت ۴) تو جو چاہے قبول کرے، اور جو چاہے انکار کرے،

ایمان اور کفران دو میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر کوئی زبردستی نہیں ہے، عقل و بصیرت والے  
اسے خود قبول کرینگے، اور نا فہم اس سے محروم رہیں گے، اسی لیے بار بار یہ واضح کیا گیا، کہ رسول کا کام لوگوں  
تک خدا کا پیام پہنچا دینا ہے، زبردستی منوانا نہیں۔

أَتَمَّا عَلَيَّ رَسُولُنَا الْبَلَّغُ الْمُبِينُ  
ہمارے رسول پر تو یہی فرض ہے کہ وہ صاف صاف  
(مائتہ ۱۲-۱۳) ہمارا پیام پہنچا دے،

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو قریش کے اعراض و مخالفت سے حد درجہ غمگین تھے، تسکین دیکٹی،

إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (شعری-۵)  
اے پیغمبر ترا فرض صرف پیام پہنچا دینا ہے،  
أَتَمَّا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّطٍ  
اے پیغمبر تو تو صرف نصیحت کرنے والا ہے، تو ان پر داروغہ  
(غاشیہ-۱) بنا کر نہیں بھیجا گیا،

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ  
پھر اگر وہ اسلام کی دعوت سے انکار کریں تو اے پیغمبر  
حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ  
ہم نے تجھ کو ان پر گناہگار بنا کر نہیں بھیجا، تیرے ذمہ  
صرف پیغام کا پہنچا دینا ہے، (شعری-۵)

کسی دین کو زبردستی پھیلانا اسلام کی نگاہ میں ایک ایسا فعل ہے جس سے رسول کی شان کو اُس نے  
بہت بلند سمجھا ہے، فرمایا،

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَهَبَّتْ مِنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا  
أَفَأَنْتَ تُنْكِرُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ  
(یونس ۱۰)

اور اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ (لوگوں کو زبردستی مومن بنائے)  
تو زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے، تو کیا اسے منکر  
تو لوگوں پر زبردستی کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں،

اسلام میں حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لیے لڑنا جائز ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مجبوراً لڑنا  
پڑا، اس سے مخالفین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائی صرف اس لیے تھی کہ اسلام کو تلوار کے زور سے لوگوں میں  
پھیلا یا جائے، حالانکہ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جہاں کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو،  
اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں کوئی واقعہ ایسا ہے، جہاں کسی کافر کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنایا  
گیا ہو، بلکہ اگر ہے تو یہ ہے،

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ  
حَتَّى يَمْلَأَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَا مَنَعَهُ  
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ (توبہ - ۱۷)

اور اگر (لڑائی میں) کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب  
ہو تو اس کو پناہ دے، یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام مٹے،  
پھر اس کو وہاں پہنچا دے جہاں وہ بخیر ہو، کچھ بے علم  
یہ نہیں کہا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو پناہ نہ دو، بلکہ یہ فرمایا کہ اس کو پناہ دیکر اس کو اس کی جانچنا

تک پہنچا دو،

حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک کی شرعی حیثیت، ظالموں کی حمایت، جلاوطنوں کے حق دلانے، حج کا راستہ کھولنے اور  
عقیدہ کی آزادی حاصل کرنے کے لیے تھی جیسا کہ اس کا مفصل بیان کتاب میں کمین آئیگا، قرآن کی اس آیت میں  
وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ  
الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الأنفال ۷)

اور ان کافروں سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے، اور دین  
پورا اللہ کے لیے ہو جائے،



”فتنہ“ سے مراد عقیدہ اور مذہب کی آزادی نہ ہونا ہے، حضرت ابن عمرؓ صحابہ کی خانہ جنگیوں میں شریک نہ تھے، ایک شخص نے ان سے اکر کہا کہ کیا خدا نے فتنہ کے مٹانے کے لیے لڑنے کا حکم نہیں دیا، اور اوپر کی آیت پیش کی، انھوں نے جواب دیا کہ ہم یہ فرض آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ادا کر چکے، جب مسلمان کم تھے، تو انسا اپنے دین کے سبب سے فتنہ میں مبتلا کیا جاتا تھا، یا اس کو لوگ مار ڈالتے تھے، یا قید کر لیتے تھے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، تو پھر فتنہ باقی نہ رہا۔

میدان جنگ میں تبلیغ | ناواقفوں نے ایک اور مسئلہ کی غلط تعبیر کی ہے، اسلام کی ان پسندی نے یہ قانون بڑا ہے، کہ اگر کسی مخالف قوم سے لڑائی آپڑے تو میدان جنگ میں پہنچو بھی صلح و شنتی کا خیال دور نہ کیا جائے، بلکہ تلوار کے فیصلہ سے پہلے دو باتیں ان کے سامنے پیش کرنی چاہئیں، اولیٰ یہ کہ تم بھی کلمہ شہادت پڑھا کر مسلمان ہو جاؤ اور لڑائی سے ہاتھ اٹھا کر ہمارے بھائی بن جاؤ، اگر ایسا کرو تو تم دین، حکومت اور عزت کے تمام حقوق میں ہمارے برابر ہو جاؤ گے، اگر یہ منظور نہ ہو تو اپنے مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کر لو، اس حالت میں تمہاری حفاظت کی ہر قسم کی ذمہ داری ہمارے سر ہوگی، اگر وہ ان دو میں سے کوئی بات قبول کر لیں تو ان سے لڑنا جائز نہیں، اسلام کی تاریخ میں ایسے کتنے منظر ہیں کہ کسی دشمن سے دشمن قوم نے اسلام یا محض اطاعت قبول کر لی ہے، اور غوریزی رک گئی ہے، اور لڑائی کا میدان، محبت و شنتی کی بزم بن گئی، اور،

یہ قانون جو سرتاپا ان پسندی، سلامت طلبی اور غوریزی سے بچنے کی آخری کوشش پر مبنی ہے، اس کو مخالفوں نے اس صورت میں پیش کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی تعلیم دی، آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ کسی فوج کو متعین کرتے تو اس کے سردار کو یہ ہدایت فرماتے،

”جب تو مشرکوں میں سے کسی دشمن قوم سے مقابل ہو تو او سکوت میں باتوں میں سے

کسی ایک بات کے قبول کرنے کی دعوت دے، ان میں سے جو بات بھی وہ مان لے

اوسکو قبول کرے اور اس پر حملہ کرنے سے رک جائے، اوسکو اسلام کی دعوت دے اگر وہ قبول کرے تو پھر اس سے رک جائے اس کے بعد اس سے خواہش کر کہ وہ مسلمانوں کے ملک میں آجائے تو اس کا وہی حق ہوگا جو مسلمانوں کا ہے، اگر وہ نہ مانے تو بدو مسلمانوں کی طرح ریگی، قانون اسپر مسلمانوں کا جاری ہوگا، لیکن غنیمت اور فی مین اوسکا حصہ نہ ہوگا، جنگ وہ جہاد میں شرکت نہ کرے، اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو اس کو جزیرہ دیکر ذی بنے کو کہہ اگر وہ اس کو مان لے تو اس سے بھی رک جائے، اگر وہ اسکو بھی نہ مانے تو پھر خدا کی مدد مانگ لے لڑائی شروع کر دے۔

یہ وہ اصول جنگ ہے جس سے خونریزی کی روک تھام مقصود تھی، نہ یہ کہ کسی کو مجبور کر کے بزدل و شمشیر مسلمان بنالینا صحابہ کرام کے زمانہ میں ایرانیوں سے جب لڑائی شروع ہوئی، تو مسلمانوں نے تین روز تک میدان جنگ میں تلوار نہیں اٹھائی حضرت سلمان فارسی تین روز تک ان کو سمجھاتے رہے، اور کہتے رہے کہ میں تمہاری قوم سے ہوں، لیکن دیکھتے ہو کہ عرب میرے زیر فرمان ہیں، اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ، تو تم کو بھی وہی حقوق ملین گے جو ہمارے ہیں، اور اگر تم اپنے ہی مذہب پر رہنا چاہو، تو جزیرہ دیکر رہ سکتے ہو، لیکن معلوم ہو کر رہو اس سے معلوم ہوا کہ جنگ جو دشمن کو بھی تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے سامنے دوسری راہیں بھی کھلی تھیں،

ثمامہ بن اثال قبیلہ بنی حنیفہ میں سے تھے، اور یامہ کے رئیس تھے اور قبیلہ ہے جو آخر تک سرکش رہا، اور اسی میں آنحضرت صلعم کے آخر زمانہ میں میلہ پیدا ہوا تھا، ثمامہ اتفاق سے مسلمانوں کے ایک لشکر کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے، اور لا کر مسجد نبوی کے کھمبے میں باندھ دئے گئے، آنحضرت صلعم نماز کے لیے تشریف لائے تو پوچھا کہ ثمامہ تمہاری کیا رائے ہے، جواب دیا محمد میری رائے اچھی ہے، اگر مجھے قتل کرو گے تو ایک خون واسے کو قتل کرو گے اور اگر

لے صحیح مسلم کتاب الجہاد و السیرۃ جامع ترمذی ابواب السیرۃ

احسان کر دے تو ایک شکر گزار پر احسان ہوگا، اور اگر زبردیہ چاہتے ہو تو مانگو جو مانگو گے دیا جائیگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا، پھر اسی طرح دوسرے دن سوال و جواب ہوا، پھر تیسرے دن ہوا، تیسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے کو چھوڑ دو، لوگوں نے کھل دیا، وہ اپنی کھل کر آزاد ہو گئے، مگر سچائی کی زنجیر ان کے پاؤں میں پڑ گئی۔ مسجد نبوی کے قریب ایک سیستان میں جا کر خود بخود غسل کیا، اور پھر مسجد میں اگر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے، کیا کسی گوز بردستی مسلمان بنانے کے لیے اس سے بہتر موقع ہو سکتا تھا؟ بدر کے قیدی گرفتار ہو کر آئے، لیکن انہیں کچھ نہیں کہا گیا، کہ تلوار یا اسلام، اسی طرح جنگ کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ رہا، قرآن پاک نے جنگ کے قیدیوں کے متعلق کہا، فَاِمَّا مَنَّا لَيَحْنَدُنَّ وَفَاِمَّا مَنَّا لَيَمُوتُنَّ وَفَاِمَّا مَنَّا لَيَحْيَيُنَّ (لڑائی ختم ہونے کے بعد ان قیدیوں کو احسان دھڑک چھوڑ دو، یا فدیہ لیکر چھوڑ دو، یہ ارشاد نہ ہوا کہ اسلام یا تلوار!)

غزوہ خیبر میں مسلمان روزانہ بعض قلعوں پر حملہ کرتے ہیں، اور ناکام رہتے ہیں، بالآخر شیر خدا علی مرتضیٰ کو حکم ہوتا ہے کہ فوج لیکر جاؤ، وہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ کیا میں ان سے لڑوں، یہاں تک کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں، فرمایا: آ، تنگی سے روانہ ہو یہاں تک کہ ان کے میدان میں پہنچ جاؤ، پھر ان کو اسلام کی طرف بلاؤ، اور ان کا جو حق ہو گا وہ ان کو بتاؤ، خدا کی قسم اگر ایک شخص کو بھی خدا تمہارے ذریعہ سے ہدایت دیدے تو اس سے بہتر ہے کہ تمہاری ملکیت میں سرخ اونٹ ہوں، چنانچہ خیبر کے یہود نے اسلام کا مذہب قبول نہیں کیا، لیکن اسلام کی حکومت قبول کر لی، اور مصاحبت ہو کر تلوار نیام میں کر لی گئی،

اسی طرح کسی مسلمان کے لیے کسی دوسرے مسلمان پر ہتھیار اٹھانا جائز نہیں، بلکہ کفر کا موجب ہے، کفار کو مسلمانوں کا یہ طرز عمل معلوم تھا، اکثر لڑائیوں میں جب مشرک حملہ آور اپنی کمزوری محسوس کرتا تھا، تو اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ توحید پڑھ دیتا تھا اور ایک پھرے ہوئے مسلمان کو مجبوراً اپنے غصہ کو ضبط کر کے ہاتھ روک لیستنا پڑتا تھا،

ایک دفعہ ایک صحابی نے پوچھا کہ اگر لڑائی میں میرا حریف اپنی تلوار سے میرا ہاتھ اور اڈے، اور جب میرے حملہ کی باری آئے تو درخت کی آڑ پر کر کے "میں مسلمان ہوتا ہوں تو اسے خدا کے رسول میں کیا کروں، اس کو قتل کرو؟" فرمایا نہیں اس کا قتل جائز نہیں، عرض کی یا رسول اللہ میرا ہاتھ اُس نے کاٹ ڈالا، فرمایا پھر بھی اس کا قتل جائز نہیں، کہ اگر تم نے اب اس کو قتل کیا تو وہ وہ ہو گیا جو تم اس کے قتل سے پہلے تھے، اور تم وہ ہو جاؤ گے جو وہ اس اقرارِ توحید سے پہلے تھا، حضرت اسامہ بن زید آپ کے بڑے چیتے خادم تھے، وہ ایک فوجی دستہ کے سپہ سالار بن کر ایک لڑائی میں بھیجے گئے، جب گھسان کارن پڑا، تو ایک کافر اونکی زمین آیا، انھوں نے حملہ کا قصد کیا تو وہ لا الہ الا اللہ پکارا اٹھا، ایک انصاری جو پہلے اُس پر چھپے تھے وہ تورک گئے، مگر اسامہ نے اُس کافر کے اس کلمہ پڑھنے کو اسکی جان بچانے کے فریب پر محمول کر کے، اسکا کچھ خیال نہ کیا، اور نیزہ سے اس کا کام تمام کر دیا، آنحضرت صلعم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اسامہ سے سخت آزر دہ ہوئے، اسامہ نے عرض کی یا رسول اللہ اُس نے صرف تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا، فرمایا، اور کتنا بیخ فقرہ فرمایا، اسے اسامہ تم نے کیا اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا، پھر برابر یہ فرماتے رہے، اسے اسامہ تم قیامت میں اوس کے لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے، اسامہ کہتے ہیں کہ مجھ کو اتنی ندامت تھی کہ میں نے دل میں آرزو کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا،

دیکھو کہ واقعہ کی تصویر کتنی الٹ دیکھی ہے، واقعہ تو یہ تھا کہ اپنی حملہ آورانہ لڑائی کے گھسان میں بعض کفار و مشرکین جن کو یہ معادوم تھا کہ کسی کلمہ کو کو مسلمان اپنے مذہب کے حکم بموجب قتل نہیں کرتے، وہ مسلمان کی زمین پڑتے تھے تو اپنی جان بچانے کے لیے فوراً کلمہ شہادت پڑھ دیتے تھے، اور بیان اس صورت میں کیا جاتا ہے کہ اسلام نے کفار کو تلوار کی نوک سے کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا، کیا یہ صداقت ہے؟

اسی طرح آنحضرت صلعم کا ایک اور اعلان ہے، جس کو اکثر غلط فہمی میں پیش کیا گیا ہے، آپ نے فرمایا امیر ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله، ترجمہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑائی

کروں، جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کریں، اور جب وہ اقرار کر لیں تو انھوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے بچا لیا، اور انکی نیت کی پریش خدا کا کام ہے۔ اس حدیث کا مقصد صرف اسی قدر ہے، کہ مسلمان سے لڑنا تو جائز نہیں لیکن کسی غیر مسلم قوم کو بھی لڑنا اسی وقت تک جائز ہے، جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کرے، اور جب اُس نے یہ لڑنا تو پھر اس سے بھی لڑنا روا نہیں، خواہ وہ حملہ کے ڈر سے لا الہ الا اللہ پڑھے، یا بچے دل سے اوسنے یہ قرار کیا ہو، لیکن تحقیق کہ کس نیت سے اس نے کلمہ پڑھا، انسان کا فرض نہیں، خدا کا ہے، یہ بالکل ایک مصالحانہ اعلان ہے، لیکن لوگ اس کو اس معنی میں پیش کرتے ہیں کہ گویا اسلام کا حکم یہ تھا کہ مسلمان دیوانہ وار تلوار لیے پھرتے اور جس کو پاتے اوسکو ڈرا دھکا کر کہتے کہ کلمہ پڑھو، ورنہ سر قلم کر دیں گے، غور کرو اگر یہ حکم ہوتا تو قیدی اقرار توحید کئے بغیر اس آسانی سے چھوڑے جاتے، اور ہاری ہوئی قوموں سے اسلام نہیں صرف چند درہم کا جزیہ لیکر انکو آزاد کر دیا جاتا، اور کیا مسلمانوں کو یہ اجازت ملتی کہ

وَاِنْ جَئْتُمْ اِلَیْہِمْ فَاُجِنِّہُمْ لَہُمْ (الانفال - ۸) اگر کفار کا محارب فرقہ صلح کیلئے بھگے تو تم بھی جھجکا

بلکہ اس کے بجائے یہ حکم ہوتا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اُن سے صلح نہ کرنا، اور نیز کیا مسلمانوں کو یہ حکم ہو سکتا تھا کہ

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاجِبٌ

حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللّٰہِ ثُمَّ اَبْلِغْہُ مَا مَنَہُ

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا یَعْلَمُوْنَ

اور اگر (لڑائی کے میدان میں) مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دے، یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سن لے، پھر اُسکو اوس کے ان کی جگہ پہنچا دے یہ اسلئے

(توبہ - ۱) کہ یہ بے علم لوگ ہیں،

بلکہ یہ ہوتا کہ پناہ ملنے اور کلام الہی سننے کے بعد وہ مسلمان نہ ہو تو اوسکو اوسکی امن کی جگہ پہنچانے کے بجائے اوسکو قتل کر کے جہنم میں پہنچا دو، مگر ایسا نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی امن پسندی اور رواداری کے مفہوم کو کس طرح الٹ کر بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ اسلام نے تو اُن مشرکوں سے بھی جو پناہ

شُرک و دوست قبیلہ کے دوست ہوں اور ہم سے صلح و دوستی سے رہنا چاہتے ہوں، لڑنے کو منع کیا ہے،  
 فَإِنْ اعْتَزَلْتُمْ كُمْ فَلَمْ يَتَلَقُوا كُمْ وَالْقُلُوبُ  
 إِلَيْكُمْ السَّلَامَ ۖ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ  
 ساٹھ صلح کی طرح دالین، تو اللہ نے تم کو ان پر حملہ  
 سَبِيلًا ه (نساء-۱۲) کرنے کی راہ نہیں دی،

یعنی پھر ان پر تلوار اٹھانا درست نہیں، حالانکہ اگر اسلام کی مذہبی جنگجوی کے وہی معنی ہوتے کہ یا تلوار  
 یا اسلام، تو کیا اس میں پسندی اس صلح جوی، اور اس ترک جنگ کی صورت ممکن ہو سکتی تھی؟  
 مسلح تبلیغی جماعتیں | غلط فہمی پھیلانے کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت کے لیے جو جاعتیں ملک میں بھیجی  
 جاتی تھیں وہ مسلح ہوتی تھیں لیکن حقیقت بھلا دی جاتی ہے، کہ یہ عرب کا واقعہ ہے، جہاں کوئی منظم اور باضابطہ  
 حکومت نہ تھی، جس پر تمام رعایا کی حفاظت کی ذمہ داری ہو، ایک ایک وادی میں ایک ایک قبیلہ اپنی اپنی  
 الگ ریاست قائم کئے ہوئے تھا، اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسرِ پیکار تھا، راستوں پر رہزنوں اور ڈاکوؤں  
 کا قبضہ تھا، جن سے اکا دکا آدمی کا صحیح و سالم بچنا ناممکن تھا، اسی لیے جب کہیں کوئی تبلیغی مہم بھیجی جاتی تھی تو  
 بد امنی کے ملک میں رہنے والوں کے عام دستور کے مطابق وہ اپنی ممکن حفاظت کے لیے مسلح جاتی تھی، او  
 اس بات کی دلیل کہ اس مسلح جماعت کا تبلیغ و دعوت کے سوا کوئی مقصد نہ تھا، اس سے ظاہر ہے کہ ان کی  
 تعداد تھوڑی ہوتی تھی جو فوجی حملہ کے لئے کبھی کافی نہیں ہو سکتی تھی،

غزوہ بدر کے بعد جب قریش کا زور ٹوٹ گیا، اور ملک میں اسلام بھی ایک قوت شمار ہونے لگا،  
 تو آنحضرت صلعم نے بعض بعض قبیلوں کی درخواست پر مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو تبلیغ و تعلیم کے لیے اُٹھ  
 اودھر بھیجا، تب بھی وہ اکثر راستہ میں جان سے ماری گئیں، واقعہ رجعین شرواعیہ کا مارا جانا، واقعہ  
 بئر معونہ میں چھ یا دس داعی مسلمانوں کا قتل ہونا، سریہ ابن ابی العوجاء میں پچاس مسلمانوں کی شہادت، واقعہ  
 ذاتِ اطلاق میں چوڑھ داعی مسلمانوں کا تیرون سے مارا جانا، عروہ بن مسعود ثقفی کا تیرون سے چھ جانا، اس

دعویٰ کی شہادت ہے،

تبلیغ و دعوت کی تنظیم | آنحضرت صلیم جب تک مکہ منظمہ میں تشریف فرما رہے، بنفس نفیس اس فرض کو انجام دیتے رہے ایک ایک کے پاس جاتے اور حق کا پیغام سناتے، شہر سے نکل کر مکہ کے اُس پاس جاتے اور آنے جانے والوں کو بشارت سناتے، مکہ سے نکل کر طائف گئے، اور وہاں بھی اپنا فرض ادا کیا، یہ بھی خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے اپنے آخری دین کا مرکز مکہ منظمہ کو قرار دیا، جو عرب کا مرکزی شہر تھا، اور حج کے موسم میں تمام قبیلے خود بہمان آجاتے تھے، آپ سالہا سال حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے، اور خدا کی دعوت پیش کرتے، اسی سالانہ تبلیغ سے اسلام کو وہ جماعت ہاتھ آئی جس کا نام انصار ہے،

الغرض ان تبلیغی سرگرمیوں سے مکہ میں سینکڑوں آدمی مسلمان ہو چکے تھے، مگر قریش کے ظلم سے وہ ایک چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور آنحضرت صلیم کے مشورہ سے وہ حبشہ کی طرف روانہ ہوئے، اس سفر کی مصلحت بھی عجیب و غریب تھی، ان مظلوم مسلمانوں کی ہجرت نے یہ موقع ہم پہنچا یا کہ وہ اس مسافرت میں جہان جہان سے گذرے اسلام کی آواز پہنچاتے گئے، اور اس طرح میں اور حبشہ دونوں ملکوں میں اسلام کی تحریک و ترقی ہوئی۔ مکہ میں آنحضرت صلیم کے بعد، عام مسلمانوں میں سب سے پہلے تبلیغ اور داعی حق حضرت ابو بکرؓ تھے، مکہ کے بہت سے معزز گھرانوں کے پرچوش نوجوان انھیں کی تبلیغ سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت ابو بکرؓ کو مشون سے دائرہ اسلام میں آئے، حضرت ابو بکرؓ کے بعد اسلام کے دوسرے تبلیغ حضرت مصعب بن عمیرؓ ہیں، جنکے مؤثر و عنطون کو سکر آنحضرت صلیم کی ہجرت سے پہلے ہی مدینہ کے گھرانے کے گھرانے توحید کے پرستار ہو گئے تھے،

مدینہ منورہ اگر اسلام نے امن امان کی سانس مکی لی، تو آنحضرت صلیم نے اُن نو مسلموں کی تعلیم کیلئے جو اطراف ملک سے دارالاسلام میں آتے تھے، نیز ملک کے مختلف گوشوں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک جماعت قائم کی، جس کا نام عام طور سے اصحاب صفہ (چوتراہ دالے) مشہور ہے، اس میں وقتاً فوقتاً سو سے زیادہ

اومی داخل تھے، یہ لوگ ملک میں اسلام کی دعوت کے لیے بھیجے جاتے، اور خود مسلمانوں کو تعلیم دیتے، سیرت میں شتر کے قریب جو داعی اور مبلغ راہ میں بیدروانہ قتل ہوئے تھے، وہ اسی جماعت کے ارکان تھے، ان کے علاوہ وہ اکابر صحابہ جو وقتاً فوقتاً مختلف ملکوں، بادشاہوں، قوموں اور قبیلوں میں اسلام کی دعوت لیکر پھیلے، احادیث و سیر کی کتابوں میں ان کے نام متفرق طور سے ملتے ہیں، میں نے تھوڑی سی کوشش سے اس قسم کے سنیٹس صحابیوں کے نام جمع کئے ہیں، جنہوں نے از خود یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے سے اس فرض کو انجام دیا، ان کے نام یہ ہیں، ابوذر غفاری، طفیل بن عمرو دوسی، جعفر لیثی، عمرو بن عبسہ سلمیٰ، بن ثعلبہ، خالد بن ولید، علی بن ابی طالب، ہاجر بن ابی امیہ، زیاد بن لبید، خالد بن سعید، ہدی بن حاتم، عمار بن حنظل، ابو موسیٰ اشعری، معاذ بن جبل، جریر بن عبد اللہ بخلی، وحیہ کلہبی، عمرو بن امیہ ضمری، مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن العاص، و بر بن نخس، عروہ بن مسعود ثقفی، عامر بن شمر، منذر بن حبان، ثمامہ بن اثال، مجہد بن سعید، احنف، ابو زید انصاری، عمرو بن مرہ، عیاش بن ربیع، حمزہ بن اسحق، عبد اللہ بن حذافہ سہمی، طب بن بلتعہ، سلیمان بن عمرو بن عبد شمس، شجاع بن وہب اسدی، انہین مہلثون اور داعیوں اور قاصدوں کی پکار تھی جس نے یمن، ہمامہ، بکرین، حجاز، نجد، پورے عرب کو بیدار کر دیا، اور عرب کے باہر ایران، شام، مصر، حبش ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچ گیا،

مہلثون کی تعلیم و تربیت | سیرۃ کی دوسری جلد کے آغاز میں اشاعت اسلام کی تاریخ اور دعاۃ مہلثین کی تعلیم و تربیت کا حال لکھا جا چکا ہے، سلسلہ بیان کے لیے یہاں صرف اس قدر کہنا ہے کہ ان کو سب سے پہلے قرآن پاک کی سورتیں یاد کرائی جاتی تھیں، لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کے ارشادات سننے کا موقع بھی ان کو ملتا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تبلیغ کا درس اولین قرآن اور صرف قرآن تھا،

دعوت بالقرآن | قرآن پاک اسلام کے دعویٰ اور دلیل دونوں کا مجموعہ ہے، اور وہی اس کے مذہب



کا صحیفہ ہے، خود آنحضرت صلعم اور دوسرے مبلغ صحابہ بھی تبلیغ و دعوت میں صرف قرآن کی سورتیں پڑھ کر سکتے تھے، اور جہاں ان کو اسکا موقع مل جاتا، وہاں اسکی تاثیر اپنا کام کر جاتی تھی، اور یہ فرض خود قرآن نے اپنا آپ قرار دیا تھا، اسکی تبلیغ کے لیے جہاد کی ضرورت تھی، مگر اس جہاد کا ہتھیار لوہے کی تلوار نہیں، بلکہ قرآن کی تلوار تھی، جسکی ضرب کی روک ڈھال اور سپر سے بھی ممکن نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اسی تلوار سے جہاد کا حکم دیا، فرمایا،

فَلَا تَطِيعُ الْكُفْرَيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا  
تو اے پیغمبر منکروں کا کمانہ مان، اور اس قرآن سے  
کسیڑا (فرقان ۵) ان کے ساتھ بڑے زور سے جہاد کر،

اس پیغام الہی کے زمین میں اترنے کی غرض ہی یہ تھی کہ وہ خدا کے بھولے ہوئے بندوں کو ان کا عہد یاد دلائے، فرمایا،

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَيْنِدْ  
تو اے پیغمبر ان کو جو میری دھکی سے ڈرتے ہوں قرآن کے  
(ق-۳) ذریعہ سے یاد دلا،

قرآن رحمت عالم کا پیام عمومی ہے، اور یہی اُس کے نزول کی غرض و غایت ہے، فرمایا،  
تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ  
برکت والا ہے۔ وہ جس نے حق و باطل میں امتیاز  
لیکھ دیا لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا  
بتائے دلی کتاب اپنے بندہ پر اس لیے اتاری تاکہ  
(فرقان ۱) تمام دنیا کو بیدار اور ہشیا کرے،

یہی قرآن اسلام کی طاقت اور محمد رسول اللہ صلعم کا اصلی ہتھیار تھا، جسکی کاٹ نے کبھی خطانہ کی، اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب | عرب میں صرف تین قومیں تھیں، جنکا اسلام لانا گویا تمام جزیرہ نمائے عرب کا اسلام لانا تھا، یعنی مشرکین، یہود اور نصاریٰ، مشرکین عرب کا مرکز خانہ کعبہ تھا اور ان کے مذہبی پیشوا قریش تھے، یہود کا صدر مقام مدینہ اور خیبر تھا، نصاریٰ اور مجوس شام اور یمن کے اطراف میں پھیلے تھے،

اس بنا پر لا قہب کا قہب کے کاٹ سے اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب یہ تھی کہ قریش اور کفار مکہ کو پہلے دعوت توحید یحیائی بھیجی ہو کہ جو حلقہ بگوش اسلام بنایا جاتا، انکو بے نصیب اور مجوس کو دعوت یحیائی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کیساتھ اسلام کی اشاعت کی، اور اسی بنا پر قرآن مجید کا طریقی دعوت مختلف نظر آتا ہے، تمام مکی سورتوں کے مخاطب کفار مکہ تھے، اس لیے اُن میں بت پرستی کی مذمت، توحید کی ترغیب، عجائب قدرت کا بیان عذاب الہی سے تحوّلین اور صنادید قریش کی مخالفت کے جواب کے سوا کچھ نہیں، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، تو یہود سے سابقہ پڑا، اور اب قرآن مجید کا طرز خطاب بدل گیا، چنانچہ ابتدائی مدنی سورتیں زیادہ تر یہود کی مذہبی تاسیخ، اُن کی تحریفات، اوکی اخلاقی کمزوریوں اور قصص بنی اسرائیل پر مشتمل ہیں، سب سے اخیر میں نصاریٰ کی باری آئی، اور فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کے دُفود کے سلسلہ میں ہجرت کے عیسائیوں کا دفن آیا، اسی زمانہ میں سورہ آل عمران نازل ہوئی، ہمیں نصاریٰ کا ذکر ہے،

مفسر  
مجوس عرب میں بہت کم تھے، بحرین اور یمن میں خال خال وہ پائے جاتے تھے، وہ بھی ایرانی النسل تھے، غاصب عرب نہ تھے، اس لیے قرآن مجید نے خاص طور پر کسی سورہ میں اُن کے ساتھ خطاب نہیں کیا ہے، البتہ جا بجا مناسب موقعوں پر اُن کا نام لیا ہے، اور اُن کے عقائد کی تردید کی اور اُن کو ثنویت یعنی دو خداؤں کی پرستش کے بجائے توحید کی دعوت دی ہے،

قبول اسلام کے لیے کیا چیز درکار تھی؟ اگرچہ یورپ کا یہ عام دعویٰ ہے کہ عرب میں اسلام صرف تلوار کے زور سے پھیلا، لیکن ابتداء میں جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو قبول کیا اُن کے اوصاف کے پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے، کہ اسلام اپنے لیے صرف اثر پذیر دل کا جو یاں تھا، اور جب یہ اشخاص مل جاتا تھا تو اُس کے سامنے یہ طائرِ قدس اپنے پروا لیتا تھا، چنانچہ ابتدائی بعثت میں جن اشخاص نے اسلام قبول کیا، وہ وہی تھے، جو نیک طبع، ایماندار راستی پسند اور حق جو تھے، اور جو نبوت کے اوصاف و خصائص سے واقف تھے، گزشتہ آسمانی مذاہب سے کچھ نہ کچھ آگاہ تھے اور معاشرت اور تمدن سے بہرہ ور تھے،

انشخاص کے علاوہ جن قبائل اور آبادیوں نے اسلام کے قبول کرنے میں پیشدستی کی وہ بھی وہی تھے جنہیں یہ خصوصیتیں پائی جاتی تھیں، عرب کے مختلف حصوں جنوبی و شمالی میں سب سے زیادہ اسلام کو کامیابی عرب کے جنوبی حصہ، یعنی مین، عمان، بحرین، یامامہ میں ہوئی، اور شمالی حصہ مین سے مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف میں ہوئی، کیونکہ وہ تمدنی حیثیت سے دنیا کی دو ممتاز تمدن قوموں ایرانیوں اور رومیوں سے متاثر تھے، اور مذہبی حیثیت سے یہودیوں اور عیسائیوں سے اُن کا میل جوں اور خلا ملا تھا، اہل مدینہ بھی یہودیوں کے تمدن و معاشرت، روایات اور رسم و رواج سے بہت کچھ متاثر تھے،

اسلام کو عربوں سے جب قدر لڑایاں پیش آئیں وہ سب نجد اور حجاز میں، لیکن مسلمانوں کی کوئی جرّار فوج مدینہ، مین، عمان، یامامہ اور بحرین کو فتح کرنے کے لیے نہیں بھیجی گئی، مدینہ نے خود مکہ میں آکر اسلام کو لبیک کہا، اطراف مدینہ کے قبائل مین غفار نے خود مکہ آکر قریش کی تلوار کی آگ میں کھڑے ہو کر لا الہ الا اللہ پڑھائیں سے دوس کے قبیلہ کے آدمیوں نے خود مکہ منظمہ پہنچ کر ایمان کی دولت حاصل کی، اور اُس کے دُرا نے اپنا قلعہ اسلام کی پناہ کے لیے پیش کیا، اشعر کا قبیلہ بھی اسی زمانہ میں غائبانہ مشرف بہ اسلام ہوا، ہمدان کا قبیلہ حضرت علیؑ کی دعوت پر ایک دن میں مسلمان ہو گیا،

عمان کا بھی یہی حال ہوا، وہاں بھی اسلام نے صرف اپنی تبلیغی کوششوں کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کیا ایک بار آپؐ نے عرب کے کسی قبیلے کے پاس ایک آدمی کو بھیجا، وہ لوگ اُس کے ساتھ سختی سے پیش آئے، اور اُس کو زود کو ب کی، اُس نے اکر آپؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر اہل عمان ہوتے تو تم کو نہ گالیاں دیتے نہ مارتے (مسلم فضائل اہل عمان)

یامامہ کے رئیس تمامہ قید ہو کر مدینہ آئے، یہاں آزاد کر دیئے گئے، مگر مدینہ کی مسجد میں جو جلوہ انھوں نے دیکھا، اپنی ظاہری مادی آزادی کے بعد بھی اسکی نورانی زنجیر سے انھوں نے رہائی نہ پائی، خود بخود مسلمان

۱۔ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۵ (صحیح علی شریط مسلم)

ہو گئے اور اپنے قبیلہ میں جا کر اسلام کے داعی بن گئے، اور آخر خون کا ایک قطرہ گرے بغیر اسلام نے وہاں اکثریت حاصل کر لی،

دیہاتوں میں سب سے پہلے قریہ جوائی نے صدائے توحید پر لبیک کہا جو مصافاتِ بحرین میں تھا اسی قریہ جوائی کے باشندے مسیح کو سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، چنانچہ مسجد نبوی کے بعد عرب کے دیہاتوں میں سب سے پہلا جمعہ اسی گائون میں پڑھا گیا، بارگاہِ نبوت میں عرب کے وفود اگر چہ فتح مکہ کے بعد حاضر ہوئے لیکن بحرین کے لوگوں نے اس میں تمام قبائل عرب پر پیش قدمی کی، چنانچہ سہ ماہ میں سب سے پہلا وفد جو انصارِ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ قبیلہ عبد القیس کا تھا، جو بحرین میں سکونت گزین تھا،

اہلِ مین کا شمار اگرچہ مہاجرینِ اولین میں نہیں کیا جاتا، لیکن جب آنحضرت صلعم کی ہجرت کا حال معلوم ہوا، اسی وقت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی مین سے ۵۲ آدمیوں کو بیکر مدینہ کی طرف ہجرت کی غرض سے روانہ ہو گئے، بحری سفر تھا وہ لوگ کشتی میں سوار ہوئے تو بادِ مخالف کے جھونکوں نے اسکو حبشہ میں پہنچا دیا جو مسلمانوں کا سب سے پہلا دارالہجرت تھا، وہاں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے ہم کو یہیں اقامت کا حکم دیا ہے، تم لوگوں کو بھی یہیں ٹھہر جانا چاہیے، چنانچہ وہ لوگ وہیں مقیم ہو گئے، اور مسیح خیر کے زمانے میں مہاجرینِ حبشہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حقیقت کہ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ جہالت اور وحشت اور اسکی اشاعت کی سب سے بڑی محرک تھیں، معاشرت اور اخلاق کی بلندی، اور کتبِ آسمانی اور دیگر مذاہب کے واقفیت تھی، خود قرآن مجید نے اس کو ظاہر کیا ہے،

اَلَا عَرَابٌ اشَدُّ كُفْرًا وَّلِيْلًا قَاوِمًا جِدًّا وِيَهَاتِيْ بُدُوِيْ كُفْرًا وَّلِيْلًا قَاوِمًا جِدًّا

اَلَا لَيْسَ لَكُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِيْ وَاَزِيْلًا قَاوِمًا جِدًّا

۱۔ صحیح بخاری، باب الحجۃ فی القری والمدن، ۲۔ صحیح مسلم کتاب الایمان ۳۔ صحیح مسلم فضائل جعفر بن ابی طالب و اسما بنت عیس،

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (توبہ ۱۲)

جو خدا نے اپنے رسول پر اتارا ہے، اور اللہ جانتا اور حکمت والا ہے

اور بھی اس قسم کی آیتیں ہیں، جو لوگ بادیہ سے آکر اسلام لائے تھے، اور کچھ مسائل سیکھ کر واپس چلے جاتے تھے، اُن سے جو بیعت لی جاتی تھی، اُنکا نام بیعتِ اعرابی تھا، جو کم درجہ سمجھی جاتی تھی، اس بنا پر بادیون میں الگ تھلک رہنا صحابہ کے زمانہ میں محبوب سمجھا جاتا تھا، بلکہ بعض لوگ اس کو ارتداد کی علامت سمجھتے تھے،

اشاعتِ اسلام کے سبب ذیل گزشتہ مباحث پر ایک غائر نظر ڈالنے کے بعد خود بخود یہ عقدہ کھل جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ حق کو عربوں میں کس طرح پھیلایا، اور آپ کو کون کون کا میاں بی ہوئی، تاہم اگر واقعات کی روشنی میں ایک ایک صحابی کے قبولِ اسلام کے اسباب کی تلاش کی جائے، تو حسب ذیل اسباب سامنے آئیں گے۔

۱۔ اسلام کے نشر و اشاعت کا سب سے مقدم اور اصلی سبب حجرۂ قرآنی تھا، قرآن مجید جس موثر اور دل کھپا دینے والے طریقہ سے عقائد و معارف و اخلاق کی تلقین کرتا تھا، اُس کے سامنے وہ تمام عوائق، اور موانع جو خدا ذکر اور پرہیزگاری کو جانتے تھے، جو لوگ سرے سے خدا کے وجود کے منکر تھے قرآن مجید ان کے سامنے عالم کی توسلونی، مظاہر قدرت کی بوجہی، کائنات کی نیرنگی، اجرام فلکی کی جلوہ گری، اُنکا صر کی نگار آرائی سے اس طرح استدلال کرتا تھا،

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَنَ اٰمَانًا  
ثُمَّ يَمِينُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْكُمْ  
تُرْجَعُونَ (نقشہ - ۲)

تم خدا کا انکار کس طرح کرتے ہو، حالانکہ تم کبھی بچان تھے،  
تو اُس نے تم کو زندگی بخشی، پھر ایک دن تم کو مردہ  
بنادیا، پھر زندہ کر دیا، اور پھر اُسی کے پاس واپس آئے جاؤ  
آسمان و زمین کی پیدائش میں شب و روز کے اختلا  
ف میں، اُن کشتیوں میں جو سمندر میں انسانوں کیلئے  
سو دمنہ چیزوں کو لیکر چلتی ہیں، بادیوں سے پانی

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَخِلَافَةِ  
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ  
بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ

لے جو مسلمان  
کتاب اللہ اور  
سین سنائی  
کتاب الیوم

مِنْهَا فَأَحْيَاهُ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ  
بَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ  
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ  
لَا يَتْلُوَنَّ الْقَوْمَ يَعْقِلُونَ

(بقرہ ۲۰۰)

بڑی نشانیاں ہیں،

وَلَهُ اسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ  
طُوعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ  
(ال عمران - ۹)

آسمان وزمین میں جو بھی ہے، برضا، یا مجبوراً اوسى کا  
اطاعت گزار ہے، اور اوسى کی طرف ایک دن  
سب لوٹاے جائیں گے،

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَخَلْقِ  
اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ  
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا  
وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ  
السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ  
هَذَا بَاطِلًا (ال عمران - ۲۰۰)

آسمان وزمین کی خلقت، اور شب وروز کے الٹ پھیر  
میں، اُن اربابِ عقل کے لیے بے شمار بڑی نشانیاں  
ہیں جو اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے (ہر حال میں) خدا کو یاد  
کرتے ہیں، اور آسمان وزمین کی خلقت پر غور کرتے  
ہیں، کہ خدا یا تو نے یہ بیکار پیدا نہیں کیا،

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّى  
إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرْتُمْ بِهِمْ بِرِجْ  
طَيْبَةٍ وَفَرِحْتُمْ بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عاصِفٌ  
وَجَاءَهُمْ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا  
أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ

وہ وہ ہے جو تم کو خشکی اور دریا میں سفر کراتا ہے، یہاں تک  
کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو، اور ہوا کشتی والوں کو خوب  
لیے جا رہی ہے اور لوگ خوش ہو رہے ہیں کہ (دفعہ)  
زور کا جھکڑ آیا اور ہر طرف سے موجیں اگئیں اور لوگوں کو  
یقین ہو چلا کہ اب وہ گھر گئے اُس وقت وہ خالص خدا

کو پکارنے لگے ہیں،

لَعَلَّ الَّذِينَ (یونس: ۳۰)

اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمہارے لئے تمہی

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ

سے جوڑے بنائے کہ تم کو ان سے تسلی ہو اور تم دونوں

أَزْوَاجًا لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ

میں باہمی محبت اور ہمدردی پیدا کی، اس بات میں سو

مَوْدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ

والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے

تَتَفَكَّرُونَ، وَمِنْ آيَاتِهِ خَلَقَ

آسمان اور زمین کا پیدا کرنا ہے، اور تمہاری زبانوں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَخَلَقَ السِّنِينَ

اور رنگوں کا مختلف ہونا، اس بات میں جاننے والوں

وَالْوَنَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالَمِينَ

کے لئے نشانیاں ہیں، اور خدا کی نشانیوں میں سے

وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

تمہاری رات اور دن میں سونا، اور خدا کے فضل (روزی)

وَأَتْبَعَاءُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ

کو ڈھونڈنا ہے، اس میں سے سننے والوں کے لئے

لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ،

نشانیاں ہیں،

(روم - ۳)

خدا یا ایک قوتِ اعظم کا اعتراف، خود انسان کی فطرت ہے، لیکن غفلت شکاری اور آبائی اثر  
اور دیگر اسباب سے یہ فطرت کبھی کبھی مردہ اور بے حس ہو جاتی ہے، قرآن مجید اسی خفتہ جس کو بیدار کرتا تھا

أَفِي اللَّهِ شَيْءٌ فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

کیا خدا میں شک ہے، جو آسمانوں اور زمین کا

(ابراہیم - ۲)

پیدا کرنے والا ہے،

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا

اور کیسے تم خدا کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے،

فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ

تو اس نے تم کو زندگی دی، پھر وہ تم کو موت دیکھا پھر

ثُمَّ إِلَيْكُمْ تُرْجَعُونَ

وہ تم کو زندہ کرے گا، پھر تم اوس کی طرف لوٹائے

(بقہ - ۳)

جاؤ گے،

عرب میں محمد کم تھے، زیادہ تر بلکہ قریباً تمام مشرکین تھے جو خدا کو اگرچہ مانتے تھے لیکن یہ بھی مانتے تھے کہ اس کے سوا اور بھی خدا ہیں جو خدا کے شریک ہیں اور نظام عالم انہی کے ہاتھ سے انجام پاتا ہے، انسان کی فطرت ہے کہ جس سے براہ راست اس کو کام پڑتا ہے، اُسکو زیادہ مانتا ہے، اُسی سے زیادہ محبت کرتا ہے، اُسی کی زیادہ پرستش کرتا ہے، چونکہ مشرکین کا اعتقاد تھا کہ بادلوں کی بارش غلہ کی پیداوار نباتات کی روئیدگی سب اجرام فلکی یا اصنام کا کام ہے، اس لیے اُن کو عبدیت کا جو کچھ تعلق تھا، انہی معبودوں سے تھا، وہ انہی کی عبادت کرتے تھے، انہی سے محبت رکھتے تھے، انہی پر نذر چڑھاتے تھے، انہی کے سامنے قربانیاں کرتے تھے، معرکوں میں انہی کے نام کی جے پکارتے تھے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی کام، اسی شرک اور اصنام پرستی کو مٹانا تھا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اصل وجود باری کے متعلق بہت کم استدلال ہے، زیادہ تر شرک کا ابطال اور اسکی تحقیر اور تہجین ہے،

قرآن مجید طرح طرح سے نہایت مؤثر پیرایوں میں شرک کی لغویت کا اظہار کرتا تھا،

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلْمًا	کیا وہ جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا، اور اس کے بیچ
الْأَنْهَارِ وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ	میں نہریں بہائیں اور اس کے لیے پہاڑوں کی
الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ اِنَّ مَعَ اللّٰهِ بَلَدًا كَثِيرًا	میںخین گاڑیں اور دونوں دریاؤں میں اوٹ رکھا
لَا يَعْلَمُونَ ؕ اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا	کیا خدا کیساتھ کوئی اور بھی خدا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے
دَعَاہُ وَيُكْسِفُ السُّوقَ وَيُجْعَلُ لَكُمْ خُلَفَاءَ	کہ ان میں اکثر لوگ جانتے نہیں، کیا وہ جو پریشان
اَلْاَرْضِ ؕ اِنَّ مَعَ اللّٰهِ قَلِيلًا مَّا تَدَّكَّرُوْا	خاطر دہن کی سنتا ہے، جب وہ اس کو پکارتے ہیں
اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمَاتٍ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	اور ہلا کو ہٹا دیتا ہے اور تم کو دنیا کا حکم ان بتاتا ہے
وَمَنْ يُرْسِلِ الرِّیْحَ بُشْرًا مِّمَّنْ يَدَّحِ	کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے، تم بہت کم
رَحْمَتِہٖ ؕ اِنَّ مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰی اللّٰہُ عَمَّا	سوچتے ہو، کیا وہ جو تم کو خشکی اور ترسی کی اندھیری



يُشْرِكُونَ، اَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ  
وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ عَالِمٌ  
مَعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَ كُفْرَانِكُمْ  
كُنْتُمْ صَادِقِينَ،

(نمل- ۵)

اور وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی  
دیتا ہو، کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے، تو کہدے کہ اگر سچے  
ہو تو دلیل لاؤ،

کفار اور مشرک عموماً قیامت کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ یعنی جب  
ہڈیاں سڑ گئیں حکیم تو اب کون اُن کو جلائیگا، قرآن مجید ان سے خطاب کرتا تھا،  
الْمَيْدُ نُطْفَةٌ مِّنْ مَّنِّ يُمْنِي، ثُمَّ كَانَتْ  
عَاقِلَةً فُلَاحِقَ فِسْقِي، فَجَعَلَ مِنْهُ الدَّجَجِينَ  
الَّذِي كَرَّوْا لَنَا، أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِيرٍ  
عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ، (قیامتہ- ۲)

غرض عقائد، عبادات، اخلاق، اعمال ہر چیز کو قرآن اس موثر اور دلنشین طریقہ سے ادا کرتا تھا کہ  
دل میں گھر کر جاتا تھا اور رسم و عادت کا بند اس سیلاب کو کسی طرح روک نہیں سکتا تھا، اس پر بھی جو کفر  
پر ثابت قدم رہے وہ ذاتی اغراض کا اثر تھا، حقیقی تجرد اور انکار نہ تھا،

تمام بڑے بڑے صحابہ بڑے بڑے رؤساء قبائل، بڑے بڑے شعراء اور خطباء قرآن ہی سن کر ایمان  
لائے، حضرت عمرؓ کس ارادہ سے چلے تھے، لیکن جب قرآن حمید کی آیتیں سنیں تو کانپ اُٹھے اور اسلام  
قبول کر لیا، عقبہ جو رئیس قریش اور علوم عرب کا ماہر تھا جب اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر

کہا کہ تم نبوت کی دعوت سے باز آؤ تم تمہارے لئے سب کچھ دیا کر دیتے ہیں، آپ نے حتم کی ابتدائی تین پڑھیں، جب یہ آیت آئی،

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً  
تُثَلِّصُ أَصَابِقَهُ عَادٍ وَتَنْصُودُ (ختمِ فصاحت)

تو اگر وہ منہ پھیرے تو کہہ دے کہ میں تم کو اس کڑا کڑا ہون جو عادی و نمود کی کڑا کڑا کی طرح ہے،

تو عقبہ نے بتایا ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر ہات رکھ دیا اور کہا خدا کے لئے ہیں، تم کو قرابت کی قسم

دلاتا ہوں، پھر واپس جا کر قریش سے کہہ دیا کہ تم جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شعر ہونہ جادو ہے، انہ

کہانت ہیں، (بلکہ کوئی اور چیز ہے) حضرت ابوذرؓ نے اسلام لانے سے پہلے اپنے بھائی انیس کو جو شاعر

عرب میں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحقیق حال کے لیے بھیجا تھا، وہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر

اور قرآن مجید سنا تو جا کر حضرت ابوذرؓ سے کہا کہ لوگ اُن کو کاہن اور شاعر کہتے ہیں، لیکن میں کاہنوں

اور شاعر، دونوں کے کلام سے واقف ہوں، ان کا کلام دونوں سے الگ ہے، انیس کے بعد حضرت

ابوذرؓ خود گئے، اور واپس آئے تو اُن کا آدھا قبیلہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا،

ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ) جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوا اور آپ نے یہ تین پڑھیں،

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايَ  
ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

خدا عدل کا، احسان کا اور رشتہ داروں کو عطا کرنے کا حکم دیتا ہے اور فحش سے، بری بات سے، اور ظلم سے

وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (فصل ۱۳)

منع کرتا ہے وہ تم کو سمجھاتا ہے کہ شاید تم سمجھ جاؤ، یہ تین پڑھیں،

ولید نے کہا پھر پڑھنا، آپ نے دوبارہ پڑھا، وہ واپس گیا اور قریش سے جا کر کہا کہ یہ انسان کا کلام

ﷺ علامہ ابن تیمیہ نے احباب الصحیح جلد ۴ صفحہ ۴۴ میں مسند ابوہریرہؓ وغیرہ سے یہ روایت نقل کی جو نیز یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے،

ﷺ صحیح مسلم فضائل حضرت ابوذرؓ ﷺ احباب الصحیح جلد ۴ صفحہ ۴۴ بحوالہ عبدالرزاق،

عثمان بن مظعون بڑے پایہ کے صحابی، اور سابقین اسلام میں ہیں، یہی آئین ہیں جنکو سکران کے دل نے سب سے پہلے اسلام کا جلوہ دکھا، وہ خانہ کعبہ کو جا رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں اپنے پاس بٹھالیا، پھر فرمایا کہ ابھی مجھ پر یہ کلام اترا ہے، یہ کلمہ آپ نے اور والی آئین پڑھیں، وہ کہتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام نے میرے دل میں گھر کیا،

جمیر بن مطعم نے کفر کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ طور پڑھتے سنا جب اس آیت پر پہنچے،  
 اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمْ الْخَالِقُونَ  
 اَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَا  
 يُوقِنُونَ، اَمْ عِنْدَ هُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ  
 اَمْ هُمْ الْمُصِيطِرُونَ، (طور ۲۰)

کیا یہ لوگ از خود پیدا ہو گئے، یا یہ خود خالق ہیں کیا  
 آسمان اور زمین کو انھیں لوگوں نے پیدا کیا بلکہ  
 (واقعہ یہ ہے کہ) ان کو ایمان نہیں، کیا ان کے  
 پاس خدا کے خزانے ہیں، کیا یہی لوگ سربراہ کار ہیں

تو خود جمیر کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اڑ چلا،

طفیل بن عمرو الدوسی مشہور شاعر اور شرفاء عرب میں تھے، ہجرت سے پہلے وہ مکہ گئے لوگوں کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو ان کے پاس گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا کہ ان کے پاس نہ جانا وہ لوگوں پر جادو کر دیتے ہیں، لیکن جب حرم میں اتفاقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن سنا تو ضبط نہ کر سکے اور سہل ہو گئے،

ہجرت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب طائف کا سفر کیا اور مشرکین کو اسلام کی دعوت دی، تو ان کے ادھر سے اس کا جواب ڈھیلا اور پتھر تھا تاہم خالد العدوانی نے جو طائف کے رہنے والے تھے آپ کو،  
 وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ، (طارق)  
 قسم ہے آسمان کی اور رات کے چلنے والے ستارہ کی

۱۔ مسند ابن جنبل جلد اول صفحہ ۳۱۸ و ادب المفرد امام بخاری، باب البغی ۱۱۱۱ صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ طور ۱۱۱۱ ان کے اسلام کا حال ابن القیم ذرا المعاد نے تفصیل لکھا جو ادب ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مسند ابن جنبل جلد اول صفحہ ۳۱۵،

پڑھتے سنا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اسی حالت کفر میں پوری سورہ یاد کر لی، اور آخر اسلام لائے۔  
حضرت ابو بکر کو قیام مکہ کے زمانہ میں بعض تشریکین نے اپنی مین لے لیا تھا اس زمانہ میں حضرت معصوم نے ایک مسجد بنوائی تھی اور اس میں نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن نماز بہت کم آواز سے پڑھتے تھے، آواز سن کر محلہ کے نوجوان اور عورتیں جمع ہو جاتیں، اور قرآن سنتیں تو ان کا دل خود بخود اسلام کی طرف کھینچتا، چنانچہ اسی بنا پر کفار نے حضرت ابو بکرؓ سے شکایت کی کہ تم آج پکار کر پڑھا کر دو، اس سے ہمارے بچے اور عورتیں مفتون ہوتی جاتی ہیں، انصار اذول اول جب مقام عقبہ میں اسلام لائے تو قرآن ہی سن کر لائے تھے، جو لوگ داعی بنا کر بھیجے جاتے ان کو قرآن یاد کرایا جاتا اور وہ جہان جاتے ہی کارگر آلائے بغیر نیکر جاتے، نجاشی کے دربار میں کفار قریش جب سفیر بنکر گئے اور ان کی شکایت کہ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر باز پرس کی تو حضرت جعفر طیارؓ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں، نجاشی بے اختیار رڑوا اور کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل ایک ہی چشمہ سے نکلے ہیں۔

جشن میں جب آپ کی بدست کا چرچا ہوا تو ہنس شخص جو مذہباً عیسائی تھے تحقیق حال کے لیے کہ میں آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پڑھیں، ان کی آنکھوں نے ہمتاً آنسو جاری ہو گئے اور اسی وقت اسلام لائے، انھیں حضرت صلعم کے پاس سے یہ لوگ اٹھے تو ابو جہل نے ان سے ملکر کہا تم سخت احمق ہو اتنے دور سے سفر کر کے آئے اور دم بھر میں اپنا مذہب بدل لیا، انھوں نے کہا ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے، لَکُم دِیْنُکُمْ وَلَنَا دِیْنُنَا۔

قرآن کی پیشینگوئیوں کی صداقت نے بھی لوگوں کے دلوں کو کھینچا، چنانچہ اہل ایران کے مقابلہ میں یونان کی فتح کی جو پیشینگوئی کی تھی جس دن یہ پیشینگوئی حرت بکرت پوری ہوئی، صد ہا کافر مسلمان تھے، ایک ضروری نکتہ عام خیال یہ ہے کہ اہل عرب جو قرآن مجید سن کر اسلام قبول کر لیتے تھے صرف فصاحت و بلاغت

۱۵ مسند ابن خنسل جلد ۱ صفحہ ۲۲۵ بخاری شریف ذکر ہجرت، ۱۶ مسند ابن خنسل جلد ۱ صفحہ ۲۹۱، ۱۷ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ مصر ذکر ہجرت جشن، ۱۸ صحیح ترمذی تفسیر سورہ روم

کی بنا پر یعنی چونکہ عرب میں شعر و خطابت کا بہت چرچا تھا، اور تمام ملک میں شاعری کا مذاق سراپت کر گیا تھا، اس لیے جب وہ دیکھتے تھے کہ اور کسی شاعر یا خطیب کا کلام ایسا فصیح و بلیغ نہیں ہے تو وہ اسلام قبول کر لیتے۔ بے شبہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے عجیب ہے، لیکن اسکا اعجاز جس قدر عبارت و انشائیں ہیں اس سے زیادہ معنی و مطالب میں ہے،

فرض کرو کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایسا ہی معجز ہوتا جیسا اب ہے لیکن اس میں صرف تاریخی واقعات یا اسی فہم کی اور کوئی بات ہوتی تو کیا یہی اثر پیدا ہو سکتا تھا، قرآن مجید ایک طرف تو فصاحت و بلاغت کے بنا پر اعجاز کا کام دیتا تھا، دوسری طرف جو مطالب اور مقاصد ادا کرتا تھا وہ اسلام ہی کے مقاصد اور مطالب تھے، وہ خدا کی عظمت، جلال، احسان کی تحقیر، انسان کا عجز و تعبد، سزا و جزا، بعث و نشر، جو ر و ظلم کی تفسیر، اخلاق حسنہ کی تحسین، ان مطالب کو اس طرح ادا کرتا تھا کہ خود بخود دل میں گھر کرتے جاتے تھے، اور ان کو یہ نظر نہیں آتا تھا کہ وہ ان باتوں کو اس لیے مان رہے ہیں کہ مسلمان ہو چکے ہیں، بلکہ یہ باتیں براہ راست ان کے دل میں اتر جاتی تھیں اور وہ مسلمان ہوتے جاتے تھے،

موانع کا ازالہ عجب کو جو چیزیں اسلام سے روکتی تھیں ان میں سب سے اہم (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) ان کے اٹال و اعتقادات باطلہ تھے، جو سیکڑوں ہزاروں برس سے چلے آتے تھے، یا سیاسی و معاشی ضرورتیں تھیں، مقدمہ لڈکر باتوں کا قرآن مجید اور اعجاز نبوی نے استیصال کر دیا، عرب میں جو لوگ صاحب فہم اور ذی اثر تھے اور سیاسی اثر سے مجبور نہ تھے، یہ ناکمل تھے کہ وہ قرآن سنتے اور ان کے تمام عقائد اور اہام دفعہ فنانہ ہو جاتے، یہ ارباب اثر جب خود متاثر ہو جاتے تھے تو ان میں سے ایک ایک شخص کے اثر سے ہزاروں مسلمان ہو جاتے تھے، کیونکہ قبائل پرستی کی بنا پر قبیلہ کا ایک معزز اور رئیس اپنے پورے قبیلہ کے دل و دماغ کا مالک تھا،

البتہ جو لوگ سیاسی اسباب سے مطلقاً دعوت اسلام کی طرف متوجہ ہی ہونا نہیں چاہتے تھے، انھوں نے بار بار وار الہند (مدینہ منورہ) پر چڑھائیاں کیں، لیکن نصرت ایزدی نے ان کو اس قدر شکستیں دیں کہ بالآخر

مجبور ہو کر بیٹھ گئے، ان میں سے کچھ قتل ہو گئے، کچھ چارنا چار اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے جنہیں سے اکثر رفتہ رفتہ باطن  
دل سے مسلمان بن گئے،

قبائل کی ریاست سیاسی حیثیت سے گو اسلام کے مخالف تھی، لیکن بعض وجوہ سے اسلام کو تائید بھی پہنچاتی  
تھی، اسلام کی جہوریت جس قدر ریاست کی مخالف تھی، اسی قدر عام جماعت کی حامی تھی، اسلام سے اگر ایک رئیس  
کی شان ریاست وغیرہ کو نقصان پہنچاتا تھا، تو ہزاروں آدمیوں کو نظر آتا تھا کہ اسلام قبول کر لینے سے ہر شخص  
رئیس کا ہمسرہ ہو جاتا ہے، غرض اسلام اگر ایک رئیس کو مٹاتا تھا تو سینکڑوں کو رئیس بنا دیتا تھا،

اس کے ساتھ روم کی ریاست بالکل زائل نہیں ہو جاتی تھی، بلکہ اسلام قبول کرنے پر وہ اپنے قبیلہ کے رئیس  
باقی رہتے تھے، صرف اتنا ہوتا تھا کہ ان کی بے قید مطلق العنانی قائم نہیں رہتی تھی، اور اسلامی احکام کا پابند رہنا  
پڑتا تھا، اس لیے اگر کوئی خود غرضی بھی کرنا چاہتا تھا تو اس کو بھی یہ سودا اگر ان نہیں پڑتا تھا، مولفہ القلوب کا گروہ  
اس کی ایک صحرکی نظیر تھا،

اب صرف معاش کی ضرورت سدراہ ہو سکتی تھی، لیکن لوگوں کو نظر آتا تھا کہ جن حدود میں اسلام کی حکومت  
قائم ہو جاتی ہے، وہاں امن و امان قائم ہونے کی وجہ سے تجارت اور دیگر ذرائع معاش کثرت سے ترقی کر جاتے  
۲۔ نبوت کے متعلق ان کو جو شکوک تھے مشاہدہ اور تجربہ نے ان کا پردہ چاک کر دیا، بڑی سے بڑی انتہا  
اور پاک سے پاک زندگی کا جو خیال ایک انسان کے ذہن میں آ سکتا تھا، محمد رسول اللہ کی زندگی اس سے  
بھی بدرجہا بالاتر اور ارفع تھی، ان کو نظر آتا تھا کہ گو مدعی نبوت بظاہر جاہل بشریت میں ہے، لیکن اپنی مغوی زندگی  
اپنے معجزانہ اخلاق، اپنے مافوق الفطرت علم و معرفت، اپنے ربانی کرموں کی بنا پر بشریت سے کوئی بالاتر مخلوق  
ہے، مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ قرآن مجید نے آنحضرت صلیم کے صدق نبوت پر اسی مقدس  
اور معصوم زندگی سے استدلال کیا ہے،

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

اے قریش! نبوت سے پہلے بھی میں نے تم میں ایک

زندگی کا یہی اعجاز تھا جس نے ظہورِ نبوت سے پہلے ہی امین کا خطاب اپنے لیے حاصل کر لیا تھا، نبوی کے برابر انسان کے اصلی حالات و اخلاق کا و افکار کوئی اور نہیں، نبوتِ محمدی کا مستقدا ولین دنیا میں کون تھا ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد لیکن اُن کی اس زود اعتقادی کاراز کیا تھا، ۵ برس کے پھر انہ اخلاق اور ذوق الفطرۃ اوصاف و حالات کا تجربہ بادہ خود پیغمبر کو خطاب کر کے نبوت کی تسکین ان الفاظ میں دیتی ہیں، ”محمد خدا تمہی تمہیں رسوا نہ کرے گا، تم رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرتے ہو، ناداروں کی طرف سے قرض ادا کرتے ہو، غنیمت کی خبر لیتے ہو، ممانوں کے ساتھ برادرات پیش آتے ہو، جو لوگ حقیقت میں مبتلا سے آلام ہیں انکی اعانت کے لیے سن چکے ہو کہ عرب میں آپ کی نبوت کا جب چرچا پھیلا تو اہل و غفاری نے انہیں اپنے بھائی کو تھمتی حال کے لیے بھیجا، انھوں نے واپس آکر پیکرِ نبوت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا، ”میں ایک ایسے شخص کو دیکھا آیا ہوں جو بھلائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے“

نبوت کے بعد قریش نے ذاتِ نبوی کے ساتھ گودادوت اور کینہ پروری کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا تھا کوئی ادنیٰ اخلاقی جرم بھی اُس کے ساتھ منسوب نہ کر سکے، اسلام کے سب سے اول اعلانِ دعوت کے موقع پر جب اپنے ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کے مجمع کو طلب کیا اور پوچھا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک فوج گراں تم پر حملہ آور ہونے کو تیار ہے تو کیا سچ مانو گے؟ سب نے بیک آواز کہا ”محمد! تیری بات آج تک ہم نے کبھی جھوٹ نہ پائی“ ابوسفیان جو ہجرت کے اٹھویں سال تک اسلام کے سخت ترین دشمن تھے، سترہ میں ہر قیصرِ روم کے دربار میں کفارِ قریش کی ایک جماعت کیساتھ محمد رسول اللہ کے اخلاق و اوصاف کے متعلق اپنی شہادتیں پیش کر رہے تھے، تاہم وہ ایک حرف بھی صداقت کے خلاف پیش نہ کر سکے، انھوں نے شہادت دی کہ محمد کبھی جھوٹ نہیں بولے، انھوں نے کبھی بدعہدی نہ کی، شرک سے روکتے ہیں، توحید کی تعلیم دیتے ہیں،

۱۔ صحیح بخاری، بدر الوحی، ۱۷۹، صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۴۹۹، قصہ اسلام ابی ذر، صحیح بخاری تفسیر سورہ تہت صحیح مسلم کتاب الایمان باب اندر عشرین الاقرین،

عبادت، صدق، عفت، صلہ رحمی کی تاکید کرتے ہیں۔ ہر قہر فقرہ پر کہتا جاتا تھا کہ نبوت کے یہی آثار و دلائل ہیں، یہ سب پہلادن تھا کہ ابوسفیان کے دل نے آنحضرت صلیم کی کامیابی کا یقین کیا۔

کتاب کی دوسری جلد میں آپ کے تمام محاسن اخلاق یعنی رفت، ملاطفت، حسنِ معاشرت، جود و سخا، عدم تشدد، عفو، درگزر وغیرہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس پر مجموعی طور پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ حقیقت آنحضرت صلیم کا ایک معجزہ تھا اور یہ معجزہ تسخیرِ قلوب ہی کے لیے عطا ہوا تھا، قرآن مجید اس نکتہ کو خود بتاتا ہے،

لَوْ كُنْتُمْ فَظًا غَلِيظًا لَفُضِّلْنَا مِنْكُمْ لَئِيَّا كُنْتُمْ دَرَسْتَ خَوَارِجَتْ دِلْ هُوَ تَوَلَّوْكَ تَكَا

حَقَّ لَكَ (ال عمران - ۱۶) پاس سے چل دیتے،

آپ کی یہی بجز انہ کشت تھی جو لوگوں کو کھینچ کھینچ کے دائرہ اسلام میں داخل کرتی تھی، اور کفار کے جاہلانہ شکوک و ادہام کو دم کی دم میں مٹا دیتی تھی، صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے بہت سی بکریاں مانگیں، آپ نے دیدین، اس پر آپ کی فیاضی کا اس قدر اثر پڑا کہ اپنے قبیلے میں آکر اس نے کہا "لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمدؐ اس قدر دیتے ہیں کہ خود ان کو اپنے تنگ دست ہونے کا مطلق خوف نہیں ہوتا،

فتح مکہ میں جب صفوان بن امیہ مجبوراً اسلام لایا تو آنحضرت صلیم نے اس کو تین سو اونٹ دیدیئے، خود صفوان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلیم نے مجھ کو اس قدر دیا کہ آپ پہلے میرے نزدیک بغوض ترین خلق تھے لیکن اس فیاضی سے محبوب ترین شخص بن گئے، ہند خاندان نبوت کی قدیم ترین دشمن تھی، جنگ احد میں قوت بازو اسلام حضرت حمزہؓ کے ہم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسی نے آپ کے دل کو چاک چاک کیا تھا اور اسی نے ان کے ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا، فتح مکہ میں بھی اس بدل کر آپ کی خدمت میں اسلام لانے کے لیے حاضر ہوئی، تب بھی گستاخی سے باز نہیں آئی، لیکن دربار رسالت میں پہنچ کر آپ کے حسنِ خلق سے اس قدر متاثر ہوئی کہ بے اختیار بول اٹھی، یا رسول اللہ! سطح زمین پر آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھرانا مجھے بغوض نہ تھا، لیکن

لے صحیح بخاری جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۰ باب ۲۹ رسول اللہ شایانہ فقال لا، صحیح بخاری باب ۲۹ جن خلق البخاری صحیح مسلم باب مذکور



آج آپ کے گھرانے سے کوئی گھرانہ محبوب نہیں ہے، آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ خدا کی قسم ہمارا بھی یہی حال تھا،  
 آپ پر ایک یہودی عالم کا قرض آتا تھا، اس نے تقاضا کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں  
 اُس نے کہا کہ میں تو بے ہی کے ٹلوں کا آپ کے کہا تو اب میں تمہارے ساتھ بیٹھتا ہوں، چنانچہ آپ نظر سے لیکر فری  
 نماز تک اُس کے ساتھ بیٹھے رہے، صحابہ نے ادنیٰ اس گستاخی پر ناراضی ظاہر کی اور خدمتِ اقدس میں عرض  
 کی کہ یا رسول اللہ! آپ کو ایک یہودی نے روک رکھا ہے، آپ نے فرمایا ہاں، لیکن مجھے خدا نے اس سے  
 منع کیا ہے کہ میں کسی ذمی یا اور کسی شخص پر ظلم کروں، دن چڑھا تو یہودی نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ "میرا نصف مال  
 خدا کی راہ میں صدقہ ہے، میں نے یہ گستاخی صرف اس لیے کی کہ توراۃ میں پیغمبر کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا  
 تجربہ کروں۔"

نمامہ ابن انال، پیامہ کا ایک رئیس تھا جو اسلام کا مجرم تھا، صحابہ کا ایک دستہ نجد کے اطراف میں بھیجا گیا  
 تھا، حسن اتفاق سے وہ راہ میں مل گیا، گرفتار ہو کر مدینہ آیا اور مسجد نبوی کے ایک ستون میں باندھ دیا گیا، آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تشریف لائے تو اس پر نظر پڑی، آپ نے دریافت کیا کہ تمامہ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جا  
 اُس نے کہا کہ اگر قتل کرنا چاہیں تو ایک خونی مجرم کو آپ قتل کر دین گئے، اور اگر عفو فرمائیں تو یہ احسان ایک  
 احسان شناس کی گردن پر ہوگا، اگر مال کی خواہش ہے تو فرمائیے جو ارشاد ہوگا حاضر کیا جائے گا، یہ سن کر آپ  
 اسی حالت میں اس کو چھوڑ کر چلے گئے، دوسرے دن پھر اسی قسم کا سوال و جواب ہوا، تیسرے دن پھر یہی گفتگو  
 کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اُس کے بند گرہ کھول دیئے اور رہا کر دیا، اس پر اس واقعہ کا یہ  
 اثر ہوا کہ مسجد سے نکل کر ایک کھجور کے درخت کی آٹھ میں گیا اور وہاں غسل کیا، غسل کر کے مسجد میں آیا اور  
 کلمہ توحید پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہوا، "محمد! زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چیز مجھ کو  
 مغفوض نہ تھی، لیکن آج وہ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، مجھ کو آپ کے دین سے زیادہ کسی دین سے خدا

۱۰ مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۵ باب فضیلت ہند، ۱۱ مشکوٰۃ صفحہ ۲۱ کتاب القنن فی اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم،

نہی لیکن آج وہ میرے لیے تمام مذاہب سے عزیز تر ہو گیا ہے، مجھے آپ کے شہر سے زیادہ کسی شہر سے دشمنی نہ تھی لیکن وہ آج مجھ کو تمام شہروں سے زیادہ خوش نما نظر آتا ہے،

ایک بار آپ کسی سفر میں تھے اور ساتھ میں مطلق پانی نہ تھا صحابہ نے پیاس کی شکایت کی، آپ نے ایک صحابی کے ساتھ حضرت علیؓ کو پانی کی جتوین روانہ فرمایا، راہ میں ایک عورت اونٹ پر پانی کی دو گین بھرے ہوئے لیے جا رہی تھی، دونوں صاحب اُس کو آنحضرت صلیم کی خدمت میں لے آئے، آپ نے برتن منگوائے اور شکون کے ساتھ کھول دیئے، صحابہ نے باری باری سے پانی پینا شروع کر دیا وہ کھڑی یہ تماشا دیکھتی رہی فراغت کے بعد اوسکی عزت کے صلہ میں آنحضرت صلیم نے کھجور اٹا، اور ستوتھوڑا تھوڑا لوگوں سے جمع کر کے ایک کپڑے میں باندھ کر اُس کے اوٹ پر لٹا دیا، وہ گھبرائی تو لوگوں نے تاخیر کا سبب پوچھا، اُس نے کہا راہ میں مجھ کو دو آدمی ملے اور وہ مجھ کو اُس شخص کے پاس لے گئے جس کو لوگ بدین کہا کرتے ہیں، خدا کی قسم وہ بڑا جادوگر ہے، اور واقعی خدا کا رسول ہے،

لیکن اسلام کا یہ اثر صرف اُسی کی ذات تک محدود نہ رہا، بلکہ تربیت یافتگان نبوت کے فیض اثر سے اُس کے تمام قبیلے تک وسیع ہو گیا،

نبوت کے امتیاز و شناخت کا ذریعہ صرف اخلاق ہی کا اعجاز نہیں، اوسکی زبان کا ایک ایک حرف اوسکی معصوم شکل و صورت کی ایک ایک ادا اعجاز اور ستر پایا اعجاز ہوتی ہے،

”رُفے وَاَوَّلُ پِسْمِ مَعْبُودِہِ اسْتِ“  
”رہی“

آپ کی صداقت سے بے زیرِ تقریر کا ایک ایک حرف دل میں اتر جاتا تھا اور نبوت کا اصلی معیار اوس کے سامنے روشن ہو جاتا تھا،

جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام مدینہ میں غل ہو گیا، حضرت عبداللہ بن سلام جو مدینہ کے مشہور یہودی عالم تھے اپنے نخلستان میں کھجور توڑ رہے تھے، آمد آمد کی خبر ان کے کان میں پہنچی تو فوراً آپ کی

”صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۷۷ کتاب الجہاد والسیرۃ جلد ۲ صفحہ ۹۹ کتاب التیمم“



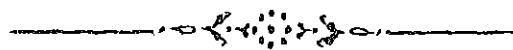
الجمہ میں فرمایا، ہاں اگر وہ دن آیا، تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ جو کچھ میں کہتا تھا سچ تھا، اُن پر اس کا یہ اثر پڑا کہ فوراً مسلمان ہو گئے، اور یہ اثر اس قدر دیر پا ہوا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر میرا بیٹا ہاتھ پکڑ لیا تو جنت میں پہنچا ہی کر چھوڑ دینا۔  
انسان کا چہرہ حقیقت کا آئینہ ہے، آپ کی ادا و اصدافت اور معصومیت کا پیکر تھی، آپ کی شکل نہایت پُر جلال تھی  
چہرہ پر نور تھا، آواز موقر اور پُر عرب تھی، اور ان تمام چیزوں کا مجموعی اثر غیرانہ اعجاز کے ساتھ دلوں کو اپنی طرف جذب  
کر لیتا تھا، اسی اثر سے متاثر ہو کر حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے مسلم یہودی عالم آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر بے اختیار  
بول اٹھے تھے،

وجہ لیس بوجہ کذا اب، (ترمذی ص ۴۲) جمہوٹے آدمی کا یہ چہرہ نہیں ہو سکتا،

اور یہی شش تھی جبکہ انہار حجۃ الوداع میں اعراب بادیہ کی زبان سے ان الفاظ میں ہوتا تھا،

ہذا وجہ مبارک (ابوداؤد، حج جلد ۱ ص ۱۶۱) یہ مبارک چہرہ ہے یہ

بارگاہ نبوت میں پہنچنے کے ساتھ ہی یہ اثر آنکھوں کی راہ سے دل میں پہنچ جاتا تھا، ابورافع نام ایک شخص  
قریش کی طرف سے قاصد بنکر آپ کی خدمت میں آئے تھے، جون ہی چہرہ اقدس پر نظر پڑی وہ ہزار جان نشید آئے،  
اسلام قبول کیا اور آپ کی غلامی کو فخر سمجھا،



# اسلام

یا

## محمد رسول اللہ صلیم کا پیغمبر کا کام

آنحضرت صلیم جس عظیم الشان پیغام کو لیکر آئے تھے اور جس مہتمم با نشان کام کو انجام دینے کے لیے بھیجے گئے تھے، نیک دل اور حقیقت شناس لوگ تو سننے اور دیکھنے کے ساتھ اُس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن وہ بھی جنکے دل کے آئینے زنگ آلود تھے، پیغام کی سچائی، وحی کی تاثیر، پیغمبر کی پُر اثر دعوت، اعجاز معصومیت اور اخلاق کے پُر تو سے صاف و شفاف ہوتے گئے اور عوائق، موانع، شبہات اور شکوک کی توہرتوں ظلماتین اور تاریکیوں رفتہ رفتہ چھٹی چلی گئیں، اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے افق پر درخشان ہوتا ہوا دکھائی دینا لگا، یہاں تک کہ ۲۳ برس کی مدت میں ایک متحدہ قومیت، ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک کامل قانون، ایک کامل شریعت، ایک ابدی مذہب اور علی جماعت، خدا پرستی، اخلاص، انیسار، تدبیر، تقویٰ، ایمانداری، اخلاق اور سچائی کا ایک مجسم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا، اور گویا ہی حقیقت تھی جسکی طرف اپنے اپنے امت کے سب سے بڑے مجمع میں (حجۃ الوداع) اپنی وفات سے تقریباً دو ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا،

اَلَا اِنَّ الزَّمانَ قَدْ اسْتدارَ کھیدۃ یوم  
ہاں اب زمانہ کا دور اپنی اُسی حالت پر گیا جس حالت  
خلاق اللہ السموات والارض، (بخاری)  
پر اُس دن تھا، جس دن خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا،  
اور یہی حقیقت تھی جس کی نسبت اپنے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک نہایت پروردگار تعالیٰ فرمایا

کے آخرین یہ الفاظ فرمائے،

قد ترکتم علی لیضاء لیسا کنھا رہا مین تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جاتا ہوں جسکی روشنی کا یہ حال ہو کہ اوکی رات بھی دن کے مانند ہے،

اور آخر حجۃ الوداع کے مجمع عام میں تکمیل کی بشارت آئی کہ

الْیَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ  
نِعْمَتِي (مائدہ - ۱) ختم کر دی،

پروفیسر مارگو لیتھ جنکی تائیدی شہادت بہت کم مل سکتی ہے لکھتے ہیں:-

”محمدؐ کی وفات کے وقت اُن کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا، آپ ایک سلطنت کی جہاں ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے، آپ نے عرب کے مشرقیہ کو ایک قوم بنا دیا تھا، آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور اُن میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا، جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔“

ایک دُور (یورپ) کے بیگانہ مشرق کی نسبت جہاں علم و عرب اور اسلام کے متعلق صرف چند کتابوں سے متعارف ہے خود ایک عرب عیسائی اہل قلم کو فیصلہ کا زیادہ حق ہے، بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹ مارچ ۱۹۰۷ء لاہور کے عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم (داد رجا عیسیٰ) نے لکھا:-

”دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانہ میں ایک نئے مذہب ایک نئے فلسفہ، ایک نئی شریعت، اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا“

اسے سنن ابن ماجہ ابواب سنت و بدعت و مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۹۶ و مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۶ لکھ لائف آصف محمد مارگو لیتھ صفحہ ۱۴۴ مدینہ منورہ میں آپ دس برس زندہ رہے تھے،

اور ایک نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود وہ اتنی اور ناخواندہ  
 تھا، وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قریشی عرب اور اسلام کا پیغمبر اس پیغمبر نے اپنی عظیم اشران تحریک کی ہر ضرورت کو خود  
 ہی پورا کر دیا اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لیے اور اس سلطنت کیلئے جسکو اُس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے  
 اسباب بھی خود مہیا کر دیئے، اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں، جنکی ضرورت ایک  
 مسلمان کو اُس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آسکتی ہے، حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا تاکہ اقوام  
 انسانی میں اہل استطاعت ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی و قومی معاملات میں باہم شورے کر سکیں، اپنی امت  
 پر زکوٰۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی، قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنادیا  
 کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بن جائے، قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہہ سکے کہ  
 مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بزرگی حاصل ہے، اس بنا پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بن گیا، جبکہ  
 رئیس قوم کی پسند منتخب ہوتا ہے، مسلمانوں نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا، یہ کہہ کر کہ عرب کو غنیمت  
 اور عجم کو عرب پر کوئی فوٹیت نہیں، اسلام میں داخل ہونا، ہر شخص کے لیے آسان کر دیا، نامسلمانوں کے لیے اسلامی  
 ملکوں میں عیش آرام اور امن اطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے اوپر لے لی کہ تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے  
 تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اسکی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے، خاندانی اور ازدواجی اصلاحات بھی اوسکی  
 نظر سے پوشیدہ نہ رہیں، اُس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کئے، عورت کا مرتبہ بلند کیا، نزاعات اور مقدمات  
 کے فیصلہ کے قوانین بنائے، بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بیکار نہ ہونے دیا، علم کی اشاعت اور  
 تعلیم اوسکی کوششوں کا بڑا حصہ رہی، اُس نے حکمت کو ایک مومن کا گم شدہ مال قرار دیا، اسی سبب سے مسلمانوں نے  
 اپنی ترقی کے زمانہ میں ہر دروازہ سے علم حاصل کیا، کیا ان کارناموں کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پایگا؟  
 انگلستان کے مشہور انشا پرداز کارلائل نے اپنی تھیوریز اینڈ پیرودن شپ "میں لاکھوں پیغمبروں اور مذہب کے  
 بانویں میں صرف محمد عربی (صلعم) ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ وہ آپ کو نبوت کا ہیرو قرار دے، انہی کو





پیش نہیں آتی ہے، لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات چھوڑ کر کہ جن کا ماخذ انجیل ہی، عقائد پادریوں کی کونسلوں سے  
دعائیں اور عبادات کلیساؤں کے حکمرانوں سے، اور تہذیب و تمدن کی تعلیمات یورپ کے بیدنیوں اور محدوں سے  
حاصل کرنی پڑتی ہیں، لیکن اسلام میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کچھ نہیں، عقائد ہوں کہ عبادات اور دعائیں  
اخلاق ہوں کہ آداب تمدن، خانگی معاملات ہوں، ایامین دین کے کاروبار انسانوں کیساتھ معاملہ ہو، یا خدا  
کیساتھ، سب کا ماخذ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں،

آپ کی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، چار ابواب پر منقسم ہے،  
اور انہیں کے مجموعہ کا نام اسلام ہے،

اپنے بتایا کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے، اور دوسرا اپنے خالق کی دوسری مخلوق  
کے ساتھ، اسی مفہوم کو دوسری عبارت میں یوں کہہ کر اُس کا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہے، اور دوسرا  
اپنے آقا اور مالک کے غلاموں کے ساتھ، یا یوں کہہ کر اُس کا ایک رُخ تو آسمان کی طرف ہے، اور دوسرا زمین کی  
سمت، او سکو ایک لگاؤ تو عالم غیب سے ہے، اور دوسرا عالم شہود سے، پہلے کے ساتھ اُس کا تعلق ایک مہربان آقا و  
فرمانبردار غلام کا ہے، اور دوسروں کے ساتھ اُس کا تعلق برادری اور بھائی چارے کا ہے، خالق اور مخلوق یا خدا  
اور بندہ کے درمیان جو علاقہ اور رابطہ ہے، اُس کا تعلق اگر صرف ہمارے ذہنی قویٰ اور قلبی حالات سے ہو تو اس کا نام  
حقیقہ ہے، اور اگر اُن قلبی حالات کے ساتھ ہمارے جسم و جان اور مال و جائداد سے بھی ہے تو اس کا نام عیال  
ہے، ہم انسانوں انسانوں میں یا انسانوں اور دوسری مخلوقات میں جو علاقہ و رابطہ ہے، اُس کی حیثیت سے جو احکام ہمارے  
عائد ہیں اگر اُن کی حیثیت محض قانون کی ہے، تو اس کا نام معاملہ ہے، اور اگر اُن کی حیثیت قانون کی نہیں  
بلکہ روحانی نصیحتوں اور برادرانہ ہدایتوں کی ہے تو اُس کا نام اخلاق ہے،

قرآن پاک کی اصطلاح میں پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام ایمان ہے، اور دوسرے  
تبصرے اور چوتھے کی بجاآوری کا نام عمل صالح ہے، اور انہیں دونوں کے مجموعہ پر کمال نجات کا انحصار

عملِ صالح کی تین قسمیں ہیں، خدا کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار اور اس کے احکام کی تعمیل بندوں کے ساتھ کاروبار اور معاملہ میں قانونِ الہی کی پابندی، اور ان کے ساتھ محبت، الفت، اور نیکی اور بھلائی کا برتاؤ اور گواہی کا سوا کہ ان میں سے ہر ایک عمل کو جہین خدا کی خوشنودی اور رضامندی مقصود ہو اسلام عبادت کہتا ہے لیکن اصطلاح میں پہلے کا نام عبادات، دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے، الغرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو عالمگیر شریعت اور دائمی ہدایت لے کر آئے، وہ انھیں چاروں عنوانوں کا مجموعہ ہے، یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق، انھیں کی اصلاح، تعلیم اور تکمیل کے لیے آپ کی بعثت ہوئی، اور یہی آپ کے پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کام ہیں،



## عقائد

عقائد کی حقیقت اور اہمیت | انسان کے تمام افعال، اعمال اور حرکات، کا محور اُس کے خیالات ہیں، یہی اوسکو بتاتے اور بگاڑتے ہیں، یہ عام خیالات درحقیقت اُس کے چند پختہ، غیر متزلزل اور غیر مشکوک اصولی خیالات پر مبنی ہوتے ہیں، انہیں اصولی خیالات کو عقائد کہتے ہیں، یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے، اور اوس کے دائرہ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے، ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادہ کے تابع ہیں، ہمارے ارادہ کا محرک ہمارے خیالات اور جذبات ہیں، اور ہمارے خیالات اور جذبات پر ہمارے اندرونی عقائد حکومت کرتے ہیں، عام بول چال میں انہیں چیزوں کی تعبیر ہم "دل" کے نقطہ سے کرتے ہیں، اسلام کے معلم نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضا میں اسکا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے، فرمایا،

اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مَضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ  
الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ  
اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

قرآن پاک نے دل (قلب) کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں سب سے پہلے قَلْبٌ سَلِيمٌ (سلامت رو دل) جو ہر گناہ سے پاک رہ کر بالطبع نجات اور سلامت رومی کے راستہ پر چلتا ہے، دوسرا اس کے مقابل قَلْبٌ لَیْمٌ (گنہگار دل) یہ وہ ہے جو گناہوں کی راہ اختیار کرتا ہے، اور تیسرا قَلْبٌ مُّذِیْبٌ (رجوع ہونے والا دل) یہ وہ ہے جو اگر کبھی بھٹکتا اور بیراہ بھی ہوتا ہے، تو فوراً نیکی اور حق کی طرف رجوع ہو جاتا ہے، غرض یہ سب نیزنگیان اسی ایک نیزنگ ہستی کی ہیں جسکا نام دل ہے، ہمارے اعمال کا ہر محرک ہمارے اسی دل کا ارادہ اور نیت ہے،

لے قرآن پاک کی آیت میں یہ ہے، يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قُلُوۡبُکُمْ (بقرہ - ۳۹)

اسی بھاپ کی طاقت سے اس مشین کا ہر پرزہ چلتا اور حرکت کرتا ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا،

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (صحیح بخاری، آغاز کتاب) تمام کاموں کا مدار نیت پر ہے،

اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں آپ نے یوں ادا فرمایا،

إِنَّمَا كَلَامِي مَا لَوْ فُتِنَ كَانَتْ هَجْرَتُهُ إِلَى  
دُنْيَا يَصِيبُهَا أَوَّلِي امْرَأَةٍ نِكَحًا فَهَجْرَتُهُ إِلَى  
مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ،  
ہر شخص کے کام کا ثر و ہی ہے جسکی وہ نیت کرے، تو جسکی نیت  
کی غرض دنیا کا حصول یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہو تو وہ کسی  
ہجرت اسی کیلئے ہے جس کے لیے اوس نے ہجرت کی یعنی

(صحیح بخاری، آغاز کتاب) اس سے اوسکو ثواب حاصل نہ ہوگا،

آج کل علم نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو بدائیت ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی عملی اصلاح کے لیے "اوسکی قلبی  
اور دماغی اصلاح مقدم ہے، اور انسان کے دل اور ارادہ پر اگر کوئی چیز حکمران ہے تو وہ اسکا عقیدہ ہے،" صبح  
اور صلاحت عمل کے لیے ضروری یہ ہے کہ چند صحیح اصول و مقدمات کا ہم اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مشکوک  
یقین "اور غیر متزلزل عقیدہ بن جائے، اور اسی صحیح یقین اور مستحکم عقیدہ کے تحت میں ہم اپنے تمام کام انجام دیں،  
جس طرح آئینہ کی کوئی شکل چند اصول موضوعہ اور اصول متعارفہ کے مانے بغیر بن سکتی ہے، نہ ثابت  
ہو سکتی ہے، اسی طرح انسان کا کوئی عمل صحیح و درست نہیں ہو سکتا، جب تک اس کے لیے بھی چند مبادی اور چند  
اصول موضوعہ ہم پہلے تسلیم نہ کر لیں،

بظاہر عقل ہمارے ہر کام کے لیے ہم کو رہنما نظر آتی ہے، لیکن غور سے دیکھو کہ ہماری عقل بھی آزاد نہیں، وہ  
ہمارے دلی یقین، ذہنی رجحانات، اور اندرونی جذبات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے، اس لیے اس پابندِ تحریر  
عقل کے ذریعہ ہم اپنے دلی خیالات، ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات پر قابو نہیں پاسکتے، اگر پاسکتے ہیں تو  
اپنے صحیح دلی یقینات اور چند مضبوط دماغی و ذہنی تصورات کے ذریعہ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے "ایمان" کا ذکر  
ہمیشہ "عمل صالح" کے ذکر سے پہلے لازمی طور سے کیا ہے، اور ایمان کے بغیر کسی عمل کو قبول کے قابل نہیں سمجھا ہے کہ

ایمان کے عدم سے، دل کے ارادہ اور خصوصاً اُس مخلصانہ ارادہ کا بھی عدم ہو جاتا ہے، جس پر حسن عمل کا دار مدار ہے، جبکہ  
 بن جبرعل ایک قریشی تھا جس نے جاہلیت میں بہت سے نیکی کے کام کئے تھے مگر باہمیہ مشرک تھا، اور کسی نسبت  
 آنحضرت صلعم سے حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! عجب اللہ بن جبرعل نے جاہلیت میں جو  
 نیکی کے کام کئے کیا اور نکاحا تو اب اس کو ملے گا، فرمایا نہیں اسے عائشہ! کیونکہ کسی دن اُس نے یہ نہیں کہا کہ بارہا!  
 میرے گناہوں کو قیامت میں بخش دے!"

بدر کی لڑائی کے موقع پر ایک مشرک نے جبکی بہادری کی دھوم مچی حاضر ہو کر کہا کہ اُسے محمدؐ میں بھی تمھاری  
 طرف سے لڑنے کے لیے چلنا چاہتا ہوں، کر مجھے بھی غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے، فرمایا کیا تم اللہ عزوجل اور اس  
 کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اُس نے جواب دیا "نہیں" فرمایا "اپس جاؤ کہ میں اہل شرک سے درکار خواہتا ہوں"۔  
 دوسری دفعہ وہ پھر آیا اور وہی پہلی درخواست پیش کی، مسلمانوں کو اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اس کی  
 اس درخواست سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ وہ اُن کی فوج میں شریک ہو جائے، لیکن  
 آنحضرت صلعم نے اس سے پھر وہی سوال کیا کہ کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان ہے؟ اُس نے پھر  
 نفی میں جواب دیا، آنحضرت صلعم نے پھر وہی فرمایا کہ میں کسی مشرک سے درکار نہ لوں گا، غالباً مسلمانوں کی تعداد کی  
 گئی اور اس کی بہادری کے باوجود اس سے آپ کی بے نیازی کی کیفیت نے اُس کے دل پر اثر کیا، تیسری  
 دفعہ جب اس نے اپنی درخواست پیش کی اور آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کو خدا اور رسول پر ایمان ہے تو اس  
 نے اثبات میں جواب دیا، اور نور اسلام سے منور ہو کر لڑائی کی صف میں داخل ہوا،

قرآن پاک نے اُن لوگوں کے کاموں کی مثال جو ایمان سے محروم ہیں، اُس راکھ سے دی ہے جس کو توبہ  
 کے جھوٹے اٹرا کر فنا کر دیتے ہیں، اور اُن کا کوئی وجود نہیں رہتا، اسی طرح اُس شخص کے کام بھی جو ایمان سے محروم  
 ہے، بے بنیاد اور بے اصل ہیں،

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ  
لَا تُشْتَدُّ بِهِ الْيَجْمُ يُوقِعُ عَاصِفٌ لَّا يَفْقِدُ  
مِمَّا كَسَبُوا شَيْءًا ذَلِكِ هُوَ الضَّلَالُ الْبُعِيدُ

جنھوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا، ان کے کاموں کی  
مثال اُس راکھ کی ہے جس پر اندھی واسے دن زور سے ہوا  
چلی وہ اپنے کاموں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں

(ابراہیم: ۳۰) سب سے بڑی گمراہی ہے

سورہ نور میں ایمان کی دولت سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال سراب دی گئی ہے کہ اُس کے وجود کی  
حقیقت قریب نظر سے زیادہ نہیں،

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ  
الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ  
مَنْيًّا شَاكًا (نور: ۵۰)

جنھوں نے خدا کا انکار کیا ان کے کام اُس سراب کی طرح  
ہیں جو میدان میں ہو جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ  
جب وہ اس کے پاس پہنچے تو وہاں کسی چیز کا وجود اس کو نظر نہ آئے

اوسکی ایک اور مثال ایسی سخت تاریکی کی دیکھی ہے، جہین ہاتھ کو ہاتھ سو جھائی نہیں دیتا، اور حسین ہوش و حواس  
اور اعصاب کی سلامتی کے باوجود اُن سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہے،

أَوْ كَظُلُمٍ فِي بَحْرٍ مُّجْتَمِعٍ مِّنْ فَوْقِهِ  
مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سُبَابٌ مَّا ظَلَمْتُ لَكُمْ بَعْضًا  
فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْدِئْهَا  
وَمَنْ لَّمْ يُجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ

یا ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر  
میں سخت اندھیرا ہو، اس کے اوپر موج اور موج پر بھر  
موج ہے اور اُس کے اوپر بادل گھرا ہوں یہ تو اندھیرا ہے کہ  
اس میں ہاتھ نکالے تو وہ بھی سو جھائی نہ دے، جس کو خدا نے  
نور نہ دیا، اس کے لیے نور نہیں،

(نور: ۵۰)

الغرض ایمان کے بغیر عمل کی بنیاد کسی بلند اور صحیح نخیل پر قائم نہیں ہو سکتی، اسی لیے ریا، نمائش اور خود غرضی  
کے کاموں کو کوئی عزت نہیں دیا سکتی وہ کام جو گویا ہر نیک ہون، لیکن نیکی کو نیا واسے کا اُن سے اصلی مقصد  
نام و نمود پیدا کرنا ہوتا ہے، اخلاقی نقطہ نظر سے، تمام دنیا ان کو بے وقعت اور بیچ سمجھتی ہے، اس بنا پر آنحضرت صلی

کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کیا، اور فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَطْلُوْا صَدَقَاتِكُمْ  
بِالْمَعْنِ وَلَا دُمَىٰ كَالَّذِي يُفْتِقُ مَالَهُ رِثَاءُ  
النَّاسِ وَلَا يُؤْتِي مِنْ بَالِهِ وَلِيَقُولَ الْآخِرُ  
فَمَسْلُكُكُمْ مِثْلُ صَفْوَانٍ عَلَيْكُمْ ثَلَابٌ فَأَصْحَابُ  
وَابِلٌ فَتَرْكُكُمْ صَلْدٌ أَفَلَا يُقْدِرُونَ عَلَىٰ  
شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الْكَافِرِينَ ،

اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو احسان رکھ کر اور اپنے  
دیکر اُس طرح نہ برباد کرو، جس طرح وہ برباد کرتا ہے جو  
لوگوں کے دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے، اور  
خدا پر (جو نیکوں کی جزا دیتا ہے) اور قیامت پر جس میں  
نیکوں کی جزا ملے گی، یقین نہیں کرتا، اسکی خیرات کی مثال  
اس چٹان جیسی ہے جسپر کچھ مٹی پڑی ہو، ورنہ اُس پر پانی  
برسا، تو مٹی دھل گئی اور پتھر بگیا، جسپر جو کچھ بویا جا چکا وہ  
اٹکھینے لگتا،

(بقہ ۳۱-۳۲)

غرض ایمان ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے، جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے، وہ ہماری سیرانی  
کا اصلی سرچشمہ ہے جس کے فقدان سے ہمارے کاموں کی حقیقت سراسیمہ زیادہ نہیں، کہ وہ دیکھنے میں کام معلوم  
ہوتے ہیں، مگر روحانی اثر و فائدہ سے خالی اور بے نتیجہ، خدا کے وجود کا اقرار اور اسکی رضامندی کا حصول ہمارے  
اعمال کی غرض غایت ہے، یہ نہ ہو تو ہمارے تمام کام بے نظام اور بے مقصد ہو کر رہ جائیں، وہ ہمارے دل  
کا نور ہے، وہ نہ ہو تو پوری زندگی تیرہ و تاریک نظر آئے، اور ہمارے تمام کاموں کی بنیاد ریا، نمائش، جاپندگی  
خود غرضی، اور شہرت طلبی وغیرہ کے دنی جاذبات اور پست محرکات کے سوا کچھ اور نہ رہ جائے،

تورات میں بعض عقیدوں کا ذکر ہے، مگر ایمان کی حقیقت اور اسکی اہمیت کی تعلیم سے وہ خالی ہے،  
انجیل میں ایمان کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے، مگر اخلاق کی سچائی، اعمال کی رستی، اودل کے اخلاص کے  
لیے نہیں، بلکہ معجزوں اور کرامتوں کے ظاہر کرنے کے لیے اور خوارقِ عادت پر قدرت اور اختیار پانے کیلئے

اس کے برخلاف فلسفہ یونان کے بہت سے پیروں اور ہندوستان کے بہت سے مذہبوں نے محض ذہنی  
جولانی مراقبہ تصور دیا اور علم کو انسان کی نجات کا ذریعہ قرار دیا اور اخلاق و عمل سے کوئی تعلق نہیں کیا بلکہ  
زرتشتیوں اور برہمنوں نے عقائد کو یہ وسعت دی اور انکی اپنی تفصیل کی کہ وہ سرتاپا خیالی فلسفہ بن گئے، جن سے  
انسانوں کے قولے علی سر و ہو گئے اور انکی تصویریت او انکی عظمت پر غالب آ گئی،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے علم و عمل تصور اور فعل عقلیت اور عظمت میں لزوم ثابت کیا، مگر اصلی زور  
انسان کی عظمت پر صرف کیا اور عقائد کے اتنے ہی حصہ کا یقین قسم ضروری قرار دیا جو دل کی اصلاح عمل  
کی بنیاد اور اخلاق و عبادات کی اساس قرار پاسکے، عقائد کے فلسفیانہ الجھاؤ اور تصورات اور نظریوں کی تشریح  
و تفصیل کر کے عظمت کو برباد نہیں کیا، چند سیدھے سادے اصول جو تمام ذہنی بچائیوں اور واقعی حقیقتوں کا جوہر  
اور خلاصہ ہے، ان کا نام عقیدہ اور ان پر یقین کرنے کا نام ایمان رکھا، اپنے صریح الفاظ میں عقائد کے صرف  
پانچ اصول تلقین کئے، خدا پر ایمان، خدا کے فرشتوں پر ایمان، خدا کے رسولوں پر ایمان، خدا کی کتابوں پر ایمان  
اور اعمال کی جزا اور سزا کے دن پر ایمان،

یہ تمام وہ حقائق ہیں جن پر دل سے یقین کرنا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ضروری ہے، ان کے بغیر خالص  
عمل کا وجود نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ پر ایمان کہ وہ اس دنیا کا تنها خالق اور مالک ہے، اور ہر ظاہر و باطن سے  
آگاہ ہے، تاکہ وہی ہمارے تمام کاموں کا قبضہ مقصور و قرار پاسکے اور اسی کی رضا جوئی اور اسی کی مرضی کی تعمیل  
ہمارے اعمال کی تنها غرض و غایت ہو، اور ہم جلوت کے سوء اخلاوت میں بھی گناہوں اور برائیوں سے بچ سکیں  
اور ہر سبکی کو اس لیے کریں اور ہر برائی سے اس لیے بچیں کہ یہی ہمارے خالق کا حکم اور یہی انکی مرضی ہے، اس  
طرح ہمارے اعمال، ناپاک اغراض اور ناجائز خواہشوں سے متبرا ہو کر خالص ہو سکیں اور ہر طرح ہمارے جسمانی  
اعضا گناہوں سے پاک ہوں ہمارا دل بھی ناپاک خیالات اور ہوا و ہوس کی آمیزش سے پاک ہو، اور اس کے  
احکام اور اس کے پیغام کی سچائی پر ایسا دل سے یقین ہو کہ ہمارے جذبات، ہمارے غلط استدلالات، ہمارے



اگر وہ خواہتین بھی اس یقین میں شک اور تذبذب پیدا نہ کر سکیں،

خدا کے رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ خدا کے ان احکام اور ہدایات اور اسکی مرضی کا علم انھیں کے واسطے انسانوں کو پہنچا ہے، اگر ان کی صداقت، سچائی اور راستبازی کو کوئی تسلیم نہ کرے، تو پیغام ربانی اور احکام الہی کی صداقت اور سچائی بھی مشکوک و مشتبہ ہو جائے، اور انسانوں کے سامنے نیکی اور نراہت اور معصومیت کا کوئی نمونہ موجود نہ رہے، جو انسانوں کے قوائے عملی کی تحریک کا باعث بن سکے، پھر اچھے اور بُرے، صحیح اور غلط کا توں کے درمیان ہمارے عقل کے سوا جو ہمارے جذبات کی حکومت ہے، کوئی اور چیز ہمارے سامنے ہماری رہنمائی کیلئے نہیں ہوگی،

خدا کے فرشتہ پر بھی ایمان لانا واجب ہے، کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان قاصد اور سفیر ہیں اور جو مادیات اور روحانیت کے مابین واسطہ ہیں، اور مخلوقات کو قانون الہی کے مطابق چلاتے ہیں، اور ہمارے اعمال و افعال کے ایک ایک حرف کو ہر دم اور ہر لحظہ محفوظ کرتے جاتے ہیں، تاکہ ہم کو ان کا اچھا یا برا معاوضہ، بلکہ خدا کے احکام و ہدایات جو رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو پہنچائے گئے ان کو دور دراز ملکوں اور آئینہ نسوں تک پہنچانے کے لیے ضروری ہو کہ وہ تحریری شکل اور کتابوں اور صحیفوں کی صورت میں، یا لفظ و آواز سے مرکب ہو کر ہمارے سینوں میں محفوظ رہیں، اس لیے خدا کی کتابوں اور صحیفوں کی صداقت پر اور جو کچھ ان میں ہے اسکی سچائی پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ رسولوں کے بعد خدا کے احکام اور ہدایتوں کے جاننے کا ذریعہ مسدود ہو جائے اور ہمارے لیے نیکی و بدی کی تمیز کا کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے، جس پر تمام ادنیٰ و عالی، جاہل و عالم، بادشاہ اور رعایا سب متفق ہو سکیں،

اعمال کی باز پرس اور جوابدہی کا خطرہ نہ ہو اور اس کے مطابق جزا اور سزا کا خیال نہ ہو تو دنیاوی قوانین کے باوجود دنیا سے انسانیت سراپا درندگی اور ہیبت بن جائے، یہی عقیدہ ہے جو انسانوں کو جلوت و خلوت میں ان کی ذمہ داری کو محسوس کرتا ہے، اس لیے روز جزا اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے بغیر انسانیت کی صلاح و فلاح ناممکن ہے، اور اسی لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس پر بے حد زور دیا ہے، بلکہ مکی وحی کا بشیرتہ

اسی کی تلقین اور تبلیغ پر مشتمل ہے،

یہی پانچ باتیں اسلام کے ایمانیات کے اصلی عناصر ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ پر اُس کے تمام رسولوں پر، اوسکی کتابوں پر اُس کے فرشتوں پر، اور روبرو پر ایمان لانا، یہ عقائد غمخشہ کی طور پر سورہ بقرہ میں متعین و دفعہ کہیں محفل اور اہمیت منقصل بیان ہوئے ہیں،

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ..... جو لوگ غیب (خدا، خدا کی صفات اور ملائکہ) پر ایمان رکھتے ہیں..... اور

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا

أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ-۱)

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (بقرہ-۲-۱)

یہ تو سورہ کے آغاز کی آیتیں ہیں، سورہ کے پنج میں پھر ارشاد ہوا،

وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ وَالْآخِرِ

وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ (بقرہ-۱۷۷)

سورہ کے آخر میں ہے،

امَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ

وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَكِهِ

وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ (بقرہ-۲۰۰)

سورہ نساء میں انھیں عقائد کی تعلیم ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْمُوا لِلَّهِ اسْمًا مِمَّا دُعِيَ بِهِ

وَلِكُلِّ سَمَاءٍ مِمَّا دُعِيَ بِهِ سَمَاءٌ وَأَسْمَاءُ

وَلِكُلِّ سَمَاءٍ مِمَّا دُعِيَ بِهِ سَمَاءٌ وَأَسْمَاءُ

وَلِكُلِّ سَمَاءٍ مِمَّا دُعِيَ بِهِ سَمَاءٌ وَأَسْمَاءُ

# لہ تعالیٰ پر ایمان

اٰمَنَ بِاللّٰہِ

ایک قادر مطلق اور بہت صفت موصوفتستی یقین اور اسکو ایک جاننا تعلیم محمدی کی پہلی ایجد ہے اسلام سے پہلے جو مذاہب تھے، باوجود اس کے کہ خدا کی توحید اور صفات پر ایمان رکھنا ان کے اصول میں بھی داخل تھا، مگر ان کی تعلیمات میں ترتیب مقصود تھی اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کی نگاہ میں توحید کا مسئلہ اہمیت کے کس درجہ پر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کی اصلی اہمیت محسوس کی اور اسکو اپنے نصاب درس کا پہلا سبق اور روحانی معارف و حقائق اور جہانی اعمال اخلاق کا سر بنیاد قرار دیا، خدا اگر چاہے تو انسان کے تمام گناہوں سے درگزر کر سکتا ہے، مگر اسی ایک حقیقت سے انکار وہ جرم ہے جسکو وہ کبھی معاف نہ فرمایا گیا،

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (نساء - ۱۸) یقیناً خدا شرک کو معاف نہ کریگا اور اس کے سوا جس کے جو گناہ چاہے معاف کر دے،

پھر اس کے ساتھ خالص توحید کا بیان، اسما و صفات کی تشریح، شرک کے ہر پہلو کی نفی اور توحید کے ہر پہلو کی تکمیل تعلیم محمدی کی امتیازی نشان ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ نبوت محمدیہ کی غرض غایت صرف تخیل نظریہ آرائی، اور الہیاتی فلسفہ نہ تھا، بلکہ ایک زندہ قوم، جدوجہد اور عمل والی قوم، اخلاص و ایثار و نیکی و تقویٰ والی قوم، پیدا کرنا تھا، اور اس کو تمام دنیا کی پیشوائی کے لیے نمونہ عمل بنانا تھا، اس لیے سب سے پہلے اہل عرب کو جو اس کے مخاطب اول تھے، رموز و اسرار توحید کا اس طرح حال بنانا تھا، کہ ان کے رگ و ریشہ میں ولولہ اور جوش کا ایک نشہ پیدا ہو جائے، اس کے لیے ضرورت تھی کہ سب سے پہلے زمین کو ہوا کیا جائے، شرک کے وہ تمام عقائد

جو عربوں میں پھیلے ہوئے تھے، اُن کو مٹا دیا جائے اور جن وجوہ اور اسبابِ شرک کے یہ عقائد پیدا ہوتے ہیں، انکی  
سچائی کی جائے،

اصلاحِ عقائد | معلوم ہو چکا ہے کہ عرب میں جہالت اور وحشت کی وجہ سے سیکڑوں غلط عقائد اور توہمات پھیل گئے  
تھے، اور دنیا کے دوسرے مذاہب کے عقائد میں بھی بہت سی غلطیاں داخل ہو گئی تھیں، ان میں سب سے زیادہ بدتر  
اور تمام برائیوں کا اصلی محرک شرک تھا، اس لیے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی اصلاح سے آغاز کیا،

شرک اور بت پرستی کا اصلی زنیہ اسبابِ مؤثرات کا وجود ہی خدا نے عالم میں ایک سلسلہ اسباب قائم  
کر دیا ہے، اور عالم کے تمام واقعات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، لیکن یہ تمام سلسلہ ایک قادرِ مطلق کے دستِ قدرت  
میں ہے، اور اس سلسلہ کی ایک کڑی بھی اُس کے اشارہ کے بغیر جنش نہیں کر سکتی، شرک اس طرح شروع ہوتا ہے،  
کہ پہلے انسان اُن اسبابِ علل میں سے بعض نمایاں اور قوی الاثر اسباب سے متاثر ہوتا ہے، اجرامِ فلکی کی عظمت،  
آفتاب و مہتاب کی نور افشانی، سمندر کا پُر زور تلاطم، عناصر کی نیرنگ آرائیاں، انسان کو مبہوت کر دیتی ہیں  
وہ اُن کی عظمت و تاثیر سے متاثر ہو کر پھر منفعل اور بالآخر اُن کا غلام بن جاتا ہے، اعتقاد کے پہلے مرحلہ میں انسان،  
غور و غریب کے دعویٰ سے اس قدر امتیاز اور تفریق کرتا ہے، کہ یہ چیزیں خود خدا یا معبود نہیں ہیں، لیکن یہ غیرِ انوار  
قائم نہیں رہتی بلکہ رفتہ رفتہ خوش اعتقاد کی اکثر غالب آتا جاتا ہے، اور یہ چیزیں خدا کی شریک بنتی جاتی ہیں،  
یہاں تک کہ اصلی مسببِ الاسباب نظر سے بالکل اوجھل ہو جاتا ہے،

شرک کی جو کونیا گون صورتیں دنیا میں موجود تھیں اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استیصال  
کیا انکی تفصیل حسبِ ذیل ہے،

۱۔ دنیا کی مشہور قوموں میں عیسائی اور مجوسی ملائیمِ مشرک تھے یعنی تین اور دو خدا مانتے تھے، ہندو بھی

اسی کے قریب قریب تھے، ان مذہبوں کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ خدا کے جو مختلف نمایاں اور اہم اوصاف  
ہیں، اُن کا مستقل اور محم وجود قائم ہو گیا، مثلاً صفاتِ خلق اور احیاء و امانہ، برہائش و ہیش کے نام سے مومن

موجودوں نے دیکھا کہ دنیا میں جس قدر اشیاء اور افعال و حرکات ہیں سب باہم متضاد ہیں، نور و ظلمت، پستی و بلندی، بین و شمال، نرم و سخت، رات دن، خیر و شر، حلم و غضب، غور و خاکساری، فق و صلاح کوئی چیز مقابلہ اور تضاد سے خالی نہیں، اس لیے ایسے دو متضاد عالم کا خالق ایک نہیں ہو سکتا، اس بنا پر انھوں نے دو خدا تسلیم کئے اور ان کا نام یزدان اور اہرمین یا نور و ظلمت رکھا،

قرآن مجید میں تمام احکام، نہایت تدبیر کے ساتھ نازل ہوئے ہیں، یہاں تک کہ ۱۳ برس کی وسیع مدت تک روزہ، زکوٰۃ اور حج کچھ فرض نہیں ہوا تھا، لیکن شرک کا استیصال کئی نبوت کا پہلا سبق تھا، سورہ زمر مکہ میں نازل ہوئی اور اسی سورہ میں شرک کی تمام صورتیں مثلاً دی گئیں، تمام دیگر سورتوں میں نہایت کثرت سے اس قسم کے شرک کا ابطال اور رد کیا ہے، اس لیے ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں، موجودوں کے شرک کی بنیاد اس پر تھی کہ افعال خیر و شر کا ایک خالق نہیں ہو سکتا، ورنہ لازم آئیگا کہ خدا شر کو پیدا کرتا ہے اور بے ظاہر ہے کہ جو شخص برائی کے پیدا ہونے کو جائز رکھتا ہے، وہ خود اچھا نہیں ہو سکتا، اس لیے قرآن مجید میں نہایت کثرت سے تصریحات آئیں کہ جن کو ہم خیر و شر کہتے ہیں سب کا فاعل خدا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تصریح و تاکید کے ساتھ تعلیم کی کہ جو کچھ ہوتا ہے، سب خدا کے حکم سے ہوتا ہے، باقی یہ مسئلہ کہ بری چیز کا خالق اچھا نہیں ہو سکتا، اولاً تو یہ مغالطہ آمیز غلطی ہے، ایک متضاد مصوّر اگر ایک نہایت مکروہ جانور کی تصویر نہایت اچھی کھینچے تو اس کے کمال مصوری میں اس سے کچھ داغ نہیں آئیگا کہ جانور خود برا ہے، دوسرے اسلام نے اس مسئلہ کی جس صلی گہ کو کھولا ہے وہ یہ ہے کہ اشیاء بذاتہ خیر و شر نہیں، بلکہ وہ اپنے صحیح یا غلط طریقہ استعمال سے خیر یا شر بن جاتی ہیں، آگ بجائے خود نہ خیر ہے نہ شر، اگر اس سے اچھا کام لیا جائے تو خیر ہے، اور برا لیا جائے تو شر ہے، زہر نہ اچھا ہے نہ برا، اگر اس کو بیماریوں کے استیصال میں استعمال کیا جائے تو خیر ہے، اور اگر کسی یگینا کے قتل میں استعمال کرو تو شر ہے، اسی طرح دوسری اشیاء کے بھی خیر و شر کے دونوں پہلو ہیں، نہ کوئی شئی دنیا میں خیر مطلق ہے، نہ کوئی شر مطلق، اسی لیے قرآن نے شر کی نسبت خدا کی طرف نہیں کی ہے، بلکہ خود انسان کی طرف کی ہے،

أَشْكُرُ أَرِيدُ بَعْنٌ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ (رحن-۱)

ایا اہل زمین کیساتھ شرکارا وہ کیا گیا ہے یا انکے پروردگار نے ان کے حق میں راہ پر لانا چاہا ہے،

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ (نساء-۱۱)

جھکو جو نیکی پہنچی تو وہ خدا سے ہے، اور جو مصیبت پہنچی، وہ خود تیری طرف سے ہے،

أَوَلَمْ أَصَابَكُم مَّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مَثَلِهَا أَفَلَمْ تَأْتُوا هَذَا قُلُوبًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (نور-۱۰)

کیا جب تم کو کوئی مصیبت پہنچی جس کے دو برابر تم کو پہنچا چکے ہو تم نے کیا یہ کہاں سے آئی، کہہ دے کہ خود تمہاری طرف سے ہے، خدا ہر بات پر قدرت رکھتا ہے،

الغرض کسی شے کا ایسا پیدا کرنا جس میں خیر و شر کے دونوں پہلو ہیں، شر نہیں ہے ان میں اس کے شر کے پہلو کو استعمال کرنا اور کام میں لانا شر ہے، ڈاکٹر بہت سی بیماریوں کے لیے زہریلی دوائیں بناتے ہیں، مگر یہ شر نہیں، البتہ جب کوئی شہیران دواؤں سے ان امراض کے ازالہ کے بجائے کسی کی جان لے لیتا ہے تو وہ شر ہے، حاصل یہ کہ اس دنیا میں خالق ایک ہی ہے وہ نہیں،

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّبِعُوا إِلَٰهَ الْهِنِ أَتَنْتَبِهُونَ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ يَا أَيُّهَا فَارِصُونَ، وَلَكِنَّ مَا مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (نحل-۷)

اور خدا نے کہا کہ وہ خدا نہ بناؤ، وہ ایک ہی خدا ہے، تو ابھی سے ڈرو اور اُسی کے لیے ہے جو آسمانوں میں زمین میں ہے،

بزرگوں کی شرکاء  
تعلیم سے روکنا،

۲۔ شرک کا بہت بڑا ذریعہ کسی خاص شخص یا کسی شے کی تعظیم مفرط ہے جس کو شخص پرستی یا یادگار پرستی سے تعبیر کر سکتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، رام چندر کرشن کو اسی خوش اعتقادی نے آدمی سے خدا بنا دیا، اس بنا پر قرآن مجید میں نہایت پر زور اور پر رعب الفاظ میں شخص پرستی کی تضحیر کی،

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقْلُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ، إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَحْمَةً مِنَ اللَّهِ

اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے زیادہ نہ بڑھ جاؤ اور خدا کی نسبت وہی کہو جو حق ہے، مسیح یعنی عیسیٰ بن مریم رحمت سے روکنا،

مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ (نساء-۲۳)

مریم صرت خدا کے پیغمبر ہیں،

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ  
وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ  
عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا

مسیح کو خدا کے بندہ ہونے سے ہرگز مار نہیں؛ اور نہ مقرب  
فرشتوں کو، اور جس شخص کو خدا کی بندگی سے مار ہوگا  
اور بڑائی کی لے گا، تو خدا سب کو عقیقہ اپنے

(نساء-۲۴)

حضور میں بلائے گا،

كَهَدَّ كَفَرًا أَذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ  
مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ  
أَرَادَ أَنْ يُبْعَثَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَآلَهُ  
مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ  
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (مائدا-۱۳)

وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم خدا ہیں کہ  
کہ اگر خدا یہ چاہے کہ مسیح بن مریم کو ان کی مان کر اور دنیا میں  
جو کچھ ہے سب کو برباد کر دے، تو کون ہے جو خدا کو  
روک لے، خدا ہی کے لیے آسمان و زمین اور چیزیں ان  
دونوں میں ہیں ان کی حکومت ہے، اور خدا تمام  
چیزوں پر قادر ہے،

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ  
اتَّخِذُونِي وَأَهْلِي الْهَيْئِينَ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا  
لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتُمْ  
تَعْلَمُوا مَا فِي أَنْفُسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ  
إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ  
إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ سَرِيبِي  
وَسَرَّيْكُمْ (مائدا-۱۶)

اور جب خدا کہہ گا کہ کیوں عیسیٰ! تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ  
خدا کو چھوڑ کر مجھ کو اور میری مان کر خدا کو، عیسیٰ عرض کریں گے  
کہ سبحان اللہ میری یہ جہاں جو کہ میں کوئی بات کہوں جس کے  
کہنے کا مجھ کو حق نہیں اگر میں نے کہا ہوگا، تو تو جانتا ہوگا،  
تو میرے دل کی بات جانتا ہے اور میں تیرے دل کی  
بات نہیں جانتا، تو بڑا غیب ان ہے میں نے لوگوں  
سے صرف وہی کہا تھا جو حکم تو نے مجھ کو دیا تھا، یعنی کہ  
خدا کی عبادت کرو جو میرا بھی خدا ہے اور تمہارا بھی،

آنحضرت صلعم باوجود اس کے کہ جاہل کون و مکان تھے لیکن بار بار قرآن مجید میں تاکید آتی تھی،  
 قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَىَّ إِلَهِكُمْ أَنَا أَنَا كَمَا كُنْتُمْ يُوحَىٰ إِلَيْكُمْ فَآتُوا إِلَهِكُمْ إِنِّي أَنَا إِلَهُكُمْ بِالْحُكْمِ ۖ وَإِذْ بَارِئُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خَلَقَ إِلَهِكُمْ إِلَٰهًا وَاحِدًا (کہف - ۱۲)

ایک خاص نکتہ غور کے قابل ہے جس قدر حلیل القدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں ان کے خاص خاص لقب ہیں مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب خلیل اللہ تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ابن اللہ تھا لیکن  
 آنحضرت صلعم باوجود اس کے کہ اشرف انبیاء تھے، آپ کے کیا لقب پسند کیا؟ اور کلمہ توحید میں، نماز میں، ورود میں آنحضرت صلعم کے اہم گرامی کے ساتھ کیا امتیازی وصف شامل کیا گیا؟ صرف رسالت اور عبدیت! اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَنَّمَا مُحَمَّدٌ عَبْدُہٗ وَرَسُولُہٗ  
 میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندہ اور رسول ہیں۔  
 اس میں بھی عبدیت کا وصف رسالت پر مقدم ہے، آنحضرت صلعم نے ایک دفعہ بعض کفار کے حق میں دعا سے بد کی اُسپر یہ آیت اتری،

لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوبَ عَلَیْکُمْ اَوْ یُعَذِّبْہُمْ فَاَنھُمْ ظَالِمُوْنَ (آل عمران - ۱۳)  
 تم کو کچھ اختیار نہیں ہے، خدا چاہے لگا تو ان پر توبہ کر لگا  
 یا ان کو عذاب دے لگا کہ وہ ظالم ہیں،  
 آنحضرت صلعم بعض کفار کی ہدایت پانے اور اسلام قبول کرنے کے نہایت خواہشمند تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (قصص - ۶)  
 تم جن کو چاہتے ہو اس کو ہدایت نہیں دے سکتے،  
 آنحضرت صلعم نے عبداللہ بن ابی کے لیے دعا سے مغفرت کی، اس پر قرآن مجید میں آیا،  
 اَسْتَغْفِرُ لَہُمْ اَوْ لَا اَسْتَغْفِرُ لَہُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَہُمْ سَبْعَیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَغْفِرَ اللّٰہُ لَہُمْ (توبہ - ۱۰)  
 تم ان کیلئے مغفرت چاہو یا نہ چاہو اگر تم ان کے لیے ستر دفعہ بھی مغفرت چاہو گے تو خدا ان کی مغفرت نہ کرے گا،

لے صحیح بخاری غزوہ احد یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں مذکور ہے، لے بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ توبہ،



قُلْ اَدْعُوكَ الَّذِي يَرْزُقُكُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْيَاةَ اُولَئِكَ الَّذِي يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ اِلَىٰ تَحْتِهَا السَّيْلَ لَا يَتَّقُونَ اَقْرَبَ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَ اَبَدٍ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا (بنی اسرائیل - ۶)

کہدو کہ خدا کے علاوہ تم جنکو پکارتے ہو وہ تمہاری مصیبت کے ہٹانے یا بدلتے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے، جنکو تم پکارتے ہو ان میں جو خدا کے مقرب ترین ہیں وہ خود خدا کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور اسکی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شبہ تیرے خدا کا خدا ڈرنے ہی کے قابل ہے،

۵۔ شرک کا ایک بڑا ذریعہ، خرق عادات کے نسبت غلط فہمی ہے، جن اشخاص سے خرق عادات سرزد ہوتے ہیں ان کی نسبت لوگوں کو پہلے یہ خیال آتا ہے کہ یہ خود خدا نہیں ہیں لیکن ان میں خدائی کا شائبہ ضرور ہے، ورنہ ایسے افعال کیونکر سرزد ہوتے جو قدرت انسانی سے بالاتر ہیں، یہی خیال رفتہ رفتہ دیوتا اور اتار تک ترقی کرتا ہے، اور بالاخر خدائی تک پہنچا دیتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی بنا پر آج چالیس کروڑ آدمیوں کے خدا یا خدا کے بیٹے ہیں۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوتے ہیں، اور یہ امور خاص نبوت میں ہے، یہ مسئلہ اسلام کے زمانہ تک مشتبہ اور مجمل رہا، قرآن مجید میں خرق عادات کے متعلق حزیل امور بیان کئے گئے،

(۱) معجزات صادر ہو سکتے ہیں اور خدا اپنے مقبول بندوں کو معجزات عطا کرتا ہے،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ اِنَّ لِلّٰهِ قَادِرٌ عَلَىٰ اَنْ يُنْزِلَ آيَةً وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (الانعام - ۷)

اور کفار کہتے ہیں کہ ان پر (انحضرت پر) کوئی معجزہ خدا کے یہاں سے کیوں نہیں اترا، کہدو کہ خدا اس پر قادر ہے کہ معجزہ نازل کرے لیکن لوگ نہیں جانتے،

(۲) باوجود اس کے کفار کو معجزہ طلبی سے روکا جاتا تھا، اور کہا جاتا تھا کہ نبوت اور رسالت معجزہ پر موقوف نہیں

خوارق خدا کے علم سے ہوتے ہیں

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ لِقَوْمٍ كَافِرٍ  
 اور کفار کہتے ہیں کہ ان پر آنحضرت پر کوئی معجزہ خدا کے  
 ہاں سے کیوں نہیں اترتا تم تو صرف ڈرانے والے ہو  
 ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے، (ہادی - (مرعد - ۱)

وَقَالُوا لَنْ نَبُوءَ بِمَا ضَحَّيْنَا لَكَ فَتُجْعَلَ لَنَا آيَةٌ  
 اور کفار کہتے ہیں کہ ہم تیرا ایمان نہ لائیں گے جب تک تم کو  
 سے ختم نہ نکال دو، یا تمہارے پاس کچھ روئے یا انگوٹھ  
 کا باغ ہو کہ جس کے بیج میں تم نہرین جاری کر دو، یا آسمان  
 کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دو جیسا کہ تمہارا گمان تھا،  
 یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاؤ، یا تمہارا گھر سونے  
 کا بن جائے یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور ہم تو اس چڑھنے پر  
 بھی یقین نہ لائیں گے جب تک ہم پر کوئی کتاب نہ آئے  
 جس کے ہم خود پڑھیں، کہہ دو کہ سبحان اللہ میں تو صرف بشر  
 بشر آؤں گا، (یعنی اسرائیل - ۱)

(۲) جو معجزہ اس آیت میں کفار نے طلب کئے وہ ناممکن باتیں نہ تھیں تاہم خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آ  
 یاتیں کیا وہ یہ تھا کہ میں تو بشر ہوں، معجزے خدا کے پاس ہیں، یعنی معجزے صادر ہونگے تو یہ میرا فعل نہ ہوگا بلکہ  
 خدا کا ہوگا،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ  
 اور کفار کہتے ہیں کہ ان پر ان کے خدا کے یہاں سے معجزہ  
 کیوں نہیں اترے، کہہ دو کہ معجزے تو خدا کے ہاں ہیں اور  
 میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں کیا میں  
 کفار کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر قرآن  
 نازل کیا ہے، (یعنی اسرائیل - ۱)

وَذَكَرْكُمْ لِقَائِكمْ يُؤْمِنُونَ۔ امارا جو ان پر تلاوت کیا جاتا ہے، اس میں رحمتِ حق اور ایمان

(عکبت-۵) لانے والوں کے لیے یاد رکھنے کی چیز ہے،

اسی لیے ہجرت کے ذکر میں ہمیشہ بِإِذْنِ اللّٰهِ (خدا کی اجازت سے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں،

(۶) شرک کی ایک قسم یہ تھی کہ انبیاء یا پیغمبرانِ مذہبی کو تحریم و تحلیل کا جواز سمجھتے تھے یعنی وہ جس چیز کو چاہیں

کردیں اور جس چیز کو چاہیں حلال ٹھہر دین، قرآن مجید میں جب یہ آیت اُتری،

اتَّخَذُواْ اٰخْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا (۵) ان لوگوں نے اپنے علم اور درویشوں کو رب بنالیا ہے،

تو حضرت عدیؓ نے جو حاتم طائی کے فرزند اور اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی

کہ ہم لوگ اپنے پیغمبرانِ مذہبی کو اپنا رب تو نہیں سمجھتے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ

یہ لوگ جس چیز کو چاہیں حلال اور جس کو چاہیں حرام کر دین۔ عرض کی کہ ہاں آپ نے فرمایا، ”یہی رب بناتا ہے۔“

عموماً اہل مذاہب پیغمبروں کو شائع متقل سمجھتے ہیں، لیکن یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے، شریعت کی تائیس

حلال و حرام کی تعیین، جائز و ناجائز کی تفریق، امر و نہی کے احکام یہ سب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں پیغمبر صرف مبلغ

اور پیغام رسان اور تعلیم الہی سے ان احکام کے شائع اور بیان کرنے والے ہیں، اسی بنا پر قرآن مجید میں ذاتِ

نبوتی کی صفت رسالت کو بار بار تاکید اور اصرار کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے،

فَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌۭ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهٖ

الرُّسُلُ (آل عمران-۱۵) محمد تو صرف ایک رسول ہے، اس سے پہلے اور رسول

گزر چکے،

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيسٰى بْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلٌۭ ۝ الَّذِي نَاۤءَا۟ (۲۳۰) مریم کا بیٹا عیسیٰ اللہ کا صرف رسول تھا،

اس مہر سے مقصود یہ ہے کہ انبیاء میں خدائی کی کوئی صفت نہیں ہوتی، بلکہ جو کچھ ان میں ہے وہ رسالت اور

نبوت کے اوصاف ہیں،

۷۔ شرک کا ایک بڑا ذریعہ یہ تھا کہ جو اعمال اور آداب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ اوروں کے ساتھ بھی

حرام و حلال کرنا  
خدا کا کام ہے

لہذا نبوتی  
دین کی کثرت  
آیت مذکور

غیر خدائی شرک کا  
ذریعہ

برتے جاتے تھے، یہ اگرچہ شرک فی العبادۃ یا شرک فی الصفات تھا، لیکن رفقہ رفقہ شرک فی الذات تک نہ بھر  
 ہوتا ہے، سجدہ عبادت خدا کے ساتھ مخصوص ہے لیکن کفار اور دیگر اہل مذاہب بتوں اور معتدلیانِ دینی کو بھی  
 سجدہ کرتے تھے اور سلاطین و امرا کو سجدہ کرنا عام طور سے رائج تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی سے اس کو روکا  
 بنو اسرائیل میں سجدہ تعظیمی یا سجدہ محبت جائز تھا چنانچہ حضرت یوسفؑ کو اُن کے والدین نے سجدہ کیا تھا، لیکن  
 چونکہ اسلام میں توحید کو انتہائے کمال تک پہنچانا تھا، سجدہ تعظیمی بھی منع کر دیا گیا، ایک دفعہ ایک صحابی خدمت  
 اقدس میں آئے اور عرض کی کہ میں نے اہل عجم کو دیکھا ہے، وہ اپنے رئیسوں کو سجدہ کرتے ہیں، آپ اجازت دینا  
 تو ہم آپ کو سجدہ کریں، آپ نے فرمایا، تو کیا میری قبر پر گزرو گے تو اُسکو سجدہ کر دے گے، عرض کی نہیں، فرمایا تو آپ  
 بھی نہ کرو، اگر میں کسی کو دوسرے کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے  
 اسی طرح ایک اور صحابی ملک شام سے آئے تو آپ کو سجدہ کیا، آپ نے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ عرض کی کہ میں نے  
 شام میں رومیوں کو دیکھا کہ وہ اپنے مذہبی افسروں کو سجدہ کرتے ہیں، تو میری چاہا کہ میں بھی آپ کو سجدہ کر دوں،  
 فرمایا ایسا نہ کرو، اگر میں کسی کو خدا کے سوا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے،  
 نہ شرک کی ایک قسم یہ ہے کہ خدا کے ساتھ جو اوصاف مخصوص ہیں وہ اور دن میں تسلیم کئے جائیں جبکہ  
 یہ قدرتی نتیجہ ہے کہ شرک و صفت کی بنا پر، خدا کے شریک اور ہمسر بنائیں، اُن میں سے ایک و صفت علم غیب  
 ہے، اکثر اہل مذاہب اعتقاد رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء کو علم غیب ہوتا ہے، بنی اسرائیل  
 کے زمانہ میں کاہنوں کا یہی کام تھا کہ وہ آئندہ واقعات کی پیشینگوئی بیان کیا کرتے تھے، عرب میں بھی کاہن ہی  
 پیشہ کرتے تھے، اور مختلف طریقوں سے پیشین گوئی کرتے تھے، کبھی فال سے، کبھی پانسے پھینک کر، کبھی یہ ظاہر  
 کرتے تھے کہ اُن کو جنات غیب کا حال بتاتے ہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تاکید و راستقصر کے ساتھ اس اعتقاد کو مٹایا اور علم غیب کی تمام صورتیں

سہ ابو داؤد کتاب النکاح باب فی الزوج علی المرأة علیہ ابن ماجہ باب نہ کور،

بطل کین، خود قرآن مجید میں نہایت کثرت سے اس کے متعلق آیتیں نازل ہوئیں،

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ، اور خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنکو خدا کے سوا

(انعام۔ ۷) کوئی نہیں جانتا،

آنحضرت صلم نے اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی، اور فرمایا کہ مفاتیح غیب پانچ ہیں جنکو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا،

۱۔ محل یعنی لڑکا ہوگا یا لڑکی،

۲۔ کل کیا ہوگا،

۳۔ بارش کب ہوگی،

۴۔ کس جگہ موت آئے گی،

۵۔ قیامت کب آئے گی،

اگرچہ علم غیب کی اور بھی صورتیں ہیں لیکن زیادہ تر انہی امور کی نسبت لوگ علم غیب کے مدعی تھے اور اپنی باتوں کو لوگ پہلے سے جانتے کے خواہشمند ہوتے ہیں،

یہاں تک کہ خود اپنی ذات سے بھی علم غیب کی نفی کی، ایک دفعہ ایک شادی کے موقع پر آنحضرت صلم تشریف فرماتے، انصار کی چند لڑکیاں گارہی تھیں، گاتے گاتے انھوں نے یہ گانا شروع کیا،

وَفِيْنَا رَسُولٌ يَعْلَمُ مَا فِيْ غُلُوْبِ، اور ہم میں ایک ایسا پیغمبر ہے جو گُل کی بات جانتا ہے،

آنحضرت صلم نے منع فرمایا کہ یہ نہ کہو، وہی کہو جو پہلے گارہی تھیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص حکم دیا کہ آپ اس حقیقت کو واضح کر دیں،

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ، اور وہاں سے پیغمبر کہہ رہے ہیں کہ میں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے

۱۷ صحیح بخاری کتاب الرذیلۃ فیہ بیان تفصیل مذکور ہے، ۱۸ صحیح بخاری کتاب النکاح،

وَلَا يَعْلَمُ الْغَيْبُ (انعام-۶)

خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں،

اور غیب کا علم صرف خدا کی صفت ہے،

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا الْأَرْضِ الْغَيْبُ

کہہ دے پیغمبر کہ خدا کے سوا آسمانوں میں اور زمین میں

کوئی غیب نہیں جانتا، (نمل-۵)

غیب دانی کے مدعی کاہن جو عرب کی گلی گلی میں خدع و فریب کا جال پھیلائے بیٹھے رہتے تھے، اور بتانوں میں خدائی کرتے تھے، انکی سطوت خاک میں مل گئی، بتانے ویران ہو گئے، تو ان کے یہ پیجاری بھی فنا ہو گئے، صحابہ نے اگر پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں کابھون کے پاس جایا کرتے تھے، فرمایا اب نہ جایا کرو، عرض کی ہم پرندوں سے فال لیا کرتے تھے، فرمایا: یہ تمہارا وہم تھا، اس کے سبب سے اپنے ارادہ سے باز نہ رہا کرو، بعض لوگوں کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کاہن کچھ نہیں، انھوں نے کہا یا رسول اللہ! انکی بعض باتیں سچی بھی نکل آتی ہیں، فرمایا شیطان ایک آدم بات سن لیتا ہے، اور مرغی کی طرح قرقر کر کے اپنے دوست کے کانوں میں ڈالتا ہے، اور وہ اس میں ستوا باتیں جھوٹ ملا دیتا ہے، کبھی فرمایا کہ فرشتوں کی زبان سے شیاطین نکلتا آسمانی میں چوری چھپے کچھ سن لیتے ہیں، اور کاہن اس میں سیکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر بیان کرتے ہیں، جاہلون میں کچھ ایسے مکار ہوتے ہیں جو چوری کا فاسقانہ تہہ بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں، عرب ان کو عراف کہتے تھے، فرمایا کہ جو کوئی کسی مال کا پتہ پوچھنے کے لئے کسی عراف کے پاس جائیگا، اسکی چالیں دن کی نماز قبول نہ ہوگی، ظلم نجوم جس کے زور سے لوگ غیب کا حال دریافت کر لینے کے مدعی بنتے تھے، اس کا سیکھنا بھی جادو کی طرح گناہ قرار دیا، اور فرمایا کہ جو کسی کاہن کے پاس جا کر اسکی باتوں کو سچ سمجھے وہ خسرو کا پتہ ہے، کچھ اترا ہے اس سے انکار کرتا ہے،

ان تعلیمات نے خدا کے علاوہ دوسروں کی غیب دانی کے عقیدہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا، کہانت کی

لے مشکوٰۃ باب الکہانتہ میں صحیحین سے یہ حدیثیں نقل کی ہیں، ظلم نجوم کی حرمت دلی حدیث البراءۃ اور ابن ماجہ اور احمد سے لی ہے،

گرم بازاری سرد ہو گئی، فال ٹنگوں بد، نجوم اور غیب دانی کے دوسرے خدا عاہ طریقے مٹ گئے، پرندوں اور  
پانسون کے ذریعہ سے غیب کا حال دریافت کرنا وہم و وسوسہ قرار پایا، اور غیب کی مملکت پر خدا کے سوا کسی اور  
ٹی حکومت قائم نہ رہی،

غنی تو تن  
کا ابطال

۹۔ کائنات میں خدا کے سوا جن غیبی اسباب و علل یعنی سحر و طلسم جنات و شیاطین اور ارواحِ غیبیہ اور دوسری  
قسم کی تو تن کی غیبی قدرت و تصرف کا اعتقاد تھا، اور اُن سے بچنے کے لیے اُن کی دہائی پکاری جاتی تھی، نذر چڑھا  
جاتی تھی، قربانی کیجاتی تھی، آنحضرت صلی علیہ وسلم کی تعلیم اور وحی نے ان تمام مخرجات کا قلع و قمع کر دیا، اور خدا کے سوا  
تمام دوسری غنی و پوشیدہ تو تن کا ڈرا انسانوں کے سینوں سے ہمیشہ کے لیے نکال کر پھینک دیا، اور دعا و کلمات  
الہی کے سوا ہر نوع کے جھاڑ، پھونک، منتر، تعویذ، گنڈے، ٹوٹکے، جنہیں کسی غیر خدا سے غیبی استہدایا شرک کا کلمہ  
ہو، کفر قرار پایا، اسی قسم کے فاسد خیالات کے استیصال کے لیے ہر نماز میں، اور نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ  
کے ضمن میں اس آیت کے پڑھنے کا حکم دیا گیا،

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، (فاتحہ) (اے عالم کے پروردگار) ہم تیرے ہی آگے سر جھکاتے

ہیں، اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں،

سحر و طلسم و جادو اور ٹوٹکے کے متعلق ارشادِ خداوندی ہوا،

وَمَا هُمْ بِصَّارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَعْلَمُونَ مَا يُصْرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط  
وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي  
الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ط  
یہ جادو اور ٹوٹکے کرنے والے کسی کو کچھ نقصان نہیں  
پہنچا سکتے، لیکن خدا کے حکم سے، اور یہ یہود وہ جادو اور  
ٹوٹکے، سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان رسان ہیں، نقصان  
نہیں، اور یقیناً ان کو علم ہے کہ جو ان کو حاصل کرتا ہے

اُس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں،

(البقرہ - ۱۲)

یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ سحر و جادو کی حقیقت وہم و خیال سے زیادہ نہیں فرمایا،

يُخِيلُ إِلَيْهِمْ مِنْ سِحْرِهِمْ إِنَّهَا كَسُفَىٰ (طہ-۳)  
 مصری جادوگر دن کے جادو سے اس کو خیال آتا تھا کہ وہ دور رہیں  
 بلکہ بعض صحابہ نے ان سحر جادو گروں کے قلع قمع کے لیے ان کے قتل تک کا حکم دیدیا، تاکہ انسانوں پر ان کا  
 جو خوف دہرا اس بیٹھا ہوا ہے وہ دور ہو، اور ان کے اس عاجزانہ قتل ہونے سے یہ ثابت ہو کہ ان میں کوئی غیر معجولی  
 طاقت نہیں، وہ بالکل بے بس ہیں،

ابوداؤد میں ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلیم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں  
 جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، اب آپ کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا، کہ تم اپنے جھاڑ منتر ہمارے سامنے پیش کرو، اگر  
 ان میں شرک کی کوئی بات نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں، ایک اور صحابی نے ایک بیمار یا گل کو سورہ فاتحہ پڑھ کر چند روز  
 پھونکا وہ اچھا ہو گیا، اُس نے ان کو انعام دیا، انھوں نے اگر رسول اللہ صلیم سے واقعہ عرض کیا، تو فرمایا کہ میری عمر  
 کی قسم ہر جھاڑ پھونک بطل ہے، لیکن تنے سے جھاڑ کی روزی کھائی، ایک اور صحابی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا،  
 ان الردف المتائم والتولجہ شرک، بیشک جھاڑ پھونک، گنڈے اور میان یوی کے  
 (ابوداؤد وابن ماجہ) چھڑانے کے تو یہ شرک ہیں،

انھیں صحابی کے گھر میں ایک بڑھیا آیا کرتی تھی، گھر والوں نے اس سے کسی بیماری کا کوئی ٹوٹا کرایا،  
 ایک دھاگا پڑھ کر اُس نے باندھ دیا تھا، وہ گھر آئے تو اس دھاگے پر اون کی نظر پڑی، انھوں  
 نے بات بڑھا کر اس کو توڑ کر پھینک دیا، اور فرمایا کہ عبداللہ کا خاندان شرک کی باتوں سے مستغنی ہے،  
 میں نے رسول اللہ صلیم کو یہ کہتے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک، گنڈے، اور میان یوی کے چھڑانے کے تو یہ شرک ہیں،  
 ان کی یوی نے کہا کیا وجہ ہے کہ ایک دفعہ میری آنکھوں میں کچھ پڑ گیا، جب میں جھاڑتی تھی تو پانی رک جاتا تھا،  
 اور جب چھوڑ دیتی تھی، تو پانی بھرتا تھا، انھوں نے جواب دیا یہ شیطانی بات ہے، تم نے کیوں وہ نہ کیا جو رسول اللہ  
 صلیم کرتے تھے، آنکھوں میں پانی ڈالیں اور یہ دھاڑ چھتیں، اُسے لوگوں کے پروردگار اس بیماری کو دور کرنا ہی

لے جاتے روزی باب ماجار فی حدیث السحر و ابوداؤد و باب اخذ الخیرۃ من الجوس،



شفادینے والا ہے، تیری شفا بخشی کے سوا کوئی شفا نہیں۔ ایسی شفا دے کہ پھر کوئی بیمار ہی نہ رہے۔»

۱۰۔ وہ تمام اوہام و خرافات جن سے شرک پرست اہل عرب لرزہ بر اندام رہتے تھے، اور جنکو وہ بالذات مؤثر اور متصرف سمجھتے تھے، انھیں حضرت صلعم نے اُن کا کلمہ توڑ دیا، اور اعلان فرمادیا کہ ان کی کوئی اصل نہیں، فرمایا،

لاعدوی، ولا طیة ولا صفرو ولا  
 نہ چھوت ہے، نہ بد فحالی ہے، نہ پیٹ میں بھوک کا سہہ

ہامۃ (الہوداؤدواہن ماجہ) زمرہ کی کھوپڑی سے پرندہ نکلتا ہے۔

ایک اور صحابی کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا،

العِیَافَةُ وَالطَّیْرَةُ وَالطَّرِيقُ مِنَ الْحَبِیْتِ،  
 پرندوں کی بولی سے خال لینا، اُن کے اڑنے سے خال لینا، اور

(البدوؤدواین ماہر)

ایک اور صحابی آپ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "خال نکالنا شرک ہے" پھر اُن صحابی نے کہا کہ ہم صحابہ  
میں کوئی نہیں جو اس کو برا نہ سمجھتا ہو، بلکہ خدا پر پھروسہ رکھنا چاہئے، یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نخچتر (نور) کچھ نہیں  
یعنی پانی کی بارش میں اس کو بالذات کوئی دخل نہیں، اسی طرح غول بیابانی کے متعلق عربوں کے جو معتقدات  
تھے اُن کو آپ نے ایک نقطہ سے باطل کر دیا، فرمایا،

لاخول (اب داؤد باب فی الطیرۃ) غول بیابانی کچھ نہیں،

اسی طرح بحیرہ اور سائبہ وغیرہ جانوروں کے متعلق ان کے خیالاتِ فاسدہ کا قرآن نے ابطال کیا ہے اور

انعام میں اُنکے ان مشرکانہ عقائد اور اعمال کی بقیہ ترح تردید کی گئی، اور سورہ آمدہ میں فرمایا گیا،

لَا تَجْعَلِ اللَّهُ مِنْ جِغْرَتِي وَلَا سَابِقَتِي وَلَا

وصيلة ولا حاكم (مائدة ٨-١٢)

بکیرہ: اُس بچہ کو کہتے تھے جبکا کان مچاڑ کر تون کی نذر کرتے تھے،

له تمام روایتیں البوداؤ و جلد دوم باب التمام و باب ماجاء فی الرقی الاربعین ماجیاب تعلیق التمام میں ہیں سلط البوداؤ و میں ماجیہ ذکر فال سلط البوداؤ و باب الطریق

سانپ، اُس جانور کو کہتے تھے جو تون کے نام پر چھوڑ دیئے جاتے تھے،  
 و صیلہ بعض لوگ نذر مانتے تھے کہ اگر کچھ نہ ہو تو اسکو بہت پر چڑھائیگے اور اگر مادہ ہوئی تو ہم رکھینگے  
 پھر اگر زومادہ ملے ہوتے تو مادہ کے ساتھ زبھی رکھ لیتے تھے یہ و صیلہ تھا،  
 حامی، وہ اونٹ جس کے دس بچے بوجھ اٹھانے اور سواری کے لائق ہو چکے، تو دیوتا کے نام پر زنا  
 کر دیا جاتا،

یہ اور اسی قسم کے دوسرے ادہام جو عرب میں پھیلے ہوئے تھے، آنحضرت صلم نے اُن کا استیصال فرمایا  
 یہ ادہام پرستی حقیقت میں، تو مون کی تباہی کا ایک بڑا سبب ہوتی ہے۔ یہ ادہام حقیقت کے خلاف ہونے  
 کے علاوہ بہت سے کاموں میں خلل انداز ہوتے ہیں اور غور سے دیکھو تو ان کا سلسلہ بالآخر کسی نہ کسی شریک کا  
 منجر ہوتا ہے، اور انسان کو صحیح طریق عمل سے روک دیتے ہیں، مثلاً بیماری میں طب کے قاعدہ کے موافق علاج  
 کیا جائے تو مفید ہوگا لیکن بہت سے لوگ دھرم پرستی کے بنا پر ٹوٹے ٹوٹے کو دفعِ مرض سمجھتے ہیں، اس قسم کے  
 ادہام عرب میں نہایت کثرت سے پھیلے ہوئے تھے، آنحضرت صلم نے ان تمام ادہام کو تصریح اور تبیین کے ساتھ  
 بالکل قرار دیا، مثلاً

۱۔ عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے تو چاند یا سورج میں گرہن لگتا ہے، حضرت ابراہیم  
 آپ کے صاحبزادہ نے جب انتقال کیا تو سورج میں گرہن لگا ہوا تھا، لوگوں نے خیال کیا کہ انہی کے مرنے  
 کا اثر ہے، آنحضرت صلم نے سنا تو مسجد میں جا کر خطبہ دیا کہ چاند و سورج خدا کی قدرت کے مظاہر ہیں کسی کے مرنے  
 سے ان میں گرہن نہیں لگتا،

۲۔ یہ خیال تھا کہ سانپ اگر مارا جائے تو اس کا جوترا آتا ہے اور انسان کو ہلاک کرتا ہے،

۳۔ ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، ایک ستارہ ٹوٹا آپ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت میں

۱۔ صحیح بخاری باب ملة الکسوف،

تم لوگ اسکی نسبت کیا اعتقاد رکھتے تھے، لوگوں نے عرض کی کہ ہمارا یہ اعتقاد تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مر جاتا ہے یا کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا ہے تو ستارے ٹوٹتے ہیں آپ نے فرمایا کہ کسی کے مرنے یا پیدا ہونے سے ستارے نہیں ٹوٹتے۔  
۴۔ شیر خوار بچوں کے سرھانے استرا رکھ دیا کرتے تھے کہ جن ان کو نہ ستانے پائیں، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے دیکھا تو اٹھا کر پھینک دیا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو پسند کرتے تھے۔

۵۔ نظر بد سے بچنے کے لیے اونٹوں کے گلے میں قلابہ لگاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کسی اونٹ کے گلے میں قلابہ نہ رہنے پائے۔

الغرض توحید کامل کی تعلیم نے عربوں کے تمام مشرکانہ اوہام و خرافات کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا، اسلام کی اس اصلاحی اہمیت کا اندازہ عیسائیت کی ان مقدس روایات و حکایات سے کر دو جنہوں نے صدیوں تک دنیا کو دیوون، بھوتوں، اور چڑیلوں کے تسلط اور عذاب کے شکنجہ میں مبتلا رکھا، اور ان کو سنانا اور بھگانا عیسائیت کا کمال اور اعجاز سمجھا جاتا رہا،

۱۱۔ شرک کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب کفارہ اور شفاعت کے وہ غلط معنی تھے، جو عربوں اور عیسائیوں وغیرہ میں رائج تھے، عربوں نے شفاعت کے جو غلط معنی سمجھ رکھے تھے، اُس کا اصلی سبب ان کا وہ تخیل تھا جو خدا اور بندوں کے تعلق کی نسبت ان کے ذہن میں قائم تھا وہ خدا اور بندوں کے درمیان وہی نسبت سمجھتے تھے جو ایک قاهر و جابر بادشاہ اور اسکی رعایا کے درمیان ہے، اور جس طرح بادشاہ کے دربار تک ایک عام اور معمولی رعایا کی رسائی دربار رس سفارشیوں اور مقربوں کے بغیر ممکن نہیں، اسی طرح اُس شہنشاہ کے دربار میں بھی وہ اُس کے دربار رس سفارشیوں اور مقربوں کے بغیر رسائی ممکن نہیں سمجھتے تھے، اسی لیے وہ ان درمیانی ہستیوں کے بھی خوش رکھنے کی ضرورت کے متفق تھے، چنانچہ وہ اپنے بتوں، دیوتاؤں اور فرشتوں کو اسی نسبت سے پوجتے تھے اور کہتے تھے،

کفارہ اور شفاعت کے غلط معنی کی تردید

هٰكُنَّا شُفَعَاؤُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ مَا (یونس-۱) یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں،

آنحضرت صلیم نے جب اُن کی اس بت پرستی پر ان کو ملامت کی تو انھوں نے صاف کہا،  
مَا لَعَبْدُكُمْ اِلَّا لِيُقَرَّبَ بِنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی، ہم اُن کو اسی لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کے تقرب میں  
(رزم-۱) نزدیک کر دیں،

یہودیوں میں بھی اسی قسم کی دوسری غلط فہمی تھی وہ یہ سمجھتے تھے کہ بنی اسرائیل کا گھرانہ خدا کا خاص کنبہ اور  
خاندان ہے اور ان کے خاندان کے پیغمبر اور نبی چونکہ خدا کے پیارے اور محبوب ہیں اس لئے انکی اولاد اور  
نسل بھی دنیا اور آخرت میں یہی درجہ رکھتی ہے، اگر ان پر کوئی مصیبت بھی پڑے گی تو اُن کے خاندان کے بزرگ  
جو خدا کے مقرب اور برگزیدہ ہیں، وہ ہر طرح اُن کو اُس سے بچالین گے، اُن کا دعویٰ تھا کہ  
نَحْنُ اَنْبِیَاءُ اللّٰهِ وَارْحَمَآؤُنَا (مائدا-۳۰) ہم خدا کی اولاد اور اُس کے پیارے ہیں،

قرآن نے کہا،

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّثْلُ خَلْقٍ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَاءُ  
وَعِذَابُ مَنْ یَّشَاءُ (مائدا-۳۰) بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہو، یہ اُسی  
کو اختیار ہو کہ جسکو چاہے بخشے اور جسکو چاہے سزا دے،

اور اسی بنا پر ان کا دعویٰ تھا،

لَنْ تَسْمَعَ النَّارُ اِلَّا اٰیٰتًا مَّعْدُوٰی دٰثِرًا  
(ال عمران-۳۰) ہم کو دوزخ صرف چند گنتی کے دن چھو کر  
چھوڑ دے گی،

قرآن نے کہا

وَعَرَّضْنٰمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ  
(ال عمران-۳۰) اور یہ جھوٹ اپنے دل سے بنا کر جو عقیدہ گھڑ چکے ہیں وہ  
اُن کے مذہب میں اُن کو دھوکا دیر ہا ہے،

عیسائیوں کا عقیدہ یہ تھا اور ہے کہ باپ (خدا) نے تمام انسانوں کی طرف سے جو موروثی اور طبعی

طرح سے گنہگار ہیں، اپنے اکلوتے بیٹے (حضرت عیسیٰ) کو قربانی دیکر ان کے گناہوں کا کفارہ دیدیا، اور وہ گناہوں سے پاک و صاف ہو گئے، اور حضرت عیسیٰؑ اور ان کے بعد ان کے جانشین پوپوں کو گناہوں کے معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، کہ جو وہ زمین پر کھولیں گے وہ آسمان پر کھولا جائیگا، اسی لیے پوپوں کے سامنے اعترافِ گناہ کا عقیدہ عیسائیوں میں پیدا ہوا، اور ان کو بندوں کے گناہوں کے معاف کرنا دنیا میں حتی ملا،

پیغامِ محمدیؐ نے ان کو ملزم قرار دیا اور کہا،

اتخذوا آخبارَهُمْ وَرَحِبَاءَهُمْ أَزْوَاجًا ۖ  
دُونَ اللَّهِ، (توبہ-۵)

انہوں نے اپنے عاملوں اور راہبوں کو خدا کو چھوڑ کر اپنا خدا بنا کر کھا ہے،

اور اصولی طرح سے اُس نے یہ بتا دیا کہ

وَمَا يَعْزِفُ إِلَيْكَ إِلَّا اللَّهُ (آل عمران-۱۸)

خدا کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے،  
ان کا عقیدہ تھا کہ بیثباتی کے دن باپ کے داہنے بازو پر برابر بیٹھ کر خلق کا عدل و انصاف کرے گا اور ان کے پاس ایک بڑے مؤثر طرز میں اس کی تردید کی ہے، قیامت کے دن خدا حضرت عیسیٰؑ سے پوچھے گا،

أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوا مِنِّي وَأُتْحَى الْهَيِّينِ  
مِنْ دُونِ اللَّهِ (مائتہ ۸-۱۶)

اے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری مان کو خدا بناؤ،

وہ کہیں گے، ہاں اہا! میں نے تو ان سے وہی کہا جو تو نے کہا، میں نے تو ان کو یہ تعلیم دی، میں نے تو

ان سے ہی کہا کہ صرف ایک خدا کو پوجو، اب

إِنْ تَعَذَّلْتُمْ عَنْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ عَاوِلَ تَعَفُّهُمْ

فَكَانَتْ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْمُحْكِمُ (مائتہ ۸-۱۶)

اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو بخش دے تو تو سب کچھ کر سکتا ہے، کہ تو غالب اور حکمت والا ہے،

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہوں کی مغفرت اور معافی یا گناہوں پر سزا اور عذاب دینا صرف خدا کے ہاتھ میں ہے، کسی دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں،

بت پرست عربوں کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ یہ دیوتا اور ان کے یہ بت خدا کی طرف سے دونوں عالم میں عطا  
 کل ہیں، وہ یہاں دینے نہ دیتے گا، اور اس عالم میں بختے کا اختیار رکھیں گے اور اس عقیدہ کا نام ان کے یہاں  
 "شفاعت" تھا، اور یہ دیوتا ان کے شفیع تھے، قرآن مجید نے کفارہ، غیر خدا کے اختیار مغفرت، اور بت پرستانہ طریقہ  
 شفاعت کے عقائد باطلہ کی ہر طرح تردید کی، اور بتایا کہ یہ اختیار خدا کے سوا کسی اور کو نہیں سب اس کی عظمت اور جلال  
 کے سامنے عاجز اور درماندہ ہیں،

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ  
 الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ تَشَاءُ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ  
 (زخرف - ۷)

یہ کافر خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار  
 نہیں رکھتے، لیکن وہ جس نے حق کی شہادت دی اور  
 وہ جانتے بھی ہوں،

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ اتَّخَذَ عِنْدَ  
 الرَّحْمَنِ عَهْدًا، (مریم - ۶)

یہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، لیکن جس نے رحم والے  
 خدا سے اقرار لے لیا،

أَتَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا إِنْ يُرِدْنِ الرَّحْمَنُ  
 بِضُرٍّ لِمَنْ تَدْعُو شَفَاعَتَهُمْ شَيْءٌ وَلَا  
 يُنْقِذُونِ، (سین - ۲)

کیا خدا سے برحق کو چھوڑ کر چھوٹے معبودوں کو خدا بناؤں  
 اگر چہ میں مجھے نقصان پہنچانا چاہوں تو ان کی شفاعت مجھے ذرا  
 بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکتے ہیں،

کفار فرشتوں کو بھی اسی غرض سے پوجتے تھے، حکم ہوا،  
 وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُفَعِّلُهُمْ شَيْئًا  
 شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِمَنْ يَشَاءُ  
 وَيَرْضَى، (نجم - ۳)

اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی شفاعت کچھ  
 فائدہ نہیں پہنچاتی، لیکن اس کے بعد کہ اللہ اجازت  
 دے جس کے لیے چاہے اور پسند کرے،

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلُوبُهُمْ  
 كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ (زمرہ - ۵)

کیا ان کافروں نے خدا کے سوا کو شفیع بنایا ہے، کہہ سکتے  
 اگرچہ یہ کچھ اختیار اور سبجہ بوجھ نہ رکھتے ہوں، تو بھی؟

خدا قیامت میں اُن سے کیگا،

وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ  
اور ہم دیکھتے نہیں تمہارے ساتھ تمہارے اُن متفقین

أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ (انعام- ۱۱)  
کہ جنکو تم سمجھتے ہو کہ تمہاری ملکیت میں خدا کیساتھ شریک ہیں

وَلَيْدَرْتَقُوهُ الشَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ  
اور جب قیامت طرے ہوگی تو شرکین ناامید ہونگے کہ جنکو وہ خدا

وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ (روم)  
کا شریک کاربالتے تھے ان میں سے کوئی اُن کا شفع نہ ہوا،

خاص یہود کو مخاطب کر کے اُن کے عقیدہ کی تردید میں کہا گیا،

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلَ ..... وَاتَّقُوا  
اے فرزندان اسرائیل! ..... اور ڈرو اُس من سے

یو مالا تجزئ نفس عن نفس شیئا ولا  
جس میں کوئی ایک دوسرے کے ذاکام نہ آئیگا، اور نہ اسکی طرف سے

يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا  
کوئی شفاعت قبول کیجائیگی اور نہ کچھ اس کے بدلہ میں لیا

عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ (بقرہ- ۶)  
جائیگا، اور نہ کوئی ان کو مدد پہنچائی جائے گی،

پھر اسی معنی کی آیت اسی سورہ میں دوسری جگہ ہے،

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلَ ..... وَاتَّقُوا  
اے فرزندان اسرائیل! ..... اور ڈرو اُس دن سے

لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا  
جس میں کوئی کسی کے کام ذرہ بھی نہ آئیگا، اور نہ اس کی

عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ (بقرہ- ۱۸)  
طرف سے کوئی بدلہ قبول ہوگا، اور نہ شفاعت فائدہ دیگی

اور اسی معنی میں مسلمانوں سے بھی کہا گیا کہ وہ عمل پیش کریں، شفاعت کے بھروسے میں نہ رہیں،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا مِمَّا زَعَمْتُمْ  
اے مسلمانو! جو کچھ تم نے تم کو روزی دی رکھی ہو اس سے

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّآتِیَنَّكُمْ لَا بَیْعَ فِیْهِ وَلَا خِلَآءٍ  
کچھ خرچ کر دیا کرو، اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ لین

وَلَا شَفَاعَةٌ (بقرہ- ۲۶)  
دین ہے نہ دوستی جو، نہ شفاعت ہے،

غرض آپ کے پیغام نے ان معنوں میں شفاعت کے عقیدہ باطل کی ہر جگہ تردید کی ہے، اور اعلان کیا ہے

کہ اس شفاعت کا اختیار صرف خدا کے ہاتھ میں ہے،

أَمْ تَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ سُفْعَاءَ قُلُوبِكُمْ

کَا تَنْتَظِرُونَ أَمْ يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ

قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ، (زمر - ۵)

اس آیت پاک نے کفار و مشرکین کے عقیدہ شفاعت کی قطعی طور سے تردید کی، دوسری آیت میں یہودی و نصاریٰ کے عقیدہ شفاعت کا اتنا حصہ صرف تسلیم کیا کہ خدا کے نیک بندے اپنے دوسرے بھائیوں کے حق میں شفاعت کریں گے،

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ

الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ

يَعْلَمُونَ، (زخرف - ۷)

دوسری جگہ اسی شہادت کو اقرار لیتا کہا گیا ہے،

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (موم - ۶)

لیکن اس شہادت حق اور عہد الہی کے باوجود اس اختیار کے استعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رضامندی شرط ہے،

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ (یونس - ۱)

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

(بقرہ ۲۵۵)

کیا انھوں نے خدا کے سوا اوروں کو شفیع بنا رکھا ہے، کہ

اگرچہ ان کو کسی چیز کا اختیار نہ ہو اور نہ ان کو سمجھ ہو تو بھی،

کہہ دے کہ شفاعت کا کل اختیار خدا ہی کو ہے، اُسی کا راج

اسماؤں اور زمین میں ہے، پھر اُسی کی طرف تم لوٹے جاؤ گے

اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر حنا و پکارتے ہیں، وہ شفاعت کا

اختیار نہیں رکھتے، لیکن وہ جنھوں نے حق کی گواہی

دی، اور وہ دانش رکھتے ہیں،

یہ لوگ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے لیکن وجود خدا کے

نزدیک (دنیا میں اپنی عمل کے ذریعے) اقرار لے چکا ہے

لیکن اس شہادت حق اور عہد الہی کے باوجود اس اختیار کے استعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت

اور رضامندی شرط ہے،

خدا کی بارگاہ میں) کوئی شفیق نہیں لیکن اسکی اجازت کے بعد

وہ کون ہے جو خدا کے سامنے کسی کی شفاعت کر سکے

لیکن اسکی اجازت سے،



وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي عَنْهُ شَفَاعَتُهُ

اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ انکی شفاعت ذرا بھی

شَيْءٌ إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لَهُمْ لِيُشَاقُّوا وَيَرْضَى

کام نہیں آسکتی البتہ اسکے بعد کہ خدا اجازت دے جس کو چاہے

صَوَابًا، (نبأ- ۲)

لیکن جسکو وہ رحم والا اجازت دے اور ٹھیک کے،

پھر یہ شفاعت بھی انھیں لوگوں کے حق میں ہو سکے گی، جن کے حق میں اللہ تعالیٰ انبیاء اور صالحین

کو شفاعت کی اجازت دیگا، فرمایا،

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَ أَهْلِ الْإِيمَانِ إِذِنْ

اور شفاعت خدا کے نزدیک نفع نہ دیگی، لیکن اس کیلئے

لَهُ، (سبا- ۳)

جس کے لیے وہ شفاعت کی اجازت دے،

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ

اُس دن شفاعت نفع نہ دیگی، لیکن اوسکو جس کے لئے

لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا، (طہ- ۶)

خدا اجازت دے اور اُس کے لیے بات کرنا پسند کرے،

بلكه خود انبیاء علیہم السلام بھی سفارش انھیں کی کریں گے جبکی خود چاہیگا، فرمایا،

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ

اور وہ شفاعت نہیں کریں گے لیکن اُنکی جس کے لیے خدا

خَشِيَّتِهِ مُشْفِقُونَ، (انبیاء- ۲)

اپنی خوشنودی ظاہر کرے اور وہ اُس کے خوف سے رہا ہونگے،

پھر ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کے افراد کے لیے ازل ہی سے یہ اعلان عام ہو چکا ہے کہ اُن کے

لئے مغفرت اور شفاعت کا دروازہ بند ہے، اور یہ وہ مجرم ہیں جن کے دل، حق کی شہادت سے محروم رہ گئے

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ (مائدہ- ۲)

تو اُن کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دیگی

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَّاصِرٍ وَلَا لَشَيْءٍ يُطَاعُ، (سومن- ۲)

اور ظالموں (شُرکوں) کا کوئی دوست اُس (ہوگا اور نہ کوئی شفیق

اور وہ بد نصیب گروہ جس کے حق میں رحمت کا یہ دروازہ بند رہیگا، مشرکین ہیں، جیسا کہ ذیل کی آیت سے ظاہر ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ  
مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ، (نساء-۱۸)

لیکن اب ایسی حالت میں جب کہ وہی شفاعت کر سکیں گے جنکو اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دے گا، اور وہ بھی انھیں کی شفاعت کرینگے تنہا کی شفاعت کرنا خود خدا کو منظور ہوگا، تو حقیقت میں خود اللہ ہی اپنے دربار میں اپنا آپ شفیع ہوگا، یا صوفیانہ اصطلاح میں یوں کہو جلال الہی کی بارگاہ میں، اس کی صفتِ کریمی و رحیمی خود شفیع بنکر کھڑی ہوگی، اسی لیے ارشاد ہوا،

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُجَنَّبُوا  
إِلَى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَ  
لَا شَفِيعٌ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ،

(انعام-۵) اور شفیع نہیں، شاید وہ سمجھتے رہیں،

مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ ط  
أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ، (سجده-۱)

خدا کی اس صفتِ کریمی و رحیمی کے منظر اُس دنیا میں بھی وہی ہونگے، جو اس دنیا میں اوس کے منظر بنکر آئے تھے، اور وہ انبیاء کرام ہیں کہ خدا کے رحم و کرم ہی کے سبب سے جو اوس کو اس دنیا اور اہل دنیا کیساتھ ہے، ان انبیاء کی بعثت ہوئی، اور وہ اپنی اپنی امت پر شاہد قرار پائے، اسی طرح خدا کی اجازت کے بعد اُس دنیا میں بھی وہی خدا کے اس رحم و کرم اور فضلِ عظمیٰ کے منظر قرار پائیں گے، نیز رحمت کے فرشتے اور امت کے نیکو اور صالح افراد بھی جنکو رحمت الہی نے چنا ہو، اس منصب پر ممتاز ہو سکیں گے، خصوصاً وہ سربراہِ رحمت جو اس دنیا میں رحمتہ للعالمین کا منظر بنکر آیا،

اجرام سماوی  
کی قدرت  
کا انکار

۱۲۔ بظاہر دنیا میں بہت سی باتیں آفتاب و مانتاب کی گردش، اور ان کے سبب اختلافِ موسم کے اثرات ہوتی ہیں، اس لیے ستارہ پرست تو مون میں یہ اعتقاد پیدا ہو گیا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ستاروں کی گردش کے اثر سے ہوتا ہے، یہی اعتقاد عرب کے مشرکوں میں بھی پھیلا تھا، وہ سورج اور چاند کو سجدے کرتے تھے، اسلام نے ان کو اس شرک سے روکا اور کہا،

لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (فصلت - ۵) سورج اور چاند کو سجدے نہ کیا کرو،

اسی طرح وہ زمانہ کو دنیا کے کاروبار میں حقیقی مؤثر جانتے تھے، اور یہ کہتے تھے،

وَمَا يُمْسِكُنَا إِلَّا اللَّهُ (جاثیہ - ۳) ہم کو تو زمانہ مارتا ہے،

اسی کا اثر ہے کہ ہماری شاعری کی زبان میں فلک بھر قنار اور دہرنا بجا کر شکایت اب تک چلی جاتی ہے، عرب کے مشرکین بھی یہ سہجہ بولا کرتے تھے، ان کو جب کوئی خدات توقع تکلیف پہنچتی تھی تو زمانہ کی شکایت کرتے تھے اور کہہ کر اکتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رنہ لیا اور فرمایا کہ زمانہ کو گالی نہ دیا کرو کہ زمانہ خود خدا ہے اور فرمایا کہ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ اُم کا بیٹا مجھ کو تکلیف پہنچاتا ہے، وہ زمانہ کو برا کہتا ہے، زمانہ میں ہوں، میرے ہاتھ میں تمام کام ہیں، میں شب و روز کا انقلاب کرتا ہوں، یعنی جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا خالق زمانہ کو سمجھ کر لوگ اُس کو برا کہتے ہیں، حقیقت میں اُن کا پیدا کرنے والا خدا ہی ہے، اس لیے یہ گالی حقیقت میں خدا کو دی جاتی ہے،

اسی خیال کا یہ بھی اثر تھا کہ اہل عرب بارش کو نچتر کی طرف منسوب کیا کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ فلان نچتر کے سبب ہم پر پانی برسایا گیا، حدیبیہ کے موقع پر اتفاق سے رات کو بارش ہوئی، صبح کو نماز کے بعد آپ صحابہ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا "تم جانتے ہو، تمہارے رب نے کیا کہا،" صحابہ نے عرض کی کہ خدا اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے، ارشاد ہوا، اُس نے فرمایا، "آج صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مومن ہو کر اٹھے اور

فتح باری شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۴۴، و کتاب الاسماء والصفات بیہقی صفحہ ۱۱۱، الہ آباد صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ الادب صلی اللہ علیہ وسلم بخاری تفسیر سورہ جاثیہ، و کتاب الرد علی الجہیم جلد ۲ صفحہ ۱۱۱۶،

کچھ کافر ہو کر جھوٹے یہ کہا کہ خدا کے فضل و رحمت سے ہم پر پانی برسنا وہ تو خدا پر ایمان لانے والے اور ستارہ کے انکار کرنے والے ہیں اور جھوٹے یہ کہا کہ فلاں نچھتر سے پانی ہم پر برسنا تو وہ خدا کے انکار کرنے والے اور ستارہ پر ایمان لانے والے ہیں۔

سورج گرہن اور چاند گرہن کو بھی لوگ عظیم الشان واقعات اور انقلابات کی علامت سمجھتے تھے، کم و بیش دنیا کی تمام قوموں میں وہ آسمانی دیوتاؤں کے غیظ و غضب کے منظر یقین کئے جاتے تھے، سہ ماہی اتفاق سے ایک دن سورج گرہن لگا، اور اسی دن آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم نے وفات پائی، صحابہ نے خیال کیا کہ یہ سورج گرہن لگنے کا سبب حضرت ابراہیم کی موت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو تمام مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا، اور ایک تبلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں اس خیال کی تردید کی، فرمایا کسوف و خسوف اور گرہن کو کسی کے جینے مرنے سے کوئی تعلق نہیں، یہ بھی خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے،

غیر خدا کی قسم  
سے روکنا

۱۳۔ شرک کی ایک نہایت ہی باریک صورت یہ تھی کہ لوگ غیر خدا کی قسمیں کھاتے تھے، قسم کھانے کے معنی حقیقت میں شہادت کے ہیں، جسکی قسم کھائی جاتی ہے، اسکو دراصل واقعہ پر گواہ بنایا جاتا ہے، عربوں میں بت پرستی کے رواج کے باعث بتوں اور دیوتاؤں کی قسمیں کھائی جاتی تھیں، جو صریح کفر تھیں، قریش اپنے دیوتا لات اور عززی کی قسمیں کھایا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے منع فرمایا، لیکن رواج اور عادات کے باعث مسلمان ہونے کے بعد بھی بے اختیار اُن کی زبان سے اُن کی قسمیں نکل جاتی تھیں، آپ نے فرمایا کہ جس شخص کی زبان سے لات اور عززی کی قسم نکل جائے تو وہ نوراً لا الہ الا اللہ کہہ دے، یہ گویا اس کفر کے کلمہ سے توبہ ہے، قریش میں باپ کی قسم کھانے کا بھی رواج تھا، اس سے بھی آپ نے منع فرمایا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو اپنے باپ کی قسم کھاتے سنا، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے منع کیا ہے کہ اپنے باپ کی قسم کھایا کرو، جسکو قسم کھانی ہو وہ یا تو

۱۔ صحیح بخاری باب الاستسقاء باب الذکر بعد الصلوٰۃ صحیح مسلم کتاب الايمان، ۲۔ صحیح بخاری، صلوٰۃ الکسوف، ۳۔ سنن نسائی کتاب الايمان والندور،

خدا کی قسم کھائے ورنہ چپ رہے حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور کے ارشاد کا یہ اثر ہوا کہ اس وقت سے آج تک میں نے نہ تو خود اور نہ کسی کی بات دہرانے میں کبھی باپ کی قسم کھائی، مان کی قسم بھی لوگ کھایا کرتے تھے، اس سے بھی آپ نے منع فرمایا، اسی طرح کعبہ کی قسم بھی لوگ کھایا کرتے تھے، اس پر ایک یہودی نے اگر مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تم بھی شرک کرتے ہو، کعبہ کی قسم کھاتے ہو، آپ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ کعبہ کی نہیں بلکہ کعبہ والے (خدا) کی قسم کھایا کرو، ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی کو کعبہ کی قسم کھاتے سنا، تو اس کو منع کیا اور کہا کہ غیر خدا کی قسم نہ کھائی جائے، میں نے یہودی سے یہ سنا ہے کہ جس نے غیر خدا کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا، دوسری روایت میں ہے کہ ہر وہ قسم جو غیر خدا کی کھائی جائے شرک ہے!

۱۴۔ اکثر نیک لوگوں کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کی مشیت میں خدا کی مشیت ہے، اس میں نہ صرف عقیدہ لوگ بلکہ اہل توحید بھی غلطی سے مبتلا ہو جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو اس دقیق غلطی سے بھی آگاہ کیا، اور بتایا کہ دنیا میں مشیت صرف خدا کی ہے، اسی کی خواہش کے مطابق وہ چل رہی ہے تمام مشیتیں اور خواہشیں اسی کی مشیت اور خواہش کے ماتحت ہیں، خدا کے ساتھ اور کسی مخلوق کی مشیت، عالم کے کاروبار میں شریک نہیں، لیکن لوگوں نے خدا کی مشیت کے ساتھ اور ان کی مشیت کو بھی شریک کر لیا تھا، توحید کامل کے مصلح نے اس خیال کی سختی سے تردید کی، اور قرآن مجید نے جا بجا اس حقیقت کو واضح کیا کہ مشیت الہی کے علاوہ کوئی اور حقیقی مشیت نہیں، تمام دیگر مشیتیں اس کی تابع اور ماتحت ہیں، عقیدہ کی یہ غلطی استدرعام تھی کہ جو لوگ عقیدہ نہیں رکھتے تھے، وہ بھی سلاطین، حکام اور بزرگوں کے ساتھ گفتگو میں یہ کہنا حق ادب سمجھتے تھے، کہ جو خدا چاہے اور جو حضور چاہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرز کلام سے منع فرمایا، یہاں تک کہ خدا کی مشیت کے ساتھ برابری سے خود اپنی مشیت کے ذکر سے بھی صحابہ کو روکا، اس قسم کا طرز کلام لوگوں کی زبانوں پر چڑھ گیا تھا، اس میں یہ تصحیح

خدا کی مشیت میں  
کوئی شریک نہیں

۱۵۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری، صحیح مسلم، نسائی، کتاب الایمان میں مذکور ہیں، اس کے نسائی کتاب الایمان والذکر والے جامع ترمذی ابواب الذکر والایمان، و مستدرک حاکم صفحہ ۱۰، جلد ۱، کتاب الایمان، اس کے مستدرک حاکم بحوالہ مذکور،

فرمایا کہ خدا اور غیر کی مشیت کے درمیان عطف کا واسطہ لایا جائے، کہ اس سے برابری کا ثبوت نہ نکلے، بلکہ پھر کا لفظ بولا جائے، تاکہ معلوم ہو کہ خدا کی مشیت کے بعد اور ان کی مشیت کا درجہ ہے۔

نسائی مین ہے کہ ایک یہودی نے خدمت نبوی مین آکر مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ شرک کرتے ہو، کہتے ہو کہ جو خدا چاہے اور جو محمد چاہیں، آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یوں کہو کہ وہ ایک سے جو چاہے پھر جواب چاہیں، یہی واقعہ ابن ماجہ مین اس طرح ہے کہ ایک صحابی نے خواب مین دیکھا تھا کہ ایک یہودی یا عیسائی اُن سے کہہ رہا ہے کہ تم مسلمان بڑے اچھے لوگ ہوتے اگر نہ نہ کیا کرتے، تم کہا کرتے ہو کہ خدا جو چاہے اور جو محمد چاہیں، اُن صحابی نے خدمت اقدس مین آکر اپنا یہ خواب بیان کیا، آپ نے فرمایا مین اس فقرہ کی برائی جانتا تھا، یوں کہو کہ جو خدا چاہے پھر جو محمد چاہیں، ابو داؤد مین یہی تعلیم اس واقعہ کی تقریب کے بغیر اس طرح مذکور ہے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ جو خدا چاہے اور جو فلاں چاہے، بلکہ یوں کہو کہ جو خدا چاہے پھر جو فلاں چاہے، لیکن امام بخاری نے اب القدر مین اور بیہقی نے کتاب الاسما مین جو روایت کی ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی اور کی مشیت کا نام بھی نہ لینا چاہیے، ایک شخص نے خدمت والا مین حاضر ہو کر سلسلہ کلام مین کہا کہ جو خدا چاہے اور جواب چاہیں ارشاد ہوا کہ تم نے خدا کا ہمسر اور مقابل ٹھہرایا، جو خدا تنہا چاہے، مَا كُنَّا اللَّهُ وَحْدَهُۥ

اس سلسلہ مین یہاں تک اہتمام نہ نظر تھا کہ اس سے بھی منع فرمایا کہ خدا اور رسول کی طرف ایک ضمیر پھر کر ایک فعل لایا جائے، تاکہ یہ سمجھا جائے کہ خدا اور رسول کا درجہ برابر ہے، ایک دفعہ آپ کے سامنے کسی شخص نے خطبہ کے اُتار مین یہ فقرہ کہا جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی، اور جس نے اُن دونوں کی نافرمانی کی یہاں تک اس نے کہا تھا کہ آپ نے اُس کو روک دیا اور فرمایا، اُٹھ جاؤ تم بڑے خطیب ہو، آپ نے آزدگی کا اظہار اس لیے فرمایا کہ اُن دونوں کو ساتھ کہنے سے سامعین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ خدا کی اور رسول کی نافرمانی کا حکم برابر ہے۔

نسائی کتاب الايمان والنزور، ص ۱۵۷، ابن ماجہ کتاب التذکر، ص ۱۵۷، ابو داؤد کتاب الادب باب لا تقولوا غیبتی، ص ۱۵۷، اب القدر امام بخاری صفحہ ۱۵۷، مصر کو کتاب الاسماء والصفات امام بیہقی صفحہ ۱۱۰، مطبوعہ المآب،

اور اس میں شرک کا شبہ ہے، اس لیے خطیب کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ ”اور جو خدا کی اور رسول کی نافرمانی کرے گا وہ.....“ جیسا کہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے اور ماثورہ خطبوں میں منقول ہے،

۱۵۔ جن باتوں میں شرک کا ذریعہ بنایا جاتا تھا، ان سے بالکل منع کر دیا لوگ اولاد کا نام آفتاب، ہفتاب وغیرہ کی عہدیت کیساتھ رکھتے تھے، مثلاً عبد الشمس، عبد مناف، ان ناموں سے سخت منع فرمایا، اور فرمایا کہ بہترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں، اہل علم اپنے سلاطین کو شاہنشاہ یعنی تمام بادشاہوں کا بادشاہ کہتے تھے، چونکہ ہمیں شرک کا احتمال تھا، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ نام خدا کو سب زیادہ ناپسند ہے، دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اس شخص پر اللہ کا سید غضب ہوا جس نے اپنی کوشش سے شاہ کہا، خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں، (حاکم فی المستدرک ص ۷۵، ج ۴)۔

غلاموں کو لوگ عبد یعنی بندہ کہتے تھے، حالانکہ انسان خدا کا بندہ ہے، آدمیوں کا نہیں، اسی طرح غلام اپنے مالک کو رب کہتے تھے، حالانکہ رب خدا ہے، اس بنا پر آنحضرت صلیم نے قطعی منع فرمادیا کہ کوئی شخص غلاموں کو عبد یعنی بندہ نہ کہنے پائے، بلکہ یوں کہے کہ ”میرا بچہ“ یا ”بچہ“، اور اسی طرح غلام اور باندیان اپنے آقا کو رب نہ کہیں، مالک کہیں کہ تم سب غلام ہو، اور رب اللہ ہے، ہاں ایک صحابی تھے جنکی کینت ابو الحکم تھی، وہ جب خدمت اقدس میں اپنی قوم کے ساتھ آئے تو آپ نے فرمایا کہ حکم خدا ہے اور خدا ہی حکم دینے والا ہے، تم کو لوگ ابو الحکم کیوں کہتے ہیں، عرض کی کہ میرے قبیلہ میں جب کوئی نزاع ہوتی ہے تو لوگ مجھ کو حکم یعنی ثالث بناتے ہیں، اور میں جو فیصلہ کرتا ہوں اس کو سب تسلیم کر لیتے ہیں، آپ نے فرمایا تمہارے بچوں کے کیا نام ہیں، بولے شریح، مسلم، عبد اللہ، اپنے پوچھا سب میں بڑا کون ہے، عرض کی ”شریح“ فرمایا تو تمہاری کینت ابو شریح ہے۔

اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی برا کام کرتے ہیں تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں، گو یا اس نے بلی کر لی ایک دفعہ ایک صاحب آنحضرتؐ کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھے، گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، انھوں نے کہا، شیطان کا برا ہو، آپ نے فرمایا یونہی کہو، ورنہ شیطان غور سے پھول جائے گا، اور کہے گا میری قوت سے یہ ہوا، خدا کا نام

باب تفسیر الاشارة الیه بود او کتاب الادب الیه بود او کتاب الادب باب الکرم و حفظ المثل الیه بود او کتاب الادب باب تفسیر الاشارة الیه بود او کتاب الادب

تو شیطان و بکر کھٹی کے برابر ہو جائیگا۔

تصویر بنانے سے سخت منع کیا، اسکی یہی وجہ تھی، کہ اول اول لوگ کسی بزرگ اور مقدس کی تصویر گھڑیں رکھتے تھے، تو محبت یا یادگار کے طور پر رکھتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ انھی تصویروں کی پرستش ہونے لگتی تھی، چنانچہ ہندوؤں اور رومن کیتھک عیسائیوں میں اسی طرح تصویر پرستی اور اس سے بڑھ کر بت پرستی کا رواج ہوا، اس بنا پر آنحضرت صلیم نے سب سے تصویر کھینچنے سے منع فرمایا،

قبر پرستی اور یادگار پرستی سے روکنا

۱۴۔ شرک کا بڑا ذریعہ قبر پرستی اور یادگار پرستی ہے، قبروں اور یادگاروں کو لوگ عبادت گاہ بنالیتے ہیں، سالانہ مجمع کرتے ہیں، دور دور سے سفر کر کے آتے ہیں، قبروں پر سجدہ بناتے ہیں، منتیں مانتے ہیں، اندرین جڑھاتے ہیں، آنحضرت صلیم نے ان تمام افعال سے منع کیا، وفات سے پانچ دن پہلے اپنے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجد بنالیتے تھے، دیکھو میں تم کو منع کرتا ہوں کہ قبروں کو مسجد نہ بنانا، ان وفات کے وقت چہرہ سے چادر الٹ دی اور فرمایا کہ خدا یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے، ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کی قبریں مسجد بنالیں،

ربا اور عدم اخلاص بھی منہوی شرک ہے

۱۵۔ یہ توحید کے متعلق وہ اصلاحات تھیں جنکا تعلق زیادہ تر اعمال اور روزمرہ کی بول چال سے تھا، لیکن حقیقی اصلاح جس سے توحید کی تکمیل ہوتی ہے، وہ قلب و روح کی توحید ہے، انسان کے تمام کاموں کا کوئی نہ کوئی نفسیاتی محرک ہوتا ہے، کوئی طلبِ شہرت کے لیے کام کرتا ہے، کوئی دنیاوی معاوضہ کے لیے کرتا ہے، کوئی نمائش اور دکھاوے کے لیے کرتا ہے، کوئی غیر کی محبت یا عداوت میں کرتا ہے، ان تمام کاموں کا محرک درحقیقت غیر خدا ہے، جس نے خدا کی جگہ لے لی ہے، اسی لیے قرآن مجید نے کہا،

اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ الْاِلٰهَہٗ هَوٰیہٗ (فرقان۔ ۲۴) تنے اُس کو دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنالیا ہے

اسی لئے بڑا بت وہی ہے جس کو انسان نے خود اپنے دل کے تھانے میں چھپا رکھا ہے، اس بت کو توڑنا توحید کی اصلی تکمیل ہے، آپ نے بتایا کہ انسان کے تمام کاموں کا دار مدار و محور خود اُس کے دل کے عمل پر ہے،

سہ ابو داؤد کتاب الادب باب لا یقول خبیث نفسی، سہ صحیح مسلم کتاب المساجد،



اِنَّمَا اَلَا اَحْمَدُ بِالْاِثْنَاتِ، اس لیے ایک مسلمان کے ہر قسم کے کاموں کا اصلی محرک صرف خدا کا حکم، خدا کا خوف، خدا کی اطاعت، خدا کی خوشنودی، خدا کی محبت، غرض صرف خدا ہونا چاہیے، جس درجہ تک ایک مومن کی اس قلبی کیفیت میں ترقی ہوگی اُس کے ایمان و توحید کی تکمیل بھی پایہ کمال کو پہنچتی جائیگی، اسی بنا پر وحی محمدیؐ نے ہر جگہ اور ہر موقع پر انسان کو اُس کے عمل کی غرض غایت مَرْضَاتِ اللہ، اللہ کی خوشنودی، مَخْصَصِینَ لَہُ الذِّیْنَ خاص خدا کے لیے اور وَجْہِ تَرْبَاتِ اَلَا اَحْمَدُ ذاتِ خدا قرار دینے کی تعلیم دی ہو، اس بنا پر انسان جو کام خدا کے علاوہ کسی اور غرض و نیت سے کرے، اور حقیقت اُس کام کے لیے اُس نے ایک موقت خدا الگ بنالیا اور وہ گویا وقت مغلطی، اور قانونی نہیں لیکن منویٰ نفیٰ شرک کے ارتکاب کا یقیناً مجرم ہے، آپنے فرمایا جس نے خدا کے لیے دیا، اور خدا ہی کے لیے رکھا، خدا کے لیے چاہا، اور خدا ہی کے لیے عداوت کی، اور خدا ہی کے لیے بیاہ کیا اُس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا،

متحد صحابیوں سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ”یا چھپا ہوا شرک ہے“ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ”اے حضرت صلعمؐ نے فرمایا کہ چھپا ہوا شرک یہ ہے کہ انسان کوئی کام دوسرے کی موجودگی کے سبب کرے“ حضرت شدا بن اوسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس نے دکھاوے کی ناز پڑھی اُس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا، اُس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کی خیرات کی اُس نے شرک کیا، یہی صحابی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ صحابہ کے مجمع میں آپؐ فرما رہے تھے کہ مجھے اپنی اُمت کے لوگوں پر سب سے زیادہ جس کا خوف ہے، وہ شرک کا ہے، ہاں میرا یہ مطلب نہیں کہ وہ چاند یا سورج کو سجدہ کرینگے، یا بتوں کو پوجینگے، بلکہ یہ ہے کہ وہ غیر خدا کے لیے عمل نہ کرنے لگیں، اور چھپی نفسانی خواہش میں نہ مبتلا ہوں“ حضرت محمود بن بکرؓ نے مستدرک حاکم ترمذیؒ آخر کتاب الزہد ترمذی کے دونوں میں اس حدیث کے متعلق دو تفسیریں درج ہیں ایک میں منکر لکھا ہوا اور دوسرے میں حسن اور ایک لوی الطبع کی نسبت لوگوں نے کلام کیا جو کہ حدیث کا نفس مضمون تمام اسلامی روایات اور احکام کے عین مطابق ہے، حضرت ابو سعید خدریؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو ہریرہؓ، شداد بن اوسؓ، محمود بن بکرؓ، ابو سعید بن ابی فضالہؓ ان صحابیوں کی روایتیں ”ابن حبش“ ابن ماجہ، مستدرک، وغیرہ میں ہیں ۳۵ مستدرک حاکم کتاب الرقاق صفحہ ۲۲۰ جلد ۴ (صحیح) ۳۵ بحوالہ سابق مستدرک ابن حبش ہند شدا بن اوس صفحہ ۱۲۶ جلد ۴ سنن ابن ماجہ باب الریاء واسمہ،

انصاری آپ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اپنے صحابہ سے فرمایا کہ مجھ کو سب سے زیادہ جہکاتم پر خوف ہے، وہ شرک، صغریٰ، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شرک صغریٰ کیا ہے؟ فرمایا: قیامت کے دن جب لوگوں کو اپنے اپنے عمل کا بدلہ مل رہا ہوگا، خدا ریاکار لوگوں سے کہیگا کہ تمہارے لیے ہمارے ہاں کچھ نہیں، تم انہیں کے پاس جاؤ جگہ دکھانے کو دنیا میں یہ کام کیا کرتے تھے، حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم لوگ دجال کے متعلق آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا کہ کیا دجال سے بڑھ کر جو خوفناک چیز میرے نزدیک ہو میں تم کو اس سے آگاہ نہ کروں؟ ہم سب نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا وہ شرک خفی ہے یعنی یہ کہ (مثلاً) کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے، تو وہ نماز کو محض اس لیے درست کر کے پڑھے کہ کوئی دوسرا شخص اسکو دیکھ رہا ہے، ابو سعید بن ابی فضالہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں جب خدا اگلوں اور پھلوں کو یکساں کرے گا، تو ایک مناوی اگر پکارے گا کہ جس نے اپنے کسی عمل میں خدا کے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک بنالیا ہو تو وہ اپنا ثواب اسی غیر سے مانگے، کہ خدا ساجھے سے بے نیاز ہے، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اپنے ارشاد کیا کہ خدا فرماتا ہے، کہ میں تمام شریکوں میں سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں، تو جس نے اپنے کسی کام میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کر لیا تو میں اس سے الگ ہوں، اور وہ اسی کا ہے جسکو اس نے میرا شریک بنالیا۔

ان تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ صحابہ اپنے ہر عمل میں اس شرک خفی سے ڈرتے تھے، خداؤ بن اوس کہتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں ریا کو شرک صغریٰ گنا کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ جارہے تھے تو کہ حضرت معاذ بن جبلؓ صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے رونے کا سبب دریافت کیا، تو انھوں نے قبر مبارک کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس قبر میں دفن ہستی نے کہا تھا کہ ریا کا ادنیٰ

۱۵ ابن خلیل سنن محمد بن ابی انصاری صفحہ ۲۸ جلد ۵ والی واد و مسند ابن خلیل ۱۵ سنن ابن ماجہ باب الریاء وسمو ۱۵ سنن ابن

ماہر باب الریاء و ترمذی و مسند ابن خلیل ۱۵ ابن ماجہ باب الریاء،

۱۵ مسند رک حاکم کتاب الرقاق جلد ۴ صفحہ ۳۲۹ (صحیح)

شائبہ بھی شرک ہے، اسی طرح ایک نفع عبادہ تابعی نے دیکھا کہ حضرت شاذلیؒ بن اوس صحابی اپنی جانناز پر بیٹھے زار  
قطار رو رہے ہیں، رونے کا سبب دریافت کیا، تو انھوں نے بیان کیا کہ ایک دن میں نے رسول اللہ صلیم کے  
چہرہ اقدس پر غم و ملال کے آثار دیکھے، عرض کی میرے مان باپ حضور پر فدا ہوں، اس حزن و ملال کا سبب  
کیا ہے، ارشاد ہوا کہ "میں اپنے بعد اپنی امت پر ایک چیز سے ڈرتا ہوں" عرض کی "یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟" فرمایا  
"شرک اذہم؟" نفی میں "خوش" میں نے دوبارہ گزارش کی یا رسول اللہ! کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک میں  
بتلا ہوگی؟ فرمایا، "اُسے شاذلیؒ میری امت یقیناً سوج یا چاندی بات اوپر کی پیش نہیں کرے گی لیکن وہ اپنے عمل  
کی نائش اور ریا کرگی" عرض کی "یا رسول اللہ! کیا ریا شرک ہے؟" فرمایا "ہاں"

ان واقعات اور تعلیمات کو پڑھ کر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ آنحضرت صلیم نے کس طرح ہر پہلو سے شرک  
کی تردید اور توحید کی تکمیل فرمائی ہے، وہی عرب جو پہلے خدا کے سوا ہر چیز کی پرستش کرتے تھے انھوں نے آپ کی  
تعلیم کے اثر سے خدا پرستی اور توحید کی انتہائی معراج حاصل کر لی،



۱۔ مستدرک حاکم حوالہ مذکور صفحہ ۳۲۸ (صحیح) ۲۔ مستدرک بحوالہ مذکور سابق حکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد لکھا ہے، مگر وہی نے تصریح  
کی ہے کہ اُس کا ایک راوی عبد الواحد بن زید متروک ہے، باقی تمام راویان حدیث کا نفس مضمون سند ابن جنبل (جلد ۴ صفحہ ۱۲۶) اور ابن  
ابن ماجہ (باب الریاء) میں ایسے سلسلوں سے مذکور ہے، جن میں عبد الواحد نہیں پڑتا، اس لیے ہم نے اس حدیث کو یہاں  
درج کیا،

# حیدر

اور

## اسکی بانی اصول اگان

یہ تو حید کے سببی اجزائے تھے، یعنی توحید کے مخالف عقائد اور خیالات کی نفی اور تردید، لیکن نبوت محمدی کا کارنامہ اس سے اہم اور بالاتر ہے، اور وہ توحید کی اصل بنیاد کی استواری، اس کے اصول کی تیسین امور ایمان کی تفصیل، اور اس کے اجزاء کی تکمیل ہے، عرب میں شرک و بت پرستی بھی تھی، اور کہیں کہیں آسمانی مذاہب کی محرف صورتیں بھی موجود تھیں، مگر ایک صحیح مذہب کا نخل ان کے سامنے مطلق نہ تھا، اس بنا پر عقائد اور ایمان کی کوئی صحیح اور مرتب صورت بھی ان کے ذہن میں نہیں ہو سکتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تمام پچھلے مضر عقائد اور باطل کو جنکو دین کا درجہ دیا گیا تھا، یکھٹ کر دیا، بت پرستی، جن پرستی، فرشتہ پرستی، ستارہ پرستی، فطرت پرستی، انسان پرستی، غرض شرک کی تمام صورتیں قطعاً مٹا دیں، اور ان کی جگہ مرتبہ تحقیق، بخیرہ حقائق اور سچائیوں سے معمور چند عقائد کی تعلیم دی، جو انسان کے تمام اعمال اور اخلاق کے لیے بنیادی پتھر بنیں،

اللہ تعالیٰ کی سستی پر لیں | اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز خدا کی سستی کا یقین، اور پھر اسکی توحید پر ایمان ہے، دنیا میں جتنے پیغمبر آئے ان میں سے ہر ایک نے اس قاعدہ کی طرف لوگوں کو دعوت دی، مگر یہ دعوت ان کے ایک مسلم دعویٰ کی حیثیت سے تھی، انھوں نے اس دعویٰ کو دلائل کا محتاج نہ سمجھا، اور حقیقت میں جن محدود زمانوں میں تو ان کے لیے ان کی بعثت ہوئی، ان کے لیے دلیل اور برہان کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ ان کے زمانوں میں بت پرستی ستارہ پرستی اور فطرت پرستی کا رواج تھا، الحاد کا وجود نہ تھا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عمومی تھی

جو آخری زمانہ تک کے لیے اور تمام قوموں کے لئے تھی، اور عظیم الہی مین یہ تھا کہ بعثت محمدیؐ کے بعد عقل انسانی تحقیق و تلاش کے آخری مراحل طے کرنا چاہے گی، اور قدرت کے سرسبز خزانے وقف عام ہونگے، اور عقلیت کا دور دورہ ہوگا، اور ہر شے دلیل ثبوت کی محتاج قرار پائے گی، اس لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلائل براہین ثبوت اور شواہد کی بھی تلقین کی گئی،

ایک اور سبب یہ ہے کہ انبیاء سابقین صرف اپنی قوموں کی دعوت پر مامور ہوئے تھے جنہیں مشرکین کا وجود تھا، محمدین کا نہ تھا، لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام قوموں اور طبقوں کے لیے ہوئی، اس لیے آپ کی دعوت مین یہ صاف نظر آتا ہے کہ آپ انسانی عقل کی ہر صفت کو مخاطب کر رہے ہیں اور ان کے معیار اور سطح کے مطابق اُس قادر مطلق کی ہستی اور وجود پر دلیلیں بھی پیش کر رہے ہیں، اس لیے آپ کے دوسرے پیغمبرین کی طرح صرف مشرکوں کو مخاطب نہیں فرمایا، بلکہ مشرکوں، کافروں، ملحدوں، مشککوں، دہریوں، ہر ایک کو مخاطب فرمایا، اور اُن مین سے ہر ایک کی تسکین و تسفی کا سامان بہم پہنچایا،

ایک قادر مطلق، خالق عالم اور صانع کائنات کی ہستی کے ثبوت، اور انکار پر جب فلسفہ کا وجود ہے، ہمیشہ بخشن پیدا ہوتی رہی ہیں، اور دلیلیں پیش کی جاتی رہی ہیں، مصر، یونان، ہندوستان، اسلامی ممالک اور آج یورپ مین بھی اس مسئلہ پر عقلائے زمانہ نے اپنی جودت ذہن، نہکتہ رسی اور دقیقہ فہمی کا بہترین ثبوت پیش کیا ہے، مگر غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ دلائل کی زبان اور طرز تبیین گو تبدیلی ہوتی رہی ہے، مگر اصل مغز سخن صرف ایک ہے، اس بنا پر وحی محمدیؐ نے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر جو دلیل قائم کی اُس مین اسی ایک مغز سخن کو لئے ہے، اور نہایت مؤثر طرزِ ادراک مین اس کو بار بار دہرایا ہے، اور انسانوں کو متنبہ کیا ہے،

وحی محمدیؐ کا سب سے پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اس ایک قادر مطلق، خالق عالم اور صانع کائنات، ہستی کا اثر انسان کی فطرت مین داخل ہے، متمدن سے متمدن اور وحشی سے وحشی قوم مین بھی، اس اعتراف کا سراغ ملتا ہے آثارِ قدیمہ کی تحقیقات نے سینکڑوں مردہ اور گناہ قوموں کی تاریخ کا سراغ لگایا، جن مین سامان تمدن، اعلیٰ خیالات

اور علوم کی لاکھ کی محسوس ہوتی ہے، مگر مذہبی عقیدت اور کسی خدا کے اعتراف کی کمی ان میں نظر نہیں آتی، ان کی عمارتوں کے منہدم کھنڈروں میں، جو چیز سب سے پہلے مٹی ہے، وہ کسی معبد کی چہار دیواری ہوتی ہے، آج بھی دنیا کے مختلف گوشوں میں، جو بالکل وحشی قومیں مٹی ہیں، وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں، عالم کے خالق اور کائنات کے صانع کے تمثال سے بہرہ ور ہیں، غرض جماعت انسانی کا کوئی حصہ، زمین کا کوئی گوشہ، زمانہ کا کوئی عہد اس تمثال سے خالی نہیں ملتا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعتراف بھی انسان کے فطری تصورات اور وجدانی جذبات میں داخل ہے، اسی لیے وحی محمدی نے اس کو فطرت سے تعبیر کیا ہے،

نَاقِذٌ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ  
الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ  
اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ  
لَا يَعْلَمُونَ (روم - ۴)

اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر دین کی طرف کر یہ خدا کی  
وہ فطرت ہے، جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا خدا کی خلقت  
میں تبدیلی نہیں، یہی سیدھا اور ٹھیک دین ہے،  
لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں،

آنحضرت صلعم نے فرمایا،

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ  
ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے،

اسی لیے خدا کا اعتراف روزِ ازل کا وہ عہد و پیمان ہے جو خالق و مخلوق میں ہوا تھا، اور یہ اسی عہد و پیمان کا احساس ہے، جو انسان کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے، کہ ہزار انکار کے بعد بھی کسی نہ کسی رنگ میں وہ اعتراف نمایان ہو جاتا ہے، قرآن پاک نے اس واقعہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے،

وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ  
ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ  
أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا (اعراف ۱۷)

اور جبکہ تیرے خدا نے بنی آدم کی پیٹھ سے انکی نسل کو لیا، اور خود  
انکو ان ہی پر گواہ کیا، کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں، انہوں نے  
کہا، ہاں ہم گواہ ہیں،

لے صحیح بخاری کتاب الایمان،

انسان کا یہ جذبہ فطرت کبھی کبھی خارجی اثرات سے دب جاتا ہے، وحی محمدیؐ نے بار بار انسان کے اسی دبے ہوئے جذبہ کو ابھارا ہے، اور اسی زیرِ خاکستر آگ کو ہوا دی ہے، اور انسان کو اس کا بھولا ہوا وعدہ یاد دلایا ہے، وہ انسانوں سے پوچھتی ہے،

اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ فَاطِلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البیہیم) کیا آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے خدا میں شک ہے؟ ایک اور مقام پر اس نے کہا،

اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمْ الْخَالِقُونَ کیا وہ آپ ہی آپ بنگئے یا وہی اپنے آپ خالق ہیں یا اَمْ خُلِقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَا یُؤْمِنُونَ انھیں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، یہ کوئی بات نہیں بلکہ یقین نہیں، (طہ، ۲۰)

دنیا اور کائنات جہین انسان بھی شامل ہے اور جو اپنی عقل اور فہم کی بنا پر سب میں بالاتر ہے، بہر حال موجود ہے، اور اس کے اس وجود میں کوئی شک نہیں، اب سوال یہ ہے کہ کسی کے بن بنائے وہ آپ بنگی یا خود اس نے اپنے آپ کو بنایا ہے، ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں، نہ آپ سے آپ کوئی چیز بن سکتی اور نہ کوئی مفعول اپنا فاعل آپ ہو سکتا ہے، اگر کوئی بے وقوف یہ کہے کہ زرمادہ ملکر اپنا بچہ پیدا کرتے ہیں تو سلسلہٴ اولیٰ و تناسل کا آغاز کیونکر ہوا، اور اولین زرمادہ کا اور مادہ تخلیق و روح کا خالق کون ہے؟

یہ گونا گون عالم یہ رنگ رنگ کائنات، یہ تارون بھرا آسمان، یہ بوقلمون زمین، یہ سورج، یہ چاند یہ درخت یہ سمندر یہ پہاڑ یہ لاکھوں جاندار اور یہ جانِ اشیا، یہ علل و اسباب کا تسلسل، یہ تغیر و انقلاب کا نظام، یہ کائنات کا نظم، اور اس کے ذرہ ذرہ کا قاعدہ و قانون، انسان کے اندرونی قویٰ اور اُن کی باہمی ترتیب، موت و حیات کے اسرار، خواص و قویٰ کے رموز، انسان کی خیالی بلند پروازی، اور عملی عجز و درماندگی، یہ تمام باتیں ایک خالق و صانع کے اعتراف پر مجبور کرتی ہیں، یہ نیلگون آسمان کی چھت، یہ زمین کا سبزہ زار و فرش، اور ایک ہی حرکت سے شب و روز کا انقلاب، ایک خالق کی کاپتہ دیتا ہے،

اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالاٰخِلٰهِ الْاٰلِیِّ  
وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ، (الْعنكبۃ: ۳)  
یہ شب و روز کا نور و ظلمت اور سورج اور چاند کی روشنی، اُسکی مقررہ رفتار، باقاعدہ طلوع و غروب، اسکی  
دلیل ہے کہ اس اہل حق ایم پر کوئی سوا ہے، جس کے ہاتھ میں اُس کا سیاہ و سپید ہے،  
وَمِنْ اٰیٰتِہِ الْاَلِیُّ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اور اُس کی نشانیوں میں سے رات، دن اور سورج  
(فصلت - ۵) اور چاند میں،

آسمان اور زمین کی پیدائش، دن اور رات کا الٹ پھیر تو ہے، دیکھو کہ خطرناک سمندرون میں کس طرح  
لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک کو تجارت کا سامان لیکر دوڑے پھرتے ہیں، اگر پانی میں بیٹھی اور لوہے  
کا ایک ذرہ بھی ڈالو تو فوراً ڈوب جائیگا، مگر یہ لاکھوں من کے لدے ہوتے ہمارے کیسے پھول کی طرح پانی پر  
تیر رہے ہیں، جس فطری قاعدہ کے بموجب یہ عمل ظہور میں آ رہا ہے، وہ جس کے حکم سے بنا ہے اُسکا کتنا احسان  
ہے، پھر ان سمندرون سے بھاپ اٹھتی ہیں، وہ اوپر جا کر بادل بنتے ہیں اور وہ وہیں جا کر برستے ہیں، جہاں  
پیداوار اور زمین کی نشوونما کی حاجت ہے، اور پھر وہ بادل ہواؤں کے تحت پرٹھکڑ کیسے اودھوا دھو ضرورت  
کے مطابق اڑتے پھرتے ہیں،

اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالاٰخِلٰهِ  
الْاَلِیِّ وَالنَّهَارِ وَالْقُلُوبِ الَّتِیْ تَجْعَلِیْ فِی الْبَحْرِ  
بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ  
مِنْ مَّاءٍ فَاَخْبَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا وَبَتَّ  
فِیْہَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ وَتَصْرِیْفِ الرِّیْحِ  
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ  
بے شبہ آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے  
الٹ پھیر میں، اور اُن جہازوں میں جو انسانوں کے لیے  
فائدہ رسان سامان لیکر سمندریں چلتے ہیں اور  
آسمان سے اوس کے پانی برساتے ہیں اور پھر اس پانی  
کے ذریعہ مریچے زمین کو زندگی بخشتے ہیں اور زمین  
میں ہر طرح کے جو چیلنے والے پھیلانے، اس میں اور



لَا يَتَّبِعُ لَقْفٍ مِّنْ تَعْقِلُونَ، (لقفہ - ۲۰)

ہواؤں کے کبھی اوہرا کبھی اور مہینے میں اور آسمان اور زمین

کے بیچ میں جرباد ل کام میں لگے ہیں، ان سب میں سمجھ

بوجھ والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں،

آسمان اور زمین کی عجیب و غریب خلقت کے ساتھ خود انسان کی اپنی پیدائش کی حکایت کتنی عجیب

إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

بینک آسمانوں میں اور زمین میں ایمان والوں کیلئے

وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَابَّةٍ اٰيٰتٌ

نشانیاں ہیں اور خود تمہاری پیدائش میں اور جو بطنے

تَقَرُّوْنَ قُرُونًا، (جائیدہ - ۱)

والے پھیلائے ان میں یقین کرنے والوں کیلئے دہائی ہیں،

سورہ النعام میں نباتات اور اسکی نیرنگیوں کو اپنی ہستی کی دلیل میں پیش کیا یہ کتنے تعجب کی بات ہے

کہ ایک ہی زمین ہے جس میں سے وہ اگتے ہیں، ایک ہی پانی ہے جس سے وہ سیجے جاتے ہیں، ایک ہی ہوا ہے

جس میں وہ سانس لیتے ہیں، مگر کتنے رنگ رنگ کے پھل، پھول، میوے اور درخت لگتے ہیں جن میں سے

ہر ایک کا رنگ، ہر ایک کا مزہ، ہر ایک کی پتی، ہر ایک کا قد و قامت، ہر ایک کے خواص اور فائدے دوسرے

سے بالکل الگ ہوتے ہیں،

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس

بِهِ نَبَاتٍ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا

اگنے والی ہر چیز نکالی، پھر اس سے سبز خوشے نکالے ہیں

تُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن

ہم جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گاجے ہیں

طَلْحًا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ

نکلتے گچھے اور انگور کے باغ، اور زیتون اور نار، مہر،

وَالزَّيْتُونِ وَالنَّارِ مَسْتَمِيمًا وَغَيْرِ

اور جدی جدی شکل کے، جب وہ پھلین تو ان کے پھل

مُتَشَابِهٍ ۚ انْظُرْ إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ

اور پکنے کو دیکھو، اس میں ایمان والے لوگوں کے لئے

وَيُنْعِلُهُ إِذَا فِي ذَلِكَ لَآيٰتٍ لِّلْقَوِّ

دلیلین ہیں،

سورہ روم میں پہلے مٹی سے انسان کی پیدائش کو، پھر اس میں عورت مرد کے جوڑے ہونے کو، اور ان کے درمیان ہر وجہت کے جذبات کے ظہور کو اپنی ہستی کی دلیل بتایا ہے، پھر اپنی قدرت کے دوسرے عجائبات کو جو آسمان سے زمین تک پھیلے ہیں ایک ایک کر کے پیش کیا ہے، اول تو خود انسان کی پیدائش پھر ان میں عورت مرد ہونا اور ان کے درمیان جذبات کی لہر پر مختلف قوموں کی بولیوں، شکلوں اور رنگوں کو دیکھ کر ایک ایک سے الگ ہے، پھر خود انسانوں کے اندر کے اعمال کو دیکھ کر ایک نیند ہی کی حقیقت پر غور کرو یہی تمہاری نگاہیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ، وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ  
وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاجْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَالْوِلَايَاتُ لَكُمْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالَمِينَ، وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاءُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ  
وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَفِيفًا وَظُلُمًا تَلَوْنُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَهْبِطُ بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْجَعٍ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ، وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تم کو مٹی سے بنایا، پھر تم آدمی بن کر چلتے پھرتے ہو اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تم سب کے درمیان پیار اور ہر رکھا، اس میں ان لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں، دلیلین ہیں، اور اس کی نشانیوں میں سے تمہاری کی اور زمین کی بنیادوں اور تمہاری بولیوں اور رنگوں کی بولگونی ہے، اس میں جاننے والوں کے لیے قیضہ دلیلین ہیں اور اس کی عجیب، قدرتوں میں سے تمہاری رات اور دن میں نیند ہے، اور تمہاری اداسی اور بانیوں کی تلاش جو اس میں ان کے لیے جو سنتے ہیں، دلیلین ہیں، اور اس کے عجیب قدرت میں سے یہ ہے کہ تمہیں وہ بجلی کی چمک دکھاتا ہے جس سے تم کبھی ڈرتے ہو اور کبھی جوت کی بارش کی امید باندھتے ہو اور وہ آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس زمین کے

وَالْأَرْضِ بِأَمْرِهِ،

اس کے مرتبہ چھ زندہ کرتا ہی نہیں انکے لیے جو سمجھ لکھتے ہیں دیلین ہیں

اور اسکی دیلون میں سے یہ جو کہ آسمان اور زمین اسکو حکم سے قائم ہیں

(سورہ - ۳)

اس اخیریت میں آسمان و زمین کے اس کے حکم سے قائم رہتے کا ذکر ہے، تم کہتے ہو کہ یہ باہمی جذب و کشش سے قائم ہیں، لیکن خود یہ جذب و کشش کی کشت کا نتیجہ ہے؟ یہ خود حیرت انگیز ہے، سورہ لقمان میں آسمانوں کے کسی نظر نہ آنے والے کے سہارے کھڑے ہونے اور زمین کے اپنی جگہ پر ٹھہرے ہونے کا ذکر ہے، یہ نظر نہ آنے والا سہارا تو بیشک ہی سہی وہ بھی تو اسی کے اسرار میں سے ہے، اس کے بعد ایک جادو اور بے حیات مردہ زمین کے اندر سے پانی برسنے کے ساتھ انواع و اقسام کی زندگی کے نمونوں کا ابھرنا کتنا حیرت انگیز ہے، یہ بھی اسی کا کرشمہ ہے،

خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَآلَتْهُ

فِي الْأَرْضِ رَوَّاسِي أَنْ تُمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ

فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَانْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

ہم نے آسمانوں کی چھت کو کسی ایسے ستونوں کے بغیر

کھڑا کیا ہی، جو تمکو نظر آتے ہوں، اور زمین میں ایسے کھونٹے

ڈال دیے کہ وہ تم کو لکیریل نہ جائے اور اس نے ہر چیز

ہر قسم کے چلنے پھرنے والے پھیلانے اور آسمان پانی برساتا

ہنے اوی زمین سے ہر اچھے جوڑے پیدا کئے،

سورہ سجدہ میں انسان کی پیدائش کا مٹی سے آغاز، پھر قطرہ آب (لطفہ) کے ذریعہ توالد و تناسل، پھر اس کے

سڈول جسم کا بنانا، پھر اس مٹی کے مردہ قالب میں دفنہ کھین سے زندگی آجانا، اور اس میں روح پھک جانا، اور اس

علم و حواس کے حیرت انگیز آلات کا پیدا ہو جانا، ان سب کو اپنی صفت میں پیش کیا ہے،

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ

الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ

مُسَلَّةٍ مِنْ مَّاءٍ مَهِينٍ، ثُمَّ مَسَّوْهُ وَنَفَخَ

فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی، اور انسان کی پیدائش

مٹی سے شروع کی، پھر اسکی نسل ذلیل سے نچڑے پانی

بنائی، پھر اسکو سڈول کیا، اور اس میں اپنی جان سے کچھ

پھونک دیا، اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل

وَالْأَفْئِدَةُ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ (سجۃ - ۱) بنا دیئے، تم ان انسانوں کا بہت کم شکر ادا کرتے ہو

مردہ زمین کے اندر کیا کیا قوتیں ودیعت ہیں، اور خود انسانوں کے جسم و جان میں عجائبات کا کتنا خزانہ رکھا ہے لیکن کوئی صاحبِ نظر ادھر نہیں دیکھتا، انسان کی زندگی، اُس کے اندرونی جذبات، حواس، ذہنی قوتیں اور دماغی حرکات، اُن میں سے ہر شے معما ہے،

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَفِي الْأَنْفُسِ كُمْ  
أَفَلَا تَبْصُرُونَ (ذاریت - ۱) اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور خود تمہاری جانوں کے اندر کیا تم نظر نہیں کرتے،

جانوروں کے جسموں کے اندر جو عجیب و غریب نظام ہے، وہ بھی غور کے قابل ہے، ایک ہی گھاس چوں کی غذا اُن کے پیٹ میں جاتی ہے، پھر اُسی کا کچھ حصہ لید اور گوبر کچھ خون اور کچھ دودھ بناتا ہے، اور اسی لید اور گوبر کے باہر آنے کے راستوں، اور سرخ خون کی رگوں کے درمیان سے خالص، سپید شیریں دودھ کی دھاریوں کا نکالنا کتنا عجیب ہے؟

وَإِن لَّكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةٌ لَّيْسَ فِيهَا مِمَّا تُشْفِي كُمُومًا  
فِي بُطُونِهِمْ مِنْ بُيُوتٍ فَرْثٍ وَدِهٍ لَّيْسَ  
خَالِصًا سَائِلًا لِّلشَّارِبِينَ (غل - ۹) اور تمہارے لیے جانوروں میں عبرت ہو، تم نہیں اُن کے پیٹوں کے اندر سے لید اور خون کے بیج سے خالص اور شیریں دودھ کے لیے خوشگوار دودھ پلاتے ہیں،

ایک ہی قسم کے پھل ہیں، اگر اُن کو ایک طرح سے کھاؤ تو تمہاری عقل اور قوت کو بڑھاتے ہیں، اور دوسری طرح کھاؤ تو وہ اُن کو ضائع کر دیں،

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ  
سُكَّرًا وَوَسْرًا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً  
لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (غل - ۹) اور چھوہاروں اور انگوروں کے پھلوں کو دیکھو کہ ان میں سے کچھ سے تو تم نشہ اور چھی روزی حاصل کرتے ہو، اس میں سمجھ والوں کے لیے دلیل ہے،

زمین اور زمین پر کی مخلوقات کو چھوڑ کر اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھاؤ، سورج کا روشن چہرہ اور چاند کی

قذیل کتنی عجیب ہے، پھر سورج کو دیکھو کہ سال کے بارہ مہینوں میں آسمان کے بارہ برجوں کو طے کر کے کس طرح زمین میں مختلف موسم اور زمانے کو نمایاں کرتا ہے،

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا      بابرکت ہے وہ اسی جس نے آسمان میں برج بنائے

وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا (قرآن)      اور اُن میں ایک چراغ اور چمکانے والا چاند بنایا،

انہیں چند خیروں میں اس کی قدرت کے عجائبات محدود نہیں بلکہ ہر شے اپنی خلقت، اپنی حکم روش، اور اپنے قانونِ فطرت سے اس کی گواہی دیتی ہے،

صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي أَنْشَأَ كُلَّ شَيْءٍ (مغل)      اس ہستی کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو مضبوط نظام پر بنایا

اُس کی صنعت ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، ہمیں محکمِ نظم و نسق کی بندش نظر آتی ہے،

مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَوتٍ      تجھے ہر اے خدائی بناوٹ میں کوئی بے برابری نظر آتی ہے

فَإِنْ جِئَ الْبَصَرُ هَلْ تَرَى مِنْ فُتُورٍ، ثُمَّ      پھر نگاہ کر کیا کوئی فطوری دکھائی پڑتا ہے، پھر دہرا کر دوبارہ

ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ غَافًا      نظر کر تیری نگاہ رہو کہ تھک کر تجھ تک پلٹ آئے گی

وَهُوَ خَسِيرٌ (ملک - ۱)      (مگر کوئی نقص پائیگی)

اس قسم کی اور سیکڑوں آیتیں ہیں، جنکا استقصا بھی مشکل ہے، ان آیتوں میں نین قسم کے دلائل ہیں،

۱۔ قدرت کے عجائبات اور نیرنگیان، اور پھر ان کا ایک قانون کے ماتحت ہونا،

۲۔ عالم کا نظم و نسق اور اس کا مرتب سلسلہ،

۳۔ کائنات اور سلسلہ عالم کی ہر کڑی میں بے انتہا مصلحتوں، حکمتوں اور فائدوں کا ہونا،

ان مقدمات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کائنات اور اس کے یہ عجائبات اور اُس کے یہ منظم علی و اسباب خود

بخود نبست و اتفاق سے نہیں بن گئے، بلکہ کسی حکیم و دانا اور قادرِ مطلق صانع نے اپنی قدرت اور ارادہ سے انکو بنایا ہے،

اعلیٰ فلسفہ اور متکلمین عالم کے وجود پر عوامیہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ ہم بدلتے دیکھتے ہیں، کہ عالم میں ہر چیز

کے لیے علل اسباب کا سلسلہ ہے، یہ سلسلہ یا تو کمین جا کر ختم ہوگا، یا یوں ہی مسلسل چلا جائیگا، اگر یہ یوں ہی مسلسل چلا جائیگا تو لازم آتا ہے کہ ہر چیز کے پیدا ہونے پر غیر متناہی علل گذر جائیں اور غیر متناہی علل کا خاتمہ نہیں ہو سکتا اور نہ کمین اس کا آغاز ہو سکتا ہے، اس لیے کوئی چیز پیدا بھی نہیں ہو سکتی، تسلسل عقلا بھی محال ہے، بلکہ انسان اس کے تخیل سے بھی عاجز ہے، اس بنا پر لامحالہ سلسلہ علل کا کمین خاتمہ ہونا ضروری ہے جس علت کل پر تمام علتیں ختم ہو جاتی ہیں وہی خلق و پیدائش اور وجود و کون کی اصلی علت العلل ہے،

یہ دلیل گو بہت کچھ پیچیدہ اور اصطلاحات سے لبریز اور بہت سے محذوف مقامات پر مبنی ہے، تاہم وہ انسانی عقل میں آتی ہے اور بہتوں کے لیے تسکین کا باعث ہے، قرآن پاک کی ایک دو آیتوں میں بھی اس دلیل کا ماخذ مذکور ہے، سورہ ہود کے آخر میں ہے،

وَلِلّٰهِ عِثْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْاَشْجَادِ  
يَوْمَ تَجِىءُ الْأَمْمَارُ كُلُّهَا فَعْبُدْهُ وَتَكْفُرْ كَلَّ عَلَيْكَ  
اور خدا ہی کے پاس ہے آسمانوں اور زمین کی چھپی بات اور  
اوی کی طرف ہر بات لوٹائی جاتی ہے، تو اس کو پوجو اور  
(ہود-۱۰) اُس پر بھروسہ رکھو،

وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی، (نجم-۲) اور یہ کہ تیرے رب کی طرف ہے سب کی انتہا،  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی کمزوریوں سے واقف تھے، چند صحابیوں نے آکر عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ہماری دلوں میں ایسے خیالات اور وسوسے آتے ہیں، جنکو ہم زبان سے ادا نہیں کر سکتے، فرمایا: کیا تم کو یہ کیفیت حاصل ہوگئی؟ گزارش کی ہاں یا رسول اللہ، فرمایا: یہ تو حسن الیمن ایمان ہے مقصود یہ ہر دلوں میں وسوسوں کا آنا اور پھر ان وسوسوں کو اتنا بدتر جانتا کہ ان کا زبان پر لانا بھی وہ گناہ سمجھے، یہ کیفیت ایمانی کے بغیر ممکن نہیں، اسی طرح آپ نے فرمایا لوگ علم و دانش کا سوال کرتے ہیں کہتے ہیں کہ خیر اس کو تو خدا نے پیدا کیا اور پھر اس خدا کو کس نے پیدا کیا، آسمان کو خدا نے بنایا، زمین کو خدا نے بنایا، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے پھر پوچھتے ہیں: اچھا تو پھر خدا کو کس نے پیدا کیا، فرمایا یہ شیطانی وسوسہ ہے، جب یہ حالت کسی کو پیش آئے تو کہہ دے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ

مِنَ اللّٰهِ پَرِ اِيْمَانٍ لَا يَآءُ

یہ تعلیم حقیقت اسی مسئلہ کی ہے کہ خدا پر تمام عقلمنوں کی انتہا ہے، اور اس کے بعد کوئی علت نہیں اس لیے یہ دوسرے لائق جواب نہیں، یہ جہالت اور نادانی کا سوال ہے،

توحید عقلی دلیل اگر کوئی عالم کا خالق و صانع ہو تو وہ یقیناً ایک ہے، دو نہیں، تاہم دنیا میں ایسے عقلمند بھی ہیں جو دو تین اور متعدد خداؤں کے قائل ہیں، اور عالم کی ایک مملکت کو سینکڑوں حصوں میں تقسیم کر کے ان کو مختلف خداؤں کی حکومتیں قرار دیتے ہیں، وحی محمدیؐ نے اس شرک کے ابطال پر سب سے زیادہ جس دلیل کو پیش کیا ہے، وہ نظام عالم کی یکسانی اور وحدت اور کائنات کے علل اسباب کا باہم توافق، تعاون، اشتراک اور اتحاد ہے، دنیا میں ایک ذرہ بھی اس وقت تک پیدا ہو نہیں سکتا جب تک آسمان سے لیکر زمین تک کی تمام کارکن قوتیں اور اسباب ایک دوسرے سے موافق و مناسب نہ ہوں، اور باہم ان میں اشتراک عمل پیدا نہ ہو، ایک دانہ زمین سے اس وقت تک اُگ نہیں سکتا جب تک دانہ اُگنے کے لائق نہ ہو، زمین میں لگی صلاحیت نہ ہو، موسم اس کے مناسب نہ ہو، بارش موافق نہ ہو، آفتاب سے اس کو گرمی اور روشنی اس کے مزاج کے مطابق نہ پہنچے پھر اس کے اُگنے کے موانع اور عوائق ایک ایک کے دفع نہ ہوں، ان سب کے بعد وہ دانہ اُگیگا، اور پھل لائے گا، قرآن پاک نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا  
فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ  
اگر زمین و آسمان میں اس ایک خدا کے سوا چند اور خدا بھی ہوتے، تو زمین و آسمان برباد ہو جاتے تو پاک ہے عز و جلال ان باتوں سے جو یہ شرک کہتے ہیں، (انبیاء - ۲)

آسمان و زمین کا یہ تمام کاروبار یہ تمام قوانین قدرت اگر ایک کے بجائے دو طاقتوں کے ہاتھوں میں ہوتے تو یہ باہمی تضاد میں ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہ رہتے، فلسفیانہ اصطلاحات میں اس مطلب کو ادا کرو، تو سہ پہر دونوں حدیثیں صحیح مسلم کتاب الایمان میں متعذر وایتوں سے مذکور ہیں،

یوں ہوگا کہ عالم کائنات معلول ہے، اسکی کوئی علت تامہ ہوگی، یہ ظاہر ہے کہ ایک معلول کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتی، کیونکہ علت تامہ اس کو کہتے ہیں جس کے وجود کے بعد معلول کے وجود میں کسی اور چیز کا انتظار نہ ہو، اب عالم کی علت تامہ اگر ایک نہ ہو، تو سوال یہ ہے کہ ایک علت تامہ کے وجود کے بعد عالم کے وجود میں دوسری علت تامہ کا انتظار رہیگا یا نہیں، اگر رہے گا تو پہلی شے علت تامہ نہیں رہیگی اور اگر انتظار نہ رہیگا تو دوسری شے علت تامہ نہ ہوگی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ عالم کی علت تامہ ایک ہی ہو سکتی ہے،

توحید کے ثبوت اور شرک کے ابطال کی دوسری دلیل نظام عالم کی وحدت ہے، سورج، چاند اور تاروں سے لیکر انسان، حیوان، ہوا، پانی، درخت، گھاس پھوس تک دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ سب ایک مقررہ نظام اور بندھے اصول کے ماتحت ہیں جن میں کبھی سرومفرق نہیں ہوتا، ہر شے اپنے ایک اصول کی پابند اور ایک عادت جاریہ کے مطابق چل رہی ہے، گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب میں یکسانی اور مساوات کی ایک خاص وحدت قائم ہے اور وہ سب کسی ایک ہستی کے اشارے پر چل رہے ہیں،

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ إِلَهٍ إِذْ أَذَّاهَبَ كُلَّ إِلَهٍ  
بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ ط

اور نہ اس خدا سے برحق کے ساتھ کوئی اور خدا ہے، اگر ایسا  
ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لگاتا، اور ایک دوسرے

(موسفون - ۵) پر چڑھ جاتا،

قُلْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ يَحْكُمُ لَكُمْ إِذَا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِّنْ سَمَاءٍ مَّا تَقُولُونَ  
لَا تَتَّبِعُوا آلَ ذِي الْقُرْبَىٰ سَبِيلًا سُبْحَنَ  
وَلَعَلَّ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا تَسْبِيحُ  
لَهُ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ وَمَن  
فِيهِنَّ ط إِنَّ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا لَٰسِمْ بِحُكْمِهِ  
اور نہ اس خدا سے برحق کیساتھ کچھ اور خدا ہوتے جیسا کہ یہ مشرکین کہتے  
ہیں، تو ایسی حالت میں وہ تخت داسے رکھ کر ان خدا سے حکم  
چھینے کا راستہ ڈھونڈتے، پاک اور بلند ہے خدا اس بات سے  
جسکو یہ مشرک کہتے ہیں اس خدا سے برحق کی پاکی ساتوں آسمان  
اور زمین اور جو ان کے اندر ہے بیان کرتے ہیں، اور کوئی چیز  
ایسی نہیں جو اسکی پاکی کی گواہی نہ دیتی ہو،

(بنی اسرائیل - ۵)



اسی وحدت نظام کے استدلال کو ایک اور آیت میں خدا نے بیان فرمایا ہے،

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفَوتٍ ط  
تو خدا کے بنائے میں کوئی فرق نہیں دیکھتا، پھر نگاہ کر کیا  
فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ثُمَّ  
کوئی فطرت تجھ کو دکھائی دیتا ہے؟ پھر دوبارہ نظر دوڑا،  
ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ  
تیری نظر تھک کر واپس آجائگی،  
خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (مائدہ - ۱)

اس واقعاتی استدلال سے بڑھ کر جو بالکل نظم فطرت پر موقوف ہے کوئی دوسری دلیل نہیں ہو سکتی، پہلے قرآن پاک نے اسکو اختیار کیا ہے، یہ دنیا وحدت نظام ہی کے تحت چل رہی ہے ورنہ ایک لمحہ کے لیے بھی چل نہ سکے، اسی سے اس دنیا کے حاکم و فرمانرواے مطلق کی وحدت بخوبی ثابت ہے، توحید کی تکمیل | توحید خواہ وہ کسی قدر محرف، شرک آمیز اور ناقص شکل میں ہو، دنیا کے تمام مذاہب اور ادیان کی شریک اور اولین تعلیم ہے، لیکن ان مذاہب میں وہ کسی بنیادی اصل پر مبنی نہ تھی، محمد رسول اللہ کی تعلیم نے اس عمارت کو چند بنیادی اصول کے پتھر پر قائم کیا، یہ پتھر خدا کی حقیقی عظمت کی شناخت، اور اس عالم کائنات میں انسان کی اصلی حیثیت اور مرتبہ کی تعیین ہے،

خدا کی حقیقی عظمت | اہل عرب ایک حقیقی قوت کے نام سے واقف تھے، اور اسکو خالق بھی مانتے تھے، مگر اس کو قدرت کے کارخانہ کا تنہا مالک نہیں سمجھتے تھے، یہودیوں کا خدا ایک خاندانی خدا تھا جس نے ساری دنیا صرف بنی اسرائیل کے لیے پیدا کی تھی، اور اُس کو بنا کر ساتویں دن وہ تھک کر بیٹھا گیا، وہ انسانوں سے کشمی لڑتا تھا، اوسکی اولاد میں تھیں، عیسائیوں کا خدا سب کچھ مسیح بن مریم کو دیکر خود معطل ہو گیا تھا، ایرانیوں کے خدا کی خدائی نیکی و بدی کی دو ملکوتوں میں بٹی ہوئی تھی، ہندوؤں کا خدا اوتاروں کا بھیس بدل کر لاکھوں خدائیگیا تھا، اور برہما، ویش اور شین تین نے مل کر خدائی کے کاروبار کی باجم تقسیم کر لی تھی، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدا کا جلوہ نمایان کیا، جو آسمان کے اوپر سے لے کر زمین کے نیچے تک کا تنہا مالک ہے، اُس کے کاروبار میں

کوئی دوسرا شریک نہیں، اسکی شائبہ نشاہی میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں، اُس کے کارخانہ قدرت میں کوئی دوسرا  
 سا بھی نہیں، کائنات کا کوئی ذرہ اُس کے حکم سے باہر نہیں، دنیا کی کوئی چیز اسکی نگاہوں سے چھپی نہیں، شجر جرجر چٹل رہا  
 پہاڑ صحر، سورج، چاند زمین، آسمان، انسان، حیوان، زبان والے اور بے زبان سب اُس کے آگے سرسجود اور  
 اسکی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں، سب کمزور ہیں، وہی ایک قوت والا ہے، سب جاہل ہیں، وہی ایک کو علم ہے، سب  
 فانی ہیں، وہی ایک کو بقا ہے، سب محتاج ہیں، وہی ایک بے نیاز ہے، سب اُس کے بندے ہیں، وہی ایک شہنشاہ  
 ہے، غرض عرش سے فرش تک جو کچھ ہے وہ اُس کا ہے، اور اُس پر صرف اسی کی حکمرانی ہے، وہ ہر عیسے پاک، ہر  
 برائی سے منفرہ، اور ہر الزام سے بری ہے، وہ ہر قسم کے صفات عالیہ، اوصاف کمالیہ اور محامد جمیلہ سے مشغف ہو، اُس کے  
 مانند کوئی نہیں، کوئی اسکی شبیہ مثال نہیں، وہ تشبیہ و تمثیل سے بالاتر اور انسانی رشتہ ناتے سے پاک ہی

ذَٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَهُوَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ غَنِيٌّ عَنِ الدُّنْيَا ۚ (زمر - ۱)

اور کوئی خدا نہیں ہے،

لَهُ الْمُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (زمر - ۵) اُسی کی آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی ہے،

فَاُولَٰئِكَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النعام - ۲) آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا،

عَلِمِ الْغَيْبِ فَاشْهَادُوْهُ (النعام - ۱۰۱) چھپی اور کھلی کا جاننے والا،

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وُجْهَہٗٓ لَّہٗ الْحُكْمُ (قصص - ۲۵) اُسکی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، اسی کے ہاتھ میں فیصلہ کی

لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (شوری - ۲) اُس کے مانند کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے،

هُوَ الْحَیُّ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (سومن - ۷) وہی زندہ ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں،

وَعِنْدَہٗ لَا مَفٰجِیْ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُہَا اِلَّا هُوَ غیب کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں، اسکے سوا اُن کو کوئی نہیں

وَعَلَّمَنَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ قُرْءَانٍ وَنَحْنُ لَا نَعْلَمُہَا وَلَا یَعْلَمُہَا (النعام - ۱۰۱) اور ہمیں درخت کا

کونسی پتہ نہیں گرتا اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دیا

اے اللہ! اے بادشاہی کے مالک! تو جسکو چاہے سلطنت  
دے، اور جس سے چاہے چھین لے، جسکو چاہے عزت دے  
اور جسے چاہے ذلت نصیب کرے، تیرے ہاتھ میں بھلائی  
تو ہر بات پر قادر ہے،

اگر اندر تجھے مصیبت پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسکا دور  
کرنے والا نہیں، اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کرنا چاہے  
تو اس کے فضل و کرم کا کوئی روکنے والا نہیں، اپنے بندوں  
میں جسکو چاہے اپنے فضل سے ممتاز کرے، اور وہی گناہ  
کو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے،

اللہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہیں، وہی جیسا ہے اور  
سب اس کے سوا گرجتے ہیں، اسکو اونگھ ہے زمین، آسمان اور  
زمین میں جو کچھ ہے اُسی کا ہر کون ایسا ہے جو اس کے سامنے  
او کی اجازت کے بغیر غارت کر کے جو خلق کے روبرو ہے  
اور جو ان کے پیچھے ہے سب کو جانتا ہے، اور وہ اس کے کلم کے  
کسی حصہ کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر وہ جو چاہے، اسکا تخت  
آسمانوں کو اور زمین کو ہمارے ہے، ان آسمانوں کی اور  
زمین کی نگرانی اسکو تھکا تی نہیں، اور وہی اوپر اور برابر ہے،

جو زمین میں گھستا ہے، اور جو اس سے نکلتا ہے، اور جو آسمان  
سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے، سب جانتا ہے،

اللَّهُمَّ مَا لَكَ الْمَلِكُ تُوْنِي الْمَلِكُ مَنْ تَشَاءُ  
وَتَنْزِعُ الْمَلِكُ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ  
تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ  
إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (ال عمران - ۳)

وَإِنْ يَحْسَبِ أَنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ فَلَا كَاشِفَ لَهُ  
إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُدْرِكْكَ مِنْ خِيفَةٍ فَلَا مَكْرَافَةَ لِفَضْلِهِ  
يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ  
الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

(یونس - ۱۱)

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ، لَا تَأْخُذُهُ  
سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ، لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا  
فِي الْأَرْضِ، مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ  
إِلَّا بِإِذْنِهِ، يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ  
وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا  
شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ  
وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

(البقرہ - ۲۵۵)

يَعْلَمُ مَا يَلْمِ فِي الْأَرْضِ وَمَا يُخْرِجُ مِنْهَا  
وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَرْجِعُ فِيهَا

وَهُوَ بِكُمْ أَتَمُّ مَّا كُنْتُمْ ط وَاللَّهُ بِمَا  
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ لَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (جیدہ)

جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، اور تم جو کچھ کرو اور سگوڑتا  
ہے، آسمان اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے اور تمام کاموں  
کا مرجع وہی ہے،

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، (فاتحہ - ۱)  
وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (العنبر - ۹)  
وَهُوَ الْغَفُورُ الْودُودُ، ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ  
فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ (بروج - ۱)

سب تعریف اسی کے لیے ہے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے،  
اور آسمانوں میں اور زمین میں جو ہے سب اس کے زیر فرمان ہے،  
وہی گناہوں کا بخشنے والا ہی ہندون سے محبت کرنے والا ہی تخت  
کا مالک، بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے،

كَيْسَبِقُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (جمعہ - ۱)  
وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا كَيْسَبِقُ مُحَمَّدٍ ۖ (اسرائیل - ۵)

آسمانوں میں اور زمین میں جو ہے سب اس کی پائی کیا کرتے  
اور کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو،

ان معنوں کی ہزاروں یہیں قرآن پاک میں ہیں، ان تعلیمات نے خدا کی عظمت، جلالت اور کبریائی کا وہ  
جلوہ پیش کیا جس کے سامنے معبودانِ باطل کی عزت خاک میں ملگئی، بتوں کی بڑائی کا رسم ٹوٹ گیا، سورج،  
چاند، تارون کی خدائی کا چرلغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا، جن انس، ثنور و حجر، بحر و بر، سب اُس کے جلال، جبروت کے  
سامنے سرسجود نظر آئے، پھر اُس کے سوا کون تھا جو تیرنگ وجود کے ساز سے اَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (میں ہوں  
خدا جس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں) کی صدا بلند کر سکتا،

انسان کا مرتبہ [توحید محمدی کا دوسرا بنیادی اصول] اس عالم خلق میں انسان کی حیثیت اور درجہ ہے، جو لوگ بتوں کو  
سجدہ کرتے ہیں، پتھروں کو پوجتے ہیں، درختوں کے آگے جھکتے ہیں، جانوروں کو دیوتا جانتے ہیں، جنات اور ارواح  
خبیثہ کے نام کی روہانی پکارتیں ہیں، آسمانی مخلوقات کو آبرباب جانتے ہیں، انسانوں کو خدا کہتے ہیں، وہ حقیقت میں  
انسان کے مرتبہ سے ناواقف ہیں، وہ دراصل اس طرح انسان کو پتھروں سے، درختوں سے، جانوروں سے، دیوتاؤں  
سے، پہاڑوں سے، اور چاند تارون سے کم تر جانتے ہیں، انہوں نے حقیقت انسان کے رتبہ اور حیثیت کو نہیں پہچانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وحی کی زبان سے جاہل عربوں کو یہ نکتہ سوجھایا کہ انسان اس عالم خلق میں تمام مخلوقات سے اعلیٰ ہے۔ وہ اس دنیا میں خدا کی نیابت کا فرض انجام دیتے آیا ہے۔ قرآن کے ابتدائی سورہ میں آدم کی خلافت کا نقشہ محض داستان نہیں، بلکہ انسان کی اعلیٰ حیثیت کی عیان اور نمایان کرنے والی تعلیم کا اولین دیباچہ ہے، اُس کو فرشتوں کا مجموعہ بنانا گویا تمام کائنات کا مجموعہ بنانا تھا، اُس کو تمام اسماء کا علم عطا کرنا گویا تمام اشیاء کو اُس کے تصرف میں دینا تھا وہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے فرمان کے رو سے اس عالم میں خدا کا نائب ہے، اور اُس کا سر خلافت الہی کے تاج سے متاثر ہے، کرڈرون مخلوقات الہی میں خدا کی امانت کا حامل ہی منتخب ہوا، یہ منصب اعلیٰ نہ فرشتوں کو ملتا نہ آسمان کو، نہ زمین کو، نہ پہاڑ کو، صرف انسان ہی کا سینہ اس امانت کا خزانہ قرار پایا، اور اسی کی گردن اس بوجھ کے قابل نظر آئی فرمایا،

اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
وَالْجِبَالِ فَابْتٰیْنَ اَنْ یَّحْمِلَهَا وَاشْفَقْنَ  
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (احزاب - ۹)  
ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر، اور پہاڑوں پر  
پیش کی، سب نے اس بارے اٹھانے سے انکار کیا، اور ڈرنا  
اور انسان نے اس کو اٹھایا،

وحی محمدی نے انسان کا رتبہ یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بزرگیوں سے سرفراز، عالم مخلوقات میں برتر اور انعام و اکرام سے معزز کیا ہے،

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیَ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ  
وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَلْنٰهُمْ  
عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا لَقَدْ فِیْ ذٰلِکَ لَآیٰۃٍ لِّمَنْ  
ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی، اور ہم نے خشکی اور تری  
میں اُن کو سواری دی، اور ستھری چیزوں کی اُن کو روزی  
بخشی، اور اپنی بہت سی پیدا کی ہوئی چیزوں پر اُن کو فضیلت عطا  
(بنی اسرائیل)

انسان ہی وہی ہے جو سب سے معتدل قویٰ اور بہترین اندازہ کے ساتھ دنیا میں مخلوق ہوئی،

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (دین)

ہم نے انسان کو بہتر اندازہ پر پیدا کیا،  
یہاں تک کہ انسان خدا کی صورت کا عکس قرار پایا، متعدد حدیثوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے

آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اسی بنا پر آپ نے تعلیم دی کہ غلام کو سزا دو تو اُس کے چہرہ پر نہ مارو کہ وہ صورت الہی کا نقل  
 عین میدان جنگ میں اگر تو اربین برس رہی ہوں، تو حریف کے چہرہ پر وار نہ کرنا چاہیے، کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت  
 پر بنایا ہے، غصہ میں بھی نہ کہنا چاہیے کہ "خدا تیرے چہرہ کو اور تیرے جیسے چہرہ کو بگاڑ دے، کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت  
 خلق کیا، ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کی طرح خدا کی کوئی خاص جسمانی شکل ہے، اور آدم کی شکل اوس کی  
 نقل ہے، کہ لَئِنْ كَشَفْتُمْ شَتْرَ قِيَامِ، بلکہ یہ مطلب ہے کہ انسان میں خدا کی صفات کاملہ کی ایک دھندلی سی جھلک  
 موجود ہے، قلم قدرت، حیات، تمتع، بصر، ارادہ، غضب، رحم، سجا، وغیرہ تمام صفات رحمانی کی ناقص مثالیں اُس کے  
 اندر اللہ نے ودیعت رکھی ہیں، اور چونکہ انسان کے تمام اعضا میں اُس کا چہرہ ہی اوسکی شخصیت کا آئینہ دار اور اُس کے  
 اکثر احوال کا مصدر ہے جن سے تمام اوصاف کا ظہور ہوتا ہے، اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے اعضا میں اوس کی  
 فیض رحمانی کا موردِ ظاہر کیا، اب غور کرو کہ وہ چہرہ جسکو خدا سے نسبت ہو اس لائق ہے کہ وہ غیر خدا کے آگے زمین پر  
 رکھا جائے، اور اسکی زبان سے غیر خدا کی حمد کا ترانہ نکلے۔

وہ تو کائنات میں خلیفۃ اللہ بنکر آیا ہے،

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (الغافر: ۲۰) اور اُسی نے تم کو زمین کا نائب بنایا،

تو اب وہ کائنات میں خدا کے سوا کسکو سجدہ کرے،

روئے زمین کی تمام چیزیں اُس کے خاطر بنیں، وہ روئے زمین کی چیزوں کی خاطر نہیں بنا،

خَلَقَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقعہ ۸-۳) جو کچھ زمین میں ہے خدا نے (اُسے انسانوں) تمہارے لئے بنایا،

إِنَّ اللَّهَ يَخْلُقُ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ (حج: ۹) زمین میں جو کچھ ہے، خدا نے اُسکو تمہارے بس میں پیدا کیا،

صحیح بخاری کتاب الاستیذان، ابن ابی عاصم فی السنۃ، والطبرانی من حدیث ابن عمر باسناد ورجالہ ثقات، وادب المفرد بخاری و احمد بن ابی ہریرہ  
 وصحیح مسلم کتاب التبریز توراتہ میں بھی یہ فقرہ ان الفاظ میں ہے: جس دن خدا نے آدم کو پیدا کیا، خدا کی صودت پر اوسے بنایا (پیدائش ۵-۲)  
 صحیح بخاری کتاب التبریز، وصحیح مسلم کتاب التبریز، وصحیح مسلم کتاب التبریز، آخری تکرار صرف مسلم میں ہے، لہذا ادب المفرد امام  
 بخاری باب لا تقل قبح اللہ وجہ، اس حدیث کی شرح میں مستخرج ابیاری شرح بخاری میں یہ قول نقل کیا گیا ہے،

تو وہ زمین کی کس جہتی کے سامنے سر جھکاے،

شکر، بت پرست، ستارہ پرست، فطرت پرست، حقیقت میں غیروں کے آگے جھک کر یہ ثبوت دیتے ہیں کہ یہ ان کے لیے نہیں، بلکہ وہ ان کے لیے بنے ہیں، جو چاند اور سورج کو پوجتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چاند اور سورج ان کے لیے نہیں، بلکہ وہ چاند اور سورج کے لیے بنے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وحی اور تعلیم کے ذریعہ سے یہ بتایا کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے لیے بنی ہے، اور انسان خدا کے لیے، اس لیے کائنات کا ہر ذرہ انسان کی خدمت گزار ہی میں مصروف ہے، تو انسان کو بھی خدا ہی کی خدمت گزار ہی میں لگنا چاہیے،

ابوہارومہ و خورشید و فلک در کارند

تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

انسانوں نے آسمانی مخلوقات کو اپنا معبود بنایا، تو وحی محمدیؐ نے انسانوں سے کہا،

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ  
اور خدا نے رات دن، اور چاند اور سورج کو تمہارے لیے

وَالْيَجُونَ ۚ مَسْخَرَاتٍ بِأَمْرِي ۚ (نحل - ۲)  
کام میں لگایا، اور ستارے اسکے حکم سے کام میں لگے ہیں،

انسانوں نے جانوروں کو پوجا، تو پیغام محمدیؐ نے ان انجانوں کو بتایا کہ یہ تمہارے ہیں، تم انکے نہیں ہو،

وَاللَّعْلَعُ مَا خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ  
اور جانوروں کو پیدا کیا، تمہارے لیے اس میں اُن کی گرمی اور

(نحل - ۱) دوسرے فائدے ہیں،

انسانوں نے دریاؤں میں رکودی اور دیوتا بنایا، حالانکہ وہ بھی انہی کی خاطر عدم سے وجود میں آئے ہیں،

وَهُوَ الَّذِي مَخَّرَ الْبَحْرَ لَكُمْ لَازِغَاتٍ يَخْرِقُهُنَّ الْبُحُورُ  
اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام میں لگایا تاکہ تم اس سے

طَرَبًا تَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا  
تازہ گوشت کھاؤ، اور تاکہ تم اس میں سے آرائش کے موتی

وَتَرْىَ الْفُلْكَ مَوَاحِرَ فِيهِ وَلِيَسْتَبْتَغُوا مِنْ  
پہننے کو نکالو، اور دیکھتے ہو کہ ہمارے سمندر کو چھارتے پھرتے ہیں

تاکہ تم خدا کے فضل و کرم (روزی) کی تلاش کرو،

(نحل - ۲)

فَضْلِهِ ۚ

آگ بھی انسانوں کی سجدہ نبی، حالانکہ وہ خود انھی کی محبت میں جل رہی ہے،

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا ۚ  
فَإِذَا آنَسْتُمْ مِّنْهُ نُزِقَ دُونَهُ (یسین ۵۰) اُس وقت تم اُس سے روشن کرتے ہو،  
جس نے تمہارے واسطے ہرے درخت سے آگ پیدا کی، پس

الغرض زمین سے لیکر آسمان تک جو بھی مخلوق ہے، انسان اُس سے اشرف اور بلند تر ہے، اور سب اسی  
لیے ہے، پھر اُس انسان سے بڑھ کر اور کون نادان ہے، جو مخلوقات میں سے کسی کو اپنا مبعود، اور سجدہ بنائے، اس حقیقت  
کے آشکارا ہونے کے بعد شمرک کا کوئی پیلو بھی ایسا ہے، جیسا کہ کوئی سچا مسلمان گرفتار ہو سکے، اور ایک آستانہ کو چھو کر  
وہ کسی اور چوکھٹ پر اپنا سر جھکا سکے؟

الغرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس توحید کی تلقین کی، وہ انھیں دو اصولوں پر قائم ہے، ایک یہ کہ انسان تمام  
مخلوقات میں اشرف ہے، اس لیے کسی مخلوق کے سامنے اسکا سر نہ جھکنا چاہیے، اور دوسرا یہ کہ ہر قسم کی قوت، ہر قسم  
کی قدرت، اور تمام اوصاف کمالیہ صرف ایک بزرگ و برتر ہستی کے لیے ہیں، جو اور اسے عرش سے زیرِ فرش تک  
ہر ذرہ پر حکمران ہے، اسکی اطاعت کے دائرہ سے کوئی نقطہ باہر نہیں، انسان کی پیشانی کو ہر چوکھٹ سے اونٹھکھڑ  
اوی کے استنثار جھکنا چاہیے، ہماری تمام عقیدت، ہماری تمام محبت، ہمارا تمام خوف، ہماری تمام امیدیں، ہماری  
تمام دعائیں، ہماری تمام التجائیں، ہماری تمام عاجزیاں، صرف اُسی ایک درگاہ پر شمار ہوں، اور اوی کے رحم و کرم  
کے سہارے ہماری زندگی کا ہر لمحہ بسر ہو،

وہ بزرگ و برتر ہستی کیا ہے؟ اور اسکی نسبت ہمارا کیا تخیل ہو؟ تعلیم محمدی نے اسکا بھی جواب دیا،

خدا کا جامع اور مانع تخیل | قرآن پاک کی آیات، جاہلیت کے اشعار، اسلام سے پہلے عربوں کے واقعات بلکہ عرب  
اناثیت کے کتب سے یہ واضح طور پر ثابت ہے کہ عربوں کے ذہن میں ایک بالاتر ہستی کا تخیل ضرور موجود تھا، اسکا  
نام اُن کے ہاں اللہ تھا، مگر وہ کیا ہے؟ اور کیسا ہے؟ اُس کے صفات کیا ہیں؟ اسکی طرف کیا کیا باتیں منسوب  
کیا جاسکتی ہیں، کن کن باتوں سے پاک ہے، اسکا تعلق اپنے بندوں کے ساتھ کیسا ہے؟ ہم کو اُس کے آگے کھینچنا



چاہیے اور اُس سے کیا کیا مانگنا چاہیے اور کیونکر مانگنا چاہیے، اُسکے حضور میں عاقلین کیونکر کجاہن؟ ہم اُس سے کیوں ڈریں اور کیونکر ڈریں اور اُس سے  
 ڈرنے کی کیا حقیقت ہے؟ اور اُس سے محبت بھی کیجا سکتی ہے یا نہیں اور اگر کیجا سکتی ہے تو کیونکر؟ اُس سے محبت کی حقیقت کیا ہے؟ اسکی  
 قدرت کہاں تک ہے؟ اُس کے علم کی کیا حیثیت ہے؟ کیا وہ ہم سے دور ہے یا بالکل قریب؟ اُس کے تقدس بڑائی  
 اور عظمت کی کوئی حد ہے؟ اُس پر ہم توکل اور بھروسہ کیونکر کریں؟ کیا وہ انسانوں کے کسی صنف سے کلام بھی کرتا ہے؟  
 اُس کے احکام بھی ہیں؟ وہ احکام واجب الاطاعہ بھی ہیں؟ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور کن سے ناخوش؟  
 کیا وہ ہمارے دلوں کے چھپے ہوئے رازوں سے بھی آگاہ ہے؟ کیا اسکی اجازت کے بغیر زمین کا ایک ذرہ بھی سنبھ  
 جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا؟ اسکی مشیت اور اسکا ارادہ کیونکر آسمان سے زمین تک ہر چیز کو محیط ہے؟ کیا اُس کے بنائے  
 ہوئے قاعدے اور قانون بھی ہیں؟ کیا وہ انسانوں کی تعلیم اور اصلاح کے لیے پیغمبروں کو بھی مبعوث کرتا ہے؟  
 کیا ہم اُس کے نزدیک اپنے اعمال کے جواب دہ بھی ہیں؟ ہم سے وہ کیوں اور کیونکر ہمارے اعمال کا مواخذہ کریگا؟  
 یہ وہ باتیں ہیں جنسے عجب جاہلیت کا دل دماغ بالکل عاری اور خالی تھا اور اُن کے متعلق اسکے ذہن میں کوئی  
 تخیل نہ تھا، جاہلیت کا ایک ایک شعر پڑھ جاؤ، اُن کے مذاہب و اعتقادات کا ایک ایک حرف تلاش کرو، اس سے  
 زیادہ کچھ نہ پاؤ گے کہ وہ ایک طاقتور اعلیٰ آستی جو جس نے سب کو پیدا کیا ہے، اور مصیبتوں اور بلاؤں میں اسکو  
 بھارنا چاہیے،

محمدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربانی تعلیمات سے اُن کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت سے آشنا کیا، اسکی  
 وحدت اور بے مثالی سے باخبر کیا، اسکی مشیت ارادہ، قدرت اور وسعت سے آگاہ کیا، ایک ایسی ہستی کے اعتقاد  
 کی اسکو تعلیم دی جسکی قدرت بے انتہا جسکی وسعت غیر محدود جسکی مشیت کائنات کے ہر ذرہ میں نافذ  
 جس کے علم کے احاطہ میں اندھیرے اور اجاسے کی ہر چیز داخل، دلوں کے اسرار، زبانوں کے الفاظ اور ہاتھ پاؤں  
 کے اعمال سب ہر لحظہ اور ہر لمحہ اُس کے دربرو، اُس کے سامنے انسان اپنے ہر عمل کا جوابدہ اور ذمہ دار، اُس کے  
 مواخذہ کا خوف، اور اسکی رحمت کی امید ہے، وہ محبوب ازل ہے، اور اسکی محبت کا نشہ ہمارے دلوں کی ہشیار

ہے، اُس کے فضل و کرم اور محبت کی نیکیاں اوپر سے نیچے تک پھیلی ہیں، اُسکی قوت ہر قوت پر غالب، اُس کا ارادہ ہر ارادہ پر نافذ، اُس کا حکم ہر حکم سے بالاتر ہے، اُسکی عبادت ہر مخلوق پر فرض، اور اُسکی اطاعت ہر تکلف پر واجب ہے وہ ہر عیب سے پاک اور منزہ اور ہر وصف کا مستحق، اور اُس سے مصطفیٰ ہوا انسانوں کو اپنی یاد دلانے اور اُن کے تزکیہ اور اصلاح کے لیے رسولوں اور پیغمبروں کو بھیجتا رہا، اور اُن سے ہم کلام ہوتا رہا، اُس کے احکام اور بندھے ہوئے قوانین ہیں، جسکی اطاعت نیکی اور نافرمانی گناہ ہے، وہ اندھیرے کی روشنی، بھوکوں کی سیری، مایوسوں کی امید، زخمیوں کا مرہم، بے قراروں کی تسلی اور بے کسوں کا سہارا ہے، وہ ہم سے ہماری گردن کی رگ سے بھی قریب تر ہے، ہم اُس کو جب پکاریں وہ سنتا ہے، وہ نیکیوں کو پسند اور گناہوں سے نفرت کرتا ہے، وہ جب چاہے آسمان وزمین کو فنا کر دے، اور جب چاہے اُن کو پھر چا دے، اُسکی محبت دنیا کا جہل، اُسکی عبادت ہماری زندگی کا مقصود اور اُسکی یاد ہمارے دلوں کی راحت ہے،

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَتَذَكَّرْنَ اَنْقُلُوْب (رعد - ۴)      ہاں خدا کی یاد سے دلوں کو اطمینان کی دولت ملتی ہو،  
ان تعلیمات کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ جنکو مجھوٹے سے بھی خدا کا نام یاد نہ آتا تھا، وہ اُس کے سوا سب کچھ بھول گئے، اور اُسکی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو گئے، وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ہر حال میں اُسکی یاد میں سرست و سرشار ہو گئے،

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى الْجُنُوْبِ (انعام - ۱۰۸)      وہ خدا کو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے یاد کرتے ہیں،  
اس سرستی و سرشاری میں بھی انھوں نے جگہوں میں راہبانہ زندگی بسر نہیں کی، دولت مندوں کی کھسک کو اپنا سہارا نہیں بنایا، دنیا کی لٹکنٹھوں سے بزدلانہ گوشہ نشینی کو تقدس کا نام دیکر اختیار نہیں کیا، بلکہ فرائض کی ادائیگی اور اس راہ میں جدوجہد اور سعی و کوشش کو اپنا مذہب سمجھا، اور خدا کا حکم جانکر اُسکو پوری مستعدی کے ساتھ بجالائے، اور ان تمام ہنگاموں کے ساتھ دل کا معاملہ دلدارِ ازل کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا، خدائے اونکی مدح کی کہ  
رِجَالٌ لَا تُلَیْسُ بِہُمْ تِجَارَةٌ وَّلَا یَبِیْعُ شَیْئًا ذِکْرُ اللّٰهِ (نور - ۴)

اُن کی محبتِ الہی کا درجہ دنیا کی ہر محبت پر غالب آگیا، خدا نے اُنکی توصیف کی کہ

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (بقرہ - ۲۰) ایمان والے سب سے زیادہ خدا سے محبت کرتے ہیں،

اُن کا توکل اُن کا صبر اُن کا استقلال اُن کی استقامت، اُنکی بہادری، اُنکی بخشنی، اُنکی صداقت، اُنکی استبازی، اُنکی اطاعت ہر چیز اُن کے اسی جذبہ ایمان کا پرتو تھی، اور ہر وقت اُن کے پیشِ نظر تعلیم تھی کہ

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (طلاق - ۱) جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے، تو خدا اُس کو بس کرتا ہے،

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا (زمر - ۴) کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہیں،

وَنَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ (احزاب - ۵) اور تو لوگوں سے ڈرتا ہے، حالانکہ سب سے زیادہ خدا ڈرنا چاہیے

اُن میں یہ تمام روحانی و اخلاقی جوہر اسی ایمان باللہ کے بدولت پیدا ہوا،

اسماء و صفات | دنیا کے آغاز میں خدا نے کہا تھا کہ ہم نے آدم کو سب نام سکھائے، دنیا کہاں سے کہاں نکل گئی، اور علم کی وسعت کہاں سے کہاں پہنچی، مگر غور کیجئے تو ناموں کے ہیر پھیر سے ہم اب تک آگے نہیں بڑھے ہیں، ہماری حقیقت رسی ہے، اور یہی ہمارا فلسفہ ہے، ہم اپنے مفروضہ اصولِ منطقی کی بنا پر ذاتیات اور حقائق کے ذریعہ سے اشیاء کی تعریف کے مدعی بن گئے ہیں، لیکن ہزاروں صدیاں گزرنے پر بھی ذاتی اور حقیقی تعریف (حدِ منطقی) کی ایک مثال بھی پیش نہ کر سکے، جو کچھ کر سکے وہ یہ کہ صفات، عوارض اور خواص کے مختلف رنگوں سے نئی نئی طفلانہ تسکینیں بنائیں اور بگاڑتے ہیں، جب مادیات کا یہ عالم ہے تو دراز، الوراہستی میں ہماری بشری طاقت اس سے زیادہ کا تحمل کیونکر کر سکتی تھی گا، وہ طور اسی رمز کی آئینہ تصویر ہے،

ہم خدا کو بھی اُس کے ناموں، اُس کے کاموں اور اُس کی صفات ہی سے جان سکتے ہیں

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے جاہلون کو اسی نصابِ انسانی کے مطابق تعلیم دی، عرب کا جاہل اللہ کا نام ایک عطا ہستی سے واقف تھا، لیکن اُس کے ناموں اور کاموں کے تحمل سے بڑی حد تک نا آشنا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے بھی وہ قطعاً بیگانہ تھا، دیوانِ عرب یعنی اُنکی شاعری کے دفرین کہیں کہیں اللہ کا نام آتا ہے مگر

لیکن اسکی صفت کا ذکر نہیں آتا، قرآن پاک میں اُن کے خیالات کا پورا عکس اتارا گیا ہے، لیکن کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے بھی آگاہ تھے، بعض عیسائی عربوں میں اللہ کے ساتھ ساتھ "الرحمان" کا لفظ بھی مستعمل تھا جس کے معنی "رحم کرنے والے" کے ہیں، صحابہ الغلیل کے رئیس عیسائی ابرہہ کے نام سے سیدِ عرم (میں) پر جو کتبہ لگا ہے، اور حبکوہ بن قاضی کلان نے شائع کیا ہے، انہیں بھی دو جگہ رحمان کا لفظ آیا ہے، عرب عیسائی شعراء کے کلام میں بھی یہ لفظ ملتا ہے، عیسائیوں میں اس کے استعمال کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب مشرکین کو اس لفظ سے چڑھ ہو گئی تھی، اسی لیے جب اسلام نے اس لفظ کو اختیار کیا، تو مشرکین نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، صلح حدیبیہ کے موقع پر حبیب اللہ حضرت صلعم نے معاہدہ کے کاغذ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوائی تو قریش کے نمائندہ نے کہا کہ قسم ہوا اللہ جی مجھے نہیں معلوم کہ رحمان کیا ہے؟

مگر رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے اور قرآن مجید میں بار بار خدا کے لیے رحمان کے لفظ کے استعمال سے مشرکوں کو برہمی ہوتی تھی، اور کہتے تھے کہ ہم کبھی رحمان کے آگے سرنگون نہیں ہو سکتے، قرآن نے انکی اسی حالت کا ذکر اس آیت میں کیا ہے،

وَإِذْ أَقْبَلَ لَهُمْ انْجِدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجِدُ لِمَا نَأْمُرُنَا وَنُرَادُ هُمْ نَفُورًا، اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو، تو کہتے ہیں کہ رحمان کیا ہے، کیا تم حبکوہ کو اسکو ہم سجدہ کریں، رحمان کا نام انکی نفرت کو اور بڑھا دیتا ہے، (فرقان- ۵)

مشرکین کو یہ برا لگتا تھا کہ محمد (صلعم) ایک طرف تو اُن کے بتوں اور دیوتاؤں کی مذمت کرتے ہیں اور دوسری طرف عیسائیوں کے رحمان کی مدح و ستائش کرتے ہیں،

أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ إِلَهُكُمْ وَهُمْ يَذْكُرُونَ الرِّحْمَنَ، (مشرک آپکو دیکھتے تو مذاق سے کہتے کہ یہی وہ ہے جو تمہارے دیوتاؤں کا نام لیتا ہے، اور وہی مشرک چاہے ذکر سے انکار کرتے ہیں، (انبیاء- ۲۳)

تعلیم محمدی نے عرب کے نا آشنا یانِ حقیقت کو بالآخر آگاہ کیا کہ خدا کے اسماء و صفات کی کوئی حد نہیں، اس کو سب ہی اچھے ناموں سے پکارا جاسکتا ہے،

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ اَوْ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۚ اَيًّا مَّا كُنْتُمْ دَعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی ۝ (اسرائیل-۱۲)

کہہ (اے پیغمبر کہ) خدا کو اللہ کہہ پکارو یا رحمان کہہ پکارو جس نام سے بھی پکارو سب اچھے نام اُسی کے ہیں،

اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مسئلہ اسلام کے اُن اہم مذہبی اصلاحات میں سے ہے، جن سے نہ صرف عرب کے جاہل نا آشنا تھے، بلکہ دنیا کے بڑے بڑے مذہبوں کے پیرو بھی غلطیوں میں مبتلا تھے، یہودیوں کے اسفار اور صحیفوں میں خدا سے برحق کا اصلی نام ”یہوہ“ تھا، مگر کبھی عام یہودیوں کو اس مقدس نام کے زبان پر لانے کی اجازت نہ تھی، دوسرا عام نام ”الوہیم“ ہے، جو ہر موقع پر استعمال ہوتا ہے، ان کے علاوہ اُس کے بیسیوں نام اور اسماء جو حقیقت اُس کے اوصاف ذاتی، اور اعمال ربانی کے ترجمان ہیں تو رات کا ذکر اُن سے خالی ہے، صفات الہی میں سے جو صفت یہودی صحیفوں میں سب سے زیادہ نمایاں ہو وہ فرعون داسے خداوند یعنی ”رب الافواج“ کا لفظ ہے، جو اسکی صفاتِ جلالی کا منظر ہے،

عیسائیوں کی انجیل اور کتابوں میں ”باب“ کا لفظ خدا کے لیے استعمال ہوا ہے، اس لفظ کی حقیقت اور خدا پر اس لفظ کے اطلاق سے مقصود کیا ہے، اور گوشت پوست اور مادیت سے بھرے ہوئے لفظ کا خدا پر مجازی استعمال بھی کہاں تک جائز ہے؟ اور اس سے اس مذہب میں کہاں تک غلطیاں پھیلیں، ان باتوں کو چھوڑ کر بھی دیکھئے، تو یہ خدا کی صرف جالی صفات کی ناقص اور مادی تعبیر ہے، عیسائیت میں فلسفہ کی آمیزش نے تثلیث کے اختراعی عقیدہ کو اسی مسئلہ صفات کے پردہ میں چھپا لیا، اور یہ تاویل کی گئی کہ تثلیث کے قائم کنندہ، باپ (خدا) بیٹا (حضرت عیسیٰ) اور روح القدس، حیات، خلق اور علم میں صفوں سے عبارت ہیں، باپ، حیات، بیٹا، خلق، اور روح القدس علم ہے، اور یہ تینوں ایک ہیں، اور یہ تینوں وجود میں الگ الگ ہیں، اس تشریح سے صفات الہی کے تخم کے مسئلہ نے جنم لیا، اور ایک خدا کوئی خداؤں کا مجموعہ بن گیا،

ہندوؤں میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی نیرنگی نظر آتی ہے لیکن ہر صفت نے ان کے ہاں ایک مستقل وجود حاصل کر لیا ہے، اور خود خدا ہر قسم کی صفات سے خالی، اور مجرور رہ گیا ہے، اور اسی لئے ہندوستان کے تمام مذاہب اسی تجسیم صفات کے جلوہ گاہ ہو کر رہ گئے ہیں، برہما، قہیش، وشنو، تین صفات خالق، نمیت (مارنے والا) اور قیوم کے مجسمے ہیں، غلط تعبیر نے وحدت کی جگہ یہاں بھی تثلیث پیدا کر دی، شکر آچار یہ نے خدا کے صرف تین اصلی صفات تسلیم کئے، حیات، علم اور سرور یا آنتا، جن مذہب اور بعض ہندو فرقوں میں ایک خالقیت کی صفت کے تجسیم نے اعضاے تناسل کی پریش کی گمراہی پیدا کی، عام ہندوؤں میں ۳۲ کروڑ عجیب الخلق دیوتاؤں کی عظیم الشان بھیم بھی صفات و اسماء الہی کی تجسیم اور مستقل وجود کے غلط فلسفہ نے پیدا کیا، اور اُسی نے بت پرستیوں کی نت نئی صورتیں نمایاں کیں، جوسیوں میں یزدان اور اترمن کی ثنویت اور دوئی بھی، خدا کی دو صفاتوں، ہادی اور مضل کو دو مستقل ہستیوں میں منقسم کر دینے کا نتیجہ ہے، اس تفصیل سے اندازہ ہوا ہو گا کہ اس مسئلہ کی غلط تعبیر نے دنیا میں کتنی گمراہیاں پیدا کی ہیں،

مخد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے ان تمام فاسد تخیلات کو باطل ٹھہرایا، ان کے غلط عقیدوں کی تصحیح کی اور ربانی ہدایت کے نور سے سرج منیر بنکر جس طرح اس حقیقت کو روشن کیا وہ نبوتِ محمدی کے عظیم شان کا زائعا میں ہے،

اپنے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مکمل گنتی اور شمار کی حد سے باہر ہیں، اور ان کی باتوں کی کوئی اتہا نہیں، اپنے یہ دعا سکھائی، ”اے خداوند! تیرے ہر اس نام کے وسیلہ سے، جو تو نے اپنا رکھا، یا اپنی کتاب میں آمارا، یا کھلق کو سکھایا، یا اپنے لیے اپنے علم غیب میں او کو چھپا رکھا، میں تجھ سے مانگتا ہوں، حضرت عائشہؓ کو یہ الہامی دعا، تعلیم ہوئی، ”خداوند! میں تیرے سب اچھے ناموں کے وسیلہ سے تجھ سے کچھ کہہ رہا ہوں، اور جب کو نہیں جانتا تجھے درجہ کرنا ہوں“ قرآن پاک کے ذریعہ بتایا گیا،

لے یہ یزیدوں دعا میں نام ہستی کے کتاب اسماء و صفات میں مستقل کی ہیں اور پہلی وصیت مندرجہ جمل میں بھی (بزرگوار اللہ بن مسعود) ہے،

قُلْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ يَغْفِرُ ذُنُوبَكُمْ وَأَجْزَلُ وَأَكْبَرُ  
 قُلْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ يَغْفِرُ ذُنُوبَكُمْ وَأَجْزَلُ وَأَكْبَرُ  
 مَدَدًا (الکھف - ۱۲)

دوسری جگہ کہا گیا،

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلًا وَالْخُحْرِ  
 يَمْدُ مِنْ بَعْدِهَا سَبْعَةُ أَنْحَارٍ مَا لَفَيْدَتْ  
 كَلِمَتُ اللَّهِ (لقمان - ۳)

اللہ کی باتیں ختم نہ ہونگی،

الغرض تمام اچھے اور کمالی نام اسی کے لیے ہیں اور اسی کو زیبا ہیں،

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى،  
 نہیں ہے کوئی معبود لیکن وہی اللہ اوسے کے لیے ہیں  
 سب اچھے نام، (طہ - ۱)

بڑائی کا ہر نام اور خوبی کا ہر وصف اوسے ذات بے ہمتا کے لیے ہے، خواہ اوسکو خدا کہو، یا اللہ کہو، لغت اور

زبان کا کوئی فرق اس میں خلل انداز نہیں،

قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا  
 فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى - (اسرائیل - ۱۲)

کہہ دے (اسے پیغمبر) اوسکو اللہ کہہ پکارو، یا رحمان کہہ پکارو،

کہہ پکارو، کہ سب اچھے نام اسی کے ہیں،

لیکن مشرکوں کی طرح اوسکو ایسے ناموں سے نہ پکارو، جو اُس کے کمال اور بڑائی کے منافی ہیں اور بتوں

اور دیوتاؤں کے ناموں سے بھی اوسکو یاد نہ کرو،

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَ  
 ذُرِّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي الْأَسْمَاءِ  
 اور اللہ ہی کے لیے ہیں سب اچھے نام، اُس کو ان ناموں  
 سے پکارو، اور ان لوگوں سے علیحدہ رہو جو اُس کے ناموں  
 میں جھگڑتے ہیں، (اعراف - ۲۲)

تعلیمِ محمدی کا صحیفہ وحی اللہ تعالیٰ کے تمام اوصافِ حمیدہ اور اسمائے حسنیٰ سے بھرا ہوا ہے، بلکہ اس کا صفو صفو  
اُس کے اسماء و صفات کی جلوسِ گریون سے معمور ہے، قرآن پاک کا کلم کوئی ایسا شروع ہوگا، جبکہ خاتمہ خدا کی توصیف  
اور حمد پر نہ ہو، اور یہ تمام اوصاف اور نام اُس عشق و محبت کو نمایان کرتے ہیں، جو اس محبوبِ ازل اور نورِ عالمِ کبھی  
قرآن کے ہر پیر و کے دل میں ہونا چاہیے،

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِ  
كَشْكُوْتٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي  
زُجْجَاجَةٍ الزُّجْجَاجَةُ كَأَنَّ الْكُوْكُوتَ دُرِّی  
يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا  
شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِي  
وَلَوْ كُمْ تَصْنَسُهُ نَارُهُ تُوْر عَلَى سِرَاطٍ  
يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ وَيَضْرِبُ  
اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

اللہ سمانوں اور زمین کا نور ہے، اُس کے نور کی مثال یہ ہو کہ  
ایک طاق ہو جس میں چراغ ہو، چراغ ایک شیشہ کے اندر  
ہو، شیشہ اتنا صاف ہو کہ گویا ایک چمکتا ستارہ ہے،  
وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے جلا یا  
گیا ہو نہ وہ پورب ہے نہ پچھم ہے، اوس کا تیل اتنا  
صاف ہے کہ آگ کے چھوٹے بغیر وہ آپ سے آپ  
جلنے کو ہو، روشنی پر روشنی، خدا اپنی روشنی تکس چمکو  
چاہے پہنچا دے اور خدا لوگوں کے سمجھانے کیلئے یہ مثالیں  
بیان کرتا ہی اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے،

(نور - ۵)

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ  
سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي  
الْأَرْضِ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا  
بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ  
وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ  
كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَهوَ يَؤْتِي وَلاَ

اللہ، نہیں ہے اُس کے سوا کوئی اور معبود، وہ ہمیشہ زندہ  
تمام دنیا کو سنبھالتا ہے، اس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی، اس کا  
ہیں اور زمین میں جو کچھ ہے اُسی کا ہے، کون ہے جو اس کی  
رضی کے بغیر اُس کے سامنے سفارش کرنے کو کھڑا ہو، انسان  
کے سامنے اور پیچھے جو کچھ ہے اس کو جانتا ہے، اور وہ اس کے  
علم کا احاطہ نہیں کر سکتے، لیکن جتنے کا وہ چاہے، اس کا تخت



حِفْظُهُمَا ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

(بقرہ - ۴-۳۴)

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ  
وَالشَّهَادَةِ ۖ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۖ هُوَ اللَّهُ  
الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ  
السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِيزُ الْحَبِيبُ  
الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۖ هُوَ اللَّهُ  
الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى  
يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ  
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (خشر - ۳)

سُبْحَانَ اللَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ  
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ هُوَ  
الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ  
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۖ هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى  
عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلْمِزُ فِي الْأَرْضِ وَمَا خُورَجَ  
مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا  
وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَلَئِنْ دَعَاكُمْ لَتُصَرِّفُنَّ

آسمانوں اور زمین کو سہاے ہوئے ہے، اس آسمان اور

زمین کی نگہبانی اُسکو تمھاری نہیں اور وہی اونچا اور بڑا ہے،  
وہی اللہ ہے جسکے سوا کوئی اللہ نہیں چھپے اور کھلے کاظم رکھنے

والا، وہی رحم کرنے والا، اور مہربانی والا، وہی اللہ جسکے  
سوا کوئی اللہ نہیں، سب کا بادشاہ، پاک، پوری سلامتی

امن والا، ہر شے پر گواہ، غالب، سب پر قابو والا، بڑائی والا،  
اس پاک ہے جسکو یہ مشرک خدا کا شریک بتاتے ہیں، وہی اللہ  
پیدا کرنے والا، بنانے والا، ہر چیز کی صورت کھینچنے والا، اُسکی

کے لیے سب اچھے نام ہیں جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں  
سب اسکی پاکی بیان کرتے ہیں وہی سب پر غالب اور حکم والا ہے

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب خدا کی پاکی  
بیان کرتے ہیں وہی غالب اور دانا ہے، آسمانوں کی اور

زمین کی حکومت اُسی کی ہے، وہی جلاتا ہے اور سارے ہوا  
وہ ہر بات پر قادر ہے، وہی پہلا اور وہی پچھلا ہے، وہی کھلاتا ہے

وہی چھپاتا ہے اور ہر بات کو جانتا ہے، وہی جس نے آسمانوں کو  
اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر تخت پر برابر ہوا، وہ جانتا ہے

جو زمین میں گھسٹا ہے اور جو زمین سے نکلتا ہے، اور جو آسمان سے اترتا  
ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے، اور جہاں بھی تم ہو وہ تمھارا

ساتھ ہے، اور اللہ تمھارے کاموں کو دیکھتا ہے،

لَهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ تَرْجِعُ  
 الْأَمْوَارَ، يُؤْتِي لُحُومُ اللَّيْلِ فِي النَّهَارِ وَيُؤْتِي لُحُومُ النَّهَارِ  
 فِي اللَّيْلِ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذُنُوبِ الصُّدُورِ،  
 اسی کی آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی ہو اور اللہ ہی  
 تمام چیزوں کا مرجع ہے، وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے  
 اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، وہ سینوں کے

(حدید - ۱) سب بھید سے واقف ہے،

خدا کے متعلق اہل عرب کا جو پست خیال تھا، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو مٹا کر ان کے سامنے جو بلند خیال پیش  
 کیا، اس کا اندازہ حسب ذیل آیت سے ہو سکتا ہے، آپ نے جب توحید کا آواز بلند کیا، تو مشرکین جو اپنے دیوتاؤں کے  
 ان اولاد اور بیویوں اور گویوں کی حمد کے ترانے گاتے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور فرمائش کی کہ ذرا  
 اپنے خدا کا نسب تو ہمارے سامنے بیان کرو، یعنی گواہ اپنے دیوتاؤں سے اسلام کے خدا کا مقابلہ کر کے بتانا چاہتے  
 کہ اس حیثیت سے اسلام کا خدا ہمارے دیوتاؤں کی ہمہری نہیں کر سکتا، اس کے جواب میں وحی محمدی نے اپنے  
 خدا کی حقیقت قرآن پاک کی اس سب سے مختصر سورہ میں پیش کی،

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ، لَمْ يُولَدْ،  
 وَلَمْ يَلِدْ، وَلَمْ يُولَدْ، لَمْ يَلِدْ، لَمْ يُولَدْ،  
 اُس سے (اسے پیغمبر) وہ اللہ ایک ہے، وہ تنہا اور بزرگ اور بیچہ  
 اور عالم کا مرجع اور جاپنا ہے، نہ وہ اولاد جاتا ہے، اور نہ اس کے  
 کوئی ان باپ، جنہ اسکو جنما ہوا اور نہ اسکا کوئی ہمسر

(اخلاص)

یہ روایت حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے، حضرت ابی تمیمہ مین سب سے زیادہ قرآن کے ماہر سمجھے جاتے  
 ہیں، وہ اسی کے بعد اس سورہ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ "صمد" وہ ہے جو نہ جنما ہے اور نہ کسی نے اسکو جنما ہوا، کیونکہ  
 جو جنما جاتا ہے، وہ مرنے لگتا ہے، اور جو مرنے لگتا ہے، وہ اپنا وارث و جانشین بھی چھوڑ جاتا ہے، اور خدا نہ مرنے لگتا ہے نہ اسکا  
 کوئی جانشین ہے، اور کوئی اسکا ہمسر نہیں ہے، یعنی کوئی اس کے برابر نہیں، اور نہ کوئی اس کے مثل ہو، غور کرو کہ  
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اہل عرب مین خدا کا کتنا پست ذلیل خیال تھا، جب کا اندازہ تم ان کے سوال سے

لے مستدرک حاکم تفسیر اخلاص (صحیح) و جامع ترمذی تفسیر سورہ مذکور و کتاب الاسماء ہفتی صفحہ ۲۲ (الہ آباد)

کر سکتے ہو اور آپ کی تعلیم کے بعد وہ تخیل کتنا پاک، اعلیٰ اور بلند ہو گیا، جس کا اندازہ حضرت اُن کی تفسیر سے ہو سکتا ہے جو اُنسی  
عرب تنزاد قبیلہ کے ایک فرد ہیں، لیکن اُن کا دل اب محمد رسول اللہ صلیم کے فیض تعلیم سے منور ہو چکا تھا، حضرت  
ابو ہریرہؓ آپ سے سن کر کہتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے کہ آدم کے بیٹے نے مجھ کو جھٹلایا اور آدم کے بیٹے نے مجھ کو گالی دی  
اوسکا جھٹلانا یہ ہے کہ اُس نے کہا کہ خدا دوبارہ پیدا نہیں کرے گا، حالانکہ پہلی بار کے پیدا کرنے سے دوسری بار کا پیدا  
کرنا بہت آسان ہے، اور اُسکا گالی دینا یہ ہے کہ اُس نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے، حالانکہ میں وہ ایک اور صمد ہوں جس  
نے کسی دوسرے کو جنما ہے، اور نہ اُس کو کسی نے جنما ہے، اور نہ اوسکا کوئی ہمسر ہے، یہ حضرت ابو ہریرہؓ مبنی عرب میں تھے  
اُس عرب کے ایک فرد جو تعلیم محمدؐ سے پہلے ان حقائق سے بے بہرہ تھا، اور اب وہ اس تنزیہ و تقدیس کے موتی اپنے  
منہ سے اُگل رہے ہیں،

اس مختصر سورہ میں سب سے چھوٹا لفظ "صمد" کا ہے، لیکن حقیقت قرآن کی بلاغت نے اس ایک لفظ میں صفات  
الہی کا بے پایاں دفتر چھپا رکھا ہے، "صمد" کے معنی لغت میں اونچی پھرتی زمین یا چٹان کے ہیں جو کسی ایسی واوی میں ہو  
جہاں جب سیلاب آتا ہو تو اُس پر نہ چڑھتا ہو، اور لوگ اُس وقت دوڑ دوڑ کر اوس پر چڑھ کر اپنے کو بچائیں، پھر صمد کے  
اس لغوی معنی سے اُس سردار کے معنی پیدا ہوئے جو بزرگی اور شرافت میں انتہائی معراج کمال پر ہوا، اور اُس سردار کو بھی  
کہنے لگے جسکی موجودگی کے بغیر بس میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکتا ہو، اور اُس سردار کو کہتے ہیں جس کے اوپر کوئی سردار نہ ہو،  
اور اُس چاہناہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا جو سب کو مصیبت کے وقت اپنے دامن میں پناہ دیکے، اُس مجمع و مرکز کے  
معنی میں بھی آیا جسکی طرف ہر شخص دوڑ دوڑ کر جاتا ہے، صمد ٹھوس کو بھی کہتے ہیں جس کے اندر خول نہ ہو، اسی سے اوس کو  
بھی کہتے ہیں جو کھانا پیتا نہ ہو، اور جس کے آل و اولاد نہ ہو، اوس کو بھی کہتے ہیں جس سے کوئی بے نیاز نہ ہو، اُس بہادر کو بھی  
کہتے ہیں جسکو لڑائی میں بھوک اور پیاس نہ لگتی ہو، صمد اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے حمل نہ رہا ہو، حضرت ابن عباسؓ  
کہتے ہیں کہ صمد وہ سردار ہو جو اپنی بزرگی اور سرداری میں درجہ کمال پر ہو، وہ شریف جسکی شرافت کامل ہو، وہ بڑا جس کی  
لے صحیح بخاری تفسیر سورہ اخلاص،

بڑائی میں کوئی نقص نہ ہو، وہ بڑبارجہ کی بردباری، بدرجہ اتم ہو، وہ بے پروا و بے نیاز جسکی بے پروائی و بے نیازی کی کوئی حد نہ ہو، وہ زبردست جس کے جبروت کی انتہا نہ ہو، وہ علم والا جسکا علم بدرجہ اتم ہو، وہ حکیم جسکی دانائی کمال کے درجہ تک ہو، یعنی وہ جو بڑائی اور بزرگی کی ہر صفت میں کامل ہو۔

ان ممنون کے علاوہ صحابہ اور تابعین نے اسکی تفسیر میں حسب ذیل معانی بھی لکھے ہیں،

ابن عباسؓ، وہ جس کی طرف نصیبت کے وقت لوگ رجوع کریں،

حسن بصریؓ، وہ حقیقی و قیوم جسکو زوال نہ ہو اور جو باقی ہو،

ربیع بن انسؓ، جس کے نہ اولاد ہو، نہ مان، باپ،

عبداللہ بن مسعودؓ، جس کے اندر مسعدہ وغیرہ جہانی اعضا نہ ہوں،

بریدہ رضی اللہ عنہ، جس میں خوف نہ ہو،

عکرمہ و شیمی، جو کھانا نہ ہو،

عکرمہؓ، جس میں سے کوئی دوسری چیز نہ نکلے،

قتانؓ، باقی غسانی،

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام معانی اس ایک لفظ کے اندر پوشیدہ ہیں، اور ایک ہی حقیقت کی یہ مختلف تعبیریں ہیں

تاہم یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کے اصلی معنی چٹان کے ہیں، جو بڑائی اور نصیبوں کے وقت جانپناہ کا کام دے، اسرئیلی

النبیات میں بھی یہ لفظ یہی اہمیت رکھتا ہے، اور بنی اسرائیل کے صحیفوں میں جانپناہ کے لیے چٹان کا لفظ آیا ہے،

اشتمار (۳۲-۳۰-۳۱) میں ہے،

”اگر اونکی چٹان اُن کو پیچ نہ ڈالتی، اور خداوند اُن کو اسیر نہ کروانا، کیونکہ اُن کی چٹان یہی ہیں

۱۔ کتاب الاسماء والصفات، امام بیہقی بسند صفحہ ۴۲، ۲۔ ان معانی کے لئے دیکھو کتاب الاسماء بیہقی صفحہ ۳۴، مفردات القرآن لرفیع مصنفانی ابن جریر طبری، ابن کثیر اور تفسیر سورۃ الاخلاص لابن تیمیہ،

جیسی ہماری چٹان۔

یہ چٹان اس موقع پر حقیقت میں خدا کی مدد و نصرت سے کیا یہ ہے، ہموال کے پہلے صحیفہ میں یہ کہنا یہ تصریح بدل جاتا ہے، خداوند کے اند کوئی قدوس نہیں، تیسرے سو کوئی نہیں کوئی چٹان ہمارے خدا کے مانند نہیں۔<sup>(۲۰۲)</sup>  
اس سورہ میں خدا کی صفت میں دو نقطہ ہیں، اکہم (ایک) اور صہم (جاپناہ) یہ دونوں خدا کے دو متضاد کمالی اوصاف کو حاوی ہیں، او کی یکتائی کا نتیجہ تو یہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں، نہ اسکو کسی کی حاجت، نہ اسکو کسی سے غرض، وہ کہہ کہ وہنا، اکیلا، بے ہمتا، بے نیاز، بے پروا، سب سے مستغنی، اور سب سے الگ ہے، لیکن اسی کمال یکتائی کیساتھ، وہ سب کے ساتھ، سب کا دستگیر، سب کی جاپناہ، سب کا محتاج، یہ سب کا مرکز، سب کا مرجع، سب کا مامی، سب کا بچا، یعنی سب کی چٹان ہے، مصیبتوں میں سہارا، بلاؤں میں تسلی اور اضطرابوں میں تسکین،

فَقَضَرُوا إِلَى اللَّهِ، ہر جگہ سے بھاگ کر اللہ کے ہاں پناہ لو،

یہ سورہ پاک توحید اسلامی کے ہر شعبہ کو حاوی ہے، اور اسی لیے اسکو ثلث القرآن (تہائی قرآن) کا درجہ دیا گیا، ایک صحابی تھے جو نماز کی ہر دو رکعت میں قرأت کے آخر میں اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے، لوگوں نے یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ نے اُن سے اسکی وجہ دریافت کر لی، انھوں نے کہا، اس میں میرے رب کی صفات بیان ہوئی ہیں، جو مجھکو بہت محبوب ہیں، آپ نے فرمایا، "بشارت ہو کہ خدا بھی تم سے محبت کرتا ہے، ایک اور انصار بھی تھے جو قبلہ کی مسجد میں امامت کرتے تھے، اُن کا یہ حال تھا کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد اس سورہ کو پڑھ لیتے تھے، تب کوئی دوسری سورہ پڑھتے تھے، اُن کے مقتدی صحابہ نے اس پر اعتراض کیا، انھوں نے کہا، مجھے امامت چھوڑنی منظور ہے مگر اپنی روش چھوڑنی منظور نہیں، لوگوں نے اس واقعہ کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آپ نے اُن سے اسکی وجہ دریافت کی، تو گزارش کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ سورہ بہت محبوب ہے، ارشاد ہوا، یہ محبت تم کو جنت میں پہنچائیگی، قتادہ بن نعمان صحابی تھے جو رات رات بھری ایک سورہ کو دہراتے تھے، اور لطف اندوز ہوتے تھے، لوگوں نے آپ سے اس کا

سے صحیح بخاری کتاب التوحید سے صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ،



ایک ایک کر کے گنایا ہے یہ تمام نام وہ ہیں جو بطور علم یا بطور صفت کے قرآن پاک میں آئے ہیں یا وہ افعال کی حیثیت سے خدا کی طرف منسوب ہوئے ہیں یا انھیں صلت علم نے دعاؤں میں انکی تعلیم کی ہے، ہم ذیل میں بہ ترتیب ایک ایک نام لکھتے ہیں اور انکی مختصر لغوی تشریح کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ انھیں صلت علم نے خدا کا جو تخیل اور عقیدہ اپنے پیروں کو سکھایا، وہ کتنا وسیع کتنا بلند کتنا منترہ اور پاکیزہ ہے، علماء نے ان ناموں کو یا ان صفات کو مختلف معنوی مناسبتوں سے ترتیب دیا ہے لیکن ہم نے ان کے صرف تین مرتبے قرار دیئے ہیں، ایک وہ جن سے اُس کے رحم و کرم، عفو و درگزر یعنی صفات جمالی ظاہر ہوتے ہیں دوسرے وہ جن سے اوکی شاہنشاہی، جلال و جبروت اور حکومت و استیلا کا اظہار ہوتا ہے، ہم ان کو صفات جدالی کہتے ہیں تیسرے وہ اسماء اور صفات جن سے اوکی تترہیبہ بلندی، کمالات کی جامعیت اور ہر قسم کے اوصاف حسنہ اور حامدِ عالیہ کا ثبوت ہوتا ہے اور ہم صفات کمالی سے تعبیر کرتے ہیں الغرض خدا کے تمام اسماء و صفات انھیں تین عنوانوں کی تشریح ہیں یعنی یا تو ان سے خدا کی رحیمی و کریمی ظاہر ہوتی ہے یا اُس کے جاہ و جلال کا اظہار ہوتا ہے یا اوکی تترہیبہ و کمال کا اثبات ہوتا ہے،

صفات جمالی (یعنی وہ اسماء و صفات جن سے خدا کے رحم و کرم اور شفقت و محبت کا اظہار ہوتا ہے) اللہ یہ خدا کا وہ نام ہے جو قرآن پاک میں بطور خاص علم کے ہر جگہ استعمال کیا گیا ہے، اسلام سے پہلے بھی یہ عرب میں خدا کے ہر جگہ کے لیے استعمال ہوتا تھا، اس لفظ کی لغوی تحقیق میں بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے کسی نے کہا ہے کہ اس کے معنی اس ہستی کے ہیں جسکی پرستش کی جائے بعضوں نے کہا وہ جسکی حقیقت و معرفت میں عقل انسانی حیران و سرگردان ہو، دوسروں کی تحقیق ہے کہ اس کے معنی ہیں وہ جو اپنی مخلوقات کے ساتھ وہ شفقت اور محبت رکھے جو ان کو اپنے بچوں کیساتھ ہوتی ہے، اس اخیر تعبیر کی بنا پر اللہ کے معنی پیار کرنے والے یا پیارے کے ہیں

الرَّحْمَنُ، اللہ کے بعد یہ دوسرا لفظ ہے جسکو علم کی حیثیت حاصل ہے، اُس کے معنی رحم کرنے والے کے ہیں یہ گزر چکا ہے کہ رحمان کا لفظ اسلام سے پہلے صرف عیسائی عربوں میں مستعمل تھا عام اہل عرب میں اللہ کا لفظ استعمال تھا، قرآن مجید نے ہر سورہ کے شروع میں اور نیز اور مقامات میں اللہ کو الرحمن کہہ کر سینکڑوں جگہ استعمال کیا ہے،

بظاہر تو یہ وصف و موصوف کی معمولی ترکیب ہے، مگر درحقیقت یہ بدل و مبدل نہ ہیں، اور اس سے اس کی طرف اشارہ ہے کہ عام عربوں کا اللہ اور عرب عیسائیوں کا رحمان دو جہتی صفات اور دو بیگانہ ہستیوں نہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں، اور ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں اور اس طرح ان دو مختلف قوموں کو وحدت الہی کی دعوت دینی جو ناموں کے تعدد کو حقیقت کے تعدد کا مراد سمجھتی تھیں، اور کہا گیا،

قُلْ اَدْعُوا لِلّٰهِ اَوْ دَعُوا لِلرَّحْمٰنِ اَيَّامًا  
تَدْعُوْا قُلْ اَلَا سَمَاءُ مَحْشٰتُہٗ (سراہیل - ۱۲) نام ہیں

الرَّحْمٰنِ، ”رحم کرنے والا“ رحم کا لفظ اس رحم سے نکلا ہے، جس سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے، اس لیے اصل لغت کے لحاظ سے اس لفظ میں بھی مریانہ محبت کا جذبہ نمایاں ہے،

الرَّحْمٰن اور الرَّحْمِیْم، خدا کی یہ وہ دو صفات ہیں جن سے قرآن کا صفحہ صفحہ منور ہے، کائنات میں جو کچھ ہوا جو کچھ ہے، جو کچھ ہوگا، وہ انکی رحمانی اور رحیمی انہیں دو صفاتوں کا ظہور ہے، یہ عالم اور وہ عالم دونوں میں انکی انہیں دونوں شانوں کا ظہور ہے، اور ہوگا،

الرَّحِیْم، پرورش کرنے والا، یعنی ہستی کے اول نقطہ سے لیکر آخر منزل تک ہر لمحہ اور ہر خطہ مخلوقات کی نشاۃ اور ظہور و ترقی کا ذمہ دار،

الرَّحِیْمُ، لطف والا، سربان،

الرَّحِیْمُ، معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا،

الرَّحِیْمُ، محبوب، محبت کرنے والا، پیار کرنے والا،

الرَّحِیْمُ، امن و سلامتی، صلح و آشتی، ہر عیب پاک و صاف،

الرَّحِیْمُ، محبت والا، پیار والا، چاہنے والا،

الرَّحِیْمُ، امان دینے والا، امن بخشنے والا، ہر خوف سے بچانے والا، اور ہر مصیبت سے نجات دینے والا،



الشُّكُورُ، اپنے بندوں کے نیک عمل کو قبول اور پسند کرنے والا،  
 الْغَفُورُ وَالْغَفَّارُ، معاف کرنے والا، گناہ بخشنے والا، درگزر کرنے والا،  
 الْحَفِیْظُ وَالْحَافِظُ، حفاظت کرنے والا، نگہبان، نگہبانی کرنے والا، بچانے والا،  
 الْقَاهِبُ، دینے والا، عطا کرنے والا، بخشنے والا،  
 الرَّازِقُ وَالرَّزَّاقُ، روزی دینے والا، نشوونما کا سامان بہم پہنچانے والا،  
 الْقَوِیُّ، دوست، حمایتی، طرفدار،  
 الرَّؤُفُ، مہربان، نرمی اور شفقت کرنے والا،  
 الْمُقْسِطُ، انصاف والا، عادل،  
 الْهَادِیُّ، راہ دکھانے والا، رہنما،  
 الْكَافِیُّ، اپنے بندوں کی ہر ضرورت کے لیے کافی،  
 الْمُجِیْبُ، قبول کرنے والا، دعاؤں کا سننے والا،  
 الْحَلِیْمُ، بڑبار، بندوں کی برائیوں سے خشم پوشی کرنے والا،  
 التَّقَابِلُ وَقَابِلُ التَّقَابِ، توبہ قبول کرنے والا، گناہگار کے گناہوں سے درگزر کر کے دوبارہ  
 اُس کی طرف رجوع ہونے والا،  
 الْحَنَّانُ، مان کی طرح بچوں پر شفقت کرنے والا،  
 الْمَنَّانُ، احسان کرنے والا،  
 النَّصِیْرُ، مدد کرنے والا،  
 ذُو الطَّوْلِ، کرم والا،  
 ذُو الْفَضْلِ، فضل والا،

الْكَيْلُ، بندوں کی کفالت کرنے والا،

الْوَكِيلُ، بندوں کی ضرورتوں کا ذمہ لینے والا، سامان کرنے والا،

الْمُقَيِّتُ، روزی پہنچانے والا،

الْمُعِیْثُ، فریاد کو پہنچنے والا، فساد سننے والا،

الْمُجِيرُ، پناہ دینے والا،

الْمُعْزِزُ، جو بندوں کو اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز کئے ہوئے ہے،

صفاتِ جلالی | یعنی وہ اسماء و صفات جن سے اس کی بڑائی، کبریائی، شہنشاہی، اور قدرت کا اظہار ہوتا ہے،

الْمَلِكُ وَالْمَلِیْکُ، بادشاہ، فرمانروا،

الْعَزِیْزُ، غالب، جس پر کوئی دسترس نہ پائے،

الْقَاهِرُ وَالْقَهَّارُ، جس کے حکم سے کوئی باہر نہیں جاسکتا، سب کو واپس اپنے قابو میں رکھنے والا،

الْمُنْتَقِمُ، سزا دینے والا، برائیوں کی جزا دینے والا،

الْجَبَّارُ، جبروت والا، جس کے سامنے کوئی دوسرا دم نہ مار سکے، جس سے کوئی سربازی نہ کر سکے،

الْمُهَيِّمُ، سب پر شاہد اور گواہ اور دلیل،

الْمُنْكَرُ، اپنی بڑائی دکھانے والا، کبریائی والا، سخت سزا دینے والا،

شَدِيدُ الْعِقَابِ، سخت سزا والا،

شَدِيدُ الْبَطْشِ، بڑی گرفت والا، جس سے کوئی چھوٹ نہیں سکتا،

نکتہ: خدا کے صفاتِ جلالی کا ذکر زیادہ تر تورات میں ہے، لیکن صحیفہ محمدی میں جہاں کہیں خدا کی ان

جلالی صفات کا ذکر آتا ہے، ہمیشہ اُن کے ساتھ ساتھ خدا کے عادل، حکیم اور علیم ہونے کا بھی ذکر ہوتا ہے، جس سے انسان کی اس غلط فہمی کا مٹاؤ ہے کہ خدا کی ان جلالی صفات کا یہ نشانہ نہیں ہے کہ وہ خود بائبل کی طرح دم گم

مین جو چاہے کر گذرنا ہے، بلکہ اس کا قہر، اس کا غلبہ اور اس کا انتقام اور اس کی گرفت، عدل، انصاف اور حکمت و مصلحت پختہ ہوتی ہے، اور اس طرح ان جلالی ناموں سے بے رحمی اور ظالمانہ سخت گیری کا جو شبہ پیدا ہو سکتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے، فسرنا،

إِنَّ اللَّهَ لَيَسَّ بِظُلْمٍ لِّلْعَبِيدِ (الاعتراف - ۱۹) بیشک خدا بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں،

اسی لیے اللہ تعالیٰ کے وصف میں عزیز (غالب) کیساتھ حکیم (حکمت والا) ہمیشہ قرآن میں آیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدا کے عذاب کے ذکر کے ساتھ اس کی رحمت کا تذکرہ بھی ہو گا، اور دوزخ کے بیان کیساتھ جنت کا سامان بھی لازمی ہو گا،

جہاں یہ کہا گیا کہ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ساتھ ہی کہا گیا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ (ص - ۵) قوموں کی تباہی و بربادی کا ذکر کیا گیا تو فرمایا گیا،

وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ (مومن - ۴) اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا،

اسکی صفت ذُو عِقَابٍ لَيْفٌ، اور ناک عذاب دینے والا، جہاں بیان کی گئی، تو اُس سے معا پہلے لَذُّ مَعْقَرٍ قِيسِي بِنَشْشِ (حسم السجدہ - ۵) بھی فرمادیا گیا، غرض صفات جلالی کے بیان میں یہ رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے کہ اس کے ساتھ با آگے پیچھے اسکی صفات جہالی کا بھی ذکر ہو، تاکہ خوف و خشیت کے ساتھ اسکی محبت اور لطف و کرم کے جذبات بھی نمایاں ہوں،

صفات کمالی، وہ اسما و صفات جن سے اسکی خوبی، بڑائی، بزرگی اور ہر وصف میں اسکا کامل ہونا ظاہر ہو، اس طرح کے اسما و صفات پانچ قسم کے ہیں ایک وہ جو اسکی وحدانیت سے متعلق ہے، دوسری اس کے وجود سے تعلق رکھتی ہے، اور تیسری اس کے علم سے، چوتھی اسکی قدرت سے، اور پانچویں اسکی تشریف اور پاکی سے صفات وحدانیت یعنی وہ صفات جو اس کی یکتائی اور بے مثالی کو ظاہر کرتی ہیں، اور وہ یہ ہیں،

الْوَحِيدُ، ایک،

الْأَحَدُ، ایک،

الْوَحْدُ، طاق جسکا کوئی جوڑا نہیں،

صفاتِ وجودی | جن سے اوسکا وجود، بقا، دوام، ازلیت اور بے زوالی ظاہر ہوتی ہے،

الْمَوْجُودُ، وجود والا، بہت،

الْحَيُّ، ہمیشہ زندہ، غیر فانی،

الْقَدِيمُ، وہ جس سے پہلے کوئی دوسرا موجود نہ ہو، جو ہمیشہ سے ہو،

الْقَيُّومُ، جو اپنے سہارے تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے،

الْبَاقِي، باقی جسکو ہمیشہ بقا ہو،

الدَّائِمُ، ہمیشہ رہنے والا،

الْأَوَّلُ، وہ پہلا جس سے کوئی پہلے نہیں،

الْآخِرُ، وہ پچھلا، جو سب کے فانی ہونے کے بعد بھی سب کے بعد باقی رہے گا،

الْمُقَدَّمُ، جو سب کے آگے سے ہو،

الْمُؤَخَّرُ، جو سب سے پیچھے رہ جائیگا،

الظَّاهِرُ، جسکا وجود دکھلا ہوا اور نمایاں ہو، (یعنی جو اپنے کاموں اور قدرتوں کے لحاظ سے ظاہر ہے)

الْبَاطِنُ، جو چھپا اور مخفی ہو، (یعنی جو اپنی ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہے)

وہ صفتیں جو اس کے ہر چیز سے یا خبر اور آگاہ ہونے کو ظاہر کرتی ہیں،

الْخَبِيرُ، خبر رکھنے والا،

الْعَلِيمُ، جاننے والا،

عَلَّامُ الْغُيُوبِ، جو باتیں سب سے پوشیدہ ہیں ان کو جاننے والا،

عَلِيمٌ يُذَاتِ الصُّدُورِ، دلوں کے چھپے ہوئے بھید کو جاننے والا،

السَّمِيعُ، سُننے والا،

الْبَصِيرُ، دیکھنے والا،

الْمُتَكَلِّمُ، بولنے والا، اپنے علم اور ارادہ کو ظاہر کرنے والا،

الْوَاحِدُ، پانے والا، جس کے علم کے سامنے کوئی چیز گم نہ ہو،

الشَّهِيدُ، حاضر، جس کے سامنے سے کوئی چیز غائب نہ ہو،

الْحَسِيبُ، حساب کرنے والا، یعنی جن چیزوں کا علم حساب کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے، یعنی اوزن اور مقدار کا بھی بخا،

الْمُحِصِي، گننے والا، یعنی جن چیزوں کا علم گن کر حاصل کیا جاتا ہے، یعنی اعداد ان کا بھی جاننے والا،

الْمُدَبِّرُ، تدبیر کرنے والا، انتظام کرنے والا،

الْحَكِيمُ، حکمت والا، عقل والا، سب کاموں کو مصلحت سے کرنے والا،

الْمُرِيدُ، ارادہ کرنے والا، مشیت والا،

الْقَرِيبُ، نزدیک، جو اپنے علم کے لحاظ سے گویا سب کے پاس ہے،

قدرت وہ صفیقین جنہے انکی قدرت کی وسعت کا اظہار ہوتا ہے،

الْفَاتِحُ وَالْفَتَّاحُ، ہر شکل کو کھولنے والا،

الْقَدِيرُ وَالْقَادِرُ، قاور، قدرت والا،

الْمُقْتَدِرُ، اقدار والا، جس کے سامنے کوئی چون دچرا نہیں کر سکتا،

الْقَوِيُّ، قوی، زبردست، جس کے سامنے کسی کا بس نہیں چل سکتا،

الْمَتِينُ، مضبوط، جہین کوئی کمزوری نہیں،

الْجَامِعُ، جمع کرنے والا، متفرق اور پراگندہ چیزوں کو اکٹھا کرنے والا،

الْبَاعِثُ، اٹھانے والا، مردوں کو قبروں سے اٹھانے والا، یا دنیا میں ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا محرک اول،

مَالِكُ الْمَلِكِ، سلطنت کا مالک جس کے سامنے کسی کی کوئی ملکیت نہیں،

الْبَدِيعُ، نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے والا،

الْوَاسِعُ، سامنے والا، جو ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے،

الْمُحِيطُ، جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، کوئی اُس کے احاطہ سے باہر نہیں،

الْمُحْيِي وَالْمُمِيتُ، جلانے والا، اور مارنے والا،

الْقَابِضُ وَالْبَاسِطُ، سمیٹنے والا، اور پھیلانے والا،

الْمُعِزُّ وَالْمُذِلُّ، عزت دینے والا، اور ذلت دینے والا،

الْخَافِضُ وَالرَّافِعُ، نیچا کرنے والا، اور اونچا کرنے والا،

الْمُعْطِي وَالْمَانِعُ، دینے والا، اور روک لینے والا،

النَّافِعُ وَالضَّارُّ، نفع پہنچانے والا، اور نقصان پہنچانے والا یعنی نفع و ضرر دونوں اُسی کے ہاتھ میں ہیں،

الْمُبْدِي وَالْمُعِيدُ، جو چیز پہلے سے موجود نہ ہو اُس کو وجود میں لانے والا، اور جو ہو کر فنا کر دی گئی ہو،

اس کو پھر دوبارہ وجود میں لانے والا،

نکتہ:- اس قسم کی صفتیں جنہیں بظاہر متضاد نظر آتا ہے جیسو الضَّارُّ (نقصان پہنچانے والا) الْمُذِلُّ (ذلت

دینے والا) الْخَافِضُ (سپت کرنے والا) الْمَانِعُ (روک دینے والا) وغیرہ ان کا تنہا استعمال چونکہ غلط فہمی پیدا

کرنے والا ہے، اس لیے جب تک اُن کے ساتھ اُن کے مقابل کی صفت نہ بولی جائے، اُن کا استعمال جائز

نہیں رکھا گیا، یعنی خدا کو صرف الضَّارُّ الْخَافِضُ، الْمَانِعُ، اور الْمُذِلُّ کہنا درست نہیں جب تک اُس کی

اس کے دوسرے پہلو کو بھی نہ دلا لیا جائے، یعنی الضَّارُّ کیساتھ النَّافِعُ، الْخَافِضُ کیساتھ الرَّافِعُ، الْمَانِعُ

کیساتھ الْمُعْطِي اور الْمُذِلُّ کے ساتھ الْمُعِزُّ، قرآن پاک اور احادیث دونوں میں ان صفات کے استعمال

میں یہ رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے کہ تنہا نقصان پہنچانے والا، ذلت دینے والا، اور روکنے والا، کوئی خوبی نہیں بلکہ ایک نوع کی برائی ہے، ہاں نقصان و نفع پہنچانے والا، عزت و ذلت دینے والا، اور دینے والا اور روکنے والا، دونوں کو ملا کر کہا جائے تو جائز ہوگا کہ اُس سے مقصود اوستی قدرت کی وسعت ہے، کہ اگر کوئی ایسا نفع پہنچانے والا ہو، جس میں نقصان پہنچانے کی قدرت ہی نہیں، یا ایسا عزت دینے والا ہے، جس میں ذلیل کرنے کی استطاعت ہی نہیں تو اُس کے اس عزت دینے اور نفع پہنچانے پر اوستی مجبور و مضطر ہونا لازم آتا ہے اور اوستی قدرت کا یہ کمال نمایاں نہیں ہوتا کہ وہ نقصان پہنچانے کی طاقت رکھنے کے باوجود نفع پہنچاتا، اور ذلت دیکھنے کے باوجود عزت دیتا ہے، تنزیہاً وہ صفات جو اوستی بڑائی، کبریا، پائی اور شکی اور ہر عیب اور نقصان سے اسکی برات کو ظاہر کرتی ہیں،

الْعَلِيُّ، مَرَبُّہُ، والا،

الْعَظِيمُ، عَظَمَتُہُ، والا،

الْكَبِيرُ، بڑا،

الْعَزِيزُ، بلند،

الْجَبَلُ، بزرگ،

الْكَرِيمُ، شریف،

الْفَعْلُ، بے نیاز،

الصَّادِقُ، سچا راست باز،

الْمُاجِدُ، عزت والا،

الْحَمِيدُ، تعریف والا،

الْقُدُّوسُ، پاک،

الْحَقُّ، حق اور اصلی، کہ اُس کے سوا سب باطل ہیں،

الْجَمِيلُ، اچھا،

الْبَرُّ، نیک،

الْعَدْلُ، عادل،

سُبُّوحٌ، ہر عیب سے پاک،

الْصَّمَدُ، جو بزرگی کی ہر صفت میں کامل ہے،

الرَّشِيدُ، سیدھی راہ چلنے والا، نہ بہکنے والا،

ان تعلیمات کا اثر اخلاقِ انسانی پر | اللہ تعالیٰ کے ان اسماء و صفات کا عقیدہ، دینِ محمدیؐ میں محض نظری نہیں، بلکہ عملی حیثیت بھی رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہ محامد و اوصاف، اخلاقِ انسانی کا معیار ہیں، ان اوصاف کو چھوڑ کر جو اس ذوالجلال کے لیے خاص ہیں کہ وہ بندہ کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ ہیں، بقیہ اوصاف و محامد انسان کے لیے قابلِ نقل ہیں، کہ وہ اُس کے خدا کے محامد و اوصاف سے دور کی نسبت رکھتے ہیں، اس لیے انسان پر فرض ہے کہ اگر وہ خدا سے نسبت پیدا کرنا چاہتا ہے، تو اپنے اندر اُس کے محامد و اوصاف سے نسبت پیدا کرے، اور خدا کے ان اسماء و صفات کو محاسن و محامد اور خوبیوں کا انتہائی معیار جان کر ان کی نقل و پیروی کی کوشش کرے، محامدِ الہیؐ کا استادِ اعلیٰ کی وصلی ہے جسکو دیکھ کر شاگرد کو اپنے خط کی خوبی میں ترقی کرنی چاہیے، اور ہر حرف کے لکھنے میں ایک نظر اس اُستادِ ازل کی وصلی پہنچنی چاہیے، کہ اسکی ذاتی مشق کمان تک اصل وصلی کے مطابق ہے۔ گزر چکا کہ قرآن کا پہلا سبق یہ ہے کہ کَلِمَاتِي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيفَةً (لقمہ ۲-۴) آدم کا بیٹا بن میں خدا کا خلیفہ اور نائب بنایا گیا ہے، خلیفہ اور نائب میں اصل کے اوصاف و محامد کا پرتو جتنا زیادہ نمایاں ہوگا، اتنا ہی وہ اپنے اندر اس منصب کا استحقاق زیادہ ثابت کریگا، اور اتنا ہی وہ اصل سے زیادہ قریب ہوگا، اور نیا کے فرائض زیادہ بہتر ادا کریگا، یہاں تک کہ اس میں وہ جلوہ بھی نمایاں ہوگا، جب وہ ستر پا خدائی رنگ میں رنگ ہو کر نکھر جائے گا،







کھلا ہوا ہے، صفاتِ جمالی کا سب سے بڑا مظہر غفور و درگزر ہے، عیسائیوں کی عام دعائیں ایک فقرہ ہے کہ "خداوند! تو ہمارے گناہوں کو معاف کر جس طرح ہم اپنے قرضداروں کو معاف کرتے ہیں؟" اسلام نے اس الٹی تشریح کو جائز نہیں رکھا ہے، اُس کے ہاں یہ ہے کہ اے انسان! تو اپنے مجرموں کو معاف کر کہ خدا تیرے گناہوں کو معاف کرے، آپ نے فرمایا جو کوئی اپنے بھائی کے گناہ پر پردہ ڈالے گا، قرآن کہتا ہے کہ "تم دوسروں کو معاف کرو کہ خدا تم کو معاف کرے"

إِنْ تَنْبَغْ وَاحْتِیْرًا أَوْ تَعَفُّوْا عَنْ مَّنْ عَفَا اللَّهُ فَكَانَ اللَّهُ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا (نساء- ۳۱) اگر تم کوئی نیکی دکھا کر یا چھپا کر دیا کسی کی برائی کو معاف کرو تو

اللہ بھی) معاف کرنے والا قدرت والا ہے،

ایک دفعہ بارگاہِ عدالت قائم تھی، ایک مجرم کو سزا دی جا رہی تھی، مگر اس منظر کو دیکھ کر حضور کے چہرہ کا رنگ متغیّر تھا، اداستانوں نے سبب دریافت کیا، فرمایا کہ امام تک معاملہ پہنچنے سے پہلے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا کرو، خدا معاف کرنے والا ہے، اور غفور و درگزر کو پسند کرتا ہے، تو تم بھی معاف اور درگزر کیا کرو، کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ خدا تمہیں بھی معاف کرے، وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کے مجمع میں فرما رہے تھے کہ جس کے دل میں غرور کا ایک ذرہ بھی ہوگا، وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا، ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اُس کا جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی غرور ہے، فرمایا،

إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ جَبِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، اللہ تعالیٰ اچھا ہے اور جمال والا ہے، اچھائی اور جمال کو پسند کرتا ہے،

یہ غور نہیں، غور و خفی کو پامال کرنا، اور انسانوں کو دہانا ہے، یہی روایت حدیث کی دوسری کتابوں میں ان الفاظ کے ساتھ ہے "خدا جمال والا ہے، وہ جمال کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اُس کے بندہ پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہو"۔

۱۔ صحیح مسلم کتاب البر والصدقہ، ۲۔ مستدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۳۸۲، کتاب الحدود، ۳۔ صحیح مسلم کتاب الایمان، و ترمذی باب الکبر، ۴۔ کنز العمال کتاب الزیوۃ سجۃ الشعب الایمان بیہقی،

یہ روایت بھی ہے "خدا جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، وہ سخی ہے، سخاوت کو پسند کرتا ہے، وہ صاف ستھرا ہے، صفائی اور ستھرائی کو پسند کرتا ہے" روایت کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں "وہ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے، اخلاق عالیہ سے محبت اور بد اخلاقیوں سے نفرت رکھتا ہے" ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو نصیحت فرماتے ہیں "اے عائشہ! خدا کی والا ہے، وہ ہر بات میں نرمی کو پسند کرتا ہے" ایک دفعہ آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا "لوگو! خدا پاک ہے، اور پاک کو قبول کرتا ہے، عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا "اے قرآن کے ماننے والو! وتر نماز پڑھا کرو، کہ خدا ایتا (دتر) ہے وہ ایتا (دتر) کو پسند کرتا ہے"۔

رحمت و شفقت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، مگر خدا کی رحمت و شفقت کے وہی سختی میں، جو دوسروں کی رحمت و شفقت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا "رحم کرنے والوں پر وہ رحم کرنے والا بھی رحم کرتا ہے، لوگو! تم زمین والوں پر رحم کرو، تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا" (ابوداؤد باب فی الرحمۃ) رشتہ داری اور قربت کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تمام رشتہ داریاں اور قربتیں رحم کے تعلق پر قائم ہیں، آپ نے فرمایا کہ رحم کی جڑ رحمان سے ہے، خدا فرماتا ہے کہ اے رحم جو تکوین قطع کرے گا، میں اوسکو قطع کر دوں گا، جو تکوین ملامت کا اُس کو میں بھی ملامت کروں گا" ترمذی میں یہی تعلیم ان الفاظ میں ہے "میں خدا ہوں، میں رحمان ہوں، میں نے رحم کو پیدا کیا ہے، اور اپنے نام (رحمان) سے اوسکا نام (رحم) مشتق کیا ہے۔ تو جو اُس کو ملامت کرے گا، میں اوسکو ملامت کروں گا، جو اُس کو قطع کرے گا، میں اوسکو قطع کر دوں گا" پھر فرمایا "جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا، خدا اُس پر رحم نہیں کرے گا" بخاری میں اس روایت کے یہ الفاظ ہیں "جو رحم نہیں کرتا، اُس پر رحم نہیں کیا جائے" آپ نے فرمایا خدا نے رحم کے تنوع سے کئے ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے اور ایک حصے زمین والوں کو عنایت کیا، اُسی کا یہ اثر ہے کہ باہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رحم و شفقت سے پیش آتے ہیں، یہاں تک کہ گھوڑی بھی اپنے بچے کے لیے اس خوف سے پاؤں

۱۔ کنز العمال کتاب الزینۃ بحوالہ کامل ابن عدی، ۲۔ ایضاً بحوالہ معجم وسط طبرانی، ۳۔ صحیح مسلم ابوداؤد، حاکم نسائی ابن ماجہ، بیہقی فی الآداب، ۴۔ صحیح مسلم کتاب الصدقات، و ترمذی تفسیر سورہ بقرہ ۵۔ ابوداؤد باب استحباب الوتر، ۶۔ صحیح بخاری باب صلۃ الرحمۃ، ۷۔ ابواب البر والصلاۃ، ۸۔ ترمذی باب مذکور، ۹۔ جامع بخاری باب رحمۃ الولد۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ ”خدا سے بڑھکر کوئی غیر تند نہیں، اسی لیے اُس نے فحش باتوں کو حرام کیا جو“  
 اسی کی تفسیر دوسری حدیث میں ہے آپ نے فرمایا کہ ”خدا بھی غیرت کرتا ہے، اور مومن بھی غیرت کرتا ہے، اور خدا کی  
 غیرت یہی ہے کہ اُس نے اپنے مومن پر جس بات کو حرام کیا ہے اگر کوئی اوسکا ارتکاب کرے تو وہ اُس پر خفا ہوگا“  
 اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے،

اس لیے اُس کے بندوں کا فرض ہے کہ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ کی اس عملی تعلیم کو ان الفاظ میں ادا فرمایا،

پاکیزگی اور لطافت خدا کی صفتیں ہیں، اس لیے خدا کے ہر بندہ کو بھی پاک و صاف رہنا چاہیے، آپ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ وَنُظِيفٌ يُحِبُّ  
 خدا پاکیزہ ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، اور پاک و صاف ہے، پاکی اور

النَّظَافَةُ فَتَنْظُمُوا وَلَا تَتَّبِعُوا الْيَهُودَ،  
 صفائی کو پسند کرتا ہے، تو پاک و صاف رہا کرو اور یہودیوں کی طرح گندے نہ بنو۔

یہ توحید کا ایک رخ تھا، اب اس کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ کے قابل ہے،

له جامع بخاري باب رحمة الولد ، ١٢٥ صححه ترمذي الوواب البر والصلة ١٢٦ مسلم كتاب البر والصلة باب بشارة من ستر الله تعالى عليه في الدنيا بان  
يشترطه في الآخرة ١٢٧ البر وادب الكتاب الادب باب في الدعوى للمسلم ١٢٨ صححه بخاري كتاب التوحيد جلد دوم ١٢٩ جامع ترمذي باب ما جاء في الضيق من  
الواب انكاح ١٣٠ صححه مسلم كتاب البر والصلة واسند ابن جنبل جلد ٢ صفحہ ١٤٠ وهو ادب النعمادام بخاري باب الظلم ١٤٠ مصر ١٤١ ترمذي باب الحفاظ صفحہ ١٤٢

وہ قومیں جو توحید سے آشنا نہ تھیں، انھوں نے انسانیت کا مرتبہ بھی نہیں پہچانا تھا، وہ انسان کو فطرت کے  
برہنہ کا غلام سمجھتی تھیں، یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم توحید ہی تھی، جس نے خدا کے سوا ہر شے کا خوف، انسانوں کے دلوں  
سے نکال دیا، سورج سے لیکر زمین کے دریا اور تالاب تک ہر چیز آقا ہونے کے بجائے انسانوں کی غلام بن کر ان کے سامنے  
آئی، بادشاہوں کے جلال و جبروت کا طلسم ٹوٹ گیا، اور وہ بابل و مصر ہندو ایران کے خدا اور تیکہ لالہ کی ہونے کے  
بجائے انسانوں کے خادم، راعی اور چوپا کی صورت میں نظر آئے، جن کا عزل و انتخاب دیوتاؤں اور فرشتوں کے  
ہاتھ میں نہ تھا، بلکہ انسانوں کے ہاتھ میں تھا،

تمام انسانی برادری جسکو دیوتاؤں کی حکومتوں نے اونچی نیچی، بلند و پست، شریف و ذلیل مختلف طبقوں اور ذاتوں  
میں منقسم کر دیا تھا، کوئی پریشد کے منہ سے، کوئی ہاتھ سے اور کوئی پانوں سے پیدا ہو کر ایسی مختلف جنموں میں بٹ گئی تھی، جنکو  
کسی طرح متفق نہیں کر سکتے تھے، اور اس طرح مساوات انسانی کی دولت دنیا سے گم تھی، اور زمین قوموں اور ذاتوں  
کے ظلم و جبر اور غرور و فقر کا دنگل بنگی تھی، توحید نے اگر اس بلند و پست، اور نشیب و فراز کو برابر کیا، سب انسان خدا  
کے بندے، سب اس کے سامنے برابر، سب یا ہم بھائی بھائی، اور سب حقوق کے لحاظ سے یکساں قرار پائے، ان  
تعلیمات نے دنیا کی معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی اصلاحات میں جو کام کیا، اس کے نتائج تاریخ کے صفحات میں ثبت  
ہیں، اور بالآخر اس اصول کی صداقت کو انھوں نے بھی تسلیم کر لیا، جو حقیقی توحید سے نا آشنا ہیں، اور اسی لیے وہ  
مساوات انسانی کے حقیقی جوہر سے بھی ہنوز نا آشنا ہیں، اور انتہا یہ ہے کہ خدا کے گھر میں جا کر بھی تفاوت درجہ کا خیال  
ان کے دل سے دور نہیں ہوتا، دولت و فقر اور رنگ قومیت کے امتیازات خدا کے سامنے سمرنگون ہو کر بھی و  
نہیں بھولتے، مسلمانوں کو تیرہ سو برس سے اس مساوات کی دولت اسی توحید کامل کی تعلیم سے حاصل ہے، اور وہ ہر  
قسم کے ان مصنوعی امتیازات سے پاک ہیں، اسلام کی نظر میں سب ایک خدا کے بندے ہیں، اور سب یکساں ایک ہی  
سرافندہ ہیں، دولت و فقر، رنگ روپ اور نسل و قومیت کا کوئی امتیاز ان کو منقسم نہیں کرتا، اگر کوئی امتیاز ہے  
تو صرف تقویٰ اور خدا کی فرمانبرداری کا،

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (سجرات - ۲) تمہیں خدا کے نزدیک سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا سے تقویٰ کرتا ہو

خدا کا در اور پیار | اس سلسلہ میں ایک اور اہم مسئلہ خدا سے ڈرنے اور اُس سے محبت کرنے کا ہے، عام طور سے مخالفوں نے یہ سمجھا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خدا کی تعلیم دی ہے وہ فقط قتار، جبار اور حبیبِ شہنشاہِ مطلق ہے، جس کی ہیبت و جلال سے تمام بندوں کو صرف ڈرتے اور کانپتے رہنا چاہیے، اُس کے گوشہ نشینِ لطف و عنایت کا گز نہیں، محبت اور پیار کا نذر اُس کے دربار میں قبول نہیں، نہ وہ اپنے کمزور بندوں پر خود محبت کی نظر رکھتا ہے، اور نہ وہ اپنے بندوں سے اپنی محبت کا تقاضا کرتا ہے، لیکن حقیقت یہ تعلیم محمدی کی بالکل غلط تصویر ہے، اللہ تعالیٰ کے جو اسماء و صفات اور گزچکے ہیں، اُن پر ایک ایک کر کے نظر ڈالو تو معلوم ہو گا کہ اُس کے چند پر جلال ناموں کو چھوڑ کر جو اس کی قدرتِ تام اور مالکیتِ عام کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں، وہ تمام تر محبت اور پیار، لطف اور کرم، رحمت اور مہربانی کا گاہ ہیں، مخالفوں کو اس حقیقت کے سمجھنے میں دُور و جہوں سے مغالطہ ہوا،

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے خوف اور خشیت کی بھی انسانوں کو دعوت دی،

۲۔ دوسرے مذہبوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے انداز کی جو اصطلاحیں مقرر کی تھیں، آپ نے شدت کیساتھ

اُن کی مخالفت کی اور ان کو شرک قرار دیا،

محبت کیساتھ خوف و خشیت کی تعلیم | یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں محبت اور پیار کے ساتھ خدا کے خوف و خشیت کو بھی جگہ دی ہے، غور کرو کہ انسانوں میں تمام کاموں کے محرک دو ہی جذبے ہیں، خوف اور محبت، یہ دونوں جذبے الگ الگ بھی پائے جاتے ہیں، اور ایک ساتھ یا آگے پیچھے بھی، اور ان دونوں جذبات کے لوازم بھی الگ الگ ہیں، اور عاصی محبت کا نتیجہ ناز، ہتھرتا اور کبھی گستاخی، اور اپنے مہربان و محبوب پر عنایتِ اعتماد کی بنا پر کبھی نافرمانی بھی ہے، جذبہ محبت کے ان لوازم اور اثرات کا انسداد خوف ہی کے جذبہ سے ہو سکتا ہے، اس لیے خالق و مخلوق کے درمیانی رابطہ کا تعلق نہ تنہا خوف اور نہ تنہا محبت سے انجام پا سکتا ہے، بلکہ ان دونوں کے اشتراک، امتزاج، اور اعتدال سے اور یہی نبوتِ محمدی کی تعلیم ہے، اسلام سے پہلے جو آسمانی مذاہب قائم تھے اُن میں اس مسئلہ میں بھی انفرط و تفریط پیدا ہو گئی تھی، اور صراطِ مستقیم سے وہ

تا مرنے کے تھے، یہودی مذہب کی بنا سربا خوں و خشیت اور سخت گیری پر تھی، اُس کا خدا "تو جون کا سپہ سالار" اور باپ کا بدلہ پستہ پست تک بیٹوں سے لینے والا تھا، حالانکہ یہودیت کے صحیفوں میں خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کا ذکر نہیں کمین موجود ہے، اس کے برعکس عیسائیت زیادہ تر خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کے تذکروں سے معمور ہے، گویا نہیں ہے کہ اس میں خدا کے خوف و خشیت کی مطلق تعلیم نہیں، بلکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تاکید ہے، مگر ان کے پیروں نے ان دو متقابل تعلیموں کے درمیان اعتدال ملحوظ نہیں رکھا، اسلام نے اسی نقطہ اعتدال کو پیش نظر رکھا ہے، وہ نہ تو خدا کو محض جبار، تبارک رب الافواج اور صرف نبی اسرائیل یا بنی اسرائیل کا خدا مانتا ہے، اور نہ اُس کو محض انسانوں کا باپ، یا محمد صلیم کا باپ سمجھتا ہے، اور نہ ہمارے رحم و کرم اور محبت و شفقت کے صفات سے اس کو متصف کرتا ہے، بلکہ وہ خدا کی نسبت یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر قاہر بھی ہے، اور رحیم و کریم بھی، وہ منتقم اور شدید العقاب بھی ہے، اور غفور و رحیم بھی، وہ اپنے بندوں کو سزا بھی دیتا ہے، اور پیار بھی کرتا ہے، خفا بھی ہوتا ہے اور نوازا بھی ہے، اُس سے ڈرنا بھی چاہیے اور اُس سے محبت بھی کرنی چاہیے،

اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يَحِبُّ الْمُغْتَبِينَ  
وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۚ  
اَدْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ  
(اعراف - ۷)

(لوگو! اپنے پروردگار کو گرا کر چلے چکے پکار کر، وہ حد سے بڑھ کر نہ  
والوں کو پیار نہیں کرتا، اور زمین کی درستی کے بعد زمین فساد نہ  
اور اس کو اسے عذاب ڈرتے ہوئے اور اُس کے فضل و کرم کی دعا کرتے  
پکار کر، بیشک خدا کی رحمت چھو کام کرنے والوں کے قریب ہی ہے)

چند نیک بندوں کی مدد میں فرمایا،  
اِنَّهُمْ كَانُوْا اِلٰسِرَ عَوْنٍ فِی الْاٰخِرَتِ وَیَدْعُوْنَآ  
رَغْبًا وَرَهْبًا، (انبیاء - ۶)

وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے تھے، اور ہم کو امید اور ڈر کے  
ساتھ پکارتے تھے،

۱۔ یرمیا ۳۲-۱۴-۱۵ وغیرہ ۲۔ خرچ ۲۰-۵-۳۴-۷-۱۵ وغیرہ ۳۔ خرچ ۲۰-۵-۳۴-۷-۱۵ وغیرہ ۴۔ زبور ۸۶-۱۰۳-۱۵ وغیرہ ۵۔ خدا کے پیار اور رحم و کرم کا ذکر ہے، ۱۵-۱۰۳-۱۵ وغیرہ ۶۔ اول پطرس ۲-۱۶ دوم قورنثیوں ۷-۱-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳-۱۴-۱۵-۱۶-۱۷-۱۸-۱۹-۲۰-۲۱-۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۲۶-۲۷-۲۸-۲۹-۳۰-۳۱-۳۲-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲-۴۳-۴۴-۴۵-۴۶-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱



اس سے زیادہ پر سلفت بات یہ ہے کہ اسلام خدا سے لوگوں کو ڈراتا ہے، مگر اُس کو جیسا اور تمہارا کمکر نہیں بلکہ مہربان اور رحیم کمکر چنانچہ خدا کے سید بندوں کی صفت یہ ہے کہ،

وَحْشِي الرَّحْمٰنِ بِالْغَيْبِ (تین-۲) اور رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا،

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (ق-۱۳) اور جو رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا،

نہ صرف انسان بلکہ تمام کائنات کی زبانیں اُس مہربان کے جلال کے سامنے لنگ ہیں،

وَحْشَعَتْ الْاَصْنَافُ لِلرَّحْمٰنِ (طہ-۶) اور رحم کرنے والے کے اوسے تمام آوازیں پست ہو گئیں،

دنیا میں جو پیغمبر آئے دو قسم کے تھے، ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت نوح اور حضرت موسیٰ، دوسرے وہ جو محبت الہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی غنائہ عشق کی طرف بلا لیتے تھے مثلاً حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ،

لیکن پیغمبروں میں ایک ایسی ہی تھی اُنی، جو ان دونوں صفوں کی برزخ کبریٰ، جلال و جمال دونوں کا منظر اور پیار اور ادب و کاظمی دونوں کی جامع تھی، یعنی محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم، ایک طرف آپ کی آنکھیں خوف الہی سے انشک بار ہوتی تھیں، دوسری طرف آپ کا دل خدا کی محبت اور رحم و کرم کے سرور سے سرشار رہتا تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ہی وقت میں یہ دونوں منظر آپ کے چہرہ اور پر لوگوں کو نظر آجاتے، چنانچہ جب راتوں کو آپ شوق و ولولہ کے عالم میں ناز کیلے کھڑے ہوتے، قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتیں زبان مبارک پر ہوتیں، اور ہر نبی کی یتیم گذرتی جاتیں، جب کوئی خوف و خشیت کی آیت آتی، پناہ مانگتے، اور جب کوئی ہر و محبت اور رحم و بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا مانگتے، الغرض اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ خوف اور محبت کے کناروں سے ہٹا کر جان سے ہر وقت نیچے گرنے

کا خطرہ ہے، خوف و خشیت اور رحم و محبت کے بیچ کی شاہراہ میں وہ انسانوں کو کھڑا کرے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ لا یخاف الخوف والرجاء، ایمان کامل خوف اور امید کے درمیان ہے، کہ تمہا خوف خدا کے رحم و کرم سے نا امید اور محض

رحم و کرم پر پورے لوگوں کو خود سر اور گستاخ بنا دیتا ہے، جیسا کہ اس علی دنیا کے روزانہ کے کاروبار میں نظر آتا ہے، اور یہی  
حیثیت سے اس کے نتائج کا شاہدہ علماء یہودیوں اور عیسائیوں میں کیا جاسکتا ہے یہی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم  
میں ان دونوں متضاد کیفیتوں کو ایمان اور عقیدہ کے روتے برابر کا درجہ دیا، لیکن ساتھ ہی عاجز و درماندہ انسانوں کو یہ  
بھی بشارت سنائی کہ خدا کی رحمت کا دائرہ اس کے غضب کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہے، فرمایا

رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف-۱۹) میری رحمت ہر چیز کو سمٹے ہوئے ہے،

اور اسکی تفسیر صاحب قرآن علیہ السلام نے ان الفاظ میں کی،

رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي، (بخاری) میرے غضب سے میری رحمت آگے بڑھ گئی،

عیسائیوں نے خدا سے اپنا رشتہ جوڑا، اور اپنے کو "فرزند الہی" کا لقب دیا، بعض یہودی فرقوں نے بنی اسرائیل کو  
خدا کا خاندان اور محبوب ٹھہرایا، اور حضرت عیسیٰ کے جوڑ پر حضرت عریک کو فرزند الہی کا رتبہ دیا، لیکن اسلام میں نہ صرف کسی شخص  
خاندان یا خاص قوم کو عطا نہیں کرتا، بلکہ وہ تمام انسانوں کو بندگی اور اطاعت کی ایک سطح پر لا کر کھڑا کرتا ہے، انسانوں  
کے مقابلہ میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کو دعویٰ تھا،

لَقَدْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ أَظْلَمُ (مائدہ-۳۲) ہم خدا کے بیٹے اور چیتے ہیں،

قرآن مجید نے اس کے جواب میں کہا:-

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ  
مِّمَّنْ خَلَقَ (مائدہ-۳) دیتا ہے، (اس لیے تمہارا دعویٰ صحیح نہیں) بلکہ تم بھی انہیں انسان  
میں سے ہو جنکو اس نے پیدا کیا،

دوسری جگہ قرآن نے تنہا یہودیوں کے جواب میں کہا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادَوْا إِنَّا لَتَكْفُرُكُمْ أَوْلِيَائُكُمْ  
مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ  
رَاسِخِينَ (آل عمران-۶۱) اسے وہ جو یہودی ہو اگر تم اپنے اس خیال میں پختہ ہو کہ تمام  
انسانوں کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے خاص چیتے ہو، تو موت راہی

اسلام رحمت الہی کے دائرہ کو کسی خاندان اور قوم تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ وہ اسکی دست میں انسانوں کی ہر برادری کو داخل کرتا ہے، ایک شخص نے مسجد نبوی میں اگر دعا کی کہ خدایا! مجھ کو اور محمد کو مغفرت عطا کر اپنے فرمایا "خدا کی وسیع رحمت کو تم نے تنگ کر دیا" ایک اور اعرابی نے مسجد میں دعا مانگی کہ خدایا! مجھ پر اور محمد پر رحمت بھیج، اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کر، اپنے صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا "یہ زیادہ گمراہ ہے یا اس کا اونٹ؟"

محبت کے جہانی اصطلاحات کی نکتہ | اس مسئلہ میں تعلیم محمدی کے متعلق غلط فہمی کا دوسرا سبب جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے یہ ہے کہ بعض مذاہب نے خدا کی محبت و کرم کی تعبیر کے لیے جو مادی اور جہانی اصطلاحیں قائم کی تھیں، اسلام نے ان کی نفی کی اور ان کو شرک قرار دیا، اس سے یہ نتیجہ نکلا گیا کہ اسلام کا خدا رحم و کرم اور محبت اور پیار کے اوصاف سے معر ہے،

اصل یہ ہے کہ انسان دوسرے غیر مادی خیالات کی طرح خدا اور بندہ کے باہمی مہر و محبت کے جذبات کو بھی اپنی انسانی بول چال میں ادا کر سکتا ہے، محبت اور پیار کے یہ جذبات انسانوں کے اندر باہمی مادی اور جہانی رشتوں کے ذریعہ سے نمایاں ہوتے ہیں اس بنا پر بعض مذاہب نے اس طریقہ کو خالق و مخلوق کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے بھی بہترین اسلوب سمجھا، چنانچہ کسی نے خالق اور مخلوق کے درمیان باپ اور بیٹے کا تعلق پیدا کیا جیسا کہ عیسائیوں میں ہے، دوسرے نے مان کی محبت کا بڑا درجہ سمجھا، اس لئے اس تعلق کو مان اور بیٹے کی اصطلاح سے واضح کیا، اور مسیحیان انسانوں کی مائیں نہیں جیسا کہ ہندوؤں کا عام مذہبی تخیل ہے، خاص ہندوستان کی خاک میں زن و شو کی باہمی محبت کا امتیازی خاصہ ہے جس کی نظیر دوسرے ملکوں میں نہیں مل سکتی ہے، اسکی نگاہ میں محبت کا اس سے زیادہ پر اثر منظر اور ناقابل شکست پیمانہ کوئی دوسرا نہیں، اس لیے یہاں کے بعض فرقوں میں خالق و مخلوق کی باہمی محبت کے تعلق کو زن و شو کی اصطلاح سے ادا کیا گیا، سدا سہاگ فقرا، اس تخیل کی ہلکا انگیز تصویر ہیں،

یہ تمام فرقے جنھوں نے خدا اور بندہ کے تعلق کو جہانی اور مادی رشتوں کے ذریعہ ادا کرنا چاہا، وہ راہ سے بے راہ ہو گئے

اور لفظ کے ظاہری استعمال نے نہ صرف اُن کے عوام کو بلکہ خواہ تک کو گمراہ کر دیا اور لفظ کی اصلی روح کو چھوڑ کر نہایت  
 کے ظاہری مخالفین میں گرفتار ہو گئے، عیسائیوں نے واقعی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا سمجھ لیا، ہندوستان کے میٹوں نے مائٹوں  
 کی پوجا شروع کر دی، سداساگ فقیروں نے چوڑیاں اور ساڑیاں پہن لیں، اور خدا سے قادر سے شوخیان کرنے لگے،  
 اسی لیے اسلام نے جو توحید خالص کا مبلغ تھا، ان جسمانی اصطلاحات کی سخت مخالفت کی اور خدا کے لیے ان الفاظ کا  
 استعمال اُس نے ضلالت اور گمراہی قرار دیا، لیکن وہ ان الفاظ کے اصلی معنی اور نشا کو اور اس مجاز کے پردہ میں حقیقت  
 مستور ہے اوس کا انکار نہیں کرتا، بلکہ وہ ان جسمانی معنوں کو خالق و مخلوق اور عباد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے  
 ناکافی اور غیر مکمل سمجھتا ہے، اور وہ ان سے بھی زیادہ وسیع و کامل معنی کا طالب ہے،

فَاذْكُرُوا لِلّٰهِ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ وَ اَسْتَدَّ ذِكْرًا ﴿٢٢﴾ تم خدا کو اسی طرح یاد کرو جو تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سب سے زیادہ یاد کرو،  
 دیکھو کہ باپ کی طرح کی محبت کو وہ اپنے پروردگار کی محبت کے لیے ناکافی قرار دیتا ہے، اور عباد و معبود کے در  
 محبت کے رشتہ کو اس سے اور زیادہ مضبوط کرنا چاہتا ہے،

الغرض رحم و محبت کے اس جسمانی طریقہ تعبیر کی مخالفت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام سرے سے خالق و مخلوق  
 اور عباد و معبود کے درمیان محبت اور پیار کے جذبات سے خالی ہے، اتنا کون نہیں سمجھتا کہ مذہب کی تعلیمات انسانوں  
 کی بولی میں اتنی ہیں، اُن کے تمام خیالات و تصورات، اسی مادی اور جسمانی ماحول کا عکس ہیں، اس لیے اُن کے ذہن  
 میں کوئی غیر مادی اور غیر جسمانی تصور کسی مادی اور جسمانی تصور کی وساطت کے بغیر براہ راست پیدا نہیں ہو سکتا، اور نہ  
 لیے اُن کے لغت کا کوئی ایسا لفظ مل سکتا ہے جو غیر مادی اور غیر جسمانی مفہوم کو اس قدر نضرہ اور بلند طریقہ سے بیان کرے  
 جنہیں مادیات اور جسمانیات کا مطلق شائبہ نہ ہو، انسان اُن دیکھی چیزوں کا تصور صرف دیکھی ہوئی چیزوں کی تشبیہ سے پیدا  
 کرتا ہے اور اسی طرح اُن کی دیکھی چیزوں کا ایک دھندلا سا عکس ذہن کے آئینہ میں اتر جاتا ہے،

اس اُن دیکھی جیستی کی ذات و صفات کے متعلق جبکہ تم خدا کہتے ہو، مذہب میں ایک تخیل ہے، غور سے دیکھو  
 تو معلوم ہوگا کہ یہ تخیل بھی اس مذہب کے پیروں کے گرد و پیش کی اشیاء سے ماخوذ ہے لیکن ایک بلند تر اور کاثر مذہب کا

کام یہ ہے کہ وہ اس تخیل کو مادیت، جمائیت اور انسانیت کی آلائشوں سے اس حد تک پاک و منزہ کر دے جہاں  
 بنی نوع انسان کے لیے ممکن ہے، خدا کے متعلق باپ، ماں اور شوہر کا تخیل اس درجہ مادی، جسمانی اور انسانی ہے کہ اس  
 تخیل کے معتقد کے لیے ناممکن ہے کہ وہ خالص توحید کے صراطِ مستقیم پر قائم رہ سکے، اسی لئے نبوتِ محمدی نے ان مادی  
 تعلقات اور جسمانی رشتوں کے الفاظ کو خالق و مخلوق کے اظہارِ ربط و تعلق کے باب میں مکلف ترک کر دیا، بلکہ ان کا استعمال  
 بھی شرک قرار دیا، تاہم چونکہ روحانی حقائق کا اظہار بھی انسانوں ہی کی مادی بولی میں کرنا ہے، اس لئے اُس نے جسمانی  
 و مادی رشتہ کے اُن جذبات، احساسات اور عواطف کو خالق و مخلوق کے تعلقاتِ مابین کے اظہار کے لیے مستعار لیا  
 جہاں اظہار دوسرے مذاہب نے اُن رشتوں کے ذریعہ کرنا چاہا تھا، اور اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان کوئی جسمانی رشتہ  
 قائم کئے بغیر اُس نے ربط و تعلق کا اظہار کیا، اور انسانوں کو استعمالات کی لفظی غلطی سے جو گمراہیاں پہلے پیش چکی تھیں  
 اُن سے اُن کو محفوظ رکھا،

ہر زبان میں اس خالق ہستی کی ذات کی تعبیر کے لیے کچھ نہ کچھ الفاظِ جن کو کسی خاص تخیل اور نصب العین کی  
 بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے، اور گو انکی حیثیت اب علم اور نام کی ہے، تاہم وہ حقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی  
 وصف کو پیش نظر رکھ کر استعمال کئے گئے ہیں، ہر قوم نے اس علم اور نام کے لیے اُسی وصف کو پسند کیا ہے، جو اُس کے  
 نزدیک اس خالق ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہو سکتی تھی،

اسلام نے خالق کے لیے جو نام اور علم اختیار کیا ہے، وہ لفظ اللہ ہے، اللہ کا لفظ اہل میں کس نقطہ سے نکلا ہے  
 اس میں اہل لغت کا یقیناً اختلاف ہے، مگر ایک گروہ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ لفظ آسمان سے نکلا ہے اور ولہ کے اصل معنی  
 عربی میں اُس "نغم" "مجت" اور تعلقِ خاطر کے ہیں جو مان کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اسی سے بعد کو مطلق "عشق" و  
 کے معنی پیدا ہو گئے، اور اسی سے ہماری زبان میں لفظ "والد" (شیدا) مستعمل ہے، اس لیے اللہ کے معنی "محبوب اور  
 پیارے" کے ہیں جس کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ ساری کائنات کے دل سرگردان، متحیر اور پریشان  
 ہیں، حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے اللہ کا

وہ ہندی ہین من موہن یعنی "دلون کا محبوب" کیا کرتے تھے،

قرآن مجید کو لے کے ساتھ ہی خدا کی جن صفات پر سب سے پہلے نگاہ پڑتی ہے وہ رحمان اور رحیم ہے، ان دونوں لفظوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہین یعنی "رحم والا" "مہربان" "لطف و کرم والا" بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (محبوب، مہربان رحم والا) کے ضمن میں قرآن مجید کے ہر سورہ کے آغاز میں انہیں صفات ربانی کے بار بار دہرانے کی تاکید گئی ہے ہر نامزدین کی کئی دفعہ ان کی تکرار ہوتی ہے کیا اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے متعلق سلام کے تخیل کو واضح کرنے کے لئے کوئی دلیل مطلوب ہے۔

لفظ اللہ کے بعد سلام کی زبان میں خدا کا دوسرا علم بھی لفظ "رحمان" ہے، جو رحم و کرم اور لطف و مہر کے معنی میں صفتِ مبالغہ کا لفظ ہے،

قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيَّامَا تَدْعُو  
فَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ اِلٰهٌ اَحَدٌ (بنی اسرائیل - ۱۲) اُس کو محبوب (اللہ) کہو یا "مہربان" (رحمان) کہو جو کبر

قرآن مجید نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی صدمہ باری کی تکرار کو چھوڑ کر ۵۳ موقعوں پر خدا کو اس رحمان کے نام سے یاد کیا ہے،

ابھی اس سے پہلے باب میں اسمائے الہی کا ایک ایک حرف ہماری نظر کے سامنے سے گزر چکا ہے ان ناموں میں اللہ تعالیٰ کے ہر قسم کے جلالی و جمالی اوصاف آگئے ہیں استقصا کرو، تو معلوم ہوگا کہ ان میں بڑی تعداد انہیں ناموں کی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور مہر و محبت کا اظہار ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام یا ایک وصف اَلْوَدُودُ (سورہ ذات البروج میں) آیا ہے، جس کے معنی "محبوب" اور "پیارے" کے ہیں، کہ چھوٹا پیارا مہر و محبت اور عشق اور پیار ہے، اس کے سوا خدا کا ایک اور نام اَلْوَلِيُّ ہے جس کے لفظی معنی "یار" اور "دوست" کے ہیں خدا کا ایک اور نام قرآن مجید میں بار بار استعمال ہوا ہے، وہ الرَّحْمٰنُ ہے "رؤف" کا لفظ "رأفت" سے نکلا ہے "رأفت" کے معنی اُس محبت اور تعلق خاطر کے ہیں جو باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے، اسی طرح خدا کا ایک اور نام حَنَّانُ ہے

”جو حن“ سے مشتق ہے ”حن“ اور ”حنین“ اُس سوزِ دل اور محبت کو کہتے ہیں جو مان کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے، یہ الفاظ ان  
جہازی اور مستعار معانی کو ظاہر کرتے ہیں جو اسلام نے خالق و مخلوق اور عباد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے اختیار  
کئے ہیں، دیکھو کہ وہ ان رشتوں کا نام نہیں لیتا، لیکن ان رشتوں کے درمیان محبت اور پیار کے جو خاص جذبات  
ہیں ان کو خدا کے لیے بے تکلف استعمال کرتا ہے اس طرح بات ویت اور حیانت کا تخیل اُسے بغیر وہ ان روحانی معنوں  
کی تلقین کر رہا ہے،

مجدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ وہ غفار و بخش کرنے والا اور غفور و بخشنے والا ہے، یعنی بندوں کے گناہوں  
کو معاف کرنے والا وہ سدا کھڑا (امن و سلامتی) ہے کہ کُفر تپا اپنے بے پناہ بندوں کے لیے امن اور سلامتی ہے، پھر وہ  
مؤمن (امن دینے والا) ہے وہ اَلْعَدْلُ یعنی سرتاپا انصاف ہے اَلْعَفُوُّ (معاف کرنے والا) ہے اَلْوَهَّابُ (عطا کرنے  
والا) اَلْحَلِيمُ (بر و بار) اَلصَّبُورُ (بندوں کی گستاخوں پر صبر کرنے والا) اَلتَّوَّابُ (بندوں کے حال پر رجوع ہونے والا)  
اَلْبَرُّ (نیک اور بخشنے والا) اور اَلْمُقِسطُ (منصف اور عادل) ہے، ان میں ہر لفظ پر ٹھہر کر ذرا غور کرو کہ اسلام کا تخیل کس قدر  
بلند اور برتر ہے،

توراہ کے اسفار، انجیل کے صحیفوں اور ہندوؤں کے ویدوں کا ایک ایک ورق پڑھ جاؤ، کیا اللہ تعالیٰ کے لُوح  
یہ پُرمحبت، یہ سراپا مہر و کرم، اسرار و صفات کی یہ کثرت تم کو ہانک لے گی؟ یہ سچ ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے مان و  
باب کا لفظ یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کی طرح استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتا، مگر اس سے یہ قیاس کرنا غلطی ہے کہ وہ لطف و  
احساس اور مہر و کرم کے جذبہ است و عواطف سے خالی ہے، بلکہ یہ فرقہ اپنا مخصوص سرمایہ سمجھتے ہیں، مگر بات یہ ہے کہ ان  
روحانی جذبات اور فطری احساسات کیساتھ وہ شرک و کفر کی اُس ضلالت اور گمراہی سے بھی انسانوں کو بچانا چاہتا ہے  
جو ذرا سی لفظی غلط فہمی سے مجاز کو حقیقت اور استعارہ کو حلیت سمجھ کر پاک اور سرتاپا روحانی معنوں کو مادی اور جسمانی  
کر لیتے ہیں، اور اس لیے وہ اُس بلند تر توحید کی سطح سے بہت نیچے گر کر سرِ شہہ حقیقت کو ہاتھ سے دے بیٹھتے ہیں،

مجدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری پیغام یکساں ہے اس لیے ضرورت تھی کہ اپنی تعلیم اس قسم کی لغزشوں

سے پاک و مبرا ہو، روحانی حقائق کی تعبیر کے لیے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا تھا، یقیناً مادی اور جسمانی استعارات اور مجازات سے چارہ نہیں، تاہم ایک دائمی تعلیم کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنی تعلیم کو استعارات کی غلطیوں اور مجازات کی غلط فہمیوں سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ اسلام نے اسی بنا پر ان استعارات اور مجازات کے استعمال میں بڑی احتیاط برتی ہے، اور خدا کے ہر و کرم اور عیش و عشرت کے تذکرے کے ساتھ وہ خطائے قواعد کو فراموش نہیں کیا ہے، قرآن مجید اور احادیث، روحانی عشق و محبت کے ان دلائل و زیور اور دلوں اور گنج حکایات سے معمور ہیں، بالین ہمہ وہ انسان کو دنیا اور خدا کو باپ نہیں کہتا کہ بعد و معبود کے تعلقات کے انہماک کے لیے اسے نزدیک یہ کوئی بنی تر تعبیر نہیں، وہ خدا کو آبت (باپ) کے بجائے "رَبِّ" کہہ کر پکارتا ہے، وہ اس کو تمام دنیا کا باپ نہیں بلکہ تمام دنیا کا رب کہتا ہے،

"آبت اور رَبِّ ان دونوں لفظوں کا باہمی معنوی مقابلہ کرو تو معلوم ہو گا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا تخیل اسلام کے منطق سے کس درجہ پست ہے، آبت یعنی باپ کا تعلق اپنے بیٹے سے ایک خاص حالت کی بنا پر ایک خاص لحظہ میں قائم ہوتا ہے، اور پھر اس حقیقت بدل کر پرورش اور حفاظت کی صورت میں وہ بچپن کے ایک محدود عرصہ تک قائم رہتا ہے، اس طرح گو باپ کو بیٹے کے وجود میں ایک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے، مگر یہ تعلق حد درجہ ناقص محدود اور آئی ہوتا ہے، بیٹے کے وجود، قیام و بقا، ضروریات زندگی، سامانِ حیات، نشو و نما اور ارتقا کی چیز میں باپ کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ اپنے باپ سے الگ مستقل اور بے نیاز زندگی بسر کرتا ہے، مگر ذرا غور کرو کیا بعد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان جو ربط و تعلق ہے اس کا انقطاع کسی وقت ممکن ہے، کیا بندہ اپنے خدا سے ایک دم اور ایک لمحہ کے لیے بھی بے نیاز اور مستغنی ہو سکتا ہے، کیا یہ تعلق باپ اور بیٹے کے تعلق کی طرح محدود اور مخصوص الاوقات ہے،

ربوبیت (پرورش) بعد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان اس تعلق کا نام ہے، جو آغاز سے انجام تک پیدائش سے لے کر وفات تک، بلکہ وفات کے بعد سے ابتدا تک قائم رہتا ہے، جو ایک لمحہ کے لیے منقطع نہیں ہو سکتا جس کے بل اور سہارے پر دنیا اور دنیا کی مخلوقات کا وجود ہے، وہ گوارہ عدم سے لیکر فنا سے محض کی منزل تک ہر قدم پر ہر موجود کا تھکا رہتا ہے، انسان فزہ ہو یا بھورست، غذا انظرہ آب ہو یا قطرہ خون، ہضغہ گوشت ہو یا شبت استخوان، حکم مادرین ہو یا



اُس سے باہر بچہ ہو یا جوان، ادھیڑ ہو یا بوڑھا، کوئی اُن کوئی لمحہ، رب کے ہر و کرم اور لطف و محبت سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔  
علاوہ ازیں باپ اور بیٹے کے الفاظ سے مادیت، جسمانیّت، نفسی اور برابری کا جو تخیل پیدا ہوتا ہے، اُس سے فقط رکت، بقیع، پاک ہے، اور ایمین ان ضلالتوں اور گمراہیوں کا خطرہ نہیں، خیمین نصرت اور ہندویت نے ایک عالم کو مبتلا کر رکھا ہے،

اب ان آیتوں اور حدیثوں کو دیکھو جنہ یہ روشن ہوتا ہے کہ اسلام کا سینہ اُس ازلی وابدی عشق و محبت کے نور سے گس درجہ معمور ہے، اور وہ پنجانہ است کی سرشاری کی یاد بکے ہوئے انسانوں کو کس کس طرح دلارہا ہے، اسلام کا سب سے پہلا حکم ایمان ہے، ایمان کی سب سے بڑی خاصیت اور علامت "حب الہی" ہے، اور یہ وہ دولت ہے جو اہل ایمان کی پہلی جماعت کو عطا نصیب ہو چکی تھی، زبان الہی نے شہادت دی،

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (توبہ-۲۰) جو ایمان لائے ہیں، وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں،

اس نثر محبت کے سامنے باپ، ماں، اولاد، بھائی، بیوی، جان مال، خاندان سب قربان اور نثار ہو جانا چاہیو اور نثار ہوتا ہے،

اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیوی،  
اور تمہارا کنہہ اور وہ دولت جو تم نے کمائی ہے اور وہ سوداگری  
جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے، خدا اور اس کے رسول  
اور اس کی اُمین جہاد کرنے سے تم کو زیادہ محبوب اور پیارا ہے  
فِي سَبِيلِهِ فَاَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ كَبِيرٍ (توبہ-۳) تو اُس وقت تک انتظار کرو کہ خدا اپنا فیصلہ لے آئے،

ایمان کے بعد بھی اگر نثر محبت کی سرشاری نہیں ملی تو وہ بھی جادہ حق سے دوری ہے، چنانچہ جو لوگ کہ راہ حق سے بھٹکنا چاہتے تھے اُن کو پکار کر سنا دیا گیا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ  
مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین اسلام سے پھر جائیگا تو خدا کو

فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ

اس کی کچھ پروا نہیں وہ ایسے لوگوں کو لا کر آ کرے گا جنکو وہ پیار

کرے گا اور وہ اُس کو پیار کرے گی،

(مائدا-۸۰)

حضرت مسیحؑ نے کہا "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" ہر معنوی اور روحانی حقیقت ظاہری آثار اور جہانی علامات سے پہچانی جاتی ہے، تم کو زید کی محبت کا دعویٰ ہے، مگر نہ تمہارے دل میں اس کے دیدار کی ترپٹ نہ تمہارے سینہ میں صدمہ فراق کی جلن ہے، اور نہ آنکھوں میں ہجر و جدائی کے آنسو ہیں، تو کون تمہارے دعویٰ کی تصدیق کرے گا، اسی طرح خدا کی محبت اور پیار کے دعویٰ پر تو بہتیرے ہو سکتے ہیں، مگر اس غیر محسوس کیفیت کی مادی نشانیاں اور ظاہری علامات اُس کے احکام کی پیروی اور اُس کے رسول کی اطاعت ہی خدا کے رسول کو اس اعلان کا حکم ہے،

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو کہ خدا بھی

تم کو پیار کرے گا،

(الاعمال-۴)

محبت کو جو حاصل ہو، وحی محمدیؐ نے اس رتبہ بلند کے حصول کی تدبیر بھی بتا دی فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ

جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے نیک کام کئے رحمت

والا خدا اُن کے لیے محبت پیدا کرے گا،

(مریم-۶)

اس آیت میں محبت کے حصول کے ذریعے دو تباہ کئے ایمان اور عمل صالح، یعنی نیک کام، چنانچہ طبقاً

انسانی میں متعدد دایہ گروہ ہیں جنکو ان ذریعوں سے خدا کی محبت اور پیار کی دولت ملی ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (مائدا-۸۰ و بقرہ-۱۷۷)

خدا نیکو کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (بقرہ-۲۸)

خدا توبہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (الاعمال-۱۵)

خدا توکل کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (مائدا-۸۰ و حجرات-۱۱)

خدا منصف مزاجوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (توبہ-۲۱)

خدا پرہیزگاروں کو پیار کرتا ہے،

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ (صفہ ۱۱) خدا اُن کو پیار کرتا ہے جو اُس کے واسطے تین لڑتے ہیں،

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (ال عمران - ۱۵) اور خدا صبر کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْلِيْنَ (توبہ - ۱۱۳) اور خدا پاک صاف لوگوں کو پیار کرتا ہے،

مسند احمد میں ہے کہ اپنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں سے محبت کرتا ہے، اور تین قسم کے آدمیوں کو پیار نہیں کرتا، محبت اُن سے کرتا ہے جو خدا کی راہ میں خلوص نیت کے ساتھ اپنی جان فدا کرتے ہیں، اور اُن کو جو اپنے پڑوسی کے ظلم پر صبر کرتے ہیں اور اُن کو کہ جب قافلہ رات کے سفر سے تھک کر آرام کے لیے بستر لگاتا ہے تو وہ وضو کر کے خدا کی یاد کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور خدا کی محبت سے محروم یہ تین ہیں، اترانے والا مغرور، احسان دھرنے والا بخل، جھوٹی قسمیں کھا کر مال بیچنے والا سوداگر،

دینا کے عیش و مسرت میں اگر کوئی خیال کاٹا سا چھتا ہے، اور ہمیشہ انسان کے عیش و سرور کو مکرر اور منتقض بنا کر بے فکری کی بہشت کو فکر و غم کی جہنم بنا دیتا ہے، تو وہ ماضی اور حال کی ناکامیوں کی یاد اور مستقبل کی بے اطمینانی ہو پہلے کا نام حزن و غم ہے، اور دوسرے کا نام خوف و دہشت ہے، غرض غم اور خوف ہی دو کاتے ہیں، جو عاجز و درمنازہ انسانیت کے پہلو میں ہمیشہ چھپتے رہے ہیں، لیکن جو محبوب حقیقی کے طلبگار اور اُس کے والہ و شہید ہیں، اُن کو بشارت ہو کہ اُن کے عیش کا چین اس خازن سے پاک ہوگا،

اَکَاۤرَ اَنْ اُولَیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا حُزْمٌ ہٰنِ خدا کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے، اور نہ وہ

یَحْزَنُوْنَ۔ (یونس - ۶) غمگین ہونگے،

محبت کا جو جذبہ بڑے کو چھوٹے کے ساتھ احسان، نیکی، درگزر اور عفو و بخشش پر آمادہ کرتا ہے، اُس کا نام "رحم" اور رحمت ہے، اسلام کا خدا نامہ رحم ہے، اسکی رحمت کے فیض سے عرصہ کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہے، اُس کا نام رحیم و رحیم ہے، جو کچھ یہاں ہے سب اسکی رحمت کا ظہور ہے، وہ نہ ہوتا کچھ نہ ہوا، اسی لئے اسکی رحمت سے ناامیدی جرم اور

یابوسی گناہ ہے، مجرم سے مجرم اور گنہگار سے گنہگار کو وہ نوازنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ و تیار ہے، گنہگاروں اور مجرموں کو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے "میرے بندے" کا کہنا بھیجتا ہے،

قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا قُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۚ  
تَقَطُّقُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَخْفَىٰ الذُّنُوبَ  
جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَفْوُ الرَّحِيمُ ۚ

اے پیغمبر! میرے اُن بندوں کو پیام پہنچا دے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے یابوس نہ ہوں، اللہ یقیناً تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے کہ وہی بخش کرنے والا

(زمرہ - ۶۱) اور رحم کھانے والا ہے،

فرشتے حضرت ابراہیم کو بشارت سناتے ہیں تو کہتے ہیں،

فَمَا لَكَ كُنْتَ مِنَ الْقَانِطِينَ (حجر - ۴۷) نامیدوں میں سے نہ ہو،

خلیل اللہ اس راز سے نا آشنا نہ تھے کہ مرتبہ خلعتِ جہت سے مافوق ہے، جواب دیا:-

وَمَنْ يَقْضُطْهُنَّ رَحْمَةً رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ  
اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے سوا اور کوئی

(حجرات - ۲) یا کس نہیں ہوتا،

بندوں کی جانب سے خدا پر کوئی پابندی عائد نہیں مگر اُس نے خود اپنی رحمت کے اقتضا سے اپنے اوپر کچھ چیزیں فرض کر لی ہیں، بخدا اُن کے ایک رحمت ہے، خدا مجرموں کو سزا دے سکتا ہے، وہ گنہگاروں پر عذاب بھیج سکتا ہے، وہ یہ کاروں کو ان کی گستاخوں کا مزہ چکھا سکتا ہے، وہ غالب ہے، وہ قاہر ہے، وہ متقمم ہے، لیکن ان سب کے ساتھ وہ عفو و غفور ہے، رحمان رحیم ہے، رؤف و غفور ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے اپنے اوپر رحمت کی پابندی خود بخود عائد کر لی ہے، اور اپنے اوپر اس کو فرض گردان لیا ہے،

كُتِبَ عَلَيْكَ عَلَيْكَ الرِّحْمَةُ، (الانعام - ۲) اللہ نے از خود اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے،

قاصدِ خاص کو حکم ہوتا ہے کہ ہمارے گنہگار بندوں کو ہماری طرف سے سلام پہنچاؤ اور تسلی کا یہ پیام دو کہ اس کا باب رحمت ہر وقت کھلا ہے،

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ  
 سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَذَّبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ بِالْحَقِّ  
 أَنَّهُ مِّنْ عَمَلِكُمْ مِّنْكُمْ سَوَاءٌ يُجَاهِلُنَا لَئِنَّكُمْ تَابَ  
 مِّنْ بَعْدِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّهُمْ هُمُ السَّيِّئُونَ  
 اے پیغمبر جب تیرے پاس وہ آئیں جو میری آیتوں پر یقین رکھتے  
 ہیں تو ان کو کہہ کہ تم پر سلامتی ہو تمھارے پروردگار نے اپنے  
 اوپر از خود اپنے بندوں پر مہربان ہونا لازم کر لیا ہے کہ جو لوگ  
 تم میں سے براہ نادانی برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد بارگاہ الہی  
 کی طرف رجوع کرے اور نیک بنے تو بیشک بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے  
 (العنکبوت: ۲۸)

قرآن کی تعلیم کے مطابق اس وسیع عرصہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سایہ رحمت سے محروم نہیں،  
 وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف: ۱۵) اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئی ہے۔

بخاری و ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم کو پیدا کیا تو اس نے اپنے دست  
 خاص سے اپنے اوپر رحمت کی پابندی عائد کرنی، جامع ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ اپنے فرمایا کہ اگر مومن کو یہ معلوم  
 ہوتا کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے تو وہ جنت کی طمع نہ کرتا، اور اگر کافر کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کی رحمت کقدر بے حساب  
 تو وہ جنت سے مایوس نہ ہوتا۔ یہ اسلام کے تخیل کی صحیح تعبیر ہے، بارگاہِ اہدیت کا آخری قاصد اپنے دربار کی جانب  
 گنگناکاروں کو بشارت سناتا ہے کہ "اے آدم کے بیٹو! جب تک تم مجھے پکارتے رہو گے اور مجھ سے اس لگاؤ رہو گے  
 میں تمہیں بخشتا رہوں گا خواہ تم میں کتنے ہی عیب ہوں، مجھے پروا نہیں، اے آدم کے بیٹو! اگر تمھارے گناہ آسمان  
 کے بادلوں تک پہنچ جائیں اور پھر تم مجھ سے معافی مانگو، تو میں معاف کر دوں خواہ تم میں کچھ ہی عیب ہوں  
 مجھے پروا نہیں، اے آدم کے بیٹو! اگر پوری سطح زمین بھی تمھارے گناہوں سے بھری ہو، پھر تم ہمارے پاس آؤ اور  
 میرا کسی کو شرم نہ ملے، تو میں بھی تمھارے پاس پوری زمین بھر مغفرت لیکر تمھارے پاس آؤں، کیا انسانوں  
 کے کانوں نے اس رحمت، اس محبت، اس عفو عام کی بشارت کسی اور قاصد کی زبان سے سنی ہے؟

حضرت ابوالبختاری کی وفات کا وقت جب قریب آیا، تو انھوں نے لوگوں سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم (ابواب الدعوات) دو بزرگ کتب احادیث (صحیح)

نے فرمایا کہ اگر تم گناہ نہ کر سکتے تو خدا اور مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتی کہ وہ اس کو بخشا یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے رحم و کرم کے اظہار کے لیے گنہگاروں ہی کی تلاش ہے، کہ انکو کافروں کو تو سبٹھو ٹھنڈے ہیں مگر گنہگاروں کو صرف وہی ڈھونڈتا ہے، دنیا میں انسانوں کے درمیان جو رحم و کرم اور مہر و محبت کے عناصر پائے جاتے ہیں، جنگی بنا پر دوستوں و عزیزوں کے قریب و دور اور اولادوں میں میل ملاپ اور رحم و محبت ہے، اور جنگی بنا پر دنیا میں عشق و محبت کے یہ مناظر نظر آتے ہیں، تم کو معلوم ہے کہ یہ اُس شہادتِ حقیقی کے سرمایہ محبت کا کتنا حصہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے نواح حصے کئے، اُن میں سے ایک حصہ اپنی مخلوقات کو عطا کیا، جس کے اثر سے وہ ایک دوسرے پر باہم رحم کیا کرتے ہیں باقی ننانوے حصے خدا کے پاس ہیں۔" اس لطف و کرم اور مہر و محبت کی بشارتیں کس مذہب نے انسانوں کو سنائی ہیں اور کس نے گنہگار انسانوں کے مضطرب قلوب کو اس طرح تسلی دی ہے؟ صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص شہر بخاری کے جرم میں بار بار گرفتار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، صحابہ نے تنگ کر کہا: "خداوند! تو اپنی لعنت! سپر نازل کر کہ یہ کس قدر بار بار لایا جاتا ہے؟" رحمۃ للعالمین کو لوگوں کی یہ بات ناپسندائی فرمایا: "اس پر لعنت نہ کرو کہ اس کو خدا اور رسول سے محبت ہے" تم نے دیکھا کہ اسلام نے گنہگاروں کے لیے بھی خدا کی محبت کا دروازہ کھول رکھا ہے،

مجدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اُن عربوں کو جو خدا کی محبت کی خدا کی معرفت سے بھی نا آشنا تھے، کس طرح آشنا حقیقت کر دیا، اور اس ذاتِ الہی کے ساتھ اپنی وابستگی، محبت اور سرشاری کے لطف سے اُن کو کس درجہ بہرہ اندوز کر دیا، بلاں کو دیکھو، ٹھیک دوپہر کو عرب کی جلتی ہوئی ریت میں ان کو ٹایا جاتا ہے، ایک گرم پتھر اُن کے سینہ پر رکھا جاتا ہے، اور خدائے واحد سے انحراف کے لیے ان کو مجبور کیا جاتا ہے، اور وہ یہ سب تکلیفیں اٹھا رہے ہیں مگر زبان چرچا آجندہ آجندہ وہی ایک وہی ایک کا ترا تہ ہے، کہ کافورہ ذرہ ذرہ صبر سے علی کا دشمن ہے، اور غصہ خاری یہ جانکر بھی صبر کی

میں جوش و خروش سے سرشار ہو کر کلمہ توحید کا با آواز بلند اعلان کرتے ہیں، ہر طرف سے پتھر اور ہڈی کی بارش ہوتی ہے بعض لوگ چٹا دیتے ہیں، دوسری صبح نمودار ہوتی ہے تو پھر وہی سرشاری ہوتی ہے اور وہی سزا ملتی ہے، ایک صحابی جو رات کو میدان جنگ میں ایک پہاڑ پر پہرہ دینے پر متعین تھے وہ اپنی نیند ٹانے کے لیے خدا کی یاد کے لیے کھڑے ہوتے ہیں دشمن بے بہے تین دفعہ تیر مارتا ہے جو بدن میں پیوست ہو جاتا ہے اور وہ بدستور بخوننا ہن، ان کے ساتھی پوچھتے ہیں کہ تم نے نماز کیوں نہیں توڑی، کہتے ہیں کہ جو سورہ شمس کی تھی جی نہ چاہا کہ اس کو تمام کئے بغیر چھوڑ دوں،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو جانشین عین نماز میں زخم کھا کر گرتے ہیں، مگر مقتدیوں کی صفت اُس باقی اور جی کے سامنے کھڑی ہو کر ہر فانی و نیستی کی محبت سے بے نیاز رہتی ہے، اسی لیے خدا نے بشارت دی کہ انہما محبوب خدا اور وہ خود خدا کے محبوب تھے، یعنی رَضِیَ اللہ عَنْہُمْ وَ رَضُوا عَنْہُ،

مدینہ میں ایک اللہ والے مسلمان نے وفات پائی، اُسکا جنازہ اٹھا تو فرمایا، اس کے ساتھ نرمی کرو، کہ اللہ نے بھی اُس کے ساتھ نرمی کی ہے، کیونکہ اُس کو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت تھی، قبر کھودی جانے لگی فرمایا اُسکی بکشا رکھو کہ خدا نے اس کے ساتھ کشادگی فرمائی، اس بار بار کے اہتمام کو دیکھ کر صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اس نے والے کی موت کا غم ہے، فرمایا ہاں کہ اُس کو خدا اور رسول پیارے تھے، ایک دفعہ اپنے ایک صاحب کو کسی جماعت کا انصر بنا کر بھیجا، وہ جب نماز پڑھاتے تو ہر نماز میں ہر سورہ کے آخر میں قل ھو اللہ ضرور پڑھتے، جب یہ جماعت سفر سے لوٹ کر آئی تو خدمت اقدس میں واقعہ عرض کیا، فرمایا اُن سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں، لوگوں نے پوچھا تو جواب دیا کہ یہ میں اس لیے کرتا ہوں کہ اس سورہ میں رحم دے خدا کی صفت بیان ہے، تو جبکہ اس کے پڑھنے سے محبت ہے، فرمایا اُن کو بشارت دو کہ وہ رحم والا خدا بھی اُن سے محبت کرتا ہے، یہ بشارت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

سے طبقات ابن سعد ذکر حضرت ابو ذر غفاریؓ، صحیح بخاری و سنن ابی داؤد کتاب اللہ، باب الوضوء من الدم، سلمہ ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ما جازنی حفر القبر سلمہ کتاب مسافرین و قصر باب فضل قراۃ قل ھو اللہ حدیث و تفسیر غازی کتاب الباقی باب الحج میں اس میں کہ قید رخصت کا کیا ساتھ مذکور ہے،





امام مالک نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ اُن کا پیار کرنا مجھ پر لازم ہے؟  
 آپس میں ایک دوسرے کو میری محبت کے سبب سے پیار کرتے ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے  
 ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے کے لیے اپنی جان و مال وقف  
 کرتے ہیں۔

یہ محبت الہی کی نیرنگیان اسلام ہی کے پردہ میں نظر آتی ہیں۔  
 ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: لوگو! خدا سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں  
 عطا کرتا ہے، اور خدا کی محبت کے سبب مجھ سے محبت کرو، اور میری محبت کے سبب میرے اہل بیت سے محبت کرو،  
 یہ عشق و محبت کی دعوت محبوب اہل کے سوا اور کون دیکھتا ہے؟

عام مسلمانوں میں پیغمبر اسلام کا لقب حبیب خدا ہے، دیکھو کہ حبیب و محبوب میں خلعت و محبت کے کیا کیا ناز و  
 نیاز ہیں، آپ خنوع و خضوع کی دعاؤں میں اور خلوت و تنہائی کی ملاقاتوں میں کیا ڈھونڈتے اور کیا مانگتے تھے، کیا  
 چاہتے اور کیا سوال کرتے تھے؟ امام احمد اور بزار نے سندون میں ترمذی نے جامع میں، حاکم نے مستدرک میں اور  
 طبرانی نے معجم میں متعدد صحابیوں سے نقل کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں محبت الہی کی دولت مانگا کرتے  
 تھے، انسان کو اس دنیا میں سب سے زیادہ محبوب اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان ہے، لیکن محبوب خدا کی نگاہ میں یہ  
 چیزیں ہیچ تھیں، دعا فرماتے تھے، خداوند!

اسئل حبک وحب من یحبک وحب عیال

یقرب الی حبک، (احمد - ترمذی - حاکم)

اللہم اجعل حبک احب الی من نفسی و

اهلی ومن الماء البارد، (ترمذی - حاکم)

پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب بنا،

۱۰ مشکوٰۃ باب مذکور، ۱۱ مشکوٰۃ مناقب اہلبیت بروایت ترمذی،

عربین ٹھنڈا پانی دنیا کی تمام دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ گران اور قیمتی ہے لیکن حضور کی پیاس اس مادی پانی کی خشکی سے نہیں سیر ہوتی تھی، وہ صرف محبت الہی کا زلالِ خالص تھا جو اس تشنگی کو تسکین دے سکتا تھا، عام انسان روٹی سے جیتے ہیں، مگر ایک عاشقِ الہی (مسیحؑ) کا قول ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا، پھر وہ کون روٹی ہے جس کو کھا کر انسان پھر کبھی بھوکا نہیں ہوتا حضور دعا فرماتے ہیں،

اللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي فِيهِ

خداوند! تو اپنی محبت اور اس کی محبت جو میری محبت کی راہ میں نفع

جہاں (ترمندی) ہے مجھے روزی کر،

عام ایمان خدا اور رسول پر یقین کرنا ہے، مگر جانتے ہو کہ اس راہ کی آخری منزل کیا ہے صحیحین میں ہے۔

من كان الله ورسوله احب اليه ممّا

سوال ۴۸

بیچ ہو جائیں،

بعض مذاہب کو اپنی اس تعلیم پر ناز ہے کہ وہ انسانوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ اپنے خدا کو مان، باپ سمجھیں اور اُس سے اُسی طرح محبت کریں جس طرح وہ اپنے والدین سے کرتے ہیں اور چونکہ اسلام نے اس طریقہ تعبیر کو اس بنا پر کہ وہ شرک کا راستہ ہے، ممنوع قرار دیا ہے، اس لئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم محبت الہی کے مقدس جذبات سے محروم ہے، لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کثرتِ دعویٰ سر تا پا بے بنیاد ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تعلیمِ محمدیؐ کی بلند ری اطر اور محبت کا ملوے معیار ان مذاہب کے پیش کردہ نظر و معیار کو بہت پست اور فروتر سمجھتا ہے، قرآن مجید کی یہ آیت پابھی اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی جا چکی ہے،

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ وَأَوْ أَشَدَّ

ذکر ۱، (بقبرہ - ۲۵)

لیکن احادیث سے ہمارا یہ دعویٰ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے، لڑائی کا میدان ہے، دشمنوں میں بھاگ و دوڑ

اسے سلم کتاب الایمان باب بیان خصال منہ تصدق بہن وجہ خلافت و اکایمان تجارتی کتاب الایمان باب خلافت الایمان

پہنچی ہے، بس کو جہان اس کا گوشہ نظر آتا ہے، اپنی جان بچا رہا ہے، بھائی بھائی سے، مان بچہ سے، بچہ مان سے الگ ہے، اسی حال میں ایک عورت آتی ہے، اس میدانِ حشر میں اس کا بچہ گم ہو گیا ہے، جنت کی دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ جو بچہ گئی اُس کے سامنے آجاتا ہے، اپنے بچہ کے جوشِ محبت میں اوس کو چھاتی سے لگالیتی ہے، اور اس کو دودھ پلا دیتی ہے، لعلیٰ ہندوئی ٹی نظر پڑتی ہے، صحابہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو اپنے ہاتھ سے دیکتی انگ میں ڈال دے؟ لوگوں نے عرض کی "ہرگز نہیں" فرمایا "تو جتنی محبت مان کو اپنے بچہ سے ہے، خدا کو اپنے بندوں سے اس سے بہت زیادہ محبت ہے۔"

ایک دفعہ ایک غزوہ سے آپ واپس تشریف لائے ہیں، ایک عورت اپنے بچہ کو گود میں لیکر سامنے آتی ہے اور عرض کرتی ہے "یا رسول اللہ! ایک ان کو اپنی اولاد سے جتنی محبت ہوتی ہے، کیا خدا کو اپنے بندوں سے اُس سے زیادہ نہیں ہے؟" فرمایا "ہاں" بیشک اُس سے زیادہ ہے" بولی "تو کوئی مان تو اپنی اولاد کو خود گانگ میں ڈالنے کو ارا نہ کریگی یہ سنکر فرطِ اثر سے آپ پر گریہ طاری ہو گئی، پھر سر اٹھا کر فرمایا خدا صرحت اس بندہ کو عذاب دیتا ہے، جو سرکشی سے ایک کو دودھ کھاتا ہے۔"

آپ ایک مجلس میں تشریف فرما ہیں، ایک صحابی چادر میں ایک پرند کو منہ اُس کے بچوں کے ہانڈھ کر لائے ہیں اور واقعہ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک بھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں پیسٹ لیا، مان نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈ لانے لگی، میں نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو وہ فوراً اگر میرے ہاتھ پر بچوں پر گر پڑی، ارشاد ہوا "کیا بچوں کے ساتھ مان کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے، قسم ہے، اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ بیعت کیا، جو محبت اس مان کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے، خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہے۔"

ایک صاحب ایک چھوٹے بچہ کو لیکر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے ہیں، محبت کا یہ حال تھا کہ وہ بار بار اس کے گلے سے لگائے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم کو اس بچہ سے محبت ہو، اس نے کہا "ہاں" فرمایا "تو اللہ کو تم سے"

لے صحیح بخاری کتاب الادب، باب رحمۃ اللہ علیہ، سنن نسائی، باب ما یروی عن ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ، مشکوٰۃ، کتاب الادب، باب رحمۃ اللہ علیہ،

اس سے زیادہ محبت ہے، جتنی تم کو اس بچہ سے ہے، وہ سب رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہو۔

جمالِ حقیقت کا پہلا مشتاق اور ستور ازل کے زیر نقاب چہرہ کا پہلا بند کشا، زندگی کے آخری مرحلوں میں ہے اور ض  
ٹی شدت ہے، بدن بخار سے جل رہا ہے، اٹھ کر چل نہیں سکتا لیکن ایک بیک وہ اپنے میں ایک اعلانِ جس کی طاقت  
پاتا ہے، مجدد نبوی میں جان نثار حاضر ہوتے ہیں، سب کی نظریں حضور کی طرف لگی ہیں، نبوت کے آخری پیغام کے سننے کی آڑ  
ہے، دفعتاً لب مبارک ہلتے ہیں تو یہ آواز آتی ہے، ”لوگو! میں خدا کے سامنے اس بات کی برات کرتا ہوں کہ انسانوں میں  
میرا کوئی دوست ہے، مجھ کو خدا نے اپنا پیارا بنایا ہے، جیسے ابراہیم کو اُس نے اپنا پیارا بنایا تھا، یہ تو وفات سے پہلے کا اعلان تھا  
میں حالتِ نزع میں زبانِ مبارک پر یہ کلمہ تھا ”خداوند! بہترین رشتہ“

اللہ تعالیٰ کی کریمی وحی، ”اوسکی بیچارہ نوازی، عاجزون اور درماندوں کی دستگیری“ اور اپنے گناہگار بندوں کیسے  
اسکی شانِ بخشش کا ترانہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کانوں سے سنا اور نام و مناسبت سیر کا رون تک اس فزونی کو چھو  
اُن کے شکستہ اور زخمی دلوں پر مرہم رکھا، حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللعالمینؐ نے یہ پیام ربانی ہم کو سنایا،  
”میرے بندو! میں نے اپنے اوپر بھی، اور تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کیا ہے، تو ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو  
اے میرے بندو! تم میں ہر ایک گمراہ تھا، لیکن جسکو میں نے راہ دکھائی، تو مجھ سے راستہ پوچھو، میں بتاؤں گا، اے میرے  
بندو! تم میں ہر ایک بھوکا تھا، لیکن جسکو میں نے کھلایا، تو مجھ سے کھانا مانگو میں تم کو کھلاؤں گا، اے میرے بندو! تم میں ہر  
ایک پیاسا تھا، لیکن جسکو میں نے پلایا، تو مجھ سے پانی مانگو میں تم کو پلاؤں گا، اے میرے بندو! تم میں ہر ایک تنگ تھا، لیکن  
جس کو میں نے پہنایا، تو مجھ سے کپڑا مانگو، میں تم کو پہناؤں گا، اے میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو، اور میں سب گناہوں  
کو معاف کرتا ہوں، تم مجھ سے معافی مانگو، میں تم کو معاف کروں گا، اے میرے بندو! مجھے نقصان پہنچانا تمہاری طاقت میں  
نہیں، اور نہ مجھے نفع پہنچانا تمہاری قدرت میں ہے، اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے کھلے جن اور انس، چھوٹے اور  
بڑے، مرد اور عورت، دنیا کے سب سے بڑے پرہیزگار کے دل کے برابر ہو جائیں تو میری شہنشاہی میں ایک ذرہ افسوس نہ لگا

۱۔ اب المفرد ام بخاری باب رحمۃ العیال ص ۵۰ مصرعہ صحیح مسلم کتاب المساجد ص ۱۰۰ بخاری، ذکروا مات نبوی،



# فروشِ ایمان

وَمَلَأْتَهُ

ملائکہ کا لفظ جمع ہے، اس کا واحد ملک ملائکہ اور مالک تین طرح سے مستعمل ہو، اس کے لغوی معنی تھا صدارت  
 ”رسول“ کے ہیں، اسی لیے قرآن پاک میں ملائکہ کے لیے ”رُسُل“ کا لفظ بھی آیا ہے جس کے معنی ”قاصد“ اور ”پیام رسان“  
 کے ہیں اور ان سے مراد وہ غیر مادی نیک مخلوق ہستیوں یا ارواح ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عالم اور اس کے  
 اسباب و علل کے کاروبار کو چلا رہی ہیں اگر یہ عالم ایک مشین ہے تو وہ اس کے انجن اور اس کے کل پرزوں کو حرکت  
 دینے والے قوی ہیں، جو خدا کے مقررہ احکام اور قوانین کے مطابق ان کو حرکت دے رہے ہیں اور چلا رہے ہیں  
 یعنی وہ خالق اور اس کے مخلوقات کے درمیان اس حیثیت سے پیام رسانی اور سفارت کی خدمت انجام دے  
 رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم اور مرضی کو ان پر اتھا کرتا ہے، اور وہ ایک بے اختیار محکوم کی طرح اس کو مخلوقات میں  
 جاری اور نافذ کرتے ہیں ان کو خود نہ کوئی ذاتی اختیار ہے اور نہ ان کا کوئی ذاتی ارادہ ہے، وہ سرتاپا اطاعت ہیں اور  
 خدا کے حکم سے ایک سر مو تاجا ذ نہیں کرتے، گویا انکی خلقت ہی صرف اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے لگائی، دنیا پر  
 رحمت یا عتاب جو کچھ نازل ہوتا ہے، وہ انہیں کے ذریعہ سے اور خدا انبیاء پر اپنے جو احکام اتارتا ہے، یا ان سے حکام  
 ہوتا ہے، وہ انہیں کی وساطت سے،

دنیا کے تمام مذاہب، بلکہ قدیم یونانی مصری فلسفہ میں بھی اس قسم کی ہستیوں کا وجود تسلیم کیا گیا ہے، صابئی  
 مذہب میں یہ ستاروں اور سیاروں کی صورت میں مانے گئے ہیں، یونانی مصری (اسکندری) فلسفہ میں ان کا نام ”ملائکہ“  
 ”دشمن“ (دشمن عقلمین) رکھا گیا ہے، اور سامقہ ہی تو آسمانوں میں بھی الگ الگ ذی ارادہ نفوس تسلیم کئے گئے ہیں

بلکہ خالص یونانی فلسفہ میں بھی بعض غیر مادی ارواح مجرذہ کا پتہ لگتا ہے جنہیں سے سب اہم گوئیں کا تخیل ہے جس سے مقصود وہ اولین ہستی ہے جسکو خدا نے تمام کائنات کی خلق کا ذریعہ اور واسطہ قرار دیا ہے، اور جسکو اہل فلسفہ عقلِ اول سے تعبیر کرتے ہیں، پارسیوں میں ان ہستیوں کا نام "امشا سپند" ہے، اور انکی بے شمار تعداد قرار دی گئی ہے، یہودیوں کو "گرویم" کہتے ہیں، اور ان میں سے خاص خاص کے نام جبریل اور میکائیل وغیرہ رکھے ہیں، عیسائی بھی ان کو انجین ناموں کا یاد کرتے ہیں، اور جبریل روح القدس وغیرہ سے ان میں سے بعض کی تعبیر کرتے ہیں، ہندوؤں میں وہ دیوتاؤں اور دیویوں کے نام سے روشناس ہیں، جاہل عرب ان کو خدا کی بیٹیاں کہہ کر پکارتے تھے، بہر حال یہ تمام مختلف صحیح اور غلط نام اور تعبیریں ایک ہی حقیقت کی ہیں، اور وہ، وہ روحانی وسائل ہیں جو صنائع و مصنوعات اور خالق مخلوقات کے درمیان اُس کے حکم سے عمل پیرا اور کار فرما ہیں،

مذہب سابقہ میں ان غیر مادی ذی روح مخلوق ہستیوں کی حیثیت نہایت مشتبہ تھی، وہ کبھی مخلوق بھی کہی جاتی تھیں اور کبھی وہ خدائی کے مرتبہ پر بھی بلند ہو جاتی تھیں، ہندوؤں کے دیوتاؤں اور دیویوں کی یہی صورت تھی، پارسیوں میں امشا سپند کا بھی یہی حال تھا، کہ کبھی انکی حیثیت فرشتوں کی تھی، کبھی وہ خدا کے مقابل بن جاتی تھیں، اور کبھی خدا امشا سپندوں میں سے ایک ہو جاتا تھا، ہندوؤں کی طرح پارسیوں میں بھی وہ قابلِ پرستش بھی جاتی تھیں، ان کے نزدیک سب سے عالی مرتبہ امشا سپند ۶ تھے، اور ان کے تحت میں ۳۳ تھے، پھر ان میں ہر ایک کے ماتحت ہزاروں تھے، اور چونکہ وہ نیکی اور بدی کے دو مقابل خداؤں کے قابل تھے، اس لیے دونوں کے ماتحت اچھے اور برے فرشتوں کی بیشمار تعداد تھی، نیکی کے فرشتے براہِ راست نیکی کی چیزوں کو اور برائی کے فرشتے مصیبتوں، ہلاکتوں اور بدیوں کو دنیا میں خالق کرتے تھے، اور اپنے اپنے خدا کی طرف سے وہ ان اشیاء کے حاکم سمجھے جاتے تھے، اور دونوں خدا اپنی اپنی فوجوں اور لشکروں کے پرن کو لیکر باہم جھڑپا رہتے تھے، یہ بھی ان کا اعتقاد تھا کہ ہر امشا سپند یا فرشتہ کے ساتھ ایک بیڑ یعنی باوہ فرشتہ تھی، جو اسکی بیوی ہوتی تھی، ہندوؤں میں نزدیک دیوتاؤں اور مادہ دیویوں کا تصور تھا، مگر ان زو مادہ ہستیوں میں کسی زکی کسی مادیہ سے خصوصیت خاص تھی، ہر ایک جنس کا ہر فرد دوسری جنس کی ہر فرد سے لطف اندوز ہو سکتا تھا، یہودیوں میں ان فرشتوں کی حیثیت ایسی تھی کہ اوکی

بندی و تباہی و صفت خدا سے مشتبه ہو جاتی تھی، نظر آنے والے فرشتہ کی تعظیم کی جاتی تھی، اُس کے آگے جھکا جاتا تھا، اور اُسکو خدا کا  
 لکھ کر خطاب اس طرح کیا جاتا تھا کہ کہیں کہیں یہ مشتبه ہو جاتا ہو کہ خدا کا بیان ہے یا فرشتہ کا، (تکوین ۱۶-۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲)  
 وہ کبھی کبھی خدا کے بیٹے بھی کہے جاتے تھے، (تکوین ۲۰-۲۱) عیسائیوں میں ان میں سے بعض مثلاً روح القدس خدا کا ایک جزو  
 تسلیم ہو کر تثلیث کا رکن ہے،

صائبیوں میں ان فرشتوں کی قربانی کی جاتی تھی، اُن کے سیکل بنائے جاتے تھے اُن کو منظر خدا تسلیم کیا جاتا تھا، اور  
 میں فرشتے مادہ سمجھے جاتے تھے، وہ خدا کی بیٹیاں لکھ کر پکارے جاتے تھے اور انکی پرستش ہوتی تھی، اور سمجھا جاتا تھا کہ وہ خدا کے  
 دربار میں سفارشی ہونگے، یونانیوں میں عقل اول اور عقل عشرہ تمام عالم کے خالق و کار فرما و مرجع کل مانے گئے، اور خدا کو معطل ٹھہرایا گیا  
 اسلام نے اگر ان تمام عقائد کو مٹا دیا، خدا کی اور ربوبیت کی ہر صفت سے وہ محروم بتائے گئے، انکی پرستش و عبادت  
 قطعاً ناجائز کی گئی، زور مادہ کی مادی جنسیت سے پاک کئے گئے، اور انسانوں کو ان پاک مخلوقات کی غلامی و بندگی سے آزاد  
 کیا گیا، انکی تعداد و شمار و درجات بندی کا کوئی تنزیل باقی نہیں رکھا گیا، انکی ہستی خدا سے تعالیٰ کے سامنے ایک سراپا مطیع و فرمانبردار  
 غلام کی قرار دی گئی جسکا شب و روز کام صرف آقا کا حکم بجالانا ہے، عالم میں اُن کا کسی قسم کا تہذیب نہیں مانا گیا، اور نہ ہی ویدی  
 کی دو تقسیمیں لگائیں نہ وہ الگ الگ جنس مخلوقات کے حاکم و منتظم قرار دیئے گئے، قرآن میں انکی ہستی صرف اس حیثیت سے  
 تسلیم کی گئی کہ یہ غیر مادی ذی روح مخلوقات ہیں، جنکا کام خدا کی حمد و ثنا، اطاعت و فرمانبرداری ہی اور خالق اور اُس کے مخلوقات  
 کے درمیان و پیغام رسانی کے ذریعے ہیں، اور اُس کے حکم کے مطابق وہ اسکی مخلوقات کے اس کارخانہ کو چلا رہے  
 ہیں لیکن اس چلانے میں خود انکی ذاتی مرضی اور ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہے، اسی لیے قرآن پاک نے ان کا خطاب  
 یہودیوں کی طرح، "خداوند" نہیں مقرر کیا، نہ پارسیوں کی طرح اُن کو "قابل پرستش" کے لقب سے ملوث کیا، نہ ہندو  
 کی طرح دیوتا اور دیوی کہا، بلکہ صرف "ملک" اور "رسول" جیسے لفظی معنی فرستادہ، قاصد پیغام رسان اور پٹی کے لئے  
 بلکہ قرآن نے انہیں مخلوقات انسانی کے تقدر میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ ملائکہ اس لائق نہیں کہ آدم اُن کو سجدہ کرے، بلکہ آدم  
 میں یہ صلاحت ہے کہ وہ ملائکہ کا سر و سنبہ، اور وہ مرتبہ علم میں اُن سے فوق ٹھہرایا گیا تھا، انکی پرستش و تقدیس کا اُن کو کوئی



تھا انسان کے جوہر طہنیت کو پہچان کر ان کو تسلیم کرنا پڑا،

سُبْحَانَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَعْلَمُ الْغُيُوبَ (نور ۶۲-۶۳)

تو پاک ہیتم کو کوئی علم نہیں لیکن وہ جو تو نے ہم کو سکھایا بیشک

تو جاننے والا اور حکمت والا ہے،

الْعِلْمُ الْحَكِيمُ (نور ۶۲-۶۳)

اس قصہ نے شروع ہی میں یہ واضح کر دیا کہ وہ ہستیاں جنکو دوسرے مذاہب نے انسانوں کا دیتا تھا اور کبھی خدا کا ہمسر اور متصرف مطلق قرار دیا تھا، اسلام میں انکی حیثیت انسان کے مقابلہ میں کیا ہے؟ انسان اور فرشتے خدا کے سامنے برابر کے مخلوق و بندہ اور عاجز و در ماندہ ہیں، انسانوں کو مادی اشیاء پر حکومت خاص بخشی گئی کہ اپنے نفع و نقصان کے لیے ان سے کام لے سکیں، اور ملائکہ کو اپنے حضور میں متعین فرمایا کہ وہ آسمان زمین اور پوری مملکت الہی میں اس کے احکام کی تعمیل و تنفیذ کریں،

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اسباب و علل کا سلسلہ پیدا کیا ہے، جو ہر جگہ کار فرما نظر آتا ہے، لوگ انہیں ظاہری اسباب و علل کو دیکھ کر دھوکا کھاتے ہیں اور انکی پرستش کرنے لگتے ہیں مثلاً آگ جلاتی اور روشن کرتی ہے، آتش پرست اور آہ پرست یقین کرتے ہیں کہ خود اس آگ میں جلانے کی طاقت ہے، اور وہ اُس کے آگے سجدہ میں گر پڑتے ہیں مادہ پرست گو اپنا جسم اس کے آگے نہیں جھکاتے مگر ان کا دل جھک جاتا ہے اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ یہ طاقت خود اسی آگ کے اندر ہے، کچھ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ یہ طاقت آگ میں نہیں بلکہ اسکا ایک مستقل دیوتا یا فرشتہ ہے، جو اُس پر عمل کرتا ہے، اور وہ اُس آگ کے فرمانروا کے سامنے جھک جاتے ہیں، اسلام کے نظریہ توحید نے اس شرک کو بھی مٹایا، اور بتایا کہ آگ اور آگ کا اگر کوئی فرشتہ ہے تو وہ کل کے کل اُسی ایک بالائین اور فرمانرواے ارض و سما کے حکم کے تابع ہیں، اُسی کے آگے جھکنا چاہیے اور اُسی کی بندگی کرنی چاہیے،

اسلام میں فرشتوں کی حقیقت کیا ہے؟ اسکا جواب ان نصوص سے مل سکتا ہے، جو ان کے کاموں کے متعلق قرآن میں مذکور ہیں، ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے مراد وہ غیر مادی ذی روح ہستیاں ہیں جو احکام اور پیغام الہی کو دنیا سے خلق تک پہنچاتے اور نافذ کرتے ہیں، اور ان اسباب و علل کو جنکو مادہ پرست ذاتی طور سے مؤثر جانتے ہیں،

اور جنکو بت پرست، دیوتاؤں کا کثر سمجھتے ہیں، اُن کو احکام الہی کے مطابق وہ کام میں لگاتے ہیں اور رضی الہی کو پوری کرتے ہیں، عقلی حقیقت سے یہ عقیدہ بھی اسی طرح قبول اور انکار کے قابل ہے، جس طرح عقلیات کے دوسرے عقائد اور نظریے ہیں، جنکی تصدیق یا تکذیب، عقل کی دسترس سے باہر ہے، اس لیے اس عقیدہ کو یہ کہہ کر کوئی رد کرنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ یہ خلاف عقل ہے، بلکہ جس طرح قیاسات اور عقلی نکتہ پر داری سے دوسرے عقلی مباحث کا فیصلہ کیا جاتا ہے، وہی یہاں بھی کارگر ہے، اشیاء میں خصائص اور لوازم کے وجود اور اُن کے اسبابِ علل کا مسئلہ عقلاً میں ہمیشہ اختلافات کا بنگل رہا ہے، اور یہ معاً آج بھی اسی طرح لایخیل ہے، جس طرح پہلے دن تھا، اس کا حل سائنس کی مادی تحقیقات اور تجربوں کی طاقت سے باہر ہے، اور فلسفہ بھی اسکی گتھی کے سلجھانے سے عاجز ہے، اس لیے اگر حکماءِ طہدین کی شاہراہ سے الگ ہنگڑاؤں کے حل کی کوئی صورت اربابِ مذہب نے نکالی ہے، تو وہ محلِ اعتراض نہیں ہو سکتی، اور نہ وہ خلاف عقل کہی جاسکتی ہے، کائنات کے حوادث میں جس طرح مادی علل اسباب کا فرماہین اسی طرح اون سے بالاتر روحانی علل و اسباب بھی ساتھ ساتھ کار فرماہین، اُن دونوں کے توافقی سے حوادث کا وجود ہوتا ہے، یہی سبب ہے کہ انسان اکثر مادی علل و اسباب موجود ہونے یا نہ ہونے کے باوجود کامیاب و ناکام ہوتا ہے، اور اُس کا نام "بخت و اتفاق" رکھتا ہے، حالانکہ مسئلہ علل و اسباب کو ماننے کے بعد بخت و اتفاق کوئی چیز نہیں، ان روحانی علل و اسباب کا سرشتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے ان فرشتوں کو سپرد کیا ہے، جو فہم و ارادہ چاکرون کی حیثیت سے اس کو چلا رہے ہیں، ہمارے اور دوسرے سنگتین اور حکماء کے درمیان منسرق یہ ہے کہ وہ ملائکہ کی تعبیر اسباب و علل کے "قوائے طبعی" سے کرتے ہیں، اور ہم اون کے قوائے روحانی سے،

اس تقریر کا یہ نشانہ نہیں ہو کہ اشیاء میں خواص اور طبائع اور اس مادہ کی ملکیت میں مقررہ اصول و قانون موجود نہیں ہے، اور نہ یہ نشانہ ہو کہ خود اشیاء اور مادہ کے ذرات کے اندر کوئی خواص و طبائع، اور مادہ کے اجزائے غفیری کے اندر بالطبع کوئی اصول و قیوت نہیں بلکہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی اندازہ (تقدیر) کے مطابق ہر چیز کے خصائص و طبائع اور اصول

وقانون مقرر کر کے ملائکہ کو حکم دیا ہے کہ وہ اُن کو انھیں اصول و طبائع مقررہ کے مطابق چلاستے رہیں،

بجھنے کے لئے اسکی صحیح مثال خود انسان بلکہ ہر جاندار ہستی ہے مخلوقات کی دو قسمیں ہیں ذی روح اور غیر ذی روح  
ذی روح مخلوقات کے اکثر افعال و حرکات، اور اسکی روح کی ارادی قوت کی وساطت سے انجام پاتے ہیں، اور ہی روح  
اُسکے ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء بلکہ ہر عضو کے ایک ایک گز ریشہ پر حکمران اور مسلط ہو، باین ہمہ و مروح اصول مقررہ کے تحت ہی  
اُن اعضاء سے کام لیتی ہو، اور اُن اصول سے باہر نہیں جاتی، اسی طرح غیر ذی روح اشیاء پر ابرو باد سے لیکر دریا اور پہاڑ اور سورج اور  
تک پر بھی اروح مقرر ہیں، جو اُن اشیاء سے خدا کے اصول مقررہ کے اندر یکساں افعال و حرکات کا صدور کرتی ہیں، جس طرح ہماری روح اپنے  
اعضاء اور اعضاء کے ذریعہ سے مادہ میں جو تیزیت پیدا کرتی ہو، وہ اشیاء کے مقررہ خواص و طبائع ہی کے سہارے کرتی ہو، اسی طرح ملائکہ  
انھیں مقررہ خواص و طبائع کے ذریعہ ہی اپنے مفوضہ فرائض انجام دیتے ہیں،

الغرض جس طرح ہمارے ارادی افعال اور حکم الہی کے درمیان ہماری انسانی ارواح و نفوس واسطہ ہیں، اسی طرح  
تمام عالم مخلوقات اور کائنات کے افعال اور حکم الہی کے درمیان یہ ملکوتی ارواح اور نفوس مجر و واسطہ ہیں، اور جس طرح  
ہماری انسانی ارواح ہی اس وساطت سے خدا کی حکومت علی الاطلاق پر کوئی اعتراض نہیں واقع ہوتا، اسی طرح ان  
ملکوتی ارواح کی وساطت سے بھی خدا کی علی الاطلاق حکومت میں کوئی نقص نہیں واقع ہوتا، ہمیں سے یہ بات بھی سمجھ  
میں آتی ہے کہ ہمارے ارادی افعال میں اختلافات کی اتنی نیزگیان نظر آتی ہیں، مگر ہمارے اور عالم کائنات کے  
تمام نوعی افعال میں اختلافات اور نیزگیانوں کے بجائے یکسانی، ہمگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ انسان نے  
ارادہ پا کر کسی قدر ذاتی اختیار پایا ہے، اور یہی ذاتی اختیار اُس کے افعال اختیار کی ذمہ داری، باز پرس اور مواخذہ  
کی بنیاد ہے، اور جسکی بنا پر وہ اپنی اطاعت کے ذریعہ سے ثواب، اور عصیان کر کے عتاب کا مستحق ہو جاتا ہے، مگر  
کی یہ ملکوتی ارواح مجر و یعنی یہ ملائکہ ذاتی ارادہ اور اختیار سے تمام محروم ہو کر صرف اطاعت فرمانبرداری اور انقیاد کیلئے  
پیدا کئے گئے ہیں، اس لیے اُن میں عصیان، تردد، سرکشی اور حکم الہی سے انحراف کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، اسی  
بنیاد پر اشیاء کے افعال و حرکات و خصائص میں یکسانی، ہمگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے، اور یہی فطرت طبعیت

اور نوعی خاصیت کی اصطلاحات کی صورت میں ہمارے لیے دھوکے اور اشتباہ کا باعث بن جاتا ہے،

۱۔ اسباب ہم کو تعلیمات نبوی، یعنی آیات و احادیث سے ملائکہ کی حقیقت کو روشن کرنا چاہیے، ملائکہ کی سفارت

پیام رسانی، یعنی خالق کے احکام اور مرضی کو مخلوقات تک پہنچانا اور ان میں ان کا بے اختیار ہونا ان دو چیزوں میں سے

اللَّهُ يَخْطِفُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ  
خدا ہی ہے جو فرشتوں اور آدمیوں میں سے پیغام رسان

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ  
اور قاصد منتخب کرتا ہے، خدا سنے والا اور دیکھنے والا ہے،

وَمَا خَلْفَهُمْ طَوَّالِي اللَّهِ تَجْعَلُ الْأُمُورَ  
اور ان کے آگے اور پیچھے کا حال جانتا ہے، اور تمام کاموں

(المعج - ۱۰) کا مرجع خدا ہی ہے،

یعنی پیغام رسانی اور سفارت کے سوا ان کو اصل حکم میں کوئی دخل نہیں اختیارات سب خدا کے ہاتھ میں ہیں

اور وہی تمام امور اور انتظامات کا مرجع کل ہے، دوسری جگہ ہے۔

أَنزَلَ اللَّهُ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جِبْرَائِيلَ  
حمد ہو اُس خدا کی جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا،

الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولَىٰ أَجْنَحَةٍ مُّثْنَىٰ وَثَلَاثَ  
اور فرشتوں کو دو دو تین تین اور چار چار شہر بازوں

وَمُرْجَعًا يُزَيِّدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ  
واپسے پیغام رسان بنانے والا ہے وہ پیدائش میں جو چاہے

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ  
بڑھا دے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ لوگوں کے لیے رحمت

رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا  
کھوے تو کوئی روکنے والا نہیں، اور جو روک دے تو

مُرْسِلٌ لَهُ مِنْ بَعْدِهَا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ  
اُس کے سوا کوئی چھوڑنے والا نہیں، اور وہ غالب

(فاطر - ۱) و دانای ہے،

اس آیت پاک میں بھی وہی حقیقت ظاہر کی گئی ہے کہ یہ ملائکہ سفارت اور درمیانگی کے علاوہ اور کوئی

اختیار نہیں رکھتے، رحمت کے دروازوں کا کھولنے والا اور بند کرنے والا صرف خدا ہی ہے، یہ تعلیم اس عظیم

کی تردید میں ہے کہ ان فرشتوں کو دنیا کی حکمرانی اور انتظامات میں کوئی ذاتی دخل ہے، یا ان میں الوہیت اور

ربوبیت کا کوئی شائبہ بھی ہے، یا وہ پرستش کے قابل بھی ہیں، یا ان کی دہائی بھی مانگنی چاہئے۔

۲۔ ملائکہ خدا کے احکام کو دنیا میں جاری کرتے ہیں، سورہ انفال میں ہے،

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنۡيۡ مَعَكُمْ فَتَبَيَّنُوْا

یاد کر جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا، کہ میں

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوْا (انفال-۲)

تمہارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو،

تَنْزِلُ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ فِيۡهَا يٰۤاٰذُنَ الَّذِيۡ

اُس میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے ہر

مِنۡ كُلِّ اٰمِرٍ (قذ-۱۷)

کام کو لیکر نیچے اترتے ہیں،

وہ جس طرح احکام لیکر اترتے ہیں، اُسی طرح دربار الہی تک عروج بھی کرتے ہیں،

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ (معا-۱)

فرشتے اور روح اُس تک چڑھتے ہیں،

موت کے وقت روح کا قبض کرنا، اونھی سے متعلق ہے،

قُلۡ يَتَوَفَّاكُم مَّلٰٓئِكُ الْمَوْتِ الَّذِيۡ ذُوۡرُكُمۡ

کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے، وہ تم پر

بِكُمۡ (سجدہ-۱)

موت طاری کرے گا،

وَلَوْ تَرَىٰٓ اِذِ الظَّٰلِمُوۡنَ فِیۡٓ اَنۡفُسِهِمۡ مَّلٰٓئِكُ الْمَوْتِ

اور اگر دیکھو تم جب گنہگار موت کے سکرات میں ہیں

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بِاَسۡطُوۡاۤ اٰیۡدِيۡهِمْۢ اَخۡرَجُوۡا

اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوں کہ نکالو

اَنۡفُسَکُمۡ (انعام-۱۱)

اپنی جانوں کو،

وَلَوْ تَرَىٰٓ اِذۡ يُتَوَفَّیۡ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا الْمَلٰٓئِكَةُۤ اَنۡ

اور اگر دیکھو جب فرشتے کافروں کی عمر پوری کر رہے ہیں،

اُس کی ہم مہنی اور بھی کئی آیتیں ہیں ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ حکم الہی کے مطابق موت و فنا کی تدبیر نہیں وحانی

علل اسباب کی ہستیوں سے متعلق ہے،

دنیا میں کسی شئی کے وجود و انقلاب و فنا کیسے کسی ایک علت مسبب کا وجود کافی نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ اُس کے متعلقہ علل

اسباب کی تمام کڑیاں باہم پوریتہ اور ایک دوسرے کی معاون ہوں اور موانع اور عوائق معلوم ہوں، یہ متعلقہ علل اسباب کا توافق

اور مولح کا انسداد تدبیر ہے، یہ تدبیر حکیم الہی ان ملائکہ کے سپرد ہے، اسی لیے کبھی اس تدبیر کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے اِنْدَ بَرَزَکَ مَزْرُوہہ کام کی تدبیر کرتا ہے اور کبھی اُس کو ان ملائکہ کی طرف منسوب کرتا ہے،

وَالنَّارِغَتِ غَرْقًا، وَالنَّشِيطَةِ نَسْطًا، وَالشَّيْخَةِ سَيْحًا، فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا،  
 ڈوب کر (روحوں کے) کھینچنے والوں کی قسم ہے (رگوں کی) گرہوں کو کھولنے والوں کی قسم ہے، (رأس فضائے آسمانی مین) تیرنے والوں کی پھر دوڑ کر باہی اسبابِ دُخْلِ پر آگے بڑھ جانے والوں کی پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی

(نازعات - ۱)

۳۔ یہی ملائکہ خدا اور رسولوں کے درمیان بھی سفیر ہیں،

أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بَأْرُؤِهِ مَا يَشَاءُ،  
 یا خدا آدمی سے اس طرح باتیں کرتا ہے، کہ اپنا ایک سفیر بھیجتا ہی تو وہ او کی اجازت سے جو وہ (خدا) چاہتا ہو وحی کرتا

(شوری - ۵)

دوسری جگہ ہے،

يُنْزِلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوحِ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا - (غل - ۱)  
 خدا روح کے ساتھ فرشتوں کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے،

خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے،

فَاِنَّهٗ نَزَّلَ عَلٰی قَلْبِكَ بِاٰذْنِ اللّٰهِ، (بقہ - ۱۲)  
 حیرت انگیز شے نے اس قرآن کو خدا کے حکم سے تمہارے دل پر اتارا،

۴۔ یہ لوگوں پر بشارت اور عذاب لیکر بھی اترتے ہیں،

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهٖمَ بِالْبَشْرِی (مؤد - ۵)  
 ہمارے سفیر ابراہیم کے پاس بشارت لیکر آئے،

اسی طرح حضرت زکریا اور مریم علیہما السلام کو انھوں نے بشارت دی،

اِنَّمَا اَنَارَ سُوْرُکَ رَبِّکَ لَا کُھَبَ لَکَ غُلٰمًا،  
 میں تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں کہ تجھے ایک پاک

لے صحیح بخاری، کتاب بدر الخلق باب ذکر الملائکہ، میں ہے کہ رحم فرمائی پر ایک فرشتہ مقرر ہو جو یہ کی نسبت قضاے الہی کو تحریر کرتا ہو،

(۲) رکعتوں،

زکریا (موسیٰ - ۲)

حضرت لوطؑ کے پاس انکی قوم کی بربادی کے لیے جاتے ہیں،

قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُئُسُ رَبِّكَ (ہود - ۷) انھوں نے کہا، اے لوط! تم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں

اس کے بعد یہ فرشتے حضرت لوطؑ کی قوم پر کوہِ آتش نشان کا منہ کھول دیتے ہیں اور تمام قوم برباد ہو جاتی ہے۔  
مگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کے اس فعل کو خود اپنی طرف منسوب کرتا ہے، کہ وہ فرشتوں کے ذاتی اختیار کے بجائے خدا کے حکم سے ہوا تھا،

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَابًا مِّن سِجِّيلٍ مَّصُورٍ (ہود - ۷) جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اُس کے اوپر کوہِ نیچے اور نیچے کو اوپر کر دیا، اور اُن پر تہ بہ تہ پتھروں کی بارش کی،

۵۔ فرشتے انسانوں کے اعمال کی نگہبانی اور نگرانی کرتے ہیں اور اُن کے ثواب اور گناہ کے کاموں کو محفوظ

رکھتے ہیں،

وَأَن عَلَيْكُمْ حِفْظُهُنَّ كَمَا تَكُنَّ، يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ، (انفطار - ۱) بیشک تم پر نگہبان ہیں، بزرگ ہیں، لکھنے والے ہیں جو تم کرتے ہو وہ اودہ جانتے ہیں،

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق - ۲) کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا، لیکن اُس کے نزدیک ایک نگہبان حاضر ہے،

سَوَاءٌ مِّنكُمْ مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ أَوْ صَرَاحًا بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخَفٌّ بِالَّذِلِّ وَصَارَ بِالْأَنبَاءِ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن مَّيْمَنِهِ يَدْرِىءُ وَهْمَ مَنْ خَلَفَهُ يَحْفَظُونَ لَهُ مَنَاقِبُ أَتَمَّ اللَّهُ (زمر - ۲) تم میں سے کوئی بات چھپا کر کہے، یا زور سے کہے، یا وہ رات میں چھپے یا دن کو کرے، خدا کے تعاقب کرنے والے اس کے سامنے سے اور اُس کے پیچھے سے، خدا کے حکم سے اسکی نگہبانی کرتے ہیں،

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً دَانِيًا إِذَا جَاءَ وَهَذَا أَمْرٌ لِّمَن لَّا يَرْجُوا تَجَلُّدًا وَلَا جَزَاءً (نور - ۲) وہ خدا امیر نگہبان بھیجتا ہے، یہاں تک کہ تم میں سے جب کبھی

اَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ  
لَا يُفِرُّونَ (انعام - ۸)

موت آتی ہے تو ہمارے قاصد اور کسی عمر پوری کرتے ہیں،  
اور وہ کی نہیں کرتے،

۴۔ وہ انسانوں کے اعمال کے مطابق اُن پر خدا کی رحمت یا لعنت کے نزول کے ذریعے اور واسطے ہیں،  
لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَتْحُ اِلَّا كَبُرَتْ سَلَفُكُمْ الْمَلٰٓئِكَةُ  
هٰذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ،  
(انبیاء - ۷)

نیکو کاروں کو وہ بڑی گھبراہٹ (قیامت) انگلیں نہ لگی  
اور فرشتے اُن کا اُگے بڑھ کر استقبال کرینگے، کہ یہی وہ دن  
ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا،

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَفْتٰهُمْ  
تَنْزَلَ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَا تَتَّقُوْا وَاَلَا  
تَحْزَنُوْا وَاَلَا تَتَّبِعُوْنَ الْاٰیٰتِیَّ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ  
نَحْنُ اَوْلٰیؤُكُمْ فِی الْحٰیٰۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ  
(فصلت - ۴۷)

جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اس پر  
قائم رہے، اُن پر فرشتے یہ کہتے ہوئے اترینگے کہ تہ ڈرو اور  
نہ غم کرو، اور اُس جنت کی خوشخبری سنو جو کا تم سے وعدہ  
کیا گیا تھا، ہم ہیں جو تمہاری پہلی اور اُس دوسری زندگی  
میں تمہارے رفیق ہیں،

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ (احزاب)  
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ (احزاب)  
وَلَیْسَتْ غُفْرٰتٌ لِّمَنْ لَّمْ یَلْمِزْ فِی الْاَرْضِ (شعراء - ۱)

وہی خدا تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے،  
اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں،  
اور جو زمین میں ہیں، اُن کیلئے وہ خدا سے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں،

اِیْمًا طَرَحَ وَهْ بَكَارُونَ پَر لعنت بھی کرتے ہیں،  
اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ  
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ، (ال عمران - ۹)  
اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَا لُوْا وَهُمْ كَفٰرٌ اُولٰٓئِكَ  
عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ  
(البقرہ - ۱۷۶)

اُن کی سزا یہ ہے کہ اُن پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی  
سب کی لعنت ہے،  
جو کفر کی حالت میں مر گئے اُن پر اللہ اور فرشتوں کی اور  
لوگوں کی سب کی لعنت ہے،



۷۔ جنت اور دوزخ کا کاروبار بھی اُن کے زیرِ اہتمام ہوگا،

وَسَيُقَالُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۚ حَتَّىٰ  
إِذَا جَاؤُهَا فُتِحَتْ ۖ أَلْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا  
الْمُيَاثِمُ ۖ رُسُلًا مِّنكُمْ ۖ

اور کفر کرنے والے گروہ گروہ کر کے دوزخ کی طرف لے جائے  
جائینگے یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچیں گے تو اُس کے  
دروازے کھولے جائیں گے اور اُس کے چوکیدار (فرشتے) کہیں گے

کہ کیا تمہارے پاس تمہیں دین کے پیغمبر نہیں آئے،

(زمرہ - ۸)

وَسَيُقَالُ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبُّهُمْ إِلَىٰ الْجَنَّةِ زُبُرًا  
حَتَّىٰ إِذَا جَاؤُهَا فُتِحَتْ ۖ أَلْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ  
خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوا ۖ هَا  
خُلْدِيْنَ ، (زمرہ - ۸)

اور جو اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ جنت میں  
لیجائے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچیں گے  
اور اُس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اُس کے پاس ان کو میں گے

تم سلامتی ہو خوش غرض جنت میں ہمیشہ کیلئے داخل ہو جاؤ

جنتیوں پر فرشتے ہر دروازہ سے داخل ہو کر کہیں گے تم پر  
سلامتی ہو، یہ تمہارے صبر کا بدلہ ہے، یہ کیا اچھا ثواب

کا گھر ہے،

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ  
بَابٍ ۖ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

عُقُوبَىٰ الْمَنَارِ ، (زمرہ - ۸)

عَلَيْهَا مَلَائِكَةُ غِلَاطٍ مُّسْنَدًا ۚ (تحریم - ۱)

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً مُّنْثَرًا ،

۸۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کے حاضر باش ہیں،

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِظِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ  
يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ، (زمرہ - ۸)

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے ارد گرد احاطہ کیے ہوئے  
اپنے پروردگار کی حمد و ثناء میں مصروف ہوں گے،

لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ (صاف - ۱)

اُخْلِی اہل دربار کی باتیں شیاطین نہیں سن سکتے،

بَلْ كَانُوا مِنْ عِلْمِ الْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ اِنْ يَخْتَصِمُونَ (صاف - ۱)

بلکہ ان کی باتیں علمِ بلند درباریوں کا علم نہیں جب وہ باتیں کرتے ہیں

قیامت کے دن بھی یہ تخت الہی کے حامل اور اس بارگاہ کے حاضر باش ہونگے جو ہر وقت اس کے ہر حکم کو بجالانے کے لیے تیار رہیں گے،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰۤی اَرْجَائِهٖمَا وَجَحْمِلُ عَرْشِ رَبِّكَ  
اور فرشتے زمین کے کنارے کھڑے ہونگے اور تیرے پروردگار  
تَوْفِیْقُہُمْ یَوْمَیْذِ ثَلٰثِیْنَۙ (طافہ - ۱)  
کے تخت کو اٹھ (فرشتے) اٹھائے ہونگے،  
کَلَّاۤ اِذَا دَخَلْتَ الْاَرْضَ دَخَّکَآ وَاَجَآءَ رَبُّکَ  
ہرگز نہیں، جب زمین ریزہ ریزہ کر دی جائیگی اور تیرا رب تشریف  
وَالْمَلٰٓئِکُ صَفًّا صَفًّا (فجر - ۱)  
فرما ہوگا، اور فرشتے قطار قطار آئیں گے،

یَوْمَ یَقُومُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَةُ صَفًّا (نباء - ۲)  
جس دن روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہونگے،  
۹۔ فرشتے خدا سے سرکشی اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور ہمیشہ اس کی تسبیح و تہلیل و تقدیس، اور حمد و ثناء میں مصروف رہتے ہیں، اور اس کے جلال و جبروت سے ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں اور خدا کے حضور میں اہل زمین کے لیے موعود  
نیکو کاروں کے لیے خصوصاً مغفرت کی دعا مانگا کرتے ہیں،

وَالْمَلٰٓئِکَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّہُمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ  
اور فرشتے حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں  
لَیْسَ فِی الْاَرْضِ اِلَّا اَنْتَ اللّٰہُ ہُوَ الْغَفُوْرُ  
اور زمین والوں کی بخشائش کی دعا مانگا کرتے ہیں بیشمار  
الرَّحِیْمُ، (شعرا - ۱)  
کر بخشنے والا اور رحم کرنے والا خدا ہی ہے،

یعنی یہ دھوکا نہ ہو کہ ان کی دعا ہی رحمت و برکت کا ذاتی سبب ہے، بلکہ بخشش اور رحمت کرنے والا صرف وہی خدا  
واحد ہے، اور یہ بخشش و رحمت اسی کے دست اختیار میں ہے،

الَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ  
جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہیں، اور جو اس کے پاس ہیں  
بِحَمْدِ رَبِّہُمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ  
وہ سب اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں اور اس کی  
لَیْسَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ طَآءِفَةٌ مِّنْہُمْ  
ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان لانے والوں کی بخشائش کی دعا کر  
وَلَا یُفْرِیْقُہُمْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ طَآءِفَةٌ مِّنْہُمْ  
آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور جو اس کے

لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِبُونَ

پاس بن (یعنی فرشتے) وہ اس کے سامنے اپنی عبادت کے

لِيَسْتَحْسِبُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ،

انہار سے غور نہیں کرتے، اور نہ اسکی عبادت سے تھکتے ہیں

(انبیاء-۲)

وہ رات دن خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں اور سست نہیں رہتے

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ، لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ

بلکہ وہ بزرگ بندے ہیں، جو بات میں خدا پر پیش دستی نہیں

وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ..... وَهُمْ

کرتے، اور وہ اُس کے حکم پر عمل کرتے ہیں..... اور

قَوْنٌ خَشِيَتِهِ مُشْفِقُونَ، (انبیاء-۲)

انکے خوف سے ترسان رہتے ہیں،

لَا يَصْطُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا

خدا انکو جس بات کا حکم دیتا ہے، وہ اُسین خدا کی نافرمانی نہیں

يُؤْمَرُونَ (تحریم-۱)

کرتے، اور وہی کرتے ہیں جسکا اُن کو حکم دیا جاتا ہے،

يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ

بجلی کی کرک اور فرشتے خدا کے ڈر سے اوس کی

(رعد-۲)

حمد و تسبیح کرتے ہیں،

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

اور آسمانوں میں اور زمین میں جو چار پاسے اور فرشتے ہیں

مِنْ ذَاتَاتٍ وَالْمَلِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ

وہ سب خدا کو سجدہ کرتے ہیں، اور اُس کے سامنے اپنی بڑائی

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ

نہیں کرتے وہ اپنے مالک سے جو اُن کے اوپر ہو ڈرتے

مَا يُؤْمَرُونَ، (نحل-۶)

رہتے ہیں، اور وہی کرتے ہیں جسکا اُن کو حکم دیا جاتا ہے،

گزر چکا ہے کہ ملائکہ کا اعتقاد دنیا کے تمام مذاہب اور قوموں میں کسی نہ کسی طرح رہا ہے لیکن اُن کے اس

اعتقاد میں بہت سی باتیں ایسی داخل تھیں جو توحیدِ کامل کے منافی تھیں، اسکندریہ کے تو افلاطونی فلسفہ میں خدا کو

عقلِ اول کی اضطراری پیدائش اور وجود کے بعد معطل ٹھہرا کر انھیں کو عقل کی صورت میں اصلی کار فرما قرار دیا گیا،

عراق کے صابئی، اجرامِ سماوی کی شکل میں انکی پرستش کرتے تھے، اور انھیں کو عالم میں فرمانروا مانتے تھے، یہود بھی

اُن کو کسی قدر صاحب اختیار تصور کرتے تھے اور اُن کو کبھی کبھی خداؤں کا درجہ دیدیتے تھے جیسا کہ توراۃ صحیفہ تکوین

۱۳۱۴-۱۸۰۱-۲۰۲۳ء کے قصوں میں کہیں کہیں نظر آتا ہے، اُن کو وہ خدا کے بیٹوں کے خطاب سے بھی کبھی یاد کرتے تھے۔  
 (تکوین ۶-۲۰) ہندوؤں میں وہ دیوتا اور ویسے تکر ایک طرف انسانی خصائص سے لوث تھے اور دوسری طرف اپنے ذاتی اختیارات کے لحاظ سے "چھوٹے خداؤں" کے مرتبہ پر بھی فائز تھے، عیسائیوں میں ان میں سے بعض مثلاً روح القدس خدا کا ایک جز تسلیم ہوتی تھی، اور اُن کی تثلیث کا ایک رکن تھی، عربوں میں وہ خدا کی بیٹیوں کا درجہ رکھتے تھے، وہ انکی پوجا کرتے تھے، اور اُن کو اپنے گناہوں کا شفیع سمجھتے تھے، انحضرتؐ نے ان تمام عقائدِ باطلہ کو مٹا دیا، اور ایک ایک کر کے ان میں سے ہر عقیدہ کی تردید کر دی، اور بتایا کہ فرشتے بھی خدا کی دوسری مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہیں، اُن کو خدائی کا کوئی اختیار حاصل نہیں، وہ صرف خدا کی اطاعت اور عبادت اور اُس کے احکام کی بجا آوری میں مصروف رہتے ہیں، اُن میں سے ہر ایک کو جو کام سپرد ہے، وہ اُسی کو انجام دیتا ہے، وہ ہماری ہی طرح بندہ محض ہیں، وہ نہ عبادت کے مستحق ہیں، اور نہ خدا کے بلا اذن وہ شفاعت کا ایک حرف زبان سے نکال سکتے ہیں، اور نہ خدا کے سامنے وہ کچھ عرض کرنے کی جرات کر سکتے ہیں، یہودی اُن کو خدا کے بیٹے، اور عرب خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، قرآن نے ان دونوں کی تردید کی اور بتایا کہ وہ انسانی خصائص اور میلانات سے پاک ہیں، نہ وہ مرد ہیں، نہ عورت ہیں، نہ وہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ وہ خدائی کا دعویٰ کر سکتے ہیں، وہ خدا کے خوف سے ہمیشہ کانپتے اور لرزتے رہتے ہیں،

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗٓ اِنۡ یُّبٰلِغُ عَمَّا تُکْفُرُوْنَ، لَا یَسْبِقُوْنَہٗۤ اِلَّا الْقَوْلُ وَهُمْ بِمَا کُفَرُوْا یَعْمَلُوْنَ، یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَ مَا خَلْفَہُمْ وَ لَا یُشْفَعُوْنَ اِلَّا بِاِذْنِہٖ وَ ہُمْ مِنْ خَشِیَّتِہٖ مُّشْفِقُوْنَ، وَ مَنْ یُّقِلْ مِنْہُمْ اِثْمًا اِلٰہٌ مِّنۡ دُوْنِہٖۤ اِنَّ لَکَ لَخٰجِرَیْہٖۤ اَنْ یَّجۡزِیَہٗ (انبیاء ۲۰) اُن میں سے جو کہیں کہیں خدا ہوں تو اوکو بھی اسی طرح

اِنَّمَا اللّٰهُ الْوَاحِدُ طَسُبْحَنَهُ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ  
وَلَدٌ لِّذٰلِكَ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَلَقَدْ بَا  
وَكَيْلًا لَّنْ يَسْتَنْبِكَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَكُوْنَ عَبْدًا  
لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰئِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْبِكَ  
عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيعًا  
خدا تو ایک ہی ہے وہ اُس سے پاک ہے کہ اُس کے کوئی اولاد ہو  
آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اسکی ملکیت ہے اور  
خدا کافی وکیل ہے، مسیح کو اس سے عار نہ ہوگا کہ وہ خدا کا  
بندہ ہو، اور نہ مقرب فرشتوں کو اس سے عار ہے اور جو اسکی  
عبادت سے عار اور غرور کرینگے تو ان سب کو وہ اپنے پاس  
اکٹھا کرے گا، (نساء ۲۲ و ۲۳)

وَلَا يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰئِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ  
اَزْوَاجًا اَيَا مَرْكُومًا لِّلْكَافِرِ لَعَنَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ  
خدا اسکا حکم تم کو نہیں دیتا کہ تم فرشتوں کو اور پیغمبروں  
کو خدا بناؤ، کیا تم کو مسلمان ہونے کے بعد کفر کرنے کا حکم  
دے گا، (ال عمران - ۸)

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰئِكَةِ اِهْبِزْنَ  
اَيَاكُمْ كَا تُوٰلِيَ عِبَدُوْنَ، قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ  
وَلِيْسَا مِنْ دُوْنِهِمْ جَبَلٌ كَا تُوٰلِيَ عِبَدُوْنَ  
الْحَيِّ جَبَلٌ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (سبا - ۵)  
يَوْمَ يَقُوْمُ الزُّلْفَى وَالْمَلٰئِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ  
اِلَّا مَنْ اٰذَنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا  
اور جس دن وہ سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا کہ  
کیا یہ مشرکین تمہیں کو پوجتے تھے، وہ کہیں گے پاک ہے تو، تو  
ہمارا والی ہے، وہ نہیں ہیں، بلکہ وہ جنوں کو پوجتے تھے، وہ  
اکثر انہیں جنوں پر ایمان لائے ہیں،  
جس دن ریح اور فرشتے صف بستہ خدا کے سامنے کھڑے  
ہوں گے، تو کچھ بول نہ سکیں گے، لیکن وہ جبکہ وہ ہر بات  
اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے، (سبا - ۲)

وَكَمْ مِنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تَعْبٰى لَهُمْ  
شَيْْءٌ اِلَّا مِنْ عِندِ اَنْ يَأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَشَآءُ وَيَرْزُقُ  
اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَاتَّخَذَ  
خدا تو کتنے فرشتے ہیں جنکی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں  
پہنچا سکتی، لیکن اس کے بعد کہ خدا جبکہ اجازت دے اور پسند کرے  
کیا تمہارا رب تمہیں بالبینات اور خود

مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَّا نَاظِرُونَ لَكُمْ لَتَقُولُنَّ قَوْلًا  
عَظِيمًا، وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا  
وَمَا يَذِّدُهُمْ إِلَّا نَفْسُكَ، قُلْ لَوْ كَانَ

فرشتوں میں سے لوگوں ان پر یہ پسند کہیں، تم یقیناً بہت  
بڑی بات منہ سے نکالتے ہو، اور ہم نے قرآن میں پھر پھر کر  
سمجھنے کو تین بیان کی ہیں، لیکن یہ انکی نفرت کو اور بڑھاتا ہے

إِلَهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذَا جَاءَتْهُمْ السَّاعَةُ  
سَبِيلًا، سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا  
كَبِيرًا، يُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ  
فِيهِنَّ، (اسرائیل ۲۷ و ۲۸)

اللہ کے نام کی طرح کہتے ہیں، جب آگے آئے تو اس کی طرف سے  
بھی چاند خدا ہوتے، تو اس تخت والے خدا کی طرف وہ راستہ  
ڈھونڈتے کہ اس کے ہاتھ سے حکومت چھین کر خود قبضہ کر لیں،  
یہ شرک جو کہتے ہیں خدا اس بلند و برتر ہی آسمان اور زمین

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ  
إِنَّا نَاثِرُ السَّيِّئَاتِ وَجَعَلْنَاهُمْ سَنَكِبَ شَمَاءَ سَمَاءٍ  
وَيُتْلُونَ، وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا  
عَبَدْنَا هُمْ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ  
إِنَّ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ، (زخرف ۲۰)

ان شرکوں نے فرشتوں کو جو رحمت والے خدا کے بندے  
ہیں، عورتیں بنا دیا، کیا وہ انکی پیدائش کے وقت حضرت  
ہم انکی گواہی لکھیں گے، اور ان سے انکی باز پرس کی جائیگی  
اور انھوں نے کہا کہ اگر خدا چاہتا تو ہم ان فرشتوں کو تیرپونے  
انھیں اسکا تحقیقی علم نہیں، وہ صرف اٹل لگاتے ہیں،

قرآن پاک میں اس مفہوم کی اور بہت سی آیتیں ہیں، مگر یہاں استقصا مقصود نہیں،  
یہودیوں کا خیال تھا کہ فرشتے کھاتے پیتے بھی ہیں، چنانچہ توراہ میں جہاں حضرت ابراہیم کے پاس فرشتوں  
کے آنے کا ذکر ہے، یہ مذکور ہے کہ ابراہیم نے ان کے لیے دعوت کا سامان کیا، اور انھوں نے کھایا، (تکوین ۱۸-۱۹)  
لیکن قرآن پاک نے اسی قصہ کو دہرا کر یہ تصریح کر دی کہ وہ ان انسانی ضرورتوں سے پاک ہیں، حضرت ابراہیم  
نے ان کے لیے دعوت کا سامان کیا، مگر

فَلَمَّا رَأَوْهُمُ لَا تَصِلُ إِلَيْهِمْ نَكَرَهُمْ  
وَأَوْحَيْنَا مِنْهُمْ خِيفَةً، قَالُوا لَا خُفْيَ لَنَا مِنْهُمْ  
وَلَا نَجَانٍ، (سجۃ ۲۰)

جب ابراہیم نے دیکھا وہ کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے، تو انکو  
وہ انجان معلوم ہوئے، اور وہ میں ڈرا، انھوں نے کہا توڑ نہیں

قَدْ دُرُؤُطٍ، (سودہ - ۷) ہم لوہ کی قوم کی طرف (انکے تباہ کرنے کے لیے) بھیجے گئے ہیں

کفار قریش کا مطالبہ تھا کہ انسان کے بجائے کوئی فرشتہ پیغمبر بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا، اُسکے جواب میں کہا گیا،  
وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا أَجَعَلْنَاهُ مَرْجُومًا أَوْ لَبَسْنَا  
اگر ہم پیغمبر فرشتہ بنا کر بھیجتے تو رادیوں کے لیے (اُسکو آدمی  
عَلَيْهِمْ مَائِلُ سُنُورٍ، ہی بناتے، تو جس شبہ میں اب ہم نے انکو ڈالا، اسی میں

(الغادر - ۱) پھر بھی پڑے رہتے (یعنی یہی کہتے کہ تم فرشتہ نہیں ہو بلکہ آدمی)

اس آیت اور دوسری آیتوں سے ملکوتیت اور بشریت کی قوتوں کا اختلاف ظاہر ہے، تاہم وہ کبھی کبھی غلط طور سے انسان کے مثالی لباس میں بھی جا رہے ہوتے ہیں، جیسا کہ حضرت مریم وغیرہ کے قصوں میں ہے،  
فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا، (مریمہ - ۲) وہ فرشتہ ایکساچھے خاصے بشر کی صورت میں ظاہر ہوا،

اور یہی وہ صورت تھی جہاں حضرت ابراہیم کو اُن کے انسان ہونے کا دھوکا ہوا، اور اُن کے لیے دعوت کا سامان کیا، مگر یہ دھوکا جلد رفع ہو گیا، اور معلوم ہو گیا کہ وہ انسان کی مثالی صورت میں فرشتے ہیں،

ان تمام تفضیلات کے بعد یہ غور کرنا ہے کہ فرشتوں پر ایمان لانے سے اسلام کا کیا مقصد و جو حقیقت میں اس عود باتین مقصود ہیں

۱۔ ایک یہ کہ اسلام سے پہلی بت پرست اقوام اور دوسرے اہل مذہب میں ان فرشتوں کو زندگی کا جو مرتبہ دیا گیا تھا، اُس غلط عقیدہ کو مٹا کر حقیقت ظاہر کیا جائے کہ انکی حیثیت بے اختیار حکومت بندہ کی ہے جس تک اسکی تصریح نہ ہوتی، بلکہ توحید کی تکمیل ممکن نہ تھی،

۲۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ مادہ کے خواص و طبائع دیکھ کر مادہ پرست انہیں مادی خواص و طبائع کی بالذات کارفرمائی کا اہل یقین کرتے

ہیں، اور یہی تھوڑی ٹھوکر کا باعث ہوتا ہے اور بالآخر خدا کے انکار تک انکو لجا تا ہے، اسکا ازالہ کیا جائے، کہ ان مادی خواص و طبائع پر روحانی

اسباب مسلط ہیں جو خدا کے حکم سے اُسکے مقررہ اصول کے مطابق اُسکو چلا رہے ہیں، مادہ اور اُسکے خواص بالذات نور نہیں بلکہ کوئی دوسرا

جو اپنے ارجح مجرہ کے ذریعہ انکو موثر بناتا ہے، اس عقیدہ سے مادیات کا بہت ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جاتا ہے، غرض منظرہ خالق اور مادی مخلوق

کے درمیان احکام و شرائع کا نزول اور قدرت الہی کے افعال کا صدور اور ان محکوم ارجح مجرہ کے ذریعہ ہوتا ہے،

# رسول اکبر

وَرَسُولُهُ

یہ عقیدہ اسلام کی ان خصوصیات میں سے ہر چنگی تکمیل صرف اسی کے ذریعہ انجام کو پہنچی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک سے پہلے دنیا کی ہر قوم کو بجائے خود یہ خیال تھا کہ وہی خاص اللہ تعالیٰ کی محبوب اور پیاری ہے، اور تمام دنیا کی قوموں میں ہدایت ربانی کے لیے وہی منتخب لگائی ہے اور اس کے علاوہ دنیا کی تمام قومیں اس فیض سے قطعاً محروم ہیں، اور ہنگامی، ہماری ہی سرزمین دیوتاؤں اور دیویوں کا مسکن، اور ہماری زبان خدا کی خاص مقدس زبان ہے، بابل، دینوا، یاتھرو، یونان، ایران، ہویا، آریہ، ورت، ہندوستان، ہر ملک کے ہر قوم کو بجائے خود تنہا خدا کی مقدس اور برگزیدہ مخلوق ہونے کا دعویٰ تھا، اور وہ صرف اپنی ہی کو خدا کے پیغام اور خطاب سے شرف ہونے کی مستحق جانتی تھی، لیکن تعلیم محمدی نے تنگ خیالی کے اس محدود دائرہ کو دنیا کی عظیم شان و وسعت میں بدل دیا، اپنے یہ سکھایا کہ دنیا کی تمام قومیں خدا کی نظر میں یکساں ہیں، نہ عرب کو عجم پر اور نہ عجم کو عرب پر فضیلت ہے، اور نہ کالے گوشت پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی تقدم حاصل ہے، ساری زمین خدا کی ہے، اور تمام قومیں ایک خدا کی مخلوق ہیں، اپنے فرمایا، لوگو! تم سب ایک ہی باپ (آدم) کی اولاد ہو، اور وہ مٹی سے پیدا ہوا تھا، اسی طرح یہ بھی تعلیم دی کہ انسان اور قوموں کا امتیاز رنگ، روپ، ملک، مذہب، اور زبان سے نہیں ہے، بلکہ صرف تقویٰ اور نیکو کاری سے ہے، اس تعلیم کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ قوموں اور ملکوں کی فطری فضیلت کی پرانی داستان فراموش ہو گئی، دنیا کی تمام قومیں ایک سطح پر آگئیں، اور مساوات انسانی کا راستہ صاف ہو گیا، بنی اسرائیل جن کو اپنے خدا کا کتبہ ہونے

لے سنا احمد ابن حنبل، از ابو نصر تاجی، ص ۱۰۰، ج ۱، ترمذی، آخر کتاب المناقب، ص ۱۰۰، قرآن، ان انکم عنہ اللہ انفاکم



پر ناز تھا وہی محمدی نے انکی اس حیثیت کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا،

بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّثْلُ خَلْقٍ (مائدہ - ۳) بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے بشر ہو،

بنی اسرائیل کو دعویٰ تھا کہ نبوت اور پیغمبری صرف ہمارے ہی خاندان کا ورثہ ہے، جس طرح اس آریہ ورت

کا دعویٰ ہے کہ خدا کی اولیٰ صرف ہمیں کے زینون اور میون نے سنی اور وہ صرف وید کے اوراق میں محفوظ ہے، سبط

دوسری قوموں کو بھی اپنی جگہ پر ہی خیال تھا، اسلام نے اس تخصیص کو خدا کے انصاف، عدل و کرم اور انکی رحمت عام کے

سنا فی قرار دیا، اور کہا،

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ

یہ (نبوت) اللہ کی مہربانی ہے جسکو چاہے دے اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (جمہور - ۱)

بڑی مہربانی والا ہے،

قُلْ إِنَّا إِلَهُكَ وَإِلَهُكَ إِلَهُ الْأَوَّلِينَ

اُمیدو کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہے (اسو کی عملی راہ ہے)

وَمَا أَوْفَيْتُكَ مِنْ شَيْءٍ

ہم نہیں دے سکتے ہیں کہ کیا یہ نامکمل ہو کہ (جیسا دین تمکو

قُلْ إِنَّا الْفَضْلُ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ

یا گیا کسی اور کو دیا جائے یا یہ نئے دین دے تم سے خدا کے

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ يُخَفِّضُ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ

جھٹکے گا، اور کہ (یہ نبوت کا) فضل اللہ کے ہاتھ میں

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

وہ جسکو چاہتا ہے اُس سے نوازتا ہے اور اللہ کی رحمت بڑی

(ال عمران - ۸)

عام ہے اور وہ اپنی مصلحت کو کبھی طرح جانتا ہی اور حکم کرتا

ہو اپنی رحمت کیساتھ مخصوص کرتا ہے، وہ بڑا فضل والا ہے،

مَا يُؤْذِي الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا

اہل کتاب میں جو منکر ہیں وہ یہ نہیں پسند کرتے اور یہ مشرکین

الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ

پسند کرتے ہیں کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی بھلائی نازل

رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ

ہو اور اللہ اپنی رحمت کیساتھ جسکو چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (بقرہ - ۱۲۹)

اور اللہ بڑے فضل والا ہے،

اور یہ تعلیم دی کہ روسے زمین کی ہر بادی میں ہر قوم میں اور ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی راہ دکھانے والے، اسکی آواز پہنچانے والے، اور انسانوں کو انکی غفلت سے چونکانے والے پیغمبر یا نایب پیغمبر بن کر آئے اور یہ سلسلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک برابر جاری رہا،

بعثت محمدی سے پہلے دنیا کی کل آبادی مختلف گھرانوں میں بنی ہوئی، اور ایک دوسرے سے نا آشنا تھی، ہندو کے ریشیوں اور ینوں نے آریہ ورت سے باہر کی دنیا کو خدا کی آواز سننے کا کبھی متقی نہ سمجھا، ان کے نزدیک پریشور ورت آریہ ورت کی ہدایت اور رہنمائی کا خواہاں تھا، زرتشت نے پاک نثر اداں ایران کے سوا سب کو یزدان کے جلوتہ ورا سے محروم یقین کیا، بنی اسرائیل اپنے خاندانہ کے سوا کہین اور کسی بنی یاسر رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کرتے تھے، عیسائی صرف اپنے کو خدا کی فرزندگی کا مستحق سمجھتے تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تباہی کہ خدا کی ہدایت اور رہنمائی کے طور کے لیے ملک قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اسکی نگاہ میں عجب و عجم اور شام و ہند سب برابر ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورب پچھم، اتر، دکھن ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا نور دکھا، اور ہر زبان میں اسکی آواز سنی،

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ (یونس - ۵) اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے،

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا (نحل - ۵) اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا،

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ (م - ۵) اور ہم تجھ سے پہلے کتنے رسول انکی اپنی قوم میں بھیجے،

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد - ۱) اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما آیا،

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر - ۲) کوئی قوم نہیں جہاں ایک ہشیار کرنے والا نہ آیا،

وَكُلَّمَا أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ فِي الْأَوَّلِينَ (زخرف - ۱) اور ہم نے پہلی قوموں میں کتنے پیغمبر بھیجے،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ (ابراہیم - ۱) اور ہم نے ہر پیغمبر کو اسکی قوم کی بولی میں بھیجا، تاکہ وہ

لِبَشَرٍ لِقَوْمِهِ (ابراہیم - ۱) ان کو بتا سکے،

اس آخری آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول تعلیم الہی تشریح و بیان کے لیے مامور ہیں،

ایک یہودی کے لیے حضرت موسیٰؑ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں، ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے، ایک ہندو تمام دنیا کو لچھ شورو اور چنڈال لکڑی بھی پتکا ہندو رہ سکتا ہے، ایک زرتشتی تمام عالم کو بجز غلامت لکڑی بھی نورانی رہ سکتا ہے، اور وہ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو نفوذ باشد جھوٹا لکڑی بھی دیناری کا دعویٰ کر سکتا ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی اُن کی پیروی کا دعویٰ کر کے اُن سے پہلے کے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہذیبین جو دعا پڑھتے تھے، اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا ہے، وَاللَّيْثُونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ (سب نبی برحق تھے اور محمد بھی برحق ہے) غرض کوئی شخص اُس وقت تک محمدی نہیں ہو سکتا جب تک اُس سے پہلے وہ موسوی و عیسوی، اور ایرانی و ہندی نہ بن لے، اور کوئی شخص اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی کیسان، صداقت، حقایق، راستبازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے اور یہ یقین نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی طرح ہر قوم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی سے سرفراز کیا ہے، اور

اُن کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا خدا کا ماننا ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُوْنَ  
اَنْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُوْلُوْنَ  
تَوْحِيْدٌ بِبَعْضٍ وَكُفْرٌ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُوْنَ  
اَنْ يَخْتِنُوْا وَاٰيٰتِنَا ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ  
هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا  
شَدِيْدًا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ  
يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اَوْ لِيْكَ سَوَفَ  
يُؤْتِيْهِمْ اُجْرًا جَمِيْعًا وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں  
اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسولوں کے درمیان  
فرق کریں، اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانینگے اور بعض کو نہیں  
اور چاہتے ہیں کہ ان کے درمیان راستہ پکڑیں وہی حقیقت  
میں کافر ہیں، اور کافروں کے لیے ہم نے ہانت والا عذاب  
تیار رکھا ہے، اور جو اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے  
اور ان رسولوں میں سے کسی کو الگ نہیں کیا وہ اُن کی  
مزدوری اُن کو دیگا، اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے،

وَالْمَلِكُ وَالْكِتَابُ وَالنَّبِيُّ (بقرہ-۲۲) فرشتوں پر کتاب پر اور سب نبیوں پر ایمان لانا چاہی ہے،  
وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ كُتِبَتْ عَلَيْهِ وُصُوْلُهُ اور جس نے خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتاب کا اور اس کے رسولوں  
الْيَوْمِ لَا خَيْرَ فَعَدَّ ضَلَّ خَلًا جَعِدًا (نساء-۲۰) اور قیامت کا انکار کیا، وہ نہایت سخت گمراہ ہوا،

بقول کے خاتمہ میں ہے،

كُلُّ اٰمَنٍ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتِبَتْ عَلَيْهِ وُصُوْلُهُ ہر ایک خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور  
لَا تُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ اس کے رسولوں پر ایمان لایا، ہم خدا کے رسولوں کے درمیان

تفریق نہیں کرتے،

(بقرہ-۲۰)

لَا تُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (بقرہ-۹) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے،

پیغمبروں میں تفریق کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں سے بعض کو ناپسندیدہ اور بعض کو نہ پسند اسلام نے اس کی ممانعت کی اور  
عام حکم دیا کہ دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں خدا کا رسول، صادق اور استباز تسلیم کیا جائے،

یہودی حضرت عیسیٰ کو نعوذ باللہ جھوٹا اور کاذب سمجھتے تھے، اور ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے، اور  
اب بھی ان کا یہی عقیدہ ہے، یہودیت اور اسلام میں جو اشتراک ہے وہ مسیحیت سے زیادہ ہے، اس لیے اگر اسلام

کی راہ میں حضرت مسیح کا نام نہ آئے تو بہت سے یہود مسلمان ہونے کو تیار ہو جائیں، مگر اسلام نے کبھی یہ سنگ گوارا  
نہ کیا، اور جب تک کسی یہودی سے حضرت عیسیٰ کی نبوت، معصومیت اور تقدس کا اقرار نہیں لے لیا اپنے دائرہ میں

اس کو داخل ہونے کی اجازت نہ دی، چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے یہود آپ کی رسالت اور شریعت  
پر ایمان لانے کو تیار تھے، مگر حضرت عیسیٰ کے ماننے کیلئے تیار نہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دوستی کے عظیم نشان فائدہ و نفع

سے محرومی قبول کی مگر مسیح علیہ السلام کی سچائی سے محرومی قبول نہ فرمائی، اور ان سے کہا،

يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَتَّقُوْنَ مَعِيَ الْاَنْبِيَا۟ اسے یہود کیا میرے ہم کو ہم سے انکار ہی کہ ہم خدا پر اور رسول پر

لے تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۶ ص ۱۶۷، مصر

بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِ  
وَإِنْ أَكْثَرُكُمْ فَسِقُونِ (مائیدہ ۹۰)

طرف تارا گیا اور جو پہلے تارا گیا اس پر ایمان رکھتے ہیں اور  
تم میں اکثر بے حکم ہیں

خود قریش کا یہ حال تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے نام سے چمکتے تھے، مگر انکی خاطر حضرت عیسیٰ کی نبوت، تقدس اور  
معصیت سے انکار نہیں کیا گیا، قرآن نے کہا،

وَلَمَّا ضَرَبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ  
مِنْهُ يُصِدُّوْنَ، وَقَالُوا هَٰؤُلَاءِ إِلَهِنَا خَيْرٌ  
أَدَّ هُوَ مَا ضَرَبْتَ لَكَ الْآجَدَ لَا بَلْ هُمْ  
قَوْمٌ خَصِمُونَ، إِنَّ هُوَ إِلَّا عَيْنُكَ أُنْعَمْنَا  
عَلَيْكَ (زخرف ۶۰)

اور جب مریم کے بیٹے کی کماوت بیان کی گئی، تب ہی تیری  
قوم اُس سے چلانے لگتی ہے اور بولی کہ ہمارے معبود اچھے  
ہیں یا وہ، یہ نام جو وہ تجھ پر دھرتے ہیں صرف جھگڑنے  
کو، بلکہ وہ جھگڑاویں، وہ تو ایک بندہ ہے جس پر ہم نے  
فضل کیا،

قریش کو معلوم تھا کہ اسلام عیسیٰ بن مریم کو بندہ اور رسول مانتا ہے، خدا نہیں، باوجود اس کے عیسائیوں  
کی طرح مسلمانوں کو بھی حضرت عیسیٰ کے ماننے کی وجہ سے عیسیٰ پرست تصور کر کے الزام دھرتے تھے، قرآن نے انکی  
اس بے معنی اعتراض کی تردید کی،

اسلام میں پیغمبروں کی کوئی تعداد محدود نہیں ہے، طبرانی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس  
انبیاء مبعوث ہوئے، ایک اور دوسری روایت میں اس سے کم تعداد بھی مروی ہے، قرآن پاک میں نام کے ساتھ  
صرف انہیں انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جنے عرب مانوس تھے، یا ان کے ہمسایہ یہود و نصاریٰ کے صحیفوں میں  
جنگلے مذکور تھے، قرآن میں بعض ایسے انبیاء بھی مذکور ہیں جنے عرب گو وقت تھے، مگر یہود و نصاریٰ ان سے بیخبر  
تھے، مثلاً حضرت ہود، اور حضرت شعیب، بعض ایسے ہیں جنکو وہ جانتے تھے، لیکن ان کو پیغمبر نہیں تسلیم کرتے تھے،  
مثلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان، وحی محمدی نے ان سب کو پیغمبر تسلیم کیا اور ان کی صداقت و غلظت کا اقرار کیا  
اسی سلسلہ میں ایک اور واقعیت کی طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب ہے، اسلام سے پہلے نبوت رسالت

اور پیغمبری کی کوئی خاص واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی، یہود کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیشینگوئی کے تھے، اور نبی پیشینگو کو کہتے تھے، اور اُس کے متعلق یقین کہتے تھے کہ اسی دعا یا بددعا فوراً قبول ہو جاتی ہے، اسی لیے حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی نبوت اور رسالت کا مندرجہ صندلا سا خاکہ اُن کے ہاں موجود ہے، بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ میں شالم کے کاہن، مالک کی پیغمبرانہ شان اُن کے نزدیک زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے، حضرت داؤد اور سلیمانؑ کی حیثیت بھی اُن کے ہاں صرف بادشاہ کی ہے، اور اُن کے زمانہ کی پیشینگوئی کرنے والے پیغمبر اور مین، یہی سبب ہے کہ یہود کے قصوں اور کتابوں میں اسرائیلی پیغمبروں کی طرف نہایت سخیف باتیں بہت اہل منسوب کی گئی ہیں، اسی طرح عیسائیوں میں بھی رسالت اور نبوت کی کوئی واضح حقیقت نہیں، ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ ”مجھے پہلے جو آئے وہ چور اور ڈاکو تھے، موجودہ انجیلوں میں نہ خدا کے رسولوں کی تعریف ہے، نہ اُن کے تذکرے ہیں، نہ انکی سچائی اور صداقت کی گواہی ہے، حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ جتنے تذکرے انجیل میں ہیں وہ بھی پیغمبرانہ شان کے ساتھ اُن کے ہاں مل نہیں، لیکن مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر اس جلیل القدر منصب کی حیثیت ظاہر کی، اُس کے فرائض بتائے اور اُس کے خصوصیات کا اظہار کیا، اور اُن سب پر ایمان لانا نجات کا ضروری ذریعہ قرار دیا، آپ نے بتایا کہ نبوت و رسالت خاص خاص انسانوں کو خدا کا بننا ہوا، ایک منصب ہے جس کو دیگر وہ دنیا میں اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہ خدا کے احکام کو لوگوں کو بتائیں، اور سچائی اور نیکی کا راستہ اُن کو دکھائیں، وہ ہادی (رہنما) تہذیب (مہیار کرنے والے) داعی (خدا کی طرف بلائے والے) بشر (خوشخبری سنانے والے) معسر (سکھانے والے) مبلغ (خدا کے احکام پہنچانے والے) اور نور (روشنی) تھے، خدا اُن سے ہم کلام ہوتا تھا، اور اپنی باتوں سے اُن کو مطلع کرتا تھا، اور وہ اُن سے انسانوں کو آگاہ کرتے تھے، وہ گناہوں سے پاک اور ایمان سے محفوظ تھے، وہ خدا کے نیک اور مقبول بندے تھے، اور اپنے عہد کے سب سے بہترین انسان تھے، اُن کے سب کام خدا کے لئے تھے، اور خدا اُن کے لیے تھا، یہ ہستی ان اپنے فرائض کو انجام دینے کے لیے ہر قوم میں پیدا ہوئے، انجیلوں نے

اُن کو مانا، انھوں نے نجات پائی اور جنھوں نے جھٹلایا وہ ہلاک و برباد ہوئے، قرآن پاک نے اُن کی زندگی کے سونچنے کی تبلیغ کی، رواد اُن کے اخلاق کی بلند مثالیں اور اُنکی خدا پرستی کا خلاصہ، اس طرح بیان کیا ہے، کہ اُن کے پرہیز اور سننے سے اُنکی پیروی کا جذبہ، اُنکی اتباع کا شوق، اور اُنکی صداقت کا یقین دلون میں پیدا ہو جاتا ہے، اور ساتھ ہی اُن کی طرے شان نبوت کے خلاف جو غلط باتیں دوسرے صحیفوں میں منسوب ہیں، اُن کو چھوڑ دیا ہے، یا اُنکی تردید کر دی ہے،

الغرض نبوت اور رسالت کی سب سے اہم خصوصیت اسلام نے جو یہ قرار دی کہ نبی و رسول گناہوں سے پاک اور برائیوں سے محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں، بنی اسرائیل کو نبوت و رسالت کے اس بلند تخیل کی ہوا بھی نہیں لگی تھی اس لیے انھوں نے نہایت بے باکی سے اپنے پیغمبروں کی طرف قہر کے گناہ منسوب کر دیے ہیں، عیسائی ایک حضرت عیسیٰ کو تو معصوم کہتے ہیں، باقی سب کی گنہ گاری کے قائل ہیں، لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کی عظمت کی ایک ہی سطح قائم کی اس کے نزدیک گناہوں سے پاکی اور عصمت تمام انبیاء اور مرسلین کا مشترک وصف ہے کہ جو خود گنہگار ہو وہ گناہگاروں کی رہنمائی کا مستحق نہیں کہ اندھا اندھے کو راہ نہیں دکھا سکتا، اس بنا پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی و تعلیم نے خدا کے تمام معصوموں کی عظمت و جلالت دنیا میں قائم کی اور جن کو باطلوں نے اُنکی عصمت بے گناہی کے دامن پر اپنے دہم و نادانی سے داغ لگائے تھے، اُن کو دھو کر پاک و صاف کیا، اور یہ رسالت محمدی کا عظیم نشان کا نام ہے،

خود تخیل کے طرز سے ظاہر تھا کہ حضرت عیسیٰ احکام عشرہ کے برخلاف اپنی مان کی عزت نہیں کرتے تھے تو قرآن نے اسکی تردید کی اور خود حضرت عیسیٰ کی زبان سے کہلایا،

وَبَرَّ الْوَالِدَیْنِ وَلَمْ یَجْعَلْ لِّیْ جِبَارًا شَفِیْعًا، اور اپنی مان کیساتھ شکی کرنے والا، اور مجھ کو خدا نے جبار

وہ بہت عزت نہیں بنایا،

(مردیہ - ۲)

کیونکہ احکام عشرہ کے مطابق مان باپ کا ادب نہ کرنا بخشتی تھی، اسی طرح موجودہ انجیل نے حضرت عیسیٰ

کے سر پر تھوپا ہے کہ وہ نماز روزہ کی پروا نہ کرتے تھے، قرآن نے اُن کی زبان سے اُلوایا،

وَ اَوْصَانِي بِالْعَلَوٰتِ وَالزُّكُوٰتِ مَا دُمْتُ حَيًّا، اور خدا نے مجھ کو نماز اور روزہ کا حکم دیا، جب تک میں

(سریعہ ۲) جیسا رہوں،

یہود حضرت مریم پر تہمت رکھتے تھے، قرآن نے اس الزام کو دور کیا، اور کہا،

وَمَرْيَمُ ابْنَتْ عِيسٰی الَّتٰی اٰخَصَّنَا فِیْهَا اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے

فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا اُسین اپنی مزح چھوٹی اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں

وَكَلِمَةٍ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ۔ (تحریر ۲) اور اُنکی کتابوں کو سچ جانا اور وہ بندگی کرنے والوں میں تھی،

وہم پرست یہود حضرت یسایان کو گناہ تعویذ اور غیبات وغیرہ کا موجد سمجھتے تھے، حالانکہ حیر و جاد و وغیرہ توراۃ

میں شرک قرار دیا جا چکا تھا، اور علانیہ یہودیوں کے اس الزام کی تردید کی،

وَمَا كَفَرْنَا بِسَيِّئَانِ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا اور یسایان نے کفر کا کام کیا، بلکہ شیطانوں نے کیا، گوگوں کو

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (لقہ ۸-۱۲) وہ جادو سکھاتے تھے،

اسی طرح حضرت لوط پر بدکاری کا جو الزام یہود لگاتے ہیں اُنکی تردید کی،

اوپر گزر چکا ہے کہ قرآن نے یا انحضرت صلعم نے دنیا کے تمام پیغمبروں کے نام نہیں لئے ہیں، کہ صرف ناموں کی

نہایت یا معلوم اشخاص کے نام لینے سے دلوں میں جوش عقیدت نہیں پیدا ہو سکتا، تاہم معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ

صلعم کی صدا و دعوت ایک نیا دنیا کے کناروں تک پہنچی، اور بہت سی غیر قومیں اور دوسرے انبیاء کی امتیں اس حلقہ

میں داخل ہوئی اور اپنے اپنے انبیاء کا نام و نشان صحیفہ محمدی میں ہیکش کر گئی اس لیے ایک جامع آیت میں تمام

انبیاء کا تذکرہ کر دیا گیا اور اُنکی صداقت کی پہچان بنا دی، فرمایا،

اَنَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰی نُوْحٍ ہم نے (اسے محمد) تمہارے پاس وحی بھیجی، جس طرح نوح اور

وَالْبَنِيْنَ مِنْ بَعْدِهِ وَاَوْحَيْنَا اِلٰی اِبْرٰہِیْمَ اُن کے بعد کے پیغمبروں کو بھیجی، ہم نے ابراہیم کو اور اسماعیل کو اور



وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَآلَهُمْ  
 وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَهَارُونَ وَصَلِّ وَسَلِّمْ  
 دَاوُدَ نَبِيًّا وَهُوَ سَلَامٌ قَدْ قَصَصْنَاهُمْ  
 عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَهُوَ سَلَامٌ لَكَ نَقَّصْنَاهُمْ  
 عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا وَهُوَ سَلَامٌ  
 مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِنَاسٍ عَلَى اللَّهِ  
 حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

اسحاق کو، یعقوب کو اور ان کے خاندان کو اور عیسیٰ کو اور ہارون کو اور یونس کو اور سلیمان کو و جی بھیجی اور داؤد کو زبور عطا کی اور دوسرے رسولوں کو بھیجا جنکا حال تم سے ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور ان رسولوں کو جنکا حال ہم نے تم سے بیان نہیں کیا، اور خدا نے موسیٰ سے بات کی، ان رسولوں کو خوشخبری سنانے والا اور ہشیار کرنے والا بنا کر بھیجا تاکہ لوگوں کو رسولوں کے جانیکے بعد کے آگے کوئی عذاب باقی نہ رہ جائے اور خدا غالب اور دانا ہو،

(نساء ۲۳)

انبیاء کے متعلق یہی حقیقت سورہ مومن میں دوبارہ بیان کی گئی ہے،

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ  
 اور ہم نے یقیناً تم سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے، ان میں کچھ وہ ہیں جنکا حال تم سے بیان کیا ہے، اور کچھ وہ ہیں جنکا حال تم سے بیان نہیں کیا،

(مومن - ۸)

تعلیم محمدی کے اصول کے مطابق یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی قوموں اور ملکوں میں جیسے چین، ایران، ہندوستان میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے خدا کے انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں، اور اس لیے یہ تمام قومیں اپنے جن بزرگوں کی عزت و عظمت کرتی ہیں اور اپنے دین و مذہب کو انکی طرف منسوب کرتی ہیں انکی صداقت اور راستبازی کا قطعی انکار کوئی مسلمان نہیں کر سکتا، اسی بنا پر بعض علماء نے ہندوستان کے کرشن اور رام کو بلکہ ایران کے زردشت کو بھی، اور بعض صاحبوں نے تو بودھ تک کو بھی پیغمبر کہا ہے، بہر حال امکان میں تو شک ہی نہیں لیکن یقین کیسا تھا ناموں کی تعیین بھی حد سے تجاوز کرنا ہے، اصل یہ ہے کہ قرآن نے انبیاء کی دو قسمیں کی ہیں، ایک وہ جن کے ناموں کی

لے کلمات طبقات حضرت شاہ مرزا مظہر جانجانا، ص ۱۷۱، نخل ابن حرم،

اُس نے تصریح کی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام اس نے بیان نہیں کئے، ایسے صحیح یہ ہے کہ جن انبیاء کے نام مذکور ہیں، تمام مسلمانوں کو اُن پر نام بنام ایمان لانا چاہئے، اور جنکے نام مذکور نہیں انکی نسبت صرف یہ اجمالی ایمان کافی ہے کہ اُن قوموں میں بھی خدا کے فرستادہ اور پیغمبر آئے لیکن تخصیص اُن کے نام نہیں معلوم، وہ قومیں جنکا نام لیتی ہیں اگر انکی زندگی اور انکی تعلیم نبوت اور رسالت کی شان کے مطابق ہیں، تو انکی نبوت اور رسالت کی طرف رجحان اور میلان بلکہ قرینہ غالب ہو سکتا ہے، لیکن یقین اس لیے نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے پاس ان باتوں پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف وحی محمدیؐ ہو اور وہ اس تخصیص یقین سے خاموش ہے،

اس قسم کے انبیاء جنکے نام کو قرآن میں مذکور نہیں، مگر وہ آنحضرت صلیم کے پہلے گذر چکے ہیں اور اُن کے پیروانوں اپنے ہاں نبوت و رسالت کا یہ درجہ دیتے ہیں، انکی شناخت اور پہچان کا ایک اصول قرآن نے مقرر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی ہے،

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (نحل - ۵)

اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی پرستش کرو اور جھوٹے معبود سے بچے رہو،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْ (انبیاء - ۲)

اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا لیکن اُسکو ہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں، مجھے کو پوجو،

اس لیے وہ تمام قدیم رہبرانِ انسانی اور رہنمایانِ عالم جو دنیا میں کسی مذہب کو لائے ہوں، اور جنکی تبلیغ اور تعلیم توحید کی دعوت اور بت پرستی سے اجتناب تھی، اور انکی زندگی اس تعلیم کے نمایانِ شان تھی، انکی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی قوم کے اور اپنے وقت کے رسول اور پیغمبر نہ تھے، کہ اتنی بڑی بڑی قومیں خود قرآن کے اصول کی بنا پر انبیاء اور رسولوں کے وجود سے خالی نہیں ہو سکتیں، اس بنا پر اسلام کی ان تفصیلات میں سے جنکے تسلیم کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، ایک یہ ہے کہ وہ تمام ملکوں کے پیغمبروں اور تمام قوموں کے رسولوں کو جو حضرت خاتم نبوت صلیم کے زمانے سے پہلے پیدا ہوئے، یکساں صداقت کیساتھ تسلیم کرے، ان سب نے تمام دنیا کو ایک ہی تعلیم دی ہو اور وہ

توحید ہے، البتہ ان انبیاء میں سے ایک کو دوسرے پر بعض بعض حقیقتوں سے ترجیح دی

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ  
ان رسولوں میں سے کسی کو کسی پر فضیلت دی، ان میں سے  
اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۚ وَآتَيْنَا عِيسَى  
کسی اللہ نے کلام کیا اور کسی کے بہت درجے بڑھائے اور ہم نے عیسیٰ بن

مَرْيَمَ الْبَلَدِثِ وَأَتَيْنَاهُ مَرْيَمَ الْقُدُسِ (نور: ۳۳) مریم کو نشانیاں دیں اور سچائی کی روح سے ہنسنے اسکی تائید کی،

اپنے دوسرے انبیاء کی جائز تعظیم و تحکیم یہاں تک کی ہے، کہ ان کے مقابلہ میں کبھی کبھی اپنی ہستی بھی فراموش کر دی  
ہے، ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ کو یا خَیْرَ الْبَرِّیَّةِ "اے بہترین خلقی! لکھ کر خطاب کیا، فرمایا "وہ تو برا ہے تمہارے لیے"  
ایک دفعہ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ سب سے بزرگ عالی خاندان کون تھا؟ فرمایا "یوسف بن یوسف بن یوسف بن خلیل اللہ"  
ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک یہودی مدینہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ "قسم ہے اُس ذات کی جس نے موسیٰؑ کو نبی پر فضیلت دی"  
ایک مسلمان کھڑے ہوئے، اُن کو غصہ آیا کہ ہمارے پیغمبر کی موجودگی میں تم یہ کہہ رہے ہو، اور اسکو ایک تھپڑ کھینچ کر مارا  
اس نے دربار نبوی میں جا کر شکایت کی، آپ نے اُن صحابی کو بلایا بھیجا، اور مقدمہ کی روداد سن لی، اور نہایت برہم ہو کر فرمایا  
کہ "پیغمبروں میں باہم ایک دوسرے پر فضیلت نہیں، وہ یعنی ایسی فضیلت جس سے کسی دوسرے نبی کی تنقیص ہو،

یہی وہ تعلیمات محمدی ہیں جنکے ذریعہ سے دنیا میں وحدت مذہب، روحانی مساوات، انسانی اخوت، اور

انبیاء اور پیغمبروں کے ادب و احترام کے جذبات پیدا ہوئے، بنی اسرائیل کے وہ پیغمبر جنکو ماننے والے تمام دنیا میں چند  
لاکھ سے زیادہ نہ تھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انکی عظمت و جلالت اور ادب و احترام کرنے والے چالیس کروڑ سے زیادہ  
ہو گئے، وہ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ جو چھ سو برس تک یہودیوں کی جھوٹی تہمت سے رہے تھے، محمد رسول اللہؐ نے  
اگر اُس کو مٹایا، اور انکی پاکی کی گواہی دی جس کے بدولت آج چالیس کروڑ زبانیں انکی عصمت کی شہادت دے رہی ہیں  
ہندوستان، ایران، چین جن کے پچھ رہنماؤں کا اُن کے ملک سے باہر کوئی ادب نہ تھا، جہاں جہاں مسلمان گئے انکے  
جائز ادب و احترام کو اپنے ساتھ لے گئے،

لے مسند ابن جنبل جلد ۱ صفحہ ۱۵۲، صحیح بخاری مناقب حضرت یوسف ص ۴۶۹، صحیح بخاری مناقب حضرت موسیٰ ص ۴۸۵،

وہ عرب جو پیغمبروں کے ناموں تک سے ناواقف تھے جو نبوت و رسالت کے خصائص کے علم سے محروم تھے، جو انبیاء اور رسولوں کی سیرتوں سے نا آشنا تھے جو ان کے ادب و احترام اور تصدیق و اعتراف سے بیگانہ تھے اور جن کو اپنے دیوتاؤں کے سامنے عیسیٰ بن مریم پر تحقیرانہ منہسی آتی تھی، اور جو حضرت موسیٰ کی فضیلت کا ذکر سکر اپنے غصہ کو ضبط نہ کر سکتے تھے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ان کا یہ حال ہوا کہ وہ ایک ایک پیغمبر کے نام و نشان اور تاریخ و سیرت سے واقف ہوئے، تبرکاً ان کے ناموں پر اپنی اولادوں کے نام رکھے، اور آج تمام مسلمانوں میں وہ نام شائع اور ذائع ہیں، انکی صداقت اور سچائی کی گواہی دی، ان کے ادب و احترام کو اپنے سینوں میں جگہ دی، ان کی تعظیم و تکریم کو اپنے دین و ایمان کا جز بنالیا، دنیا کی کسی قوم میں یہ رواج نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نام اور بے لیے جان کر ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ جب کسی پیغمبر کا نام لے تو ادب سے لے اور ان پر درود و سلام پڑھے،



# کتاب الہی ایمان

## وکتبہ

ایک مسلمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے صحیفہ وحی پر ایمان لائے، ہر خدیہ عقیدہ پھیلے عقیدہ رسالت کا لازمی نتیجہ ہے، یعنی رسول کو رسول مان لینا اور اس کی تعلیمات و وحی کو مان لینے کا مراد ہے تاہم یہ تصریح اسلئے کی گئی، تاکہ یہ پوری طرح صاف اور واضح ہو جائے کہ رسول کو رسول مان لینے کے بعد اس کے صحیفہ وحی کو مان کر اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ہے، سورہ بقرہ کے شروع ہی میں سچے مومنوں کی تعریف میں کہا گیا،

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا  
أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۖ (بقرہ ۸-۱) (اسے تمہاری گائی.....)

کتاب الہی پر ایمان لانے سے مقصود، ان تمام صدقاتوں اور حکموں کو بجا کر دل قبول کرنا ہے جو ہمیں مذکورہ میں یہ گویا پوری شریعت مطہرہ کے قبول کر لینے کی مختصر ترین دفعہ ہے، اور اس لیے ایمانیات کی بہت سی دوسری باتیں جنکی تفصیل ہر موقع پر ضروری نہیں، اس ایک فقرہ کے تحت میں آجاتی ہیں، اس لیے قرآن پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ قرآن میں علمی و سلی، عقائد و عبادات و احکام کی باتیں ہیں ان سب کو بے کم و کاست ہم تسلیم کرتے ہیں، کہ اگر کوئی سرے سے انکو تسلیم ہی نہیں کرتا، تو انکی تعمیل پیروی کا اس سے کیونکر مطالبہ ہو سکتا ہے؟ اسی بنا پر اس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ بِمَا جِئْتُ بِهِ جُؤْ بِمَنْ يَكْرِيَا اُس پر ایمان لاؤ، قرآن نے کہا،

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَيْنَا مِنْ رَبِّكَ ۚ (محمد-۱) اور جو ایمان لائے اُسپر جو تمہارا کتاب لایا گیا،

لیکن قرآن اگر اتنا ہی کتنا کہ میرے پیرو صرف مجھ پر ایمان لائیں، تو یہ کوئی اہم بات نہوتی کہ ہر صاحب مذہب کی یہی تعلیم ہوتی ہے، قرآن نے اپنے عقائد کی اس دفعہ میں بھی اپنے تکمیلی پہلو کو پیش نظر رکھا اور قرار دیا کہ اہل قرآن کے ساتھ ہی دوسری آسمانی کتابوں کی صداقت کو بھی تسلیم کریں یعنی کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک صحیفہ محمدی کے ساتھ ساتھ دوسرے پیغمبروں کے صحیفوں کو بھی من جانب اللہ تسلیم نہ کرے، چنانچہ سورہ بقرہ کے شروع والی مذکورہ آیت کے ساتھ یہ بھی فرمایا

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ ۲-۱۱)

اور جو ایمان لائے اور جو تجھ پر اترا اور جو تجھ سے پہلے اتر ا

پھر اسی سورہ کے آخر میں فرمایا،

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِ

رسول ایمان لایا اور جو خدا کی طرف سے اُس پر اترا اور اہل ایمان بھی ہر ایک خدا پر اُس کے فرشتوں پر اور ان کی کتابوں پر

(بقرہ ۲-۲۰) ایمان لایا،

بقرہ کی آیتوں میں بعض انبیاء علیہم السلام کی تفصیل اور بقیہ تمام انبیاء کا اجمالی ذکر کر کے ان کی کتابوں اور وحیوں کی تصدیق کا حکم دیا گیا ہے،

قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعٖلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَآلِ عِيسٰى وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ النَّبِيِّينَ مِنْ رَبِّهِمْ (بقرہ ۲-۱۶)

(اے مسلمانو!) تم کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف اترا گیا اُس پر اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور عیسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اُن پر اور جو کچھ اُن کے پیغمبروں کو ان کی پروردگار کی طرف سے دیا گیا، ہم ان سب پر ایمان لائے

آل عمران میں کسی قدر اور تفصیل ہے،

قُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ

کہہ کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہم پر اترا گیا اُس پر اور جو کچھ ابراہیم

ابراہیم واسماعیل و یعقوب و یوسف  
اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور خاندان یعقوب پر اتارا  
وَمَا أَوْفَىٰ مَوْثِقِي الْعَبَدِ مِنَ الْإِيمَانِ  
گیا، اُسپر اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اُسپر اور دوسرے  
(ال عمران - ۹۰)

سورہ نسا میں اُس پر ایمان لانے کے حکم کیساتھ اُس کے انکار کو گفرت قرار دیا گیا،  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ  
اِسے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو، ایمان لاؤ خدا پر اُس کے رسول  
وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ  
پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر اتاری، اور اُس  
الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ  
کتاب پر جو پہلے اتاری، اور جس نے خدا کا اور اُس کے فرستادوں  
وَمَلَائِكَتِهِ وَكِتَابِهِ... فَقَدْ ضَلَّ  
کا اور اُسکی کتابوں کا انکار کیا..... وہ نہایت  
ضَلَالًا بَعِيدًا (البقرہ - ۲۰۰) گمراہ ہوا،

سورہ مومن میں ان منکروں کو عذاب کی بھی دھمکی دی گئی ہے جو کسی پیغمبر کے پیغام کی بھی تکذیب کریں  
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَمِمَّا أَرْسَلْنَا بِهِ  
جن لوگوں نے کتاب کو اور جو پیغام دیکر ہم نے اپنی پیغمبروں  
رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ إِذْ أَلَا غُلُّ فِي  
کو بھیجا، اوکو جھٹلایا، وہ عقرب جانیں گے جب انکی گردن  
أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ (مومن - ۸۰)  
میں طوق اور زنجیریں ہونگی اور وہ کھینچے جائیں گے،

نام کی تخصیص کیساتھ قرآن پاک میں چار اسمانی کتابوں کا ذکر ہے، توراہ جسکو ایک جگہ صحیف موسیٰ بھی  
کہا گیا ہے، زبور اور حضرت داؤد کی زبور اور حضرت عیسیٰ کی انجیل اور خود قرآن اُن کے علاوہ ایک موقع پر  
صحیف ابراہیم کا بھی تذکرہ ہے،

إِنَّ هَذِهِ أَلْفِ الصُّحُفِ الْأُولَىٰ صُحُفِ الْإِبْرَاهِيمَ  
یہ باتیں گزشتہ صفحوں میں بھی ہیں، ابراہیم اور موسیٰ  
وَمُوسَىٰ (اعطی - ۲) کے صفحوں میں،

ان کے ماسوا اجمال کے ساتھ دو موقعوں پر گزشتہ اسمانی کتابوں اور صحیفوں کے الفاظ ہیں،

اَوْ لَمْ يَلْبِسُوْهُمۡ بَيْنَهُمَا فِي الصُّحُفِ الْاُولٰٓئِیْ، کیا اگلے صحیفوں میں جو کچھ ہے، اس کی گواہی اداں کو

نہیں پہنچی؟

(طہ - ۸)

وَ اِنَّهٗ لَفِي زُبُرِ الْاُولٰٓئِیْنَ، (شعراء - ۱۱) اور بے شک یہ پہلوں کی کتابوں میں مذکور ہے،

اس بنا پر انبیاء کی طرح ان کتابوں پر بھی اُسی طرح تفصیل اور اجمالی ایمان ہر مسلمان کا ہے، جن کتابوں کے نام مذکور ہیں ان پر ناموں کیساتھ اور جن کے نام مذکور نہیں ان پر بالاجمال ایمان ضروری ہے کسی قوم میں اگر کوئی ایسی آسمانی کتاب ہے جس کا وجود قرآن سے پہلے ہے، اور اس کا تصریحی نام قرآن میں مذکور نہیں، اور انہیں توحید الہی کی دعوت اور طاغوت سے بچنے کی نصیحت ہے، تو اگرچہ ہم اس کو تبصریح خدا کی کتاب قبول نہیں کر سکتے تاہم با تبصریح اس کو رد بھی نہیں کر سکتے، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اہل کتاب کی تصدیق کرو، اور نہ تکذیب، یہی حال دوسری شکوک کتابوں کا ہے،

یہود، تورات کے سوا کچھ نہیں مانتے، عیسائی تورات کے احکام کو نہیں مانتے، لیکن اس کی اخلاقی نصیحتوں کو قبول کرتے ہیں، مگر انجیل سے پہلے کی دوسری زبانوں اور ملکوں کی آسمانی کتابوں کی نسبت مسلمانوں کی طرح ادب اور احتیاط کا پہلو بھی اختیار نہیں کرتے، پاری اوستا کے باہر خدا کے کلام ہونے کا شہدہ بھی نہیں کر سکتے اور برہمن یدوں کے باہر خدا کے فیضان کا تصور بھی نہیں کر سکتے، لیکن قرآن پر ایمان لانے والا مجبور ہے کہ صحیفہ ابراہیم، تورات، زبور اور انجیل کو خدا کی کتابیں تسلیم کر لے، ورنہ پوری بشریت کی آسمانی کتابوں کی جنہیں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں، تکذیب نہ کرے، اگر ان کا کتب الہی ہونا ممکن ہے، حقیقت میں اسلام کی تعلیم دنیا کے ہر مہتمم بارشاد تعلیمات میں سے ہے، جس کا وجود کسی دوسرے مذہب میں نہ تھا، یہ رواداری، بے تعصبی اور عام انسانی اخوت کی سب سے بڑی تعلیم ہے، یہودی اپنی کتاب کو چھوڑ کر تمام دوسری آسمانی کتابوں سے انکار کر کے بھی نہایت کا شطرہ رکھتا ہے، عیسائی تورات اور تمام دوسرے صحیفوں کا انکار کر کے بھی آسمانی بادشاہی کا متوقع ہو سکتا ہے، پاری اوستا کے سوا دوسری زبانوں کو باطل مانتے ہیں، چنٹ کا استحقاق پیدا کر سکتا ہے، ہندو اپنے ویدوں کے سوا دنیا کی ہر آسمانی کتاب کو جہل و فریب مانتے ہیں، اداگوں کے

ملکہ صوفی  
کتاب التوحید  
حدیث الافاکہ  
تفسیر سورۃ بقرہ



نجات حاصل کر سکتا ہے، بودھ مت والے اپنے سوا تمام دنیا کی حیوان کا انکار کر کے بھی نروان کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں، مگر مسلمان جب تک قرآن کے ساتھ تمام دنیا کی آسمانی کتابوں کو منجانب اللہ تسلیم کریں جنت کے حق نہیں ہو سکتے یہ تعلیم صرف نظریہ کی حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ عملاً اس پر اسلامی حکومت کے قوانین اور احکام مبنی ہیں، یہی لوگ کی نظر میں دنیا میں صرف دو ہی قومیں ہیں، بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل یا اسرائیل کا گھرانہ اور غیر قومیں یا مومن اور غیر مومن اور انھیں دونوں تقسیموں پر ان کے قانون کی بنیاد ہے عیسائیوں میں مذہبی حیثیت سے مسیحی اور یہود اور بت گوتہن قومیں مانی جاتی ہیں، مگر چونکہ ان کے مذہب میں قانون نہیں اس لیے وہ اکثر امور میں رومن لاکے ماتحت رہے ہیں، لیکن رومن عیسائیوں میں بھی ملکی حیثیت سے دو ہی تقسیمیں ہیں، رومی اور غیر رومی، اور ایک رومی ملک میں غیر رومی کا کوئی حق نہیں، کہ رومی حکومت کے لیے اور غیر رومی غلامی کے لیے پیدا ہوا ہے، پارسیوں میں پاک شتران ایران، اور بیرونی لوگ دنیا کی دو ہی حیثیتیں ہیں، ہندوؤں میں، اونچی ذاتیں اور اچھوت اور پٹھ قوموں کی دو ہی صورتیں ہیں،

مگر اسلام کے اسی عقیدہ کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قانون کی حیثیت سے دنیا کی قوموں کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا، اور ان کے علاوہ علیحدہ حقوق قرار دیے، اور اسلام کی تیرہ صدیوں میں ان پر برابر عمل ہوتا رہا، یہ تقسیمیں حسب ذیل ہیں،

۱۔ مسلمان جو قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں کو کتاب الہی یقین کرتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو کابھائی، اور ہر اچھائی اور برائی میں وہ ایک دوسرے کا شریک ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے سے شادی بیاہ کر سکتے ہیں، اور ایک دوسرے کے ہاتھ سے ذبح کئے ہوئے جانور کھا سکتے ہیں، اور اسلام کی سلطنت میں ان کے حقوق یکساں ہیں،

۲۔ اہل کتاب، یعنی ان کتابوں کے پیروجنکے نام قرآن میں مذکور ہیں، یا یون کہو کہ جو قرآن کو گو آسمانی کتاب نہیں مانتے، مگر ان کتابوں میں سے جنکا نام قرآن میں مذکور ہو کسی کو وہ آسمانی کتاب مانتے ہیں، وہ

اپنی حفاظت کا مالی گیس (جزئیہ) اور اگر کے اسلامی حکومتوں میں رہ سکتے ہیں ان کے معابد اور مذہبی عمارتیں محفوظ رہیں گی ان کو اپنے مذہب کے بدلے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، ان کی جان مال اور عزت کے مسلمان محافظ رہیں گے ان کی عورتوں سے مسلمان نکاح کر سکتے ہیں اور ان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھا سکتے ہیں ان کا جائز کھانا ہم کھا سکتے ہیں، اور ہم اپنا کھانا ان کو کھلا سکتے ہیں،

**۳۔ شبہ اہل الکتاب** یعنی وہ لوگ جو قرآن اور تورات و انجیل زبور کو نہیں مانتے، مگر وہ خود اپنے لیے کسی آسمانی کتاب پر ایمان لانے کے مدعی ہیں جیسے صابی جو ایک آسمانی کتاب کے دعویٰ کے باوجود ستاروں کو پوجتے تھے اور مجوس یعنی پارسی جو ایک آسمانی کتاب کا دعویٰ کرتے ہیں اور ساتھ ہی سورج اور آگ اور دیگر مظاہر قدرت کی پرستش کرتے ہیں ترکستان اور سندھ کے موقع پر علماء اسلام نے انہیں ترقیاس کر کے ہندوؤں اور بودھوں وغیرہ کو بھی اسی صف میں داخل کیا، مسلمان ان کی عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے اور ان کا ذبیحہ نہیں کھا سکتے، ان دو باتوں کے علاوہ اہل کتاب کے بقیہ تمام حقوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا کئے، وہ اسلامی حکومتوں میں اہل جزیرہ کے بعد ہر قسم کے ملکی حقوق میں شریک ہیں ان کی جان مال آبرو اور ان کے بعد ان کی حفاظت اسلامی حکومتوں کا فرض ہے،

**۴۔ کفار اور مشرکین**، جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ وہ کسی نبی الہی کی طرف منسوب ہیں ان کو خدا شرطا کیساتھ امن یا جاسکتا ہے لیکن حقوق کے حصول کیلئے ان کو کہا جائیگا کہ وہ کسی کسی آسمانی دین کے اندر اپنے کو داخل کر لیں جیسا کہ ابتدائی عباسیوں کے زمانہ میں حرانی عراقیوں نے اپنے کو صابیوں میں داخل کر کے اپنے لیے حقوق حاصل کیے اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم نے دنیا میں امن امان اور مسلمانوں میں مذہبی داری کے پیدا کرنے میں کتنا عظیم الشان حصہ لیا ہے وہ نظریہ تھا جس نے مسلمانوں کو ان کی اپنے مذہبی عقائد و شریعت کی سخت پیروی کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کیساتھ مشارکت اور میل جول کیلئے آمادہ کیا، اور مجوسیوں، صابیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کیساتھ مل کر مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی قوت پسند کی،

وحدۃ الادیان | تمام رسولوں اور ان کے صحیفوں کی تصدیق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ کی تعلیم یہ ہو کہ آدم سے لیکر محمد علیہا السلام تک جتنے سچے مذہب خدا کی طرف سے آئے وہ سب ایک تھے، چنانچہ حقیقت اپنی تعلیم ہی تھی اسلام اسی ایک مذہب کا نام ہے جو آدم سے محمد علیہا السلام تک باری باری سے پیغمبروں کے ذریعہ آ رہا اور انسانوں کو اسکی تعلیم دیجاتی رہی،

صحیفہ محمدی نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کئے ہیں 'ایک دین' اور دوسرا شریعت اور منک اور منہاج شریعت اور منہاج کے معنی راستہ کے ہیں اور منک کے معنی طریق عبادت کے ہیں، دنیا میں یہ راز سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلیم کے قلب پاک پر منکشف ہوا کہ دین الہی ہمیشہ ایک تھا ایک رہا اور ایک رہیگا، نوید معرفت ایک ہے، خواہ وہ کتنی ہی مختلف شکل و رنگ کی قندیلوں میں روشن ہو، اصل دین میں تمام پیغمبروں کی تعلیم یکساں تھی ایک ہی دین تھا جس کو لے کر اول سے آخر تک تمام انبیاء آتے رہے، اُسین زمان و مکان کے تغیر کو کوئی دخل نہیں اور نہ قوم و ملک کے اختلاف سے اُسین کوئی اختلاف ہوا، وہ ہر زمانہ میں اور ہر مقام میں یکساں آیا اور وہ ان کے پیغمبروں نے اُسکی یکساں تعلیم دی، یہ دائمی حقیقت اور یکساں تعلیم کیا ہے؟ یہ مذہب کے اصل اصول ہیں یعنی خدا کی ہستی اور اسکی توحید، اُس کے صفات کاملہ انبیاء اور مرسلین کی بعثت، خدا کی خالص عبادت، حقوق انسانی اور اخلاق اچھے اور برے اعمال کی باز پرس اور جزا و سزا، یہ تمام مذاہب کے وہ بنیادی امور ہیں، جن پر علم مذہب حلقہ کا اتفاق ہے، اگر ان میں کسی جہت سے کوئی اختلاف ہو تو یا تو طریقہ تعبیر کی غلطی ہے، یا باہر سے آکر اُس تعلیم میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہو،

دوسری چیز جسکو آنحضرت صلیم کی زبان وحی ترجمان نے شریعت، منہاج اور منک کہا ہے، وہ جزئیات احکام اور متفقہ حصول مقصد کے جدا جدا راستے ہیں، جو ہر قوم و مذہب کی زمانی و مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہے ہیں، مثلاً عبادت الہی ہر مذہب کا جزو لازم ہے، لیکن طریق عبادت میں تھوڑا تھوڑا اختلاف ہر مذہب میں موجود ہے، عبادت کی کوئی خاص سمت ہر مذہب میں ہے، مگر وہ سمت ہر مذہب نے اپنی اپنی مصلحت سے الگ مقرر کی ہے، اسی طرح اعمال فاسدہ کا انسداد ہر مذہب کا متفقہ نصب العین ہے، مگر اس انسداد کے راستے اور طریقے جدا جدا ہیں، غرض

یہ راستے اور طریقے مختلف پیغمبرین کے زمانوں میں اگر اصلاح اور تبدیل کے قابل پائے گئے، تو بدلتے رہے، مگر اصل دین جو ازلی و ابدی صداقت ہے، ناقابل تبدیل اور ناقابل تغیر رہا ہے،

انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں وقتاً فوقتاً طور اسی ضرورت سے ہوتا رہا کہ وہ اسی ازلی و ابدی صداقت کو ہمیشہ اہل دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں، اور دین کو اپنے اصل مرکز پر ہمیشہ قائم رکھیں، اور ساتھ ہی اپنے قوم و ملک اور زمانہ کے مطابق احکام اور جزئیات جو ان کے لیے مناسب حال ہوں وہ ان کو بتائیں اور سکھائیں،

انبیاء کے سوانح پر نظر کرنے سے اسکی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ ایک صاحب شریعت نبی کے بعد دوسرا صاحب شریعت نبی اُسی وقت مبعوث ہوا ہے جب اسکا صحیفہ وحی جو اُس کے دین و شریعت کا محافظ ہوتا ہے، کھو گیا ہے، یا انسانی ہاتھوں کے دست برد سے ایسا بدل گیا ہے کہ اصلیت متنبہ ہو گئی ہے، صحیفہ ابراہیم کے گم ہو جانے کے بعد جب کائنات پر خلاصہ تورات کے سفر تکوین میں ہے، صحیفہ موسیٰ نازل ہوا صحیفہ موسیٰ کے اختلافات کو دور کرنے کے لیے زبور وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے، پھر اسکی تکمیل کے لیے انجیل آئی، اور انجیل میں انسانی تصرفات کے راہ پانے کے بعد قرآن آیا، اور چونکہ وہ دنیا کے آخر تک کے لیے آیا، اس لیے ہر تحریف اور انسانی تصرف سے اسکی حفاظت کی گئی، اور قیامت تک کی جائیگی، اسی لیے اُس کے بعد کسی اور صحیفہ کی ضرورت نہیں، اور نہ کسی پیغمبر کی بعثت کی حاجت، البتہ اُس کے معانی کی صحیح تشریح اور بدعات و احداثات کے انہاد کے لیے ائمہ خلفاء، مجددین، مجددین اور علمائے راہنما پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے، اور انکی اصلاح کی صداقت کی پہچان سنتِ محمدی کا احیاء اور بدعات کا قلع و قمع ہے،

اب ہم کو پھر اوپر سے چلنا ہے، اور اپنے ایک ایک دعویٰ کو وحیِ محمدی کی روشنی میں دیکھنا ہے۔  
”وحدتِ دین“ کی حقیقت کو وحیِ اسلامی کے آخری ترجمان نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے:-

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي	”دین میں تمہارے لئے وہی راہ ڈالی جو اُس نے نوح کو کی تھی“
اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِمْ اَبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ اَقِمْوْا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا	اور جو ہم نے تم کو بھیجا تم کو، اور جو کہدیا ہم نے ابراہیم کو، اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو، یہ کہ ”دین کو قائم رکھو اور اُس میں تفرق نہ ڈالو“

فِيهِ كَذِبٌ عَلَى الْمُشْرِكِينَ، مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ  
 اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ  
 يُنِيبُ، وَمَا تَقْرَفُوا آلَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ  
 الْعِلْمُ بَعِيًا تَبَيَّنَهُمْ، وَلَوْ كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ  
 رَبِّكَ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى لَفُصِّلَ بِسَمْعِهِمْ وَأَنْتَ  
 الَّذِي أَنْزَلْنَا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَبَيِّتَ  
 مَرِيِبٍ، فَلَنْ يَكْفُرُوا وَلَاسْتَغْفِرُ لَهُمْ  
 وَلَا تَسْجَعُ أَهْوَاءَهُمْ رَقُلْ أَنْتَ بِمَسَا  
 أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ لَدُنْكَ وَاسْمُتْ لَا تَعْدِلْ لِنَفْسِكَ  
 اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ  
 لَا تَجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا  
 إِلَيْهِ الْمَصِيرُ

(شوری ۲۰)

مشرکوں کو جہد سے روکنا ہے وہ ان پر گراں گذرتا ہے، خدا اپنی نظر  
 جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور اپنی طرف اسکو راہ دیتا ہے جو راہی  
 طرف رجوع ہوتا ہے، اور یہ تفرقے انھوں نے وحی کے علم حقیقی  
 ملنے کے بعد آپس کی ضد اور تعصب سے پیدا کئے، اور اگر تیرے  
 رب کی طرف سے ایک بات وقت مقررہ تک کے لیے نہ ہو چکی  
 ہوتی تو کشف حقیقت کر کے ان کے اختلافات کا فیصلہ  
 کر دیا جاتا، اور جبکہ ان اگلوں کے بعد کتاب وراثت میں ملی  
 وہ اس امر حق کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جو ان کو چین  
 نہیں پہنچتا، تو سب کو اسی حقیقت کی طرف بلا، اور اسی پر  
 استواری سے قائم رہ، اور ان تفرقہ اندازوں کی غلط فہمونیوں  
 کی پیروی نہ کرو، اور کہہ کہ میں ایمان لایا ہر اس کتاب پر جو خدا نے  
 اتاری، اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے بیچ میں انصاف کروں  
 ہمارا رب اور تمہارا رب ہی ایک اللہ ہے، ہر کام کا بدلہ لے گا، اور

ان آیات مبارکہ میں کس خوبی کے ساتھ اس حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھایا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ وہی  
 ایک دین ہے جو نوح کو، ابراہیم کو، موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور تم کو اسے محمد (صلوات اللہ علیہم) عطا کیا گیا ہے، اگلوں کے  
 بعد پھلوں نے جسکو یہ کتاب ملی، اپنے ذہنی تحریفات اور دستی تفرقات سے اس میں تفرقے پیدا کئے، اور آپس کی ضد اور  
 تعصبات سے الگ الگ فرقہ داری کی راہیں نکالیں، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس وحدت دین کی حقیقت کا یقین  
 اہل کتاب کو نہیں، حالانکہ وہ شکوک و شبہات کے دلدل میں پھنسے ہیں، پھر حکم ہوتا ہے کہ اسے محمد رسول اللہ، تو اس  
 حقیقت کی طرف لوگوں کو بلا، اور استواری کے ساتھ اپنی اس عیبت اور دعویٰ پر قائم رہ، اور یہ اعلان کرو کہ میرا مسلک

یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو کتاب بھی دنیا میں آئی ہو، اس کی صداقت کو تسلیم کرتا ہوں اور تم اسے اہل کتاب جو مختلف فرقوں اور مذہبوں میں بٹے ہو، اُن کیساتھ انصاف کرو، یعنی جہین جو سچائی ہے اسکو قبول کرو، یا معاملات میں اُن کے ساتھ عدل انصاف کرو، پھر فرمایا ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے، دو نہیں ہے، اگر اتحاد چاہو تو اس نقطہ پر ہم تم متحد ہو سکتے ہیں البتہ ہمارے اور تمہارے راستوں میں جو اختلاف ہے اس کے ذمہ دار ہم اور تم خود ہیں، ہمارے کام کے تم جو ابدہ نہیں اور تمہارے کام کے ہم نہیں، اب ہمارے تمہارے درمیان کوئی یہان جھگڑا نہیں،

اسی وحدت کی دعوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی نے ایک اور آیت میں دی،

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ  
أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَ  
لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ  
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَنُفِصِلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
الْعَمَلُ (۷۰ - ۷۱)

اے کتاب والو! آؤ ہم تم ایک بات پر جو ہمارے تمہارے  
درمیان یکساں ہے، متفق ہو جائیں، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا  
کسی کی پرستش نہ کریں، ورنہ کسی کو اسکا شریک بنائیں اور نہ  
انہیں ایک ایک کو خدا کو چھوڑ کر رب بنائیں، اگر وہ منکر قبول نہ  
کریں تو کہہ دے کہ تم گواہ ہو کہ ہم حکم الہی کے تابع (مسلم) ہیں

یہود و نصاریٰ جنہوں نے اپنی فرقہ داریوں سے اصل دین میں تفریق پیدا کر دی تھیں اُن کی طرف اشارہ

کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا،

إِنَّ الَّذِينَ قَدْ تَوَلَّوْا دِينَهُمْ وَمَكَانُوا مُتَبِعِينَ لَمْ تَكُنْ  
مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ  
يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (انعام - ۲۰)

بیشک وہ جنہوں نے اپنے دین میں الگ الگ راہیں لیں  
اور کسی فرقے ہو گئے، نبھکوا اُن سے کوئی کام نہیں لے سکتا کہ  
حوالہ ہی وہی انکو خدا کا جیسا کچھ وہ کرتے تھے،

پھر وہ دونوں کو اس کے بعد ہی اصل دین "دینِ قیم" جو ابراہیم کا تھا، اسکی دعوت دی گئی،

قُلْ إِنِّي هَدَىٰ رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ، دُنْيَا  
رَبِّكَ مُسْلِمَةٌ لِّرَبِّهِمْ حَتَّىٰ تَأْمُرَهُمْ أَنْ يَمْسُكُوا  
رَبِّكَ مُسْلِمَةٌ لِّرَبِّهِمْ حَتَّىٰ تَأْمُرَهُمْ أَنْ يَمْسُكُوا

اُنہوں سے کہ مجھے سیدھا راستا ہی سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کی جو دینِ قیم  
ہے، ابراہیم کی ملت، اور وہ ابراہیم، مشرکوں میں سے نہ تھا

غرض اسلام وہ دین قیم ہے جو ہمیشہ سے انبیاء کا دین رہا، اور موجودہ دین اسلام یہود و نصاریٰ کی تحریفات اور  
تصرفات اور فرقہ پروریوں کو مٹا کر اسی ایک متحدہ دین کی پکار ہے، جسکی طرف انبیاء اپنے اپنے زمانوں میں ہمیشہ لوگوں کو  
پکارتے رہے، اسی لیے اکثر انبیاء علیہم السلام کے ناموں کو گنانے کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی گئی،

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَقْبَدُوا ۖ يَوْمَ لَا تُنْفَعُ

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی، سو تو انھیں

کی راہ چل،

(انعام - ۱۰)

بعض اسلامی حدود و شرائع کی تشریح کے بعد فرمایا گیا،

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَجْمَعًا وَيُطَهِّرَ الْبَاطِلَ وَيُخَذِّبَ لَكُمْ

خدا چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کرے اور تم کو ان کے

راستے دکھائے جو تم سے آگے تھے،

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (نساء - ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اپنے حدود و شرائع میں بھی اگلے پیغمبروں کی تعلیمات کیساتھ اتھا ور کھتا ہے اور یہ

امروا قہ ہے، جو لوگ قرآن کا اسیلے انکار کرتے تھے کہ یہ کوئی الگ صحیفہ ہے، ان سے یہ کہا گیا،

إِنَّ هَذَا نَفِثُ الصُّحُفِ الْأُولَى، صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ

بے شبہ یہ بات، اگلے صحیفوں میں تھی، یعنی ابراہیم اور

موسیٰ کے صحیفوں میں،

وَمُوسَى، (اعلیٰ - ۱)

ایک اور آیت میں کہا گیا،

وَرَأَيْتُ نَفِثَ رُسُلِ الْأَوَّلِينَ (سجرات - ۱۱)

اور یہی پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں تھا،

ایک مقام پر یہ فرمایا گیا،

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ

(اے محمد) تجھ سے (اس کتاب میں) وہی کہا گیا ہے جو

تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا،

(حجرات - ۵)

اس اعلان میں یہ ظاہر کر دیا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی کہا گیا جو اگلے پیغمبروں سے کہا جا چکا تھا، ان مضمون

میں قرآن کوئی نئی دعوت یا کفر نہیں آیا، بلکہ اسی پرانی دعوت کی یہ تکرار ہے، جس کی آواز دنیا سے گم ہو چکی تھی یا بگڑ گئی تھی

اگر ستر ہے تو اجمال تفصیل یا نقص تکمیل کا کہ اسلام گذشتہ اجمال کی تفصیل اور دین سابق کی تکمیل ہی

اس لیے اسلام یہ ہے کہ اس پر یقین کیا جائے کہ وحی کے آغاز سے آخر تک ایک ہی پیغام تھا جو آتا رہا، اور ایک ہی دین تھا جو سکھایا جاتا رہا، اور ایک ہی حقیقت تھی جو دہرائی جاتی رہی، لیکن وہ بار بار انسانوں کے نسیان و تغافل اور لغزش و تحریف سے بدلتی اور گم ہوتی رہی، اور آخری دفعہ دنیا کے کمال بلوغ کے زمانہ میں وہ پوری حفاظت کے وعدہ کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مفصل اور کامل ہو کر نازل ہوئی، اور وہ قیامت تک محفوظ باقی رہی،

دوسری چیز جس کی مذہب بنی ثنائی حیثیت ہے اور جو اصل مقصد نہیں، ذریعہ ہے، وہ بدلتی رہتی ہے، اور محمدی تک بدلتی رہی ہے، اُس کا نام شریعہ، مہراج، اور مذہب ہے، یہودیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض تھا کہ وہ یہودی شریعت کے جزئیات میں کیوں تبدیلی کرتے ہیں، قرآن نے اس کے جواب میں یہی ہمیشہ کہا کہ یہ مقصد نہیں فی الواقع اصول نہیں فروع ہیں، ہر قوم کی مناسبت سے اُممیں تغیر ہوتا رہا ہے، اور ہوتا رہے گا، اُنکی ایک مثال قبلہ ہے کہ مقصد اصلی نماز ہے اور سمت کا تعین ایک فنی اور ثنائی چیز ہے، حضرت اود کی اولاد بنی اسرائیل کو اپنی آبائی مسجد (بیت المقدس) کو گرویدگی تھی، وہ انکا قبلہ ہوئی، اور یہودیوں کو اپنی مرکزی مسجد (کعبہ) کی وہی دلچسپی اور لگاؤ تھا، اسی لیے یہ انکا قبلہ بنی، چنانچہ قرآن نے تعین قبلہ کے موقع پر کہا:-

وَكُلٌّ وَجْهَهُ لِمَوْلَاهُمْ لِيَكُنُوا فَاسْتَبَقُوا الْحَيَاتِ  
اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جدھر وہ منہ کرتا ہے، تو منہ کرے

(بقراءۃ ۱۸-۱۷) کی طرف ہمت کر دو،

یعنی سمتوں اور جہتوں کی تعین کو اہمیت کی چیز نہ سمجھو، بلکہ نیکیوں کو اصلی اہمیت دو، اسی لیے فرمایا:-

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ  
بنی یہی نہیں ہو کہ تم پورب یا پچھم کی طرف رخ کرو، بلکہ نیکی

وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ الْإِلَهِ (بقراءۃ ۲۲)  
ہے کہ جو ایمان لائے (اور دوسرے نیکیاں کام کرے)

اسی طرح خانہ کعبہ کا حج یہودیوں میں نہ تھا، اسلام نے جب اسکو رائج کیا تو کہا ہر مذہب نے اپنے لیے عام مذہبی

اجتماع اور قومی عبادت کے لیے کوئی نہ کوئی طریقہ مقرر کیا ہے، اسلام نے خانہ کعبہ کے حج کو اس کے لیے متعین کیا،

كُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا  
ہر قوم کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا کہ اس قوم



يَا زَعْنَتِ فِي الْأَمْرِ وَاذْعِ إِلَىٰ رَبِّكَ مَا إِنَّكَ  
لَعَٰلَهْدَىٰ مُسْتَقِيمٍ. وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ  
أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ. (رج-۹)

کے لگ اُس طرح بندگی ادا کرتے ہیں، سو اس بات میں دیکھیں  
جھگڑانہ کریں، تو اپنے رب کی طرف بلائے جا، تو بیشک سوچ کی  
سیدھی راہ پر ہی اور اگر وہ مجھ سے جھگڑنے لگیں تو کہہ دے کہ اللہ  
جانتا ہے جو تم کرتے ہو،

سورہ مائدہ میں عدل و انصاف اور قانونی جزا و سزا کے طریقوں کے ضمن میں اُن یہودیوں اور عیسائیوں کو جنہوں نے  
اسلام قبول نہیں کیا، یہی کہا کہ وہ اپنی اپنی کتابوں ہی کے احکام پر عمل کریں، جنکو وہ چھوڑ بیٹھے ہیں،  
پہلے یہودیوں کو کہا،

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ  
بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا  
وَالرَّبَّابِيُّونَ الْأَعْيَانُ اسْتَفْظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا  
عَلَيْهِ شُهَدَاءَ، (مائدہ-۵)

ہم نے تورات اتاری، اس میں ہدایت اور روشنی تھی، پیغمبروں کو  
تھے وہ یہود کا فیصلہ کرتے اور اُن کے عالم اور فقہاء کے لگ  
کتاب پر وہ نگہبان تھے، اور وہ تھے اوس پر  
خبردار،

عیسائی شریعت کی نسبت کہا،

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ صَدَقًا  
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَإِنَّهُ لَفِي زَكَاةٍ  
فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ  
مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ، وَ  
بِخَلْقِهِمْ أَهْلَ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ  
(مائدہ-۷)

اور ہم نے ان پیغمبروں کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا  
بتاتا ہوا اوسکو جو اُس کے پہلے تھا یعنی تورات، اور ہم نے اُسکو  
انجیل دی، اس میں ہدایت اور روشنی اور تصدیق کرتی ہوئی آیتوں  
سے پہلے کی یعنی تورات کی، اور ہدایت اور نصیحت پر ہرگز گاروں  
کے لیے اور چاہتے کہ انجیل اُسے اوس کا حکم دین جو  
اُس میں اترا،

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے،

وَإِنْزِلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ (مائدہ ۷۷)

اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کیساتھ اتاری، جو اپنے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہو، اور امانت کیساتھ اس پر شامل ہو، سوتوان کے درمیان اسکے مطابق فیصلہ کر جو خدا نے اتارا اور تیرے پاس جو سچائی آئی ہے اسکو چھوڑ کر انکی خواہشوں کی پیروی نہ کر

دیکھو کہ کس خوبی کے ساتھ صحیفہ محمدی نے اگلی کتابوں کی تصدیق اور مدح و تعریف کی، اور ان اہل مذاہب کو جو اسلام پر ایمان نہیں لائے اپنی اپنی کتب منزلہ پر عمل کرنے کی دعوت دی، اور پھر یہ دعویٰ کیا کہ قرآن تمام گذشتہ کتابوں پر امین و محافظ بنکر آیا ہے، اور اس میں ان سب کتابوں کی سچائیاں یکجا ہیں، لیکن ان لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں کو چھوڑ کر اہواء (غلط خواہشوں) کی پیروی شروع کر دی، یہ اہواء کیا ہیں، کتاب الہی میں تحریف و تصرف کر کے آسانیاں پیدا کرنا اور احکام الہی کے مقابلہ میں انسانی اجتہادات کی آمیزش (ذَوِیْلُ الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ الْکِتَابَ یَا یُدِّیْهِمْ ثُمَّ لَیَقُولُنَّ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ) "افسوس ہے ان پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب بناتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے" (بقرہ - ۹)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ اپنی شریعت الہی کو چھوڑ کر ان اہل کتاب کی اہواء کی پیروی نہ کر، اس کے بعد حد و دھجرا و منرا میں ان خفیف اختلافات اور تبدیلی کو جو تورات، انجیل اور قرآن میں ہے، غیر اہم بتایا گیا، فرمایا،

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ط

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور

(مائدہ ۷۷) ایک راستہ بنا دیا

انہیں اختلافات کی بنا پر یہود اور نصاریٰ دونوں ایک دوسرے کو برسرِ باطل کہتے تھے،

قَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَ قَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَ

اور یہود نے کہا نصاریٰ کچھ راہ پر نہیں، اور نصاریٰ نے

کہا یہود کچھ حق پر نہیں، حالانکہ وہ دونوں خدا کی کتاب

ہم سے ملتی ہیں، (بقرہ - ۱۲۷)

پڑھتے ہیں،

دونوں مل کر مسلمانوں سے کہتے تھے۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا (بقرة - ۱۳۰)

اور انھوں نے کہا کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ،

ارشاد ہوا کہ تم دونوں اپنے الگ الگ راستوں کو چھوڑ کر آؤ، اصل دین ابراہیمی پر متفق ہو جاؤ،

قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ  
فَوَلِّوْا أَمْنًا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ  
إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ  
وَلَا سُبُطًا وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ  
النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ  
مِنْهُمْ وَفَحَنُّكَ لَهُ مُسْلِمُونَ، فَإِنْ آمَنُوا بِغُلِ  
مَّا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا  
هُمْ فِي شِقَاقٍ (بقرة - ۱۳۰)

کہ بلکہ ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جو موحد تھا، مشرک نہ تھا  
اور کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف اترا اور جو ابراہیم اور  
اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اسکی اولاد پر اتارا گیا، اور  
جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو سب نبیوں کو ان کے خدا کی  
طرف سے دیا گیا، سب پر ایمان لائے، ہم ان رسولوں میں فرق  
نہیں کرتے، اور ہم اس ایک خدا کے تابع ہیں، تو اگر یہ بھی  
طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو انھوں نے ہدایت  
پائی، اور اگر روگردانی کی تو وہی ہیں خدا اور مخالفت پر،

یہود اور نصاریٰ کو یہ وعظی تھا،

لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى (آل عمران - ۸۵)

جواب دیا گیا،

تِلْكَ أَمَّا نِيَّتُهُمْ (بقرة - ۱۳۰)

یہ ان کی باطل آرزوئیں ہیں،

بلکہ

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرٌ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (آل عمران - ۱۳۰)

ہاں جس نے بھی اپنے کو خدا کا مطیع بنایا، اور وہ نیکو کار رہا  
تو اسکی مزدوری اُس کے خدا کے پاس ہے، نہ ان کو خوف  
ہوگا اور نہ غم،

تمام اہل مذاہب کو یکساں خطاب کر کے فرمایا،  
 اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارَیْ  
 بَیْنَکُمْ جَوَیْمَانٌ لَّاۤ اَیُّہُمْ اِلٰہٌ (یعنی مسلمان) اور جو یہودی ہوئے  
 اور نصاریٰ اور صابئی جو بھی خدا پر اور آخری دن پر ایمان لایا  
 اور نیک عمل کیا، تو ان کی مزدوری ان کے پروردگار کے پاس  
 وَلَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (یعنی) ہے، نہ ان پر خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے،

اب جو ایمان لائے یعنی مسلمان اور جو یہودی بنے اور نصاریٰ اور صابئین ان میں سے جو بھی اپنے اپنے دین پر  
 نبوت میں خدا کی توحید پر روزِ آخر کی صداقت پر ایمان لایا، اور اچھے عمل کیے ان کو اپنے کام کا پورا پورا ثواب ملیگا یعنی  
 بھی اپنے اپنے پیغمبر کی اصلی تعلیم اور سچی شریعت کے مطابق جو شرک و کفر و بت پرستی سے یقیناً پاک تھی، عمل کیا، اس کو  
 اس کا ثواب ملیگا، خدا کی توحید اور روزِ آخر کی صداقت پر ایمان لانا، اور اچھے کام کرنا صرف عقل کی ہدایت سے نہیں ہو سکتا  
 بلکہ کسی رسول کی تعلیم ہی سے ہو سکتا ہے، جیسا کہ تمام اہل مذاہب کا متفقہ مسئلہ ہے، اس لئے رسالت کی تصدیق بھی اس کے  
 ضمن میں داخل ہے کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْفِرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ  
 بَیْکَ جواہر اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے  
 اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ  
 ہین کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں جدائی کریں، اور کہتے  
 نُوْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُکْفِرُ بِبَعْضٍ وَیُرِیْدُوْنَ  
 ہین کہ ہم کسی کو مانتے ہیں اور کسی کو نہیں مانتے اور چاہتے  
 اَنْ یَّتَّخِذُوْا ذٰلِكَ سَبِیْلًاۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ  
 ہین کہ وہ ایمان و میان کا راستہ اختیار کریں، وہ جتنی  
 الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِّلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا  
 کافروں اور ہم نے کافروں کیلئے ہانت کرنا اور عذاب  
 مُّہِیْنًاۙ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ  
 تیار کیا ہو اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے  
 یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْہُمْۙ اُولٰٓئِکَ سَوَۤءٌ  
 اور ان میں سے کسی کا بھی انکار نہیں کیا، یہ وہ ہیں جن کو  
 یُؤْتِیْہُمْ اُجْرَہُمْ وَكَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا  
 انکی مزدوری دینا چاہیگا، اور خدا بخشنے والا مہربان ہے،

دوسری آیت میں ہے،

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

لائے،

(نور- ۹)

اسی بنا پر ان آیتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ قبولِ عمل کے لیے ایمان مشروط ہے اور دوسرے یہ کہ ایمان عمل کے علم کے لیے نبی کی تصدیق ضروری ہے اسی لیے اوپر جن چار فرقوں کا ذکر کیا، وہ چاروں وہ ہیں جو کسی نہ کسی پیغمبر کے ماننے والے ہیں اس بنا پر کامل اسلام یہ ہے کہ تمام رسولوں کو صادق مانا جائے، چنانچہ اوس کی تفصیل

سورہ مائدہ میں ہے،

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نُنزِلُهَا عَلَى نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ حَتَّىٰ تُخَيِّرَ الْمُؤْمِنِينَ  
وَمَا أَجْنَلُ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ شَرِّ كُذِّبَتْ  
لَكَرِيهَاتٌ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ  
رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوَّارِ  
الْكَاذِبِينَ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا  
وَالصَّابِقُونَ وَالنَّصَارَىٰ مِنْ أَمِنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَعَسَلِ صَلَاحًا فَلَا خِفَ عَلَيْهِمْ وَلَا  
هُمْ يَخْزَنُونَ، (مائدا- ۱۰)

اس کے بعد ہی اس کا ذکر ہے کہ یہودیوں نے ہمیشہ رسولوں کا انکار کیا ہے، اور نصاریٰ توحید کو چھوڑ کر بتائیت

اور الوہیتِ مسیح میں مبتلا ہو گئے، اس لیے اصل اسلام سے یہ دونوں ہٹ گئے ہیں، فرمایا،

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ رَأَوْا سَلْمَنَا  
إِلَيْهِمْ رُسُلَنَا كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا

بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا، اور ان کی طرف کئی  
رسول بھیجے، جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ان کی

كَاهِنًا اَوْ قُرْبَانًا فَمِنْ قُلُوبِهِمْ  
 وَحَسِبُوا اَلَا تَكُنْ فِتْنَةً فَعَمُوا  
 وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا  
 كَثِيرًا مِنْهُمْ وَاللّٰهُ بِصِرَتِهِمْ لَعْمَلُونِ  
 لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ  
 ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يَبْنٰى اِسْرَءِيْلَ  
 اَعْبُدُوْا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مِنْ شُرَكَائِكُمْ  
 بِاللّٰهِ فَقَدْ هَوَّاهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا وُلِّهٖ  
 النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ لَقَدْ  
 كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَلَاثَةٌ وَوَحَدٌ  
 مِّنَ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَاحِدٌ وَّانْ لَّمْ يَنْتَهُوْا  
 عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ  
 عَذَابٌ اَلِيْمٌ (مائدا - ۱۰)

نغمائی خواہشوں کے خلاف احکام لیکر آیا، تو کتوں کو چھٹا  
 اور کتوں کا خون کرنے لگے، اور خیال کیا کہ اس سے کچھ بڑا  
 نہ ہوگی، سو اندھے ہو گئے اور بہرے، پھر خدا ان پر جوع  
 ہوا، پھر ان میں بہتیرے اندھے اور بہرے ہوئے اور اللہ  
 دیکھتا رہا جو وہ کرتے ہیں، بے شہم وہ کافر ہوئے جنہوں نے  
 یہ کہا کہ مریم کا بیٹا مسیح ہی اللہ ہے، مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ  
 اسے بنی اسرائیل اللہ کو پوجو میرا اور تمہارا رب ہے  
 بیشک جو اللہ کا شریک بنائے گا تو اللہ نے اس پر جنت  
 حرام کر دی، اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہے، اور گنہگاروں  
 کی کوئی مدد کرنے والا نہیں، بے شہم وہ کافر ہوئے جنہوں نے  
 یہ کہا کہ اللہ تین تیسرا ہے، حالانکہ کوئی اللہ نہیں کہ  
 وہی ایک، اگر وہ اپنے اس قول سے باز نہ آئے، تو کافروں  
 کو یقیناً دردناک عذاب چھوئے گا،

یہ تو ان یہود و نصاریٰ کے ایمان کا حال تھا اس کے بعد اسی رکوع میں ان کے حسن عمل کا جائزہ لیا گیا ہے

اور اسی کے بعد ہی ان سے کہا گیا ہے،

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَمْ يَأْخُذُوا  
 بِالْبَيِّنَاتِ مَا شَعَدُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ وَلٰكِنْ كَثِيْرًا  
 مِنْهُمْ فَاسِقُوْنَ (مائدا - ۱۱)

اور اگر اللہ اور اس نبی پر اور جو اس نبی پر اُمس پرے  
 ایمان لے آتے، تو ان مشرکوں کو وہ اپنا دوست نہ بناتے  
 لیکن ان میں اکثر فاسق ہیں،

اسلام نبی تمام نبیوں اور رسولوں کے واحد مشترک دین کا اصل لا حول و باقین ہیں تو حیدر کمال اور رب

عمومی، یعنی اللہ تعالیٰ کو توحید کی تمام صفتوں میں کامل بلا شریک ماننا اور اس کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں صادق اور راست باز تسلیم کرنا، چنانچہ فرمایا،

أَعْتَدَ دِينَ اللَّهِ يَتَّبِعُونَ وَلَهُ اسْلَمَ مَنْ فِي  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ  
يُرْجَعُونَ، قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا  
وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ  
وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ  
الْكِتَابَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نَفَرًا بَيْنَ أَهْلِ  
الْبَيْتِ وَخَنًا كَذَّابِينَ، وَمَنْ يَبْتَغِ  
غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ  
فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ،  
(ال عمران - ۹)

کیا وہ دین الہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں، حالانکہ  
جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوشی سے یا  
مجبوراً خدا کا مسلم یعنی فرمانبردار ہے، (اسے پیغمبر) کہ ہم  
اللہ پر اور جو اس نے ہم پر اتارا اور جو ابراہیم پر، اور اسحاق  
پر اور اسحاق پر، اور یعقوب پر، اور اسحاق کی اولادوں پر  
اترا، اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور سب پیغمبروں کو ان کے  
رب کی طرف سے ملا، ہم سب کی صداقت کو تسلیم کرتے  
ہیں ان میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اسی خدا کے  
مسلم یعنی فرمانبردار ہیں اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے  
تو وہ اس سے قبول نہ ہوگا، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھائے

اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا پر اور تمام رسولوں پر ایمان لانا دین اللہ ہے اور اسی کا نام اسلام ہے جس نے اس اصول کو قبول نہیں کیا وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا، آل عمران میں ہے کہ یہود و نصاریٰ تاویلات باطلہ اور اتباع متشابہات سے گمراہ ہو گئے، یعنی دین اسلام سے روگردان ہو گئے، اور اختلافات میں پڑ گئے، فرمایا،

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ  
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ  
الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ

بیشک دین خدا کے نزدیک اسلام ہے، اور  
دی گئی انھوں نے علم آنے کے بعد  
سبب سے اختلاف کیا، اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار

فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ، فَإِنْ حَاجَّكَ فَقُلْ أَتَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ،  
 تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے تو اگر (اے پیغمبر) یہ تجھ سے پھر  
 کچھ بھی کریں تو کہہ دے کہ میں نے اور میرے پیروں نے تو  
 اپنے کو خدا کا تابع فرمان (مسلم) کر دیا، (ال عمران - ۲)

اسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ سے سوال کریں کہ وہ اس اسلام کو قبول کرتے ہیں؟  
 وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَلَا مَبِيتِينَ أَتَسْلَمُونَ؟  
 اور اے پیغمبر! ان سے جن کو کتاب دی گئی اور عرب کے جاہلون سے  
 کہہ دے کہ کیا تم نے بھی اسلام قبول کیا، اگر کیا تو انھوں نے  
 فَاِنْ اَسْلَمُوا فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا  
 عَلَيْكَ الْبَلَاءُ وَاللَّهُ بِصِرَتِكَ أَعْبَادٌ،  
 سیدھی راہ پائی اور اگر انکار کیا تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے اور  
 اللہ بندوں کو دکھتا ہے، (ال عمران - ۲)

یہود و نصاریٰ کو اس اسلام کے قبول کرنے پر ہدایت تامہ ملنے کی بشارت ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ  
 اسلام ہدایت تامہ ہے کہ یہ وہ دین ہے جسکو یہود و نصاریٰ اور تمام اہل مذاہب نے جو کسی گزشتہ پیغمبر کی امت ہوں  
 کھو دیا تھا، اور اب جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دوبارہ دنیا میں پیش کیا گیا، اس لیے جو ہدایت ان کے پاس  
 تھی وہ ناقص تھی، اور اسلام جسکو آپ کر آیا وہ کامل ہے، نیز یہ معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں یہ کہا گیا ہے کہ اب جو ایمان لائے  
 اور جو یہودی ہوئے اور نصرانی اور صابئی جو بھی خدا اور یوم آخر پر ایمان لایا، اور اُس نے نیک کام کیا، اُس کو خوف و غم  
 نہ ہوگا، اُن میں خدا پر ایمان لانے سے مقصود "توحیدِ کامل" ہے، اور اس کا یہ منشا نہیں کہ یہود و نصاریٰ اور صابئی وغیرہ  
 اپنے موجودہ ہی گمراہ عقیدوں کے ساتھ نجات کلی کے مستحق ہیں، یہود و نصاریٰ کیا، مسلمان بھی اس توحیدِ کامل کے بغیر  
 نجات کلی کے مستحق نہیں، جب تک یہ ایمان اور عملِ صالح ٹھیک اُس تعلیم کے مطابق نہ ہوں جو ان کے رسول کے ذریعہ  
 دنیا میں آئی، یہ اصول ہر ایک کے لیے ہے خواہ وہ مسلمان ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، صابئی ہو، کسی نبی کی پیروی کا  
 مدعی ہو،

نبوتِ محمدی کا دعویٰ یہ نہیں کہ وہی ایک ہدایت ہے اور اُس کے سوا سب ضلالت ہے، بلکہ یہ دعویٰ ہے کہ



دی ایک کامل ہدایت ہے، اور بقیہ اس وقت سب ناقص ہیں یعنی وہ ابھی کامل ہدایت جو اپنے اپنے وقتوں میں سب  
لے کر آتے رہے، اور ان کے پیرو، اپنے تاویلات، تحریفات، تصرفات اور اختلافات سے اوسکو برباد کر چکے تھے، اوسی  
کو لیکر آخری دفعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اب ہدایت ہمیشہ کامل رہیگی، پھر کبھی ناقص نہ ہوگی کہ اسکا صحیفہ ہدایت تحریف و تشویش  
و تصرف سے محفوظ و پاک رہیگا،

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو نبوت محمدی کی دعوت جہان دہکائی ہے، ہدایت کی بشارت سنائی گئی ہے پتلی

اسی آیت میں جوابی اور گزری یہ ہے،

وَقُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا صُلُوحٌ مِّنْهُم مَّا سَلِمُوا إِلَىٰ مَن سَلِمَ إِلَيْهِمْ  
فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا،

(ال عمران - ۲) سیدھی راہ پائی،

سورہ بقرہ میں ہے،

قُلْ لَّوْ أَنَا مَلَأْتُ بِاللهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ  
إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ  
وَأَدَّاسَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ  
النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ  
وَنُحْنُ لَكَ مُسْلِمُونَ، فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آتَيْنَا  
سِمْ قَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي

دائے سلفانی کہہ کہ ہم اللہ پر اور جو ہم پر اترا، اور جو ابراہیم پر اور  
پراور اسحاق پر اور یعقوب پر اور انکی اولاد پر اترا، اور جو موسیٰ کو  
اور عیسیٰ کو اور سب پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا،  
سب پر ایمان لائے، ہم ان میں کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے  
اور ہم اسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہیں، تو اگر یہ بھی اسی طرح  
امین جس طرح تم نے مانا تو تمہوں نے سیدھی راہ پائی اور اگر

تَشْفَاقِ ج (بقرہ ۱۷۰)

یہ اس سب سے بڑی توفیق محض ضد میں ہیں

یہود و نصاریٰ اور اہل کتاب کو تعلیم محمدی کی طرف دعوت اسی ہدایت کے پاسنے کے لیے ہے، جو اسلام یعنی  
انبیاء کے دین ازی سے عبارت ہے، اور لیکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے، اور فلاح و نجات کامل

اب اسی میں منحصر ہے،

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ  
مِنْ قَبْلِكَ وَيَأْتِيهِمْ هُمْ يَوْمُ الْقِيَامِ  
عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

جو اُس کو جو تیری طرف راستے پیغمبر بناؤ اور جو تجھ سے پہلے اترے،  
دونوں کو مانتے ہیں، اور پہلی زندگی پر یقین رکھتے ہیں وہی  
اپنے پروردگار کی ہدایت پر ہیں اور وہی کامیاب

(نہضہ-۱)

ہیں،

حضرت موسیٰ کے قصہ کے بعد فرمایا کہ رحمت الہی گو عام ہے، مگر یہ نعمت خاص طور سے اُن کا حصہ ہے، جو تعلیم

محمدی کو قبول کریں، اور وہی نجاتِ کامل کے مستحق ہیں،

وَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ مِنَ الْقُرْآنِ فَذَرْهُهُ لَعَلَّكَ يَلْتَذِ  
يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا  
يُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ  
الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُ دُونَهُ مَا كُنُوا بَاعِدِينَ هُمْ  
فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ  
وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ يُجِزِّلْ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ  
وَيُخَيِّرْ لَهُمُ الْخَبِيثَاتِ وَلِيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ  
وَلَا غُلْلًا الَّذِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَإِذَا ذُكِرُوا بِهَا  
بِهِ وَعُزِّرُوا وَبَرَّوْا وَلَا تَجْعَلُوا لَهَا  
أَنْزِلَ نَصْرَهُ، أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، قُلْ  
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَعَلْنَا  
بِالَّذِي لَكُمْ مَلَائِكَةُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَكُونُ

اور میری رحمت ہم چیز کو سانس ہے، پھر اُس رحمت کو اُن کیلئے  
لکھو لکھا جو پرہیزگار ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور جو ہمارے حکم  
کو مانتے ہیں، جو اُس اُن پر وہ فرستادہ پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں، جن  
وہ اپنے اُن تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں، جو اُن کو نیکی  
کا حکم دیتا اور بُرائی سے باز رکھتا ہے اور اچھی چیزوں کو اُن کیلئے  
محل کرتا اور بُری چیزوں کو حرام کرتا ہے، اور اُن کے بند  
کو اور اُن زنجیروں کو جو اُن پر پڑی تھیں اتارتا ہے، تو جو  
نے اُس پیغمبر کو مانا اور اُسکی تائید کی اور اُسکی مدد کی اور اُس  
روشنی کے پیچھے چلے جو اُس کے ساتھ اتری، وہی کامیاب  
ہیں، اُن کے دے (راستے پیغمبر) کہ اسے انسانوں میں تم سب  
کی طرف اُس خدا کا رسول ہوں، جسکی آسمانوں اور زمین  
کی شہنشاہی ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہی

اَلَا هُوَ يُخَبِّرُ وَيُمَيِّنُ مَا مَنَّوْا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ  
 اَلنَّبِيِّ اَلَّذِيْ يُوْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَ  
 اَتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (اعراف - ۱۹)

جلاتا اور وہی مارتا جو ہوا اللہ اور اس کے اس اُن پر پیغام  
 رسان رسول پر ایمان لاؤ، جو اللہ پر اور اسکی باتوں پر ایمان  
 رکھتا ہے، اور اس رسول کی پیروی کرو، تاکہ تم سیدھے  
 ان آیات میں صاف ظاہر کر دیا گیا، کہ گذشتہ اہل مذاہب کو محمد رسول اللہ صلعم پر ایمان لانا اس لیے ضروری  
 ہے کہ وہ دینِ خالص جو انسانی تصرفات اور آمیزشوں سے مکدر ہو گیا تھا، وہ صحیفہ الہی کی پیشگوئیوں کے مطابق  
 آپ کے ذریعہ پھر نکھار گیا ہے، اور جن اضافوں اور جزئیات احکام کی سختیوں کو انسانوں نے اس میں شامل کر دیا تھا  
 آپ کے ذریعہ دور گیران اور نیز آپ عالمگیر بنکر مبعوث ہوئے، اس لیے ہدایت کاملہ، نبوت عمومی اور نجات کاملہ اور  
 قلابِ تام لب وحی محمدی کے اندر محدود ہے،

الغرض دینِ محمدی کو قبول کرنا اس لیے تمام انسانوں پر ضروری ہے، کہ وہ دینِ ازلی جو ہر مذہب کا جوہر تھا،  
 اور جو اس کے پیروں کی تحریف و تصرف سے برباد ہو گیا تھا اسی کو صحیفہ محمدی لیکر آیا، اب وہ ہمیشہ محفوظ رہیگا، کیونکہ اسکا  
 بنی خاتم النبیین اسکا دین کامل دین، اور اس کا صحیفہ تمام صحیفہ الہی پر مہین اور حاوی ہے، اور قیامت تک خدا کی طرف  
 سے اسکی پوری حفاظت اور بقا کا وعدہ کیا گیا ہے، یہ چاروں دعویٰ یعنی تکمیل دین، قرآن کا مہین ہونا، قیامت تک  
 اسکا محفوظ و باقی رکھنا، اور ختم نبوت، حسبِ نیل لائل سے ثابت ہیں،

تکمیل دین | قرآن کے سوا کسی اور صحیفہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مکمل ہے، اور اس کے ذریعہ دینِ الہی اپنے تمام اصول  
 اور فروع (مناسک و مناج و شرائع) کی حیثیت سے تکمیل کو پہنچ گیا، بلکہ گذشتہ مذاہب میں سے ہر ایک نے اپنے وقت  
 میں ہی کہا کہ اس کے بعد ایک اور نبوت آئے گی جو اس کے کام کی تکمیل کرے گی، خدا نے حضرت موسیٰ سے فرمایا  
 ”میں اُن کے لیے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کر دوں گا، اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا“

اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا، وہ سب اُن سے کہیگا، (استثنا ۱۸ - ۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کے بعد اُن کے مانند ایک اور نبی آئے والا تھا جس کے منہ میں اللہ تعالیٰ

خود اپنا کلام دے گا، اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰ کی طرح ایک اور صاحب شریعت نبی خدا کے لئے کلام کیساتھ آئیگا، ایسا طرح حضرت عیسیٰ نے بھی کہا :-

”لیکن وہ فارقلیط (احمد) پاکیزگی کی روح ہے جسے باپ (خدا) میرے نام بھیجے گا اور تمہیں سب چیزیں دکھائے گا۔“

سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں، تمہیں یاد دلایا گیا، (یوحنا ۱۴-۲۶)

اور وہ فارقلیط (احمد) اگر دنیا کو گناہ سے راستی اور عدالت سے قصور وار ٹھہریگا، گناہ اس لیے کہ

وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے۔۔۔۔۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں، پر اب تم انکی برداشت

نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ اپنی سچائی کی روح نیکی کو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی،

اس لیے کہ وہ اپنی نیکی، لیکن جو کچھ نیکی سوچیگی، میری بزرگی کریگی (یوحنا ۱۶-۸)

حضرت عیسیٰ نے بھی اپنے کلام کو منہ زنا تمام ہی فرمایا، اور ایک آئندہ آنے والے کا تہہ دیا، جو انکی تکمیل کرے گا،

آخر وہ موعود الامم صلی اللہ علیہ وسلم آیا اور دعویٰ کیا کہ میں موسیٰ کے مانند نبی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسرائیل میں سے

آیا ہوں، اور میرے منہ میں خدا نے اپنی بولی ڈالی ہے، اور یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی وہ سچائی کی روح ہوں جو مسیح کی اصلی بڑائی ظاہر

کرنے سچائی کی راہ بتانے اور مسیح کی ادھوری بات کو کامل کرنے کے لیے آیا ہوں، میں اپنی نہیں کہتا، بلکہ وہی کہتا ہوں

جو اوپر سے سنتا ہوں، اور آخر منصب نبوت کے ختم پر وحی الہی نے انکی زبان سے یہ اعلان عام کیا،

اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ

نِعْمَتِي وَ رَحْمَتِي اَكْمَلْتُ لَكُمْ اِسْلَامَ دِينِكُمْ، (کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کا دین پسند کیا،)

اسی تکمیل کا یہ اثر تھا کہ اُس نے یہود کے بعض سخت فتنی احکام کو، جو انکی سخت گیری کے لیے اُن پر عائد تھے، اور

اصل دین ابراہیمی میں داخل نہ تھے، یا انسانوں کے اضافے اور تصرفات تھے، بدل کر ایسے مناسب اور آسان احکام

نازل کیے جو ہر زمانہ کے لیے موزون ہو سکتے ہوں، اسی لیے قرآن نے کسی اپنے بعد میں آنے والے کی پیشینگوئی نہیں کی

لے دیکھو آیت کُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلٰلًا لِّبَنِي اِسْرَآئِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآئِيْلُ عَلٰی نَفْسِهِ (ال عمران - ۱۰)

نہ کسی نئے کلام کے نزول کی خبر دی، نہ کسی نئی شریعت کا منظر کیا، نہ کسی نئے کلام اور کسی نئی شریعت کا موقع کہاں؟ اور اسی بنا پر قرآن نے ہر جگہ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ جو محمد صلعم سے پہلے نازل کیا گیا، پر ایمان لانے کی تاکید کی لیکن وَمَا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِكَ کے قبول کرنے کا کہیں شائبہ بھی نہیں،  
 قرآن میں کتب ہی اس دین کا کل صحیفہ تمام اگلی کتابوں کا مصدق ہے،

مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ، (مائدہ - ۷) اپنے آگے کی کتابوں کی تصدیق کرنے والا،

اور تمام اگلی کتابوں کی صدقوں اور تعلیموں پر مشتمل ہے، اس لیے جو کوئی اس صحیفہ کو قبول کرتا ہجوۃ تمام اگلی کتابوں کی صدقوں اور تعلیموں کو قبول کر لیتا ہے، یہ حیثیت قرآن کے سوا کسی دوسرے صحیفہ کو حاصل نہیں فرمایا:  
 وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ، اور ہم نے اسے محمدؐ تیری طرف سچائی کے ساتھ یہ کتاب اتاری جو اپنے سے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس پر شاہد و حاوی ہے، (مائدہ - ۷)

لفظ "ہمیں" کی تفسیر اہل زبان مفسرین نے یہ کی جو:

ابن عباسؓ، شاہد اور امین، قرآن اپنے پہلے کی ہر کتاب پر امین ہو،  
 قتادہ، قرآن سے پہلے جو کتابیں تھیں قرآن ان کا امین اور شاہد ہو،

غرض قرآن اگلی کتابوں کی صدقوں اور سچی تعلیموں کی امانت اپنے اندر رکھتا ہے،

قرآن محفوظ ہے اور سچا | سچے سچے تعلیم کی حفاظت اس کے صحیفہ الہی کی حفاظت پر موقوف ہے، قرآن سے پہلے کوئی کتاب الہی دانستہ اور نادانستہ لفظی تحریفات اور تصرفات سے تاملت رہی نہیں رہی الا کہوں یا مغیبون میں سے چند کے سوا کسی کا صحیفہ دنیا میں باقی نہیں اور جو باقی ہے وہ فنا ہو کر سُنے سنے کا لب مین بدلتا رہا ہے، تو راہ جل جل کر خاک ہوئی اور پھر ان سوختہ اوراق سے تحریر ہوئی، پھر ترجموں کی تحریفات سے اپنی اصل کھو بیٹھی انجیل میں تحریف و جعل تو اسی زمانہ میں شروع ہو چکا تھا، پھر ترجموں کی کتب جو نسبت سے حقیقت مشتبہ کر دی، از روشنت کا صحیفہ مسکندر کے مذہب کو

اور صرف گناہ کا ایک حصہ بچا کچا ہے، ان کتابوں کا یہ حال ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دائمی اور آخری مذہب بنا کر نہیں بھیجا تھا، اسی بنا پر اُن کی دائمی حفاظت کا وعدہ نہ تھا، لیکن قرآن کی نسبت یہ وعدہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لیے باقی اور محفوظ رہیگا، اسکی بقاء اور حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی، فرمایا اور پھر کس توفیق سے فرمایا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ، ہم نے اس نصیحت کی کتاب کو اتارا، اور بے شبہ ہم ہیں اسکی حفاظت کرنے والے، (سجہ - ۱)

یہ وعدہ الہی ایک اور دوسری آیت میں ان الفاظ میں دہرایا گیا،

إِن عَلَيْكَ جَمْعُهُمْ وَتِلَاؤُهُمْ، فَإِذَا قُرِئَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، تَحْرِيقًا عَلَيْهِمْ بَيِّنَاتُهُ، اور بیشک ہمارے ذمہ ہی اس (قرآن) کو سمیٹ کر رکھنا، اور اسکا پڑھنا، پھر جب ہم پڑھیں تو تو اُس کے پڑھنے کیساتھ رہ، پھر بے شبہ ہم پر ہے اُسکو کھول کر پانا، (قیامہ - ۱)

اس آیت میں قرآن کی قرأت یعنی لفظ و عبارت اور بیان یعنی معنی و دونوں کی ذمہ داری خدا سے تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لی ہے، ایک تیسری آیت میں اسکی تصریح ہے کہ اس حق میں باطل کی آمیزش کہیں راہ نہ پائیگی، فرمایا:

وَإِنَّهُ لَكُنْتُ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيَنَّكَ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ، اور بیشک یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو غالب ہو، باطل اُس کے سامنے سے اور نہ اُس کے پیچھے سے اُس کے پاس آئےگا، ایک حکمت والے اور خوبون والے کی طرف سے اترا، (خس - السجہ - ۵)

اس کتاب کو غالب فرمایا گیا، یعنی جو اپنے ہر حریف کو اپنے دلائل کے زور سے ہٹ کر لگی، باطل نہ اُس کے سامنے سے اُس میں مل سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، نہ لفظ و عبارت کی طرف سے اور نہ حقیقت و معنی کی بہت سے، کیونکہ وہ ایک حکمت والے کی طرف سے اتری ہے، اس لیے وہ اپنی حکمت و دانائی کی تعلیم سے غالب رہیگی اور چونکہ وہ ایک سر اسر خوبون والے کی جانب سے عطا ہوئی ہے، اس لیے یہ بھی ہر باطل کے عیسیکہ پاک رہیگی،

یہ قرآن کا اپنا دعویٰ ہے، اور ساتھ ہی تیرہ سو برس کی تاریخ اسکی صداقت پر گواہ ہے،

**ختم نبوت** | مقدمات بالا کا نتیجہ گو خود یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی قرآن کے بعد کسی صحیفہ کی اور اسلام کے بعد کسی دین کی ضرورت نہ ہو، لیکن جی محمدی نے ہر شک کے ازالہ کے لیے آگے بڑھ کر یہ تصریح بھی کر دی کہ اب نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا، اور اب آپ کے بعد کسی نبی کی حاجت نہیں کہ دین کامل اور صحیفہ الہی محفوظ ہو چکا، اور ہدایت ربانی کے ذریعہ کے بند ہونے کا خطرہ دور ہو گیا، اور خود تاریخ انسانی گواہ ہے کہ نبوت محمدی کے بعد سے دنیا کی حالت بدل گئی، متفرق قومیں پیوستہ ہو گئیں، زمین کے کونے ایک دوسرے سے مل گئے، اور توحید کامل کا غلطہ عرش سے فرش تک بلند ہو گیا، اور خدا کے تمام رسولوں کو نچا اور صادق ماننے کا دلولہ آہستہ آہستہ ترقی پانے لگا، یہاں تک کہ ان قوموں نے بھی جو مسلمان نہیں ہوئیں، ان دونوں صدقوں کو اصول تسلیم کر لیا،

**وحدت ادیان اور دین اسلام** | تفصیل بالا کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ وحدت ادیان کا منشا کیا ہے، یعنی یہ کہ اصل میں ایک ہی دین ہے جو تمام انبیاء کا مذہب ہے، لیکن وہ بعد کو ان کے پیروں میں ان کے صحیفہ میں تحریف و تصرف کے سبب بگڑتا رہا، اسی دین ازلہ کو لیکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، اور اُسی کا نام اسلام ہے، جو اپنے صحیفہ کی بقا اور حفاظت اور دین کی تکمیل اور نبوت کے اتمام کے سبب ہمیشہ قائم و باقی رہے گا، اگر تمام مذاہب سابقہ اپنے اپنے اُصل دین پر آجائیں جسکی تعلیم ان کے پیروں نے دی تھی، تو وہ وہی دین ازلہ ہو گا، جس کا نام اسلام ہے اور نوٹی، ابراہیمی، موسوی، عیسوی اور محمدی میں سوائے اجمال تفصیل کے کوئی فرق نہ رہے گا اسی لیے فرمایا گیا:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بَمَا نُنَزِّلُ  
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلُ إِنَّ تَطَوعَكُمْ  
وَجُوعًا قَنَطَرًا عَلَيْكُمْ أَوْ نَكَاحًا  
كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ (نساء-۷)

اے وہ لوگو جنکو پہلے کتاب دی گئی، اس سے پہلے کہ تم چروں کو  
بگاڑو، اور انکو پیٹھ کی طرف پھیرو، یا سبت کے گنہگار  
پر جس طرح لعنت کی تھی، ہم ان پر لعنت کریں، اُس جی پر ایمان  
جو ہم نے اب تمہاری (قرآن) جو ان تعلیمات کی جو تمہارے پاس

ہیں، تصدیق کرتی ہے،

مشرکین عرب کے زیادہ اہل کتاب ہی کو اس حقیقت کے سمجھنے کا زیادہ استحقاق تھا، اُس لیے انھیں کو سب سے

پہلے اُس کا منکر نہ ہونا چاہیے،

وَاٰمِنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَتْ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَكْفُرُوْنَ

اَوَّلُ کَافِرٍ بِہٖ (بقدرہ - ۵)

اُس پر ایمان لاؤ اور تم ہی پہلے کافر نہ بنو،

لیکن اُن کی حالت یہ ہوئی کہ

وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اُنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نَحْنُ نَحْمَدُ اللّٰهَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَنَكْفُرُ بِمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَهٰذَا نَحْنُ

اُدھر جب اُن سے کہا گیا کہ خدا نے جو بھی اتارا اُس پر ایمان لاؤ، تو جواب دیا کہ تم ہم پر

اُدھر ہم اوس کو مانتے ہیں اور وہ اُس کے سوا کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہی

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ (بقدرہ - ۱۱)

(قرآن) حق ہے، اور جو اُن کے پاس ہے، اُنکی تصدیق کرتا ہے،

اس کے برخلاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دین کو پیش کیا اسکی بنیاد تمام اگلی نبوتوں اور کتابوں کی صداقت کی تسلیم رکھی یہی سبب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مسلمان کے مسلمان ہونے کے لئے صرف یہی زمین فرمایا کہ وہ تنہا اُنکی نبوت پر ایمان لائے بلکہ یہ فرمایا کہ وہ تمام نبوتوں اور صحیفوں پر ایمان لائے چنانچہ خود قرآن کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اسی کی تکلیف نہ تھی کہ آپ کے ہم وطن آپ کے صحیفہ کو نہیں مانتے بلکہ اسکی بھی تھی کہ وہ اگلے صحیفوں کو بھی نہیں مانتے، سورہ سبا میں ہے،

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا

اور منکروں نے کہا کہ ہم اس قرآن پر ہم گنہگار ایمان نہ لائیں گے اور

بِالَّذِیْ یُبَیِّنُ یَدَیْہِۥ (سبا - ۲۷)

اُس سے اگلی کتاب پر، (یعنی تورات پر)

اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح کے ساتھ یہ فرمایا کہ جو میری نبوت اور رسالت کی باتیں بن مریم کو بھی خدا کا بندہ اور اُس کا رسول اور کلمہ اور خط کی طرف سے آئی ہوئی روح تسلیم کرے گا وہ جنت میں جائے گا، (بخاری کتاب الانبیاء ذکر عیسیٰ) الغرض وہ ازلی وابدی وحی صرف ایک ہی تھا، اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی ایک پیغام کو لے کر دنیا میں آئے، یہی وحدت دین کی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن نے اپنے ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاَلْحِمْسُوْا اَصْحَابَہَا

اے پیغمبرو! پھر ہی چیزیں کھاؤ اور بھلا کام کرو اور اپنے تمہارے گاہکوں

اِنِّیْۤ اِنَّاۤ اَعْمَلُوْنَ عَلَیْہِمْ وَاِنَّ ہٰذِہٖۤ اَمَّاۤ اَمَّتْ

سے آگاہ ہوں، اور بیشک تم سب کی امت ایک امت ہے



وَأَحَدُكُمْ فَا تَارِكُكُمْ فَاتَّقُوا، فَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ  
اور میں تم سب کا (ایک) پروردگار ہوں، تو مجھ سے ڈرتے  
بینہم نبوا، کل حزب بما لدیہم فرحون،  
ہو انو ان کے پیروں نے اپنے مذہب کو پسین مگرشے کر دیا،

(مومنین - ۴۰) ہر فرقہ اپنے پاس کے خیال پر نازان ہے،

اسی حقیقت کی مزید تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان الفاظ میں فرمائی،  
الانبياء اخوةٌ لعالاتٍ اثمًا نهم شئى و  
تمام انبیاء ایسے بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہے، اور مائیں مختلف  
دینہم واصلہ (بخاری کتاب الانبیاء - ذکر عیسیٰ)  
ہیں اور ان کا "دین" ایک ہے،



# پچھلے دن اور سلی زندگی پر ایمان

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (بقیہ ۲۲) وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (بقیہ ۱۰)

اسلام کے سلسلہ ایمانیات کی آخری کڑی ایک ”پچھلے دن اور پچھلی زندگی“ پچھلی دنیا پر یقین کرنا ہی سورہ بقرہ کے پہلے ہی رکوع میں ہدایت یاب اور کامیاب انسانوں کے ایمانیات کی آخری دفعہ یہ بیان کی گئی ہے،

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (بقیہ ۱۰) اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں،

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (بقیہ ۲۲) جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لایا،

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (بقیہ ۲۲) جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے ہیں،

”آخِرۃ“ کے لفظی معنی پچھلی ”ہیں“ اور یہ لفظ صفت ہی عربی میں اوصاف کو موصوف کا قائم مقام کر کے اکثر مؤنث کو حذف کر دیتے ہیں مثلاً ”وہا“ کے لفظی معنی ”قریب ترین“ کے ہیں، اور یہ صفت ہی، اس کا موصوف الحیۃ (زندگی) یا الدار (گھر) ہے اس لیے اللہ دنیا کا مفہوم الحیۃ الدنیا (قریب ترین زندگی، یعنی اس عالم کی موجودہ زندگی) یا الدار الدنیا (قریب ترین گھر یعنی موجودہ عالم) ہے، اسی طرح الآخراہ اور الآخِرۃ کا مفہوم الْیَوْمِ الْآخِرِ وَالْحَیْوةُ الْآخِرَةُ وَالْأَسْرُ الْآخِرَةُ (پچھلا دن اور پچھلی زندگی اور پچھلا اور آسنے والا گھر یعنی موجودہ زندگی کے بعد آنے والی دوسری دنیا کی زندگی اور گھر ہے) اور قرآن پاک میں یہ لفظ انھیں معنوں میں ایک سو تیرہ مقام پر آیا ہے، اور ہر جگہ اس کا حذف موصوف حیاۃ (زندگی) یا دار (گھر) ہے،

چنانچہ حسب ذیل آیتوں کے پڑھنے سے یہ حقیقت منکشف ہوگی،

سورہ قرآن پاک میں جہاں جہاں ایمان کے تفصیلات ذکر کیے گئے ہیں، وہاں ”یوم آخر پر ایمان“ سے پہلے آخر میں بیان کیا گیا ہے،

وَأَنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَانُ (عَنْكَش) اور بیشک آخری گھر اہلی زندگی ہو،

وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ. (انعام) اور بیشک آخری گھر بہتر ہے،

ان دونوں آیتوں میں دار یعنی گھر کا لفظ موجود ہے،

أَرْضِنْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ (توبہ) کیا پھلی زندگی کو چھوڑ کر اس موجودہ زندگی پر تم راضی ہو گئے،

الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِإِيقَاعِ الْآخِرَةِ وَاتَّخَذُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا - (مومنون - ۳) اور ہم نے موجودہ زندگی میں اُن کو نعمت دی،

ان آیتوں میں الْحَيَاةِ الدُّنْيَا یعنی موجودہ دنیا کے مقابل سے ظاہر ہے کہ الْآخِرَةُ سے مراد الْحَيَاةِ الْآخِرَةُ یعنی پھلی

زندگی ہے اور اس لفظ کے عموم میں وہ تمام منازل مقامات اُفل میں جو ابتداء سے لیکر حشر و نشر اور اس کے بعد پیش

آتے ہیں یا آئیں گے، چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو کہ اس آیت میں :-

وَيَشَهِدُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ اور جو ایمان لائے اُن کو اللہ حیات دنیا میں اور آخرت میں

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (ابراہیم - ۴) اس کی بات (کلمہ توحید) پر مضبوط رکھے گا،

لہ دنیا اور آخرت کا یہ مقابل قرآن پاک کی شمار آیتوں میں موجود مذکور ہے حضرت علیؓ کے متعلق ہو،

وَجِبَتْكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (ال عمران - ۵) دنیا اور آخرت میں مستند،

سلسلہ دعائیں ہے،

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (بقیہ - ۷۵) پروردگار ہم کو دنیا میں نیکی اور آخرت میں نیکی سے،

کفار کے بطلان عمل کے ذکر میں ہے،

حَبِطَتْ أَشْجَارُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (نہرہ - ۲۷) اُن کے عمل دنیا اور آخرت میں گر گئے،

إِنَّمَا نَجْعُ الْخَيْرَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ (نحل - ۱۲) انھوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی،

مَنْ أُولِيَائِكَ كَفَرُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (رحم السجد - ۲۳) ہم میں تمھاری قریب کی زندگی اور پھلی زندگی کے دوست،

اور کسی دوست کے بجائے اُن کی (پہلی زندگی) کا لفظ اختیار کیا گیا ہو فرمایا،

فَأَحَدُكُمْ اللَّهُ كَمَالِ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى (بازغات - ۱) تو خدا نے اس کو پھلی زندگی اور پہلی زندگی کی سزا دیا،

وَأَنَّ لَنَا الْآخِرَةَ وَالْأُولَى (ابیل - ۱) اور ہمارے ہی لیے جو پھلی اور پہلی زندگی،

”آخرت“ سے مراد ”عالم برزخ“ ہے، اور قرآن بھی اسی پر ولایت کرتے ہیں، کہ قیامت میں قول ثابت پر قائم رہنا کوئی بڑی بات ہوگی جب کہ ہر چیز اُس وقت واضح اور نمایاں ہوگی، اس لیے اس آیت میں ”آخرت“ سے عالم برزخ کے سوا کچھ اور نہیں ایک اور حدیث میں تصریح بیان ہے کہ ”قبر (یعنی برزخ) آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔“

یومِ آخر اور حیاتِ آخرت پر ایمان اسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے، اور قرآن پاک میں ایمان باللہ کے بعد ہی کی امتیاز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے، کیونکہ موجودہ دنیا کے تمام اعمال اور اُن کے نتائج کی اصلی اور دائمی بنیاد اُسی آئندہ دنیا کے گھر کی بنیاد پر قائم ہے، اور اگر یہ بنیاد متزلزل ہو جائے تو اعمالِ انسانی کے نتائج کا ریشہ ریشہ خنق و بکھر جائے، اسی لیے تمام مذاہب نے کسی نہ کسی رنگ اور کسی نہ کسی اصطلاح میں دوسری زندگی کو متفقاً تسلیم کیا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آئندہ زندگی کو دو دوروں میں تقسیم کیا ہے، ایک موت سے لیکر قیامت تک اور دوسرا قیامت سے لیکر ابد (ہمیشہ) تک، جس میں پھر موت اور فنا نہیں، پہلے دور کا نام ”برزخ“ اور دوسرے کا نام ”بعثت“ یا ”خروج“ اور قیامت ہے، اور ان سب کے معنی جی اٹھنے، اکٹھے کئے جانے، اور کھڑے ہونے کے ہیں، لیکن ان سب مقصود ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ ہے، اور وہ موجودہ دنیا کے خاتمہ کے بعد دوسری دنیا کی زندگی ہے، اور اسی لیے اس دوسری زندگی یا اُس عالم کا نام قرآن میں الدارُ الاُخریٰ، اور عقیب الدارِ اُولیٰ وغیرہ ہے، جس کے معنی دوسرے یا پچھلے گھر کے ہیں،

توراة و انجیل میں برزخ و قیامت کی تفصیل، نیز یہ کہ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کی روح کس حالت اور کیفیت میں رہے گی، مذکور نہیں، لیکن اسلام میں یہاں بھی گنجشک اور ابہام نہیں بلکہ اُس نے اسکی پوری تفصیل کی ہے، اور بتایا ہے کہ موجودہ عالم کے علاوہ، عالم برزخ اور میدانِ قیامت ہمارے سر اور جزا کے دو مقام ہیں، شخصی موت کے بعد ہر شخص عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے، اور وہاں اُس کے معاملات شروع ہو جاتے ہیں، پھر اپنی مقررہ وقت پر جبکہ خدا نے اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کے لحاظ سے طے کر لیا ہے، سلسلہ خلق کے خاتمہ پر جب موجودہ دنیا پر عام موت اور قحطاری ہوگی دوسری زندگی کی دُنیائے شروع ہوگی، جو تمام تر ہماری پہلی دنیا میں ہمارے اچھے یا بُرے اعمال کا سراپا عکس، اور نقل ہوگی، چنانچہ سورہ توبہ کی حسب ذیل آیت میں ہمارے ان تینوں دور ہائے حیات کا ذکر ہے،

لحاجتِ ہادیہ  
بہارِ کونین  
جلد ۹ صفحہ ۹۵  
میدانِ یادِ دل

مَسْعَدًا بِهِمْ مَسْرَتَيْنِ تَعْرِيدُونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ (توبہ-۱۳)

ہم ان کو دوسرے عذاب دینگے پھر وہ ایک بڑے عذاب

کی طرف لوٹائے جائیں گے،

عذاب کی تین منزلیں دنیا، برزخ، اور قیامت ہیں، ان تینوں عالموں میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ اس موجودہ دنیا میں جسم (مادہ) نمایاں اور روح پوشیدہ ہے اور روح کو جو کچھ مسرت و تکلیف یہاں پہنچتی ہو، وہ صرف اُس کے مادی جسم کے واسطے پہنچتی ہے اور نہ حقیقت اسکی براہِ راست راحت و لذت کا اس مادی دنیا میں کوئی امکان نہیں دوسرے عالم میں جسکو برزخ کہا گیا ہے، روح نمایاں ہوگی، اور جسم چھپ جائیگا، وہاں جو راحت و تکلیف پہنچے گی وہ دراصل روح کو پہنچے گی، اور جسم اس کی تبعیت میں ضمنا اس سے متاثر ہوگا، لیکن اس تیسرے عالم میں جہاں سے حقیقی اور غیر فانی زندگی شروع ہوتی ہے روح اور جسم دونوں نمایاں ہونگے، اور دونوں کی لذت و تکلیف کے مناسبات بالکل الگ الگ ہوں گے۔

### ۱۔ برزخ

”برزخ“ کا لفظ قرآن پاک میں تین جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس سے دو چیزوں کے درمیان کا پردہ، حاجب اور حائل

مراد ہے، چنانچہ سورہ رحمان میں دو دریاؤں کا ذکر ہے جن میں ایک بیٹھا اور دوسرا کھاری ہے، اور ان کے بیچ میں ایک پردہ حائل ہے جو ان کو آپس میں ملنے نہیں دیتا،

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ مِّنْ عَذَابٍ (رحمان-۱) ان دونوں کے بیچ میں ایک پردہ ہے جو ایک دوسرے سے بڑھ کر نہیں جاتا

اسی عجیب و غریب بحری منظر کا ذکر سورہ فرقان میں ہوا اور وہاں بھی یہی لفظ واقع ہے،

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ الْمُجْرِمِينَ هَذَا عَذَابٌ كَبِيرٌ اور اسی خدا نے دو دریاؤں کو ملا کے چلایا، یہ بیٹھا اور پیرا

وَهَذَا أَمْلٌ مِّنْ آجَالٍ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا بھجھاتا ہی، اور وہ کھاری کر دیا ہے، اور ان کے بیچ میں ایک

تَجْرٍ مِّنْ عَذَابٍ (فرقان-۵) پردہ اور روکی ہوئی اور بٹ بنائی ہے،

اسی بنا پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اُس کا نام برزخ ہی سورہ ہود میں

میں نزع کے وقت کے بیان میں ہے کہ

وَمِنْ ذَرَائِهِمْ جَزْءٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ اور ان مرنے والوں کے پیچھے ایک پروہ ہے اس دن تک جبکہ

(مومنون ۶۰) وہ (قیامت میں) اٹھائے جائیں گے،

عربوں بلکہ کل ساری قوموں کے رسم و رواج اور شہادت کی بنا پر اسی درمیانی منزل (برزخ) کا نام چھڑتا ہے خواہ وہ خاک کے اندر ہو یا قبر دریا یا کسی درندہ و پرندہ کے پیٹ میں اسی لیے فرمایا،

وَإِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ (ج ۱) بے شک اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا،

اب ظاہر ہے کہ یہ بعثت صرف انہیں مردوں کے لیے مخصوص نہیں جو تو وہ خاک کے اندر دفن ہوں بلکہ ہر نسبت کیلئے ہو خواہ وہ کسی حالت اور کسی عالم میں ہو اس لیے قبر سے منقصہ دہرہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد جسم خاکی کو جگہ چھل کی موت و حیات کی منزلیں قرآن پاک میں دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر ہے، ایک جگہ دوزخوں کی زبان سے کہا گیا ہے

رَبَّنَا آمَنَّا بِأَنَّكَ أَنْتَ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ وَأَنَّكَ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو دفعہ مارا اور دو دفعہ جلایا ہم نے

بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ (نور ۲۵) اپنے گناہوں کا اقرار کیا، پھر کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے

ان دو موتوں اور دو حیاتوں کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمائی ہے،

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَالَنَا فَأَحْيَاكُمْ کیسے تم انکار کرتے ہو حالانکہ تم پہلے مردہ تھے

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ پھر تم کو اس نے زندہ کیا (انسان بنا کر پیدا کیا) پھر تمکو

(بقرہ ۷۵-۷۶) مار دے گا، پھر تم کو جلانے گا، پھر اوس کی طرف لوٹا

پہلی موت تو ہر انسان کی خلقت سے پہلے کی ہے، جب وہ مادہ یا عنصر کی صورت میں ہوتا ہے پھر زندہ ہو کر

اس دنیا میں پیدا ہوا ہے اس کی پہلی زندگی ہے، پھر موت آتی روح نے مفارقت کی اور جسم اپنی مادی صورت میں منتقل

ہو گیا یہ دوسری موت ہوئی، پھر خدا اس کی روح کو جسم سے الگ زندہ کرے گا یہ اس کی دوسری زندگی ہوئی، جس کے بعد چھوٹ

نہیں، قرآن پاک میں خود مقرر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا،

إِنَّكَ سَيِّدٌ وَإِلَهُم مَّيِّتُونَ، ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ  
الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَحْضَرُونَ، (ذمر - ۴)  
پھر تم اس کے بعد مرنے والے ہو، پھر تم قیامت کے دن اٹھ  
الْقِيَامَةِ تَلْعَثُونَ، (مومنون - ۱)  
جاؤ گے،

اب سوال یہ ہے کہ برزخ کے عالم میں کیا کیفیت ہوگی، اس کے سمجھنے کے لیے ایک مختصر سی تمہید کی ضرورت ہو  
نیز اور موت کی مشابہت | اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا میں روحانی عالم کی باتوں کے سمجھنے کے لیے اپنی عجیب و غریب قدرت  
سے ہم کو ایک چیز غیبت کی ہے، جس کو ہم نیند کہتے ہیں، روح کو اپنے جسم سے دو قسم کا تعلق ہے، ایک ادراک و احساس کا اور  
دوسرے تدبیر و تدبیر کا، نیند وہ عالم ہے کہ اس میں ہمارے تمام آلات ادراک و احساس اس دنیا سے بے خبر ہو کر اپنے گروہ  
کی مادی دنیا سے یکسر بگاڑ بجاتے ہیں، تاہم ہمارے نفس یا روح کا تعلق ہمارے جسم سے باقی رہتا ہے، اور وہ اس حالت میں بھی  
جسم کی مادی زندگی اور نشو و نما اور دنیا کی تدبیروں اور دلائل و دلائل اور دیگر اعضائے رئیسہ کی غذا رسانی اور خون کے دوران  
میں مصروف رہتی ہے، اسی کا نام روح کا جسم سے تدبیری تعلق ہے، اب نیند اور موت میں فرق یہ ہے کہ نیند کی حالت  
میں جسم سے نفس کا تدبیری تعلق قائم رہتا ہے، اس لیے جسم باقی اور زندہ رہتا ہے، لیکن موت کی حالت میں جسم کا روح سے  
تدبیری تعلق بھی یکسر منقطع ہو جاتا ہے، اس لیے جسم کے اجزاء کچھ دنوں میں منتشر ہو جاتے ہیں، موت اور نیند کی یہی مشابہت  
ہے، جس کی بنا پر تمام انسانوں کی زبانوں میں موت کو نیند سے تشبیہ دیتے ہیں، اور دنیا بھر کی زبانوں کا یہ توفیق الہامی طبعی  
کی ضرورت ہے، قرآن پاک نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَّدْتُمْ  
بِالْأَنفُسِ ثُمَّ يُبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى  
اور وہی ہے جو تم کو رات میں مارتا ہے اور جانتا ہے جو تم نے  
دن میں کیا، پھر تم کو دن میں جلاتا ہے تاکہ مقررہ وقت  
پورا کیا جائے، (العام - ۷)

اس سے زیادہ تفصیل سورہ زمر میں ہے،

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ  
تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا  
الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى  
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

وہ اللہ ہی جو ہر روح کو ان کی موت کے وقت وراثت کرتا  
ہے اور جو نہیں مری ہیں ان کو ان کی نیند میں وراثت کرتا  
ہی تو حسیوت کا حکم اس نے جاری کیا اسکو روک لیتا ہوتا  
دوسری روح کو جس پر موت کا حکم نہیں یعنی نیند والی کو  
ایک تے معینہ کیلئے چھوڑ دیتا ہوتا بیشک اس میں سوچنے والوں  
(نہ مرتبہ ۵)

یہی وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی نے "برزخ" کی زندگی کو نیند کے نقطہ سے تعبیر کیا ہے، قرآن پاک میں ہے  
کہ قیامت میں جب لوگ دوسری زندگی پا کر قبروں سے اٹھیں گے تو گنگاروں کی زبانوں پر یہ فقرہ ہوگا،  
يَوْمَئِذٍ نَّأْمَنُ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اقْتِدَارًا لِّسَانِهِمْ  
غزوة احد کے موقع پر ہے کہ جن کو مرنا تھا ان کی موت ٹل نہیں سکتی تھی اگر وہ میدان جنگ کے بجائے گھروں  
میں بھی ہوتے تو نکل نکل کر اپنے مقتل میں خود آجاتے اس مفہوم کو قرآن نے یوں ادا کیا ہے،  
قُلْ لَّوْكَنتُمْ فِيْ بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الْاٰلِیْنَ لِكُتُبِ  
عَلَيْهِمْ اَلْقَتْلُ اِلٰی مَضٰجِعِهِمْ (الاحزاب - ۴۰)  
اگر وہ گھروں میں بھی ہوتے تو جن کے لیے مارا  
لگا گیا تھا وہ خود نکل کر اپنی سونے کی جگہوں میں چلے آتے۔  
اسی لیے قرآن پاک میں دوسری زندگی کے لیے اکثر ثبوت کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی جگانے اور بیدار کرنے  
کے بھی ہیں جیسا کہ اوپر کی اس آیت میں ہے،

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَّمْتُمْ  
بِالْأَنفُسِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ (الزَّحٰر - ۷)  
اور وہی ہے جو تم کو رات میں موت دیتا ہے اور دن کو جو تم کو  
ہو اس کو بابتا ہوتا ہے پھر تم کو دن میں جگاتا ہے،  
وَاللَّهُ يَبْعَثُ مَنْ فِي النُّفُوسِ (الرحمہ - ۱۰)  
اور بیشک اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں جگاتا ہے،

ایک صحیح بخاری (باب تنجید) میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو نماز تہجد کے لیے وقت تک بیدار نہ ہونے پر سوال فرمایا تو حضرت مدد فرماتے ہوئے ان لفظوں میں معذرت پیش کی، یا رسول اللہ! نفس ابی اللہ، فاذا اشاء ان یبعثنا لبعثنا (ہماری روحیں خدا کے ہاتھ میں ہیں وہ جب جگانا چاہتا ہے جگاتا ہے) اس حدیث میں بھی ثبوت جگانے کے معنوں میں آیا ہے۔



احادیث میں ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد نکو کاروں سے کہا جاتا ہے کہ تَحَرُّوْا عَنْ مَدَةِ الْحَرُوسِ دِلن کی نیند سو جاؤ، جس کو وہی جگاتا ہے جو اس کو سب سے زیادہ محبوب ہے، یہاں تک کہ خدائے کو اس خواب گاہ سے اٹھا کر لے لے  
ان شواہد سے ظاہر ہے کہ برزخ کی زندگی جہنم میں روح جسم سے الگ ہوتی ہے، روح کی ایک طویل عرصہ نیند کے مشابہ خواب میں لذتِ الم انسان جب ہوتا ہے تو اُس کے ادراکِ احساس کے آلات اپنی مادی دنیا سے عارضی طور پر بے خبر ہو جاتے ہیں، مگر اُس کے ادراکِ احساس کی تخیلی امتثالی یا ذہنی دنیا اُس کے سامنے بالکل اسی مادی دنیا کی طرح متشکل ہو جاتی ہے، اس میں وہ خود اپنے جسم سے الگ مگر وہ وہی جسم دیکھتا ہے، جوتا جاتا، چلتا پھرتا، اور دیکھتا سنتا سب کچھ، اُس کے سامنے کھانے پینے اور لطف انگیزی کے سب سامان ہوتے ہیں، نیز اس میں درو و رنج و تکلیف کی تمام وہی صورتیں ہوتی ہیں جو مادی دنیا میں ہیں، اُس کے خیالی جسم کو اگر اُس عالم میں تکلیف ہوتی ہے تو وہ خود چیخ اٹھتا ہے، اور اگر اُس میں لذت ملتی ہے، تو لطف اندوز ہوتا ہے، اور ان دونوں کے اثرات اس کو اپنے مادی جسم میں جاگنے کے بعد کبھی نظر آتے ہیں، غرض عالم خواب کی خیالی دنیا اور اس کی شادی و رنج اور لذتِ الم، اور اس مادی دنیا کے جہانی مادی شادی و رنج اور لذتِ الم میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اگر کچھ فرق ہے تو یہ ہے کہ عالم خواب کی لذت و تکلیف بیداری کے بعد ختم ہو جاتی ہے، اور مادی دنیا کی لذت و تکلیف، احساس و ادراک کے وجود تک قائم رہتی ہے، اور جس طرح مادی بیداری والی لذت و تکلیف خواب میں معدوم ہو جاتی ہے، اسی طرح خواب والی لذت و تکلیف بیداری میں رخصت ہو جاتی ہے،

خوابِ الم لذتِ الم کے مختلف مناظر اور اُن کے حقائق اور اسباب و علل پر اگر فلسفیانہ حیثیت سے غور کیا جائے تو عجیب و غریب معاملات سامنے آتے ہیں، کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام احساسات و معلومات جو کبھی بھی ذہن انسانی میں آئے ہوں، اور ان کو بالست بیداری مادی دنیا کے مشاغل اور زمانہ کے امتداد کے سبب انسان کتنا ہی فراموش کر چکا ہو، وہ خواب میں مادی گراں باری سے آزادی کے بعد سامنے مجسم سکون میں نمودار ہو جاتے ہیں، اور سچ کی کڑیوں کے بھول جانے

سلف جامع ترمذی کتاب الجنائز باب عذاب القبر منہ احدیث حسنہ عنہ فیہ شہ ولی اللہ صاحب حجرہ الشہ بابہ میں لکھتے ہیں حفذا  
العقلى فی الروایة غیر انہ ذریک لا یفقط منہا ان یوم الفیقہ (باب قتال احوال الناس فی البرزخ) یعنی یہ عذاب تغیر کا گرفتار خواب میں ہو لیکن یہ کہ ایسا عذاب جس سے بچنا  
ممکن ہو جائے نہیں ہے،

کی وجہ سے وہ اس کو بے چارہ معلوم ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انسان جن چیزوں کو بھول جاتا ہے، وہ اس کے حافظہ سے حقیقت میں معدوم نہیں ہو جاتیں، بلکہ دماغی حجرہ (ذہن) کے منتشر اسباب کے ذخیرہ (معلومات) میں چھپ کر گم ہو جاتی ہیں، اور پھر بعد کو بھاتی ہیں اس لیے وہ تمام اچھے اور برے اعمال جو انسان نے عمر بھر کئے ہیں، خواہ وہ ان کو آج بھول گیا ہو، مگر ان کی یاد ذہن کے گوشوں میں پڑی ہے، معدوم و منفقہ نہیں ہو گئی،

خواب کی عجیب و غریب صورت وہ ہے جسکو تشبیلی کہتے ہیں، جیسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے فرزند کو خدمتِ تعبیر پر وقف کرنے کو قربانی کی شکل میں اور حضرت یوسفؑ نے الدین کو سوچ اور چاند اور گیارہ بھائیوں کو گیارہ ستاروں کی صورت میں دیکھا، شاہِ مصر کے سولی پانے والے مصاحب نے اپنے سولی پانے کو اس رنگ میں دیکھا کہ اس کے سر پر خوان ہے، اور پڑے پڑے پرندے اس میں چونچ مار مار کر کھاتے ہیں، شاہِ مصر نے مصر کی ہفت سالہ قحط سالی کو سات ڈبلی گایوں کی صورت میں دیکھا، آنحضرتؐ نے فتح مکہ کو اس شکل میں دیکھا کہ سلمان سر منڈائے اور بال ترشوائے حج کر رہے ہیں، میلہ اور سو ڈھنسی دو کڈابوں کو سونے کے دو گنگنوں کی صورت میں دیکھا، شہدائے اہلِ حق کو وحیِ گائے کی صورت میں ملاحظہ کیا، مدینہ کی وبا ایک بڑھیا چڑیل کی صورت میں نظر آئی، ایمان کو نور کی اور حضرت عمرؓ کے علم کو دودھ کی شکل میں دیکھا، ان کے علاوہ ہر شخص کے ذاتی تجربوں سے بھی اس کی بیشمار مثالیں فراہم کی جاسکتی ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کے جسم میں اگر کسی قسم کا مادہ بڑھ جاتا ہے، تو خواب میں اس کے مناسب مجسم سکین نظر آتی ہیں، مثلاً اگر لقمہ کی زیادتی ہو تو پانی، دریا اور سمندر نظر آئیں گے، اگر سودا بڑھ جائے تو ہاتھی، اور کالی کالی صورتیں نظر آئیں گی، اسی طرح دوسرے تغیرات جسمانی بھی مناسب جسمانی سمیت میں خواب میں مجسم اور منسلک ہو کر دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح اعمال جو جسم و مادہ سے بالکل الگ ہیں خواب میں اپنے مناسب قالب میں مجسم ہو جاتے ہیں، اگر کسی جسمانی کاغذ واجب کسی نے ادا نہیں کیا، تو خواب میں اس کو نظر آئے گا کہ وہ اس کا گلا کاٹ رہا ہے، اگر کسی کی

۱۔ یہ کہ تشبیلی خواب قرآن پاک میں مذکور ہیں، ۲۔ ان خوابوں کو صحیح بخاری کتاب التعمیر میں دیکھو۔  
۳۔ حجة الاسلام، شاعر، ولی اللہ، ذکر برنج

کی ہے تو معادیم ہوگا کہ وہ مردار کھا رہا ہے اسونے چاندی کے خزانوں کو جمع کر کے اگر بخل کا اثر دہا اُس کی حفاظت میں بٹھایا ہے، تو سانپ بنکر وہ اُس کی گردن میں پسٹتا اور کاٹتا ہے، دلت اور تواری کتے کی، حماقت گدھے کی، اور شجاعت شیر کی شکل میں نمودار ہوتی ہے، شب معراج میں آنحضرت صلیم کے سامنے فطرت، دودھ کی اور غیر فطرت شراب کی شکل میں پیش ہوئی، اسی طرح کمن سال دنیا ایک بڑھیا کی شکل میں آئی،

اس قسم کی تمثیلات قرآن مجید میں بھی آئی ہیں مثلاً غیبت کی نسبت فرمایا،

وَلَا يَعْزُبُ عَنْكُمْ بَعْضُ آيَاتِ الْحَدِيثِ  
أَنْ يَأْكُلَ الْحَمِ آخِيَهُ مِثْلًا فَكَرِهْتُمُوهُ ط  
اور پٹھ پیچھے ایک دوسرے کو برا نہ کہے یا تم میں سے  
کوئی پسند کر سکتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کی بوٹی چوچ  
(سجرات - ۲۰) نوچ کر کھائے، سو گھن آئی تم کو،

سود کھانے کو جنوں اور پاگل پن کی شکل میں ظاہر کیا،

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا  
يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ  
جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ ہنہیں اٹھیں گے یا نہیں  
اٹھتے، لیکن جیسے وہ اٹھتا ہے، جس کے حواس شیطانی  
(بقہ - ۳۸ - ۳۹) نے چھو کر کھو دیئے ہوں،

دوسرے کے مال کو ناجائز طریق سے کھانے کو پیٹ میں آگ بھڑنا فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالِ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا  
يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا  
وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم کر کے کھاتے ہیں، وہ اپنے  
پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں، اور آگ جہنم کی آگ میں داخل  
(نساء - ۱) ہوں گے،

وہ خود غرض لوگ جو بیکون کے کام نہیں آتے، قیامت میں ان کے بھی کوئی کام نہ آئے گا، اور جو خود سیر ہو کر  
ٹھاتے ہیں اور غریبوں کے در و درنگی سے بے خبر رہ کر اپنے مال کا میل کھیل (زکوٰۃ) بھی ان کو کھانے کو نہیں دیتے ورنہ  
میں ان کو زخموں کا دھوون کھانے کو ملیگا فرمایا،

اِنَّكَ تَكُنْ لَا يُؤْمِنُ بِاَللّٰهِ الْعَظِيْمِ، وَكَانَ يَحْضُرُ  
 بِشك وہ خدا کے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا، اور سب کے  
 عَلٰی طَعَامِ الْمَسْكِيْنِ، فَلَيْسَ لَكَ اِلَيْهِمْ مَّهْكُنَا  
 ٹھانے پر آمادہ نہیں کرتا تھا، تو آج اُس کا بھی یہاں کوئی  
 حَيْمٌ، اِنَّكَ لَطَعَامِ الْاَمَانِ غَسِلِيْنَ، لَا يَكْفُرُ  
 دوست نہیں، اور نہ زخموں کے دھوؤں کے سوا کوئی  
 اَلَا الْخَاطِئُوْنَ، (حق - ۱)

بے لوث مخلصانہ فیاضی کی تشیل سرسبز و شاداب باغ سے دی،

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ  
 اور اُن کی مثال جو اپنی دولت خدا کی خوشنودی چاہتے  
 مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَنْبِيْئًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ  
 اور اپنے دلوں کی مضبوطی کے لیے خرچ کرتے ہیں ایک  
 لَمْثَلِ جَنَّةٍ مَّرْكُوْبَةٍ، (بقرة - ۲۶)

باغ کی ہے جو ایک ٹیلہ پر ہے،

خدا کی راہ میں جان و مال اور مرنے والوں کو جان و مال اور حیات جاودان کی خوشخبری دیکھی فرمایا،  
 وَلَا تَقُوْا اِلَیْهِمْ لِقٰتٌ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ  
 جو خدا کی راہ میں مارا جائے اُس کو مردہ نہ کہو، وہ لوگ  
 اِلٰی اَحْيَاءٍ، (بقرة - ۱۹)

زندہ ہیں،

اسی طرح یہ ہے کہ جو خدا کو قرض دیگا، خدا اُس کو بڑھا کر دے گا، جو دوسروں کو معاف کرے گا، خدا اُس کو  
 معاف کرے گا، جو دوسروں کی عیب پوشی کرے گا، خدا اُسکی ستاری کر دیگا، قرآن اُ حدیث اس قسم کی بالعمادہ جزا  
 سزا کے ذکر سے ہم پر نہیں،

جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال نہیں دیتے اُن کی نسبت فرمایا،

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَکَرُوْا اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ،  
 جس مال کا بخشل کیا تھا، قیامت میں اُس کا اُن کے گلے  
 اَلْعَسْرٰن - ۱۸)

میں طوق پڑے گا،

يَوْمَ تُخْلَعُ عَلَيْهِمْ اَفْنٰی نَارٍ يَّهْبَتُهُمْ فَتَكُوْنُ مِنْهُمْ  
 جس دن اُس سورنے اور چاندی کو روزخ کی آگ میں  
 جَبَا هُمْ وَجَبَتْ لَهُمْ وَظَمُوْا مِنْهُمْ هٰذَا  
 گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پشیمانیاں اور پہلو

مَا كُنْتُمْ لَكُمْ أَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ  
تَكْذِبُونَ، (توبہ - ۵)

اور پھین دینی جائیں گی، کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے گڑ

روکھا تھا، تو اب تم اس کا مزہ چکھو جسکو تم کاڑھ کر رکھتے تھے،

دنیا میں اللہ کے نور بصیرت سے روگردانی آخرت میں ظاہری نابیائی کی صورت میں رونما ہوگی اور اسی طرح جو

خدا کو یہاں بھولے گا، خدا اس کو وہاں بھلائے گا، چنانچہ حضرت آدمؑ سے بھولنے وقت یہ فرمایا گیا تھا،

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً

اور جس نے میری یاد سے روگردانی کی تو اس کے لیے تنگ

ضَنْكًا وَنَحْسًا يَكُونُ مِنَ الْفَاقَةِ أَجْمَلٍ، قَالَ رَبِّ

گزران اور ہم قیامت کے دن اس کو اندھا ٹھائیں گے

لِمَنْ خَشِيَ تَنَبُّيَّيَ أَعْلَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا، قَالَ

وہ کہیگا میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھا

لَكَ إِلَهٌ أَنْتَ أَتَيْنَا فَتَسْبِيحُهَا وَكَذَلِكَ

میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا، خدا کیسا طرح تیرے

الْبُيُوتِ تَنْسِي، ۵

پاس ہماری نشانیاں آتی رہیں، تو ان کو تو نے بھلا دیا،

(طرہ - ۷) اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا،

یہی مفہوم اور زیادہ اختصار کے ساتھ اس آیت میں ہے،

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْلَى فَعُوْا فِي الْآخِرَةِ

جو کوئی دنیا میں (دل کا) اندھا تھا وہ آخرت میں اندھا

أَعْلَى وَأَضَلُّ مَسِيلًا، (اسرائیل - ۸)

ہے، اور راستہ سے زیادہ بھٹکا ہوا،

اس باب میں سب سے زیادہ صریح وہ حدیث صحیح ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بغیل کا مال سناپ

کی صورت میں گلے کا ہار ہو کر نظر آئے گا، یعنی وہ مال سونے اور چاندی کے سناپ کی صورت میں ہوگا،

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَتَاهُ اللَّهُ مَا لَا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے

فَلَمْ يُوَدِّ زَكَاتَهُ مُثَلِّلًا لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أَوْ رَغ

اس کی زکوٰۃ اور انہیں کی، تو اس کا مال اسکو چھل کر ڈسنے

لَهُ زَبِيحَاتٍ يَطْلُقُ قَسِيرِيعٍ مِنَ الْقِيَمَةِ يَا حُفَا

وہ سناپ کی صورت میں دکھایا جائے گا جبکہ سمرزہ

بَلِصْرٌ مَّتَّيْهِ اِی شَدَّ قَبْرِیْهِ قَوْلِ اِنَّا

کی شدت سے گنہگار اس کے منہ میں دودانت ہونگے،

مالک انانکڑک، وہ اس کے گھٹے میں قیامت کے دن پڑا ہوگا اور وہ اس کے

(بخاری تفسیر الیٰ علیٰ بن ابی حمزہ جلد دوم) دونوں جہنم کو کاٹے گا اور کئے گا میں ہوں تیرا مال میں ہو

اسی طرح وہ حدیثیں ہیں جن میں مختلف اعمال کا مختلف شکل میں آبا بیان کیا گیا ہے، مثلاً یہ کہ مرنے کے بعد قبر میں ناخوش و غم وغیرہ اعمال عذاب سے بچانے کے لیے جو حال بنکر رہنے بائیں سے نمودار ہونگے، یہ بھی حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد جب ایک نفع فرشتہ الٰہی مردہ کو بیدار کرتا ہے تو اس کو آفتاب دو بتا ہوا دکھایا جاتا ہے، (مِثْلَتِ الشَّمْسِ عِنْدَ غُرُوجِهَا) نیک مرد مسلمان اس تنگ وقت کو دیکھ کر نماز کی تیاری کرنا چاہتا ہو یہ ظاہر ہے کہ یہ دنیا والا آفتاب نے انہیں بکا کی تمثیل ہوتی ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ میں ہے، یعنی یہ کہ اس مردہ کو ایسا نظر آتا ہے اور وہ حقیقت آفتاب نہیں بکا آفتاب کی مثالی صورت ہوتی ہے۔

گناہوں کی تمثیلی سنائیں | اوپر کے بیانات سے ہو یہ ہے کہ غیر مجتمہ اعمال اور معانی اپنے جن تمثیلی پیکر میں نظر آتے ہیں وہ حقیقت ان اعمال و معانی سے تمثیلی مشابہت رکھتے ہیں، مثلاً ایک صحیح حدیث میں ہے کہ شہر صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی وفات کے بعد ایک صحابی نے خواب میں دیکھا کہ ان کے لیے ایک نہر بہ رہی ہے، اور جب اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آپ نے اس کی تعبیر میں فرمایا،

ذالک عملہ (بخاری کتاب التعلیج) یہ نہر ان کا (نیک) عمل ہے،

اس تمہید کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس روایے صادق پر غور کرو، جو ظاہر ہے کہ قیامت کا نہیں کہ ابھی وہ اتنی ہی بلکہ برنخ ہی کا مرتبہ پیش کرتا ہے، جواب بھی قائم ہے، آپ نے ایک صبح کو فرمایا کہ رات میں نے دیکھا کہ دو آنے والے آئے اور انھوں نے مجھے جگایا، میں ان کے ساتھ چل کھڑا ہوا، تو میں نے دیکھا کہ (۱) ایک آدمی لیٹا ہے، اور دوسرا اس کے پر ایک بڑا پتھر لیے کھڑا ہے اور وہ اس پتھر کو اس کے سر پر اس طرح دے رہا ہے کہ اس کا سر کھینچا ہو رہا ہے، اور پتھر پڑ گیا ہے، وہ اس کے پیچھے جا کر اس کو اٹھا لیتا ہے، اور اتنی دیر میں اس کا سر درست ہو جاتا ہے، پھر وہ مارتا ہے، اور پھر وہی صورت پیش آتی ہے، ہم گے بڑے تو دیکھا کہ (۲) ایک شخص لیٹا ہوا تھا، اور دوسرا اس کے ایک آنکس لیے کھڑا ہے، اور

ملہ منہ ان میں  
لے سنی ان نام  
ذکر القوم

اُس سے اُس کے جبرے کو پھرتے کو اور پھر انھوں کو گدڑی تک چیر داتا ہے پہلے ایک طرف بعد ازیں دوسری طرف پھر لگے بڑے تو دیکھا کہ (۳) تنور کی قسم کی ایک چیز دھک رہی ہے، اور کچھ مرد و عورت اُسین ننگے پڑے ہیں، اور اُس کے شعلے بھڑک بھڑک کر اُن تک پہنچتے ہیں اور وہ جیتے ہیں، اگے بڑے تو نظر آیا کہ (۴) ایک خون کی جیسی سرخ نہر بہ رہی ہے، اور ایک آدمی اُس میں تیر رہا ہے، نہر کے کنارے ایک آدمی کھڑا ہے، جس کے پاس بہت سے پتھر رکھے ہیں، وہ تیرنے والا آدمی تیر کر جب اُس شخص کے قریب آتا ہے تو یہ ایک پتھر اٹھا کر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پتھر اُس کے منہ میں جا کر پیٹ میں اتر جاتا ہے، اس کے بعد ہم آگے بڑے تو ایک سرسبز و شاداب چمن نظر آیا جہاں بہار کی ہر گلی گلی رہتی تھی باغ کے سامنے ایک دروازہ آدمی کو دیکھا جس کا سر آسمان میں تھا، اور اُس کے چاروں طرف بہت سے چھوٹے چھوٹے بیچے تھے آگے بڑے تو ایک بہت بڑا باغ دیکھا جس سے زیادہ بڑا اور خوبصورت باغ میں نے نہیں دیکھا تھا، یہاں پہنچ کر اپنے دونوں ہمراہیوں کے کہنے سے اوپر چڑھا، تو ایک شہر ملا جس کی دیوار میں ایک ایک سونے اور ایک ایک چاندی کی اینٹ لگی تھی، ہم لوگ دروازہ کے پھاٹک پر پہنچے، دروازہ کھلوا یا، دروازہ کھلا، تو اُس کے اندر گھسے تو اسپین کچھ لوگ ملے، جن کا آدھا دھڑ نہایت ہی خوبصورت اور آدھا بہت ہی بدصورت تھا، میرے ہمراہیوں نے اُن سے ایک نہر کی طرف جو بیچ میں نہایت صاف و شفاف رہی تھی، اشارہ کر کے کہا کہ اس میں جا کر غوطہ لگاؤ، وہ غوطہ لگا کر اُسے، تو اُن کی بدصورتی کا حصہ جاتا رہا، اور وہ پورے دھڑ سے خوبصورت ہو گئے، میرے ہمراہیوں نے مجھ سے کہا کہ یہ ”جنت عدن“ ہے، اور وہ آپ کا دولت خانہ ہے، میں نے نظر اٹھا کر دیکھا سپید لکڑی کی طرح ایک محل دکھائی دیا،

پھر میں نے ان ہمراہیوں سے کہا کہ آج تو میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں، تو بتاؤ میں نے کیا کیا دیکھا، انھوں نے جواب دیا کہ پہلا شخص جس کا سر پتھر سے بنایا جا رہا تھا، وہ ہے جو قرآن پڑھ کر اُس کی تعمیل سے انکار کرتا ہے، اور صبح کی مغرب و غنہ نماز سے غافل ہو کر سو رہتا ہے، اور دوسرا شخص جس کا گلہ پھوٹا ہے اور ننگے اور انکھیں پھاڑی جاتی تھیں وہ ہے جو جھوٹ بول کر تمام دنیا میں اُس کو بھیلاتا ہے، اور توہین جو مرد اور عورتیں ہیں، اور جو شخص خون کی نہر میں تیر رہا تھا اور منہ سے پتھر نکلتا تھا، وہ سو دھوکا ہے، اور اس سدا بہار چمن میں جو دروازہ آدمی آپ نے دیکھا وہ ابراہیم تھے، اور

اُن کے گروہ بچے تھے وہ تھے اور کُن بچے تھے جو فطرت پر مرسے تھے کسی صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! مشرکون کے بچے؟  
فرمایا اور مشرکون کے بچے بھی، وہ لوگ جو نکاح آدھا دھڑخو بدورت اور آدھا بدورت تھا، وہ ہیں جنہوں نے کچھ اچھے کام بھی  
کئے تھے، تو خدا نے اُن کے گناہ دھو دیئے۔

برزخ کی ان تمام منزلوں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اُن کی نوعیت اور کیفیت اُن کے اعمال کے بالکل متناسب  
اور مشابہ قرار دی گئی ہے، نماز صبح سے غافل ہو کر، بالینِ راحت سے سر نہ اٹھانا، سارے کا سر کھانا، جھوٹے کا گلیچہ اچھاڑنا  
زانی اور زانیہ کا برہنہ تنور کی آگ میں جلنا، خون چوسنے والے سود خوار کا انسانوں کے خون کے دریا میں تیرنا، اور بانٹ بھر  
پیٹ بھرنے کے لیے سارے غریبوں کی روزی کو چھین چھین کر جمع کرنے والے کا پتھر کا لقمہ کھانا، سرسراں کے دنیاوی اعمال  
کی تشریف تو تصویر ہے، اور آخرین نصفِ حسنِ عمل سے آدمی دھڑکی خوبصورتی، اور نصفِ عمل بدست آدمی دھڑکی بدصورتی  
پوری مشابہ ہے، اور صفات و شہادتِ ہنر کی صورت میں رحمت و منفعت الہی کا ظہور بھی اسی قیاس پر ہے۔

ابھی تک دنیا نے جو کچھ ترقی کی ہے وہ نفس سے باہر آفاقی، یعنی اپنے سے باہر کی بیرونی مادی دنیا کی اشیاء کے  
خواص و صفات کے جاننے میں کی ہے، جن سے سائنس کی ایجادات و انتراعات کا تعلق ہے، لیکن ابھی اس سے بھی بڑا  
ایک وسیع دنیا اپنے اندر کی پڑی ہے جس کو قرآن نے "انفس" کہا ہے ان نفس یا ارواح کے اوصاف و خصائص کا ابھی  
بُت بہت کم علم ہوا ہے، ہماری سائیکالوجی (علمِ انفس) ابھی اپنے ابتدائی منزل میں ہے، اور اسپریت کوچیزم (علمِ ارواح)  
ابھی طلسمِ فریب کے عجائبات میں اُسی طرح گرفتار ہے، جس طرح موجودہ عہد سے پہلے آج کے معمولی سا لٹاک تجربے  
موجودہ دوسرے نقش و نگار بنے ہوئے تھے، بہر حال ابھی تک علمِ انفس و روح کے عجائبات پر پردے پڑے ہوئے ہیں، ایک  
یہی مسئلہ کہ شے کے نقین اور اُس کے خارجی وجود میں کیا تعلق ہے؟ ایک کتابت بہت سے ہندو اہل فلسفہ اور بعض مسلمان  
صوفیوں، اور موجودہ زمانہ کے مشہور فلاسفر بریکلے کے نزدیک تو کسی شے کے تصور اور وجود یا یون کہو کہ ذہنی اور خارجی وجود  
میں بہت کم فرق ہے، بلکہ گویا نہیں ہے،

لے موجودہ ناری کتاب التبریر طہا، علامہ محمد عبداللہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ذکر و احاطت حضرت۔



بہر حال نفسِ انسانی کے اندرونی قوی کا علم کو ابھی بہت کچھ محتاج تکمیل ہے تاہم اتنا ثابت ہے کہ کسی شے کے تصور یقین اور خارجی وجود میں بہت ہی شدید تعلق ہے، ہمزام نے جو سراسر اسی اصول پر مبنی ہے، اس حقیقت کو کسی قدر واضح کر دیا ہے، اسی سے معلوم ہو گا کہ مذاہب نے سب سے زیادہ ایمان پر جو یقین ہی کا دوسرا نام ہے، استدلال و سبب نہیں دیا۔ قرآن پاک نے یقین کی دو قسمیں کی ہیں، علمِ یقین اور عینِ یقین، کسی شے کی دلیلون کو سنکر یا بعض علامتوں کو دیکھ کر اس کے وجود کا یقین کرو، تو یہ علمِ یقین (یقینِ جاننا) ہی اور اگر وہ شے خود تمہارے احساس اور مشاہدہ کے سامنے آجائے، جس میں پھر شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی تو وہ عینِ یقین (عینِ یقین) ہے قرآن پاک نے یقین کی ان دو صورتوں کو سورہ تکوین میں بیان کیا ہے،

اَلْهٰكُمُ النَّارُ مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ حٰقًّا كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ	تم کو وہ دہشت و نعمت کی بہتات سے غفلت میں مبتلا کر دیا۔
ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهُمْ اَلْيَقِيْنَ	یہاں تک کہ تم نے قبروں کو جا دیکھا، ابھی نہیں آگے جان لو گے پھر ابھی نہیں تم آگے جان لو گے ہرگز نہیں
اَلْتَرَوْهُمْ يَمْسِكُوْنَ اَلْيَقِيْنَ	اگر تم یقین کا جانا جانتے تو البتہ دوزخ کو دیکھ لیتے پھر البتہ

(تکوین - ۱)

عینِ یقین سے اس کو دیکھ لو گے،

بنابرین اگر انسان اپنے اندر علمِ یقین حاصل کرے جو کمالِ ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے، تو وہ اپنے باطن کی آنکھوں سے اپنی دوزخ میں دیکھ لے گا،

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهُمْ اَلْيَقِيْنَ اَلْتَرَوْهُمْ يَمْسِكُوْنَ اَلْيَقِيْنَ	نہیں یہ بات نہیں اگر تم کو علمِ یقین ہو تو دوزخ کو بغیر شبہ
--	---

(تکوین - ۱)

کفار و منافقین کو علمِ یقین سے عذابِ سزا کے جلد بخشنے کی مشاہدہ کا مطالبہ کرتے تھے، وحی الہی نے اُسکے جواب میں کہا،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اٰيَاتِ الْاَعْدٰۤی اِنَّ اٰیٰتِهِمْ خِلَافٌ لِّاٰیٰتِنَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

وہ تجھ سے جلد عذاب مانگتے ہیں حالانکہ دوزخ بیکر رہی ہے منکر و نکر کو،

(مائدہ - ۵۱)

ایک دوسری آیت میں ہے کہ منافقین برعہم خود آزمائش کے دوسرے جہاد کی شرکت سے عذر کرتے ہیں اور جواب میں ان سے فرمایا گیا کہ وہ تو ابھی آزمائش میں مبتلا ہیں اور دوزخ ان کو گھیرے ہوئے ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اٰذَنْ لِّيْ وَكَأْتَقْتِيْ  
اَلَا فِي الْغُفْلَةِ مَقْلُوْطٌ اِطْوَا نَجْهَكُمْ  
لِحِيْطَةٍ اَلَا لَكُمۡ يٰۤاٰلِ كُفْرٍ (توبہ)

اور ان میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ مجھے (جہاد میں) تم  
شرکت کی اجازت دیدیجئے اور آزمائش میں مدد ملے۔  
ہاں وہ تو آزمائش میں پڑ چکا اور دوزخ منکرین کو گھیرنے

لیکن یہ علم یقین جس کے حصول کا ذریعہ صرف ایمان ہے ہر شخص اس سے اس دنیا میں بہرہ ور نہیں ہوتا بلکہ  
بہتر ہے اس سے منکر بن، اس لیے ان کو یہ اپنے پاس کی دوزخ اس وقت نظر نہیں آتی، لیکن موت جس کا ان ایک  
دن یقینی ہے جب وہ انکی توادہ کا یہ حجاب جو آنکھوں پر پڑا ہے اٹھ جائے گا، اس وقت اس عالم غیب کے کچھ اسرار پر  
منکشف ہو جائیں گے اور اعمال کے تشلی نتائج اور ثواب و عذاب اور حیرت دوزخ کے بعض مناظر ان کے سامنے  
آجائیں گے اور اس وقت وہ اپنے یقین کی آنکھوں سے کسی قدر واقعات کا شاہدہ کر لیں گے،  
ثُمَّ لَتَرُوْهُنَّ عَيِّنَ الْيَقِيْنَ (نکاثر ۱) پھر تم دوزخ کو عین یقین سے دیکھ دو گے،

یہ موت کے بعد کا سامان ہوگا جس کو برنخ کا عالم کہتے ہیں، اس کے بعد جب قیامت آئے گی، تو ہر راز فاش  
ہو جائیگا، یوہ تشلی السرائر جس دن تمام بھید کھل جائیں گے اور ہر شے دوزخ اپنی ظاہری صورتوں میں اس طرح  
سامنے آجائگی کہ پھر شک و شبہ کا شائبہ بھی باقی نہ رہیگا، وہ علم حقیقی، اور یقین تحقیقی کا دن ہوگا، قرآن میں قیامت کے  
موقع پر ہے،

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ، ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ... اور نہ شک و شبہ کا گناہ ہو گا دن..... تو ہم نے

..... فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ تیرا پردہ تجھ سے کھول دیا تو اب تیری نگاہ نیرسے،

اَلْيَوْمَ حَدِيْدٌ، (ق-۲)

اس پردہ کے ہٹنے ہی اس دن انسان کے تمام اعمال ایک ایک کر کے اس کے سامنے آجائیں گے اور دوزخ

منظر عام پر آجائے گی، فرمایا،

فَإِذَا جَاءَتْ الطَّائِفَةُ الْكُبْرَى، يَوْمَ يَتَذَكَّرُ  
الْإِنْسَانُ مَا سَعَى، وَبُرْزَتِ الْجَحِيمُ كُلٌّ  
بِأَسْمَائِهِ، (نارعات ۲۰)

حوالہ برزخ کا یقین | ایک عرب شاعر (ابوالقاسم) نے حیرت کے عالم میں کیا خوب کہا ہے،

الموتُ بَابٌ وَكُلُّ النَّاسِ يَدْخُلُهُ  
بِلَيْتٍ شَعْرِي بَعْدَ الْبَابِ مَا الدُّنْيَا  
یہ علم جس کی حسرت اس شاعر نے ظاہر کی ہے اس زندگی میں صرف علم یقین کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے، البتہ  
کے وقت جب وہ دوسرے عالم کے دروازہ پر کھڑا ہوگا، تو اس کو پس پردہ کا نظارہ تھوڑا بہت ہو جائے گا، اور وہی  
برزخ کا عالم ہے، فرمایا،

حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ  
رَبِّ ارْجِعُونِ، لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا  
تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنَ  
وَمَا يَصِحُّمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ،  
(مومنون - ۹)

جب ان گنہگاروں میں سے کسی کو ایک موت آتی ہے تو

وہ (زندگی کے) پس پردہ کے بعض مناظر کو دیکھ کر کہتا ہے

اے میرے پروردگار مجھے ایک بار اور دنیا میں لوٹا دے تاکہ دنیا میں جو مال چھوڑ کر آیا ہوں اس سے شاید کوئی

نیک کام کروں، ہرگز نہیں یہ بات ہی بات ہے جو وہ

کہتا ہے اور (اب) ان گنہگاروں کے پیچھے اس دن تک

ظاہر ہے کہ اگر موت کے وقت اور بعد کوئی نئی غیبی کیفیت اس کے مشاہدہ میں نہیں آجاتی تو اس کا شک

شبہ دفعہ یقین سے کیسے بدل جاتا ہے، فرمایا،

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذَٰلِكَ

تو ہمارا تھا،

مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ، (ق-۲)

اس سے معلوم ہوا کہ سکرانے کے وقت "حقیقت" کا کوئی منظر سامنے ضرور آ جاتا ہے، چنانچہ اسی حقیقت کو دیکھ کر جو لوگ عمر بھر جس کام سے انکار کرتے رہے، اُس کے کرنے کے لیے فوراً آمادگی ظاہر کرنے لگتے ہیں،

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا

جب پیرواؤں نے اپنے پیروں سے بے تعلقی کا اظہار کیا،

وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ

اور عذاب کو (آنکھوں سے) دیکھ لیا، اور تمام درجے

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ

اُن کے کہنے لگے، اور پیروں نے کہا کاش دنیا میں ایک بار

مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّأُوا إِلَيْنَا كُنَّا بِهِمْ لَارِئِينَ

اور جانے کی ہمت ملتی تو ہم بھی اُن سے (روبان) بے تعلقی

أَعْمَاءُ لَهُمْ حَسَرَاتٌ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِبَارِعِينَ

ظاہر کرتے جیسے انھوں نے ہم سے (دیان) بے تعلقی ظاہر

مِنَ النَّاسِ، (نہرہ ۵-۲۰)

کی، اس طرح اللہ اُن کے کاموں کو اُن کی حسرتیں کر کے دکھائیگا،

ایک اور موقع پر ہے،

وَأَنفَقُوا مِنْ مَّا زَرَعُوا مِنْ قَبْلُ أَنْ يَأْتِي

ہم نے جو تم کو روزی دی ہے انہیں سے اس سے پہلے

أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ فَيَقُولُ رَبِّ لَوْلَا

کہ تم میں سے کسی کو موت آئے، خرچ کر لو! اُس وقت کہو

أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصْدَقْتَ وَالْكَافِرِينَ

کہ اسے پروردگار؟ کیوں کچھ اور ہمت نہ دی کہ میں خیرا

مِنَ الصَّالِحِينَ، (منافقین ۲-۲)

کرنا اور نیکوں میں ہوتا،

ان لوگوں کو جو کفار یہ خیال ہے کہ اس زندگی کے بعد بچہ کسی قسم کی کوئی ایسی زندگی نہیں، حسین ہم کو اپنے اعمال

کا ذمہ دار ہونا پڑے گا، یہ خطاب ہی

قُلْ يَتُوبُ قُلُوبُكُمْ مَلَكَ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ

کہہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے وہ تم کو وفات دیگا، پھر

بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ، وَلَوْ تَرَىٰ

اپنے پروردگار کی طرف لوٹاؤ گے اور کبھی تو دیکھ

إِذَا تُعْزَبُ مِنْكُمْ أَنْفُسُكُمُ اسْرُءِلُوهُمْ فِي كِبَرِهِم

ان بھروسوں کو اُن کے پروردگار کے آگے سر جھکاؤ گے،



فَتَقَرَّبَ إِلَيْهِمْ مَرْجِعُكُمْ تَمَرُّنَيبُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ  
تَعْمَلُونَ، (انعام-۷)

جگا اٹھاتا ہی، تاکہ مقررہ وقت (اہلی موت) پورا ہو، پھر ہی کی  
طرف مکر لوٹ کر جانا ہی، پھر وہ مکر تمہارے اعمال جتنائے گا،

ایک اور آیت میں ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا نَعْبُدُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ  
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا تَقَرَّبَ إِلَيْكُم مَرْجِعُكُمْ فَتَنْبِئُكُمْ  
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ، (یونس-۳)

سنو انسانو! تمہاری عبادت کا نتیجہ تجھ پر ہے، دنیا کی زندگی  
سے فائدہ اٹھا لو، پھر جاری ہی نظر لو، تاکہ آئے، تو ہم تم کو تمہارے  
اعمال بتائیں گے،

اسی "رجوع" کو اس کے ہم معنی لفظ "رد" (واپسی) سے بھی کہیں ادا کیا گیا ہو،  
هَذَا الَّذِي بَنَىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ وَرُدُّنَا  
إِلَى اللَّهِ مَوْعِدٌ لَّهُمْ الْحَقِّ، (یونس-۳)

وہاں ہر مان جانچے گی جو اس نے پہلے ہیجا، اور وہ سب  
اپنے حقیقی مالک کی طرف لوٹا دیتے جائیں گے،

ایک دوسرے سورہ میں اس کو "سوق" یعنی ہانکنے کے مفہوم سے ادا کیا گیا، فرمایا،

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ، وَقِيلَ لَهَا مَرْحَبًا  
وَوُظِّنَ أَتَاهُ الْغُرُاقُ، وَانْفَقَتِ الْمَسَاقِ  
بِالْمَسَاقِ، إِلَىٰ سَرَّابٍ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقِ،  
(قیامہ-۱)

ہرگز نہیں، جب رُوح ہانس تک آپہنچے، اور لوگ کہیں آ  
کون ہے جھاڑ پھونک کر کے بجائے والا، اور تھکا کہ اب  
جدا کی کا وقت آگیا، اور پھنڈا سے پندلی پٹ گئی، اس  
دن تیسرے پروردگار کی طرف ہے ہانکا جانا،

لیکن سہید اور نکو کار روح کو موت کے وقت یہ بہت بھری صدائے غیب سنائی دیتی ہے،

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ  
رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، (زمرہ-۱)

اے مطمئن روح! تو اپنے مالک سے خوش، اور تیرا مالک  
نخستہ خوش، تو اپنے مالک کے پاس واپس چلی جا،

یہ کسی نہ لائو زہدا، اور کسی دلکش واپس ہوگی،

اس وقت کا سامان وہ لمحہ جب اس روح کی ہمدست کا زمانہ اور عمل کی فرصت ختم ہوتی ہے، کتنا دردناک ہے، اس وقت

سے اسکی زندگی صرف اُس کے گذشتہ اعمال کے قالب میں جلوہ گر ہوتی ہے اور ہر عمل کی صورت اُس کو اپنے سامنے کھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور غیب کی کارکن صورتیں چلتی پھرتی دکھائی اور بولتی چلتی سنائی دیتی ہیں،

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ  
وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ آخِرُ حَسْرَتِهِمْ  
أَلَيْسَ لِمَنْ يَخْزُونَ عَذَابٌ أَلِيمٌ  
تَقُفُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ  
آيَاتِهِ تَسْكِبُونَ، وَلَقَدْ جِئْتُمُوهُنَّ نَافِرًا  
كَمَا خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْتُمْ  
وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ج (الغافر-۱۱)

اور کبھی تو دیکھے جس وقت گنہگار موت کی بیہوشی میں ہوں  
اور فرشتے ہاتھ کھولے ہیں کہ نکلوا (اپنے جہنم کے اندر سے) اپنی  
روحوں کو، آج تم کو اس پرزنت کی سزا ملے گی کہ تم خدا کی نشان  
دہی جھوٹ باتیں کہتے تھے اور اُس کے حکم کے ماننے سے  
نہیں کرتے تھے اور تم ایک ایک کر کے (تنہا) جیسے ہم نے پہلی  
بار تم کو پیدا کیا تھا، ہمارے پاس آئے اور جو سامان اسباب  
تکوید یا تھا (جسے تم کو فرو بردنایا تھا) اُس کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے

ان آیات سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت کس طرح فرشتے سامنے آتے ہیں اور روح، جسم سے جس وقت الگ ہوتی ہے، اس کے گناہوں کی سزا کا دور شروع ہو جاتا ہے، یہی بات ایک اور موقع پر مذکور ہے،

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ  
يَقْرَأُونَ وَجْهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا  
عَذَابَ الْخُلُقِيِّ، ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ آيَاتِكُمْ  
وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (الأنفال-۷)

اور کبھی تو دیکھے جو وقت فرشتے کافروں کی جان لیتے ہیں  
اُن کے منہ پر اور پیچھے مار رہے ہیں، (اور کہتے ہیں) جلعے کے  
عذاب کا مزہ چکھو، یہ تمہارے ہاتھوں کے پہلے کئے ہوئے  
کاموں کا بدلہ ہے، اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا،

اس سے واضح ہے کہ یہ سزا موت ہی کے عالم سے شروع ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ یہ سزا ان کو ذرا اللہ کسی انتقام کے  
سبب سے نہیں دیتا، بلکہ وہ سزا حقیقت قانونِ عمل کے مطابق خود انسان کے کاموں کا لازمی نتیجہ ہے،  
نکو کاروں کا نقشہ اس سے بالکل الگ ہے، اُن کو ہر طرف سے بشارتیں سنائی دینگی، اور ہر سمت خوشی و شادمانی  
کا سامان سامنے نظر آئے گا،

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ، وَأَنْتُمْ  
 حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ، وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ  
 مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تَنْصُرُونَ، فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ  
 غَيْرَ سِدِّينِ، تَنْصُرُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ  
 فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ، فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ  
 وَجَنَّتُ لَيْلِيُمْ، وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ أَصْحَابِ  
 الْيَمِينِ فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ  
 وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ، فَسَاءَ لَئِنْ  
 نَزَّلْنَا مِنْ حَيْثُمْ، وَتَفْصِيلُهُمْ، إِنَّ هَذَا  
 لَهُوَ سَعَى الْيَقِينِ، (واقعه ۲۰)

پھر کوں نہیں جوت روح علی تک پہنچ جاتی ہے اور تم  
 اس وقت دیکھ رہے ہو، اور ہم اُس سے تمہاری نسبت  
 زیادہ نزدیک ہوئے ہیں، لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا تو اگر  
 تم کسی اور کے حکم کے نیچے نہیں ہو، تو کیوں نہیں تم اُس روح  
 کو پھر بلادیتے ہو، اگر تم اپنے انکار و تکذیب میں پسے ہو،  
 تو اگر وہ (مرنے والا) مقرب بندوں میں سے ہو تو خوشی  
 آرام اور نعمت کی بہشت ہو، اور اگر وہ (اُس سے کچھ دور)  
 دہشت والوں میں ہو تو پھر سلامتی دہشت والوں میں سے ہو،  
 اور اگر وہ حق کو جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہو تو گرم  
 پانی کی مٹائی اور دوزخ میں بیٹھا ہے، بیشک یہ بات یقیناً

یہ تمام سامان موت کے بعد اور عالم برزخ ہی کے مناظر ہیں،

برزخ کا عذابِ رحمت | اوپر کی آیتوں سے پوری طرح ہویدا ہے کہ روح و جسم کی مفارقت کے بعد اچھی روحوں پر رحمت  
 کے اور بری روحوں پر عذاب کے منظر سامنے سے گذرتے ہیں، قرآن پاک میں کچھ اور آیتیں ہیں، جن سے ثابت ہو کہ  
 حضرت یہ منظر ہی صبح کے سامنے سے گذرتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی وہ اپنے اعمال کے مدارج کے مطابق اس رحمت و رحمت  
 کے اندر بھی داخل کر دی جاتی ہے، انما تعین کی نسبت قرآن میں ہی

سَلْعَتُهُمْ مَثْرَتَيْنِ، ثُمَّ يُرْجَوْنَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ، (نوبہ ۱۳)  
 ہم اُن کو دو دفعہ عذاب دیں گے، پھر وہ ایک بڑے عذاب  
 کی طرف لوٹائے جائیں گے،

”عذابِ عظیم سے ظاہر ہے کہ دوزخ کا عذاب مراد ہے، اب اس عذابِ دوزخ سے پہلے عذاب کے دوزخ

اُن پر اور گزر چکے ہوں گے، ایک تو یہ دنیاوی عذاب ہے اور دوسرا موت کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے، قرآن میں اُلیٰ فرعون



وَحَافِيَ الْيَالِ فِرْعَوْنَ سَوْءَ الْعَذَابِ. التَّنَادُّ  
اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب الٹ پڑا،  
يَعْرِضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ  
کہ اُس پر وہ صبح اور شام کو پیش کئے جاتے ہیں اور جب  
تَقُومُ السَّاعَةُ تَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ

أَشَدَّ الْعَذَابِ. (مومن - ۵)  
(پہلے سے بھی) بڑھ کر عذاب میں ڈالو،

اس سے ظاہر ہوا کہ نگاروں کو قیامت سے پہلے برزخ کے عالم میں بھی عذاب کا کچھ نہ کچھ مزہ چکایا جاتا ہے، ایسا  
یہ نیکو کاروں کو بہشت کے عیش و آرام کا منظر دکھایا جاتا ہے، اسی آیت پاک کی تشریح میں گویا آپ نے فرمایا ہے  
”تم میں سے جب کوئی مرتا ہے، تو اُس پر صبح و شام اُس کا اصلی مقام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے  
تو بہشت، اور اگر اہل دوزخ سے ہوتا ہے تو دوزخ، پھر اُس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام، اُس وقت تک کے لئے  
کہ جب تو قیامت کے دن اٹھایا جائے، ایک اور صبح تیرے پیش ہے کہ جنتی مردہ کے سامنے جنت، و دوزخ دونوں کے  
منظر سامنے کر کے کہتے ہیں کہ اگر تو اچھے عمل نہ کرتا تو تیرا یہ مقام نہ ہوتا، مگر تیرے نیک عمل کے سبب سے اب یہ جنت تیرا  
مقام ہے، اور اُس دن تک کے لیے کہ لوگ اٹھائے جائیں، اس پر سرسبز بھری جاتی ہے،

مشرکوں اور قیامت کے منکر دن کا سوال تھا کہ اگر یہ پیغام الہی سچ ہے تو ہم کو یہ فرشتے یا خدا نظر کیوں نہیں  
آتے، جواب میں کہا گیا کہ فرشتے جس دن نظر آئیں گے تو اُس دن ایمان بالنبی کمان، اور اوپر کی آیتوں سے معلوم  
ہو چکا ہے کہ فرشتے موت کے وقت نظر آتے ہیں، یا پھر قیامت میں نظر آئیں گے، اس لیے ارشاد ہے،

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ  
جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اُس دن ان کے نگاروں  
لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا نَّحْنُ سَاءُ  
کو کچھ خوشخبری نہیں اور کہیں گے کہ یہ ڈراؤنا منظر عذاب  
وَقَدْ مَنَّآ عَلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ  
ہم کو نظر آ رہا ہے) اور میں روکا جائے اور ہم (خدا فرما

۱۔ صحیح مسلم کتاب الحجۃ والنار باب عرض مقعد الیت جلد ۲ صفحہ ۴ مصرعہ جاح ترمذی کتاب الجہنم، باب عذاب القبر حدیث صحیح و صحیح بخاری  
کتاب الجہنم باب عذاب القبر حدیث ۱۰۸۰۰ و سکرات الموت صفحہ ۹۶،

۲۔ صحیح بخاری کتاب الجہنم صفحہ ۱۱۰، ۳۔ صحیح مسلم باب عرض مقعد الیت صفحہ ۴ مصرعہ

ہے اُن کے لیے ہوئے کاموں کے پاس پہنچے، اور اُن کے  
 اڑنا بننا دیا (یعنی بیکار و بیوز در معدوم) جنت و آگ  
 لوگ رہیں جنکو جنت ملے والی ہے، اُس دن اُن کیلئے خواہ  
 چھٹکانا، اور دوپہر کے سوئے کا مقام ہوگا، اور جہنم  
 آسمان بادل سے بھٹ جائیگا، اور فرشتے ہستہ ہستہ اُن سے  
 جائیں گے، اُس دن رُوح بچاؤ کا ہوگا، اور وہ دن کافروں  
 (نورقان - ۳)

کھلی بات ہے کہ آسمان کا بادل سے پھٹنا، اور فرشتوں کا اترنا، قیامت کا نقشہ ہے، اب اس سے پہلے فرشتوں کے  
 دکھائی دینے کا وہ دن جہنم گنہگاروں کے لیے کوئی خوشخبری نہیں، اور وہ کہیں گے کہ کاش یہ ڈراؤنا منظر ہماری نگاہوں  
 کے سامنے نہ ہوتا، اور جنت کے مستحقین کو ایک اچھا مستقر، (قرار گاہ) اور دوپہر کی دھوپ سے بچانے والا خوب گاہ ملا  
 ہوگا، قیامت سے پہلے اور موت کے بعد ہی کی کیفیت ہے،

ایک ادبیت میں ہے،

قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ  
 بِكُمْ تُنْظَرُ إِلَى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ، وَلَوْ تَرَى  
 إِذِ الْمُرْسَلُونَ تَأْتُوا مَلَكًا وَسِيقَهُمْ  
 تُرْجَعُونَ إِلَى بَنِي إِدْرِسَ نَاوَسَمِعْنَا قَارِعَتِنَا  
 نَعْمَلُ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ،  
 کہدے کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تم کو دُعا  
 دیکھا، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹاؤ گے اور اگر  
 تو دیکھے جب مجرم اپنے سرور کو جھکائے اپنے پروردگار  
 کے پاس ہونگے (اور کہیں گے) ہمارے پروردگار ہم نے  
 دیکھ لیا اور سن لیا، پھر ہم کو دنیا میں لوٹا دے، ہم شک  
 کام کرینگے، اب ہم یقین لائے،  
 (سجده ۴-۲)

جواب دیکھا کہ اگر ہم کو زبردستی لوگوں کو ہدایت دینی ہوتی تو دنیا ہی میں پہلے دس چکے لیکن ہم تو یہ کہہ چکے  
 تھے کہ جن دُعا میں جو از خود ہدایت نہ قبول کرے گا، اس سے تہمت کو بھروسہ نہ کیا، پھر فرمایا،

فَذُوُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۖ  
 إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا  
 كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (سجده ۲۵-۲۶)

تو اب غذاب کا مزہ چکھو کہ تم نے اس دن کی ملاقات کو  
 بھلا دیا تھا، ہم نے بھی تم کو بھلا دیا، اپنے کر ثوت کے  
 بدلے سدا کا عذاب چکھو۔

یہ کیفیت اور یہ گفتگو ظاہر ہے کہ ملک الموت کی روح نکالنے کے بعد کی ہے جیسا کہ آیت کا سابق جو، اور جیسا کہ آخر  
 آیت میں ہے کہ تم اس دن کو بھولے ہوئے تھے، ظاہر ہے کہ قیامت کے منکر قیامت کو بھولے نہیں، بلکہ قیامت کا یقین  
 نہیں کرتے، البتہ اپنی غفلت سے موت کا دن ضرور بھول جاتے ہیں، اس لیے یہ آیات حیات بعد المات اور قبل قیامت  
 سے متعلق ہیں،

قَوْمُ نُوحٍ، قَوْمُ ذُرِّیَّةِ نُوحٍ، قَوْمُ لُوطٍ، اور اصحاب ایکہ وغیرہ قوین جو ناکامی غذاب الہی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوئے ہیں  
 ان کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ کہتا ہے:-

إِنَّ كُلَّ الْاٰلِیْنَہِ الرَّسُلِ فُتِحَ عِقَابٌ ۚ  
 یَنْظُرُوْنَ لَآءِیَ الصِّیْقَةِ وَاصْبَحُوا نَارًا ۚ  
 مِنْ فُجَاقِی، وَقَالُوْا اٰمَرْنَا بِعَیْلِکُمْ اَنْتَ اَقْدَرْنَا  
 قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ (ص ۲۱-۲۲)

ان بھون نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا غذاب و احباب  
 ہوا، اور یہ راہ نہیں دیکھتے، لیکن ایک جگہ کی جو دم دیکھی  
 اور انھوں نے کہا کہ اسے ہمارے پروردگار انتاب کہ ہمارا  
 چھٹی حساب کے دن سے پہلے،

یہ "حساب کے دن" یعنی قیامت سے پہلے اور دنیا کے غذاب ہلاکت کے بعد کا واقعہ ہے، اور اسی وقفہ کا نام پر  
 سورہ یس میں اپنی قوم کے ایک خیر خواہ کا ذکر ہے، جو عمر بھر اپنی قوم کو حق کی تبلیغ کرتا رہا تھا، اور پھر وہ غالباً  
 اسی حق کی راہ میں شہید ہوا، مرنے کے بعد جب اس کو بہشت ملی، تو اس نے بڑی حسرت سے کہا کہ کاش میری قوم  
 کو معلوم ہوتا کہ مرنے کے بعد خدا نے کس طرح مجھے معاف فرمایا، اور عورتی بخشی، تاکہ وہ بھی ایمان سے میری طرح بہرہ  
 ہو کر اس مغفرت اور عزت سے سرفراز ہوتی،

قَبْلَ اَدْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ لِمِیَّتَ قَوْمِیْ لَیْسَ لَیْسَ  
 لَمَّا گئی جنت میں داخل ہوا، اس نے کہا اسے کاش میری

بِمَا غَفَرْتُ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمَكْرُومِينَ،  
 وَمَا أُنْزِلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِكَ مِنْ جُنْدٍ  
 مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ،  
 قوم کو یہ معلوم ہوتا کہ میرے بچے پر جو دیکھارے میری معرفت  
 کی اور مجھے عزت والوں میں سے بنایا اور ہم نے اس کے  
 مرنے کے بعد اس پیغام کو دیکھا اس کی قوم پر آسمان سے

(بیس - ۲) کوئی فوج نہیں اتاری اور نہ ہم اتارا کرتے ہیں،

ظاہر ہے کہ یہ تین پر نرخ ہی کے عالم سے متعلق ہیں، ورنہ قیامت یا اس کے بعد اپنی قوم کو خبر دینے کی توفیق  
 بے معنی ہے، ساتھ ہی اس میں مذکور ہے کہ اس کے مرنے کے بعد میں نے اس کی قوم کے پاس یہ خبر پکڑا آسمان سے فوج  
 نہیں اتاری کیونکہ یہ ہمارا دستور نہیں، کہ خدا کو جو کچھ پیام دینا تھا وہ رسول کی معرفت پہلے ہی سے بھیج چکا تھا اس سے  
 معلوم ہوا کہ یہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کا حال ہے،

تبرکی اصطلاح | سطور بالا میں عالم بر نرخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہیں جو قرآن کی آیتوں میں نظر آتے ہیں احادیث  
 صحیحہ میں اس عالم کے حالات کی جو تفصیلیں مذکور ہیں، وہ عموماً فقیر کی اصطلاح کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، لیکن اس لفظ  
 ”قبر سے“ حقیقت مقصود وہ خاک کا تو وہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں، بلکہ وہ عالم ہے جس میں مینا  
 پیش آتے ہیں، اور وہ ارواح و نفوس کی دنیا ہے، مادی عناصر کی نہیں، اسی لیے قرآن پاک نے اس عالم کے تعلق سے  
 ہمیشہ نفس اور نفوس کو خطاب کیا ہے، اور انہیں کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر کیا ہے، اس عالم میں جو  
 جسم نظر آتا ہے، وہ مرنے والے کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے، جو ہو ہو اس کے خاکی جسم کا مثالی ہوتا ہے، تم نیند میں ہواؤ  
 تمہارا نیم مردہ جس جسم بستر پر دراز ہے، مگر تم خواب میں دیکھ رہے ہو کہ بعینہ تمہارا جسم آگ میں جل رہا ہے، یا باغ و بہار  
 کی لذتوں میں مصروف ہے، اور تم کو اس سے وہی تکلیف اور راحت مل رہی ہے، جو تم کو بیداری میں اپنے بستر پر

لے بعض قدیم معتزلہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے، اور ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں، یہ غلط فہمی ان کو اس لیے پیش آئی کہ قرآن  
 میں فقط قبر و قبور کیساتھ عذاب کا ذکر نہیں لیکن اگر وہ دیکھتے کہ قرآن میں بدست و قبل قیامت انسانی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر  
 ہے یا نہیں، تو ان کو اس ہتکار کی جرات نہ ہوتی، اسی لیے متاخرین معتزلہ نے نبی پیش روؤں کے عقیدہ سے رجوع کر لیا، اور اس کے قائل ہو گئے،

پڑے ہوئے جسم کی تکلیف و راحت سے پہنچ سکتی ہے، اس خواب میں جس طرح تمہارے مادی جسم کے علاوہ تم کو اپنا ایک خیالی جسم نظر آتا ہے، جو ہو بہو تمہارا مادی جسم کا سیطرہ موت کے خواب میں بھی تم کو اپنا ایک مثالی جسم نظر آئے گا، جو اکثر حالتوں میں ہو بہو تمہارے اس خاکی جسم کے مطابق ہوگا، اور تمہاری روح اسی جسم مثالی کے عذاب و راحت سے متاثر ہوگی کہ اعمال کی اصل ذمہ دار روح انسانی ہے، جسم خاکی نہیں، فرمایا اَنْفُسُ بِمَا كَسَبَتْ رَهِتًا (یعنی ہر روح اور جان اپنے اعمال کے ہاتھن گرد ہوگی) اس لیے اصل تکلیف روح ہے، جسم نہیں، جسم صرف بمنزلہ آلہ کے ہے، دنیا میں اس کا ایک جسم خاکی تھا، برزخ میں اس کا ایک اور جسم ہوگا، جو مادہ و مادیات سے پاک و بری ہوگا، تاہم اس کو اپنے جسم خاکی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی، اور اتنی ہی نسبت کی بنا پر قبر کی اصطلاح عام بول چال میں جاری ہے، کہ ہم اپنی آنکھوں سے مسلمان مردوں کو اسی قبر میں جاتے دیکھتے ہیں، قرآن پاک کی یہ آیت اور پر گزردہ جی ہے،

وَلَوْ تَرَىٰ اِذْ يُنْفَخُ الْفُتُوحُ وَالْاَعْلَاقُ  
يَضْحَكُونَ وَجُوهُهُمْ رَاحًا بِآرِهِمْ ۖ وَذُوقُوا  
عَذَابَ الْحَرِيقِ (انفال - ۷)

اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں، مارتے ہیں، اُن کے منہ اور پیٹ پر اور رکتے ہیں (چھو جلتے کافر) ،

اس آیت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنہگاروں پر موت کے بعد ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ ماراؤں کے منہ اور پیٹ پر پڑتی ہے، مگر یہ منہ اور پیٹ وہ نہیں ہیں، جو بے جان لاشہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، بلکہ اس آیت میں کافر کی روح کو جانور سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح جانور کو تیز نکالتے وقت کبھی آگے (منہ پر) اور کبھی پیچھے (پیٹ پر) مارتے ہیں اُسی طرح گویا کافر روح کو زبردستی فرشتے مارتے ہوئے، اور نکالتے ہوئے لے چلیں گے اور کہیں گے کہ چلو عذاب کا مزہ چکھو، یہی مفہوم صاف لفظوں میں اس آیت میں ہے

اِلٰی سَرَابٍ يَّمِيلُ الْاَنۡسَافُ (قیامہ - ۱) اُس دن تیرے پروردگار کی طرف سے ہنکایا جانا،

لے اس سے اس شہم کا ازالہ ہوتا ہے کہ ہم کو مردہ کا جسم سامنے پڑا نظر آتا ہے لیکن اُس پر عذاب کا کوئی نشان نظر نہیں آتا، اور نیز اس شہم کا بھی ازالہ ہوتا ہے کہ قبر میں جب جسم ستر گل جاتا ہے تو پھر عذاب و فوایب کا احساس اس کو کیسے ہوتا ہے،

بعض ایسی سیدرو حین بھی ہوتی ہیں جنکو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس برنخ میں ان کے جسم خاکی کی شکل و صورت کی قید سے بھی آزاد کر کے کوئی دوسرا مناسب مثالی جسم عطا کرتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ "مومن کامل کی روح پرندوں کی شکل میں جنت میں اڑتی پھرتی ہے" اور خصوصاً شہداء کے متعلق آیا ہے کہ وہ سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گے، اور عرش الہی کی قدیلین ان کا آشیانہ ہونگی، "اسی طرح دوزخ و بہشت کے متعلق آنحضرت صلیعہ کا جو رویائے صادقہ پہلے گزرا ہے اس میں جن جسمانی قابون میں گنہگاروں کی سزاؤں تکلیف کی صورتیں دکھائی گئی ہیں وہ تمام تر مثالی ہی ہیں، ظاہر ہے کہ مومن سید اور شہداء کے وہ مثالی قالب اور ان گنہگاروں کے یہ مثالی اجسام ان کے وہ قالب و اجسام نہیں ہیں جو ان کی قبروں میں سرگل کرنا ہو گئے، یا وہ آگ میں جل کر خاکستر ہوئے، اور ذرے اور ہوا میں اڑ کر منتشر ہو گئے، یا کسی جانور کے پیٹ میں جا کر اس کے جزو بدن بن گئے،

بعض حدیثوں میں آنحضرت صلیعہ سے اس مٹی کی قبروں میں عذاب کے مشابہات و سموات کا تذکرہ ہوا تو ظاہر ہے کہ مادی زبان و منظر میں ان قوموں کے نزدیک جو مردوں کو گاڑتی ہیں، اس میت کی یادگار اس دنیا میں اس کے اس مٹی کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہے جس کی طرف اشارہ کیا جاسکے، ایک صحیح حدیث میں اس نیک مرد کا ذکر ہے جس نے خدا کے خوف سے یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کا جسم جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دیا جائے تاکہ وہ خدا کے سامنے حاضر کیا جاسکے، مگر قدرت الہی نے اس کو مجھ کر کے کھڑا کر دیا، اور اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں سے نوازا۔ سوال جواب | احادیث صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت صلیعہ نے فرمایا کہ مرنے کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں، اور وہ مردوں سے توحید و رسالت کی نسبت سوال جواب کرتے ہیں،

اس کی تصدیق قرآن پاک کی ان آیتوں سے بھی ہوتی ہے،

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفَّیْهُمْ الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْنَ اَنْفُسِهِمْ  
بَیِّنٰتٍ فَرِیْقَتُوْنَ لَمْ یَمُوتُوْا وَ لَمْ یَحْیَوْا  
قَالُوْا فِیْ سَمْعِیْمْ کُنْہُمْ قَالُوْا لَمْ نَسْتَضَعِفِیْہِمْ  
فَبُخِصَ بِمَا کَانَ اٰوْنِیْ جَانُوْنَ یَرْکَبُوْنَہُمْ وَہُمْ اَنْۢ

لے سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، صفحہ ۱۰۰، کتاب الرقاق باب الخوف من اللہ

فِي الْأَرْضِ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نُرَى اللَّهَ وَسِعَتْ  
فَتْهَا جُورًا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ  
نہ تھی، کہ تم اپنا دین چھوڑ کر باہر چلے جاتے،  
(نساء - ۱۷)

ایک اور آیت ہے،

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ مِّنْهُم مُّسْلِمَآئِقُ قَوْمُهُمْ قَالُوا  
أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُنَادُّونَ مِن دُونِ اللَّهِ قَالُوا  
ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلٰى أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ  
كَانُوا كَافِرِينَ، قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ  
خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي  
النَّارِ (اعراف - ۱۲)

یہاں تک کہ جب ان جھٹلانے والوں کے پاس ہمارے  
فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرنے آئینگے اور کہیں گے کہ ان  
میں وہ جن کو تم پکارتے تھے (موت دہشک) کہیں گے کہ ہمارے دیوتا  
ہم سے کنارہ کش گئے، اور انہوں نے اپنے اوپر آپ گواہی دی  
کہ وہ کافر تھے، تب خسرا فرمایا گا کہ تم بھی ان لوگوں  
میں جا لو جو جن و انس میں سے تم سے پہلے آگ میں

پہلی آیت میں عدم ہجرت کے گناہ کے مرتکب مسلمانوں کا اور دوسری میں کافروں کا حال بیان کیا ہے کہ  
ان سے ان کی موت کے بعد ہی یہ سوال کیا جائے گا، بہر حال یہ تو خاص خاص گناہوں کے مجرموں کا حال تھا،  
اب عام لوگوں سے جو سوال ہو سکتا ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر احادیث میں ہی یعنی یہ کہ توحید و رسالت کی موت  
کا ان سے سوال ہوگا،

قرآن پاک میں ایک جگہ کلمہ طیبہ (اچھی بات یعنی کلمہ توحید) اور کلمہ رخیثہ (بری بات یعنی کلمہ کفر) کی ایک  
ایک مثال ہے کلمہ طیبہ کی مثال اُس درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوط گڑی ہیں، اسکی شاخیں آسمان  
تک پھیلی ہیں اور اُس میں سرد بہاؤ بہہ رہے ہیں، اور کلمہ رخیثہ کی مثال اُس درخت کی ہے جسکی جڑیں زمین سے  
اٹھری پڑی ہے، وہ اب گرا اور تباہ گرا اس کے بعد قرآن میں ہے،

يُنَبِّئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ  
اللہ ایمان والوں کو کچی بات پر اس دنیا میں مضبوط رکھیکا

الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾ اور آخرت میں بھی، اور اللہ ظالموں کو بھٹاتا ہے،

اس کی تفسیر صحیح حدیثوں میں یہ ہے کہ یہ برزخ کے اسی سوال و جواب سے متعلق ہے کہ صاحب ایمان جس طرح اپنی اس زندگی میں ایمان کی کئی بات پر قائم تھا، اسی طرح برزخ میں بھی اس پر قائم رہے گا، اور جو کافر و مشرک یہاں اس پر قائم نہ تھا، وہ وہاں بھی قائم نہ رہے گا، اور بہک جائیگا،

ہر چند کہ رسول پاک سے صحیح تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی اور استدلال کی حاجت نہیں، تاہم تائیداً یہ عرض ہو کہ اس آیت میں اہل ایمان کے آخرت میں بھی "قول ثابت" پر ثابت قدم کھے جانے کی بشارت ہے، ظاہر ہے کہ اس آخرت سے قیامت اور بہشت و دوزخ کا دن تو مرد نہیں ہو سکتا کہ وہ تو کشفِ راز کا دن ہے، اس دن تو کافر بھی اس قول ثابت سے پلٹنے کی جرأت نہیں کر سکتا، پھر یہ اہل ایمان کے لیے کوئی خاص بشارت نہ ہوگی، اور نہ یہ اس اظہارِ احسان کا مناسب وقت ہو سکتا ہے، البتہ اس بشارت اور احسان کا اعلان و اظہار آخرت کے اُس حصہ میں ہو سکتا ہے جہاں ہنوز اسرار پس پردہ کی پوری نقاب کشائی نہیں ہوتی، اور وہ برزخ کا عالم ہے،

اس آیت پاک کی اس تفسیر سے جو احادیث صحیحہ پر مبنی ہے، یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آخرت کی وسعت مفہوم میں برزخ کا میدان بھی داخل ہے،

حقیقت میں اس عالم برزخ کا سوال و جواب کوئی نیا واقعہ نہ ہوگا، بلکہ ہر روح کی پہلی زندگی کی ایمانی کیفیت اقرار و انکار کی مثال ہوگی یا یوں کہو کہ آج کے آئینہ میں کل کا عکس نمایاں ہوگا، یعنی اقرار و انکار کی جس کیفیت پر زندگی کا خاتمہ ہوا ہوگا، وہی بعد کو سوال و جواب میں نمایاں ہوگی،

برزخ میں ارواح کا مسکن | آخری سوال یہ ہے کہ موت اور قیامت کی اس بیچ کی منزل (برزخ) میں ارواح انسانی کا مسکن کہاں ہوگا؟ قرآن پاک میں اس کا جواب متعدد آیتوں میں ملتا ہے، سب سے پہلی آیت تو ان مذکورہ بالا آیت کے بعد ہے، جس میں ذکر ہے کہ فرشتے جب منکرین سے سوال و جواب کر چکیں گے تو خدا ان کی روحوں کو حکم دیگا کہ وہ اپنے ساتھیوں کیساتھ مذاب کی آگ میں داخل ہو جائیں، اس کے بعد ہے،



اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا رَاٰهُمْ فِيْ سَلَاطٰتٍ مِّنْ عَذَابِنَا  
فُتِحَتْ لَهُمُ ابْوَابُ السَّمَاءِ وَكَانَتْ اَصْوَابُ  
الْجَنَّةِ حَتّٰى يَكْلِمُوا الْجَمَلَ فِيْ سُلَيْمٍ الْجَبَابِطِ  
بیشک جنوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، اور ان کے  
اسنے سے غور کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ  
کھولے جائیں گے، اور نہ وہ جنت میں داخل ہونگے، نہ  
(اعراف - ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ آیات الہی کے منکر و نافرمان اور جھٹلانے والوں کی روحیں مرنے کے بعد آسمانی بادشاہی کے  
حدود میں قدم نہ رکھ سکیں گی، اور وہ فضا سے زمین میں آوارہ پھر چکی، یا اپنے جسم خاکی کے لگاؤ سے جہان وہ پیر خا  
ہوئے ہوں، منڈلاتی رہیں گی، اور وہیں سے دوزخ کا منظر دکھائی دے گا، اور تکلیف اٹھائی جائے گی،

اس کے برخلاف ہمہ تن پاکباز مومن روح کا یہ حال ہوتا ہے کہ موت ہی کے وقت رحمت الہی کا فرشتہ، بلکہ فر  
زبان رحمت اُس کے کافون میں یہ صدا دیتی ہے،

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلَىٰ رَبِّكِ  
رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِيْ فِي عِبَادِيْ  
وَاَدْخُلِيْ جَنَّتِيْ، (بقرہ - ۱)  
اے مطمئن روح اپنے پروردگار کے پاس واپس چلی جا  
تیرا پروردگار تجھ سے خوش اور تُو اپنے پروردگار سے خوش  
تو بہ بندوں میں شامل اور میری بہشت میں داخل ہو

ان سے بڑھ کر وہ پاکباز زمین میں جنوں نے اپنے خاکی جسموں، فانی زندگیوں، مادی تشبیہوں اور زوال پذیر  
عشرتوں کو خدا کی راہ میں قربان کیا، تو ان کو خدا کی طرف سے ایک تماشائی جہم، غیر فانی زندگی اور روحانی عیش و  
سرور کی لازوال دولت اُسی وقت عنایت کر دی جائیگی، فرمایا،

وَلَا تَقْوُ الْوَعْدَ لَقَدْ كَانَ فِيْ رِسَالِ الْاَلٰهِ  
اَمْوَاطٌ مَّبْلُغٌ اَحْيَاءُ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ  
یہ پیر سرست زندگی کسی ہوگی اُس کی تفصیل دوسری سورہ میں ہے،  
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُبِلُوْا اِلَىٰ سَبِيْلِ الْاَلٰهِ  
اور تو ان کو جو خدا کی راہ میں مارے گئے مردہ نہ گمان کر

اَمْ نَاْتَا بِلْ اَحْيَاءِ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْسِلُوْنَ ۙ  
 فَرِحْنَ بِمَا اَنْصَبَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ  
 بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَا  
 نُوَفِّيْ عَلَيْهِمْ وَاَهْلُوْهُمْ كَمَا نُوَفِّيْ سَيِّدُوْنَ  
 بِنِعْمَتِهِ مِنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِلُّ  
 اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ، (ال عمران - ۷۷)  
 بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انکو روزی دیکھائی ہوگا  
 نے اپنی مہربانی سے انکو جو دیا ہی اُس پر خوش ہیں اور جو بھی  
 اُن کے پیچھے سے اُن تک نہیں پہنچے ہیں، اُن کی طرف سے بھی  
 خوش ہیں کہ اُن کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ ٹھگن  
 ہوں گے، وہ اللہ کے مہر و کرم سے مسرور ہیں اور اللہ

یہ پُرستِ زندگی شہداء کو ملے گی، اس زندگی کا مقام خدا کے پاس بتایا گیا ہے، احادیث صحیحہ میں ہے کہ ان  
 شہیدوں کی روحیں قفسِ غصری سے پرداز کر کے جب اُڑتی ہیں تو وہ سبز پرندوں کی صورت میں جنت کی سیر کرتی  
 ہیں، اور عرشِ الہی کی قدیلین اُن کا نشین بنتی ہیں، اس کے بعد غالباً اتنا ہر ذی عقل تسلیم کرے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے  
 روحانی راجح و مراتب شہداء سے بہر حال اعلیٰ اور برتر ہیں، اس لیے اُن کا مقام بھی اسی احاطہ قدس کے اندر ہوگا، اسی  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر معراج اور اپنے رویائے صادقہ میں بعض پیغمبروں کو آسمان اور بہشت کے مختلف مدارج میں دیکھا،  
 بعض وہ مجدد و صیہن ہوئی جو یہاں سے نکل کر فرشتوں کی صف میں داخل ہو جائیں گی، جیسا کہ حضرت جعفر طیارؓ  
 کے متعلق احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ وہ شہادت کے بعد اپنے دونوں بازوؤں سے فرشتوں کیساتھ عالم ملکوت میں اُڑے  
 تھے، عالم فزخ کے یہ دو اڑنے والے بازو درحقیقت اُن کے اُن دونوں جہانی بازوؤں کی مثال ہیں، جو اس جنگ  
 میں ان کے جسم سے کنکر گر گئے تھے، اور وہ اس پر بھی اسلام کے علم کو اپنے بقیہ کئے ہوئے بازو اور گردن کے سہارے  
 سے پکڑے تھے عجب نہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیت ایسے ہی لوگوں کی شان میں ہو،

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَفْتَاوْا اَنْتُمْ  
 عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَا تَعْلَمُوْنَ اَنْتُمْ  
 بِالْحَقِّ اَلَّذِيْ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ ، فَمَنْ اَوْلٰیكُمْ  
 بیشک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر  
 ثابت قدم رہے اُن پر فرشتے یہ خوشخبری دیکھ کر اتارے ہیں کہ  
 خوف نہ کھاؤ اور ٹھگن نہ ہو اور اس جنت کی بشارت سنو

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ

جس کا تم سے وعدہ کیا تھا، ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے

رفیق ہیں اور آخرت میں،

(صمد السجدہ ۵۷-۵۸)

یہ آوازہ بشارت اور فرشتوں کی رفاقت، اسی برزخ کا دلکش سمان ہو سکتا ہے،

## ۲۔ آخرت کی دوسری اور حقیقی منزل

قیامت اور جزائے اعمال،

موت تو افراد کا معاملہ ہے، ایک مرتبہ ہے، اور دوسرا اس کی جگہ پیدا ہوتا ہے، تو میں بھی باری باری اس بازیگاں کے تختہ پر آتی ہوں، اور اپنا کھیل ختم کر کے کسی دوسری کے لیے جگہ خالی کر جاتی ہوں، یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے، اور اب تک چل رہا ہے، کائنات جس نظام پر پیدا ہوئی تھی، وہ بعینہ قائم ہے، اور اس غفل کی جو رونق اول روز تھی، وہ اب تک اسی طرح باقی ہے، غرض

ہزار شیخ بکشتند و انجن باقی است،

لیکن کیا کوئی ایسا دن بھی آئے گا جب یہ ساری بساط ہستی الٹ جائے گی، کائنات کی مجلس درہم برہم ہو جائے گی، اور آسمان و زمین کے کرسے ٹکڑا کر چور چور ہو جائیں گے، اور پھر وہ خلاق عالم اپنی صفت خلق و احسان و جزا کے نئے منظر دکھائے گا، اور نئی زمین اور نیا آسمان پیدا ہو کر، ایک اور عالم کسی نئے نظام پر وجود پذیر ہوگا، دنیا کے وہ تمام لوگ جو حال کو دیکھ کر مستقبل کا پتہ لگاتے ہیں، کسی نہ کسی طرح اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جیسے طرح یہ افراد آئے اور فنا ہوتے ہیں، اسی طرح ایک دن آئیگا، جب اس پوری دنیا سے حیات پر موت طاری ہوگی، سب زیادہ اس سوال کے جواب میں کہ یہ بلکہ انکار کا حق فلسفہ اور سائنس کے محققون (سائنٹسٹ) کو ہو سکتا ہے، مگر اس فلسفہ کا بڑا گروہ بھی اس امکان پر یقین رکھتا ہے، اور اہل سائنس بھی اس امکان کو بہر حال محال نہیں سمجھتے، بلکہ تجلیات و ہر اشیاء جدید کے مختلف محققون کے خیالات اس باب میں

اسکان سے آگے بڑھ کر وقوع کی سرحد تک پہنچ چکے ہیں اور اس ہولناک دن کی آمد کے متعلق اپنے علم کے زور پر پیش گوئی کرتے رہتے ہیں اور اس عالمگیر موت کے مختلف اسباب ظاہر کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ اس نظامِ عالم کی پوری گاڑی جس انجن سے چل رہی ہو وہ یہ گرم آفتاب ہے اور اسکی یہ گرمی روز بروز کم ہوتی جاتی ہے، آخر ایک دن آگیا جب یہ انجن بالکل ٹھنڈا ہو جائیگا، اور یہ ساری گاڑی ٹوٹ پھوٹ جائیگی، ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پورا نظام کائنات جذب و کشش کے ستون پر قائم ہے، اور فضا بے ہستی کے یہ تمام سیارے روز بروز کھینچے چلے آتے ہیں، تو ایک دن وہ بھی آگیا جب یہ باہمی توازن باقی نہیں رہیگا، اور اس وقت یہ کرے ایک دوسرے سے قریب ہو کر گر جائیگا اور یہ نظام اُن کو چور چور کر دیگا،

ایک اور خیال یہ ہے کہ اس فضا میں کروڑوں ستارے تیر رہے ہیں، اُن میں سے بہت کم کا علم ہم کو ہو ہے، بہت ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں ہماری زمین کسی نئے سیارے سے ٹکرا کر چور چور ہو جائے، اور اس کی ساری آبادی بہاؤ و غورزا ہو کر رہ جائے،

بہر حال اسبابِ طبعی کچھ ہوں، مگر ایسا ہونا اہل سائنس کے نزدیک بھی امکان، بلکہ وقوع کی امید و فانی نہیں، اہل مذہب میں یہ عقیدہ کسی نہ کسی نوع سے ہر جگہ موجود ہے، اور اس کا کل تذکرہ تمام آسمانی کتابوں میں ہے، تو رات میں اس کے اشارے پائے جاتے ہیں، زبور میں اسکی تصریحات موجود ہیں، اور انجیل میں اُس کو عدالت کا دن کہا گیا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کے دو فرقے تھے، ایک صدوقی جو یونانیوں کے اثر سے آزاد خیال ہو گیا تھا اور قیامت کا منکر تھا، مگر دوسرا فرقہ جو فریسی کہلاتا تھا، بدستور اپنے پرانے عقیدے سے پُر قائم تھا، انھیں حضرت صلح کے زمانہ میں بھی جو یہود تھے، وہ قیامت اور خسر و نشتر اور بہشت و دوزخ کے قائل تھے، اور اُن کا عقیدہ تھا کہ جب قیامت آئے گی، تو اللہ تعالیٰ ایک انگلی پر آسمانوں کو دو دوسری پر زمینوں کو تیسری پر درختوں کو، چوتھی پر پانی کو اور اندر کی غم مٹی کو، اور پانچویں پر تمام مخلوقات کو رکھے گا، اور ندا دیگا کہ "میں ہوں بادشاہ" انجیل میں یہ عقیدہ پوری تصریح

کیساتھ مذکور ہے، اور حضرت عیسیٰ نے صدوقیوں کے مقابلہ میں تورات کی ایک آیت سے حیاتِ اخروی کا ثبوت پیش کیا ہے اور مکاشفاتِ یوحنا میں قیامت کے احوال و احوال کی پوری تفصیل و تشریح مذکور ہے، ہندو پر پڑے کے نام سے اس عقیدہ (فنا سے عالمِ پرہقین رکھتے ہیں، لیکن اس حقیقت کی کامل تشریح خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انجام کو پہنچی،

قیامت کے ہم اُسی شے کی حقیقت کی اولین گرہ کشائی، اُس کے ناموں کی تشریح سے ہوتی ہے، قرآن پاک میں قیامت کو بیسیوں ناموں سے یاد کیا گیا ہے اور ان میں سے ہر ایک نام اُس کے ایک خاص پہلو کو نمایاں اور ظاہر کرتا ہے، قرآن میں اس کا سب سے پہلا نام جو قرآن کے سب سے پہلے سورہ میں ہے، وہ یَوْمُ الدِّینِ ہے، یعنی جزا کا دن جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عمومی جزا اور ربانی عدالت کا دن ہوگا، اس کے علاوہ اس کے یہ نام قرآن میں جایا آئے ہیں

السَّاعَةِ (وہ گھڑی، وہ مقرر وقت)

يَوْمُ الْقِيَامَةِ (کھڑے ہونے کا دن (مردوں کے کھڑے ہونے کا دن)

الْيَوْمِ الْآخِرِ (سچا دن، نہ جیسے آئینے کوئی شک ہے، اور نہ جیسے فیصلہ میں کوئی غلطی ہوگی)

يَوْمٌ مَّعْلُومٌ (جانا ہوا دن، یا مقررہ دن)

الْوَقْتُ الْمَعْلُومُ (جانا ہوا وقت، یا مقررہ وقت،

موعودہ دن،

الْيَوْمِ الْآخِرِ (پچھا دن،

يَوْمٌ كَلَّا زَفَةٍ (قریب آنے والی مصیبت کا دن،

يَوْمٌ عَسِيرٌ (ایک سخت دن،

يَوْمٌ عَظِيمٌ (ایک بڑا دن،

یَوْمُ عَصِيبٍ ،	سخت دن ،
یَوْمُ الْبَعْثِ	جی اٹھنے کا دن ،
یَوْمُ التَّغَابُنِ	افسوس کا دن ،
یَوْمُ التَّلَاقِ	باہم ملنے کا دن ،
یَوْمُ التَّنَادِ	پکار کا دن ،
یَوْمُ الْجَمْعِ	اکٹھ ہونے کا دن ،
یَوْمُ الْحِسَابِ	حساب کا دن ،
یَوْمُ الْحَسْرَةِ	حسرت کا دن ،
یَوْمُ الْخُرُوجِ	بہرون سے نکلنے کا دن ،
یَوْمُ الْفَصْلِ	فیصلہ کا دن ،
الْقَارِعَةُ	کھڑکھڑانے والی ،
الْعَاقِبَةُ	چھا جانے والی ،
الطَّائِفَةُ الْكُبْرَى	بڑی مصیبت ،
النَّبَأُ الْعَظِيمُ	بڑی خبر ،
الْحَاقَّةُ	ضرور آنے والی گھڑی ،
الْوَعْدُ	وعدہ ،
الْعَاقِبَةُ	وقوع پذیر ،
أَمْرُ اللَّهِ	خدا کی بات ،
الصَّاحَّةُ	بہرا کرنے والی گھڑی ،

قیامت کے اوصاف | یہ نوردہ نام ہیں جو اسم مفرد یا اضافت یا صفت کی صورت میں ہیں اُن کے علاوہ مقرون اور  
جملوں کی ترکیبوں کے ساتھ اس کے بکثرت نام قرآن میں آئے ہیں مثلاً

- یَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ (الفجر و غلہ) جس دن نرسنگا پھونکا جائے،  
یَوْمَ يُنْفَخُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ (مائدہ ۱۱) جس دن بچوں کو اُن کی سچائی کا مہر دے گی،  
یَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (شعراء ۵) جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد،  
يَوْمَ يَعِضُ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ (فرقان ۳۶) جس دن گنہگار اپنے دونوں ہاتھ جیسے گا،  
يَوْمَ تَشَقُّ السَّمَاءُ (فرقان ۳۷) جس دن آسمان پھٹے گا،  
وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (مومن ۱۰) اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے،  
يَوْمَ لَا رَيْبَ فِيهِ (آل عمران ۱۳۱) جس دن میں کوئی شک نہ ہو،  
يَوْمَ تَحْشُرُهُمْ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا (نمل ۶) جس دن ہر قوم سے ایک گروہ کو اکٹھا کرینگے،  
يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ (مطففين ۱۱) جس دن لوگ جہان کے پروردگار کے لئے کھڑے ہونگے،  
يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ (قم ۱۱) (جس دن) لوگ قبروں سے نکلین گے،  
يَوْمَ تَقُفُّ الْأَشْرَافُ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَبْيَادِهِمْ (عبس ۱۰) جس دن آدمی اپنے بھائی، اور ماں اور باپ اور بیوی  
اور بیٹیوں سے بھاگے گا،  
يَوْمَ لَا يَخْرُجُ مِنْ نَفْسٍ عَنْ نَفْسٍ شَيْءٌ (نہج ۱۵) جس دن کوئی کسی دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکیگا،  
يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ (نہج ۳۳) جس دن اُن کی زبانیں اُن کے خلاف گواہی دیں گی،  
يَوْمَ لَا تَصْلِكُ نَفْسٌ نَفْسًا شَيْئًا (انفطار ۱۰) جس دن کوئی کسی دوسرے کے لیے کچھ نہ کر سکے گا،  
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا (نہج ۳۲) جس دن کوئی دوست کسی دوسرے دوست کا بدلہ نہ پہنچا سکے گا،  
الغرض یہ اور اسی قسم کے اور دوسرے اوصاف اس ہونا کہ دن کے بیان کئے گئے ہیں جن سے اس

عظیم نشان دن میں انسان کی سیکسی عاجزی اور اپنے اعمال کے سوا کسی دوسری چیز کے کام آنے سے قطعی باہمی  
ظاہر کی گئی ہے۔

قیامت میں فنا و نظام ہوگا | قیامت کے متعلق بعض متکلمین کو یہ شبہ ہوا ہے کہ وہ مادہ کے فنا سے محض یا عدم محض کا نام  
ہے، حالانکہ یہ بات قرآنی تصریحات کے خلاف ہے، قرآن پاک کی سیون آیتوں میں قیامت کی تصویر کھینچی  
گئی ہے، وہ تاسرے فنا سے حیات اور آسمان و زمین کے نظام کی برہمی اور ان کی تباہی کے خاکہ کے سوا کچھ اور نہیں  
ہے، چنانچہ حسب ذیل آیات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ خود بخود سامنے آجائے گا،

التَّارِيعَةُ مَا التَّارِيعَةُ وَمَا أَدْرَاكَ مَا  
التَّارِيعَةُ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفُشِ  
الْمُبْتُوثِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ  
الْمَنْفُوشِ، (قارعہ-۱)

متنبہ کرنے والی اور کیا چیز ہے متنبہ کرنے والی، اور تم  
کو کس نے بتایا کہ کیا چیز متنبہ کرنے والی، یہ وہ دن  
جب لوگ پریشان پروانوں کی طرح اور ہمارے  
کے گالوں کی طرح ہونگے،

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، وَأَخْبَتِ  
الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا، وَقَالَ الْإِنْسَانُ  
مَا لَهَا، يَقْمِذٌ تُخَدِّثُ أَخْبَارَهَا، (ذوال-۱)

جب زمین خوب ہلائی جائے گی اور زمین اپنا بوجھ  
نکالے گی اور انسان کہے گا زمین کو کیا ہوا، اُس دن زمین  
اپنی حالت بیان کرے گی،

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا وَ  
حُفَّتْ، وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ، وَأَلْقَتْ  
مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ، (انشقاق-۱)

جب آسمان پھٹ جائے گی اور وہ اپنے مالک کی  
فرمانبرداری کرے گی، اور وہ فرمانبرداری کے لائق بن  
جائے گی اور جو کچھ اُس میں ہے وہ ڈالے گی

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ، وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انشَدَّتْ  
وَإِذَا الْبُحُورُ مُجِّرَتْ، وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ  
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَتْ وَآخَرَتْ، (انشقاق-۲)

جب آسمان پھٹ جائے گی اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور  
جب دریا چلا جائیں گے اور قبر کے لوگ زندہ کئے جائیں گے، روحیں  
جو پھیلے اور بچھ جائیں گے، اُس وقت جان لیگی،



جب آفتاب اندھیرا کیا جائیگا جب ستارے تاریک ہو جائیں گے	إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (مکویر-۱)
جب پہاڑ پھلائے جائیں گے	إِنَّمَا تُوعَدُ نَازِلَةٌ فَآذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ وَإِذَا السَّمَاءُ فُزِّجَتْ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (مربلات-۱)
جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہو وہ یقیناً ہونے والا ہے جب ستارے ماز کر دیئے جائیں گے جب آسمان کھول دیا جائیگا	فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (قیامہ-۱)
جب پہاڑ زلزلہ ریزہ کر دیئے جائیں گے	يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَمَلِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ (مکاحج-۱)
جب نگاہ ماز ہو جائیگی جب ہاتھاب بے نور ہو جائیگا اور آفتاب ہاتھاب اکٹھا کر دیئے جائیں گے	فَإِذَا الْفُجَاءُ فِي الصُّبْحِ فَقَّةً وَاحِدَةً وَجِلَّتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ تَذَلُّدًا وَاحِدَةً فَفِي سَبِيلِ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَالشَّقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَ مِيدٍ وَاهِيَةٌ (الحاقدا)
جب صومریں ایک چوہنک ہوئی جائیگی جب زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے اور دونوں ٹکڑے ہو جائیں گے اس میں ہونیوالی بات ہو جائیگی اور آسمان پھٹ جائیگا اور اس دن مکرور ہو جائے گا	يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيلًا ..... فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ بِرَبِّ مَا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا إِنْ السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ كَانَ وَعْدُكَ مَفْعُولًا (مزمحل-۱)
جب پہاڑ اور زمین میں لرزہ ہوگا اور پہاڑ پگھلا ہوا تانبا ہو جائے گا	يَوْمَ تَبْدَلُ الْأَرْضُ عَرْضًا (البرہم-۱)
کیونکہ مکرمتی ہو سکتے ہو جب اس دن کا انکار کرتے ہو جو چون کو بڑھا بنا دے گا آسمان اس دن پھٹ جائیگا اور خدا کا وعدہ پورا ہو جائیگا	
جب یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائیگی	

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً  
جب آسمان پھٹ جائیگا، اور سرخ چمکتی

کالدِ هَانِ (رحمن-۲) کی طرح ہو جائیگا،

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَئِيسَ يُوَفَّعَتَهَا كَادِرُ  
جب ہر نوی بات ہو جائیگی، جس کے ہونے میں شہ

خَافِضَةٌ تَرَفَعُ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ  
نہیں ہو زیر و زبر کر دینے والی جب زمین خوب ہلائی

سَاجِدًا وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَاءً  
جائیگی اور پہاڑ پر گند کئے جائیں گے، اس وقت و

مُنْبَثًّا (واقعہ-۱) پریشان ذرات کی طرح ہو جائیں گے،

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا وَسُيِّرَتِ  
اور آسمان کھول دیئے جائیں گے، اور وہ دروازے

الْجِبَالُ فَكَانَتْ مَسَاجِدًا  
دروازے ہو جائیں گے، اور پہاڑ چلائے جائیں گے،

(نبا-۱) تو وہ سرب ہو جائیں گے،

غرض اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت صرف نظام عالم کی درہمی،  
اور دنیا کی حیات موجودہ کی تباہی کا نام ہے جس کے بعد ایک اور زمین اور ایک آسمان بنے گا، اور پچھلی دنیا کے  
اعمال کے نتائج پر اس دنیا کی حکومت کا قانون جاری ہوگا،

يَوْمَ تَبْدَلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ  
جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائیگی،

السَّمَوَاتِ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهْمِ  
اور آسمان بھی بدل جائیگی، اور سب لوگ اس ایک

(ابراہیم-۷) پر قابو رکھنے والے خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے،

قیامت کی حقیقت | اگرچہ قرآن پاک میں متفرق طور پر اس ہولناک دن کے احوال و کیفیات کا ذکر گونا گون

طریقوں سے کیا گیا ہے، تاہم ایک خاص سورہ بھی اس نام سے اس میں موجود ہے، جس میں نہایت اختصار و

ایجاز کے باوجود انتہائی بیفانہ وسعت ہے، چھوٹے چھوٹے فقر وں میں بڑے سے بڑے اور اہم سے اہم مطالب

کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عقل ساکت، اور قلب مطمئن ہو جاتا ہے، اس سورہ کا آغاز ان آیتوں سے ہوتا ہے،

لَا أُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَمَةِ، وَلَا أُقْسِمُ بِرَأْسِ  
 النَّفْسِ لَأَمَّةٍ، أَيْحَسِبُ الْإِنْسَانُ أَنْ لَنْ  
 نَجْمَعَ عِظَامَهُ، بَلَىٰ قَادِرٌ عَلَیْ أَنْ نُنْشِئَ  
 بَنَانَهُ، بَلْ یُرِیدُ الْإِنْسَانُ لِنَفْجُرَ أَمَانَهُ  
 یَسْأَلُ أَیَّانَ یَوْمِ الْقِیَمَةِ فَاذْأَبْرَقَ  
 الْبَصَرُ، وَخَسَفَ الْقَمَرُ، وَجُمِعَ الشَّمْسُ  
 وَالْقَمَرُ، یَقُولُ الْإِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ  
 أَیْنَ الْمَفْزُؤُ، کَلَّا لَا وَرَی، اِلَیَّ رَیْطُکَ  
 یَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ، یَنْبَغِیْ الْإِنْسَانُ  
 یَوْمَئِذٍ أَنْ یَمَاقِدَ رَوْحَهُ، بَلِ الْإِنْسَانُ  
 عَلَیٰ نَفْسِهِ بَصِیْرٌ، وَلَوْ أَلْقَی مَعَاذِ رَبِّکَ  
 (قیامت)

میں قیامت کے دن کی اور ملامت کرنے والے نفس  
 کی قسم کھاتا ہوں کیا وہ (انسان) سمجھتا ہے کہ ہم اس کے  
 مرنے کے بعد اس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کر سکتے ہیں  
 نہیں، ہم تو اس کے پورے بدن کو درست کر سکتے ہیں  
 یہ نہیں بلکہ اسی بات یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ خدا کے  
 سامنے ڈھٹائی کرے، پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن  
 کب ہے؟ توجہ نگاہ چوندھلانے لگے اور چاند بے نور  
 ہو جائے، اور سورج اور چاند ایک جگہ کر دیے جائیں  
 انسان اس دن کہیں گا، اب کہاں ہے بھاگنے کی جگہ  
 ہرگز نہیں، کہیں بچاؤ نہیں، اس دن تیرے رب  
 کے پاس ہے جا ٹھہرنا، اس دن انسان کو جو آگے  
 بھاگتا ہے (بھیجاؤ) اور جو پیچھے چھوڑا (ارال و دولت) وہ تباہ

ان میں سے پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزِ قیامت، اور نفسِ توامہ کی یکے با دیگرے قسم کھائی ہے اور  
 نفسِ توامہ یعنی ملامت کرنے والے نفس سے مقصود انسان کے اندر کا ضمیر ہے جو انسان کے ہر برے کام کے وقت  
 اندر سے غمگین و نادم ہوتا ہے، اور اس کو اس کے اس کام پر ملامت کرتا ہے، آخری آیت میں اسی کیفیتِ ضمیر  
 کو ان نفظوں میں ادا فرمایا کہ "بلکہ انسان اپنے حال کو آپ خوب جانتا ہے، اگرچہ وہ زبان سے اپنی برائیوں  
 اور کوتاہیوں کے لیے سیکڑوں بہانے تراشا کرے" انسان کی اسی قلبی کیفیت کا نام نفسِ توامہ ہے،

۱۔ اجتماعیات کے عالم اچھی طرح جانتے ہیں کہ فرد اور جماعت کے احوال میں ایک خاص قسم کی نسبت  
 ہے، جس طرح شخص پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، بیمار ہوتا ہے، تندرست ہوتا ہے، مگر ہمارا ہوتا ہے، نکو کار ہوتا ہے،

پیشانی ہوتا ہے، محنت کرتا ہے، ٹھکانا ہوتا ہے، بدنام ہوتا ہے، خاص طبعی قوانین کی مطابقت سے وہ وقت چھل کرتا ہی، اور انکی مخالفت سے وہ بیمار اور کمزور ہوتا ہے اور پھر ایک خاص عمر کو پہنچ کر رفتہ رفتہ اُس کے قوائے عمل سر پر ہوتے جاتے ہیں، اور وہ مرجاتا ہے، بعینہ ہی تمام احوال جماعتوں اور قوموں کو بھی پیش آتے ہیں، وہ بھی پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں، تندرست ہوتی ہیں، کمزور ہو جاتی ہیں، گناہگار ہوتی ہیں، نیکو کار بنتی ہیں، اور ایک خاص وقت اور عمر کو پہنچ کر ان کے علی قویٰ کمزور و مضعی ہو جاتے ہیں، اور وہ فنا ہو جاتی ہیں،

دنیا میں اسی اصول پر ہزاروں قوانین پیدا ہو کر فنا ہو چکی ہیں، جن کے نام بھی تاریخ کے صفحوں پر اب موجود نہیں ہیں، تو جس اصول پر اشخاص اور اشخاص کا مجموعہ جماعتیں اور جماعتوں کا مجموعہ اقوام پیدا ہوتی اور فنا ہوتی ہیں، کیا اسی اصول پر تمام اقوام عالم کا جو مجموعہ پیدا ہوتا، بڑھتا، اور ترقی کرتا چلا جاتا ہے، کیا وہ ایک دن فنا سے محض کے آغوش میں جا کر سونہ جائیگا؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے قیامت کے ثبوت میں اکثر عادیوں و ثوابیوں فرعون وغیرہ قوموں کی تباہی سے، قیامت کی عمومی تباہی پر استدلال کیا ہے، اسکی مزید تفصیل آگے آئے گی، بہر حال اب جس طرح شخص کے اندر ایک نفسِ توامہ، یا ضمیر یا احساس ہے، جو اُس کے ہر بُرے فعل کے وقت اُس کو ملامت کرتا ہے، اور اُس کو گناہگار ٹھہرتا ہے، اور جب کبھی وہ اپنے تمام مجموعی کارناموں پر نگاہ ڈالتا ہے، تو اپنے کو قصور وار جانتا اور گناہگار ٹھہرتا ہے، اسی طرح قوموں کا ضمیر بھی اپنے گناہوں پر پھٹتا، اور اپنی تقصیر پر نادم، اور اپنی کوتاہیوں سے شرمندہ ہوتا ہے، اسی طرح یہ پوری انسانیت بھی ایک دن اپنے افراد کے مجموعی کارناموں پر نادم و پشیمان ہوگی، اور اس کا ضمیر نفسِ توامہ اس کو ملامت کرے گا، کائناتِ انسانی سے بڑھ کر خود کائناتِ ہستی بھی اُس پر جو اُس کے اندر کیا گیا، اور جو کچھ اُس کے اندر عمل میں آیا اپنے خالق کے سامنے اپنی پشیمانی و ندامت کا اظہار کرے گی اسی عمومی اعترافِ قصور اور کئی ندامت و پشیمانی کا نام قیامت ہے، اور اسی بنا بہت سے اس سورۃ بالاین نفسِ توامہ اور قیامت کو باہم ایک قسم میں یعنی شہادت میں یکجا کیا گیا ہے، اب اس تفصیل کی روشنی میں سورۃ مذکور کی آیتوں کو دوبارہ پڑھئے،

لے سناؤ اور سنو  
سورۃ قیامت  
مولانا محمد امجد الدین  
رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ اس عالم کی ہر چیز پر اگر غور سے نگاہ ڈالے تو معلوم ہوگا کہ وہ متضاد عناصر و قوتوں کا مجموعہ ہے، اُس میں سردی و گرمی، صحت و تندرستی، بقا و فنا، اور دیگر ہر قسم کی متضاد قوتیں و وسعت رکھی گئی ہیں، ان متضاد قوتوں میں جب تک اعتدال قائم رہتا ہے، وہ زندہ رہتی ہے، اور جس وقت یہ اعتدال جاتا رہتا ہے، اسی لمحہ وہ فنا ہو جاتی ہے، ایک درخت میں ایک پھول کھلا، سڑی و گرمی اور موسم کی تاثیر نے اُس پر عمل کیا، جب تک ان متضاد تاثیرات و استعدادات میں اعتدال کی کیفیت رہی وہ پھول شگفتہ رہا، جس آن میں کسی ایک قوت نے شکست پائی، اُسکی ہستی معرض فنا میں آگئی، یہی حال دنیا کی ہر چیز کا ہے اور اسی اصول پر افراد خاندان، جماعتیں، قومیں، بلکہ حیوانات، شجر، حجر و دنیا کی ہر چیز چل رہی ہے،

پوری کائنات ہستی کو سمجھئے کہ اُس کو خلاقِ عالم نے انھیں متضاد عناصر و اخلاط کے اصول پر قائم فرمایا ہے، دن رات، روشنی تاریکی، سردی اور گرمی، پانی اور آگ، بہار و خزان، تندرستی اور بیماری، دولت اور افلاس، حیات اور موت، آسمان و زمین، نیکی و بدی، خیر و شر، غرض جہد و بھی دیکھو یہی معلوم ہوگا کہ یہ اربع عناصر کی چار دیواری ہے، انھیں متضاد قوتوں اور حالات کی بنیادوں پر قائم ہیں، ان میں جب تک اعتدال قائم ہے، یہ دنیا کی ہستی چل رہی ہے جس دن ان کے اعتدال میں فرق آئیگا، وہی دن اسکی فنا کا ہوگا،

لیکن جس طرح افراد و اشخاص میں جہان بیماری کے بعد تندرستی، اور تندرستی کے بعد بیماری کی تبدلات موجود ہے، اسی طرح اس نظام کائنات میں بھی تندرستی کے بعد بیماری، اور بیماری کے بعد تندرستی کی تبدلات موجود ہیں، کتنی دفعہ یہ واقعہ پیش آیا ہے، کہ دنیا ظلم و جور سے بھرپور ہو گئی اور کشت و خون کے سیلاب نے اُس کے امن و امان کو غرقاب کر دیا، کہ دفعہ وہ پھرا بھری، اور اس کا غرق شدہ امن و امان کشتی نوح بنکر کمرہ ارضی کو بچائے گیا، بارہا اس باغِ ہستی میں خزان آئی، اور پھر بہار کا موسم اُس پر چھا گیا، اجرام سماوی کی باہمی مسابقت میں ہماری زمین کئی دفعہ ٹکرانے کے قریب پہنچی، اور پھر بال بال بنگلی، یہ کسے اپنی رفتار میں بسا اوقات گرنے کے قریب پہنچے کہ پھرتھیل گئے، مگر فساد و مصلح کا یہ اصول اسی وقت تک چل رہا ہے، جب تک ان متضاد



اٹھارتھا اور جس کے ماتھے پر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے تھے، اور جو انکی عقل میں کسی طرح نہیں سماتا تھا، وہ یہی قیامت اور  
خیر و شر کا مسئلہ ہے، جاہلی عرب حیات بعد الموت اور خدا کے آگے اپنے اعمال کے مواخذہ اور پریش اور سزا و جزا سے قطعاً  
لاعلم تھے اور اسی لیے ان میں اعمال کے خیر و شر اور نیکی بدی کی وہ تمیز نہ تھی، بغیر تین امور اخلاق و معاملات کا دار و مدار ہے ہر ایک  
شاعر کی اس تسلیم کو سن کر تعجب سے کہتا ہے،

اموت ثم بعث ثم خسر      حدیث خرافۃ یا اھ عمر

کیا موت ہی پھر جی اٹھنا ہے پھر کٹنا ہونا؟      اے ام عمر! (شاعری بوی کا نام) یہ خرافات ہیں

قریش کے ایک دوسرے شاعر نے کہا،

یحد ثنا النبئی بآت مسخ      ولیف حیاة اصلاء وھام

نبی ہمے کہتا ہے کہ ہم پھر زندہ کیے جائیں گے      حالانکہ ہمدی اور ہام ہر پھر زندگی کیسی؟

(اُن کا عقیدہ تھا کہ انسان مکرر پرندہ ہو جاتا ہے، اور آواز دیتا پھر تباہ ہے، اسی کا نام اُن کے ہاں سھہ اور ہام تھا)

قرآن مجید میں بھی اُن کے یہ اقوال بکثرت نقل کئے گئے ہیں،

عَرَأٰنَا مِسًا وَاَوْكُنَّا اَبَآءًا اِلٰکَ لَیَّحُ بَعِیْدٌ (۱)      کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے، یہ تو نا بہت دور

عَرَأٰنَا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْخَافِرَةِ، عَرَاکُنَا      کیا ہم دوبارہ اگلے پاؤں اڑائے جائیں گے، کیا جب ہم

عِظًا مَّا خِرَّةً، (نزعۃ-۱)      سڑی ہوئی ہڈی ہو جائیں گے،

عَرَاکُنَا عِظًا مَّا وُرَفَانَا عَرَاکُنَا لَمَبْعُوْثُوْنَ      کیا جب ہم ہڈی اور چوڑا ہو جائیں گے تو ہم نے بنا کر پھر

مُخَلَّقًا جَدِیْدًا، (اسرائیل ۵-۱۰)      اٹھائے جانے والے ہیں،

مَنْ یُّحْیِی الْعِظَآءَ وَھِی رَمِیْمٌ (یس-۵)      ان سڑی گئی ہڈیوں کو کون جلائیگا،

ان میں بعضوں کا عقیدہ ہر یون کی طرح تھا کہ یہ دنیا ہی طرح قائم رہے گی موت و حیات کا وہی سلسلہ ہی طرح برابر جاری

ہیگا اور اس دنیاوی زندگی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہیں،

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا  
انہوں نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ زندگی ہی، دوسری نہیں

وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ، (جاثیہ - ۳)  
مرے ہیں اور جیسے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو مارتا ہوا

وَقَالُوا إِن هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ  
اور انہوں نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ زندگی ہی ہم دوبارہ

بَصَبُوتَيْنِ، (الغافر - ۳)  
نہیں اٹھائے جائیگے۔

اور انہیں اپنے اعمال کے حساب و مواخذہ کا بھی یقین نہ تھا،

إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا، (نبا - ۱)  
وہ حساب کی امید نہیں رکھتے تھے،

خدا بن الاریت ابتدائی مسلمانوں میں میں، یہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے، ان کے کچھ دام قریش کے

ایک سرس مہل بن اہل پر واجب الادا تھے وہ جب کرتا تھا کرتے تو عاص کہتا جب تک تم محمد کا انکار نہ کرو گے

میں تکو کچھ نہ دوں گا، انہوں نے کہا یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم مکرر چہرہ جو نہیں، اس نے کہا کیا مکرر چہرہ

پھر جینا بھی ہے؟ انہوں نے کہا بیشک اس نے مذاق سے کہا تو اچھا پھر وہیں میرا مال و دولت اور سرس مان گا

وہیں تم دام بھی لے لیتا، اس سے اندازہ ہو گا کہ اس بارہ میں ان کا کفر کتنا شدید تھا اسیلئے آنحضرت صلعم نے ان کے

سامنے توحید کے بعد جس عقیدہ کو سب سے زیادہ شدت کیساتھ پیش کیا وہی تھا، قرآن مجید کی مکی سورتوں میں سب سے زیادہ

اسی مضمون کو مختلف تغیروں اور نوٹ طریقوں سے روزمرہ کے عینی مشاہدات اور دلائل کیساتھ تکرار بیان کیا گیا ہے

اس میں ہیبت الہی، ہنگامہ قیامت اور حشر و نشر کے رستخیز کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ سننے والا سراسر پا اثر ہو جائے انسان

کے عجز و عقل کے تصور خدا کی عظمت و قدرت اور کائنات کی حیرت انگیز خلقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ سنا

ہر قدم پر لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے، پھر ایک طرف حیات ابدی، نعمت جنت، اور بہشت کی سورتوں کا، اور دوسری طرف

موت کی بے بسی، دنیا کی فنا، دوزخ کی دہشت اور عذاب الہی کی تہدید کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچا ہے کہ نفس انسانی





نیکی و بدی کا فطری امتیاز نفاذ اور انسانی زندگی کا متعین مقصد اور اس کے تمام کام بے نتیجہ ہو جائیں،

اَفَحَسِبْتُمْ اَنْمَّا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَاَنْتُمْ اِلَيْهِ تَرْجِعُونَ (سہلون - ۶)

تم ہماری طرف لوٹنا ہے نہ جاؤ گے،

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (قلم - ۲)

یہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائیگا،

دوسری بات جو اس روز جزا کی ضرورت کے ثبوت میں قرآن نے پیش کی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا عادل اور منصف ہونا ہے، اگر آپ سمجھیں کہ انسانوں کے اعمال کی جزا و سزا ہوتا تو دونوں کا درجہ برابر ہو جائے، اور نیکی و بدی اور گناہ و ثواب کے کوئی نہ ہین بلکہ نفع و زیان خدا کا علم اور غیر منصف قرار پائے، اس موجودہ مادی دنیا میں محلی دنیا لو اپنے اعمال کی کچھ نہ کچھ جزا دیتی ہے، مگر تاہم یہ صاف نظر آتا ہے کہ بہت سے گنہگار سیر کا اور ظالم بیان آرام اور چین کی زندگی بسر کرتے ہیں، اور بہت سے نیکو کار پر سیر کار اور اچھے لوگ مہینتیں اور تکلیفیں جھیلتے ہیں، اس لیے یقیناً یہ موجودہ زندگی اعمال کی جزا و سزا کی اعلیٰ جگہ نہیں ہو سکتی، اس بنا پر دوسری زندگی کا ماننا ضروری ہے، جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا نتیجہ ملے اس موجودہ دنیا میں دنیاوی حکام اپنے ناقص علم کے مطابق اچھون اور برون کو ان کے اعمال کی سزا دیتے رہتے ہیں، پھر کہنا ضروری ہے کہ پوری دنیا کا عالم انصاف حاکم اپنے صحیح علم کے مطابق لوگوں کو جزا و سزا دیکر اپنے عدل و انصاف کا ثبوت دے، سورہ ولہین میں اسی استدلال کی طرف اشارہ ہے،

اَلَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ عِنْدَ رَبِّہُمْ مِّنْ دُوْنِ ہٰذَا لَا یُغٰوَرُ عَنْہُمْ اَجْرٌ وَّہُمْ یُکَفِّرُوْنَ اَمَّا یُکَذِّبُکَ بَعْدَ الدِّیْنِ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْكَمِ الْحٰکِمِیْنَ

لیکن جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے ان کیلئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے، پھر اس کے بعد جھگڑا چیز جزا و سزا پر نہیں دیتی کیا اللہ تمام حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں تمام

(الذین - ۱)

کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں)

اسی لیے قرآن پاک کی مختلف آیتوں میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے، کہ نیک و بد کا نتیجہ عمل کیسا ان نہیں ہو سکتا، ایک جگہ خدا فرماتا ہے،

اَمْ يَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ  
كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ، اَمْ يَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ  
كَالْغٰفِرِيْنَ (ص - ۳)

کیا ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے انکی طرح کر دین جو  
زمین میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی  
طرح کر دین،

دوسری جگہ ارشاد ہوا،

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اخْتَرَوْا الشَّيَاطِیْنَ اَنْ يَّجْعَلَهُمْ  
كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ سَوَآءٌ  
فَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَكْتُمُوْنَ (مائدہ ۶۰)

کیا انھوں نے جنھوں نے کتا، کتا یا یہ خیال کیا کہ ہم ان کو انکی  
طرح کر دیں جو ایمان لائے اور نیک کام کئے، ان دونوں  
کی زندگی اور موت برابر ہوگی، ان کا یہ خیال برا ہے،

لوگوں کو روز جزا اور قیامت پر یقین کرنے سے جو وہ ماننے تھا وہ یہ تھا کہ مرنے کے بعد پھر کوئی جیتا نہیں آتو قیامت  
کے دن کیونکر جلائے جائیں گے، یہ حقیقت میں استبعادی شبہ ہی یعنی چونکہ مرکوب بارہ جینا اب تک انسان کے تجربہ  
میں نہیں آیا اس لیے اسکو دوبارہ زندگی کا خیال مستبعد معلوم ہوتا ہے، ورنہ اس کے ان ہونی اور حال ہونے کو  
عقلی دلیل نہیں ہے، وحی بھی نے اس گتھی کو اس طرح بٹھایا کہ کفار کے اس استبعاد کے وہم کو حسب ذیل مختلف طریقوں  
سے دور کروا،

۱۔ مرکب جینے کی بعض تاریخی مثالیں پیش کیں جیسا کہ حضرت ابراہیم، حضرت عزیر، اصحاب کعبہ کے قصص میں  
نمذکور ہیں اور ان سے استدلال کیا کہ جب چند آدمی یا چند مرکب جی سکتے ہیں تو پوری دنیا بھی مرکب جی سکتی ہے،

۲۔ جس طرح زمین گرمیوں میں خشک اور بے حیات ہو جاتی ہے اور پھر ذوق بارش کے ایک چھپتے سے  
اُس میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے، ہرگز سے نکل آتے ہیں بکھشتیاں، املہ اوٹھتی ہیں، اسید طرح قدرت الہی کی ایک بارش  
زمین سے انسانی و فیضان کو اگلوا دیتی، اَمْ حَسِبْتَ اَنْ اَنْزَلْنَا اَنْزَارًا وَزَمِيْنًا سَبِيْنًا اَنْدَرُكُ بُوْجُوهُوْنَ كُوْبَا مَرْحٰلًا  
اور دوبارہ نئی زندگی پیدا کر دیتی،

۳۔ دوبارہ زندگی پر تعجب اور استبعاد اس لیے ہے کہ خدا کے دائرہ قدرت کی پوری وسعت ہماری سمجھ میں

نہیں آئی جس نے آسمان بنائے، زمین بنائی، آسمان سے پانی برسایا، مردہ زمین سے زندہ کھیتیاں، بھڑے اور درخت اگائے، اور پانی کے ایک قطرہ سے انسان بنایا کیا وہ انکی فنا کے بعد دوبارہ انکی ایجاد پر قادر نہیں؟

۴۔ حیات کا یہ تمام کارخانہ پہلے نیست معدوم تھا، خدا نے اسکو بہت و موجود کیا، پھر رفتہ رفتہ اسکو معدوم کر دیا، تو جس نے پہلے بغیر کسی سابق مثال کے اس کارخانہ کو پیدا کیا، وہ کیا دوبارہ اسکو پیدا نہیں کر سکتا، جس نے نقش اول بنایا کیا نقش ثانی کھینچنے پر اس کو قدرت نہیں؟

۵۔ دنیا میں باری باری بہت سی قومیں وجود میں آئیں، اور قوانین الہی کے مطابق انہوں نے جہانی زور و طاقت، مالی وسعت، اجتماعی اور تمدنی عظمت، اور سیاسی قوت حاصل کی، بڑی بڑی عمارتیں بنائیں، عظیم الشان عمارتیں بنیاد ڈالی، قوموں کو اپنا محکم بنا کر حکومت و سلطنت قائم کی، پھر جب انہوں نے غرور و نخوت ظلم و ستم اور دوسرے قوموں کی الہی کی جو قوموں کی ہستی اور عظمت کی بقا کے لیے ضروری ہیں مخالفت کی تو وہ فنا کر دی گئیں، اور ان کا نام و نشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ گیا، عربوں سے سوال کیا کہ تمہارے عابد و نمود جو بھی بنو سام کے مالک عراق و شام و مصر و یمن پر چھائے تھے، کیا ہوئے؟ سب اور تتبع کی عظیم الشان حکومتیں کیا ہوئیں؟ فرعون اور اسکی سلطنت کا کیا حال ہوا؟ قوم نو اور قوم مدین کو زمین کیونکر نکل گئی؟ قرآن نے اہل عرب سے خطاب کر کے کہا۔

اَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ اَوْ اَنْزَلْنَا لَهُمْ قُوَّةً وَاَنْزَلْنَا الْاَرْضَ، (یون ۱۴)

کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں کر دیکھتے کہ ان سے پہلے کیسے انجام ہوا، جو انہی قوت اور زمین میں یا اگادرن کے محاط سے کہیں بڑھ کر تھے،

اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمٌ تُوحَّجُوا عَادٌ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ كَايَعْلَمُهُمْ

کیا تم کو نوح کی قوم، اور عاد و ثمود کی، اور جو ان کے بعد آئے جنکو خدا ہی جانتا ہے، ان کی خبر سہرتم کو معلوم نہ ہوئی

اِنَّ اللَّهَ، (ابراہیم ۱۷)

یہ تو وہ قومیں ہیں جنکا قرآن نے ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں کتنی قوموں کے عروج و فنا کی

داستانیں محفوظ ہیں، بابلی، سری، اکادی اور مصری قومیں جو کبھی روسے زمین پر کوس لہن الملک بجاتی تھیں، ہزار ہا سال سے بے نشان ہیں، نازن جیسے فتح کیا ہوئے، یونانی اور روم جو کبھی دنیا کے تہا مالک بن گئے تھے، اب اُن کا کہیں وجود ہے؟ جو روم کے مقابل صدیوں تک برسرِ پیکار رہے، اب اُنکی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں رہی، امریکہ کے قدیم باشندے جو کبھی اس بزرگم کے واحد مالک تھے، اب فنا کے قریب ہیں،

الغرض جس طرح افراد جی کر مواتے ہیں، جماعتیں وجود میں آکر مٹ جاتی ہیں، قومیں پیدا ہو کر فنا ہو جاتی ہیں، اسی طرح پوری دنیا کے مخلوقات بھی ایک دن ایسا جب قانون الہی کے مطابق منہدم ہو جائیگی،

جس طرح عوام جو قوموں کی تاریخ سے واقف نہیں صرف افراد کو جیتے اور مرتے دیکھتے ہیں، وہ گونا گونا کی فنا یقین رکھتے ہیں، لیکن قوموں کی فنا کے مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے، اور اس میں شک کرتے ہیں، اسی طرح جبکی نظر دنیا سے خلق کی تاریخ پر نہیں، وہ اس کے فنا سے کمال پر اپنی جہالت اور نادانی سے اعتبار نہیں کرتے حالانکہ وہ ایک دن ایسا جب پوری دنیا اپنے وجود کی صلاحیت سے مبرا ہو کر فنا ہو جائیگی، اور کائنات کا یہ نظام بدل جائیگا، اور اس موجود عالم کا قانون طبعی، ایک دوسرے قانون طبعی سے منسوخ ہو جائیگا، اور جیسا کہ سائنس کہتا ہے اور قرآن نے نقشہ کھینچا ہے، وہاں ہاب اور ستارے اور تمام اجرام فلکی ٹکرا کر چور چور ہو جائیں گے، اور پوری دنیا کی عدالت قائم ہو کر نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا،

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ

جس دن یہ زمین اور زمین سے بدل جائیگی، اور آسمان بھی

وَيَبْدَأُ اللَّهُ الْوَاحِدَ الْقَهَّارَ (ابراہیم - ۷)

اور مخلوق اکیلے زبردست خدا کے سامنے ٹل کھڑی ہوگی،

سورہ ق میں قیامت پر استدلال انہیں لیاؤں گے کیا گیا ہے،

تَفَتَّ، وَالْقُرْآنُ الْمَجِيدُ، بَلْ يَجْعَلُونَ آيَاتِنَا

قسم ہے اُس بڑی شان والے قرآن کی (جو مردہ دلوں کو زندہ

مُنْدِرِیْہُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ

کہا ہو، ان کافروں کو عقلی انکار نہیں ہی، بلکہ اُن کو اس سے

عَجِيبٌ، عَزَّ وَجَلَّ، وَكُنَّا تَرَايَا بِذَلِكَ رَجَعُ

توجہ نہ کر اُن میں کا ایک آدمی اگر اُن کو دیکھتے ہیں، اور

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِندَنَا  
 كِتَابٌ حَفِيفٌ، بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا تَجَاءُفًا هُمْ  
 فَهُمْ فِي أَمْرٍ مُرْجٍ، أَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ  
 فَوَقَّعَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهُا مِنْ  
 قُرُوجٍ، وَلَا أَرْضٍ مَدَدُهَا وَالْقَيْنَا فِيهَا  
 رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ  
 تَبَهَّجَتْهَا ذَلِكُمْ لِلْعَالِمِينَ،  
 وَزَلَّلْنَاهَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا فِيهَا  
 جَبَلًا وَحَبَّ الْحَبِيدِ، وَالْأَنْخُلَ لَبِقَاتٍ  
 لَهَا طَلْعٌ مُضِيئٌ، رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا  
 بِهِ بَلَدًا مَيِّتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ، كَذَّبَتْ  
 قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ  
 وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ، وَأَصْحَابُ  
 الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ  
 فَحَقَّ وَعِيدُ، أَفَعَيْنَا بِالْحَقِّ الْأَوَّلِ طَائِلٌ  
 هُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ،

(رق - ۱)

سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ تعجب کی بات ہے کیا جب ہم مجاہدین  
 اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ ہو گئے) یہ دوبارہ لوٹنا تو دور اور  
 ہے، خدا اکتاہی تعجب کی کیا بات ہے ہم کو معلوم ہے کہ زمین پر  
 جموں میں جو کی کرتی ہے، اور پہاڑ پاس یا د کی کتاب ہے بلکہ بات  
 یہ ہے کہ ان کافروں نے سچائی جب ان کے پاس آئی انھوں  
 نے جھٹلادی، تو وہ اچھی باتوں میں پڑ گئے، کیا انھوں نے  
 اپنے اوپر کے آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اسکو کیا بنایا اور  
 کس طرح اسکو سجایا ہے، کہ اس میں کھین سورخ نہیں، اور زمین  
 کو پھیلایا ہے، اور اس میں پہاڑ کے لنگر لٹے، اور اس میں قسم  
 قسم کی رونق کی چیز اگائی کہ ہر رجوع ہونے والے بندہ کو اس سے کھوج  
 ہو اور یاد آئے، اور آسمان سے برکت کا پانی برسایا، پھر اس سے باغ  
 اور کتنے کھیت کے اناج اگائے، اور کھجور دن کے لیے درخت  
 جنکے خوشے اوپر تلے ہیں، یہ بندوں کو روزی پہنچانے کے لئے اور  
 اس پانی سے مروہ آبادی کو ہم زندہ کرتے ہیں، اسی طرح قمر کے  
 ٹکڑے، ان کافروں سے پہلے قوح کی قوم، اس واسطے اور قوم  
 اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے اور جنکے اولاد نے

تب کی قوم نے اسکو جھٹلایا، ان میں سے ہر ایک نے پیغمبر کو  
 ٹو جھٹلایا، تو میری دھمکی پوری اتنی ہی کیا، ہم پہلے پید کر کے تھک گئے  
 (دوبارہ نہیں پیدا کر سکتے) بات یہ ہے کہ ان کافروں کو از سر نو

سورہ قیامت میں بھی اسکا بیان ہے، اسکی آخری آیتیں یہ ہیں:-

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى، أَلَمْ يَكُنْ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ تَمْنَى، ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى، فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى، أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِرٍ عَلَى أَنْ يُخْلِقَ  
کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یونہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا، کیا وہ پانی کی ایک ٹپکی ہوئی بوند نہ تھا، پھر بندھا ہوا خون ہوا پھر خدانے اسکو بنایا اور اسکو ٹھیک کیا پھر اس کو جوڑا کیا، نر اور مادہ کیا، یہ خدا اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ  
المَوْقِ، (قیمہ - ۲)

وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظًا مَسَّوًى، فَاتَّاعْنَا لِلْكَافِرِينَ  
خَلَقَ لَعِبْدٍ، أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ هُوَ الَّذِي يَخْلُقُ مِثْلَهُمْ، (بنی اسرائیل - ۱۱)  
اور وہ بولے کہ جب ہم ہڈی اور چوڑا ہو جائیں گے تو پھر  
سے بنا کر اٹھائے جائیں گے کیا یہ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے  
آسمانوں کو اور زمین کو بنایا وہ ان لوگوں کے مثل کو دوبارہ  
بھی بنا سکتا ہے،

ایک اور جگہ فرمایا،

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ، (روم - ۳)  
اور وہی جو خلق کا آغاز کرتا ہے، پھر اسکو دوبارہ خلق کرے گا یہ  
دوبارہ ہنسنا کرنا اس کے لیے بہت آسان ہے،

إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا جَمَعُكُمْ مِنْ تُرَابٍ  
پیدا کرے گا، (حج - ۱)  
(لوگو! اگر تم کو بار بار زندگی میں شک ہو تو ہم تو پہلے تمکو اسی مردہ ہی سے  
پیدا کر چکے ہیں، پھر دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتے)

قیامت کے متعلق تمام دور دراز اور طول طویل شکوک و شبہات کا کتنا مختصر جواب ہے،

قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا  
الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ (یسین - ۵)  
وہ بولا کہ ان مڑی کھو کھلی ہڈیوں کو جلائیگا، کہہ دے وہی  
جس نے پہلی دفعہ ان کو بنایا،

غرض وحی محمدی نے ہر پہلو سے کفار کے اس استغواب اور استعجاب کو دور کیا، اور ان کو دوبارہ زندگی کا یقین دلایا،

شہ جہانی | اس بحث پر لوگوں نے قیامت برپا کر رکھی ہے کہ یہ دوبارہ زندگی آیا اسی گوشت و پوست کے ساتھ ہوگی، یا صرف روحانی ہوگی، اور جسم و جہانیت کا مطلق گداز ہوگا؟ گو قرآن پاک کی مختلف تین مختلف پہلوؤں کو پیش کرتی ہیں، جنہیں اشارۃً ہر قسم کی باتیں آجاتی ہیں، تاہم قیامت کے متعلق اوپر کی آیتوں میں سے ایک ایک آیت پر غور کرو، کفار کو تعجب ہے کہ کیا ہمارا جسم مگر چھریں گے، کیا ہمارے ان سڑی گئی ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑے گی، اور ہم قبروں سے نکل کر پھر اُٹھ کھڑے ہونگے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہانی زندگی کے علاوہ زندگی کا کوئی دوسرا مفہوم اُن کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا، مگر اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم تعجب نہ کرو، اور انکار پر آمادہ نہ ہو، کہ تمہارے یہ تماشہ جسم نہیں اٹھائے جائیں گے، اور نہ تمہاری اُن بوسیدہ ہڈیوں میں روح پھونکی جائیگی، بلکہ وہ تو سرسبز روحانی زندگی ہوگی، کیونکہ جب دوبارہ جہانی زندگی کا تخیل اُن کے لیے ناقابل فہم تھا، تو خالص روحانی زندگی کا تخیل تو اور بھی اُن کے فہم سے دور تھا اور اب بھی ہے، کہ ہم اس مادی زندگی کے جاننے والے سر تا پا روحانی زندگی کے تصور سے بالکل عاجز ہیں، ایسے مصلحت الہی کی مقتضی تھی کہ وہ اصل واقعہ پر زور دے، اور کیسے اور کیوں سے تعرض نہ کرے، اور صاحبِ فہم کو اُس کے فہم کے مطابق اس راہ کو سمجھنے دے، چنانچہ قرآن پاک کے اس اسلوب بیان کو اگر سمجھنا ہے تو ان آیتوں پر غور کرنا چاہئے،

وَقَالُوا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَأَنَّا لَمُتُونَ  
جِدِيدًا بَنَىٰ لَهُمْ بِلْقَاؤُنَا كَيْفَ يُفْرُونَ،

اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم زمین میں لکھو جائیں گے  
کیا ہم نئی پیدائش میں پھر ہونگے، (خدا فرماتا ہے یہ کچھ نہیں بلکہ)

(سجۃ - ۱)

یہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں،

غور کرو کہ اُن کی مادی محدودیت کے بعد مادی پیدائش کے پُر تعجب انکار پر اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ یہ ٹلگو کہ مشابہت اس لئے اُن کو پیش آتے ہیں کہ مرنے کے بعد خدا کی ملاقات اور اُس کے سامنے ہونے سے اُن کو انکار ہے، اور حواسی کو چھوڑ کر اصل مقصود یہی ہے کہ موت کے بعد اور آخرت میں خدا کے سامنے ہونے پر یقین رکھا جائے، اس سے اُن کو کیا مطلب کہ وہ اس طرح ہوگا؟ چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا،

قُلْ يَتُوقُونَكَ كَمَا اتَّقَى اللَّهَ يَوْمَئِذٍ يُرَىٰ كُلُّ وَجْهٍ لِلَّهِ  
جواب میں کہہ دے کہ ملک الموت جو تم پر متعین ہے وہ



تَعَالَى رَبُّكُمْ تَرْجِعُونَ، (سجده ۱) تم کو موت دیگا، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹا جاؤ گے،

یہی ملاقات اور رجوع الی اللہ اس عقیدہ حشر کی اصلی روح ہے،

بات یہ ہے کہ ہم انہیں باتوں کو سمجھ بوجھ سکے ہیں، جنکی مثالیں اور نظیریں اس مادی دنیا میں ہماری نگاہوں سے گذرتی رہتی ہیں اور وہ عالم جو نگاہوں سے مستور، بلکہ تصور سے بھی دور ہے، اُسکی باتوں کو اس طرح سمجھنا کہ ہر سوال اور جواب سوال سے وہ پاک ہو جائیں، تقریباً ناممکن ہے، اُن کے متعلق جو کچھ کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس دیدہ شہستان وجود یعنی دنیا کے قیاس ہی پر اُس نادیدہ شہستان بقا کا ہر نقشہ اور خاکہ بتایا اور سمجھایا جاسے، اور یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے کیا ہے،

جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی قدرت پر یقین رکھتے ہیں، اُن سے تو کچھ کہنا ہی نہیں، لیکن اگر کوئی جہانی حشر کا تصور اس لئے حال سمجھتا ہے کہ عام انسانوں نے کسی مردہ جسم کو زندہ ہونے نہیں دیکھا، تو اس سے زیادہ حال یہ ہے کہ کوئی تنہا روحانی زندگی کو سمجھ سکے کہ کسی انسان نے آج تک کسی انسان کو روحانی وجود میں نہیں دیکھا، بلکہ وہ اُس کا تصور تک بھی نہیں کر سکا ہے، وہ جب انسانی زندگی کا تصور کریگا تو جسم و شکل و اعضا کے ساتھ ہی کرے گا، اُن سے مجرّد ہو کر نہیں کرے گا،

**موت** جسم سے روح کی مفارقت کا نام ہے، اس لیے اگر یہ سچ ہے کہ قیامت میں نئی زندگی ملے گی، تو ظاہر ہے کہ پہلی کیفیت اور صورت سے کوئی الگ صورت و کیفیت ہوگی جس کا نام حیاتِ ثانیہ رکھا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ روح کا دوبارہ تعلق جسم سے پیدا کیا جائے، ورنہ غیر جہانی زندگی تو قیامت کے پہلے بھی تھی، اب نئی بات کیا برآہ گئی جس کا نام حیاتِ ثانیہ رکھا جائے،

گو روح انسانی جسم کے اندر ہر فعل کی فاعل ہے، مگر ہر فاعل کے فاعل بننے کے لیے آلات اور اوزار کی بھی ضرورت ہوتی ہے جن کے بغیر وہ اپنے فعل کے بجالانے سے مجبور رہتا ہے، اسی طرح روح اپنے فعلِ لذت و اہم کے انجام دینے کے لیے جہانی آلات اور اوزار کی محتاج ہے کہ لذت و اہم کا کوئی روحانی احساس جہانیت کے ثابہ سے مبرا ہو کر ہو ہی

نہیں سکتا، اس بنا پر روحِ محض کا جنت کی لذتوں سے متشبع یا دوزخ کی تکلیفوں سے متاثر ہونا کسی جہانی طاقت کے بغیر تصور میں نہیں آتا، خوب میں دیکھو کہ روح کو جو لذت یا تکلیف پہنچتی ہے، اُس میں بھی جہانی پیکر وکیل کی صورتوں اور ہستی جم و جد | خضر جہانی ماننے کے بعد یہ بحث میسود ہو کہ آیا یہی جسم دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائیگا جس کے قالب میں وہ روح پہلے دنیا میں ہی تھی، یا کسی دوسرے نئے جہانی پیکر میں وہ روح پھونکی جائے گی، یا یہ کہ آئندہ جسم اپنی مادیت اور تربیت میں اسی دنیاوی جسم کے مائل ہوگا، جب کہ یہ حقیقت ہے، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اعمال کی ذمہ داری روح پر ہے جسم پر نہیں، اور اسی طرح جزا و سزا کی راحت و تکلیف کا اہلی مورد روح ہے جسم نہیں، تو پھر اب وہ کسی قالب میں بھی ہوا، اور کسی رنگ میں بھی ہو، روح پر مواخذہ، اور ثواب و عذاب کی لذت و اطمینان کا احساس ہوگا البتہ یہ ضرور ہو کہ جو جسم ہم کو دوسری دنیا میں ملے گا اسکی خصوصیات و لوازم اس خالی جسم کے خصوصیات و لوازم سے بالکل الگ ہونگے، چنانچہ خود ہمارے تجلی اور تصور اور غیر خواب و رویا میں جو جسم کو نظر آتا ہے، وہ جسم ہو کر نظر آنے کے باوجود مادی جہالت سے سرسرا پاک ہوتا ہے، اسلئے فقط جسم کے بولنے سے انہیں خصوصیات کا جسم سمجھ لیں، نہ ضروری نہیں ہے، اور نہ اس جسم پر جیسا کہ اُس جسم پر اسکا لاپیش کئے جاسکتے ہیں،

خلق جثا چنانچہ جو جسم یا ست میں عنایت ہوگا، وہ نئی خلقت اور نئی آفرینش کا ممنون ہوگا، اسی لیے قرآن نے منکرون کے جواب میں یہ کہا ہے کہ

بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ (ق ۱۱) بلکہ یہ لوگ نئی آفرینش سے شک میں ہیں۔

منکرون کی زبان سے کہلوا یا،

وَأَنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا (اسراء ۵۵) کیا ہم حقیقت میں آفرینش کر کے اٹھائے جائیں گے؟

ایک دوسری سورہ میں یہ یقین ہے کہ

إِنَّمَا نَحْنُ خَلْقٌ جَدِيدٌ (سبا ۱) بیشک ہم ایک نئی آفرینش میں ہونے والے ہیں۔

پیشکش سے کر فرمایا،

کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۖ

جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کا آغاز کیا، اسی طرح ہم

اُس کو دوبارہ بنائیں گے،

(انبیاء-۷)

اس لیے اُس عالم کی اس نئی خلقت پیدائش کے جسم کو بعینہ اسی جسم کے مطابق سمجھنا صحیح نہیں ہے، اور نہ اس خاکی جسم کے تمام خصوصیات کا بعینہ اُس جسم میں ہونا ضروری ہے، اُس کو اگر اس عالم کے لفظ "جسم" سے تعبیر کیا جاتا ہو، تو اس لیے کہ ہماری زبان میں روح کے غلات و قالب کے لیے جسم سے بہتر قریب تر اور مشابہ تر کوئی دوسرا لفظ نہیں یہ بات کہ حشر میں بعینہ گذشتہ گوشت و پوست کا ہونا اس لیے ضروری سمجھا جائے کہ وہ بھی عذاب و ثواب میں شریک ہوں، تصریح قرآنی پر اضافہ ہے، قرآن میں تو یہ تصریح ہے کہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ

بے شبہ جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہو جائیں گے

اُن کو آگ میں ڈالیں گے جب جب اُنکی کھالیں پک جائیں گی

ہم اُن کو اور کھالیں دیں گے، جو پہلی کھالوں کی غیر ہو جائیں گی

تاکہ وہ عذاب چھین بھینک لیں، بیشک اللہ غالب و حکمت والا ہے

نَارًا كُلَّمَا نَفِثَتْ جُلُودُهُمْ بَدَأَ لَهُمْ

جُلُودٌ آخَرٌ هَالِكٌ وَقَوْلُ الْعَذَابِ إِنَّ اللَّهَ

كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا، (نساء-۸)

جب کھالیں یکے با دیگر بگڑے بدلتی جائیں گی، تو وہ پہلا اصلی حصہ جسم جو گناہ میں شریک تھا کمان باقی رہا، یہ تصریح ہے کہ انسان کے ہاتھ پاؤں اور کھالیں اُس کے اعمال پر شہادت دیں گی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اصلی مجرم جو ان اعمال کا ذمہ دار اور اس مقدمہ کا مدعا علیہ ہے ان جسمانی اعضاء کے علاوہ ہی اور وہ روح انسانی ہے،

ذمہ داری روح پر ہے | یہی سبب ہے کہ موت و حیات، عذاب و ثواب اور اعمال کے مواخذہ کا اسلام نے جس سے تعلق بتایا ہے وہ نفس یعنی روح ہے،

أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ لِّحَصْرِتِي عَلَى مَا فَرَّطْتُ

و (قیامت میں) کوئی نفس یہ کہنے لگے کہ اے افسوس

اس پر کہ میں نے اللہ کے پہلو میں کمی کی،

اور چاہتی کہ نفس دیکھے کہ اُسے کل (قیامت) کیسے کیا اُٹھے گا

فِي جَنْبِ اللَّهِ، (زمر-۶)

وَلَنَنْظُرَنَّ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (حشر-۳)

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ (تکویر-۱) (اُس دن) ہر نفس جان لیگا جو اُس نے حاضر کیا،

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَآخَرَتْ، (اِس دن) ہر نفس جان لیگا جو اُس نے آگے بھیجا،

(الفطار-۱) اور پیچھے چھوڑا،

فَلَا تَظْلِمُ نَفْسٌ شَيْئًا، (انبیاء-۴۲) (تو اُس دن) کسی نفس پر کوئی ظلم نہ ہوگا،

جنت کی نسبت ہے،

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ عَيْنٍ کوئی نفس نہیں جانتا کہ اُن کے لیے (جنت میں) کیا

آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہو، (سجدہ-۲۷)

ان ایٹون میں دیکھو کہ عمل کی ذمہ داری اور اُس کے اچھے اور برے نتیجوں کا بارِ جسم پر نہیں، بلکہ روح اور نفس

پر ڈالا گیا ہے، اور اسی کو تکلیفِ لذت سے آشنا کیا گیا ہے جنت میں داخلہ کی خوشخبری بھی اُسی کو دی گئی ہو،

كَأَدْخُلُوا فِي جَنَّاتٍ وَّادْخُلُوا جَنَّاتٍ، اے مطمئنِ رُح! میرے بندوں میں شامل اور میری

(نجم-۱) جنت میں داخل ہو جا،

دنیاوی جسم بدلتے رہنے | غرضِ اعمال اور اُن کے نتائج کی اصلی ذمہ داری اور جنت و دوزخ کی لذتِ عالم کی اصل

پر بھی وہی جسم رہتا ہے | احساس کرنے والی ہستی صرف روح ہے اور جسم کی حیثیت صرف ایک لباس و آلہ احساس

کی ہے، اس سے زیادہ اسکی کوئی حیثیت نہیں، یہ جسم لاکھ بار بدلتے مگر روح اگر وہی ہے تو وہ انسان وہی ہے، اور اُسی

کو اپنی ذمہ داری کی جزا و سزا ملے گی،

جو لوگ اپنی ظاہر بینی سے اصلِ زندگی پر دیتے ہیں، حالانکہ اس مٹی کے ڈھیر میں اگر روح کا خزانہ چھپاتا ہو تو اُس

مشتِ خاک میں دھرا گیا ہے، دیکھو کہ انسان بچپن سے لیکر بوڑھا پے تک وہی ایک شخص ہے جو پہلے تھا، حالانکہ اسکی

جسمانی ہیئت اور اُس کے جسم کا ماحول ہر آن اور ہر لمحہ قیام ہو کر بدلتا رہا، اور بیاریوں میں وہ سوکھ کر کڑا ہوا ہو گیا، پھر زندگی

کے بعد نئے ذرات داخل ہو کر لہما لہما، غلطی سے یہ سمجھتے ہو کہ ہر حال میں وہی جسم یکساں طور پر قائم ہے، حالانکہ

حیثم سے پوچھو تو وہ بتائے گا کہ اُس کے ذریعے کیونکر ہر آن میں جھڑنے اور گھٹنے رہے، اور جو خوراک وہ کھاتا رہا، وہ خون ہو کر کیونکر بدل مایہ کی بجائے ہر آن کی جگہ لیتی رہی، پھر کیا ایسے ہر آن فنا ہوتے رہنے والے اور چند سال کے بعد بالکل بدل جانے والے کو دائم الوجود اعمال کا ذمہ دار اور اُنکے نیک بد کی پہلی جزا یا سزا پانے کا مستحق ٹھہرایا جاسکتا ہے لیکن جس طرح دنیا میں اگر کوئی مجرم آج بھاگ گیا اور چند سال کے بعد پکڑ کر جیل لایا گیا، تو وہ یہ عذر نہیں کر سکتا کہ چونکہ وہ ہاتھ جس سے اس نے چوری کی تھی اردہ پاؤں جن سے وہ مال لیکر بھاگا تھا اس عرصہ دراز میں بدل گئے ہیں اس لیے وہ لائق تعزیر نہیں، کیونکہ وہ رُوح جس نے اپنے ارادہ و نیت سے اس کام کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے ذریعہ کر لیا تھا، وہ جس طرح کل تھی بعینہ کج بھی ہے، اور جو تکلیف اُس کو اپنے پہلے جسم کے ذریعہ کل پہنچ سکتی تھی، آج بھی بعینہ وہی اُس کو پہنچ سکتی ہے، اور اس جہانی تئیر سے اُسکی روحانی شخصیت میں اصلاً کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا، اس لیے پہلے ہی جسم کے ضروری ہونے پر زور دینا بے سود ہے، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ جسم اگر بدل بھی جائے تو اعضا کی شہادت کا مسئلہ اپنی جگہ پر بھیج ہوگا، جسم کے اجزاء دنیا میں بدلتے جاتے ہیں، مگر جو بیماری اگلے اجزاء میں پیدا ہو گئی تھی وہ اُن کے فنا ہو جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہے، مرنے نہیں جاتی، بلکہ وہی اُن کے بعد کے آنے والے اجزاء میں برابر سرایت کرتی رہتی ہے،

اندری جسم کیسا ہوگا | روح کو آخرت میں جو جسم ملے گا وہ حقیقت میں اُن کے اعمال ہی کے نکل عکس ہونگے، یعنی جیسے اعمال ہونگے ویسے ہی انکو جسم عنایت ہونگے، چنانچہ دنیا کے جہانی رنگ کے لحاظ سے خواہ کوئی کالا ہو یا گورا مگر اُس دنیا میں اُس کا یہ کالا پن اور گورا پن اعمال کی سیاہی و سپیدی کی صورت میں بدل جائیگا، فرمایا:

وَجَوَابُكَ يَوْمَئِذٍ مُّسْتَهْرَجٌ ۚ مَّنَاحِلُكَ مُتَشَبِهَةٌ ۚ  
 کتنے پھرے اس دن روشن ہستے اور شاد ہوں گے،

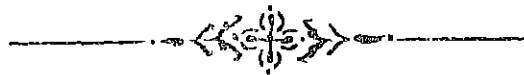
وَجَوَابُكَ يَوْمَئِذٍ عَلَيْكَ غَبَرَةٌ ۚ تَوَهَّجُهَا قَتَرَةٌ ۚ  
 اور کتنے پھرون پر اُس دن کہ ورت ہوگی اور اُن پر

(عہد ۱) صحیحی چھائی ہوگی،

یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ  
 جس دن کتنے پھرے سپید ہونگے، اور کتنے گہرے، ایک چٹک

اسودت وجوههم ثم اُكفرتم بعد ايسانكم  
 ہرے کاٹے ہوئے کی تم وہ ہر جو ایمان کے بعد پھر کافر  
 فذوقوا العذاب بما كنتم تكفرون، واما  
 ہو گئے تھے تو اپنے کفر کرنے کے بدلہ عذاب کا مزہ چکھو  
 الذين اتيصت وجوههم ففي رحمة الله  
 اور لیکن جنکے ہرے پسید ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں  
 هم فيها خالدون، (ال عمران - ۱۱) ہو گئے، اسی میں سدا رہیں گے،

صحیح حدیثوں میں ہے کہ جنت میں سب لوگ جوان بنکر داخل ہوں گے اور جسم پر کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا، اُن کا  
 حضرت آدمؑ کے اولین بستی قدر کے مطابق ہوگا، دوزخیوں میں سے کسی کا سر پہاڑ کے برابر ہوگا کسی کا ایک پہلو منگو  
 ہوگا کسی کے ہونٹ لٹکے ہوں گے، دل کے اندر آنکھوں کے اندر بنکر اٹھیں گے، سزاؤں کے بعد جب اُن کے جسم پر  
 چڑھو جو جانیں گے تو پھر اُن کے جسم صحیح و سالم نمودار ہوں گے اور پھر اُن کی وہی کیفیت ہوگی، یہ بھی آیا ہے کہ جو اپنے  
 گڑبڑ سمجھے ہیں وہ چوتھی بنکر قیامت میں اٹھیں گے، ان تمام شواہد سے ہویدا ہے کہ اُس دنیا کے جسمانی قالب ہمارے  
 اِس دنیاوی جسم کے مطابق نہیں بلکہ ہمارے دنیاوی اعمال کے مطابق ہوں گے،



## بخرا اور سزا

”یوم آخر“ یا یوم دین پر ایمان لانے سے اسلام کا حقیقی منشا یہ ہے کہ لوگ اس کا یقین کریں کہ ان کے ہر عمل کا بدلہ ہے، کچھ اس دنیا میں، اور پورا دوسری دنیا میں اسی کا نام جزا و سزا ہے، اور دنیا کے دوسرے مذاہب بھی اسلام کیساتھ اس مسئلہ میں ہمنوا ہیں،

جزا و سزا دیگر مذاہب میں | اور درحقیقت مذاہب کا حقیقی تعلق اسی عقیدہ سے ہے کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، اور اچھا یا بُرا جیسا کام اُس سے صادر ہوگا اُس کے مطابق اسکا اچھا یا بُرا معاوضہ اُس کو دوسری دنیا میں ضرور ملے گا، اس عقیدہ کا نشان مضر و نافع صحتی دنیا کی قدیم قوموں میں بھی ملتا ہے، ہندوستان کے مذاہب میں اس دوسری دنیا کو دوسرے جنم سے تعبیر کیا گیا ہے، اُن کا خیال یہ ہے کہ انسان جب مرتا ہے تو اُس کے اچھے یا بُرے کاموں کے مطابق اُس کی روح کسی جانور یا گھاس پھوس یا درخت کے قالب میں جا کر اپنے عمل کا نتیجہ سہکتی ہے اور پھر انسانوں کے قالب میں لائی جاتی ہے، اور کام کرتی ہے، اس کے بعد جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں، اُس کو ہم لوگ میں جانا پڑتا ہے، جہاں نرک (دوزخ) ہیں، وہاں وہ ہر قسم کی سزا سہکتی ہی، بعد ازیں اپنے بعض اچھے کاموں کی بدولت چند لوگ (چاند کی دنیا) میں جاتی ہے، جس روح کے کچھ کام اب بھی باقی ہیں، وہ اس دنیا میں ہوا، بادل، اور بارش کے ذریعہ سے زمین میں دوبارہ آتی ہے، اور اپنے کام کے مطابق حیوانات یا نباتات کے رتبہ میں سزا پاتی ہے، اور پھر پھوپٹ کر انسان بنتی ہے، یہاں تک کہ اُس کے کام اتنے اچھے ہو جائیں کہ وہ سزا کے قابل نہ قرار پائے، اس وقت وہ مادی قالبوں کی قید سے نجات پا کر سوج لوک، اور چندر لوک وغیرہ اجرام سماوی کی دنیاؤں میں جا کر آرام کرتی ہے، اور پھر اپنے علم و عمل کی کسی کمی کے سبب سے بادل، ہوا، اناج یا کسی دوسرے

مخلوقات کے قالب میں ہو کر اس کو اُس دنیا میں پھرانا پڑتا ہے اور پھر وہی عمل اور سزا اور نئے نئے جہنم میں پیدا ہو کر سزا جھگھکتی ہے اور اُس وقت تک اس آمد و رفت اور آواگون کے چکروں میں پھنسی رہتی ہے جب تک اُس سے اچھے یا برے کاموں کا صدور ہوتا رہتا ہے اس لئے کامل اور دائمی نجات کی صورت یہ ہے کہ انسان سے اچھا یا برا کوئی کام ہی صادر نہ ہو یہی ترکِ عملِ روح کو مادہ کی قید سے آزاد کر کے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا (مکوش) دلاتا ہے یہاں تک کہ یہ موجودہ مادی دنیا پڑے (قیامت) کے بعد جب پھر نئے سرے سے نیکی تو پھر وہی عمل اور سزا اور جہنم کے آواگون کا چکر شروع ہوگا، اور پھر اسی طرح چھٹکارا پائے گی اور پھر دوسرے پڑے کے بعد نیا دور اسی طرح شروع ہوگا، یہ چکر اسی طرح ہمیشہ جاری رہے گا،

یہ وہ چکر ہے جس سے انسان کو کبھی نکلتا نصیب نہ ہوگا، اَلَا یہ کہ ہالک کی چوٹی یا غار میں بٹھیک کر تکِ عمل کے ذریعہ خود اپنے وجود سے ہاتھ دھو لیا جائے، لیکن اگر اس اصولِ نجات پر دنیا عمل کرے تو یہ بہارِستانِ مہم کے مہم بین غارِستان بن جائے، اور ہر قسم کا کاروبار معطل ہو کر یوں بھی نیا فائدہ کے قریب آجائے، اور بدی کیساتھ نیکی کا وجود بھی دنیا سے مٹ جائے، اور بایں ہمہ دائمی وابدی نجات میسر نہ ہو، کیونکہ ہر پڑے کے بعد وہی جہنم، اور کرم، اور آواگون پھر شروع ہوتا ہے،

لیکن دنیا کے دوسرے مذاہب نے اس چکر اور بے عملی سے دنیا کو نجات دلائی ہے، انھوں نے اس جُڑو دنیا کے بعد ایک ہی دنیا اور تسلیم کی ہے، حسین انسانوں کو اپنے اچھے اور برے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی، مختلف زردشتی فرقوں نے آریں نسل ہونے کے باوجود ہندوؤں کے تنازع کے بجائے مختلف سماجی مذاہب کے خیالات کی نقالی کی ہے، اور خصوصاً بعد والوں نے اسلام کے عقائد کو "اردی ویرانہ" کے عجیب و غریب شہادت کا رنگ دیکر اور اُس کی کتاب کو اسلام سے بھی پہلے کی قرار دیکر تمام تر قبول کر لیا ہے،

لے تنازع کے رد میں اللہ علیہ وسلم جو ان کے عقائد کے خلاف دلائل و بھان مذاہب کا مصنف ہوا زردشتی مذاہب پوری دائرہ رکھتا تھا، اس نے اپنی کتاب میں اس کی پوری تفصیل درج کی ہے،



صحیفہ ابراہیم یعنی سفر تکوین میں دنیا کی محنت و مشقت اٹھانے کے بعد پھر حنیت میں داخلہ کا اشارہ ہے (تکوین ۲-۱۹) علیٰ ہذا حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں آخری جزا و سزا کے اصول مذکور ہیں، نیکو کاروں کے لیے ایک "ستھری آبادی" جہنم و دودھ اور شہد کی ہنرین بہتی ہیں، مذکور ہے، اور بدکاروں کے لیے ہلاکت اور بربادی اور دردناک عذابوں کی بھی خبر ہے، مگر مترجموں نے ہر جگہ اُس کو دنیاوی ہی ثواب و عذاب بلکہ ارض موعودہ کی ظاہری سلطنت کے معنوں میں کر کے دکھایا ہے، حالانکہ بعض مقامات میں یہ بے جوڑی بات ہو کر رہ گئی ہے، حضرت آدم کی جنت عدن اور اس کے چار دریاؤں کا ذکر تکوین کے دوسرے باب میں ہے، علاوہ ازیں توہرات میں موت کے بعد کی زندگی کی تصریح ملتی ہے، حضرت ابراہیم (پیدائش ۲۵-۸) اور یعقوب علیہما السلام (پیدائش ۴۹-۳۳) کی موت کی تعبیر ان لفظوں میں لگائی ہے، کہ جان بحق ہوا، اور وہ اپنے لوگوں میں جا ملا، ساتھ ہی ہمیشہ کی بھلائی (استثنا ۱-۲۲) کا بھی تذکرہ ہے، اور جہنم کی آگ (استثنا ۲۲-۲۳) کا بھی بیان ہے، اور ہر ایک کو اُس کے عمل کا بدلہ دیئے جانے کی بھی تصریح ہے (یرمیاہ ۱-۱۱) روح کی بقا اور آسمان پر چڑھنے کی تعلیم بھی اُن کے صحیفوں میں موجود ہے، (واعظ ۳-۲۱) مرنے کے بعد روح کے، خدا کے پاس واپس پھر جانے کا بھی ذکر ہے، (واعظ ۱۲-۷) اور انسان کے اپنے ابدی مکان میں جانے کا بھی تذکرہ ہے، آخر میں ہے، "خدا سے ڈرا اور اس کے حکموں کو مان، کہ انسان کا فرض کلی یہی ہے، کیونکہ خدا ہر ایک فعل کو ہر ایک پوشیدہ چیز کیساتھ خواہ بھلی ہو خواہ بری عدالت میں لایکھا" (واعظ ۱۲-۱۴) زبور میں خدا کی عدالت کے دن کی تصریحات بار بار ہیں، امثال سلیمانی میں ہے کہ انسان کی راہیں خداوند کی آنکھوں کے سامنے ہیں، اور وہ انکی ساری روشن کو جانچتا ہے، شریر کی بدکاریاں اسکو پکڑ لینگے، اور وہ اپنے ہی گناہوں کی سیون سے جکڑا جائے گا، وہ بے تربیت پائے مر جائے گا، اور اپنی جہالت کی شدت میں بھٹکتا پھرے گا (۲۱-۵) دانیال میں ہے کہ اس وقت بہتر ہے جو زمین میں خاک پر سو رہے ہیں، جاگ اٹھیں گے، بعض جہالت ابدی کے لیے اور بعض رسوائی اور ذلت کے لیے (۲-۱۲) حزقیال (۲۸) میں جنت کی طلائی اور جوارہ رست کی بنی ہوئی عمارتوں کے اشارے ہیں،

حضرت مسیح سے پہلے یہودیوں میں صدوقی نام ایک فرقہ پیدا ہوا جس نے حکمران یونانیوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کی بعض باتیں قبول کر کے یہودی تعلیم میں شامل کیں، منجملہ ان کے وہ قیامت اور حیاتِ اخروی کا بھی منکر ہوا، مگر اس کے مقابل کا دوسرا فرقہ جس نے اپنے کو فریسی (علیٰ زہنے والا) کہا، اپنے پرانے عقیدوں پر قائم رہا، اور قیامت، حیاتِ اخروی اور جنت و دوزخ کے عقائد کو بدستور رمانا رہا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فریسی بھی اعتقاد رکھتے تھے کہ جنت مادی ہوگی، اور وہاں بہشتیوں کو ان کی بیویاں واپس ملین گی درمیں ۱۲-۲۴) یہودیوں کی گھڑی کتابوں میں جزا و سزا کی تفصیل موجود ہے، چنانچہ اسلام کے زمانہ میں بھی عرب کے یہودی اس پر ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہودی کیسے ہی گنہگار ہونگے مگر چند روز سے زیادہ وہ دوزخ میں نہیں رہیں گے، (بقرہ ۸۰ و آل عمران ۳) یہ چند روز باختلاف روایت تین روز، چالیس روز یا گیارہ مہینے ہیں،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں یہودیوں کے ان تین فرقوں کے درمیان سخت اختلافات برپا تھے، اور دونوں ایک دوسرے کی تردید و ابطال میں مصروف تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اگر صدوقیوں کے اس عقیدہ کی تردید کی، اور قیامت اور جزا و سزا پر ایمان لانے کی تعلیم دی، حضرت عیسیٰ کے ایک حواری یوحنا نے اپنے مکاشفہ میں جنت و دوزخ کی پوری تصویر کھینچی،

حضرت عیسیٰ کے اس جواب سے جو انھوں نے ایک صدوقی کے سوال کا دیا کہ اس دنیا میں لوگ شادی اور بیاہ نہیں کریں گے، بلکہ فرشتوں کے مانند رہیں گے، ایسا سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جنت کو صرف روحانی وجود بخشا ہے، مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے، حضرت عیسیٰ اپنی زندگی کی آخری شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھ کر جب انگور کا انشودہ پیتے ہیں، تو کہتے ہیں:-

میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کے پھل کا رس پھر نہ پیوں گا، اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی

۱۔ برٹش انسائیکلو پیڈیا مضمون صدوقین، (صدوقی) ۲۔ کتب تفسیر میں ان آیتوں کی تفسیر دیکھو، ۳۔ سیل کا ترجمہ قرآن حاشیہ زیر ترجمہ آیت بقرہ رکوع ۸،

میں نیازیون (متی ۲۶-۲۹)

حضرت عیسیٰؑ یہودی علما کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:-

”اے سانپو! اور اے سانپوں کے بچے! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے“ (متی ۲۳، ۳۳)

حضرت عیسیٰؑ اپنے ایک وعظ میں دُورخ کا ایک منظر دکھاتے ہیں اور فرماتے ہیں:-

”اُس نے دُورخ کے درمیان عذاب میں ہونے کے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور ابراہام (حضرت ابراہیمؑ) کو در سے

دیکھا اور اُس کی گود میں تعز کو اور اُس نے پکار کے کہا کہ اے باپ ابراہام! مجھ پر رحم کر اور تعز کو بھیج کہ اپنی انگلی کا

سر اپنی سے بھگو کے میری زبان ٹھنڈی کرے، کیونکہ میں اس کو میں تڑپتا ہوں“ (لوقا ۱۶-۲۳)

مکاشفات یوحنا میں دُورخ کو آگ اور گندھک کہا گیا ہے (۱۴-۱۰) اور متی کی انجیل میں اس کے دروازے

بھی بتائے گئے ہیں (متی ۱۶-۱۸) اسی طرح جنت اور انکی طلائی وجوہ لائی تعمیر اور نہر آب حیات کا ذکر مکاشفات کے

الکسین باب میں ہے اور وہاں کے انگریزی افسر وہ کا بیان بھی میں ہے (متی ۲۶-۱۹) وہاں کے آب سرد کا ذکر

بھی انجیل میں آتا ہے (لوقا ۱۶-۲۳)

اسی طرح ہر ایک کے عمل کے حساب لئے جانے اور عمل کے مطابق بدلہ ملنے کا ذکر بھی عواریون کے خط

میں موجود ہے،

”مبارک وہ مرد ہے جس کے گناہوں کا حساب خداوند نہ لیگا“ (رومیون ۴-۸)

”سو ہر ایک ہم میں سے خدا کو اپنا حساب آپ دیکھا“ (رومیون ۱۲-۱۳)

”لیکن دسے اُس کو جو زندون اور مردوں کا انصاف کرنے پر تیار ہے، حساب دینگے“ (اول پطرس ۴-۵)

اس باب میں اسلام کا مکمل پہلو یہ ہے کہ اُس نے اس عقیدہ کو نہ صرف پوری تفصیل کیساتھ بیان ہی کیا بلکہ

اُس کے تمام ضروری اجزاء فراہم کیے، گذشتہ مذاہب کے تشنہ بیانات پر سیر حاصل بخشن کین، ان کے نقائص کی

کی اور مزاج جزا کے اصول اس طرح صفائی سے بیان کیے کہ اس عقیدہ کا ہر پہلو شکوک و شبہات سے پاک ہو گیا

آئندہ مباحث کے سمجھنے کے لیے، پہلے چند اصول ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔

عالم آخر کا فہم اور اگ | اُس عالم آخر میں جو کچھ ہوگا، وہ اگرچہ ہمارے اس زیر تجربہ وزیر مشاہدہ مادی عالم سے بالکل الگ ہوگا تاہم چونکہ انسانی فہم کی مجبوری کی وجہ سے وہ اسی زبان و محاورات میں ادا کیا گیا ہے، جو اس مادی عالم کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لیے ان الفاظ کے ساتھ جو مادی خصائص کو لازم مستلزم ہو گئے ہیں، یا ہم اُن کے دیکھنے اور سننے کے اس دنیا میں مادی ہو گئے ہیں، ان لفظوں کو سن کر ہم بعینہ وہی سمجھنا چاہتے ہیں جو اس دنیا میں اُن لفظوں سے سمجھتے رہے ہیں، اور اسی سبب سے بعض کم فہم وہاں کے دقائق و احوال کا بیان سن کر اُن میں سے بعض امور کو محال اور ناممکن کہہ اٹھتے ہیں، اور بعض اُن کی تشریح و تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ لفظ و معنی میں ادنیٰ اشتراک بھی باقی نہیں رہتا، یہ دونوں راستے سخت خطرناک ہیں، اسی لیے وحی محمدی نے ان نازک و دقیق امور کے بیان میں انسانی فطرت کی کمزوریوں کا پورا لحاظ کیا ہے، نہ تو یہودیوں کی طرح اُس نے ان واقعات کو سرتاپا مادی کہہ کر اُس عالم آخرت کو بھی سرتاپا ہی عالم آب و گل بنا دیا ہے، اور نہ عقل خود کے بعض نادان مدعیوں کی طرح اُن کو مادہ سے اتنا بلند و برتر کیا ہے کہ اُن کا وجود ہی مہوہوم و فرضی ہو جائے، بلکہ انسانی عقول کے اختلاف و مراتب کا لحاظ کر کے بزم کے اہل نظر اور تماشائیوں دونوں کی تشفی اور تسکین کا سامان ہم پہنچایا ہے،

ان اخروی وقائع کے مختلف انجیال مفہوموں اور مصداقوں کا لحاظ کر کے وحی محمدی نے ایسے چھ تلافی اختیار کئے ہیں، جنہیں ایک فلسفی بھی بہرہ یاب ہو سکتا ہے، اور ایک عامی بھی، اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر اپنے ایمان کا لطف اٹھا سکتے ہیں اور ایک ایسے مذہب کے لیے جو سارے انسانی طبقتوں کو اپنا غنا طلب بنانے کا دعویٰ کرتا ہے، ایسی ہی وسعت کی ضرورت تھی، تاکہ وہ سب کے لئے اپنی اپنی جگہ پر تشفی کا باعث ہو سکے، ان تمام اخروی واقعات کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے، وہ ظاہر ہے کہ طبعاً وہی الفاظ ہو سکتے ہیں، جن کے ساتھ اس دنیا میں تمام مادی ماحول، مادی مفہوم و مصداق، اور جسمانی تنجیلات ہر چار طرف سے لپٹے ہیں، ان لفظوں کے سننے کیساتھ جو مفہوم ہمارے ذہن میں آتا ہے، وہ سرتاپا انھیں مادی قیود و لوازم کے ساتھ آتا ہے، ہم جب اگ

کالفظ سننے میں تو مٹا اس دنیاوی آگ کا مفہوم ذہن میں آتا ہے جو کہ ہم بیان دیکھتے ہیں جو انسانوں اور درختوں کو اور ہر چیز کو جو اُس کے اندر ہوتی ہے، بلا تمیز یکساں جلا دیتی ہے، مگر آخری آگ ایسی نہ ہوگی، اُس کے اندر بعض درخت ہو گئے جو نہیں جلین گے، وہ صرف گھٹا انسانوں کو جلائیگی، کسی کے پاؤں کو چھوئیگی، کسی کی کرت تک آئیگی، کسی کے گلے تک پہنچئیگی اور وہ ایسی تیز و گرم ہوگی کہ یہ دنیاوی آگ اُس کے مقابلہ میں ٹھنڈک ہے، "وزن" کالفظ سننے کے ساتھ ہمارے سامنے اس عالم میں تو سننے کی ساری خصوصیتیں آجاتی ہیں، ترازو، پانگ، پلے، ڈنڈی اور تولی جاسنے والی چیز میں جسمیت اور ثقل کا ہونا، اسی طرح نامہ عمل کے لکھنے کا مفہوم جب ہم سمجھنا چاہیں گے تو کاتب کی انگلیاں، قلم، دوات، سیاہی، کاغذ اور حروف کی ساری قدیم ہمارے ذہن میں آئیگی، اس بنا پر ان الفاظ کے سرسری معنی اور اُن کے قریب الفہم مجازی معنی کے سمجھنے میں اختلاف آرا کی بڑی گنجائش ہے، اس لیے حق تو یہ ہے کہ ان پر بلا مزید تشریح اس طرح ایمان لایا جائے کہ ہماری تشریح سے اُن کے الفاظ کے مفہوم کی وسعت تنگ نہ ہو جائے، یا ہم اُن کو گون کو بھی دائرہ سے خارج نہ کیا جائے، جو ان الفاظ سے وہ مفہوم سمجھ کر تسلی پانا چاہتے ہیں، جتنکے وہ الفاظ متعل ہو سکتے ہیں کہ اگر مراد الہی ہی تنگی ہوتی، تو اللہ تعالیٰ انسانی عقولوں کے اس اختلاف مراتب کا لحاظ کئے بغیر اپنے مفہوم کو اس وسعت کے بجائے تنگ سے تنگ الفاظ میں ظاہر فرما سکتا تھا، مگر ایسا نہیں کیا، تاکہ اسلام تمام مختلف العقول انسانوں کے لیے عالم گیر ثابت ہو سکے۔

ایک دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ عالم آخرت کے وقائع اور حالات کے سمجھنے میں اشکالات و اعتراضات اس لیے پیش آتے ہیں کہ ہم جو دلائل کے موجودہ تمام قوانین فطرت کو اس طرح لازم و ملزوم سمجھتے ہیں کہ جب کسی شے کے وجود کا تذکرہ کیا جائے گا تو مٹا اُس کے وہی خصوصیات و لوازم سامنے آئیں گے جن کے دیکھنے کے ہم اس دنیا میں عادی ہیں، حالانکہ ارباب عقل نے یہ طے کر دیا ہے کہ اس موجودہ دنیا کے مطلوبات و مستحبات اور اُن کے موجودہ علل و اسباب میں جو لزوم ہے وہ محض عادی ہے، یعنی اس لیے ایسا ہے کہ ہم ایسا دیکھتے ہیں، یہ نہیں کہ اس لیے یہ ایسا ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہئے،

اس بنا پر اگر صرف اتنی سی بات ذہن نشین کر لی جائے کہ موجودہ مادی نیامین جو قوانین فطرت اور علل اسباب اور ان کے نتائج کا فرما ہیں وہ صرف اسی عالم اور موجودہ دنیا کے قوانین ہیں، اگر خدا تعالیٰ کوئی نئی دنیا بنائے یا نیا عالم خلق کرے تو ضروری نہیں کہ یہی موجودہ قوانین فطرت وہاں بھی کار فرما ہوں، بلکہ بالکل ممکن ہے کہ اُس نئے عالم میں نئے قوانین پر عمل ہے، نئی خصوصیات کے جسم ہوں، نئی قسم کی زندگیاں ہوں، نئی قسم کی آگ ہو، نئی قسم کے بارغ اور ان کے پھل ہوں، نئی قسم کے موجودات و مخلوقات ہوں، نئے علل و اسباب ہوں، اور نئے قوانین فطرت ہوں، وحی محمدیؐ کے اس نئے عالم کے متعلق کہا ہے،

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ  
جس دن یہ زمین نئی زمین سے بدل جائے گی، اور  
(ابراہیم - ۷۷) آسمان،

تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ اُس نئی زمین اور نئے آسمان میں بھی وہی مادی قانون جاری ہونگے جو اس موجودہ زمین و آسمان میں جاری تھے، اس بنا پر حقیقت مادیت کے وہ تمام اعتراضات اور آئندہ حیات کے متعلق شکوک جو اس دنیا اور اُس کے قوانین کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں، بالکل بے بنیاد اور بے حقیقت ہیں،

اس ضروری تمہید کے بعد جزا و سزا کی اسلامی تشریحات کی جانب قدم اٹھایا جاتا ہے، دھولہ لکھو الی الصلوٰۃ، اصول حسنہ | اللہ تعالیٰ نے جس طرح موجودہ عالم کو اپنے خاص نظام اور قانون پر بنایا ہے، جس کو اہل فلسفہ قانون قدرت اور اہل مذہب تقدیر اور اندازہ الہی کہتے ہیں، اسی طرح اُس نے اپنے ہر عالم کے لیے ایک نظام اور تقدیر قائم کی ہے، جس کے مطابق اُس عالم کا کاروبار انجام پاتا ہے، انسان غلطی سے سمجھتا ہے کہ یہ اصول فطرت صرف مادیات تک محدود ہیں، حالانکہ مادیات ہوں یا روحانیات، ذہنیات ہوں یا عملیات، ہر ایک میں یہ یکساں جاری و ساری ہیں، جس طرح یہ قانون فطرت ہے کہ زہر کھانے سے انسان کا جسم مر جاتا ہے، اسی طرح یہ بھی اصول فطرت ہے کہ گناہ سے اسکی روح مر جاتی ہے، اور جس طرح اصول حفظانِ صحت کی عدم پیروی سے انسان بیمار ہو جاتا ہے، اسی طرح اصول تزکیہ قلب کی عدم متابعت سے بھی وہ مریض ہو جاتا ہے، پھر جس طرح دوا و اصول حفظانِ صحت

کی پابندی خود اپنی جسمانی بیماری کے کام کو نجات پاتا ہے ایسا ہی روحانی تدبیر علاج کے ذریعہ بھی وہ شفا یاب ہوتا ہے۔  
 اعمال کے لازم نتائج | غرض جس طرح دنیا میں ہر چیز کی ایک خاصیت ہے، اور وہ جب یہاں وجود پذیر ہوتی ہے، تو  
 اُس کے ساتھ اُس کے خواص و آثار بھی پیدا ہوتے ہیں، انسان کی اندرونی کیفیات و اعمال کے بھی کچھ آثار و لوازم  
 ہیں جو اُس سے الگ نہیں ہو سکتے، غور و اور خاکساری، بخل اور فیاضی، انتقام اور عفو، شجاعت اور ہز دلی، تقویٰ  
 اور فسق، ایمان اور کفر ہر ایک کا ایک اثر و نتیجہ ہے، اور ہر ایک کے کچھ نہ کچھ خصائص و لوازم ہیں، جو اُس سے ایس طرح  
 الگ نہیں ہو سکتے، جس طرح سنگھیا سے سمیت، شکر سے مٹھاس، اور لگ سے حرارت جدا نہیں ہو سکتی، اور ان  
 معنوی، روحانی اور نفسیاتی چیزوں میں علت و معلول کا وہی لزوم ہے، جو جسمانی، مادی اور طبیعتیاتی اشیاء میں ہے،  
 اشخاص کی نیکو کاری و بد کاری، اور افراد کی سعادت و شقاوت کے جو اصول ہیں، وہی جماعتوں اور قوموں  
 کی صلاح و فساد، اور سعادت و شقاوت پر بھی حاوی ہیں، جس طرح ایک سائنٹسٹ (حکیم) کا کام اُن مادی  
 فزیکل اصول کو جاننا اور بتانا ہے، اور اُس کی اس تعلیم کا نام ہماری اصطلاح میں حکمت (سائنس) ہے، اسی طرح  
 ان روحانی اسباب و علل اور آثار و نتائج کو جاننا اور بتانا، انبیاء علیہم السلام کا کام ہے، اور ان کی اس تعلیم کا نام  
 شریعت ہے، انبیاء کی اس تعلیم کے مطابق ہم کو اعمال کے روحانی آثار و نتائج کے متعلق وہی یقین ہونا چاہئے، جو  
 ایک حکیم کی تعلیم کے مطابق ہم کو جسمانی اشیاء کے خواص و آثار کے متعلق ہوتا ہے، سائنس کا لوجی (علم نفس) اور روشنائی  
 (علم الاجتماع) کی وسعت تحقیق نے اس مفہوم کے سمجھنے میں اب بہت کچھ سہولت پیدا کر دی ہے،  
 عقاب ثواب و عمل | الغرض یہ مادی و جسمانی دنیا علت و معلول، عمل اور ردِ عمل کے جس اصول پر مبنی ہے، اسکی  
 وسعت کے دائرہ میں انسان کا ہر قول اور انسان کا ہر عمل شامل اور داخل ہے، یہی سبب ہے کہ گناہ کے لازم  
 نتیجہ کا نام اسلام میں عقاب، اور اعمالِ صالحہ کے لازمی نتیجہ کا نام ثواب رکھا گیا ہے، قرآن نے انھیں دونوں  
 اصطلاحوں کو بار بار استعمال کیا ہے، عقاب کا لفظ عقوبت سے نکلا ہے، جس کے معنی پیچھے کے ہیں، اس لیے عقاب  
 اُس اثر کا نام ہے جو کسی فعل کے کرنے کے بعد لازم آجاتا ہے، اور ثواب کا لفظ ثوب سے لیا گیا ہے، جس کے معنی

لوٹنے کے ہیں، اس لیے یہ کسی اچھے کام کے لوٹنے والے نتیجہ اور جزا کے معنی میں بولا گیا ہے،  
 اسی ایک مسئلہ کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو جزا اور سزا کے شرعی اصول کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو، چنانچہ قرآن  
 پاک میں یہ کئی دفعہ فرمایا گیا ہے،

اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (جاثیہ ۴۰) جو تم کرتے تھے وہی بدلہ پاؤ گے،

اس سے معلوم ہوا کہ یہ جزا و سزا ہمارے ہی اعمال کے ردِ عمل (ربنی ایکشن) کا نام ہے ایک اور جگہ ہے،

لِيُجْزِيَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى، (طہ - ۱۰) تاکہ ہر جان کو اس کا بدلہ دیا جائے جو وہ کرتی تھی،

ان آیتوں میں یہ صاف تصریح ہے کہ یہ جزا و سزا اتنا متر ہمارے دنیاوی اعمال کے آثار و لوازم ہیں،

فَاَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ تَوَانِ كَبُرَ كَامُ اُنْ پَر پڑے، اور اُن کا ٹھٹھا کرنا

مَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِؤْنَ، (نحل - ۴۰) اُن پر اُلٹ پڑا،

غرض جزا و سزا انہیں اعمال کے نتائج کا دوسرا نام ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اسی اصول کی تشریح  
 میں یہ اشارہ فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمایا گا کہ اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو میں تم کو لوٹا کر  
 یہاں دے رہا ہوں، تو جو کوئی جزائے خیر پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جس کو برائی ملے وہ خود کو ملامت کر لے،  
 حصولِ رحمت کا مول یہ فطری قانون ہے کہ ہم کسی بڑی تکلیف سے اسی وقت بچ سکتے ہیں، جب انکی خاطر ہم اس  
 سے چھوٹی چھوٹی تکلیفوں کو برداشت، اور کسی بڑی خوشی کے حصول کے لیے ہم اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو قربان  
 کرتے ہیں، عاجلہ یعنی موجودہ، اور اُخیرۃ یعنی آئندہ ان دونوں کا جب کبھی تقابل پیش آتا ہے تو دونوں  
 بہت اور بہت خیال لوگ عموماً موجودہ (عاجلہ) راحت کو پسند کر کے آئندہ راحت کی فکر نہیں کرتے، کہ اُن کی نگاہ  
 میں موجودہ راحت کو چھوٹی ہو کر نظر آئے، اور آئندہ کی راحت کو بڑی اور خوش آئند ہو، مگر وہ نہیں ہے، اور اُن کا ہوش  
 یہ ہے کہ ”نقدِ راہِ نسیمِ گنداز لیکن بلند بہت اور مالی حوصلہ طبائع کا طریقِ عمل اس کے بالکل برخلاف ہے، فاتحِ اُور“

۱۵ صبح مسلم و ترمذی کتاب الزہد و سنن ابن حبیب ج ۵ ص ۵۴۷ و سنن ابی داؤد المفرد بخاری باب الظلم،



کشور کشاں آج اپنی جانوں کو جو کھم مین ڈالتے ہیں تاکہ کل سلطنت اُن کو ہاتھ آئے، تاجر اور سوداگر آج اپنے سرمایہ کو بازار کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ دولت فرد اسے وہ بہرہ مند ہوں، ہر مذہب انسان اپنے بچہ کو بین چھین برس تک تعلیم و تربیت اور مشق امتحان کی مصیبتوں کی آگ میں بے تامل جھونک دیتا ہے تاکہ اُس کی آئندہ کی زندگی راحت و مسرت میں بسر ہو، لوگ اپنے سرمایہ غریزہ کو تکلیفین اٹھا اٹھا کر جمع کرتے جاتے ہیں تاکہ کل اُس سے زیادہ ضروری موقع پر اُس کو کام میں لاسکیں اور تنگدستی کی بڑی تکلیف سے بچ سکیں،

غرض اگر انسانوں کی تمام کوششوں پر ایک غائر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ کامیابی کے حصول کا یہی اصول اُن کے اندر جاری و ساری ہے کہ تھوڑی سی تکلیف کو اس لیے برداشت کر لیا جائے کہ کسی بڑی تکلیف سے بچ جائے، اور چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو اس لئے برباد کیا جائے کہ کوئی بڑی خوشی حاصل ہو، اور عارضی کامیابیوں کو اس غرض سے قربان کیا جائے کہ کوئی پائدار اور دائمی کامیابی نصیب ہو، مگر یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ آئندہ کی خوشی و کامیابی کی تسروانی اور اُس کے دوام و پائداری کا ہم کو یقین ہو کہ اگر ایسا یقین نہ ہو تو ہم کبھی اس اشارہ و قربانی پر آمادہ نہ ہوں، اسی کے لیے ایمان کی ضرورت ہے تاکہ ہمارے اندر یہ یقین پیدا ہو جائے، اور ہم اس اشارہ و قربانی کو خوشی خوشی گوارا کر لیں، جن لوگوں میں یہ یقین پیدا نہ ہوگا، اُن سے یہ عظیم نشان قربانی بھی نہیں ہو سکتی، اسی لئے گم گھار انسانوں کی یہ کیفیت قرآن نے بیان کی ہے،

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ

ہرگز نہیں بات یہ ہے کہ تم موجودہ زندگی سے محبت رکھتے ہو، اور آئندہ زندگی کو چھوڑ دیتے ہو،

(قیامت: ۱۰)

حالانکہ انسان اسی اصول کار کو اگر دنیا کی طرح آخرت کے معاملات میں بھی برتنے تو اُس کی کامیابی میں کوئی شک نہ رہے، آئندہ کا خیال کر کے موجودہ سے دست بردار ہو جانا یہی کامیابی کی کنجی ہے، اور اسی اصول کے تحت میں دین و دنیا کی تمام نیکیوں اور کامیابیوں کا راز پوشیدہ ہے، موجودہ عارضی لذت کو آئندہ کی دائمی لذت پر ادھر حال کی معمولی راحت کو مستقبل کی دیرپا راحت پر قربان کر دینا وہ سچائی ہے جس کے تسلیم کرنے سے کوئی انحراف

نہیں کر سکتا، تم صبح خیزی کی معمولی تکلیف کو صحت کی دیرپا راحت کی خاطر قربان کرتے ہو، ورزش اور دوڑ دھوپ کی محنت کو اس لیے قبول کرتے ہو کہ کل کی پیری اور بیماری کی تکلیف سے تم کو وہ بچائے، غرض آج کی چھوٹی چھوٹی تکلیفوں کو اٹھاؤ گے تو کل کی بڑی تکلیف سے تم کو نجات مل سکے گی اور آج کی عارضی خوشیوں کو قربان کر دو گے تو کل کی دائمی خوشی نصیب ہوگی یہی وہ فلسفہ ہے جس کو قرآن نے اس آیت میں ادا کیا ہے،

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَخَيْرًا  
اور خدا نے ان کے صبر کرنے پر ان کو باغ اور شہیم کے کپڑے

(دھر-۱) مزدوری دی،

یہ صبر کیا تھا؟ دنیا کی عارضی خوشیوں کی قربانی تاکہ آخرت کی بڑی خوشی حاصل ہو، اور یہاں اداسے نیکی اور احتراز جرم کی معمولی تکلیفوں کی برداشت تاکہ وہاں کی بڑی تکلیف سے نجات ملے، یہی سبب ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ یعنی جہنم دنیاوی تکلیفوں سے اور دوزخ دنیا کی معمولی خوشیوں سے گھری ہوئی ہے، نادان تقویٰ اور نیکی کی ان معمولی قیدوں سے گھبراتے، اور گناہ کی عارضی وفانی لذتوں کے طلبگار ہوتے ہیں اس لیے آخرت کی بڑی تکلیف میں گرفتار ہونگے، اور وہاں کی ابدی لذت سے محروم رہیں گے، اور جو دین و دیانت اور نیکی و تقویٰ کی ان معمولی تکلیفوں کو گوارا کریں گے، اور گناہ کی عارضی لذتوں سے بچیں گے، وہ آخرت کی انتہائی لذتوں سے شاد کام ہوں گے، یہی فلسفہ قرآن پاک کی اس آیت میں ادا ہوا ہے،

وَأَتَمَنَّا خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ  
لیکن جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا

الْهُوْمِ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ  
اور نفس کو نا جائز لذتوں اور خوشیوں سے باز رکھا، تو

(نارعات-۲) جنت اس کا ٹھکانا ہے،

سوال ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو چیز بھی ایک دفعہ پیدا ہو جاتی ہے، پھر وہ بے حکم خدا فنا نہیں ہوتی،

اسی طرح افعال و اعمال بھی جو انسان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ فنا نہیں ہوتے، موجودہ سائنس چہتے یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ دنیا میں کوئی حرکت بھی پیدا ہو کر فنا نہیں ہوتی، یہاں تک کہ فضا میں سہرؤا زار اور ہر صد

بھی جو بھی بلند ہوئی ہے، آج موجود ہے، اور ہمیشہ رہے گی، اور ہم اُس کو پُر پائین تو سن سکتے ہیں، وہ اعمال و افعال کے دُور وجود کے اسلامی عقیدہ کو قبول کرنے میں پُر پیش نہیں کر سکتی، دنیا کے ریکارڈ میں انسان کا ہر عمل و فعل ہمیشہ کے لیے گویا بھرا ہے،

قرآن پاک نے اسی اصول کو اپنی ان آیتوں میں بیان کیا ہے،

هَذَا لَكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ (یونس-۳) اُس وقت ہر جان جو اُس نے پہلے کیا، اُسکو آزمائے گی،

كُلُّ امْرِئٍ لِّمَا كَسَبَ رَهِينٌ (طہ-۱) ہر آدمی اپنے عمل کے بدلہ گروہے،

كُلُّ نَفْسٍ لِّمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (مدثر-۲) ہر جان اپنے عمل کے بدلہ گروہے،

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (زلزال) تو جو کوئی ایک چوٹی بھر نیکی کریگا، وہ اُس کو دیکھے گا،

يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (زلزال) اور جو چوٹی برابر بدی کریگا وہ اُس کو بھی دیکھے گا،

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا (ال عمران-۳) جس دن ہر جان جو اُس نے اچھے کام کئے اُن کو

وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ (ال عمران-۳) موجود رہے گی، اور جو برے کام کئے وہ بھی،

یہ بات کہ انسان کا ہر عمل و فعل صحیفہ عالم پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتا ہے، اس کو قرآن نے کئی طریقوں سے ادا کیا ہے،

ایک اس طرح کہ انسان کی زبان سے جب کبھی کوئی لفظ نکلتا ہے، خواہ وہ کتنی ہی تنہائی میں بولا جائے،

خدا ہی شاہد اُس کے سننے کو موجود رہتے ہیں، اور وہ اُس کو سنکر محفوظ کر لیتے ہیں،

اِذْ يَتْلُو الْمُتَّقِينَ عَنْ الْيَمِينِ وَعَنْ الشَّمَالِ جب رو لینے والے داہنے اور بائیں ٹیٹھے لیستے

قَعِيدٌ، مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ اَلَا لَدَيْهِ رَقِيبٌ جاتے ہیں، کوئی بات وہ نہیں بولتا کہ ایک نگران اس کے

عَتِيدٌ، (ق-۲) پاس حاضر رہتا ہے،

کبھی اُس کو اعمال کی تحریر و کتابت کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے،

اَفَرَيْحَسِبُونَ اَنَّا لَنَسْحَ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ  
 کیا یہ منکر سمجھتے ہیں کہ ہم اُن کے مجید اور اُن کی کانپھوسی  
 بَلَىٰ وَاَسْلَمْنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُوبُونَ  
 نہیں سنتے کیوں نہیں بلکہ ہمارے فرستادہ انکے پاس  
 (ذخرف - ۷۷) (اعمال کو لکھتے ہیں)

اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُوبُونَ مَا تَكْفُرُونَ (یونس - ۳)  
 بیشک ہمارے فرستادہ تمہاری جانوں کو لکھتے رہتے ہیں  
 کبھی اللہ تعالیٰ ہر عمل کے موقع پر خود اپنی حاضری اور ذاتی علم و شہادت سے اس کو ظاہر کرتا ہے  
 وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَسْأَلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ  
 اور کسی کام میں نہیں ہوتا، اور نہ قرآن سے کچھ پڑھتا ہو،  
 وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ  
 اور نہ تم لوگ کوئی کام کرتے ہو لیکن ہم موجود ہوتے  
 مُشَاهِدًا اَذْنِفِيصُونَ فِيْهِ (یونس - ۷۷)  
 ہیں جب تم اس میں لگے ہوتے ہو،

کبھی یہ کہتا ہے کہ ہر انسان کا نامہ عمل انکی گردن میں لگا ہے، قیامت کے دن وہی فرد عمل کی صورت میں  
 انسان کے سامنے پھیلا دیا جائیگا، کہ اپنا اعمال نامہ تم خود پڑھ لو۔  
 فرمایا:-

وَكُلُّ الْاِنْسَانِ اِلَٰهَ مَنَّا طَرَفًا فِي عُنُقِهِ طَرَفًا  
 اور ہم نے ہر انسان کا نتیجہ عمل انکی گردن میں چکا دیا  
 خُفِّجْ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مِنْهُ شَوْرًا  
 اور قیامت کے دن ہم اسکو دفتر کر کے نکالیں گے جسکو  
 اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ  
 وہ کھلا ہوا پائیگا کہ اپنا دفتر پڑھے، آج تیرا نفس خود ہی  
 حَسِبُيَا، (بخاری اسرائیل - ۱۱) حاسب ہو تو کافی ہے،

اس آیت کا ایسا محل ہے کہ نامہ عمل کو اگر کوئی واقعی کاغذ کا دفتر یا حساب کتاب کا رجسٹر نہ سمجھے تو سمجھ سکتا ہے،  
 کہ کتاب ہے کہ یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی کہ جس طرح کاغذ اور رجسٹر میں قلمبند حساب کوئی بھول نہیں سکتا اور ایک ایک  
 چیز اس میں درج ہوتی ہے، اسی طرح یہ اعمال انسانی فراموش نہ ہونگے، بلکہ لکھے ہوئے رجسٹر کی طرح محفوظ رہیں گے۔  
 فرمایا:-

وَوَضَعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ ۖ  
 مِمَّا فِيهِ يُقُولُونَ يُؤْتِنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ  
 لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۖ  
 وَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۚ وَلَا يَظُنُّهُمْ رَبُّكَ  
 أَحَدًا، (کہف-۶)

اور نامہ عمل لکھا جائیگا، تو نو دیکھے گا گنہگاروں کو اس میں  
 جو لکھا ہے اُس سے ڈر رہے ہونگے اور کہیں گے کہ اس  
 افسوس کہ اس کاغذ کو کیا ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی بات  
 نہیں چھوڑتا لیکن اس کو شمار کر لیا، اور جو کچھ انھوں نے  
 زندگی میں کیا اُس کو سامنے پائیں گے اور تیز فر دیا کرتی  
 ہیں ہم اگر کوئی ٹھیسٹ لفظوں کا پابند ہو کر نامہ عمل کو واقعی کاغذوں کا دفتر سمجھتا ہے، تو اس میں شک نہیں کہ  
 الفاظ کے ظاہری معنی اسکی تائید کریں گے، مگر کون سمجھا سکتا ہے، کہ یہ کیونکر ہوگا، اسی لیے اس پر بحث فضول ہے کہ یہ  
 کیونکر ہوگا، چاہے یہ ہو یا وہ بہر حال ہمارے اعمال کا ایک ایک نقطہ محفوظ رہے گا، اور وہ خدا کے سامنے پیش ہوگا،  
 اور یہی اس عقیدہ کا اصل مقصد ہے،

انصاف کی شہادت انسان کا ہر عمل اپنے پیچھے اپنے کرنے والے کے اندر اپنا اچھا یا بُرا اثر چھوڑ جاتا ہے، اگر دل کا آئینہ صاف  
 ہو تو اُس کو اپنے عمل کا چہرہ آئین صاف دکھائی دے فرمایا،

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۚ وَلَوْ لَوْ الْفَقَا  
 مَعَاذِ جَمْرَةٍ ۖ (قیامت-۱)

بلکہ انسان کو اپنے نفس کا حال آپ دکھائی دیتا ہے  
 اگرچہ وہ اپنے غدر تراشتا ہی،

یہی وہ آئینہ ہے جو گناہ کے میل سے زنگ آلود ہو جاتا ہے،

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ نُفُوسِهِمْ (تطیف)

نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہی،

اسی آیت کی تفسیر میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جب انسان پہلے پہل گناہ کرتا ہے، تو اُس کے دل  
 پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ و انابت کرتا ہے، اور آئندہ اس سے باز رہتا ہو تو وہ مٹ جاتا ہے، اور اگر اسی طرح  
 گناہ کئے جاتا ہے، تو اُس نقطہ کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن پورے دل پر چھا جاتا ہے

اسی طرح وہ اپنے جن اعضاء سے جو برا کام کرتا ہے اسکا اثر اُن پر چھا جاتا ہے، یہاں تک کہ چہرہ پر اس اثر کے نقوش ابھرتے ہیں، آنکھوں میں اسکی لکیریں پڑ جاتی ہیں، اور ہاتھ پاؤں پر اُس کے نشان نمایاں ہو جاتے ہیں، عالم غیب اور عالم غیب کو چھوڑو، اسی عالم ظاہر میں مائرنے والوں کی نگاہیں، انسانوں کے چہروں، آنکھوں اور ہاتھ پاؤں کے عنوان بیان سے انسان کے اندر کی تحریریں پڑھ لیتی ہیں، اسی طرح قیامت میں اُن کے اعمال کے آثار و نتائج اُن کے ایک ایک عضو سے نمایاں ہونگے،

يَعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسَيِّئَاتِهِمْ (۱۲۰ حمان) گنگھراپنی نشانی سے پہچان لیے جائیں گے،  
ایسی حالت میں اُوقت جب انسان کی زبانِ قَل پر خداوندِ عدالت کے رعبِ جلال سے ہر سکوت پر جا  
اگر انسان کے ہاتھ پاؤں اور کھال تک نفسِ انسانی کے اعمال بدرگوہی و بدین تو تعجب کی کیا بات ہے؟ فرمایا،

وَأَمَّا زُورُ الْيَوْمِ أَيْمًا الْمُجْرِمُونَ ..... أَلْيَوْمَ  
نَخْتَمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ  
وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (۱۲۱) اے گنگھرا، آج نیکو کاروں سے الگ ہو کر پہچان میں  
آجاؤ..... آج ہم اپنے منہ پر ہر گھونگیے اور ان کے ہاتھ ہم سے  
بولیں گے، اور ان کے پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے،  
وَيَوْمَ يُعْطِشُ الْعَذَابُ اللَّهُ إِلَى النَّارِ فِيهِمْ  
يُؤْتِرُ عَوْنًا حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ  
عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ  
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، وَقَالُوا لَوْلَا جُئِدْ بِهِمْ  
بِمَشْهَدٍ تَمَّ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي

أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (حسم السجدا ۳۰) کو گویا کیا، اسی نے ہم کو بھی گویا کیا،

اسی لیے ان اعضاء کی گویائی بھی اسی نوع کی ہوگی جس نوع کی گویائی دنیا کی ہر چیز کو حاصل ہے، لیکن اس گویائی سے اگر  
کوئی جھٹکتی ہی زبان کی گویائی مراد لیکر تشریف پاتا ہے، تو اس کو اس کا حق حاصل ہے،

میزان اکثر انسانوں کے اچھے یا برے دونوں قسم کے اعمال ہوتے ہیں، ایک قسم کا عمل کم ہوگا، اور دوسرا زیادہ دیا۔  
دونوں برابر دو مادی چیزوں کے درمیان تفاضل اور گھٹ بڑھ کا علم ہم کو تو سننے یا گننے سے ہوتا ہے، اس لیے وزن اور  
صاحب عموماً عدل و انصاف، حق اور ٹھیک ٹھیک کا مفہوم ادا کیا جاتا ہے، اعمال انسانی کے متعلق خدا نے فرمایا ہے  
کہ انسان کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ ملیگا، فرمایا،

حِزَاءٌ وَّ فَاثًا، (نبأ)

پورا پورا بدلہ،

اس برابری اور کمال عدل و انصاف کے مفہوم کو ترازو کے ناپ اور عدالت کی میزان کے استعارہ سے ادا

کیا فرمایا:-

نَلْفُضَنَّ عَلَيْهِمْ بِعَمَلِهِمْ وَمَا كُنَّا غَافِلِينَ، پھر ہم احوال سنائیں گے، اور ہم کہیں غائب نہ تھے،  
وَالْوِزْنُ يُوَسِّدُ بِالْحَقِّ، فَمَنْ ثَقُلَتْ موازنہ تو مہذب و بالحق، فَمَنْ ثَقُلَتْ وزن اُس دن حق ہے، پھر جسکی تولین بھاری ہوئیں  
مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، وَ تُوہ ہیں جنکا بھلا ہوا، اور جس کی تولین ہلکی پڑیں  
مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ، (اعراف-۱) وہی ہیں جو اپنی جانیں ہار بیٹھے،

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ هُوَ فِي عِيشَةٍ توجس کے تول بھاری ہوئے تو وہ خوش خوش  
رَاحِيَةٍ، وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأَمَّا رَاحِيَةٍ، عیش میں ہوگا، اور جس کے تول ہلکے ہوئے تو  
هَآوِيَةٍ، (فارعہ) اُس کی مان و فرخ ہے،

ان دونوں آیتوں میں تول کے بھاری اور ہلکے ہونے سے مقصود اعمال خیر کی کمی و بیشی ہے پہلی آیت  
میں اسکا اشارہ موجود ہے، کہ وزن سے مراد حق اور عدل ہے، اور یہ کہ انسان کا ہر عمل عظیم الہی میں موجود ہوگا،  
اور وہ کسی طرح بیش و کم نہ ہوگا،

اس مفہوم میں یہ استعارہ قرآن میں بکثرت متعمل ہوا ہے، ایک جگہ ہے،

اللّٰهُ الَّذِيْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ (سورہ)  
وہ اللہ جس نے کتاب کو حق کیساتھ اتارا اور میزان کو  
یعنی کتاب الہی، حقانیت کیساتھ اتاری ہو، اور اسی کیساتھ میزان بھی جس سے مراد عدل ہو (طبری تفسیریت مذکور)  
اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی نظام کائنات کی ہر چیز میں جو اعتدال کا لکھا ہو، اسکو بھی میزان ہی کے نقطہ سے ادا فرمایا ہے،  
وَوَضَعَ الْمِيزَانَ (راحمان)  
اور خدائے ترازو رکھی ہے،

حساب انکی بنی کے علم کا دوسرا طریقہ حساب کرنے کا ہے، دوسری آسمانی کتابوں کی طرح قرآن میں بھی یہ استعارہ  
استعمال ہوا ہے، اور بار بار فرمایا ہے کہ ہم قیامت میں تمہارے عمل کا حساب لین گے مگر اس حساب سے بھی وہی مقصود  
ہے، جو وزن سے ہے، چنانچہ سورہ انبیاء میں یہ مفہوم مزید تصریح کے ساتھ مذکور ہے اور جس سے میزان کی حقیقت بھی  
پوری طرح سمجھ میں آتی ہے، فرمایا،

وَنُصِّحُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّ اِنْ كَانَ شِقَاقٌ حَبِيۡٓٔ  
اور ہم قیامت کے دن کے لیے ترازو میں یعنی انصاف  
رکھیں گے، پھر کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا، اگر رائی کے دانہ کے  
بِیْن خَزَنَیْنِ اَتَيْنٰهُمَا وَاَوْكٰفٰی بِنَا حٰسِبِیْنِ  
برابر بھی کچھ ہوگا، تو ہم نے آئین گے اور ہم کافی ہیں  
حساب کرنے والے (انبیاء-۲۷)

اس آیت سے دو باتیں سمجھی جاسکتی ہیں ایک تو یہ کہ وزن سے مقصود انصاف اور عدم ظلم ہے، اور دوسری  
یہ کہ حساب مقصود یہ ہے کہ عمل انسانی کا کوئی ذرہ بھی معاوضہ میں چھوٹنے نہ پائے گا، اور نہ وہ خدا کے علم سے غائب ہوگا  
لیکن بہر حال وزن و حساب کے مادی ہی مفہوموں کو اگر کوئی صحیح باور کرتا ہے تو وہ بھی حق پر ہے،

جنت و دوزخ | اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اعمال کی تکلیف اور ذمہ داری سے مقصود الہی کیا ہے؟ حقیقت  
یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ روح انسانی کو سعادتِ ابدی اور ترقیات غیر متناہی عطا کی جائیں، مگر اس  
سعادت و ترقی کی بنیاد خدا نے اعمالِ نیک کے حصول اور اعمالِ بد سے پرہیز پر رکھی ہے، اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ خلقت  
انسانی کی غرض یہ ہے کہ وہ احکام الہی کی تعمیل کرے تاکہ وہ اپنی مقررہ سعادت اور موعودہ ترقی کو حاصل کرے، اور اسی



عالم کا نام جہان یہ سعادت ابدی اور ترقیات غیر متناہی ملتی ہیں ”بہشت“ ہی، اور اس عالم کا نام جہان جا کر دنیاوی  
 ٹیون کی تلافی اور گذشتہ حیات فانی کے اعمالِ بد کے نتائج سے پاکی حاصل ہوگی ”دوزخ“ ہے، اس لیے یہ کہنا صحیح  
 ہے کہ جنت ہی انسان کا اصلی گھر ہے، مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

جنت انسان کی وراثت ہے | حضرت آدم کا تقہ جو توراۃ اور تکرین پاک میں مذکور ہے، وہ آغازِ خلقت کی محض تاریخ نہیں بلکہ  
 وہ حقیقت انسانی کی سچی و حقیقی تفسیر ہے، عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنے فضل سے جنت  
 میں جگہ دی تھی وہ پہلے اُن کو اور ان کی نسل کو ہمیشہ کے لیے دیدی گئی تھی، مگر چونکہ اتفاقاً اُن سے گناہ سرزد ہوا اس لیے  
 وہاں سے نکال کر زمین میں بھیج دیئے گئے، مگر ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ آدم علیہ السلام کا زمین میں آنا تو اُن کی پیدائش  
 سے پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ انکی خلقت سے پہلے ہی فرشتوں پر یہ ظاہر کر چکا تھا کہ

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (نقہ ۴-۷) زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں،

حضرت آدم کا زمین میں خلیفہ ہونا، اُن کے زمین میں سکونت پذیر ہونے کی پیشینگوئی ہے مگر زمین میں نہینے  
 سے پہلے اُن کو جنت میں رکھنا، پھر گناہ کے بعد وہاں سے اُن کو نکال کر زمین میں بھیجنا، یہ اشارہ رکھتا ہے کہ آدم اور  
 اُن کی نسل کی اصلی جگہ یہی جنت ہے، مگر اس سے دوری اس کے گناہ کی وجہ سے اور اس کا حصول خدا کی امانت  
 اور نیکو کاری کے ذریعہ ہوگا چنانچہ اُن کے زمین میں اترتے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا،

قُلْنَا اهْبِطْ مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رِجْوٰۤى  
 هُدًى مِّنْ رَبِّكَ أَوْ فَتْرَةٌ مِّنْكَ فَإِذَا فُتِنَ الْبَشَرُ لَوْنُهَا  
 رَاٰهُمْ يَخْرُجُوْنَ، وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَوْ كُنُّوْا  
 بِأَيْتِنَا وَلٰٓئِكَ أَصْحَابُ النَّآرِ هُمْ فِيْهَا  
 خٰلِدُوْنَ، (نقہ ۵-۷) دے، وہ اس میں رہا کریں گے،

قَالَ اهْبِطْ مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ  
 خَدَّاءُ كَمَا لَاسَ جَنَّتْ وَدُوْنِ اِيْكَاتِهِ اَتْرَجَاوْا، تم ایک دوسرے

عَدُوٌّ وَأَمَّا يَا نَبِيَّكُمْ مَتَى هَدَىٰ فَمَنْ أَتَّبِعُ  
 هَدَىٰ فَلَا يَضِلُّ (اَلَيْسَتْ قِيَمَةٌ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْهَا  
 ذَكَرْنِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا يَنْصَبُ  
 يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَعْمَى) (طہ - ۷)

کے دشمن ہو، تو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی پہنچائی  
 آئے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا  
 اور نہ بدبخت ہوگا، اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اس کے  
 لیے تنگ معاش ہوگی اور قیامت میں ہم اسکو اندھا ٹھہرائیں گے

تورات میں ہے کہ جنت میں دو درخت تھے، ایک نیک بُد کی پہچان کا، اور دوسرا زندگی جاوید کا، تورات کے رو سے  
 آدم کو اسی نیک بُد کی پہچان کے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا ہے، لیکن آدم نے اُس کو کھا لیا، اور اسکی وجہ  
 سے سب سے پہلے اُن کو اپنی برائی کا علم ہوا، آخر خدا نے اُن کو جنت سے نکال دیا کہ وہ زندگی کے درخت کا پھل کھا کر خدائی  
 کا دعویٰ نہ کر سکیں، جب وہ جنت سے نکالے گئے تو اُن سے کہا گیا، (سفر تکوین - ۲)

”اور اُس درخت سے کھایا جس کی بابت میں نے تجھ سے حکم کیا کہ اس سے مت کھانا، زمین تیرے لیے ہے  
 لعنتی ہوئی، اور تکلیف کیساتھ تو اپنی عمر بھر اُس سے کھاؤ گا، اور وہ تیرے لیے کانٹے اور اونٹنوں کے  
 اگائے گی، اور تو کھیت کی نبات کھاؤ گا، اور تو اپنے منہ کے پسینہ کی روٹی کھائے گا، جب تک کہ زمین میں  
 پھر نہ جائے“

قرآن پاک میں اُس درخت کا نام جس کے پھل کھانے سے آدم کو روکا گیا تھا تصریحاً مذکور نہیں، لیکن ایک  
 آیت سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیک بُد کی شناخت کا درخت تھا، اور شیطان نے یہ لکھا اُن کو کھلایا کہ یہ حیات  
 جاوید اور ملک جاوید کا درخت ہے، مگر اُس کے کھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کو برائی کا علم ہو گیا، جو نیک بُد کی تمیز کا نتیجہ  
 ہے نہ سزا یا۔

قَوْلُ سَيِّدِ الشَّيْطَانِ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ  
 آذَنُكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٌ لَّكَ يَوْمَ  
 فَكُلَا مِنْهَا فَبَدَّتْ لَهَا مَسَافِقُهُمَا (طہ - ۷)

شیطان نے آدم کو دوسرے ایک کالمے آدم کیا میں تجھے جنت  
 جاویدانی اور سلطنت غیر فانی کا درخت بتاؤں تو (آدم جواباً)  
 دونوں نے اُس درخت کا پھل کھا تو انکی بری چیزیں اُن پر  
 ٹپکنے لگیں

اب سوال یہ ہے کہ حیات جاویدان اور غیر فانی بادشاہی سے مقصود کیا ہے، ظاہر ہے کہ جنت ہوا شیطان کا مقصود یہ تھا کہ اس جنت میں جہنم تم اب ہو، بے دردمر ہمیشہ رہنے کا نسخہ تم کو بتاؤں؟ انسان نے خواہش کی، تو اس نے نیک و بد کی تیز کے درخت کا پھل بتا دیا، یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ نیک و بد کی تیز ہی پر انسان کی شرعی تکلیف اور مواخذہ کی بنیاد ہے، ہر وہ مخلوق بلکہ ہر وہ انسان جو اس اور اک سے خالی ہے، وہ شرعی تکلیف اور مواخذہ سے بھی گرا بنا نہیں، غرض اس خیر و شر کی معرفت کا لازمی نتیجہ شریعت کی تکلیف تھی، چنانچہ وہ اس کے سر ڈالی گئی اور پھر نسل آدم میں یہ نیک و بد کی تیز فطری الہام کے ذریعہ عنایت ہوئی، فرمایا،

وَنَفْسٍ وَّمَا سَأَلَكَ فَالْهَمَّهَا فَخُورًا هَا وَتَقَوَّاهَا

(والشش) اور اس کی نیکی کو الہام کیا، اور نفس اور اس کی بناوٹ کی قسم پھر نفس میں اس کی بدی

عجب نہیں کہ قرآن پاک کی آیتیں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہوں،

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ	ہم نے اپنی امانت (تکلیف شرعی) آسمانوں پر اور زمین
وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا	پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو انھوں نے اس کے اٹھانے
وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا	سے انکار کیا، اور انسان نے اسکو اٹھایا کہ وہ ظالم
لَيَعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتُ الْمُشْرِكِينَ	اور نادان تھا، تاکہ اللہ تفاق والوں اور نفاق والوں
وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ	اور شرک والوں اور شرک والیوں کو سزا دے اور ایمان
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا	والوں اور ایمان والیوں پر جو جمع ہو، اور اللہ بخشنے

(احزاب - ۹) والا مہربان ہے،

انسان نے اپنی جہالت سے اس تکلیف شرعی کی امانت کو اٹھایا، جو نیک و بد کی معرفت کا لازمی نتیجہ تھا اور اس تکلیف شرعی کا لازمی نتیجہ جزا اور سزا تھی، لیکن خدا کی رضامندی یہی تھی کہ اس کے سب بندے اس کی رحمت اور مغفرت کے مستحق ٹھہریں، کہ اس کی رحمت و شفقت کا اقتضا یہی ہے کہ گنہگاروں کو معاف کرے اور نیکو کاروں

پر اپنی خاص رحمت نازل کرے، لیکن اگر کاشمکار اپنے کھیتوں کو ابر رحمت سے مستفید ہونے کے قابل نہ بنائے، تو وہ اسکی رحمت سے مستفید نہ ہوگا، اسی طرح جو بندہ شرک و نفاق میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو اسکی رحمت کے قابل نہ بنائے، تو وہ بھی اسکی رحمت کی بارش سے سیراب نہ ہو سکیگا،

غرض اس طرح وہ مصلحت الہی جو انسان کی پیدائش سے تھی اس صورت سے پوری ہوئی، اور وہ حیات جاوید اور غیر فانی بادشاہی، جسکا حصول قصائے الہی نے انسان کی محنت، جدوجہد اور سعی و عمل پر موقوف رکھا، اور جسے شیطان نے آدم کو بلا سعی و محنت، محض بخت و اتفاق سے دلوا دیتا چاہا تھا، بالآخر اس کا ملنا تقسیم الہی اور نظام ربانی کے مطابق شریعت کی پیروی و جدوجہد اور اس کے مطابق سعی و عمل کے ذریعہ سے مقرر ہوا جیسا کہ پہلے سے طے شدہ تھا، فرمان آیا،

اِهْبِطْ اِلَيْهَا جَمِيعًا قَامَا يَتَكَلَّمُ مَعِيَ  
فَمَنْ تَبِعْ هُدَايَ فَلَا خُوفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا  
هُمْ يَحْزَنُونَ، (بقرہ: ۳۵)

یہاں سے تم سب اترو، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف  
کوئی رہنمائی آئے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی  
کی، تو انکو نہ ڈر ہوگا نہ غم،

اِهْبِطْ اِلَيْهَا جَمِيعًا لَبَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ  
قَامَا يَتَكَلَّمُ مَعِيَ فَمَنْ تَبِعْ هُدَايَ  
فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْتَقِي (طہ: ۷۷)

تم دونوں یہاں سے نیچے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن  
ہو، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے رہنمائی آئے  
تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ  
بھولے گا،

جب انسان کا اصل مقام وہی حیات جاوید اور مملکت ابدی ہے تو اسی کا حصول اس کی تمام کوششوں کا محور ہونا چاہئے، اور اس کو اپنی اس فانی زندگی اور زوال پذیر بادشاہی کے تمام کاموں کے ذریعہ اسی حیات جاوید اور لازوال بادشاہی کی دولت کو مزد و معاوضہ میں حاصل کرنا چاہئے، تاکہ وہ اپنے باپ کی اس آسمانی بادشاہی کو پاسے جس کی صفت یہ تھی،

فَلَا يَخُفُّ جَنَّتُمْ اِنْ جُنْتُمْ فَتَشْتَقِي، اِنَّ لَكَ  
وَشَيْطَانٌ تَمَّ كُفْرَتَهُ سَ بَاثِرُكَ دَسَ تَوَجُّرُكَ دَسَ تَوَجُّرُكَ دَسَ

اَلَا تَجْعَلُ فِيْهَا وَلًا تُعْرِضُوْا ۚ وَاِنَّكَ لَآتِظُمُوْا  
فِيْهَا وَلَا تَنْصَحُوْا (طہ - ۷)

آدم اس جنت سے نکلے تو ان کو بھوک بھی لگی، اور ننگے بھی ہوئے، پیاس بھی اُن کو معلوم ہوئی، اور دھوپ کی  
پیش کی بھی تکلیف ہوئی، اور زمین میں اگر انھیں چار چیزوں کی مشقت میں گرفتار ہوئے، کھانا، پینا، پہننا، رہنا، یہی  
انسان کی چار مختصر ضروریات ہیں اور انھیں کو اپنی ہوا و ہوس سے پھیلا کر اس نے ضروریات کا ایک عالم پیدا کر دیا،  
اور انھیں کے تیار کرنے اور عمدہ بنانے میں اپنی موجودہ زندگی کی تمام تر توجہ کو مصروف کر دیا، اور اصل جنت کی  
طلب سے ہاتھ دھو بیٹھا، یہیں سے شریعت کی تکلیف عائد ہوئی، اور جائز اکل، جائز شرب، جائز لباس، اور جائز  
سکن کے حصول کے طریقوں کی تعلیم اور ناجائز طریقوں سے احتراز کا حکم ہوا، اسی سے شریعت کے اصول معاملات  
اور اخلاق انسانی کی ذمہ داریاں پیدا ہوئیں، اور پھر اس لیے تاکہ اس حیات فانی میں پھنس کر حیات غیر فانی کی طلب کے  
محول نہ جائے، عرفان الہی (عقائد صحیحہ) اور عبادت و اطاعت الہی کی تلقین ہوئی، جو جنت کی اصلی غذا اور روزی ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ  
الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ، (مومنہ ۱۵)

یہی وہ میراث لینے والے ہیں، جو سایہ دار باغ کے  
وارث ہوں گے، وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں،

لیکن یہ وراثت انسان کو اپنے اعمال خیرہی کے ذریعہ ملے گی، چنانچہ اہل جنت کو جنت کے داخلہ کے وقت  
یہ بشارت ملے گی،

وَفِيْهَا مَا لَشَهِيْهِ الْاَنفُسُ وَتَلَذُّ اَلْاَعْيُنُ  
وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۚ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ  
اَوْفِئْتُمْ عَلَيْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۚ

اور اس جنت میں وہ کچھ ہے جس کو دل چاہے، اور  
آنکھوں کو لطف ملے، اور تم کو اُس میں ہمیشہ رہنا ہے، اور  
یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے کاموں کے بدلے میں  
جنگو تم کرتے تھے، وراثت بنائے گئے،

(زخرف - ۷)

اور انھیں کو مٹا دی غیب یہ مذاہب کا،

وَنُودُوا أَن تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِمَّا كَسَبْتُمْ  
اور ان کو پکار کر کہا گیا کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے ان

تَعْمَلُونَ، (اعرافہ) کاموں کے بدلہ میں جو تم کرتے تھے، وارث بنائے گئے

فِت توحید کے مبلغِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ایک فقرہ یہ بھی تھا،

وَاجْعَلْنِي مِنْ دَرَجَاتِكَ جَنَّاتِ النَّعِيمِ (شعراء) اور مجھے باغِ نعمت کے وارثوں میں کر،

ان آیتوں سے ہو رہا ہے کہ اسلام نے انسان کا اہلی مقام وہی قرار دیا ہے، جہاں نہ بھوک ہو، نہ پیاس، نہ  
برسنگی ہے، نہ دھوپ کی تکلیف، جہاں کی بادشاہی لازوال اور جہاں کی زندگی غیر فانی ہے لیکن اس کے حصول

کا ذریعہ صرف انسان کا نیک عمل اور صحیح عرفان ہے، جن کے مجموعہ کا نام "تقویٰ" ہے،

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ

یہ وہ بہشت ہے جس کا وارث اپنے بندوں میں سے

تَقِيًّا، (مریمہ-۲۷) ہم اس کو بنائیں گے جو تقویٰ والا ہوگا،

انسانی جزا و سزا کے تین گھر | انسان کے تین گھر ہیں، ایک موجودہ فانی عالم جس کو دنیا کہتے ہیں، اور دوسرا دوسرا فانی عالم

موت یا عالمِ قبر جس کا نام برزخ ہے، اور تیسرا اُس غیر فانی زندگی کا گھر جس کو دارِ آخرت کہتے ہیں، یہودیوں کے یہاں

اصلی زور اسی دنیا کی جزا و سزا پر دیا گیا ہے، اور تیسرے کا ذکر بہت کم، اور دوسرے کا مطلق نہیں، اور عیسائیوں میں

پورا زور تیسری منزل کی سزا و جزا پر ہے، اور پہلی اور دوسری منزلوں کے ذکر سے خاموشی ہے، لیکن وحیِ محمدی کی تکمیل

نے ان تینوں گھروں کو انسانی سزا و جزا کا مقام قرار دیا ہے، انسان کو اپنے اعمال کی پہلی جزا و سزا تو اسی دنیا میں کائی

و ناکامی کی صورت میں ملتی ہے، گو اس کا میابی و ناکامی کے سمجھنے کا معیار مختلف ہو، اس کے بعد جب انسانی رُوح کو

منزلِ مینِ قسم رکھتی ہے، تو یہاں بھی وہ اپنے اعمال کی تھوڑی بہت جزا و سزا کا منظر دکھا دیتی ہے، اس کے

بعد جب موجودہ دنیا کے پورے کاروبار کا خاتمہ ہو کر اس فانی کائنات کا ہر نقش و نگار مٹ جائے گا، اور پھر نئی

زمین اور نیا آسمان بنے گا، تو فانی انسانوں کو دائمی زندگی کے لیے پیدا کیا جائے گا، اور اُس وقت وہ اپنے اعمال

کی پوری جزا و سزا پائیں گے،

انسان کا پہلا دارالجزا  
انسان کے ہرنیک و فعل کا جو اثر دوسری دنیا کی زندگی پر پڑتا ہے، اُسی کے مشابہہ خود اس موجودہ دنیا کی زندگی میں بھی ملا کرتا ہے، انسان کی عزت، شہرت، ناموری، ہرگز مجبوتیت، سکینت، اطمینان، سرور، فائز البالی، حکومت، یہ تمام اس زندگی کے اعمال خیر کے نتائج ہیں ان کے خلاف ذلت، رسوائی، بے عزتی، کس سپری، پریشان حالی، بے اطمینانی، غم، خوف، محکومیت، ہمارے اعمال بد کے اثرات یہودیوں کی تواریت میں اعمال کے نتائج میں زیادہ اہمیت اسی دنیاوی دارالجزا کو دیکھی ہے، بلکہ یہی جیل تورات میں سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ خدا کی فرمانبرداری اور نافرمانی کی جزا اسی دنیا کی رنج و راحت کی صورت میں زندگی میں ملتی ہے، مثلاً خدا کے حکم پر عمل کر دے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری کھیتیاں سرسبز ہوں گی، تمہاری اولاد میں بروست ہوں گی، تمہارے جانور جنین گتے تمہارے درخت پھل دینگے، اور تمہارے دشمن مغلوب ہوں گے، اور اگر خدا کی نافرمانی کر دے تو تم پر وہاں بیٹنگی، قحط پڑینگے، تمہاری اولاد میں جیتی نہ ہونگی، تمہارے جانور مر جائیں گے، تمہارا شہر تباہ ہو جائینگے، تمہارے باغ پھل نہ دینگے، اور تمہارے دشمن تم پر چھا جائیں گے، عیسائیت نے اس کے بالمقابل سارا روز زمین کی مملکت پر نہیں، بلکہ آسمان کی بادشاہت پر دیا ہے، اور اس ظاہری زندگی کے فوز و فلاح کو اپنے مقصد سے خارج قرار دیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس عورت کو لے کر آئے وہ یہودیت و عیسائیت کی اس فسطوح و فطرط دونوں سے پاک ہو، اس نے ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ اس دنیا کی بادشاہی بھی قرار دی اور اس دنیا کی بادشاہی بھی زمین کی حکومت بھی، اور آسمان کی جنت بھی، یہاں کی سرسبزی و شادابی بھی، اور وہاں کا باغ و بہار بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نیکوکار مسلمانوں کے ذکر میں فرمایا،

فَاتَّخِذُوا لِلَّهِ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحَسُنَ ثَوَابُ الْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (الاحزاب: ۱۵)

خود نے ان کو دنیا کا بدلہ بھی دیا، اور آخرت کے ثواب

کی خوبی بھی اور اللہ کی کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

ایمان اور عمل صالح والوں سے یہ وعدہ تھا کہ

وَعِدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

خدا نے ان سے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کو

مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (نقصیم) کی بخشش اور بڑی مزدوری کا وعدہ کیا،

اور یہ بھی انھیں سے وعدہ ہے،

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ خُذْ أُنْ مِنْهُمْ جُزْءًا مِّنْ أَمْوَالِهِمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ خدا نے اُن سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام

کئے، وعدہ کیا ہے کہ وہ انکو ملک میں حاکم بنایگا جس طرح

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (نور۔ ۷) اُن سے اگلوں کو حاکم بنایا تھا،

لیکن ہمیں بھی شک نہیں کہ جس طرح اس دنیا کی فانی زندگی سے اُس دنیا کی باقی زندگی زیادہ پائدار ہے،

اسی طرح اس دنیا کے ثواب سے اُس دنیا کے ثواب کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہے، اور اُسی دنیا کے حسن عمل کی

توشش سے اس دنیا کی بہتری بھی ملتی ہے فرمایا،

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ جنھوں نے نیک کام کئے، اس دنیا میں اُن کیلئے بھلائی

وَلَا رَأْسَ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ہے اور بے شبہ آخرت کا گھر بہتر ہے اور پرہیزگاروں

(نحل۔ ۴۰) کا گھر کیا اچھا ہے،

اسی طرح بدکاروں کی جزا جہان اُس دنیا کی دوزخ اور آگ کے عذاب کو فرمایا، اسی طرح اس دنیا کی لذت

دخواری اور رسوائی کو بھی فرمایا،

حَسَنَاتُ الَّذِينَ يَأْتُوا الْآخِرَةَ (حج۔ ۲) اُس نے دنیا اور آخرت کا تقصمان اٹھایا،

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خَيْرٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ اُن کے لیے دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت

(بقرہ۔ ۱۴) میں بڑی مار ہے،

خَبِطَتِ أَعْمَالُ الْمُجْرِمِينَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (بقرہ۔ ۲۶) اُن کے کام دنیا اور آخرت میں برباد ہوئے،

اور اُن کے متعلق یہ بھی فرمایا،

فَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (النار۔ ۶) تو میں اُن کو دنیا اور آخرت میں سخت سزاؤں کا،



سنگی اور بد حالی کی سزا بھی یہیں ملتی ہے،

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً  
ضَنْكًا وَنَحْشًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْلَىٰ

اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھرانو اُس کے لیے

تنگ گذران ہے، اور قیامت میں میں اُسکو اندھا

اوٹھاؤنگا (کہ دنیا میں وہ دل کا اندھا بناتھا)

(طہ - ۷۷)

انتہایہ ہے کہ خود صحابہ کو جنگِ احد میں جو فتح نہیں ملی، اللہ تعالیٰ نے اُس کو بھی انکی بعض فروگزاشتوں کا

شر بتایا،

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا أُمُوكُمْ يَوْمَ الْحَمْرِ  
إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا

تم میں سے بعض لوگ اُس دن جب دونوں فوجیں

بھڑیں، جو پیچھے ہٹے اُن کے بعض کاموں کی وجہ سے

شیطان نے اُن کو پھسلا دیا،

(ال عمران - ۱۶۷)

ایک اور مقام پر عمومی طور سے فرمایا گیا،

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ  
وَيَعْقُوبُ عَنْ كَثِيرٍ (شعرا - ۴)

جو مصیبت تم کو پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کے

باعث اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے،

یہود کے ذکر میں قرآن نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے، عذاب کے موقع پر فرمایا،

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةَ أَيْنَ مَا تَفَقَّوْا لَا  
يُجِبُكَ مِنَ اللَّهِ وَجَبَلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُؤُ  
بِعُضْبٍ مِنَ اللَّهِ وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ  
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ  
وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذَٰلِكَ بِمَا  
عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (ال عمران - ۱۲)

ان پر ذلت ماری گئی، جہاں پائے گئے، لیکن جہاں

عزت حاصل ہو، وہ خدا کے ذریعہ اور لوگوں کے سہارے

اور اللہ کا غصہ کمال ہے، اور اُن پر (قومی، محتاجی، ماری

گئی، یہ اس لیے کہ وہ خدا کے حکموں کا انکار کرتے تھے اور

پیغمبروں کو مار ڈالتے تھے، یہ اس لیے کہ وہ نافرمان

ہیں، اور حدودِ الٰہی سے آگے بڑھتے ہیں،

اس کے بالمقابل عام اہل کتاب سے کہا گیا،

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا

أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكْفِلُوا مِنْ فَنَاءِ

وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ،

(مائدہ - ۹)

راضی خیر و برکت سے کھاتے،

اور اگر یہ تورات اور انجیل کو اور جو انکی طرف انکے پروردگار کی

طرف سے (اب) اتارا گیا، اس کو قائم رکھتے تو وہ اپنے اوپر

برکات آسمانی سے کھاتے اور اپنے پاؤں کے نیچے

ایک اور موقع پر اشارہ ہے،

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا

عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَ

لَكُنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

(اعراف - ۱۲)

احکام کو چھٹایا تو ہم نے انکے اعمال کی پاداش میں انکو پکڑ لیا،

اور ان آبادیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور

پرہیزگاری کے کام کرتے تو ہم ان پر آسمان سے او

زمین سے برکتوں کو کھولتے لیکن انھوں نے نفاق کے

مگر یہ دارالجزا فانی ہے | لیکن یہاں ایک نعرش گاہ بھی ہے جس سے اہل ہوش کو باخبر رہنا چاہئے، اس دنیا میں انسان کو کمال

کی جزا و سزا کسی نہ کسی رنگ میں ضرورتی ہے، مگر اس نکتہ کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ کیا شخصی زندگی، اور کیا جماعتی حیات کے

محاط سے یہ دارالجزا جس کا نام دنیا ہے عارضی اور فانی ہے، یہاں کا غم بھی فانی اور یہاں کی خوشی بھی عارضی ہے، ایسے

صرف اسی دنیا کی کامیابی کو اپنی زندگی کا اصل مطلوب مقصود اور غایت و منتہا نہیں بنانا چاہئے، بلکہ سمجھنا چاہئے

کہ اس سے بھی زیادہ ایک اور وسیع آسمانی مملکت، اور لازوال سلطنت ہے جو فنا و زوال کے ہر عیب اور ہر نقص سے

پاک ہے، اور جہان کی نعمتیں اس دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ بہتر اور غیر فانی ہیں، اس لیے اس فانی دنیا کی لذتوں

میں پڑ کر اس کو نہ بھول جانا چاہئے، اس مسافر کی عقل سلیم کی داد کو نہ دیکھا جو راستہ کی عارضی خوش منظریوں، اور سفر کی فانی

دکھیوں میں پڑ کر اپنے خوش سوا و اور سدا بہار وطن کو فراموش کر بیٹھے،

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ  
بلکہ تم دنیاوی زندگی کو بڑھ کر چاہتے ہو، حالانکہ آخرت کی

وَالْبَقِيَّةُ، (اعطی-۱) زندگی اس سے بہتر اور اس سے زیادہ پائدار ہے،

وَلَا جَزَاءَ لَآخِرَةٍ خَيْرٌ (یوسف-۴) اور بیشک آخرت کی فردوری (یہاں کی فردوری) بہتر

اور اسی طرح گنگارون کے لیے یہاں کی ذلت و رسوائی سے بڑھ کر ایک اور ذلت و رسوائی کا مقام ہے،

فَإِذَا أَقْبَهُمُ اللَّهُ الْخَيْرَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ

لَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

چکھایا، اور شہ نہین کہ آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے، اگر وہ جانتے، (زمر-۳)

اس دنیا کی ذلت و رسوائی تو شاید سہ بھی لی جائے مگر وہاں کے عذاب کی سختی کو کون سہہ سکتا ہے کہ،

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَلْبَقَى، اور (اس دنیا سے) آخرت کا عذاب البتہ زیادہ سخت اور

(طہ-۷) زیادہ دیر رہنے والا ہے،

اس لیے اس فانی دنیا میں انسان کو اپنے حسن عمل کے بدولت جو زور و قوت، جاہ و جلال، نعمت و مال، اور حکومت و سروری ملے، اُن کو بھی آخرت کی لازوال نعمتوں اور وہاں کی غیر فانی بادشاہی کے حصول میں صرت کرنا چاہئے، کہ اس سے خود اُن دنیاوی نعمتوں کو بھی بچا اور پائداری حاصل ہوگی، اسی فلسفہ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی حقیقت طراز نے قارون کی نصیحت کے ضمن میں ان فقہوں میں ادا کیا ہے،

وَاتَّبِعْ فِيمَا أَنَاكَ اللَّهُ الذَّاكِرُ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ

نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ

إِلَيْكَ وَلَا تَتَّبِعِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ

(قصص-۸) اور (اس دولت سے) زمین میں خرابی نہ چاہ۔

چنانچہ خلفِ سیود پر تباہی اسی لیے آئی کہ وہ دنیاوی زندگی کی دولت و جاہ و کی جبرت میں ایسے پھنسے کہ

اُن کو اپنے کاروبار میں آخرت کے سود کا خیال بھول کر بھی نہ آیا،

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ  
يَا خُدُّونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَىٰ وَلَقَدْ لَوْ  
سَبَّغْنَاهُ بِمَاءٍ وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُ الَّذِي  
الَّذِي أَخَذْنَا عَلَيْهِمْ مِيثَاقَ الْكِتَابِ أَنْ لَا  
يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ وَدَرَسُوا مَا  
وَالَّذِينَ لَا يَخِزُّ خَيْرٌ لِّذِينَ يَتَّقُونَ ۚ فَلَا  
تَعْقِلُونَ ۚ (اعراف - ۲۱)

تو ان کے بعد کچھ خلف کتاب کے وارث ہوئے جو اس  
دنیا کے سامان و اسباب کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم  
سب بھگے ہوگا، اور اگر ویسا ہی سامان اسباب پھر آئے  
تو پھر لیں، کیا ان سے کتاب کے حق میں یہ عہد نہیں لیا  
گیا کہ وہ خدا پر حق کے سوا کچھ اور نہ بولیں حالانکہ جو  
ہے وہ اس کو پڑھ چکے ہیں، اور آخرت کا گھر پر ہر گز  
کے لیے بہتر ہے، کیا تم سمجھتے نہیں،

یہ دار البزار دار الاصلاح بھی ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و شفقت سے انسان کو پیدا کیا، اور اُس ہمیشہ کی زندگی کا تمام  
بھی دکھایا اور بتا دیا کہ اُس تمام کا دائمی وابدی استحقاق خود تمہارے عمل سے تم کو ہو سکتا ہے، اور یہ دنیاوی زندگی اسی  
اُس کو دی گئی کہ وہ اس زمانہ میں اُس سدا بہار سرزمین کی ملکیت کو اپنے عمل کی قیمت سے خرید سکے، مگر چونکہ انسان  
دوسری مصلحتوں کے لحاظ سے طبعاً کمزور، زود فراموش، اور بھولنے والا بھی پیدا ہوا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنی  
اسی مستعار زندگی میں بار بار اپنے سننے، سہارنے اور کامیاب بننے کے موقع عنایت کئے، رسولوں کی بعثت  
کی آمد، شریعت کی تعلیم، پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ، اور گناہوں پر جہانی سزا و تعزیر، اور عمل خیر پر جہانی  
نزدت، اور عمل شر پر جہانی عذاب و کدورت کے لوازم اسی لیے مقرر ہوئے کہ اُس کو ہر قسم پر اپنے اعمال پر تنبیہ اور  
اپنی غلط روی کا احساس ہو، اور ان سب کے علاوہ اس نے اپنی غایت رحمت سے انسانوں کی تنبیہ اور اصلاح  
لیے حسب ذیل مراتب مقرر کئے،

۱۔ شکی سے پرانی کا کٹھارہ، چونکہ انسان کتنی ہی کوشش کرے اپنی فطری کمزوریوں کی حد سے باہر نہیں  
نکل سکتا، اس لیے جس طرح اس دنیا میں اُس نے انسانوں کے دلوں میں یہ فطری اصول و دینیت کر دیا ہے،  
تہ جس کی نیکیوں کا پلہ جاری ہو اُس کی معمولی برائیوں سے چشم پوشی کیجاتی ہے، یا یہ کہ آخرین اُس کا کوئی ایک

نیک کام انسان بدست ہو جاتا ہے کہ اُس سے اسکی تمام گلی برائیوں کی فرد دھل جاتی ہے، اسی کا نام کفارہ عمل ہے، چنانچہ وحی محمدی نے اصولی طور پر یہ حقیقت ان الفاظ میں تلقین کی کہ،

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ہق-۱۰) بے شبہ نیکیاں، برائیوں کو دور کر دیتی ہیں،

اس آیت کا یہ بھی منشا ہے کہ نیکیوں کی تدریجی ترقی بالآخر برائیوں کو کم کرتی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ پورا نیکو کا انسان بن جاتا ہے، اور یہ بھی خوشخبری یہیں پوشیدہ ہے کہ یہی نیکیاں، اسکی پہلی برائیوں کے نتیجہ کو بھی اُٹھا دیتی ہیں، اس معنی کی اور آیتیں بھی قرآن پاک میں ہیں،

إِنْ تَجْتَنِبُوا كِبْرًا تَنْهَوْنَ عَنْهُ تُكْفِرُوا عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مَدْخَلًا كَرِيمًا، (نساء-۵)

تم کو جن باتوں سے منع کیا گیا ہو اگر ان میں کی بڑی باتوں سے تم بچے رہو گے تو ہم تمہاری تقصیریں تم سے اُٹا دیں گے، اور تمکو عت کے مقام میں داخل کریں گے،

لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ، (مائده-۳)

اے بندے اگر تم نماز پڑھو گے اور زکوٰۃ دو، اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ، اور ان کی مدد کرو گے، اور اللہ کو اچھی طرح کا قرض دو گے، تو میں تمہارے گناہوں کو اُٹا دوں گا، اور تم کو ان جنتوں میں داخل کروں گا جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں،

أُولَئِكَ الَّذِينَ نَقَبَلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَتَتَجَاوَرُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّاتِ، (احقاف-۲)

یہ وہ ہیں جن کے اچھے عمل کو (اور) جنتیوں (کے ثنوں) میں ہم قبول اور انکی برائیوں سے درگزر کریں گے،

۲۔ تو یہ کفارہ ہے، انسان کے تمام کاروبار میں اصل شے اُس کا دل ہے، اسی سے وہ پاک ہوتا ہے، اور اسی سے ناپاک ہوتا ہے، انسان کا دل اگر خلوص کے ساتھ کسی وقت خدا کی طرف رجوع کرے، اور

اپنی تقصیر اور فروگزشتوں پر اُس کی بارگاہِ مینِ نادم و شرمسار ہو کر اپنی پھٹی زندگی سے بیزار ہو کر آئندہ کے لیے نیکو کاری کا خدا سے مستحکم وعدہ کرے، تو اُس کا نام توبہ ہے یہ توبہ گنہگار سے گنہگار انسان کو بھی خدا کے خوشِ محبت مینِ لا کر ڈالتی ہے، آدم علیہ السلام کا قصور اور پھر انکی توبہ اور رحمتِ الہی کا رجوع، واقعہ کے علاوہ اس بات کی ایک مثالی صورت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشِ رحمت کس طرح گنہگار انسان کو واپس لینے کے لیے ہمیشہ وار رہتی ہے، رحمتِ الہی کے اس پر جوشِ نظارہ کی جو کیفیت محمد رسول اللہ صلیم کے صحیفہ وحی اور پیامِ نبوت میں نظر آتی ہے، اُس سے ہندوستان کا ہر مشاہد دردمند قطعاً محروم، توراتِ خاموش زبور کی سر ملی آوازِ دہم اور انجیل کی خوشخبری مبہم ہے لیکن محمد رسول اللہ صلیم نے اپنے پیامِ ربانی میں اسکی کیفیات اور اصول و شرائط کو جس شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا، وہ گویا ربِّ تعالیٰ کی طرف سے رحمتِ للعالمین کا خاص حصہ تھا، فرمایا،

اَلَا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ ذِكْرٌ  
يَذْكُرُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يَظْلُمُونَ شَيْئًا  
مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کئے، تو وہ جنت میں داخل ہو گئے اور اُن پر کچھ ظلم نہ کیا جائیگا، (مربعہ ۴)

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ ایک توبہ کی بھلائی، اس کے گناہوں کے سارے دفتر دھو کر، اُن کی جگہ آپ نے لیگی۔

اَلَا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا  
فَاُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ  
مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو یہ  
ہیں جنکی برائیوں کو اللہ بھلائیوں میں بدل دے گا  
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيْمًا، (فرقان ۶) اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے،

اور یہی اس کی شانِ رحمت کا اقتضا ہے، یہاں تک کہ چور اور ڈاکو بھی اپنے گناہوں سے توبہ کریں تو انکو بھی بشارت ہے۔

فَمَن تَابَ مِنۢ بَعْدِ ظُلْمِهِۦ وَاصْلَحَ مَاۤنَآ  
تو جس نے اپنے پر ظلم کرنے کے بعد توبہ کی اور اپنے کو

اللّٰهُ يَتُوبُ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ  
 اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ  
 الْاَرْضِ لَا يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَيُغْفِرُ لِمَنْ  
 يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ  
 سدھارا، توبہ شیک اللہ اس پر رجوع ہو گا کہ اللہ بخشنے  
 والا مہربان ہے، کیا تجھے نہیں معلوم کہ آسمانوں کی  
 اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے جس کو چاہے سزا  
 دے اور جس کو چاہے معاف کرے، اللہ ہر چیز  
 پر قدرت رکھتا ہے، (مائکہ ۶۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قطعی اصول ظاہر فرمادیا کہ  
 وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا  
 ثُمَّ اهْتَدٰى (طہ ۳۰)  
 اور میں ایک مہینہ کو بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی اور  
 ایمان لایا، اور نیک کام کئے اور پھر راہ پر چلا،

لیکن توبہ کس کیلئے ہے، اور کس شرط کیساتھ ہے،  
 اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ  
 السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّوْلٰكَ  
 يَتُوبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ اَوْ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا بِمَا  
 كَيْدُ السَّيِّئَاتِ  
 حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ  
 نَبْتُ الْبُنَّ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوتُوْنَ وَهُمْ  
 كُفَّارًا (نساء ۳۰)  
 اللہ کو ان کی توبہ قبول کرنی ضرور ہے جو نادانی سے بُرا  
 کام کرتے ہیں، پھر جلد توبہ کرتے ہیں، تو یہی وہ ہیں جو  
 اللہ معاف کرتا ہے، اور اللہ سب جانتا ہے، اور کت  
 والا ہے، اور ان کی توبہ نہیں ہے جو بُرے کام کرتے جانتے  
 ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئی  
 تو اس نے کہا اب میں نے توبہ کی، اور نہ ان کی توبہ  
 ہے، جو کافر ہو کر مرین،

مقصود یہ ہے کہ توبہ کے بعد اس بندہ کے دل میں آہندگی اور تدارک کا احساس بھی موجود ہو اور  
 ظاہر ہے کہ موت کے وقت یہ احساس ممکن ہی نہیں، ہاں اگر وہ توبہ اپنے احساس کے اثر سے کرے، اور اس کے  
 بعد اتفاقاً قاتل آجائے تو یقیناً رحمت الہی اس کے قبول کرنے میں تاثر نہ کرے گی،

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا  
وَأَسْأَلُوا رَبَّهُمْ مِنْ بَعْدِهَا الْغُفُورَ رَحِيمًا  
اور جنہوں نے بُرے کام کئے، پھر اُس کے بعد باز آئے  
(توبہ کی) اور تائبین کیا، تو بیشک تیرا پروردگار اُس کے بعد  
اسکو بخشنے والا اور اس پر رحم کرنے والا ہے،

(اعراف - ۱۹)

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ  
يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا (سُورۃ - ۱۶)  
اور جو کوئی بُرا کام کرے یا اپنا آپ پر ظلم کرے پھر اللہ سے اپنے  
کی معافی چاہے تو وہ اللہ کو بخشش والا رحم کرنے والا پائے گا،

۳۔ مصائب کی تنبیہ اور کفارہ، دنیا میں مصائب سے زیادہ بُری اور تکلیف دہ چیز انسان کو کوئی دوسری  
نہیں معلوم ہوتی، لیکن حقیقت بھلانے کے لائق نہیں کہ افراد، بلکہ جماعتیں اور قومیں بھی مصائب ہی کی تنبیہ  
اور سرزنش سے تنبیہ اور ہشیار ہو کر آمادہ اصلاح ہوتی ہیں، چنانچہ اکثر اخلاقی محاسن کے جوہر کو مصیبتوں ہی کی آگ  
نکھار کر کندن بناتی ہے، صبر، استقلال، تواضع، شکر، محبت اور رحم ان تمام اخلاقی فضائل کی تربیت انہیں مصائب  
کے زیر سایہ ہوتی ہے، مغرور سے مغرور انسان بھی جب کسی اتفاقی مصیبت کی ٹھوکر کھاتا ہے، تو سنبھل جاتا ہے،  
اس لئے غافل انسانوں اور خود فراموش سرمستوں کو ہوش میں لانے کے لیے کبھی کبھی کی مصیبتوں سے بڑھ کر  
کوئی دوسری چیز نہیں کہ اُن کی بدولت ملحد سے ملحد انسان بھی ایک فہم بقرار ہو کر خدا کا نام لے ہی لیتا ہے،  
دولت و نعمت، کامیابی و مسرت، شراب ہے، جس کے نشہ کا آثار اتفاقی مصائب ہی کی ترشی سے ہو سکتا  
ہے، انسان خدا کو کتنا ہی بھولا ہو اور اپنی دولت و ثروت پر کتنا ہی نازاں ہو لیکن جب وہ کسی اقدار سے دوچار  
ہوتا ہے، تو دفعۃً اُس کی نگاہیں کھل جاتی ہیں، بیماری، تنگدستی، عزیزوں کی موت، اُز و زون کی ناکامی، ان میں سے  
ہر چیز وہ ٹھوکر ہے، جس کو کھا کر مسرت سے مسرت راگبیر بھی چونک کر ہشیار ہو جاتا ہے، اور اُس کو اپنے راستہ  
کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے، اس لیے ان مصائب میں انسانوں کے اعمال بد اور گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت  
پوری طرح موجود ہے، کہ اس تھوڑی تکلیف سے بندہ میں جو روحانی احساس پیدا ہوتا ہے وہ بڑی بیش قیمت چیز ہے  
قرآن پاک نے اس نکتہ کو پوری طرح جا بجا بیان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہگاروں کو



اس سے پہلے کہ اُن کو ہلاک کرے، اُن کو مصائب کی آزمائشوں میں ڈالتا ہے، تاکہ شاید وہ اپنے بھولے ہوئے مالک کو یاد کریں اور اپنی غلط روی پر متنبہ ہو کر اپنی ہدایت و اصلاح کی فکر کریں، فرمایا،

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصِ  
مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ (اعراف-۱۶)

اور بیشک ہم نے فرعون والوں کو تحلوں اور بھلوں کی  
نہی کی مصیبت میں گرفتار کیا تاکہ وہ نصیحت پکڑ لیں،

بنی اسرائیل کے متعلق ہے،

وَلَقَدْ كُفِّرْنَا بِلُحْيَتِهِمُ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (اعراف-۶۱)

اور ہم نے انکو نعمتوں اور مصیبتوں کی تمیز آزمایا تاکہ وہ شائبہ باز نہ رہیں

اسی سورہ میں ایک اور جگہ اس احوال کو ایک کلیہ کی حیثیت سے بیان کیا گیا،

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا  
أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالْقَسَاءِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (اعراف-۱۷)

اور ہم نے کسی آبادی میں کوئی نبی نہیں بھیجا بلکہ ان  
کے رہنے والوں کو سختیوں اور مصیبتوں میں گرفتار کیا تاکہ

مسلمانوں سے فرمایا گیا،

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ شَيْئًا مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ

اور البتہ ہم تمکو تھوڑے خوف، بھوک، اور دولت کی

نَقْصٍ مِّنْ أَمْوَالٍ وَأَنفُسٍ وَالثَّمَرَاتِ

اور جانوں کی، اور بھلوں کی کمی سے آزمائیں گے اور

وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ

ان صابروں کو خوشخبری سنا کہ جبکہ جو کب کوئی مصیبت

مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

ستاتی ہے تو کہتے ہیں ہم خدا کے ہیں، اور اُسی کی طرف

أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ

لوٹ کر جانے والے ہیں، یہ وہ ہیں جن پر اللہ کی برکتیں

وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُسْتَدُونَ، (البقرہ-۱۹)

اور رحمتیں ہوں گی، اور یہی سیدھی راہ پائے ہوئے ہیں،

اس اصول کے تحت میں احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکے متعدد جزئیات بیان فرمائے ہیں حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ (نساء-۱۰۸) (جو کوئی برائی کرے گا اسکا بدلہ اُس کو

دیا جائیگا) تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب پوچھا، فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے عتاب ہے، اس کا

بدلہ دنیا میں بندہ کی ہر تکلیف سے پورا ہو جاتا ہے، جیسے اُس کو بخار آجائے، یا وہ کسی اور مصیبت سے دوچار ہو جائے، یہاں تک کہ جب میں کوئی چیز لکھ کر بھول جائے، اور اس سے جو تکلیف اُس کو پہنچے وہ تکلیف بھی کفارہ بن جاتی ہے، یہاں تک کہ بندہ گناہوں سے اس طرح صاف ستھرا ہو کر نکلتا ہے جیسے بھٹی سے سونا۔ دوسری حدیثوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان کو کوئی مصیبت پیش نہیں آتی ہے لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر اُس کے کوئی کاٹا چھ جائے تو وہ بھی کفارہ بن جاتا ہے، تیسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان کو کوئی تکلیف یا بیماری، یا غم، یا اذیت نہیں پہنچتی لیکن یہ کہ وہ اُس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر اُس کے کوئی کاٹا چھ جائے، تو وہ بھی چوتھی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو کوئی تکلیف کاٹنا چھنے سے لیکر اوپر تک جتنی بھی پہنچے، اللہ تعالیٰ اُس سے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں، پانچویں روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دنیا میں جو مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا، اور اُس کی سزا اُس کو یہیں مل گئی تو وہ اُس کے لیے کفارہ اور اس کو اس گناہ سے پاک و صاف بنا دیتا ہے۔ سطور بالا سے ہوا ہے کہ کوئی انسان جو اقرار توحید کے بعد گناہ سے ملوث ہو گیا ہو، دنیا میں توبہ، اعمال نیک اور مصائب پر صبر و شکر کے ذریعہ سے نجات پا سکتا ہے، اور اس دنیا سے اسی طرح پاک و صاف ہو کر نکلتا ہے کہ موت کے بعد اُس کو کسی نئے کفارہ گناہ کی ضرورت پیش نہ آئے،

اسی لیے قرآن پاک میں ہے،

وَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ ذُنُوبَهُمْ  
اور ہم البتہ اُن کو بڑے عذاب کے پہلے ادنیٰ عذاب کا کچھ نہ

الْعَذَابُ الْكَبِيرُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ، (سجۃ)  
چکھاتے ہیں، تاکہ وہ اب بھی باز آئیں،

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ عذاب الہی کا مقصد انتقام اور نفس سزا اور عقوبت نہیں بلکہ توبہ نفس کو

۱۔ اور اس کی ہم معنی حدیثیں اکثر کتب حدیث میں ہیں مثلاً ترمذی تفسیر او اخر النساء، سنن ابی داؤد، اوائل کتاب الجنائز،  
۲۔ صحیح بخاری، اوائل کتاب امر منیٰ میں یہ تینوں روایتیں ہیں، ۳۔ صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہتہ،

ماہِ ولست پر لانا ہے، اسی لیے ایک اور آیت میں فرمایا:-

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ  
وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا  
اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دیکر کیا کرے گا، اگر تم شکر کرو، اور ایمان  
لاؤ، کہ خدا (نیکوں کا) قبول کرنے والا اور (متحار)

(نساء-۲۱) ہر عمل کو جانسنے والا ہے،

الغرض یہ عذاب اس دنیا میں آئندہ گناہوں سے بچانے اور گزشتہ گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ہوتا ہے اور عالمِ برزخ اور عالمِ بعثت چونکہ نئے عمل کے محل نہیں، اس لیے ان دونوں مقاموں میں آئندہ کا کوئی سوال نہیں پیدا ہو سکتا، صرف گزشتہ براعالمیوں کی سزا بھگت کر ان کے نتائج سے نجات مل سکتی ہے اور یہی عالمِ برزخ اور عالمِ بعثت کے عذابوں کا مقصد ہے، الایہ ہے کہ پروردگار عالم خود اپنی رحمت سے نوازے، اور معاف فرمائے،

عذابِ برزخ بھی کفارہ ہے | لیکن اگر کسی انسان کے اندر گناہوں کی ناپاکیاں اتنی زیادہ ہیں کہ اس کی دنیاوی زندگی کے تمام کفارے بھی اس کو دھو کر پاک نہ بنا سکے، تو اس کو اپنے مرنے کے بعد بھی برزخ کے عالم میں اپنے اعمالِ بد کی مناسب سزائوں کی صورتوں میں تکلیفیں اٹھا کر پاک و صاف بننا پڑے گا، یہی عالمِ برزخ کا عذاب ہے، اس سے ظاہر ہو گا کہ عالمِ برزخ کی یہ سزائیں ایسے ہیں کہ ہم نے دنیا میں اپنی ناپاک خواہشوں اور ناپاک کاروں سے احتراز کرنے کی جو رحمت نہیں اٹھائی، اور اچھے کاموں کے کرنے میں جو تھوڑی تکلیف پیش آتی ہے، اس کو برداشت کر کے اچھے کام جو نہیں کئے، ان دونوں کے معاوضہ میں عالمِ برزخ میں اگر عذاب کی تکلیفیں اٹھائیں، تاکہ حیاتِ ثانی کے دروازہ پر پہنچ کر بھی اگر ہم ان سزائوں کے ذریعہ پاک و صاف ہو سکیں تو پاک و صاف ہو کر اپنی دوزخ بہشت کے قابل بن سکیں جو صورتِ پاکوں اور بے گناہوں کی جگہ ہے، یعنی انکی جگہ ہے جو یا سرے سے کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں، یا یہ کہ گناہ کے مرتکب ہوئے، مگر اعمالِ نیک، توبہ، اور بھلائی میں صبر و شکر کر کے عالمِ برزخ میں سزا پا کر وہ گناہوں کے داغ سے نجات پا گئے،

یہ بات کہ عذابِ برزخ بھی چارے گناہوں کا کفارہ ہے، قرآنِ پاک کی متعدد آیتوں سے نکلتی ہے، سورۃ

میں ہے کہ جو گنہگار عذاب الہی سے ہلاک ہوئے وہ برزخ کے عذاب کو دیکھ کر کہیں گے،

رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْعَانًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ، اے ہمارے پروردگار ہمارے لیے ہماری چھٹی روز حساب

(ص-۲) سے پہلے جلد کرے،

اس سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جنکو یوم الحساب سے پہلے ہی تھوڑا عذاب پاکر چھٹی مل جائے اور انہیں لوگوں کو دیکھ کر دوسرے مجرموں کو بھی بارگاہ الہی میں اس درخواست کی بہت پُرگی کہ ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے،

بعض حدیثوں میں بھی اس کنایہ کی تصریح ملتی ہے، کنز العمال میں ایک حدیث ہے،

عن ابن عمر، طول مقام امتی فی ابن عمر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

قَبْرِ رَهْمَةٍ تَحِيصُ لِي نُؤَيِّمُهُ، رَكَزَ الْعَالَا میری امت کا اپنی قبروں میں طویل قیام، ان

باب عذاب القبر جلد ۹ ص ۹۱ گناہوں سے خالص کرنا ہے،

اسی لیے ایک اور حدیث میں آیا ہے،

اكثر عذاب امتی فی قبورہم میری امت کو زیادہ تر عذاب انکی قبروں میں ہوگا،

اس حدیث کا اگر وہ ثابت ہو تو (نشانہ یہ ہے کہ امت محمدیہ کے اکثر افراد اسی برزخ کے محدود زمانہ عذاب

میں ٹکھ کر اور پاک صاف ہو کر جنت کے قابل ہو جائیں گے اور عذاب برزخ کی ضرورت ان کو پیش نہ آئے گی،

حافظ ابن القیم ایک موقع پر لکھتے ہیں،

فان وقت بالخلاص منها فی هذا الدار اگر ان بیماریوں کا یہ علاج اس دنیا میں نجات کیلئے

و لا ففی البرزخ فان وفی بالخلاص پورا ہو گیا تو خیر اور نہ برزخ کی سزا سے علاج کیسا

و لا ففی موقف القیاسۃ و اھی الھا جائیگا تو اگر یہ نجات کے لیے کافی ہو گیا تو خیر اور نہ

اس حدیث کو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ باب الوقائع الخشریہ میں نقل کیا ہے لیکن انھوں نے اس کا اہل اخذ علامہ

مَا يَخْلَصُهُمْ مِنْ تِلْكَ الْبَقِيَّةِ ..... قیامت کا مقام اور اسکی ہولناکیاں باقی بیمار یوں سے

..... لے نجات دوائیں گی،

رویاے برزخ کی حدیث میں جو پہلے مفصل گزر چکی ہے، وہ منظر بھی دکھایا گیا ہے، حسین گنہگار عذاب کے دور سے نکل کر اور نہر حیات میں نئی زندگی پا کر بہشت کے مستحق قرار پائے ہیں، غالباً انھیں نجات پانے والے مومنوں کو دیکھ کر مشرکین بھی قیامت میں کہیں گے،

وَيَوْمَ يَخْلَسُ هُمْ جَمِيعًا لِمَعْشَرِ الْجَنَّةِ قَدِ اسْتَكْبَرْتُمْ مِّنَ الْإِنسَانِ وَقَالَ أَوْلِيَاهُمْ مِّنَ الْإِنسَانِ رَبَّنَا اسْمَعْ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَّغْنَا آجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا

اور جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کر بیگا اے گروہ جن! تم نے بہت سے انسانوں کو اپنا بنالیا، اور ان کے دوست انسان کہیں گے کہ ہمارے پروردگار! ہم میں سے ایک نے دوسرے سے کام نکالا، اور ہم مقررہ

کو جبکو تو نے ہمارے لیے ٹھہرایا تھا، پہنچ چکے، (الغامہ-۱۵)

یہ الفاظ کہ ”ہم اپنے مقررہ وقت کو جس کو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا پہنچ چکے“ یہ معنی رکھتے ہیں کہ عالم برزخ کا مقررہ دورہ عذاب ختم کر چکے، اور اب حشر و نشر کے عذاب کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے، اس لیے بعض دوسرے نیک بختوں کی طرح ہم کو بھی اب چٹھکا راسلے، جواب ملے گا،

قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا أَلَا مَا شَاءَ اللَّهُ فَمَا يَبْكَاءُ اتِّشَ وَنَحْنُ تَهَارَتُكَ مَا هُوَ إِلَّا أَسْمَانُ سَدَارُ هُوَ كَ  
إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (الغامہ-۱۵)

اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تمہارا دورہ عذاب ختم نہیں ہوا ہے، اور تمہاری پاکیزگی ابھی تمام نہیں ہوئی، اس لیے ابھی اس دوسرے عالم کا عذاب بھی تم کو سنا ہے، پھر جب خدا چاہے گا تم کو اس سے نجات دیگا اس کا ہر کام علم و حکمت پر مبنی ہے، اس کے علم و حکمت اور مصلحت کا حسب تقاضا ہوگا، تم کو نجات ملیگی،

لہذا شفاء العیال لابن قیم بطبعہ حیدرہ ص ۲۵، ص ۲۵ صحیح بخاری کتاب التبعیر ص ۲۵، ابن جریر طبری ج ۸ ص ۲۵

عذاب و زخ گناہ ہی | ابھی یہ آیت اوپر گزر چکی ہے کہ

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ  
وَأَمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا،

(نساء - ۲۱) اور (تمہارے دلوں کے حال کو) جاننے والا ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ گناہگار کو جو عذاب ملیگا انہیں اللہ کو کوئی خوشی نہیں حاصل ہوتی، نہ وہ چاہتا ہے کہ اسکے گناہگار بندے اس عذاب میں مبتلا ہوں لیکن ازل سے اُس نے اپنے جو قانون مقرر کر دیئے ہیں وہ اُنکو توڑتا بھی نہیں، جو موت آدم کو جنت کی سرزمین سے نکال کر اس دنیا میں اس لیے بھیجا گیا کہ وہ اپنے عمل کے استحقاق سے اس جنت کو دوبارہ ہمیشہ کے لیے حاصل کریں، اسی وقت یہ قانون بھی اُن کو سنا دیا گیا تھا،

إِهْبِطْ مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكَ مِنَّهَا

هُدًى فَمَنْ يَتَّبِعْ هُذًى فَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، وَالَّذِينَ

كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِئِنْ أَجْمَعُ النَّاسَ

هُمْ فِيهَا جُلْدُونَ، (بقرة - ۴۷)

کو ہٹایا تو وہی دوزخ و لے ہونگے،

اس آیت میں مستحق دوزخ ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں، ایک کفران اور دوسری تکذیب دیکھو کہ اوپر کی نساہولی آیت میں عذاب دوزخ سے نجات پانے کی دو شرطیں شکر اور ایمان ان کے بالکل بالمقابل ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ شکر اور ایمان استحقاق جنت کی شرطیں، اور کفران اور تکذیب استحقاق دوزخ کے اسباب ہیں بقیہ تمام نیکیاں شکر اور ایمان کے فروع، اور تمام برائیاں کفران اور تکذیب کی شاخیں ہیں،

لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس لیے نہیں بنایا کہ وہ اُن کو پیدا کر کے دوزخ کا ایندھن بنائے بلکہ اُس نے تو اُن کو اپنی رحمت کے ظہور کے لیے پیدا کیا، غیظ و غضب کے اظہار کے لیے نہیں اُفرمایا،

اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
 وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَہَا وَاسْتَفْتٰ  
 مِنْہَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ كَانَ ظٰلِمًا  
 جَهُولًا لِّیَعِزَّ بِاللّٰهِ الْمُنٰفِقِیْنَ الَّذِیْنَ  
 الْمُسْرِکِیْنَ وَالْمُشْرِکَآتِ وَیُتَوَبَ اللّٰهُ  
 عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ  
 اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

(احزاب-۹) اور اللہ تو بچنے والا اور رحمت والا ہے،

اس آیت پاک سے صاف ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اصلی صفت یہی ہے کہ وہ غفور و رحیم ہے یعنی  
 درحمت اُس کی صفت ذاتی ہے، اب اگر کوئی اپنے آپ پر ظلم کرے گناہ کرتا ہے، اور اس لیے وہ اپنے کو رحمت  
 الہی سے دور کر لیتا ہے، تو یہ خود انسان کا فعل ہے،

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسُهُمْ  
 يَظْلِمُوْنَ (توبہ-۹)

اللہ نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنی جانوں پر  
 آپ ظلم کرتے ہیں،

وَمَا اللّٰهُ بِرَبِّدٍ ظَلَمًا لِّلْعِبَادِ (مومن-۴۰)  
 غرض جو کچھ ہے وہ اپنے اعمال کا نتیجہ ہے،  
 لِيُجْزِيَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (طہ-۱)

کہ ہر جان کو اپنے ہی کئے کا بدلہ دیا جائیگا،

اس لیے بہشت ہو یا دوزخ جو کچھ ہے، انسان کے اپنے ہی عمل کا لازمی نتیجہ ہے، جس طرح دنیا کے ہر  
 عمل کا کوئی نہ کوئی لازمی نتیجہ تھا، کھانے کا نتیجہ شکم سیری، پینے کا نتیجہ سیرابی، بھوک کا نتیجہ تکلیف، بیماری کا نتیجہ  
 بے آرامی، گرنے کا نتیجہ چوٹ، نہ ہر کا نتیجہ موت، شہد کا نتیجہ مٹھاس، غرض ہر اچھے یا برے فعل کا ایک لازمی

جسمانی نتیجہ تھا، جو دنیا میں ہمارے عمل کے بعد ہم کو ملتا رہا، اسی طرح ہم کو اپنے اعمال کا ایک روحانی نتیجہ بھی لازمی ملنے والا تھا، جو ہم کو اس دوسرے عالم میں مل رہا ہو، تو جس طرح زہر کھا کر مرنے کی ذمہ داری خود ہم پر عائد ہوتی ہو، اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم زہر کھا کر مر کیون گئے، یا گرنے سے ہم کو چوٹ کیون آئی، اسی طرح ہم یہ سوال بھی نہیں کر سکتے کہ ہم کو ان اعمال کے بعد دوزخ کی سزا کیون ملی، کہ دونوں یکساں ہمارے اعمال کے لازمی نتیجے ہیں،

اللہ تعالیٰ نے اپنی غایت رحمت سے ہم کو اعمال کے تیجوں سے قبل از وقت مطلع فرمادیا تھا، ہم کو اس نے نیک و بد کی تمیز کا احساس، بخشا، عقل عنایت کی، ضمیر عطا کیا، پھر نبی اور رسول بھیجے، شریعت دی، کتاب مرحمت فرمائی، اس پر بھی اگر ہم باز نہ آئے، اور ان اعمال کا ارتکاب کیا، تو اب ہم کو ان اعمال کے نتائج سے کون بچا سکتا؟

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ،

یہ رسول بھیجے، نیکوں کو خوشخبری سنانے والے، و بدکاروں کو ہشیار کرنے والے تاکہ خدا پر انسان

(نساء-۲۳) کی حجت باقی نہ رہے،

پھر اپنی رحمت سے سب سے آخر میں اپنی رحمت کے کامل منظر کو دنیا میں بھیجا،

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (انبیاء-۱۰۷) ہم نے تجھ کو (بے غم) ساری دنیا کیلئے رحمت بنا کر بھیجا،

لیکن ظالم نادان انسانوں نے اس رحمت کے قبول سے انکار کیا، اور طرح طرح کی بدعتیں گویں اور

بد اعمالیوں سے اپنے کو برباد کیا، اور جس غرض سے خدا نے ان کو پیدا کیا تھا، اس سے اعراض کیا، اور اپنے

کو خود اپنے ہاتھوں سے ہلاکت و بربادی میں مبتلا کیا،

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُضِلَّ الْقُرْآنَ وَلَا هُمَا يَهْتَدِيَانِ (نجم-۱۰۲) اور نہ تھا تیرا رب جو ابا دیون کو ہلاک و برباد کرنا، اور نہ

مُصَلِّحُونَ، وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ

اُمَّةً وَاحِدَةً وَّكَانَ الْوَنُّ مُتَعَفِّفِينَ

اِذَا مَنَّ رَبُّكَ عَلَىٰ مَوْلَا يَخْتَارُ (نجم-۱۰۳) جب تو چاہتا تو سب لوگوں کو (زبردستی) ایک راہ پر کر دیتا لیکن وہی

زبردستی نہیں کرتا، اور وہ یوں ہی ہمیشہ اختلافات میں رہتے



اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو رحمت کی خاطر بنایا ہے، عذاب کے لیے نہیں لیکن وہ خود انسان ہے جو اپنے عمل سے خدا کی رحمت کے بجائے اُس کے عذاب کا اپنے کو سزاوار ٹھہر لیتا ہے، اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں،

لِلرَّحْمَةِ خَلَقَهُمْ وَلَمْ يَخْلُقْهُمْ لِلْعَذَابِ ، خدا نے انسانوں کو رحمت کے لیے پیدا کیا، عذاب کے لیے نہیں، (طبری ج ۱۲ - مک مصرا)

لیکن اگر ظالم و نادان انسان نے خدا کی ان بے درپے رحمتوں کے باوجود اپنے کو اس کی رحمت کا مستحق نہ بنایا تو کیا وہ خدا سے رحمان و رحیم جس کا یہ اعلان ہے،

كَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط اُس (خدا) نے (مخلوقات پر) رحمت کو اپنے اوپر واجب کر لیا ہے، (العام - ۲)

سَلَّمَ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر فرض ٹھہر لیا ہے، (العام - ۶)

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ، (اعراف - ۱۹) اور میری رحمت نے ہر چیز کو سمایا ہے،

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ط (کاف - ۸) اور تیرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے،

وَرَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي (ہیچ بخاری) اور میری رحمت، میرے غضب پر سبقت لی گئی،

وہ اپنے گنہگار و سیدہ کار بندوں سے ہمیشہ کے لئے اپنا منہ موڑے گا، حالانکہ اُس کی رحمت غرض سے نہیں، بلکہ بے غرض ہو فرمایا،

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ط (العام - ۱۶) اور تیرا رب بے نیاز رحمت والا ہے،

اور تسلی دی ہے،

يُعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ط اے میرے وہ بندو پیغمبروں نے اپنے اوپر آپ تسلیم

تَقْنُطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ  
الَّذِينَ تُوْبَتْ عَنْهُمْ ذُنُوبُهُمْ وَكَانَتْ  
لَهُمْ رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ  
یَا اے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو، خدا  
گناہوں کو معاف کرتا ہے بیشک ہی بخشنے والا رحمت  
(زمر- ۶) والا ہے،

اس کی رحمت کا ظہور جس طرح اس دنیا میں ہوا ہے، اُس دنیا میں بھی ہوگا، اور وہاں اس کی رحمت کا سب  
سے بڑا مظہر اُس کے مقام لعنت (دوزخ) سے دوری، اور اُس کے مقام رحمت (بہشت) سے قریب، فرمایا،  
مَنْ يُصِرْ عَنْهُ يُؤْمِنُ فَقَدْ رَحِمَهُ  
وَذَلِكَ الْفَقْرُ الْمُبِينُ  
جس سے خدا کا عذاب ہٹایا گیا، تو وہ وہی ہے  
جس پر اُس نے اپنی رحمت کی، اور اُس کی رحمت  
(انعام- ۲) کا یہ حصول ہی کھلی کامیابی ہے،

اللہ تعالیٰ کی ان پے بہ پے رحمتوں کا یہ تقاضا ہے کہ وہ گنہگاروں کو زیادہ سے زیادہ یہ کہ اُن کے نتائج  
عمل کے بھگت لینے کے بعد بالآخر اپنی رحمت کے سایہ میں لے، اور اُن کو اپنی بخششوں سے سرفراز فرمائے،  
دوزخ قید خانہ نہیں شفا خانہ ہی، انسان جب عدم حفظِ صحت کی غلط کاریوں کے سبب بیمار ہو جاتا ہے، تو اکثر یہی سمجھا  
جاتا ہے کہ فطرت نے اُس کو ان کے معاوضہ میں بیماری کی تکالیف کی سزا میں دی ہیں، اگر واقعہ یہ نہیں ہے،  
واقعہ یہ ہے کہ ان غلط کاریوں کے جو نتائج بد انسان کے جسم کے اندر پیدا ہو گئے ہیں اُن کو دور کرنے کے لیے جسم  
انسانی جدوجہد کرتا ہے، اور اُس کی اس لڑائی کا نام بیماری اور اس لڑائی کی کشمکش کا نام بیماری کی تکالیفِ مآل  
ہے، جنکو ہم دردِ سرورِ شکم، اعضا، ٹانگیں، بیخوابی، وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، یہی روحانی بیماریوں کا حال  
ہے جنکو ہم اصطلاح میں گناہ کہتے ہیں، اور اُن کے نتائج بد کا نام اصطلاح شرعی میں عذاب ہے، جو آتشِ دوزخ  
اس کے شدائد و آلام کی صورت میں ظاہر ہوگا، اور جس کا نشانہ یہ ہے کہ رُوح انسانی اپنی غلط کاریوں کے نتائج بد  
کو دور کرنے کیلئے جدوجہد میں مصروف ہوگی، اور جو نبی وہ ان سے عہدہ برآ ہوگی، خدا کی رحمت سے سرفرازی پا  
اس عذاب سے نکل کر اپنی مودِ رُوحی بہشت میں داخل ہوگی،

اس تہید سے یہ ظاہر ہے کہ دوزخ کی مثال نہیں ہے کہ وہ مجرموں کے لیے قید خانہ ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ بیمار کے لیے شفا خانہ ہے، بیمار کو شفا خانہ کے اندر بھی ہر قسم کی تکلیفیں محسوس ہوتی ہیں، درد، اعضا شکنی، تشدد، تشنگی، سوزش، جہم، اُس کو وہاں کڑوی سی کڑوی دوا پلائی جاتی ہے، بد مزہ سے بد مزہ کھانا کھلایا جاتا ہے، ضرورت ہوتی ہے تو اُس کو تشدد دیا جاتا ہے، اُس کا کوئی عضو کاٹا جاتا ہے، کوئی داغا جاتا ہے، اور ان سب کی تکلیفیں اُس کو اٹھانی پڑتی ہیں، مگر یہ ساری "ایذا رسانی" کسی انتقام اور تکلیف دہی کی غرض سے نہیں ہوتی، بلکہ اُس کے عدم صحت کی غلط کاریوں کے نتائج بد سے اُس کے جسم کو محفوظ رکھنے کی غرض سے کی جاتی ہے، اور جو تکلیفیں اُس کو وہاں محسوس ہوتی ہیں، وہ گوشت خانہ کے اندر ہی محسوس ہوتی ہیں، مگر اُن کا سبب شفا خانہ نہیں، بلکہ خود اُس بیمار کا اصول صحت سے دانستہ یا نادانستہ انحراف کرنا، اور اسکی وجہ سے ان بیماریوں میں مبتلا ہونا ہے،

یہ اصول اُن آیات اور اُن احادیث صحیحہ سے پوری طرح سمجھ میں آتا ہے جنہیں بالآخر عذاب دوزخ سے نجات کی کیفیت بیان لگائی ہے، دنیاوی اُلام و تکالیف کی نسبت قرآن نے یہ اصول پیش کیا ہے،

وَلِيُخَيِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ اور تاکہ خدا ایمان والوں کو پاک خالص کرے اور کافروں

(ال عمران ۱۴۰) کو مٹائے،

یہی اصول عذابِ اخروی پر صادق آتا ہے، کہ اس سے بھی مقصود گنہگار اہل ایمان کی پاک و صفائی ہے

چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ حقوقِ عباد کے بعد

حَتَّىٰ إِذَا هُذِّبُوا وَنُقُوا اُذِّنْ لَهُمْ فِي

پہانٹک کہ جب گنہگار چھپٹ جائیں گے اور پاک

دخول الجنة، (صحیح بخاری باب القصاص)

صاف ہو جائیں گے، تب اُن کو جنت میں داخل

ہونے کی اجازت ملے گی، (یوم القیامہ ص ۹۶)

اس حدیث میں یہ دو لفظ ھُذِّبُوا وَنُقُوا ذرا تشریح طلب ہیں، ھُذِّبُوا کا مصدر تھذیب ہے، تہذیب کا

معنی یہ ہیں کہ دھنوں کی خراب شاخیں اس لیے چھانٹ دی جائیں تاکہ درخت میں سرسبزی و شادابی

پیدا ہو کر ترقی کی نئی زندگی سکول جائے، اور نفع کا مصدر تنقیہ ہے، تنقیہ کے اصلی معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے اندر سے خراب و فاسد مادہ کو الگ کر دیا جائے، تاکہ وہ پوری طرح نکھر جائے، اس تشریح سے صاف کھل گیا کہ گنہگاروں کو جنت کے داخلہ کے لیے کیا درکار ہے، اسی لیے قرآن پاک میں ہے کہ اہل جنت جب جنت کے قریب پہنچیں گے تو نڈا اُڑے گی،

طِبْتُمْ فَأَدْخَلْنَاهَا خَالِدِينَ (نور - ۵) تم پاک صاف ہو چکے تو جنت میں سدائے جاؤ،

الغرض جب اُس طبیب پاکیزگی کا دورائیکا تو گنہگاروں کو بھی نجات ملیگی، اسی لئے ہر گنہگار کے لیے دوزخ کو نکلنے کی مدت خواہ کتنی ہی طویل ہو، مگر بہر حال اسکی انتہا ہے، فرمایا،

لَا يَبْتَئِنَ فِيهَا أَحَدًا، (نبا - ۱) دوزخ میں وہ صد ہا سال تک پڑے رہے گی،

لیکن بالآخر ان صد ہا سال کا بھی ایک دن خاتمہ ہوگا، اور خدا نے چاہا تو ان کو نجات ملیگی،

حدیث روایاتے دوزخ میں ہے کہ آپ نے دوزخ میں کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جنہوں نے کچھ اچھے اور کچھ برے کام کئے تھے، اُن کا آدھا دھڑ تو نہایت خوبصورت اور آدھا سخت بدصورت تھا، جب انکی سزا کی مدت ختم ہوئی تو فرشتوں نے اُن سے کہا کہ جاؤ اور اُس نہر میں جا کر پڑ جاؤ، سامنے وہ نہر تھی تبہیں خالص سپید پانی بہ رہا تھا وہ اُس میں جا کر پڑ گئے، پھر نکل کر آئے تو انکی وہ بدصورتی جاتی رہی، اور نہایت خوبصورت ہو گئے، اس سے ظاہر ہے کہ خدا کی رحمت کیونکر گنہگاروں کو سرفراز فرمائیگی،

گویا دوزخ بھی ایک نعمت ہے، اس تفصیل کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ قیامت اور دوزخ کی ہولناکیاں، اور سزائیں بھی گنہگاروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی اسی طرح نعمت ہیں جس طرح اس دنیا میں شفا خانوں کا وجود بیماروں کے لیے نعمت ہے، اگر دوزخ نہ ہوتی تو گنہگاروں کی پاکیزگی، اور پاکوں کی جنت میں اُن کے داخل ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، اس رحمان و رحیم کی رحمت و کرم نے گوارا نہ کیا کہ ان بد بختوں کو ان کی نافرمانیوں کے باوجود ہمیشہ کے لیے

لے صحیح بخاری کتاب التعلیہ

مردم رکھا جائے، اس لیے اُن کی صفائی کے لیے پہلے دوزخ کا حتم مقرر کیا، اور جو اس سے بھی پاک نہ ہو سکیں اُن کے لیے دوزخ کی آگ مقرر کی، کہ وہ اپنی ہر قسم کی بد اعمالیوں کے میل کچیل کو جلا کر نکھر کر پاک ہو جائیں، اور کُندن بن کر بالآخر اپنی آبائی اور فطری ورثت (جنت) پائیں، اس نظریہ کو پیش نظر رکھ کر قرآن پاک کی ان آیتوں کو پڑھئے جنہیں قیامت اور دوزخ کی ہولناکیوں اور مصیبتوں کو بھی نعمت سے تعبیر کیا گیا ہے، فرمایا:-

یُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ	تم پر آگ کے صامت اور دھواں ملے شعلے چھوٹیں گے، پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکیگا، تو اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، پھر جب آسمان پھٹ کر ٹپھٹ
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، يُعْرِفُ الْجُورُونَ، بَيْنَهُمْ فَيُقَدِّحُونَ النَّارَ وَابْتِغَاءَ مَوْتٍ، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ، يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ	کی طرح گلابی ہو جائیگا، تو اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، پھر اس دن کسی انس و جن سے اُس کے گناہ کی نسبت پوچھا نہ جائیگا، تو اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، گنہگار اپنی نشانیوں سے پہچان لئے جائیں گے، پھر وہ اپنی پیشانیوں کے بال اور پاؤں سے پکڑے جائیں گے، تو اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو تم جھٹلاؤ گے، یہ وہ دوزخ ہے جسکو گنہگار جھٹلاتے تھے، وہ اس دوزخ اور گرم پانی کے بیچ میں گشت کریں گے، تو تم اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

(رحمان - ۲)

ان آیتوں کی تفسیر کسی پہلو سے بھی کیجئے، یہ بات بہر حال ماننی پڑے گی، کہ قیامت اور دوزخ کے ہولناک احوال مجرموں کے حق میں نعمت ہیں، اس لیے بھی کہ دنیا میں وہ اُن کے ڈر سے برائیوں کو چھوڑ کر راہِ راست پر آتے ہیں اور اسلئے بھی کہ آخرت میں وہ انھیں کے ذریعہ سے اپنے گناہوں کے نتائجِ بد سے بری ہو کر بہشتِ ربانی کے

لائق بن سبکین گے،

دوزخ میں رحمت الہی کا انسان اور وہ بھی اللہ اور رسول کا معترف تھا کہ کسی قدر گمراہ اور گنہگار رہا تاہم اُس کے نامہ اعمال میں کچھ نہ کچھ نیکیاں ضرور ہونگی، قیامت کو اللہ تعالیٰ کے عتاب و جلال کا روز ہوگا، حسین گنہگار

کو اپنی گنہگاری کا ملزم ہونا پڑے گا مگر بالآخر اس رحمان و رحیم کی شانِ جہی کا ظہور ہوگا اور رحمتی مہکتی غصہ بھی (اور میرے غصہ سے میری رحمت بہت نیکی ہے) کے اعلان کا مصداق شفاعت کی صورت میں جلوہ گر ہوگا، اور گنہگاروں کو اُس کی بدولت گناہوں کے داغ سے پاک و صاف کر کے پاکوں کی بہشت میں دھندلہ کی اجازت ملے گی، فرمایا،

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ  
اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے اُس سے

عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ (توبہ: ۱)  
انکی برائیوں کو مٹا دے گا، اور اُس کو جنت میں داخل کرے گا،

وَاٰخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا  
اور دوسرے لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار

صَالِحًا وَاٰخِرُ سَيِّئَاتِهِمْ اَعْسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوبَ  
کیا، اور ملایا ایک کام نیک اور دوسرا بد شاید اللہ

عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (توبہ: ۱۳)  
انکو معاف کرے، بیشک اللہ بخشنے والا رحم والا ہے،

احادیث صحیحہ میں اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل تصریحات مذکور ہیں۔

۱۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شفاعت کے ذریعہ لوگ دوزخ سے چھوٹی لکڑیوں کے

مانڈ نکلیں گے، (صحیح بخاری، کتاب الشفاعۃ)

۲۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ سے کچھ لوگ اسکی مجلس کھاکر

نکلیں گے، اور جنت میں داخل ہونگے، ( )

۳۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت والے جنت میں، اور دوزخ والے

دوزخ میں داخل ہو چکیں گے، تو خدا فرمائے گا کہ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکالو

تو وہ کوئلے ہو کر نکلیں گے، پھر وہ نہر حیات میں ڈال دیئے جائیں گے، تو وہ اس طرح اوگین گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ میں جھگی دانہ اگتا ہے، (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

۴۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے قیامت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا: پھر میں سجدہ میں گر پڑوں گا، اور پڑا رہوں گا، تو آواز آئے گی کہ لے محمد! سر اٹھا، مانگ دیا جائیگا، تو میں سر اٹھاؤں گا، اور اُس سے جو خدا مجھے سکھائیگا، اُس کی حمد کروں گا، اور سفارش کروں گا، تو خدا ایک حد مقرر فرمائے گا، تو میں اُن کو دوزخ سے نکالوں گا، اور جنت میں داخل کروں گا، پھر لوٹ کر آؤں گا، اور سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر وہ کچھ لوگوں کو بخش دیگا، اسی طرح تیسری، پھر چوتھی بار کروں گا، یہاں تک کہ دوزخ میں پھر وہی رہ جائیگا جس کو قرآن نے روک رکھا ہے، (ابن)

۵۔ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد کی شفاعت سے کچھ ایسے لوگ دوزخ سے نکلیں گے، اور جنت میں داخل ہوں گے، جن کا نام جہنم واسے ہوگا، //

۶۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ میری سفارش سے سرفراز ہونے کی خوش قسمتی اُس کو حاصل ہوگی جس نے خلوص قلب سے اللہ کی توحید کا اقرار کیا ہو، //

۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلہ سے فراغت پائیگا اور چاہے گا کہ اُن کو جہنم میں نہ لے کر اُس کی توحید کی گواہی دی تھی دوزخ سے نکالے، تو فرشتوں کو اُن کے نکالنے کا حکم دے گا، فرشتے ان توحید والوں کو اس علامت سے پہچانیں گے کہ اُن کی پیشانیوں میں سجدہ کے نشان ہوں گے، کہ خدا نے آدم کے بیٹے کی پیشانی کے نشان سجدہ کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دیا ہے، تو وہ اُن کو جلائیگی، فرشتے جب اُن کو نکالیں گے تو وہ جلے جلے ہوں گے، پھر اُن پر آبِ حیات چھڑکا جائیگا تو وہ اس طرح اوگین گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ میں جھگی دانہ اگتا ہے، (۱۰)

۸۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنت والے اچھت اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، دیکھو جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوا

دوزخ سے نکالو تو وہ جل کر کوئلہ ہو کر نکلیں گے، پھر وہ نہر حیات میں ڈال دیئے جائیں گے، تو اس طرح وہ اگنی کے  
جس طرح یل آب کے کنارے جنگلی دانہ اگتا ہے، (صحیح بخاری کتاب الایمان)

۹۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ اہل دوزخ جو دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے وہ اُس میں  
نہ مرنے نہ جنم کے لیکن وہ لوگ جنکو دوزخ کی آگ بعض گناہوں کی وجہ سے چھو لگی، تو وہ اُس میں کچھ دیر کے لیے مرنے  
یہاں تک کہ وہ جل جائیں گے، پھر ان کے حق میں شفاعت کی اجازت ہوگی، تو وہ تھوڑے تھوڑے کر کے اُٹھیں گے  
اور جنت کی نہروں میں پسلیں جائیں گے، اور اہل جنت سے کہا جائیگا کہ ان پر پانی بہاؤ تو وہ اس طرح اوگیں گے  
جیسے سیلاب کے بہاؤ میں جنگلی دانے، (۷)

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ سب سے آخر میں جو شخص دوزخ سے نجات پا کر  
نکلے گا، وہ گھسٹا ہوا نکلیگا، اور اُس کو جنت بہری معلوم ہوگی، ..... (۷)

۱۱۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے صحیحین میں روایت ہے کہ خدا فرمایا کہ ملائکہ نے سفارش کی، اور پیغمبروں  
نے سفارش کی، اور اہل ایمان نے سفارش کی، اور اب صرف وہ رہ گیا، جو تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا  
رحم کرنے والا ہے، یعنی خود وہ رحمان و رحیم، تو وہ دوزخ سے مٹھی بھر کر اُن لوگوں کو نکالے گا جنہوں نے کبھی کوئی بھلائی  
نہیں کی، (صحیحین)

۱۲۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حکم ہوگا کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور اُس کے دل  
میں جو برابر بھی نیکی رہی ہو اُس کو دوزخ سے باہر کرو، جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور گھوٹوں کے دانہ کے برابر بھی  
اُس کے دل میں نیکی ہو، اور جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور جوار کے دانہ کے برابر بھی اُس کے دل میں نیکی ہو،  
اُس کو دوزخ سے الگ کرو، (ترمذی، صفۃ النبا، حدیث حسن صحیح)

احادیث کی کتابوں میں ان معنوں کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جنکا استقصا یہاں مقصود نہیں، ان  
تمام حدیثوں میں قرآن پاک کی اس اہم آیت کا جلوہ موجود ہے،



إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا  
دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ

بیشک اللہ اس کو معاف نہ کرے گا کہ اُس کے ساتھ شریک  
جائے اور اس کے سوا جو گناہ ہے وہ اُس کو جس کے

(نساء - ۱۸) لیے چاہیگا معاف کر دیگا،

اس آیت میں تصریح ہے کہ شرک کے علاوہ ہر گناہ کے نتیجہ سے برأت کی جاسکتی ہے، مگر شرک وہ بیماری ہے جسے  
نتائج سے عمدہ برا ہونا ممکن نہیں، اس لیے اُن کے نتائج بد بھگتے بغیر نجات کا تصور بھی خدا کے قانونِ ابدی کے خلاف  
شرک و کفر کی بنیاد نہیں | احکامِ الہی اور شریعتِ ربانی کی کھلی ہوئی دو قسمیں ہیں، ایک کا تعلق دل اور قلب سے ہے  
اور جو بمنزلہ اصل کے ہے، اس کو مذہب کی زبان میں ایمان، فلسفہ کی اصطلاح میں علم اور تصوف کی بولی میں  
عرفان کہتے ہیں، اور دوسری قسم وہ ہے جو اس عقیدہ اول کی فرع اور نتیجہ ہے، اور جس کا تعلق اعضا اور جوارح سے  
ہے اس کو ہم مختصر اعمال اور تفصیلاً عبادات و معاملات اور اخلاق کہتے ہیں، شرک و کفر کے گناہ کا تعلق قسم  
اول سے اور دوسرے گناہوں کا تعلق قسم دوم سے ہے، دونوں میں ایمان و علم و عرفان کی اگر ایک کرن بھی ہو تو  
اس غلط فہمی کی روشنی کی امید کسی طرح کی جاسکتی ہے، مگر جس کا شانہ دل میں اس نور کا ایک ذرہ بھی نہ ہو اس کی روشنی  
سے ہمیشہ کے لیے ناامیدی ہے، اسی لئے ایمان کے بغیر اعمال بھی کالعدم ہو جاتے ہیں، اور جہانِ ایمان کچھ بھی موجود  
ہے، اعمالِ خیر کا کچھ نہ کچھ وجود ضروری ہے، البتہ اعمالِ شرک کا بھی ساتھ ساتھ وجود ہے، جسکی دوزخ کے عذاب اور جہنم  
انہی سے تلافی ہو کر نجات مل سکتی ہے، ایمان و علم و عرفان جسکی حقیقت "بالغیب یقین" ہے، اس کا حصول موت  
کے بعد جب حقائق خود بخود ہمارے سامنے آتے جاتے ہیں، ہماری سعادت کا نتیجہ نہیں، بلکہ خود اُن حقائق کے  
ظہور کا نتیجہ ہوگا، اس بنا پر شرک و کفر کے گناہ کی مغفرت کی امید قانونِ الہی میں ناممکن ہے، البتہ عمل کی کمی کی تلافی  
جو دوسری قسم کا گناہ ہے، خدا کی رحمت سے بعید نہیں ہو،

سمجھنے کے لیے ان دونوں کی کھلی ہوئی مثال یہ ہے کہ دنیا میں تعلیمی تحسان کے لیے ۲۳ نمبر کم از کم  
فرض کیا گیا ہے اب اگر کسی کا پرچہ بالکل سادہ اور اس لئے اس کا نمبر صفر محض ہے تو رحمِ دل سے محنت

کے لیے بھی یہ نامکن ہے کہ اس کو ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی کامیاب کر سکے، لیکن جس نے کچھ جوابات لکھے ہیں اور کچھ چھوڑ دیئے ہیں، اور کچھ غلط لکھے ہیں، تو اگر وہ ۲۹ و ۳۰ کے قریب بھی پہنچ گیا ہے تو رحمدل متحن ۳۳ تک اس کو پہنچا کر ادنیٰ درجہ میں کامیاب بنا سکتا ہے،

الغرض ایمان و علم و عرفان کے مجرم چمکانا مشرک و کافر ہے، اپنے ناقابل تلافی نتیجہ کے بھگتے بغیر عذاب دوزخ سے رہائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ انکی دنیاوی زندگی کا عوفانی فقہان رحمت الہی کو اپنی طرف جذب کرنے کی قدرت ہی بفضل نہیں رکھتا، مگر کیا شرک و کفر کے گنگھاروں کے لیے شرک و کفر کے دورہ عذاب کے طے کر لینے کے بعد بھی رہائی کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب آئندہ سطروں میں ملیگا،

کیا دوزخ کی انتہا ہے؟ | دوزخ جو عقاب الہی کا گھر ہے، کیا ہمیشہ آباد رہیگا؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت عمومی کے قانون کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہے، اللہ تعالیٰ کی مقررہ مدت دراز کے بعد ایک دن ایسا کجا ب جہنم کی آگ

۱۔ ابتدائی اسلامی فرقوں میں جہنم کی ابدیت اور غیر ابدیت پر بہت سے مناظرے ہو چکے ہیں، جنکی تفصیل مل دخل کی کتابوں میں موجود ہے، ایک دو کو چھوڑ کر اس پر قوسہ شہدہ قطعیات کیساتھ سب کا اتفاق ہو کر جنت کا وجود دائمی اور ابدی ہو، لیکن جہنم کے دوام اور ابدیت میں کوئی اختلاف ہو، عام اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جہنم اور جنت دونوں کا وجود دائمی ہے، گنگھار مومن اپنے گناہ کے بقدر عذاب ٹھاکر یا خلد کی رحمت سے متنا ہو کر بالآخر جنت میں داخل کئے جائینگے، لیکن شرک کا فرسے گناہ کسی معاف نہ ہونگے، اور وہ ہمیشہ دوزخ میں جلیں گے، فقہاء اور محدثین کا ایک گروہ جو مرجعہ کہلاتا ہے اس بات کا قائل ہے کہ جو مومن ہوگا وہ گنگھار بھی ہوگا تو بھی دوزخ میں نہ جائیگا، بلکہ معافی سے سرفراز ہو کر شریع ہی سے جنت میں داخل ہوگا، اس کے برخلاف خوارج اور معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مومن بھی اگر گناہ کبیر کا مرتکب ہوگا تو وہ بھی کفار کی طرح ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیگا، اور بھی اس بارہ میں لوگوں کی مختلف رائیں میں اسے شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ہا،

اہلسنت کے بعض محققین نے بیچ کا مسلک اختیار کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ حافظ ابن قیم اور صاحب علم الشیخ فی ایشار الخ علی الاباء والشیخ نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ جب گنگھار اپنے اپنے گناہوں کے بقدر عذاب پاچکیں گے تو جہنم فاکر و بیجا نیگی، اور جنت کو بقائے دوم بخشا جائیگا، حافظ ابن قیم نے اپنی دو کتابوں شفا، لعل اور حاوی الارواح میں دونوں مطلقہ ہیں، حاوی الارواح اعلام الموقعین کیساتھ چھپی ہے، انت ران اور احادیث وراثہ اور عقل کی پیشیں میں سے اپنے مسلک کو مبرہن کیا ہے، دو کچھونفا لعلیل از ص ۲۵۷ تا ۲۶۰

حمید مہر اور حاوی الارواح از ص ۱۳۵ تا ۱۳۸ مطبوعہ جدیدہ مصر صوفیہ میں شیخ محمد الدین ابن عربی اور انکے متبعین یہ فرماتے ہیں کہ کافر و مشرک جن پر خلود ناز کا حکم ہو، وہ بالآخر دوزخ میں رہتے رہتے ایسے ہو جائینگے کہ انکو کسی دوزخ میں راحت اور لذت معلوم ہونے لگیگی، جیسے بعض کڑے غلاظتوں ہی کو پسند کرتے ہیں اور ان میں لطف اٹھاتے ہیں، میں نے اس باب کو بہت دڑے دڑتے لکھا ہو کہ اس میں اجال الہی کی تصریح کا جرم عائد ہوتا ہو

رحمت الہی کے پھینکوں سے بالآخر سرد ہو جائیگی، حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت میری رحمت اور دوزخ میرا عذاب ہے؛ اسی کے ساتھ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کا فیصلہ کیا، اسی وقت اُس نے اپنے عرش کے اوپر یہ لکھ دیا کہ

رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي  
میری رحمت میرے غضب سے سبقت لگئی ہے،

پھر اگر دوزخ جو اُس کے غضب کا منظر ہے اسکی جنت ہی کی طرح دائمی وابدی ہو تو اُسکا غضب اُس کی رحمت پر سبقت لیے جاتا ہے یا برابر ہوا جاتا ہے، اور اس کا تخیل بھی اُس رحمان ورحیم کی نسبت نہیں ہو سکتا، اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سوحصوں میں سے صرف ایک حصہ دنیا میں اتارا اور ننانوے حصے قیامت کے دن کے لیے رکھے ہیں، اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ ایک دن آئیںگا جب اُس کے غضب پر اسکی رحمت غالب لگے گی، اور اسکی رحمت کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا، اور یہ وہ دن ہوگا جب گنہگار اپنے گناہوں کی ناپاکیوں اور بنجاستوں سے اپنے اپنے مقررہ وقت پر پاک ہو کر اسکی رحمت کی سرفرازی کے قابل بنیں گے۔ اسلام کے رو سے سب سے بڑے مجرم مشرک کافر ہیں اور جو اُس وقت تک نجات نہ پاسکیں گے جب تک دوزخ کے تنور میں ایک گرم کوئلہ بھی باقی ہے، تاہم اُن کے عذاب کی مدت کی نسبت بھی قرآن میں حسب ذیل تین تصریحات ہیں،

۱۔ لَا يَشِينُ فِيهَا آخِظًا (متابہ) وہ دوزخ میں صد ہزار سال ٹھہرے گی،

صد ہزار سال کی مدت کسی قدر بڑی ہو، پھر بھی اُن کا خاتمہ ہے، دوسری آیت جو صریحاً کفار و مشرکین کے حق میں ہے، یہ ہے،

(حانیہ ص ۲۰) اگر یہ اختیار کر دہ پہلو حق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، اور توبہ کی توفیق بخشے، اور اپنی ملاکار و ازہ مجھ پر کھولے۔  
۱۔ صحیح بخاری باب رحمۃ اللہ جلد دوم ص ۱۱۱ و صحیح مسلم، ۲۔ صحیح بخاری، باب ولقد سبقت کلماتنا لعبادنا المرسلین جلد دوم ص ۱۱۱ و صحیح مسلم باب سعة رحمة اللہ ص ۱۱۱ صحیح مسلم باب سعة رحمة اللہ،

۲۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اِلَّا مَا شَاءَ دوزخ ہو تھارا ٹھکانا، میں تم سے رہنے والے ہوں لیکن

اللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اِلَّا مَا شَاءَ (العامہ-۱۵) یہ کہ اللہ جو چاہے، بیشک تیرا رب حکیم و عظیم ہے،

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک و کفر کی سزا تو اصل میں قافوناً ہی ہے کہ دوزخ میں دائمی سزا دی جاتی رہے، مگر اس کی رحمت کا اقتضا کچھ اور ہے، لیکن وہ حکم و عظیم ہے، اس لیے وہ اپنا ہر کام اپنی حکمت و مصلحت اور علم کے مطابق کرتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ کس کے حق میں کیا کرنا چاہیے، اور کب کرنا چاہیے، تیسری آیت میں ہے:-

۳۔ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک آسمان زمین قائم

وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ تَعَالٰی ہیں، لیکن یہ کہ جو تیرا رب چاہے، بیشک تیرا رب

يُّبَيِّدُ، (ہود-۹) جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے،

دوسری اور تیسری دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں اپنی مشیت کو عذاب کی انتہا بتایا ہے، اور ان دونوں میں اپنے کو ”رب“ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، جس سے اشارہ نکلتا ہے کہ اسکی مشیت سے بالآخر اس عذاب کا ختم ہو جانا، اسکی ربوبیت کا اقتضا ہے،

قرآن پاک میں کوئی ایسی صاف صریح آیت موجود نہیں ہے، جس سے دوزخ کی بقائے دوام، عدم انتہا، اور تسلسل وجود پر تصریح استدلال کیا جاسکے، حالانکہ اس کے برخلاف بہشت کی ہمیشگی و بقا اور عدم انقطاع و عدم فنا کی بیسیوں آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں، چنانچہ ان دونوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس اوپر والی آیت کو ہم تمام و کمال یہاں نقل کرتے ہیں، فرمایا،

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فِی النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِرٌ تو لیکن جو بدبخت ہوئے وہ دوزخ میں ہونگے، اس میں

وَشَهِيْرٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ ان کو گدھوں کی طرح چلانا اور رہنا ہے، جب تک

وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ آسمان اور زمین ہیں وہ اس دوزخ میں رہینگے

فَقَالَ لِمَا يُرِيدُ، وَمَا الَّذِي سَعِدُوا  
مَكَرَ جَوْ چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب جو چاہے کر دینا  
فِي الْجَنَّةِ خُلْدٍ مِّنْ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ  
ہے اور لیکن وہ جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت میں  
وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ط عَطَاءٌ غَيْرُ  
ہونگے ہمیشہ اُس میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین  
تَجَدُّوْا (۵۴-۹)

دیکھو کہ اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کے لیے خلود دوام فرمایا، پھر ان دونوں میں اس کے بعد اپنی مشیت سے استثناء فرمایا، مگر اہل دوزخ کے دوام کے ذکر میں فرمایا کہ مگر جو چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب جو چاہے کر دالتا ہو اس سے معلوم ہوا کہ وہ چاہے تو دوزخ کے عذاب کو ختم کرے، اور چاہے تو قائم رکھے، لیکن اہل جنت کے دوام کے ذکر میں تبصریح فرمایا، مگر جو چاہے تیرا رب، یہ غیر منقطع بخش ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ اہل جنت کے حق میں اسکی مشیت ہی ہوگی کہ وہ بے انقطاع اور غیر منتہی دوام و تسلسل کیساتھ ہمیشہ قائم و باقی رہے، اس آیت کی تفسیر میں متعدد ائمہ سلف مثلاً ابن زید اور شعبی وغیرہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارہ میں تو اپنی مشیت ظاہر فرمادی کہ وہ مسلسل اور غیر منقطع ہے، لیکن اہل دوزخ کی نسبت اپنی مشیت کو کسی مصلحت سے مخفی رکھا ہے،

ایک اور مقام پر خاص طور پر کفار و مشرکین کا نام لیکر اس طرح فرمایا گیا ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ  
بیشک اہل کتاب اور مشرکوں میں سے جنہوں نے  
فِي نَارٍ جَعَلْتُمْ خُلْدَ بَيْنَ فِيْهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ  
کفر کیا وہ جہنم کی آگ میں (خالد) پڑے رہیں، یہ بدترین  
الْبَرِيَّةِ، إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
لوگ ہیں بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے  
أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ط جَزَاءُ مِّمَّ  
بہترین لوگ ہیں، ان کی جزا ان کے پروردگار  
عِنْدَ مَا يَهْمُ جَنَّتِ عَذَابٍ تَجْرِي مِنْ  
کے نزدیک بننے کے باغ ہیں، جن میں نہ زمین  
تَحْتِهَا إِلَّا نَارٌ خُلْدٍ فِيْهَا أَبَدًا (۵۵-۹)

نور سے دیکھو کہ اس میں اہل دوزخ کے مقابلہ میں اہل جنت کے دوام میں کتنی تاکید پر تاکید ہے، پہلے

یہ تفسیر فرمادی  
وہ تفسیر ہوئی انہیں  
آیات اور روایات  
وہ ان کا نام لکھا ہے

”عدن“ فرمایا جس کے معنی قیام اور بسنے کے ہیں، پھر خالدین کہا کہ وہ اس میں رہا کریں گے بعد ازین ”ابد“ فرمایا کہ وہ جنت میں ابدی طور سے قیام کریں گے،

اسی طرح ایک اور سورہ میں ہے،

وَيُدْخِلُهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
أَنْهَارٌ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ  
الْعَظِيمُ، وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا  
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا  
بِئْسَ الْمَصِيرُ، (تغابن - ۱)

اور اُس کو ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے  
سے نہریں بہتی ہوں گی جنہیں وہ ہمیشہ رہا کریں گے،  
اور وہی بڑی کامیابی ہے، اور جنہوں نے انکار  
کیا اور ہماری باتوں کو جھٹلایا، وہی دوزخ والے  
ہیں، وہ ہیں رہا کریں گے، اور وہ بری جگہ ہے۔

دیکھو کہ تقابل دونوں میں خالدین (رہا کریں گے) اور خالدین فیما ابد (ہمیشہ رہا کریں گے) کا فرق کتنا نمایاں  
ہے یہ کیا گیا ہے کہ کفار کے عذاب میں مدت کی تعیین سے سرے سے خاموشی برتی گئی ہے، اور جنت میں خلود  
کی تصریح فرمادی گئی ہے، مثلاً

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا  
الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ  
بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا  
كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ، وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ  
وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا  
خَالِدُونَ، (الاعمران - ۱۱)

جس دن کچھ منہ سپید ہوں گے اور کچھ سیاہ، تو جو  
سیاہ ہوئے، تو کیا ایمان کے بعد کافر ہو گئے تھے،  
تو اپنے کفر کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو، اور  
جسکے منہ سپید ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے،  
اور اس رحمت میں سدا رہیں گے،

آیت بالا میں عذاب کے ذکر میں مدت کی تصریح سے سراسر خاموشی ہے، اور رحمت کے ذکر میں خلود  
کی تصریح تمام ہے،

انہیں آیتوں کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام سے روایتیں ہیں کہ ایک دن ایسا آئیکا جب دوزخ کے میدان میں ہوگا عالم ہوگا اور کوئی ایک متنفس بھی وہاں نظر نہیں آئیگا، چنانچہ:-

۱۔ طبرانی میں حضرت ابوامامہ صحابی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئیکا جب وہ خزان رسیدہ پتے کے مانند ہو جائیگا، اور اُس کے دروازے کھل جائیں گے؛

۲۔ حضرت جابر یاسی اور صحابی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئیکا جہنم اُس کے دروازے کھل جائیں گے، اور اُس میں کوئی نہ ہوگا؛

۳۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ میں جو کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئیکا جب اُس میں کوئی نہ ہوگا؛

۴۔ تفسیر عبد بن حمید میں حضرت عمرؓ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر اہل دوزخ ریگستان عالج کے ذرات کے بقدر شمار بھی دوزخ میں رہیں، پھر بھی ایک دن ایسا آئیکا جب وہ اُس سے نکلیں گے۔

۵۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئیکا کہ اُس کے خالی دروازے بھر جائیں گے اور اُس میں کوئی نہ ہوگا، اور یہ اُس وقت ہوگا جب لوگ اُس میں صد ہزار سال (احتساب) کی مدت پوری کر لینگے؛

۶۔ عبد الرزاق، ابن منذر، طبرانی، ابویہی کی کتاب الاسماء والصفات میں ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ

صحابی، یا ابوسید خدری صحابی یا کسی اور صحابی نے یہ فرمایا کہ اَلَا مَا شَاءَ رَبُّكَ کا استثناء پورے قرآن پر حاوی ہے، یعنی جہاں قرآن میں خَالِدِیْنَ قِیْہَا (سدا میں رہینگے) ہے وہاں یہ مشیت الہی کا استثناء قائم ہے؛

۷۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ دوزخ پر ایک زمانہ آئیکا جب اُس کے خالی دروازے کھل جائیں گے؛

دفعہ ششم | قرآن پاک میں ایسی بھی چند آیتیں ہیں جن سے لوگوں کو دوزخ کے دوام کا خیال ہوا ہے، مثلاً وہ آیتیں:

۱۔ حافظ ابن قیم نے شفاء العیال (صفحہ ۲۵) میں ان روایات کو غیر مطبوعہ کتب تفسیر و حدیث سے نقل کیا ہے، انہیں سے بعض ابن جریر طبری میں بھی آیات مذکور کی تفسیر میں خصوصاً تفسیر سورہ ہود جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۷ میں مذکور ہیں اور حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی تفسیر در المنثور تفسیر سورہ ہود جلد ثالث صفحہ ۲۵ میں زیر آیت مذکورہ ہوا ذکر کیا ہے، اور کتاب الاسماء والصفات بہیقی میں چوتھی روایت ص ۱۲۳ مطبوعہ دارالادب

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكَافِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ  
۱۔ بیشک خدا نے کافروں پر لعنت کی، اور ان کیلئے دُ

سَعِيْرًا خَالِدًا فِيْهَا اَبَدًا (احزاب ۸۰)  
اگ تہا کی جہنم، وہ ہمیشہ پڑے رہیں،

۲۔ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهُ نَارًا  
۲۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو اُس کے

جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا اَبَدًا (رجب ۲)  
یہ جہنم کی وہ آگ جہنم ہمیشہ پڑے رہیں،

۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ  
۳۔ بیشک جنہوں نے کفر کیا، اور حد سے آگے بڑھے،

لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا يَهْدِيْهُمْ طَرِيْقًا اَسْوَا  
نہیں ہے کہ اللہ ان کو بخشنے اور نہ یہ کہ ان کو راہ دکھائے

طَرِيْقٍ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا اَبَدًا (نساء ۴۴)  
لیکن جہنم کی راہ جہنم ہمیشہ پڑے رہیں،

ان تینوں آیتوں میں خلدین فیہا ابداً (دورخ میں ہمیشہ رہیں گے) کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ  
جنکے حق میں یہ تین آئی ہیں، وہ اُس وقت تک دورخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک حسب مشیت الہی دورخ  
کے خاتمہ کا دور نہیں آئے گا،

بانی چند آیتوں میں ابداً (ہمیشہ) کے بغیر صرف خالداً ہے جیسے

هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ، وہ اُنہیں "خالداً" رہیں گے،

یا ایک جگہ ہے،

وَذُوْقُوْا عَذَابًا لَّدُنَّا لَمَّا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (سجۃ ۲۵)  
اور غلوؤ کے عذاب کا مزہ چکھو،

تو یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہئے کہ غلوؤ کے ذمہ دہی میں ایک حقیقی دوام، اور دوسرے مقام طویل ان  
دو میں سے کسی ایک معنی کی تخصیص تقرر ہوگی، اسی دوسرے معنی کے اعتبار سے عربی اشعار میں پہاڑوں،  
اور بدویانہ چوٹوں کے پھروں کے لیے خوالد، اور خالداً کے لفظ صنعت میں آتے ہیں، کیونکہ وہ تادیر  
اور زمانہ دراز تک باقی رہنے والے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تنہا "خالداً" کا لفظ ابدیت کے مفہوم میں صریح  
نہیں جیسا کہ اس کے ساتھ کوئی اور قرینہ قائم نہ ہو، جو دوام کے معنی کی تخصیص کرے، جیسا کہ یہ قرینہ ان آیتوں میں



ہے جہان اہل جنت کو خلدین کہا گیا ہے کہ تقریباً بیس آیتوں میں اس خلود کے معنی دوام اور عدم انقطاع کے بتائے گئے ہیں اس لیے جنت کے سلسلہ میں جہان صرف خلدین بھی ہے، وہاں ہمیشگی اور دوام ہی کے معنی لیے جائینگے، برخلاف اس کے جہان دونخ کے ساتھ خلدین کا لفظ ہے وہاں دوام کے مفہوم کیلئے کوئی قرینہ موجود نہیں اس لیے دونخ والی آیتوں میں خلود سے مقصود یہ ہے کہ گنہگار زمانہ دراز تک دوزخ میں رہینگے، غالباً یہی وجہ ہو کہ گنہگار اہل ایمان کی سزا میں بھی خلدین کے ساتھ ابد استعمال نہیں کیا گیا ہے، گنہگار اہل ایمان میں سب سے بڑی دھمکی اس کو دی گئی ہے جس نے کسی مسلمان کا خون بے سبب بہایا ہو، مگر اس کے سامنے بھی خلدین کے ساتھ ابد استعمال نہیں کیا گیا، فرمایا:-

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَدًّا فَجَزَاءُ جَهَنَّمَ  
اور جو کوئی کسی با ایمان کو قصداً قتل کرے گا تو سزا کا بدلہ

خَالِدًا فِيهَا، (نساء-۱۳) دونخ ہی جہنم وہ خالداً یعنی مدت دراز تک پڑا رہیگا

یہی سبب ہے کہ معززلہ اور خوارج کے سوا تمام اہل اسلام اس بیگناہ مسلمان مقتول کے قاتل کی بالآخر بخشائش کے قائل ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان آیتوں میں "خلود" سے مراد ہمیشگی نہیں ہے، بلکہ زمانہ دراز ہے، کہ اہل توحید کی بالآخر نجات قرآن وحدیث کی متفقہ تعلیم ہے، اور اس لئے مومن کے لیے اس کے کسی جرم کی سزا میں ہمیشگی کا مفہوم داخل ہی نہیں ہو سکتا، بنا بریں ان آیتوں میں خلود کے معنی منطقی دوام کے نہیں بلکہ عرفی دوام کے ہیں، یعنی مدت دراز کے، ہم عام طور سے مجرم کے لیے "جس دوام" کی قانونی اصطلاح بولتے ہیں جس سے مراد کبھی بد ثابت کیا قیامت تک کا زمانہ بھی نہیں ہو سکتا، بلکہ عمر بھر بھی نہیں بلکہ صرف اس سے قانونی قید کی دراز ترین مدت مراد ہے، جس کا قانونی اندازہ بیس سال کیا گیا ہے، کتنے مجرم ہیں جو اس مدت کو کال کر آزادی حاصل کرتے ہیں، اور ایسے بھی ہیں، جو کسی شاہی عفو عام کے سلسلہ میں قبل از مدت رہائی پا جاتے ہیں۔

دو چار آیتیں ایسی بھی ہیں جن میں مذکور ہے کہ یہ گنہگار دونخ سے الگ نہ ہوئے گا، چنانچہ وہ آیتیں حسب ذیل ہیں

۱۔ بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں، وہ انصاف کے سہیل

داخل ہونگے، اور وہ اس سے چھپے نہیں رہ سکتے۔

۲۔ اور کہیں گے کہ کاش ہم کو دوبارہ دنیا کی

زندگی ملتی تو ہم اپنے پیشواؤں سے ہی الگ

ہو جاتے جیسے وہ ہم سے یہاں الگ ہو گئے،

اللہ ان کے کاموں کو ایسے ہی حسرتیں بنا کر انکو

دکھائیگا، اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں،

۳۔ بیشک جنہوں نے کفر کیا، اگر ان کی ملکیت میں

کل روئے زمین ہو، اور اتنا ہی اور ہو تاکہ اسکو

فدیہ دیکر قیامت کے عذاب سے رہائی پائیں

تو وہ ان کی طرف سے قبول نہ ہوا، اور ان کیلئے

دردناک عذاب ہے، وہ چاہیں گے کہ دوزخ سے

نکل جائیں لیکن وہ اس سے نکلنے والے نہیں

اور ان کے لیے قائم عذاب ہی،

۴۔ وہ جب چاہیں کہ اس دوزخ سے غم کو جیسے

نکل پڑیں، وہ اس میں ٹوٹنے جائیں گے اور

دکھا جائیگا کہ (چلنے کی سزا) پھو،

۵۔ اور لیکن جنہوں نے تافرنائی کی، تو ان کا ٹھکانا

دوزخ ہے، جب وہ چاہیں گے کہ وہ اس سے

۱۔ اِنَّ الْفٰرِقَیْ حَیْمَہٗ یَصْلُوْنَہَا یَوْمَ

الدِّیْنِ، وَمَا هُمْ عَنْہَا بِغَآئِبِیْنَ، (انفط)

۲۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا اَلَا اَنَّ لَنَا کَرۡثًا

فَنَتَّبِرُ اَمِنْہُمْ کَمَا تَبَرَّعُوْا مِنَّا کَذٰلِکَ

یُرِیْہُمُ اللّٰہُ اَعْمَآکَہُمْ حَسَلَتْ عَلَیْہِمْ

وَمَا هُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنَ النَّارِ

(نفر ۲۰)

۳۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَلَا اَنَّ لَہُمْ مَا فِی

اَلْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَ مَا فِی السَّمَآءِ

یَمِیْنٍ مِنْ عَذَابٍ یَوْمَ الْقِیَمَۃِ مَا تُقْبَلُ مِنْہُمْ

وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ، یُرِیْدُوْنَ اَنْ

یَخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِیْنَ

مِنْہَا وَلَہُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ،

(مائدا ۶۰)

۴۔ کُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ یَخْرُجُوْا مِنْہَا مِنْ

غَمٍّ اَعِیْدُوْا فِیْہَا وَّذُوْا عَذَابَ

الْحَرِیْقِ، (رج ۲)

۵۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَا وَلَہُمُ النَّارُ

کُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ یَخْرُجُوْا مِنْہَا اَعِیْدُوْا

فَتَجَاوَزَ قِيلَ لَهُمْ ذُقُوا عَذَابَ النَّارِ نخل جائیں، اس میں لوٹا دیئے جائینگے اور کہا جائیگا کہ رو  
الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ، (سجدا ۲۰) کی اس مار کا اثر چھو جبکہ تم جھٹلاتے تھے،

یہ وہ پانچ آیتیں ہیں، جسے بعضوں کو عذاب دوزخ کے دوام اور غیر منقطع بقا کا خیال پیدا ہوا ہے، مگر ان  
میں سے ایک ایک آیت پر غور کرو تو ان کے خیال کی غلطی فوراً معلوم ہو جائیگی، پہلی آیت کا تفسیر اسی قدر ہے کہ  
کوئی گنہگار اگر یہ سمجھے کہ وہ کسی جگہ چھپ کر دوزخ کے عذاب سے بچ جائیگا، تو یہ محال ہے، کہ خدا سے چھپ کر بچ جانا کسی طرح  
ممکن نہیں، دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوزخی کیسے کہ ہم کو دوزخ سے نکل کر دوبارہ دنیا میں جانے دیا جائے  
تو انکی ہم نگی کے کام کرینگے، اس کے جواب میں کہا جائیگا کہ اب یہاں سے نکل کر دنیا میں دوبارہ جانا نہیں  
تیسری آیت میں ہے کہ پورے روئے زمین کی دولت و بجز بھی آخرت میں نجات خریدی نہیں جاسکتی، اور نہ  
وہاں سے کوئی نکل کر بھاگ سکتا ہے، چوتھی اور پانچویں آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی دوزخی دوزخ کے  
عذاب سے گھبرا کر اس سے نکل بھاگنا چاہیگا تو وہ پکار پکار کر پھر اسی میں ڈال دیا جائے گا، ان آیتوں سے صرف اتنا معلوم  
ہو کہ گنہگار از خود دوزخ سے نکل نہ سکیں گے، اور نہ مدت عذاب کے اندر وہ خلاصی پاسکتے ہیں، مگر اس حدیث  
کے حکم و اجازت سے بالآخر اس سے نجات پانے کی نفی نہیں نکلتی، اور نہ اس کی کہ بقدر گناہ عذاب کی مدت  
بمقرر کرنے کے بعد بھی نجات نہیں مل سکتی، اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہشت کی طرح دوزخ کو بھی غیر متناہی  
دوام نہ تھا گیا ہے،

یہی وہ آیتیں ہیں جسے گنہگاروں کے لیے دوام عذاب کا مفہوم نکالا جاسکتا ہے، مگر ایک ایک آیت کو  
غور سے پڑھو کہ ان میں سے کسی میں بھی دوزخ کے دوام بقا اور عدم فنا یا اس کے عذاب کے عدم انتہا کی تصریح  
ہے؟ حالانکہ اس کے بالمقابل جنت کی بقائے دوام اور عدم انقطاع کی تصریح بار بار اور بتکرار ہے،

ایک اور نکتہ لحاظ کے قابل ہے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خدا نے گنہگاروں کو عذاب دوزخ کی ابدیت اور  
دوام کی دھکی دی ہے، تاہم اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے کہ نیکی کا بدلہ نہ دنیا یقیناً برائی ہے جس سے

اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کا دامن تماشہ پاک ہے کہ اِنَّكَ لَا تَخْلُقُ الْمَيِّتَ اِلَّا عَمَلًا ۚ تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اِنَّهٗ كَانَ وَ  
مَكْتَبًا (مربعہ) اُس کا وعدہ جنت پورا ہی ہوگا، لیکن اگر برائی کا بدلہ حسب ہتدیدہ سابق برائی کے ساتھ نہ دیا جائے، تو یہ  
حقیقت میں خلاف عدل کی نہیں، جو قابلِ ملامت ہو، بلکہ اس کا نام مغفرت، کرم، عطا، اور عفو ہے جس کا اہل اس  
رحمان و رحیم اور عفو و غفور سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں، اس لیے گنہگاروں کے ساتھ جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے، اپنی  
حکمت و مصلحت کی بنا پر وہ جو چاہے کر سکتا ہے، چنانچہ مسند ابوالعلیٰ میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے  
فرمایا کہ خدا نے کسی نیک کام پر جس ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ اُس کو ضرور ہی پورا کر دیا، لیکن جس کسی کو اُس کے کسی  
کام پر عذاب کی دھمکی دی ہے تو اُس کو اختیار حاصل ہے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر بالآخر گناہوں کی مغفرت اور خدا کی رحمت میں یہ وسعت اور عموم ہے کہ بڑے سے  
بڑے گنہگار بھی دوزخ کی آگ میں جل کر بالآخر پاک و صاف اور جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں گے  
تو اشارتِ کنایات کے بجائے اُن کی معافی کی صریح تصریح کیوں نہیں کر دی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ  
اگر ایسا کیا جاتا تو یہ اُن مجرموں اور گنہگاروں کے حق میں اچھا نہ ہوتا، کہ اس سے ان کے نادم و تائب ہونے  
کے بجائے ان میں اور خود سری، گستاخی اور شوخی پیدا ہوتی، اور ان میں آئندہ کے نتائجِ بد سے نڈر پن اور بخوشی  
آجائی، اور یہ تنبیہ و اصلاح و تدارک کی مصلحتوں کے سراسر منافی ہوتا، اس لیے انکی قانونی سزا، تو دائمی عتاب و  
فرمانی اور بالآخر انکی نجات کو اپنی مشیت اور علم و مصلحت کے سپرد فرما کر، اُن کو ایک گونہ اپنے سے نا امید بھی نہیں  
ہونے دیا، اور امیدِ ہم کی حالت میں رکھ کر اپنے سامنے جھکنے اور توبت کرنے کا جذبہ بھی پیدا کر دیا، اور یہ اس باب  
میں وہ عظیم الشان اصلاح ہے جس کو ایک طرف عیسائیوں نے کفارہ کی اور دوسری طرف ہندوؤں نے  
کرم کی تعلیم و پیر غارت کر دیا تھا،

عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہو کر جی اٹھنے پر ایمان لانے سے تمام گناہ دفعہ معاف

ہو جاتے ہیں اس تعلیم نے اعمال کو غیر ضروری چیز ٹھہرا دیا تھا، ان کے برخلاف ہندو مذاہب نے خدا کو اتنا بے اختیار ٹھہرایا کہ اعمال بد کے نتائج جنکو کرم کہتے ہیں، خدا چاہے بھی تو وہ کبھی معاف نہیں ہو سکتے، لیکن اسلام نے اگر تڑپ کے ان دونوں پتوں کو برابر کر دیا، ایک طرف فرمایا کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ، ہر نفس اپنے عمل کے ہاتھ میں گروہ ہے، (مدثر - ۲) اور دوسری طرف فرمایا لَنْ يَنْفَعَكَ يَسْئَلُكَ وَعُذَّتْ بِكَ يَسْئَلُكَ خدا جس کو چاہے بخش دے اور جسکو چاہے عذاب دے (مائدہ - ۳) یعنی قانوناً ہر انسان اپنے عمل کے نتائج کا یقیناً پابند ہے مگر خدا کی قدرت اور رحمت اس قانون کے باوجود جو چاہے کر سکتی ہے، جس طرح اس دنیا کا حال ہے کہ گونہ کے بے ہوئے قانون یہاں جاری ہیں، جنکو آپ قانونِ فطرت کہتے ہیں، مگر یا اینہم اس کا حکم اور اسکی خواہش اور صلیحت ان پر بھی حاکم ہے، اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اس تعلیم نے ایک طرف اعمال کو غیر ضروری ہونے سے بچایا، اور دوسری طرف خدا کی قدرتِ تام اور رحمتِ عام کا دروازہ بھی کھلا رکھا،

عذابِ طویل کا سبب بعض کم فہم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انسان کا گناہ جو ایک لمحہ کا کام ہے، اُس کا عقاب اتنا طویل کیوں رکھا گیا، اسی طرح سال دو سال یا عمر بھر کے گناہ کی سزا صد ہا اور ہزار ہا سال کے عقاب سے دینا مناسب نہیں، حالانکہ یہ لوگ اگر دنیاوی ہی واقعات پر غور کرتے تو وہ ان کی تسکین کے لیے کافی ہوتے دنیا کا ہر بڑے سے بڑا قانونی گناہ ایک لمحہ میں انجام پا جاتا ہے، چوری کرتے، غلّ خلافِ فطرت کرتے یا کسی کو قتل کرتے کتنی دیر لگتی ہے؟ مگر اُس کے معاوضہ میں سب اہم سال کی قید ہم خود اپنی انسانی عدالت گاہوں میں تجویز کرتے ہیں، اور اس کو خلافِ عقل نہیں کہتے،

دوسری صحیح تر مثال یہ ہے کہ انسان کو دیکھو کہ ذرا سی جسمانی بد پرہیزی، اور اصولوںِ محبت کی معمولی سی غلطی کے پاداش میں وہ کبھی ہفتوں، مہینوں، بلکہ سالہا سال بیمار رہتا ہوا اور ایک مدتِ دراز میں جا کر کہیں اُن چند خون کی غلطی کی تلافی کر پاتا ہے اور کبھی اس معمولی غلطی کے بدولت عمر بھر اُس کے روگ میں مبتلا رہتا ہے، اور آخر میں جانِ پیدیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ اور اسکی تلافی کی مدت میں کیسانی نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ غلطی کی مدت کے مقابلہ میں

اسکی تدانی کی مدت صد ہا اور ہزار ہا گنا زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ طبیعت پر جو اثر پڑ جاتا ہے، اسکی تدانی کی مدت غلطی کی نوعیت طبیعت کی صلاحیت، اور خلاق عالم کی مصلحت کی بنا پر مختلف ہوتی ہے، اسی لیے عقاب طویل سے رہائی یا شفا یابی کی مدت بھی ہر گنہگار کے لیے یکساں نہیں ہو سکتی، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

شرک کا فرق آخر انجام؟ اگر یہ صحیح ہے کہ بالآخر ایک دن جہنم کی آگ سرد ہو جائیگی، تو کیا اہل کفر و شرک بھی اپنے گناہوں سے پاک ہو کر رحم و کرم کے سنوار ہو جائیں گے؟ جواب یہ ہے کہ،

قرآن پاک میں اسکی تصریح موجود ہے کہ شرک کفر کا گناہ معاف نہ ہوگا یعنی اُس کے اُخروی نتائج کی پاداش ضروری ہے، اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ شرک کفر کی جزاء دوامِ عذاب اور خلودِ نار (خُلِدَ مِنْ فِيْهَا اَبَدًا) ہے، یعنی جب تک دوزخ قائم ہے، اُس سے اُن کو نجات نہیں مل سکتی، مگر جب حسبِ مشیتِ الہی وہ دن آئے کہ خود دوزخ کی مدتِ حیات ختم ہو جائے، تو اس وقت عجب نہیں کہ اُن کو بھی اس سے رہائی مل سکے، چنانچہ مشرکین کا فرین کے ذکر میں خدا فرماتا ہے،

قَالَ النَّارُ مُنْذُ اَوَّلِ الْاَمْرِ خُلِدَ مِنْ فِيْهَا الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ فَرَاغًا دُوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے، میں ہمیشہ رہو گی۔

اللَّهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (العنکبوت: ۱۵) مگر یہ کہ جو چاہے اللہ بیشک تیرا پروردگار حکمت اور علم والا ہے۔

اس آیت کا آخری ٹکڑا خاص طور سے غور کے قابل ہے، فرمایا: تیرا رب حکمت اور علم والا ہے۔ اس موقع پر خدا کے لیے خاص طور سے رَبِّ کا لفظ لانا، یہ معنی رکھتا ہے کہ اُس کی شانِ ربوبیت اگر چاہے گی، اور اُس کے غیر محدود علم و حکمت کا اقتضا ہوگا تو دوزخ کے خاتمہ پر اُن کو رہائی مل سکیگی،

لیکن یہیں شک ہے کہ آیا اس کے بعد بھی وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے، کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے نکلنے والی یہ تصریح الہی ہے،

اِنَّهُ مَنۡ يُّشْرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الْجَنَّةَ وَمَا وُجِدَ النَّارُ بِرِسَالَتِهِ (سائیکہ: ۱۰) یہ کہ جس نے اللہ کا جو شریک بنایا، تو اللہ نے اُس پر جنت

حرام کر دی ہے، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے،

نیز ایک اور آیت میں ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا  
عَنْهَا لَا تَفْتَحُ لَهُمُ الْبَابُ السَّمَاءُ وَلَا  
يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يُلَاقُوا فِي  
سَمِّ الْحَيَاظِ (اعراف-۵)

الغرض خدا کے اعلان کردہ قانون جزا کا اقتضا تو یہی ہے کہ گواہ کے لیے کبھی دوزخ کا خاتمہ بھی ہو جائے  
مگر جنت کے احاطہ میں ان کا گزر نہ ہو، لیکن اسکی رحمت و مغفرت کا دائرہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، جیسا کہ خود اس نے  
اہل دوزخ کی نسبت کہا ہے کہ

إِنَّمَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا  
يُؤْتِيهِ (هود-۹)

وہ خدا دوزخ میں بھیجتا ہے، لیکن تیرا رب جو چاہے، بیشک  
تیرا رب جو چاہے کر گزرتا ہے،

اس دائرہ کی وسعت کو کون کم کر سکتا ہے کہ پھر اس کا یہ بھی اعلان ہے کہ

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف-۱۵)

اس رحمت عام کی وسعت سے آسمان و زمین کا کون گوشہ محروم ہے؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ پیغمبر کے جھٹلانے  
والوں کو کہا جاتا ہے کہ

وَأَن كَذَّبُواْ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ  
وَّاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ  
الْمُجْرِمِينَ (انعام-۱۵)

اے پیغمبر اگر وہ تجھے جھٹلائیں، تو کہہ دے کہ تمہارا پروردگار  
وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب گنہگاروں سے  
وٹایا نہیں جاسکتا،

یعنی کسی دوسرے میں یہ طاقت نہیں کہ اس کے بھیجے ہوئے عذاب کو گنہگاروں کے سر سے ٹال دے  
لیکن خود اسکی رحمت بڑی وسیع ہے وہ چاہے تو ان کو دنیا ہی میں ہدایت دیکر جنت نصیب کرے یا آخرت

میں عذاب دینے کے بعد درگزر کر دے، اور اُس کی اصلی رحمت کا نخل وہی ہے جہاں کسی دوسری رحمت کا وجود نہ ہوگا، فرمایا،

مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْنَاهُ (الغادر)  
 جس سے اُس دن عذاب ہٹا لیا، تو خدا نے اس پر رحم کیا،  
 صحیح بخاری و ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مومن کو معلوم ہو کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے  
 تو وہ جنت سے ایسا ہو جائے اور اگر کافر کو یہ معلوم ہو کہ اسکی رحمت کتنی وسیع ہے، تو وہ بھی جنت سے ناامید نہ ہو،  
 صلح الدین سعدی نے غالباً اسی حقیقت کو اپنے ان دو شعرون میں ادا کیا ہے،

بہ تمہید اگر بخشش تیغِ حکم      بہ مانند کز وہ بیان صم و نکم  
 و گرد و دہد یک صلائے کرم      عزا زیل گوید نصیب برم

خود اُس رحمان و رحیم کا ارشاد ہے کہ جس کی بادشاہی آسمان و زمین کو محیط ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے،

يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ      جسکو چاہتا ہے، بخشتیتا ہے، اور جسکو چاہے عذاب دیتا ہے  
 وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا      اور اسی اللہ کی آسمانوں کی اور زمین کی اور اُن کے بیچ کی

بَيْنَهُمَا وَ الْاَلْيَافِ الْمَصْنُوعِ (مائک ۳)      بادشاہی ہے، اور اسی کی طرف لوٹکر جانا ہے،

لیکن اسکی مشیت جیسا کہ اُس نے (انعام رکوع ۱۵) میں فرمایا ہے، اسکی وسیع حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، و

جو چاہے کر سکتا ہے، مگر کرتا وہی ہے جو اسکی مصلحت و حکمت کا تقاضا ہوتا ہے،

اس سے زیادہ اس باب میں کچھ اور کتنا حد سے آگے بڑھنا ہے، کہ حکمی تصریح خود خدا سے تعالیٰ نے نہیں  
 فرمائی، اسکی تصریح کا حق کسی کو کیا ہے، اس لیے شرک و کافر کے آخر انجام کے سوال کا جواب صرف "مشیت الہی" ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے،

اَلَا تَرٰۤیۤ اَنَّا خَلَقْنَا بَیۡنَ فِیۡہِمَا اَیۡۤاٰتَآءَ اللّٰہِ      دوزخ تمہارا ٹھکانا ہے، اس میں سدا ہو گئے، لیکن جو چاہے

اِنَّ رَبَّکَ حَکِیۡمٌ عَلِیۡمٌ (الغافر - ۱۵)      اللہ بیشک تیرا پروردگار حکمت والا، اور علم والا ہے،



بہشت و دوزخ کی جزا و سزا بھی تشبیہی ہو، اور عالم برزخ کے ذکر میں ہم تفصیل بتا چکے ہیں کہ جزا و سزائے اخروی تا ستر تشبیہی ہوگی، تشبیہ کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جیسا عمل ہوگا اُسی کے مناسب و مشابہ اسکی جزا یا سزا ہوگی

مثلاً قرآن میں ہے کہ جو رکوعہ یعنی اپنے مال کا ٹٹیل کھیل مستحقین کو کھانے کے لیے نہ دیکے تو اُس کو دوزخ میں نہ خون کا دھوون کھانے کو ملیگا، یا یہ کہ جو خدا کی راہ میں اپنی جان دیکے، مرنے کے بعد اُس کو جانِ تازہ اور حیاتِ نو بخشی جائے گی، وہ دولت مند جس کو دھوپ کی نقش سے بچنے کے لیے قہر و محل اور پیشے کے لیے ٹھنڈے سے ٹھنڈا پانی اور عزت کی جگہ عنایت لگائی تھی، اگر اس نے دنیا میں ان نعمتوں کے ملنے کا حق اس دنیا میں ادا نہ کیا تو دوسری دنیا میں اُس کو یہ سارا ملے گا،

فِي سَمُومٍ وَ جَحِيمٍ، وَ خَلَّ بَيْنَ يَمِينِهِمَا شَا  
بَارِدٍ كَالْكَرِيمِ، اِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ  
وہ لو اور کھولتے پانی میں، دھوئیں کے سایہ  
میں، یہ ٹھنڈا نہ باعزت، بیشک، وہ پہلے  
مُنْتَفِعِينَ ہر حال (نافعہ - ۲)

روایۂ برزخ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جنکا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا بد صورت تھا، یہ وہ تھے جنکے کچھ کام اچھے اور کچھ برے تھے، اس لیے بد اعمالی بد صورتی، اور نیکی خوبصورتی کے رنگ میں نمایاں ہوئی، صریح طور سے یہ اصول ان حدیثوں سے مستنبط ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ جو مومن خود بھوکا ہو کر کسی دوسرے بھوکے مومن کو کھلایا تو خدا اس کو جنت کے پھل کھلایا، اور جو پیاسا ہو کر کسی دوسرے پیاسے کو پلایا، تو خدا اُس کو جنت میں شراب بطور پلایا، اور جو کوئی کپڑوں کا جامتہ نہ ہو کر ننگے کو پہنایا، تو خدا اُس کو جنت کے منبر جوڑے پہنایا، (ترمذی کتاب الزہد والرفاق ص ۵۷)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں

سے حدیث میں ہے کہ رکوعہ مسلمان کا میل ہے، اے صحیح بخاری کتاب التبعیر،

میں سے کسی تکلیف کو دور کریگا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی کوئی تکلیف دور فرمائے گا، اور جو کوئی کسی نادار کو یہاں کسی مصیبت میں پھنسا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کو مصیبت میں مبتلا فرمائے گا، اور جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کریگا، تو خدا دنیا و آخرت میں اسکی ستر پوشی کریگا، اور جو کوئی اپنے بھائی کی مدد میں جینک رہے گا خدا اس وقت تک اسکی مدد میں رہے گا، (ترمذی ص ۳۲۳)

۳۔ جو انسانوں پر رحم کریگا خدا اس پر رحم فرمائے گا، (ترمذی)

تمثیل کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جو امور معنوی اور غیر مجسم ہیں، وہ اپنی مناسب مثالی شکل و صورت میں ظاہر ہوئے۔  
۱۔ قرآن میں ہے کہ جو اس دنیا میں حقیقت بینی سے اندھا ہوگا، وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا، دیکھو کہ دنیا کی معنوی قلبی نابینائی دوسرے عالم میں ظاہری جسمانی نابینائی کی شکل میں ظاہر ہوگی،

۲۔ حدیث میں ہے کہ اہل بکر قیامت کے دن چونٹیاں بنا کر اٹھائے جائیں گے، جنہر ہر طرف سے آتے و خواتی چھائی پھریگی۔ دیکھو کہ کتبہ کی جزاء ذلت و خوارگی سے ملے گی، اور چونٹوں سے زیادہ حقیر و ذلیل کوئی ہستی نہیں اس لیے ان کی بڑائی اور کتبہ کا معاوضہ یہ ہوگا کہ وہ چوٹی بنکر اٹھیں،

۳۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ جو بخل کریگا، قیامت میں اسکا مال سانپ بنکر اس کو ڈینگا، صفت بخل اسے حق میں اسی سانپ کی صورت اختیار کر کے اسکی تکلیف کا باعث ہوگی، آنحضرت مصلح نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص بلا وجہ بھیک مانگ کر اپنی آبروریزی کرتا ہے، قیامت میں وہ اٹھے گا تو اس کے منہ پر گوشت نہ ہوگا، دیکھو کہ دنیاوی بے شرمی و بیحیائی بے گوشت پھرہ کی صورت میں ظاہر ہوگی، اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ دو بیبیوں کا وہ شوہر جو ایک کا حق ادا کرتا اور دوسری سے غفلت برتتا تھا، قیامت میں اس طرح آئے گا، کہ اس کا ایک پہلو (گو یا مفلوج ہو کر) جھک گیا ہوگا، ایک پہلو کا عدم ادائیگی حق اپنی تمثیلی صورت ایک پہلو کی مفلوجی کیفیت میں نمودار ہوگا، یہ چند حوالے ذکر کئے گئے ہیں، انہیں پر جزا و سزا کے اور دوسرے جزئیات کو قیاس کرنا چاہئے، اس مسئلہ کو ابھی طرح سے سمجھنے

اللہ تعالیٰ کی بے بدولت و لطف سے ہمیں نصیب ہو، ان الفاظ میں، مثل اسما کہ شہداء اخرج، اللہ تعالیٰ، اللہ اعلم

کے لیے حسب ذیل آیتوں پر غور کرنا چاہیے،

وَمِنْ أَعْرَاضٍ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً  
جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اسکو تنگ گذران ملتی ہے  
صَعَمًا وَخَشَعَةً لِّقُلُوبِهِمْ أَفَلَا يَعْلَمُونَ  
اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا ٹھانیں گے وہ  
رَبِّ لَهُ حَشَرٌ نِّجَىٰ أَعْلَىٰ وَقَدْ كُنْتَ بِصِيدِكَ  
کیسے گالے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کیوں ٹھایا  
قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَ بَهَا وَلَكَ  
میں تو دیکھتا تھا فرمایا گیا یہ طرح میری آیتیں تیرے پاس آئیں  
الْيَوْمَ تَنْسَىٰ (طہ - ۷۷)  
تو تو نے انکو بھلا دیا، ایسے ہی آج تو بھلایا جائیگا،

دیکھو کہ دل کی نابینائی، قیامت میں ظاہری نابینائی، اور یہاں خدا کو بھولنا اور اس کے احکام کو یاد نہ کرنا،  
وہاں رحمت الہی کی یاد سے بھول کی شکل میں نمودار ہوگا،

دوزخ کی جہانیں سزا میں | دوزخ میں جہانیں اور روحانی دونوں سزائیں ملیں گی، قرآن پاک میں جن جہانیں سزا میں  
کا ذکر ہے، وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ آتش دوزخ اور اسکی سوزش کا ذکر بار بار آیا ہے، بلکہ آتشی یعنی آگ گویا دوزخ کا دوسرا نام ہے،  
انہیں معنوں میں السعير یعنی جلتی آگ بھی بار بار مستعمل ہوا ہے، اور عذاب الحریق (جلن کا عذاب) بھی دو چار  
جگہ کہا گیا ہے، اور ایک جگہ یہ بھی ہے کہ

تَلْفَحُ وُسْجُوهَهُمْ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحِينَ (سج - ۶۵) انکے چہروں کو دوزخ کی آگ جلانے لگی اور انکی صورتیں گرہان لگی  
دوزخ کا ایک اور نام سقر ہے جس کے متعلق یہ ہے کہ

وَمَا أَكْرَمُ مَا سَقَرُ لَا يَقْنِیٰ وَلَا تَنْصَرِفُ وَأَخْلَصَ لِلْإِنْسَانِ  
اور میں کیا معلوم سقر کیا ہے، نہ وہ کھانگی نہ چھوگی نہ پھرے گی نہ کھینچے گی  
كَلِمَاتٍ لِّغُلَاظِ النَّفْسِ لَعْنَةً لِّلنَّاسِ (مجاد - ۱) ہرگز نہیں وہ شعلہ والی آگ ہو منہ کی کھاں اُدھیرنے والی  
انہا ترحمی بشریر کا نقص ہے، گناہ جملہ  
دوزخ محل کے برابر اونچی چٹکانیاں اتنی بڑی پھینکیں گی

صَفْرًا (موسلات ۱) جیسے زرد رنگ کے اونٹ،

۲۔ وہاں سایہ نہ ہوگا بلکہ یہ حکم ہوگا،

إِنطَلَمْنَا إِلَى ظِلِّ ذِي تَلْدَتِ شُعْبَةَ اسَلَا

چلو ایک چھاؤں کی طرف جس کی تین چھائیں ہوں گی،

ظِلِّ ذِي تَلْدَتِ شُعْبَةَ اسَلَا (موسلات -۱)

نہ گھن کی چھاؤں اور نہ پیش میں کام آسکے،

۳۔ وہاں ٹھنڈک نہ ہوگی،

لَا يَدُ وَفَوْقَ نَ فِيهَا بَرْدٌ وَلَا شَرَابٌ (نبا -۱)

اُٹھیں وہ نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا،

۴۔ دوزخ میں نہ موت آئے گی کہ جہنم آجائے، اور نہ ایسی زندگی ہی ہوگی جہنم کوئی مسرت ہو، دو جگہ فرمایا،

لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى (طہ و اعلیٰ)

وہاں وہ نہ مرے گا نہ جیے گا،

۵۔ پینے کو گرم پانی ملیگا جس سے آنتیں نکل پڑیں گی،

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ

اور وہ گرم پانی پلائے جائیں گے تو وہ پانی ان کی

(نجم - ۲)

آنتوں کو ٹکڑے کر دیگا،

۶۔ اور پیپ پھین گے،

لَا حَبِيمًا وَخَسَاتًا (نبا - ۱)

لیکن کھوتی پانی اور پیپ،

۷۔ ان کے اوپر سے گرم پانی چھوڑا جائیگا،

يَصَّبُ مِنْ فَوْقِ رُؤُسِهِمْ الْحَمِيمُ (حج - ۲)

ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی ڈالا جائیگا،

۸۔ کھانے کو سینڈے سے کا پھل ملیگا،

أَمْ تَنْجَعُونَ الزُّقْمَ ..... انْهَآ

یا سینڈے سے کا پھل ..... وہ

شَجَرٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْحَمِيمِ، طَلْعُهَا كَأَنَّهُ

ایک درخت ہے دوزخ کی جڑ میں اُس کے شکوفے

رُؤُسُ الشَّيَاطِينِ، فَإِنَّهُمْ لَا يَكُونُ

جیسے شیطانوں کے سر تو وہ کھائیں گے، اور اُس سے

مِنْهَا فَهَالِكُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ تَمَرَاتُ أَمْ

پٹ بھرینگے، پھر اس پر گرم پانی کی بلونی

ہوگی،

عَلَيْهَا لَشَوْأٌ أَمْحَمٌ (والصفت - ۲)

سینڈھے کا درخت گھگھار کی غذا ہے، جیسے پھلاتا تھا،

إِنْ شَجَرَةَ الزُّقُومِ طَعَامٌ لِّكُمْ بِهِ لَنْفَعَلْ

وہ پیٹوں میں کھوتا ہے، جیسے کھوتا پانی،

لَعَلِّي فِي الْبُطُونِ لَعَلِّي الْحَمِيمِ (دخاک - ۳)

۹۔ خاردار جھاڑی کی خوراک جس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا،

اور ان کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا، لیکن خاردار جھاڑی

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ لَا يَئْتِيهِمْ

جو نہ مونا کریگی اور نہ بھوک سے بے پروا کریگی،

وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ جُوعٌ وَلَا شَبِيعٌ (۱)

۱۰۔ زخموں کے دھوؤں کی خوراک،

اور نہ کوئی کھانا مگر زخموں کا دھوؤں،

وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسَقٍ (ساقہ - ۲)

۱۱۔ کھانا بھگانا جائے گا،

اور گلے میں اٹکنے والا کھانا،

وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ (مزل - ۱)

۱۲۔ آگ کے کپڑوں کا لباس ہوگا،

فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِنْ نَارٍ (ج - ۲)

کافروں کے لباس کے کپڑے قطع ہونگے،

۱۳۔ لوہے کے ہتھوڑے پڑینگے،

اور ان کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہیں،

وَلَهُمْ مَقَابِعُ مِنْ حَدِيدٍ (ج - ۲)

۱۴۔ گلے میں طوق اور زنجیریں،

جب ان کی گردن میں طوق اور زنجیریں ہوں گی،

إِذَا كُفُّوا فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلْسِلُ

وہ کھینچے جائیں گے،

لَيَسْمَعُنَّ (سومن - ۸)

ہم (خدا) نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا

آگ تیار رکھی ہے،

وَأَسْبِغُوا (دھر - ۱)

مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ (ابراہیم - ۷) وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے،

دوزخ میں وحانی سزائیں | ان جہانی سزاؤں کیساتھ روحانی سزائیں بھی ہونگی، جو اہل نظر کی نگاہوں میں اُس  
بھی بڑھ کر ہیں، چنانچہ دوزخ کی وہ آگ جس کی گرمی اور سوزش کا حال اوپر گزر چکا، وہ دل کو جاکر  
جھانکی، نسرایا،

نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْأَشْجَارِ (۱) سلگائی ہوئی اللہ کی آگ جو دلوں کو جھانکی،

وَأَسْمُ الْبُتَّةِ لَمَّا رَأَى الْعَذَابَ (دین - ۴) اور جب عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی نشیانی کو چھپائیں گے

يَحْتَسِرُ عَلَى مَا فَرَّطَتْ فِي جَنْبِ اللَّهِ (زمرہ - ۱۶) اسے حسرت اسپر کہ میں نے خدا کے پہلو میں کمی کی،

كَلَّمَآ آدَمُ أَنْ يَخْرُجَ مِنْهَا مِنْ خَمٍّ (ج - ۲) وہ جب جب دوزخ کو ہم سے نکلتا چاہیں گے،

ذلت کا عذاب۔

فَالْيَوْمَ تَخْرُجُونَ عَذَابَ الْهُونِ (احقاف - ۱۲) تو آج ذلت کے عذاب کا بدلہ دیئے جاؤ گے،

اس افسوس و حسرت و مذمت سے بڑھ کر یہ کہ اُن کو معذرت پیش کرنے کی بھی اجازت نہ ہوگی،

لَا تَعْتَذِرُونَ لِلْيَوْمِ (تہیم - ۱) آج معذرت نہ پیش کرو،

اللہ عزوجل سے مکالمہ کا شرف اُن کو نہ ملے گا جب وہ بات کرنا چاہیں گے، تو وہ فرمائیں گے،

إِخْسَتُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ (مؤمن - ۴) ذلیل ہو اس دوزخ میں اور مجھ سے بات نہ کرو،

اور سب بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے جلوہ سے محروم رہیں گے،

كَلَّا أَهْمُ عَنْ تَرْيُّمِيكَ مِنْ كُفٍّ (تہیم - ۱) ہرگز نہیں وہ اس دن اپنے رب سے پردہ

(تطفیف) میں ہوں گے،

ان میں سے وہ جنہوں نے اس دنیا میں اپنے پروردگار کو بھلا دیا تھا، پروردگار بھی اُس دن انکو اپنی

رحمت و شفقت کی یاد سے بھلا دیگا، فرمایا،

كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيَتْهَا كَمَا فَكَرْتَ وَكَذَٰلِكَ

اسی طرح ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں تو تو نے انکو

الْيَوْمَ تُنْشِئُ، (طہ - ۷)

بھلا دیا ایسے ہی آج تو بھی بھلایا جائیگا،

بلکہ وہ دوزخی بھی ہونگے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہِ کرم سے بھی محروم رہیں گے، وہ اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھیں گے

اور نہ اُن سے کچھ بات کریں گے، اور نہ انکی اصلاحِ حال کی کوئی فکر کریں گے، یہ حقیقت میں شفیق و مہربان رب کی انتہائی

ناراضی کی تصویر ہے، اس درد کے احساس کو وہی کچھ سمجھ سکتے ہیں، جو عشق و محبت کے زخم خوردہ ہیں، فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَمَلِهِمْ أَجْلَهُمْ

جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی (جھوٹی) قہموں کے ذریعہ

ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي

بھڑائی ہی دولت خرید کر لیتے ہیں، یہ وہ ہیں جن کا

الْآخِرَةِ وَلَا يَكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ

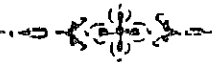
آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور نہ قیامت میں خدا

إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يَزِيدُ لَهُمْ وَلَهُمْ

اُن سے بات کریں گے، اور نہ اُن کی طرف دیکھے گا، اور

عَذَابٌ أَلِيمٌ، (آل عمران - ۸)

نہ اُن کو سنوا دیں گے، اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے،



## جنت

جنت کے نام | اُس مقام کا نام جو نیکو کار انسانوں کا دائی گھر ہوگا قرآن پاک میں عَمَّا الْجَنَّةِ (باغ) بتایا گیا ہے، اور کبھی اُسکو مناسب اضافوں کیساتھ بھی ادا کیا گیا ہے مثلاً جَنَّةُ النَّعِيمِ (نعمت کا باغ) جَنَّةُ الْخُلْدِ (بقائے دوام کا باغ) جَنَّةُ عَدْنٍ (دلی سکونت کے باغ) جَنَّةُ الْمَاوٰی (پناہ کا باغ) اُنکے علاوہ اور دوسرے لفظوں سے اُسکی تعبیر کی گئی ہے مثلاً فِرْدَوْسُ (باغ) سَرْفَصَةُ (چمن) اَدَارُ الْخُلْدِ (ہمیشگی کا گھر) دَارُ الْقَامَةِ (قیام کا گھر) دَارُ السَّلاَمِ (امن سلائی گھر) جنت کا دوام | اس موجودہ دنیا میں بھی گولڈن ایج اور مسٹرین ہیں، مگر جو خیر یہاں نہیں ہے، وہ بقاءے دوام ہے، یہاں کی ہر لذت عارضی، اور ہر مسرت آنی ہے، یہاں خوشی کا کوئی ترانہ نہیں، جس کے بعد غم و ماتم کا نالہ نہ ہو، یہاں ہر پھول کیساتھ گائے، ہر روشنی کے ساتھ تاریکی، ہر وجود کے ساتھ فنا، ہر سیری کے بعد بھوک، ہر سیرابی کے بعد پیاس اور ہر غصا کے بعد محتاجی ہے، انسان ہزاروں مشکلکین اٹھانے اور ہزاروں صدمے سہنے کے بعد ایک مسرت کا پیام سنتا، اور خوشی کا منظر دیکھتا ہے، مگر ابھی اس سے سیر ہونے کی بھی ذہن نہیں آتی، کہ اُس کا خاتمہ ہو جاتا ہے، غرض اس موجودہ عالم فانی کی ہر شے آنی جانی ہے، اور یہی یہاں کی سب سے بڑی کمی ہے، لیکن جنت اُس مملکت کا نام ہے، جہاں کی لذتیں جاودانی، اور جہاں کی مسرتیں غیر فانی ہیں، جہاں حیات ہے مگر موت نہیں، راحت ہے مگر تکلیف نہیں، لذت ہے مگر اطمینان مسرت ہے مگر غم نہیں، جہاں سکون ہے جس کے ساتھ اضطراب نہیں، اور وہ شادمانی ہے جس کے بعد حزن و اندوہ نہیں، شیطان نے حضرت آدمؑ کے سامنے جس جنت کا نقشہ کھینچا تھا وہ بالکل صحیح تھا، اس نے کہا اے آدم!

هٰذَا دُلَّةٌ عَلَىٰ تَجَنُّبِ الْخُلْدِ وَالْمَاوٰی (طاہر)

کیا میں تجھے سدا جنت کا رخسار اور وہ بادشاہی تہاں جکوں نہیں

مگر جنت کا یہ وصف سُنا کر ان کو جو بھر کا رستہ بتایا، وہ موت کے درخت، اور فنا کے ملک کی طرف تھا، او



یہی وہ فریب تھا جس میں آدم گرفتار ہوئے چنانچہ اسی صحتی زندگی کی تلاش میں وہ چیز کھالی جو ان کے حق میں نہ تھی یعنی گناہ کا پھل نتیجہ یہ ہوا کہ جنت اخلد اور غیر فانی ملک سے نکل کر ان کو اس فنا کے ملک میں آنا پڑا، اور پھر اس کا استحقاق ان کے اور ان کی نسل کے اعمال کا صلہ قرار پایا چنانچہ فرمایا،

أَمْ جِنَّةُ الْاٰخِلْدِ اَلَّتِیْ وَعَدَ الْمُتَّقُوْنَ اِذَا كُنْتَ

یا ہمیشگی کا باغ جس کا وعدہ پر مغیر گارون سے کیا گیا ہو

لَهُمْ جَزَاءٌ وَاصِيْرًا (خزقان - ۲)

ان کا صلہ ہوگا اور واپسی کی جگہ

یہ ہمیشگی کا باغ وہ غیر فانی ملک ہے جہاں کا آرام دائم اور جہاں کی سلامتی ہمیشہ جہاں کی لذت بے انتہا، جہاں کی زندگی غیر منقطع جہاں کا سرور غیر مختتم اور جہاں کا عیش جاوداں ہی چنانچہ اسکی تصریح قرآن پاک کی آیتوں میں مختلف طریقوں سے کی گئی ہے فرمایا،

۱۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ سَيَدْخُلُوْنَ

۱۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم کو ان باغوں

جَنَّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا

میں داخل کریں گے جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں

اَبَدًا اَوْ وَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا مَّنْ لَّدُنْہِ مِنَ اللّٰهِ فَيَلَا

ہمیشہ کے لیے رہ پڑیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے اور ان

اس تاکید پر تاکید اور پر زور طریقہ تعبیر پر نظر ڈالئے کہ صرف خُلُق پر اکتفا نہیں کی بلکہ ساتھ ہی اَبَدًا فرما کر خُلُق کو غیر فانی اور قیام کو ابدی ظاہر فرمایا، اس پر بھی بس نہ کی بلکہ یہ بھی اضافہ کیا کہ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اس پر بھی مزید تاکید کا اضافہ کیا کہ اور اللہ سے زیادہ سچی بات کہی ہو سکتی ہے؟ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خلود جنت اور رہائش غیر فانی کی قطعیت کتنی ہے

۲۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ سَيَدْخُلُوْنَ

۲۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کو ان

جَنَّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا

باغوں میں داخل کریں گے جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں

۳۔ لَّهُمْ جَنَّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ

۳۔ ان کے لیے وہ باغ ہیں جنکے نیچے سے نہریں بہتی

خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا (مائتہ - ۱۶)

میں وہ ان میں ہمیشہ رہا کریں گے

۴۔ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ خُلْدِيْنَ

فِيهَا اَبَدًا (توبہ - ۳)

۵۔ وَاعْدَ لَهُمْ حَبْتٌ تَجْرِي تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ

خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا (توبہ - ۱۳)

۶۔ وَيُدْخِلُهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ

خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا (تغابن - ۱)

۷۔ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خُلْدِيْنَ

فِيهَا اَبَدًا وَقَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَكَ رِزْقًا،

(طلاق - ۲)

۸۔ جَزَاءُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عَدْنٍ

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا

(بینہ - ۱)

۹۔ وَتَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا

۱۰۔ وَتَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا

۱۱۔ وَتَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا

۱۲۔ وَتَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا

۱۳۔ وَتَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا

۱۴۔ وَتَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا

۱۵۔ وَتَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا

۱۶۔ وَتَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا

۱۷۔ وَتَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا

۱۰۔ هٰذَا اِمَّا لَوْعَدُ وَنْ لِّیَوْمِ الْحِسَابِ اِنَّ  
۱۰۔ یہ وہ ہے جو حکا حجاب کے دن تم کو دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے

هٰذَا الرِّقْبُ مَا لَهُ مِنْ نَّفَاعٍ لِّیَوْمِ الْحِسَابِ (۴-۱۰)  
یہ ہماری وہ روزی ہوگی جو کو ختم ہونا نہیں ہے

۱۱۔ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سَعِدُوْا فَاِنَّیْ الْجَنَّةَ خَالِدِیْنَ  
۱۱۔ اور لیکن جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت میں رہیں گے

فِیْهَا مَا دَامَتْ السَّمٰوٰتُ وَ اَلْاَرْضُ اِلَّا اَمَّا شَرِّکُ  
جب تک آسمان اور زمین ہیں لیکن جو تیرا رب چاہے

رَبُّکَ عَطَاءٌ غَیْرِ مَحْذُوْرٍ (ہود-۹)  
وہ بخشش ہوگی جو منقطع نہ ہوگی

یعنی خدا کی مشیت کے سوا انکو اس جنت سے کوئی الگ نہ کر سکیگا لیکن اسکی مشیت ہی ہوگی کہ ان کیلئے

اسکی بخشش دہی اور غیر منقطع طریقہ سے ہمیشہ قائم رہے پھر جس کے متعلق اسکی مشیت کا یہ اعلان ہے وہ فنا کیونکر ہو سکتی

۱۲۔ وَ الْجَنَّةُ لَمْ یَمُرْ بِهَا اَنْعَامٌ مِّنْ قَبْلُ (نمل-۳)  
۱۲۔ اور وہ باغ جنین ان کیلئے قائم رہنے والی نعمت ہوگی

۱۳۔ اَلَا کُلُّهَا دَآئِمٌ وَّ ظَلُمَآءٌ (مرعہ-۵)  
۱۳۔ جنت کا میوہ اور اس کا سایہ دائمی ہے

۱۴۔ وَ فَاِکْثَرُ کُنْزِیْہِ لَا مَقْطُوْعٌ عَلَیْہِ وَلَا مَمْنُوْعٌ  
۱۴۔ اور بہت سے میوے جتنا کہ انقطاع ہوگا اور نہ

جن کی روک ہوگی (واقعہ-۱)

۱۵۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ  
۱۵۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان

فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ (تین)  
کیلئے وہ مزدوری ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا

فنا سے راحت اور انقطاع مسرت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ راحت و مسرت کے اسباب کا خاتمہ ہو جائے

اور دوسرے یہ کہ خود لذت اٹھانے والے کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے پہلی صورت کی نفی تو گذشتہ آیتوں میں کر دی گئی کہ راحت

و مسرت کے اسباب کا وہاں خاتمہ نہ ہوگا اب رہ گئی دوسری صورت تو گوشت الدین ابد الکر کی نفی بار بار کی جا چکی ہے

مگر ایک جگہ تصریح یہ کیا گیا ہے کہ اُس احاطہ میں موت کا گزرنہ ہوگا فرمایا

۱۶۔ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْہَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمُنَّةَ  
۱۶۔ جنت میں جنت والے پہلی موت کے سوا پھر موت کا

اَلَا ذٰلِکَ (دخان-۳)  
مذہ نہیں چکھیں گے

لیکن ایک تیسری صورت یہ بھی ممکن تھی کہ سترت کے اسباب بھی قائم رہیں اور اہل جنت کی زندگی بھی دوام ہو  
مگر کچھ دنوں کے بعد ان کو وہاں سے نکال کر الگ کر دیا جائے، تو اسکی تصریح بھی فرمادی کہ یہ بھی ممکن نہ ہوگا کہ کوئی  
اہل جنت کو اپنے عیش و راحت کی منزل گاہوں سے باہر نکال سکے، فرمایا،

لَا يَمْشِي فِيهَا الْقَصَبُ وَمَا هُمْ مِنْهَا  
وہاں ان کو کوئی غصہ نہ چھوڑے گا، اور نہ وہ سین

بِمَخْرَجَيْنَ، (حجر - ۴۷) سے نکالے جائیں گے،

یہ بھی ممکن ہے، کہ خود اہل جنت اس سے گھبرا کر نکل آئیں، تو فرمایا کہ ان کی جبلت فطرت ایسی ہوگی کہ وہ خود  
بھی اس ہمان خانہ الہی سے نکلنا پسند نہیں کریں گے، فرمایا،

حَالِدِينَ فِيهَا لَا يَمُوتُونَ عَنْهَا كَيْفَ كُنْتُمْ  
سدا رہیں گے، سین اس سے منتقل ہونا نہ چاہیں گے،

دوام و بقا اور تسلسل و عدم انقطاع کی اس توجہ تو تاکید اور اصرار سے اندازہ ہوگا کہ اسباب سترت کی بقا و راحت  
کا دوام، اور زندگی کا تسلسل جنت کی اہلی خصوصیت ہوگی، یہی وہ حقیقت ہے، جس کی لاپچ شیطاں نے

وَمَلَأَتْ لَآئِكُنَّ ط (طہ - ۷۷) اور غیر فانی سلطنت،

انگراؤم کو دلائی تھی، اور اس بہانہ سے اس عالم بقا سے ان کو اس عالم فنا میں بھجوا دیا، آخر وہ زمانہ آئیگا جب آدم کی  
اولاد کو ان کے نیک اعمال کی بدولت اس غیر فانی بادشاہی کی وراثت ہمیشہ کے لیے حاصل ہوگی،

غیر فانی بادشاہی | دنیا میں شخصی راحت و آرام کا بندہ سے بند تخیل ایک لفظ بادشاہی کے اندر بخوبی ادا ہو سکتا ہے،  
اگر انسان کو اس کی انتہائی آرزوؤں کے برآنے کی خوشخبری کے ذریعے کوئی لفظ ہو سکتا ہے تو یہی ہے، گویا بادشاہی اس  
کیفیت کا نام ہے جس میں انسان کی کوئی آرزو کامیابی سے محروم نہ رہے، سامان راحت اور اسباب شادمانی کی فراوانی  
سے اس کی سترت میں کسی غم کا شائبہ نہ ہو، اونچے اونچے محل، ہرے بھرے باغ، بہتی نہریں، سرسبز و شاداب تختے،  
سونے چاندی کے اسباب، آرزو جوہر کے برتن، آذرین کمر غلام و خدام، ریشمی لباس، طلائی تخت، موتیوں کے ہار  
سونے کے گنگن، شراب کے زمردین اور بلورین پیالے، حسین و جمیل بیگمات، غرض ایک لفظ بادشاہی کے یہ تمام

ضروری لوازم ہیں،

جنت کی مختصر ترین لیکن سچی تعریف آدم کے دشمن نے آدم کے سامنے کی تھی،

وَمِنْ ذٰلِكَ لَا يُكَلِّمُ (طہ - ۷) اور غیر فانی بادشاہی،

آنے والی زندگی کے اس غیر فانی عیش و مسرت کے لیے مختلف پیغمبروں نے مختلف لفظ استعمال کئے ہیں، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُس کے لیے ”آسمانی بادشاہی“ کی اصطلاح قائم فرمائی ہے اور اپنی گفتگو کے تمام استعاروں میں اس مفہوم کو اسی لفظ سے ادا کیا ہے، مگر جیسا کہ بار بار کہا گیا ہے کہ انسانی لغت کے الفاظ سے جو مادہ کی گودوں میں پلے اور مادیت کے ماحول میں پھولے پھلے ہیں کسی خالص روحانی مفہوم کی تصویر ناممکن ہے کہ اس کے ہر لفظ کے مفہوم کو انہیں لوازم اور خیالات کے ساتھ انسان سمجھنے پر مجبور ہے جو ہمیشہ سے اُس لفظ کے ساتھ وابستہ چلے آتے ہیں، آپ بادشاہی کو آسمانی لکھ کر کسی قدر مادہ سے بلند کریں، مگر بادشاہی کے مفہوم کیساتھ جو موروٹی خیالات و لوازم وابستہ ہیں وہ دور نہیں ہو سکتے، چنانچہ خود حضرت عیسیٰ اپنی زندگی کی آخری شب میں شاگردوں کو تحریب کا پالہ بھر کر بیٹھے ہیں، ”آسمانی بادشاہی“ کے مادی لطف و مسرت کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں،

”میں پھر تمہیں کہتا ہوں کہ انکو رکاشیرہ پھر نہ پوچھاؤں دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی

میں اُسے نہ پوچھوں“ (متی ۲۶-۲۹)

آپ نے دیکھا کہ ”باپ“ کی ”آسمانی بادشاہی“ میں بھی انکو رہی رکاشیرہ پینے کو ملیگا،

اور یوحنا حواری نے جب اس آسمانی بادشاہی کا خواب دیکھا تو وہ اُن کو اسی سورنے چاندی کے محل، آپ

حیات کی نہر، اور جواہرات کی دیواروں میں نظر آئی، (مکاشفات یوحنا باب ۲۱ و ۲۲) اور پھر

”وہاں رات نہ ہوگی“ اور سچے چرخ اور سورج کی روشنی کے محتاج نہیں، کیونکہ خداوند اُن کو روشن کرنا ہی

اور سچے ابدال آباد بادشاہی کرینگے“ (۲۲-۵)

لیکن یہ بادشاہی عیسوی پیغام میں ہنوز تفسیر کی محتاج ہے، نبوت کے آخری پیغام نے اس اجال کی

تفصیل ان لفظوں میں کی ہے،

فَقَالَهُمُ اللَّهُ شَرُّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَدْ هَمُّوا  
نَحْضَةً وَأَسْرَوْا ۖ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا  
جَنَّةً وَحَرِيرًا مُّتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْأَعْرَافِ  
لَا يَرَوْنَ فِيهَا كُشُوفًا وَلَا زَمِيرًا ۖ  
وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهُمُ وَزُلَّةٌ مِّنَ الْقُطْبِ  
تَنَادِيَةً، وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِانِيَّةٍ مِّنْ  
فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا ۖ قَوَارِيرُ  
فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا، وَيَسْقُونَ  
فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَجْجًا ۖ وَجَبِيلًا ۚ  
عَبَسْنَا فِيهَا لُتْفًا سَلْسَبِيلًا، وَيُطُوفُ  
عَلَيْهِمْ وَلَدًا أَنَّهُمْ لَدُنَّ إِذَا رَأَوْهُمُ  
حَسِبَتْهُمُ لُغُؤًا مِّنْهُنَّ، وَإِذَا رَأَيْتَ  
تَمَرًا أَيْتَ نَعِيمًا وَمُلُكًا كَثِيرًا، عَلَيْهِمْ  
ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّو  
الْأَسَاوِرِ مِن فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ  
رُبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا، إِنَّ هَٰذَا كَانَ  
لَكُم جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ۖ  
یہ پورا نقشہ اس عیش و مست کا ہے، جو اس دنیا کے شاہانہ مخلوق کے متعلق تخیل میں آتا ہے، اس بیان

تو اللہ نے اہل جنت کو اس دن کی تکلیف سے بچا لیا

اور ان کو تروتازگی اور شاد کامی سے ملایا، اور

ان کے صبر کے بدلہ میں ان کو رہنے کیلئے باغ

اور رہنے کے لیے (ریشمی کپڑے دیئے، وہ ان باغوں

میں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے ان میں نہ دھوپ

ہوگی نہ ٹھنڈ، اور ان کے سایے ان پر چھکے ہوئے ان کے

خوشے بہت ہو کر ٹھکے ہوئے، چاندی کے برتن اور نقراتی

شیشوں کے بخور سے، جو ناپکربنا سے گئے ہیں، انکو

لوگ ان کے پاس لیے پھریں گے، اور ان کو وہاں

وہ پیالہ پلایا جائیگا جس میں سونٹھ ملی ہوگی، انہیں ایک شہ

کا نام سلسبیل ہے، اور سرد ہوئے کس غلام، انکی خدمت

میں گھوم رہے ہوں گے، تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ موتی

بکھرے ہیں، اور جب تو یہ سب دیکھے تو وہاں نعمت

وہش اور بڑی بادشاہی دیکھے، انکی پوشاک بہتر

ریشم اور دیرینہ ہو، اور ان کو نقراتی انگلیں پہنائے جائیں گے

اور ان کا پروردگار ان کو پاک شراب پلائے گا، یہ

تمہاری مزدوری ہوگی، اور تمہاری محنت کی قدر کی جائے گی

کی تائید و تصدیق اس صحیح حدیث سے ہوگی جو جامع ترمذی میں حضرت مغیرہؓ صحابی سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ نے اپنے پروردگار سے پوچھا کہ اے پروردگار! جنت والوں میں سے سب سے کم رتبہ کون ہوگا، فرمایا وہ شخص جو جنت والوں کے جنت میں داخل ہو چکنے کے بعد آخر میں آئیگا، تو اس سے کہا جائیگا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہیگا کہ اب میں کہاں جاؤں، کہ لوگ اپنے اپنے مقام پر جا چکے، اور ربانی فواز شون پر قابض ہو چکے، اس سے کہا جائیگا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ تجھے وہ ملے جو دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی کے پاس نہ تھا، عرض کریگا، خداوند! میں راضی ہوں، فرمایا "تیرے لیے اتنا، اور اس سے دونا، اور اس سے تگنا، اور چو گنا ہے، کہیگا، خداوند! میں راضی ہو گیا، خدا فرمایا "تیرے لیے وہ اور اس کا دو گنا ہے، عرض کریگا میں راضی ہو گیا، فرمایا "اس کیساتھ یہ بھی کہ جو تیرا دل آرزو کرے، اور جو تیری آنکھ کو لذت بخشنے۔"

باغ کا استعارہ آخرت کے خانہ عیش و راحت کے لیے قرآن پاک نے عموماً جنت، اور کین روضہ کے لفظ کا استعمال کیا ہے، نادان کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ عرب کے شعور بے حاصل اور خشک صحرا کے بسنے والوں کی انتہائی آرزو چونکہ سرسبز و شاداب باغوں ہی کی ہو سکتی ہے، اس لیے ان کے لیے یہ لفظ اس مقام آخرت کے لیے قرآن نے استعمال کیا ہے، مگر یہ سمجھنا چاہئے کہ قرآن کا مخاطب صرف عرب نہیں بلکہ دنیا کا گوشہ گوشہ ہے، اس لئے عرب کی تخصیص بے معنی ہے، کیا دنیا کے سرسبز و شاداب ملکوں کے بسنے والوں کے تخیل میں باغ و راغ اور رنگ و گل کی بہار پسندیدہ نہیں ہے، اہل یہ ہے کہ یہاں برابان گلستان کی تخصیص نہیں، یہ فطرت انسانی کی تقاضا ہے، انسان کسی خطہ ارضی میں آباد ہو کر وہ سرسبز و شاداب قطعات، باغ و بہار، اور کناری آب و نہر کو عیش و مسرت کا مقام سمجھتا ہے، اور ان کو دیکھ کر اندر سے اس کی روح وجد کرتی ہے،

اس استعارہ کے استعمال کا ایک اور نکتہ بھی توجہ کے قابل ہے، انسان کا گھر وہ عیش خانہ ہوتا ہے جہاں عز و نعم کی آمیزش بھی شامل ہوتی ہے، اہل و عیال، اور دولت و مال کے متعلق ہر قسم کی فکریں اس کے دل کے

۱۔ جامع ترمذی تفسیر سورہ بقرہ (۱۰۰) میں ہے

دامن سے لپٹی ہوئی ہیں، مگر جب انسان سیر و تفریح کے لیے باغ و چمن کا رخ کرتا ہے، تو تھوڑی دیر کے لیے وہ ہر غم کو فراموش اور ہر تعلق کو دل سے نکال دیتا ہے، اور ایسا شادان و فرحان بن جاتا ہے کہ غم و الم اس کے ہر گوشہ خاطر سے دور ہو جاتے ہیں، وحی محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لفظ کو اسی لیے استعمال کیا ہے تاکہ اس سے اخروی عیش و مسرت، شادی و خوشی، اور فزونی خاطر کی پوری تصویر کھینچ جائے،

سامانِ جنت کے دنیاوی نام | یہ حقیقت بار بار دہرائی گئی ہے کہ عالمِ آخرت کی اشیاء کو جن دنیاوی الفاظ سے ادا کیا گیا ہے ان سے مقصود بالکل وہی نہیں ہیں، جو ان لفظوں سے سمجھنے کے ہم عادی ہیں بلکہ ان اخروی اشیاء کو ان دنیاوی الفاظ سے اس لیے ادا کیا گیا ہے کہ وہ ان سے خاص مناسبت رکھتی ہیں اور نہ از روئے حقیقت ان الفاظ کے اخوی مفہوم و معنی سے انکی اخروی حقیقتیں بدرجہ اتم ہونگی، چنانچہ قرآن مجید کی ان آیتوں میں،

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ	اور ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کے یہ خوشخبری
لَهُمْ جَنَّاتُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا	سنا کہ ان کے لیے وہ باغ ہیں جنکے نیچے سے نہریں
زُرُوا فِيهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رَزَقُوا فَاتُوا	بہتی ہونگی وہ جب جب ان باغوں سے کوئی پھل
هَذَا الَّذِي رَزَقُوا مِنْ قَبْلُ وَاتُّبَاهُ	دینے جائیگے، کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو اس سے پہلے
مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَنْهَارٌ مُطَهَّرَةٌ وَ	ہم کو دیا گیا تھا اور وہ اس کو ایک دوسرے کے مشابہ
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ	جائیگا، اور ان باغوں میں انکی صاف ستھری بیویاں
الَّذِينَ يَصْرَفُونَ أَصْنَافًا مِمَّا قَدْ هَلَكَ	ہونگی، اور وہ ان میں ہا کر نیگے بے شبہ خدا سے

(لقہ ۲۷-۲۸)

ان آیتوں کے سابق و سیاق اور نظم و ترتیب پر غور کر کے میرے ذہن میں یہی معنی آتے ہیں کہ ان میں دنیاوی الفاظ اور ان کے اخروی مفہوم کے درمیان تشابہ کا بیان ہے، ورنہ حقیقت کے رو سے ان الفاظ کے دنیاوی لغوی معانی اور اخروی معنوں میں وہی نسبت ہے، جو چھپر اور کسی عظیم الجثہ رشتے کے درمیان ہو سکتی ہے، یہی سبب ہے



کہ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کی نسبت قرآن نے یہ بھی کہا ہے،

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ  
أَعْيُنٍ جَزَاءً لِّمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ،  
تو کسی نفس کو معلوم نہیں کہ اُن کے لیے انکے (اچھے)  
اعمال کے بدلہ میں آنکھوں کی جو ٹھنڈک چھپا  
کر رکھی گئی ہے، (سجہ ۵-۲)

اس آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی لذت و راحت کی کیفیت دنیاوی تخیل سے چونکہ بہت بلند ہے، اس لیے  
یہ فرمایا گیا کہ جنت کی راحت و لذت کی حقیقت علم و فہم سے پوشیدہ اور مخفی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی مفہوم کو اپنے ان  
مبارک الفاظ سے واضح فرمادیا ہے،

قَالَ اللَّهُ اعددت لعبادي الصالحين  
مألا عينك رأيت ولا اذن سمعت ولا  
خطأ على قلب بشر،  
خدا فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ  
ہیا کیا ہے جسکو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا  
اور نہ کسی انسان کے دل میں اُسکا خیال آیا،

اگر جنت کے باغوں، نہروں، میوؤں، غلاموں، شرابوں، ریشمی کپڑوں، اور طلائی زیوروں کی وہی آخری  
حقیقت ہے، جو ان لفظوں سے لغوی طور پر ہم اس دنیا میں سمجھتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ بہشت کی لذتوں اور مسرتوں  
کو ایک مخفی حقیقت نہ فرماتا، اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکی توضیح میں اس درجہ بلندی کرتے کہ وہ ایسی چیزیں ہیں جنکو آنکھوں  
نے دیکھا نہ کانوں نے سنا، اور نہ وہ کسی انسان کے خیال میں گذرین، مزید تاکید روایت کے دوسرے الفاظ میں ہی  
بلکہ ما اطلعكم عليه، (صحیح بخاری تفسیر سورہ سجہ) جو تم جانتے ہو اُس کو چھوڑ دو،

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، بلکہ ما اطلعكم الله عليه، اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ  
بلکہ خدا نے تم کو اُس پر مطلع بھی نہیں کیا جو دوسرے یہ جو خدا نے اُس کا حال بتایا ہے، اُس سے بھی درگزر کرو۔  
غرض ان لفظوں سے جو بھی تم سمجھ سکتے ہو، اس کو چھوڑ کر آگے بڑھو، اصحاب تفسیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

سہ صحیح بخاری باب کلام الرب، و تفسیر سورہ سجہ، صحیح مسلم کتاب الحجۃ، و تفسیر سورہ الحجۃ، صحیح مسلم کتاب الحجۃ و صفۃ نعيمها،

سے سب نقل کیا ہے،

وَقَالَ السَّفِيَانُ الشَّامِيُّ عَنْ أَكْثَمِ بْنِ عَمْرٍو  
سَفِيَانُ ثَوْرِيٌّ، أَمْسَحَ سَ، اور وہ ابوطالبان سے  
ابن ابی ظالبان عن ابن عباس، لا يثبت شيء  
اور وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جنت  
مما في الجنة ما في الدنيا إلا في الأسماء،  
میں جو کچھ ہے وہ دنیا کی چیزوں سے ناموں کے طور  
اور کسی بات میں مشابہ نہیں،

دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں،

ليس في الدنيا مما في الجنة إلا الأسماء،  
جنت میں جو کچھ ہے، وہ ناموں کے سوا دنیا میں نہیں،  
غرض ان الفاظ سے انہیں دنیاوی شہادت کی چیزوں کو سمجھنا ضروری نہیں، بلکہ ان سے ہر جہا بلند انداز  
اور مستتر ہیں، جنکی تفسیر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ کسی وجہ مناسب کے سبب ان کو ان دنیاوی لفظوں  
سے ادا کیا جائے، اور اس پر بھی مفہوم ادا نہ ہو سکے، یہیں اشکالِ نفوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی عدم قدرت کلام کے سبب  
نہیں ہے، بلکہ عاجز انسانوں کی ذہنی درماندگی کے سبب ہے، کہ نادیدہ و ناشیدہ اور دلِ ناخیز و مفہم کیلئے ان کی  
زبان و لفت میں کوئی لفظ ہی نہیں،

جنت کی مستتریں، یہ اصولِ بارہا بیان میں آچکا ہے کہ دوزخ کی تکلیفیں ہوں یا جنت کی مستتریں دونوں اعمال  
انسانی کی تمثیل ہیں، اسی لیے قرآنِ پاک نے تبصریح تمام یہ کہا ہے،

اَتَعْمَلُونَ شَرًّا مَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (طہ: ۱۱) وہی بدلہ پاؤ گے، جو تم کرتے تھے،

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں خدا فرمائے گا اے میرے بندو، یہ تمہارے ہی عمل ہیں جو تم کو واپس مل رہے ہیں، تو  
جو نیکی پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جو برائی پائے وہ اپنے آپ کو ملامت کرے،

مثلاً وہ لوگ جو دنیا میں کافروں کے خوف اور ڈر کے باوجود ایمان پر قائم تھے، ان کو جنت میں امن

اور نفس پر برتری، آخرتِ مذکورہ و پہلی فی البعث کافی الدار المشور للعلوی، تفسیر آیت مذکورہ،

سلامتی کے ساتھ وہاں کی تمام راحتیں ملے گی تو،

قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٦٦﴾

اللہ علیکنا ووقنا عذاب السموم ﴿٦٧﴾

تھے، تو خدا نے ہم پر ہرمانی فرمائی اور ہم کو دروغ

(طور-۱)

کی لو کے عذاب سے بچالیا،

اس آیت سے صاف نمایاں ہے کہ قتلہ و فساد اور نیکو کاروں پر قہر و گرمی کرنے والے جو دوزخ کی لو کے عذاب میں مبتلا ہوں گے، وہ انہیں کے قتلہ و فساد اور قہر و گرمی کی صورت ہوگی، اور وہ نیکو کار جنہوں نے ان شرکروں کے اس قہر و گرمی اور غیظ و غضب کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا، وہ اس عذاب سے یہاں جنت میں محفوظ رہیں گے، دہتمند و قوی دست منکرین کمزور اور غریب مسلمانوں کو دیکھ کر دنیا میں ان پر تحقیر اڑھتے تھے، قیامت میں ان کا الٹا ہوگا کہ یہ ان پر ہنسینگے فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرُوا كَأَنَّمَا مِنَ الذَّنْبِ

اَسْتَوْضِعُوا كَمَا كَانُوا مِنَ الذَّنْبِ

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الذَّنْبِ كَأَنَّمَا

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الذَّنْبِ كَأَنَّمَا

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الذَّنْبِ كَأَنَّمَا

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الذَّنْبِ كَأَنَّمَا

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الذَّنْبِ كَأَنَّمَا

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الذَّنْبِ كَأَنَّمَا

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الذَّنْبِ كَأَنَّمَا

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الذَّنْبِ كَأَنَّمَا

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الذَّنْبِ كَأَنَّمَا

فَسَوْفَ يَحْصِبُ حَسَابًا كَثِيرًا لَّوْ يَتَّقِلُ ۝  
تو اس سے آسان حساب لیا جائیگا اور وہ خوش رہے

إِلَىٰ أَهْلِهِمْ مَّرْمَرًا ۝ (الشقاق ۱۰)  
اپنے لوگوں کے پاس ڈھنگ،

قرآن پاک میں بارہا یہ آیتیں یا بعینہ نہیں معنون کی آیتیں آئی ہیں،

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ  
اور ایمان والوں کو در اچھے کام کرنے والوں کو باغوں کی

لَهُمْ جَنَّاتُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۝  
خوشخبری سنائے گی بچے نہیں ہتی ہیں،

ان آیتوں میں ایمان اور عمل صالح کے بالمقابل باغ اور اُس کی نہروں کا ذکر پابندی کے ساتھ آتا ہے اس

اور خیال جاتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی خاص تشبیہی تعلق ہے، یہ ظاہر ہے کہ درخت اصلی چیزیں ہیں جنکی ترقی اور

نشوونما پانی سے ہوتی ہے بعینہ اسی طرح ایمان اصل ہے جس کی جڑوں کی سیرابی اعمال صالحہ کی آبیاری سے

ہوتی ہے، اگر ایمان ہو اور اعمال صالحہ نہ ہوں تو وہ ایک ایسا درخت ہوگا جس کی ترقی اور نشوونما کی امید نہیں،

اور اگر صرف عمل صالح ہے اور ایمان نہیں، تو ریگ میں پانی کی روانی ہے جس کا وجود و عدم کیساں ہے، اس

تشبیہی کے ذہن میں آنے کے ساتھ قرآن پاک کی یہ آیت سامنے آتی ہے،

وَأَدْخِلِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ ان باغوں

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۝  
میں داخل کئے گئے جن کے نیچے نہریں ہتی ہیں وہ اپنے

فِيهَا بِأَنْذَارٍ رَهِيمَةٍ ۝ تَجْنِيهِمْ فِيهَا سَالِمُونَ  
پروردگار کے حکم سے ان میں سدا رہیں گے وہاں سلامتی

الْمُتَرَكِّفِ حَرَبَ اللَّهِ مَثَلًا ۝  
کی مبارکباد ہے، کہا تو نے نہیں دیکھا کہ خزانے کیسی ایکش

طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ  
بیان کی نیک بات ایک شجرے درخت کی طرح ہو

وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تَوَاتَىٰ أَكْلُهَا كُلٌّ  
جنکی جڑ مضبوط ہو اور ٹہنی آسان میں ہو اپنے پروردگار

حَبِيبٍ بِأَنْذَارٍ رَهِيمَةٍ ۝ وَيُضْرَبُ اللَّهُ  
کے حکم سے وہ ہمہ وقت پھل لایا کرتا ہے اور طرازی

الْأَمْثَالِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝  
بیان کرتا ہے کہ لوگ شاید سوچیں،

اس آیت میں جنت اور کلمہ طیبہ کے درخت کی پوری تمثیل ہے، یہاں تک تقابل ہے کہ پہلے میں جب یہ کہا گیا کہ اپنے پروردگار کے حکم سے وہ اُن باغوں میں سدا رہیں گے۔ تو دوسرے میں ہے کہ وہ درخت اپنے پروردگار کے حکم سے سدا پھل دیتا رہیگا کلمہ طیبہ سے یہاں مراد ایمان ہے، جس کی جڑ مضبوط و مستحکم اور اسکی شاخیں آسمان میں، اور اس کے پھل سدا پھلنے والے ہیں،

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون صحابی کی وفات کے بعد انکی ایک ہمسایہ عیسیٰ نے خواب میں دیکھا کہ ایک منبر رہی ہے اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرت عثمان بن مظعون کی ہے انھوں نے اکر یہ خواب حضرت صلعم سے بیان کیا، آپ نے اسکی تفسیر میں فرمایا ذلک عملاً یحییٰ لہ یعنی یہ منبر ان کا عمل ہے جو ان کے لیے بہ ہی ہے، (بخاری کتاب التفسیر)

ان دونوں سابقہ حوالوں سے یہ ہویدا ہوتا ہے کہ ایمان کی تمثیل سدا بہار درخت سے اور عمل کی تمثیل منبر سے ہے، اس بنا پر اہل جنت کے لیے بار بار جس باغ اور منبر جاری کی بشارت دی گئی ہے وہ حقیقت میں اُن کے ایمان اور عمل صالح کی تمثیلی شکلیں ہونگی اُن کا ایمان خوشنما اور سدا بہار باغ، اور اُن کے اعمال صالحہ صاف و شفاف منبر کی صورت میں نمایاں ہونگے اور وہ اُن سے لطف لذت اٹھائینگے،

اسی قیاس پر جنت کی دوسری لذتوں اور مسرتوں کی حقیقت کی تشریح کیجا سکتی ہے، علوم نبوی کے ایک بڑے واقف کار اور اسرار شریعت کے ایک بڑے دانائے راز شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ رحمۃ اللہ الباقیہ میں لکھتے ہیں

والکثر الذائق المحترية من هذا القبيل حشر کے واقعات از قبیل تمثیل ہیں . . . . .

وبالحملة . . . . . حاصل یہ کہ

فتشبهات وتمثلات لما عندھا . . . . . یہ تمام امور معانی کا جہانی قابو میں اور مثالی صورتوں

وتشبه النعمة بمطعمہنی . . . . . میں ظاہر ہوتا ہے . . . . . اللہ تعالیٰ

اس تفسیر میں جریر طبری، تفسیر آیت مذکورہ،

و مشرب میوئی و منکھ شہمی و ملبس رضی کی عزایت و مہربانی خوش مزہ کھانے خوشگوار پینے کی چیزوں

و مسکن بھی (صلہ - ہند) رغبت انگریز لذت بخارج، دلپند لباس اور عمدہ مسکن

ہم نے آیات و احادیث کے حوالوں سے پہلے کئی دفعہ یہ دکھایا ہے کہ اس تشبیہ و تشبیح کے کیا معنی ہیں اور کیوں کر جو ہم معانی اپنے مناسب قالبوں میں مجسم ہو کر وجود پذیر ہوتے ہیں، دنیا کے تمام اعمال صالحہ کی اگر تحلیل کی جائے تو انکی اولاد و قسمن بکھینگی، خدا پر ایمان اور خلوص دل سے انکی طاعت، جس کو "حق" اللہ کہتے ہیں اور دوسری ہندوگان اللہ کیساتھ جن سلوک ہندوگان اللہ کیساتھ جو نیک سلوک کیا جاسکتا ہو وہی ہو کہ انکی عزت ابرو کا پاس کیا جائے جسکو عفت و عصمت کہتے ہیں اور ان کے ضروریات زندگی کے ہتھ کر نے میں امداد کی جائے اور ضروریات زندگی یہی کھانا، پینا، پہننا، اور رہنا ہیں، انھیں کی نسبت ہم ان کے ساتھ جن سلوک کر سکتے ہیں، اب یہ پانچ قسمیں ہوئیں جنہیں جنت کی نعمتیں پانچ قسموں میں منحصر ہیں ایمان و اخلاص طاعت کی جزا وہ خود تبارک و تعالیٰ ہے، وہ اپنے قرب اور اپنے دیدار سے نواز کیا عفت و عصمت کی جزا حسین و جمیل بیویوں کی صورت میں نمایاں ہوگی، دوسروں کے کھلانے کی جزا جنت کے باغ اور پھل اور رقم رقم کے اواب طعام ہیں، دوسروں کو پلانے کی جزا خوش مزہ خوشگوار پینے کی مختلف چیزوں کی فراوانی ہے، پہنانے کی جزا ریشم و حریر و دیبا و اٹلس اور بہتر سے بہتر خوشنما لباس ہے اور رہنے اور رکھنے میں جن سلوک کی جزا خوش منظر مکان و قیامگاہ ہے،

ایک اور پہلو سے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی بہشت کی صفت یہ بیان فرمائی ہے،

إِنَّ لَكَ أَكْلًا جَمِيعًا وَ شَرِبًا وَ لَا تَعْرٰؤُكَ

بیشک تیرے لیے اس بہشت میں نہ بھوکا ہونا ہو

لَا تَطْمَؤُنٰ فِیْہَا وَ لَا تَضْحٰی (طہ - ۷۷)

نہ تنگ ہونا نہ پیاسا ہونا نہ دھوپ میں رہنا

یہی چار مختصر انسانی ضرورتیں ہیں، جو پھیل کر ایک دنیا ہو گئی ہیں، جب آدم کی اولاد کو اپنے اعمال صالحہ کے بدولت نجات ملیگی، تو پھر ان کے لیے وہی بہشت ہے، جس میں نہ بھوکا ہونا ہے، نہ پیاسا ہونا، نہ تنگ ہونا، نہ گرمی اور نہ دھوپ کی تکلیف میں گرفتار ہونا، اس حقیقت کی تعبیر و طرح سے کیا جاسکتی ہے، یا تو یہ کہ بہشت میں

اہل بہشت کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ ان تمام انسانی ضرورتوں سے کیسر پاک ملبے نیاز ہو جاتے ہیں، اس لیے وہ ان کوئی بھوکا ہو گا نہ پیاسا، نہ تنگ ہو گا، اور نہ دھوپ اور ٹوک کی محنت میں گرفتار، دوسرے یہ کہ بہشت میں اہل بہشت کو کھانے کے لیے ایسے اوانِ نعمت ملیں گے جن کو کھا کر انسان پھر بھوکا نہ ہو گا، اور پینے کے لیے شرابِ شربت کی دُنہرین بہنگی جن کو پی کر پھر پیاسا نہ ہو گا، اور پینے کو وہ کپڑے ملیں گے جو پھر نمیلے ہونگے اور نہ بوسیدہ ہو کر پھٹینگے اور رہنے کے لیے ایسے گھنے باغ اور بلند مکانات ملیں گے جہاں دھوپ کا گذر نہ ہو گا،

یہ اصول پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دنیا میں انسان کے لیے جو لطف و لذت ہے، وہ تھوڑی سی تکلیف کا نتیجہ ہے، انسانی اصول یہ ہے کہ بڑی لذت کے حصول کے لیے تھوڑی سی تکلیف گوارا کرتا ہے، اور بڑی مسرت پر چھوٹی چھوٹی مسرتوں کو قربان کرتا ہے، اسی اصول پر اُس کے تمام اعمال کی کامیابی و ناکامیابی کی بنیاد ہے، اعمالِ صالحہ کے بجالانے میں انسان کو اس دنیا میں چھوٹی چھوٹی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اپنی عارضی خوشیوں اور لذتوں کو اُن پر قربان کرنا ہوتا ہے، صبح کے نمازی کو خواب سحر کی لذت کو خیر باد کہنا، اور دوپہر کی جلٹی دھوپ میں ظہر کے لیے مسجد جانا پڑتا ہے، خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلانا پڑتا ہے، اور اپنی بہت سی ناجائز گرجا ہر دھپ خوشیوں کا ایشارہ کرنا پڑتا ہے، اس طرح پاکیزہ زندگی گزارنے پر اُس کو آخرت کی غیر فانی دولت اور ابدی سعادت میسر آتی ہے،

انسان کو دنیا میں ان اعمالِ صالحہ کی خاطر جن چیزوں کو قربان کرنا پڑتا ہے، اُن میں پہلی چیز تو خود اُس کی زندگی ہے، پھر انسانی زندگی کی وہ چار قسمیں ہیں، جن کا نام کھانا، پینا، پہننا اور رہنا ہے، اس لیے آخرت میں ان قربانیوں کی جزا میں انھیں کی مناسب و مماثل جو چیزیں ملیں گی، وہ غیر فانی زندگی، اوانِ طعام، اقسامِ شراب و مسرت، انواعِ لباس اور بہترین مسکن ہیں، قرآنِ پاک میں ہے،

وَمَا مِنْ طَعْنٍ وَلَا شَرْبٍ إِلَّا جَعَلْنَا اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ ثَوَابًا  
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْجَنَّةَ وَ اَسْأَلُکَ الْجَنَّةَ وَ اَسْأَلُکَ الْجَنَّةَ  
پس جس نے خدا سے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی  
رکے ناجائز لطف آرام کو ترجیح دی تو دوزخ اُس کا

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ فَإِنَّ الْجَنَّةَ خَيْرٌ

ٹھکانا ہے، لیکن جو خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا

النَّامُوسِ، (نارعات ۲۰)

اور اپنے نفس کو ناجائز خواہشوں سے روکا تو اُس کا ٹھکانا بہشت ہے

گرمس کی جزئی نیکیوں کی جزا تو وقتاً فوقتاً اس دنیا میں تھوڑی تھوڑی کر کے، شہرت، تعریف، ہر دلفریزی، اور دولت کی صورت میں ملتی رہتی ہے، مگر پوری زندگی کی مجموعی جزا دوسری زندگی ہی میں اُس کو ملے گی،

وَأَن تَأْمُرُوا قَوْمَ الْأَعْيُنِ أَنْ يَعْصُوا مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ

اور تمہاری مزدوری قیامت کے دن پوری

(ال عمران ۱۹) ادا کی جائے گی،

لطف و مسرت کا تصور | مسرت ایک نفسی کیفیت کا نام ہے، جو انسان کو اپنی کسی خواہش کے پورے ہونے وقت حاصل ہوتی ہے، اس بنا پر مسرت کے وجود کے لیے کسی خواہش کی تکمیل ضروری ہے، اب انسانی خواہشوں کی تکمیل کرو تو بالآخر ان کی انتہا انہیں باتوں پر ہوگی جنکی طلب اُسکی فطرت کے اندر ودیعت کر دی گئی ہے، اب غور کرو کہ وہ کیا چیزیں ہیں، یا کیا چیزیں اُس کے فہم میں آسکتی ہیں، وہ یہی ہیں، باغ و بہار، لباس و طعام، حور و قصور، خدم و حشم، سامان و اسباب، اور زر و جواہر، مسرت اور راحت کا جب کبھی تخیل آئیگا، اور جب کبھی ہم اُن کو سمجھنا چاہیں گے، اور کہنا چاہیں گے تو ہم کو انہیں چیزوں کا نقشہ کھینچنا پڑے گا، اور ہماری انسانی فطرت انہیں مسرتوں اور خوشیوں کو ڈھونڈنے کی عادی ہے، اور انہیں کے حصول کی خاطر دنیا میں ہر طرح کی سیدہ کاری اور گنہگاری کی ترکیب ہوتی ہے، اس لیے ان سے احتراز کرنے پر جو چیزیں ہم کو وہاں ملنے لگیں وہ ہمارے انہیں عادی مانوس اسباب مسرت کی صورتوں میں ہمارے سامنے پیش ہوں گی اور ہم اُن سے لطف اندوز ہوں گے،

لطف مسرت کا | اس دنیا سے کون و فساد میں ہم ایک عجیب قسم کی مصیبت میں مبتلا ہیں، ہم کو تخیل کے لحاظ سے اپنی اعلیٰ ترین تخیل | آرزوؤں اور خواہشوں کی وسیع اور غیر محدود دنیا بخشی گئی ہے، لیکن عملاً اپنی اپنی خواہشوں اور تنہاؤں

کے مطابق اپنی دنیا بنا لینے پر قدرت نہیں، نتیجہ یہ ہے کہ اگر ہم نے نصیر و شکر کا دامن نہیں پکڑا ہے، تو ہم سے زیادہ اس دنیا میں تصور و تخیل کی تکلیف میں کوئی اور گرفتار نہیں، جنت آخرت کی اُس دنیا کا نام ہے، جو ہمارے اعلیٰ ترین



تخیل اور ہماری متاؤن اور آرزوؤں کے مطابق ہوگی،

جَنَّتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُجْرَوْنَ فِيهَا مِنْ نَضْرٍ  
رہنے کے باغ جنکے نیچے نہرین بہتی ہوں، اُن کیلئے  
فَحْتًا اَلَا يَنْصُرُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ كَذَلِكَ  
اُن باغوں میں وہ ہے جو وہ چاہیں، اللہ اسی طرح  
يُجْرِي اللَّهُ الْمَتَّعِينَ (دخول - ۴)

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَلْاَنفُسُ وَلَكُمْ فِيهَا  
اور تمہارے لیے جنت میں وہ ہے جو تمہارے دل چاہیں  
مَا تَدْعُوْنَ (حم السجد - ۴)

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ (ق - ۳۰)  
ان کے لیے جنت میں وہ ہے جو وہ چاہیں اور ہم پاس اس کے  
وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيْهِ اَلْاَنفُسُ وَتَلَذُّ اَلْاَعْيُنُ  
اور جنت میں وہ ہے جس کی دل خواہش کریں اور  
(زخرف - ۷)

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ كَانَ عَلَى  
اُن کے لیے جنت میں وہ ہے جو وہ چاہیں گے یہ وہ  
رَبِّكَ وَعَدَ الْمُسْلِمُونَ (فرقان - ۲)

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ (زمر - ۷)

اُن کیلئے انکے پروردگار کے پاس وہ ہے جو وہ چاہیں گے  
الغرض جنت وہ مقام ہے جہاں ہم کو وہ کچھ ملے گا جہاں تک ہمارا مرغ خیال اگر پہنچ سکتا ہے، لطف دست  
کا وہ بلند سے بلند تخیل جو تصویریں اسکتا ہے وہاں ہمارے لیے مہیا ہوگا اسی بات میں ہر قسم کے لوگ تھے جنت کے سائے  
مسرت کے متعلق وہ اپنی اپنی پسند اور آرزو کے مطابق آپ سے پوچھتے رہتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے حضرت  
ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جو سب کچھ رہتا ہوگا انکی کیفیت بھی یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ  
اس سے فرمایا کہ تو اپنی انتہائی آرزو دل میں خیال کر وہ کریگا تو خدا فرمایا کہ تجھ کو وہ سب دیا گیا جس کی تو نے  
آرزو کی تھی اُن کے برابر اور یہاں تک کہ بازار کا شوق ہوگا تو بازار بھی لگے گا لیکن وہ حقیقی خرید و فروخت نہ ہوگی

لہ صبح مسلم

کہ وہ ان کی کس چیز کی ہوگی، بلکہ وہ مثالی صورتوں میں ہوگی، (الا الصور من الرجال)

کسی کو جنت میں کھیتی کا شوق ہوگا، تو وہ نہ، سبز، غلہ اور پھر تیار یسب کام منٹوں میں انجام پا جائے گا، ایک بدوی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں گھوڑے بھی ہونگے، فرمایا کہ اگر تم کو جنت ملی تو اگر تم یہ بھی چاہو گے کہ سرخ یا قوت کا گھوڑا ہو جو تم کو جہان چاہو بہشت میں لے پھرے تو وہ بھی ہوگا، دوسرے نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ بھی ہوگا، فرمایا اگر تم جنت میں گئے تو تمہارے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو تمہارا دل چاہے گا، اور جو تمہاری بکھینک

بسنڈ کریگی،

جنت میں اہل جنت کے مختلف رستے ہونگے، اس لیے اگلی کے لباس و سامان کو دیکھ کر ادنیٰ کو اپنی کمی کا خیال ہوگا، تو اس کے تصور میں یہ پیدا کر دیا جائیگا (حتیٰ تیختیل الیہ) کہ خود اس کا لباس و سامان اس سے بہتر ہے اور یہ اس لیے ہوگا کہ جنت میں کسی کو غم ہونا ممکن نہیں ہے۔“

کسی صاحبِ دل نے جنت کی یہ تعریف خوب کی ہے،

جنت بہان کوئی جہانی  
دروہائی آزار نہیں

بہشت آنجا کہ آزار سے ہم بانشہ

دنیا میں کوئی بڑی سے بڑی مسرور زندگی بھی ایسی نہیں مل سکتی جس کے پہلو میں مسرت کے بھول کھٹیا  
غم کا کوئی کاٹنا نہ چھوڑا ہو، یا تو موجودہ مسرت کے آئینہ مخمخ ہونے کا خوف ہے، اور یا گزشتہ ناکامی کا افسوس  
ہے، اس بنا پر یہاں کی کوئی خوشی بھی کامل نہیں، مگر جنت وہ مقام ہوگا، جہاں نہ ماضی و حال کا غم ہوگا، اور نہ  
مستقبل کا خوف ہوگا، چنانچہ اہل جنت کے متعلق بار بار ارشاد ہوا،

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، اِن کو خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے،

اور یہی بہشت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی، اس میں جہانی و روحانی ہر قسم کی نعمتیں داخل ہیں،

دنیا میں کوئی انسان اس وقت تک کوئی قلم لکے سے نہیں اُتار سکتا، اور نہ کوئی چٹھڑا بدن پر رکھ سکتا۔

۱۔ ترمذی دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۶، ۲۔ صحیح بخاری ص ۳۷ ترمذی ص ۱۴۵ ترمذی، یہ کل حدیثیں مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۶ سے لیکھی ہیں

جب تک اُس کے سر کا پسینہ اُس کے پاؤں تک نہ آئے، دنیا کی تمام فانی سرتین ہماری فانی کوششوں کا فانی نتیجہ ہیں مگر جنت کی خوشیاں بے غم و تکلیف ہماری گذشتہ فانی نیکیوں کا غیر فانی نتیجہ ہیں اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہے کہ وہ ہم کو ہماری آسائش کا تمام سامان اُس قسم کی ادنیٰ زحمت و مشقت اٹھائے بغیر سیرائے جہنم کے بغیر دنیا میں کوئی انسان زندہ ہی نہیں رہ سکتا، اور جسکی کشمکش سے یہ دنیا ہر انسان کے لیے دوزخ بنی ہے، چنانچہ اہل جنت جنت میں داخل ہو کر اور شاہانہ تزلزل و احتشام اور لباس و زیور سے آراستہ ہو کر خدا کی حمد و تعریف کا ترانہ ان قطعون میں گائیں گے،

جَنَّتْ عَدْنٌ يَدُّ خُلُقُهَا يَحْلِقُ قِيَمَهَا مِنْ رَهْنِ كَيْسِ بَاغِ جَهَنَّمَ وَهِيَ دَاخِلٌ هُوَ كَيْسُهَا مِنْ دَاخِلِهَا

اَسَاوِرُ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَنْزَلَ هَٰذَا عَنْ الْخُزْنِ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ الَّذِي سَيِّدُنَا

اَحْلَا نَا ذَا الْقُرْآنِ مِنْ فَضْلِهِ لَا يَسْمَنُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

لَا يَمُوتُ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا الْغُيُوبُ (فاطو) اِسْمُنَا

مِنْ تَحْتِهِمْ أَكْثَرُ (اعراف، ۵)

نیچے نہیں ہوتی ہیں

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْتِائًا اور ہم نے اُن کے سینوں سے کینہ کو کھینچ لیا، بھائی بھائی

عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ (حجر - ۴۰)

بلکہ تختوں پر اُٹنے سانسے بیٹھے ہونگے

اسی کی تفسیر میں حدیث صحیح میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہاں نہ دلون کا اختلاف ہوگا نہ باہم بغض اور کینہ نہ

سب کے دل ایک دِل کی طرح متحد ہونگے۔

وہاں کی جہانی زندگی | بہشت میں زندگی کی جولہ تین ہونگی نئی تعبیر لوانِ نعمت اور انوارِ شربت و شراب اور دوسرے  
کیسی ہوگی؟ مادی لذائذ سے ہو سکتی ہو، مگر وہ حظ و مسرت اور اطمینان و سکینت کے علاوہ کسی معنی میں

بھی مادی خصوصیات سے آلودہ نہ ہوگی، یہاں ہر کھانے پینے کے ساتھ بول بھرا، پسینہ اور سوہم کی قلت لگی ہوئی  
ہے، اور بغیر اس کے انسان یہاں زندہ نہیں رہ سکتا، مگر وہاں یہ کچھ نہ ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت  
ٹھانٹیں گے اور پسینے گے لیکن نہ ٹھوکیں گے نہ وہاں بول بھرا کی حاجت ہوگی، نہ وہاں ناک سے رطوبت نکلیں گی،  
نہ بلغم دھکھار جیسی گھنونی چیزیں ہونگی، کھانا ایک ڈکار میں ہضم ہوگا، وہاں کے پسینہ میں مشک کی خوشبو ہوگی، بہشت  
میں داخل ہوگا، اُس کو وہ نعمت ملے گی کہ پھر تکلیف نہ ہوگی، نہ اُن کے کپڑے بوسیدہ ہونگے، اور نہ انکی جوانی زائل  
ہوگی، وہاں مٹاوی غیب پہنچا کر رکھ دیا گیا، یہاں وہ تندرستی ہے کہ بیمار نہ پڑو گے، وہ زندگی ہے کہ پھر موت نہ آئے گی  
وہ جوانی ہے کہ پھر پڑھ نہ ہو گے، اور وہ آرام ہے کہ پھر تکلیف نہ پڑو گے، لوگوں کے چہرے اپنے اپنے اعمال کے  
مطابق چمکنے کوئی ستارہ کی طرح کوئی چودھویں کے چاند کی طرح۔

غور کرو کہ وہ جہانی زندگی، ہماری موجودہ جہانی زندگی سے کتنی مختلف ہوگی، اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے،  
انسان کبھی شکم مادر میں ایک بچہ کی صورت میں زندہ تھا، مگر وہاں اسکی زندگی اسکی غذا، اُس کے فضلہ غذا، اس کی  
سانس، اور دوسرے لوازم حیات، بیرون شکم کے دنیاوی اصول حیات و قوانین زندگی سے بالکل مختلف تھے

اسے صحیح مسلم صفتہ بختہ، اسے یہ ساری حدیثیں صحیح مسلم صفتہ البختہ میں ہیں،

اور جس طرح شکم مادر میں بچہ کا اس بیرونی زندگی کے حکایات کو تعب کیساتھ سنکر آمادہ انکار ہوتا دانشمندی نہ ہوگی، ایسے ہی اس مادی زندگی کے خوراک اور اس عالم آب و گل کے باشندے اس دوسری زندگی کے اصول حیات، طرز غذا، اور دوسرے لوازم حیات کو سنکر آمادہ انکار ہوں تو ان کا بھی یہ فعل دانشمندی کے خلاف ہوگا،

جنت ارتقاء روحانی ہے | مادی و جسمانی خلقت فطرت کی لاکھوں برس کی تاریخ کے مطالعہ اور تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ مادہ نے لاکھوں برس کے تغیرات کے بعد اس انسانی جسمانیات تک ترقی کی ہے، وہ پہلے جمادینا، پھر نبات کی شکل میں آیا، پھر حیوان کا قالب اختیار کیا، پھر جسم انسانی کی صورت میں نمودار ہوا، اور یہ مادیت کی سیراج ترقی ہے، جمادیت منکر نباتیت پیدا ہوئی، اور نباتیت فنا ہو کر حیوانیت نمودار ہوئی، پھر حیوانیت محدود ہو کر انسانیت ظہور پذیر ہوئی، اور ارتقاء انسانی کا جسمانی پہلو تکمیل کو پہنچ گیا، لیکن انسانیت کا دوسرا رخ جو روحانیت سے عبارت ہے، ہنوز اپنے آغاز طفولیت میں ہے، کیا اس پر بھی اسی ارتقائی دور کے مارج نہیں آئیں گے ایک مادہ پرست صرف باہم ارتقاء تک زمین، زمین، چڑھ کر ٹھہر جاتا ہے، لیکن مذہب اس سے بھی آگے لے چلتا ہے، اور بیان سے وہ اڑ کر سقف آسمان تک پہنچتا ہے، اور ملکوتیت کی سرحد کی ترقی شروع کرتا ہے، قرآن پاک کی ان آیتوں پر غور کرنے سے اس نظریہ کے اشارات نکلتے ہیں،

الَّذِينَ يَرْتُونَ الْآلِهَةَ قَوْلًا وَمِنْهُمْ فِرْيَا خَلْقًا  
جو فردوس کی وراثت پائیں گے، اور وہ آمین سدا

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَلَةٍ مِّنْ  
رَّيْنٍ، اور ہم (خدا) نے انسان کو مٹی کی کشید سے بنایا،

طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَظْفًا فِی قَرَارٍ مَّكِينٍ  
پھر اس کو (ہم نوالی کے) ایک ٹھہراؤ کی جگہ میں ایک

ثُمَّ خَلَقْنَا النَّطْفَةَ عَلَاقَةً فَمَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ  
بنایا، پھر اس کو بند کونہا ہوا خون بنایا، پھر اس خون کو

مُضْغًا فَخَلَقْنَا الْمُضْغَ عِظًا فَكَسْنَا الْعِظَ لَحْمًا  
لوٹھرا بنایا، پھر اس کو ٹھہرے کو ہڈیاں بنایا، پھر ہڈیوں کو

ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَايَسَ رُكْ  
گوشت بنایا، پھر اس کو ایک نئی صورت میں اٹھا کر کھڑا

اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ " (مومنون - ۱)  
کیا تو بہت والا ہے سب سے بہتر بنانے والا (خدا)،

لیکن یہ ترقی مین تک پہنچ کر نہیں جائیگی، بلکہ آگے بھی ہوگی، اس لیے جس طرح ان کے پیٹ کی تنگ  
 و تار یک دنیا مین زسیت حیات کے کچھ قواعد تھے، پھر عالم کی اس سے بھی وسیع تر دنیا مین اُس نے قدم رکھا،  
 جہاں ترقی و حیات کے دوسرے ہی اصول ہیں، اسی طرح اس دنیا سے مادی سے نکل کر اُس وسیع تر دنیا  
 مین قدم رکھ گا، جہاں ترقی اور سعادت کے اور دوسرے اصول ہونگے، چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا،  
 ثُمَّ أَتَاكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (مومنون-۱) پھر بیشک تم اس کے بعد مرنے والے ہو، اور پھر قیامت  
 یَوْمَ الْقِيَامَةِ تَبْعَثُونَهُ (مومنون-۱) کے دن اٹھائے جاوے گا،

جس طرح انسانیت سے پہلے لاکھوں برس مین ایک نوع کی کیفیت مٹ کر دوسری نوع کی کیفیت  
 پیدا ہوتے ہوئے انسانیت تک نوبت پہنچی، موت کے معنی یہ ہیں کہ اب نوع انسانی کی تمام کمقینیں مٹ کر ایک نئے  
 نوع کی کیفیتوں کی تیاری شروع ہوئی، صد ہا ہزار سال کے بعد قیامت سے دوسری نوع ملکوتی کا ظہور ہوگا،  
 یہاں مسئلہ ارتقاء کا دوسرا اصول سامنے آتا ہے جسکو بقاء صلیح کہتے ہیں، کہ ان مدارج ترقی کے انسان  
 ہزاروں وہ نوعیں فنا ہوتی رہتی ہیں جن مین آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اور وہی باقی رہ جاتی ہیں جن مین  
 آئندہ بقاء کی پوری استعداد ہوتی ہے، اس طرح پچھلی استعداد سے آئندہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اس  
 دوسری ملکوتی نوع کی استعداد انھیں کو ملتی ہے جو جنکے اندر اپنی پچھلی مادی و جسمانی زندگی مین اس کی استعداد پیدا ہو چکی  
 تھی، اور رخ کے درجے اُن لوگوں کے مقامات ہیں جو گویا ہنوز، جاوی و نباتی و حیوانی منزلوں مین ہیں، اور  
 ممکن ہے کہ وہ اس دارالامتحان مین اپنی کمی استعداد کے بقدر بکر آگے کی استعداد پیدا کر لیں، اور ملکوتیت کی ترقی  
 حاصل کر سکیں،

بہشت کے مختلف مدارج اُنکی استعدادوں کے مقامات ہیں، جو اپنی پہلی ہی زندگی مین اس ترقی کی استعداد  
 پیدا کر چکے تھے، لیکن یہاں پہنچ کر بھی اُن کی روحانی ترقی کا دروازہ بند نہ ہوگا، بلکہ وہ بقدر استعداد تکمیل کے مدارج طے  
 کرتے چلے جائیں گے، شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (تین-۱) ان (بشتیوں) کے لیے نہ ختم ہونے والی مزدوری ہے،

ایک دوسری آیت میں ہے کہ اہل بہشت بہشت میں ہمارے کریں گے،

لَوْ رُفِعَ يَسْعَى بَيْنَ آيِدِيهِمْ وَيَأْتِيَانِهِمْ اُنْ كَانُوا اُنْ كَسَانِهِ اُنْ كَسَانِهِ اُنْ كَسَانِهِ

يَقُولُونَ رَبَّنَا اُنْتُمْ لَنَا نُورٌ نَاوَاغْفُو اِسے ہمارے پروردگار! ہمارے نور کو کامل اور ہم کو

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (تحریم-۲) معاف کر دے ہر بات کر سکتا ہے،

یہ مزید تکمیل کی خواہش میں بہشت میں ظاہر کی جا رہی ہے، اور دعا کا آغاز ”رب“ کی ندا سے ہوتا ہے اس

اشارہ ہے کہ یہ مزید تکمیل اسی کی ر بوبیت کا اقتضا ہے، جو نیکو کاروں کو جنت میں حاصل ہوگی،

امن و سلامتی کا گھر انسان امن و سلامتی کا بھوکا ہے، لیکن وہ اس امن و سلامتی کو اسباب راحت کے انبار میں تلاش

کرتا ہے، اور نہیں پاتا، وہ دنیا میں امن کا گوشہ ڈھونڈتا ہے، اور وہ اسکو نہیں ملتا، لیکن یہاں اگر اسکو نہ صرف امن

کا گوشہ، بلکہ امن و سلامتی کی ایک دنیا ملے گی، وہ پرنذ جو عمر بھر چار عناصر کے نقص میں گرفتار رہا، یہاں وہ سدرۃ المنتهی

کی ہر شاخ پر آزادانہ پرواز کرے گا، جنت کے جہان وحی محمدی نے اور بہت سے نام بتائے ہیں، وہاں اس کا ایک

نام **السلام** بھی بتایا ہے، جس کے معنی امن و سلامتی کے گھر کے ہیں،

اہل جنت کی نسبت ارشاد ہے،

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ (النور-۱۵) اُن کے لیے اُنکے پروردگار کے پاس سلامتی کا گھر ہے،

اللہ تعالیٰ نے جس شریعت کو دیکر اپنے پیغمبر علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے، وہ حقیقت میں اسی امن و سلامتی

کی نوید بشارت ہے، اسی لئے فرمایا،

وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ (یونس-۳) اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلا تا ہے،

آنحضرت صلعم جب مدینہ منورہ تشریف لائے، تو سب سے پہلے اسی امن و سلامتی کے گھر کی دعوت پیش فرمائی

عبداللہ بن سلام جو ایک یہودی عالم تھے، آنحضرت صلعم کی جس صراط نبوت نے سب سے پہلے اُن کے دل

مین گھر کیا، وہ یہ تھی، ”لوگو! سلامتی پھیلاؤ، بھوکون کو کھلاؤ، جب دنیا غفلت کی نیند سوئے تو تم اٹھ کر اُس کی عبارت کرو، امن و سلامتی کے گھر میں رہنا تم کو نصیب ہوگا۔“

جنت کے ذکر میں اس امن و سلامتی کا تذکرہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے در و دیوار سے امن و سلامتی کے ترانے سنائی دینگے،

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنَجِّمُكُمْ عَنْ الْعَذَابِ إِلَىٰ دَرَجَاتٍ مُّسْتَقِيمَةٍ، وَتَجْرُونَ فِي الْأَشْدَادِ تَجْرِينَ لَحَالِبِينَ، وَالْمَلَائِكَةُ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ وَلَهُمْ فِيهَا حَقٌّ مُّثَقَّلٌ، (رعد - ۳۰)

اور فرشتے ہر دروازہ سے اُن کے سامنے یہ کہتے ہوئے

آئینگے کہ تم پر سلامتی ہو کہ تم نے صبر کیا تھا، تو کیسا اچھا

پچھلا گھر ہے،

وہاں امن و سلامتی کے سوا کچھ سنائی نہ دیگا،

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ، (واقفہ - ۱)

لیکن سلامتی سلامتی کی پکار

فرشتے اہل جنت کو یوں کہیں گے،

ادْخُلُوا بِسَلَامٍ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ، (نور - ۲۴)

اُن میں سلامتی کے سوا کوئی اور یہودہ بات نہ سنیں گے

جنت کا ایک اور نام قرآن میں ”مقام امین“ امن والا مقام بتایا گیا ہے، فرمایا،

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ، (دخان - ۳۰)

بیشک پرہیزگار لوگ امن والے مقام میں ہوں گے،

مقام رحمت اُحد کی رحمت کب نہیں؟ اور کہاں نہیں؟ مگر دنیا کے فطری قوانین کے بموجب اس دنیا میں ایسے

واقعات اور حادثے بھی پیش آجاتے ہیں، جنکو ہم رحمت کے بجائے قہر الہی سے تعبیر کرتے ہیں، پھر یہ بھی واقعہ

ہے کہ خود ہم کو ہمارے اعمال کے بدولت، خداوند تعالیٰ کے قہر و غضب میں مبتلا ہونا پڑتا ہے، لیکن ایک عالم

وہ ہے جہاں اُس کی رحمت کے سوا اُس کے قہر و غضب کا نام و نشان نہ ہوگا، اُس کی رحمت اور فیض و کرم کی

وہاں ہر طرف بارش ہوگی، اور اس کی رحمت کے سوا کوئی اور منظر کہیں، اور کبھی نہ کھائی نہ دیگا،



بَشِّرْهُمْ رَجْءًا بِرَحْمَةٍ مِّنْكَ وَبِرِضْوَانٍ  
اُن کا پروردگار اُن کو اپنی رحمت، خوشنودی اور اُن

وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّثْبِتٌ (توبہ-۳)  
باغوں کی خوشخبری دیتا ہوں جنہیں اُن کیلئے ہمیشہ کا آرام ہے،

اہل جنت کو جن کے ہرے خوشی سے دکتے ہوں گے، یہ آواز سنائی دیگی،

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْتِغَتْ وَجُوهُهُمْ فَأُفٍّ  
لیکن جنکے چہرے روشن ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں

رَحْمَةٍ مِّنْ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (ال عمران-۱۱)  
ہوں گے، اُمین وہ سدا رہیں گے،

مقام نور | جنت نور کا وہ مقام ہے، جہاں ظلمت و تاریکی کا نام و نشان نہ ہوگا، جنتیوں کے چہرے روشن ہوں گے

کوئی ستاروں کی طرح چمکیگا، اور کوئی چاند کی طرح، ہر طرف اُن کے انوار کی بارش ہوگی، آگے پیچھے، داہنے بائیں ہر سمت سے نور درخشان ہوگا، فرمایا،

تَوْرَهُمْ نَسْجَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ  
اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے داہنے

(تخیر-۲) دوڑے گا،

اُس دن اہل ایمان کے نور ایمان کی بجلیاں ہر طرف کوندینگی،

يَوْمَ تَنبُرُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ  
جس دن تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو

تَوْرَهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ  
دیکھیگا کہ اُن کا نور اُنکے سامنے اور اُن کے داہنے

بَشِّرْكُمْ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ  
چمکیگا، آج تکو خوشخبری ہو، وہ باغ ہیں جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ  
نہیں بہتی ہیں، اُن میں ہمیشہ رہا کر دے یہی بڑی

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (حدید-۲) کامیابی ہے،

اُس دن اہل نفاق اہل ایمان سے آرزو کریں گے، کہ ذرا ٹھہر جائیے، کہ ہمارے ظلمت کدہ میں بھی ایک دم

کے لیے روشنی ہو جائے،

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ  
جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان سے

اٰمَنُوْا لَطُفُوْا وَنَاكَفَتْسِ مِنْ تُوْبِكُمْ (حدیث ۲۰) کینگی کہ ذرا طہر کہ ہم بھی تمہارے فورے روشنی میں۔

مقامِ رضوان | جنت کے انعامات کی فہرست میں سب سے آخری چیز مقامِ رضوان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بند سے راضی اور خوش ہونا کہ اس کے بعد نہ کبھی وہ اپنے اُس بندہ پر عتاب فرمایگا، نہ اُس سے ناراض ہوگا، بلکہ اُسکو اپنی رضامندی اور خوشنودی کی لازوال دولت عطا فرمائے گا، متقیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں رکھی ہیں اُن میں جنت، بہرین، پاک بیویاں، اور اُن سب کے بعد روح کی مسرت رکھی ہے، لیکن ان سب کے بعد بھی اپنی سب سے آخری نعمت اپنی اسی رضامندی کو ظاہر فرماتا ہے، چنانچہ سورہ توبہ میں رحمت اور رضوان کے بعد جنت کے ذکر کو جگہ دی گئی ہے۔

يُشِيرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ اُنکا پروردگار اُنکو اپنی رحمت اور خوشنودی (رضوان) کی نشانی

وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّثَقِيْمٌ (توبہ - ۳) دیتا ہے اور اُن باغوں کی جنہیں نعمت الہی قائم رہیگی،

سورہ حدید میں بھی اسی طرح مغفرت اور رضا کے الہی کے بعد بطور تکملہ کے جنت کا ذکر کرتا ہے، فرمایا،

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۚ وَوَعَفْرٌ رَبُّكَ اُوْرْخْتِ مِیْن سَخْتِ عَذَابِیْ، اور خدا کی بخشش اور

مِنْ رَبِّكَ وَرِضْوَانٌ ۚ وَوَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا رِضَامندی بھی ہے اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سان

اِكْتِمَاعٌ الْغُرُوْرُ، سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَتِیْ ہے، اپنے رب کی بخشش اور اُس جنت کی طرف دوڑو جکا

مِنْ سُرَابٍ ۚ وَجَنَّتْ عَنْ رُضْوَانِیْ ۚ وَوَمَا لَكُمْ مِنْ سَیْمَا پھیلاؤ آسمان اور زمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے، یہ انکے

وَلَا تَرْضٰی اَعْدَاتُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ لیے بنائی گئی ہے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر یقین

وَرُسُلِهِمْ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُوْنِیْسُ مِنْ سَبَیْلِہِ رکھتے ہیں، یہ اللہ کی ہر بانی ہے، جس کو چاہتا ہے،

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ، (حدیث - ۳) دیتا ہے، اور اللہ بڑی ہر بانی والا ہے،

سورہ آل عمران میں جنت کی تمام نعمتوں کو گنا کر اُن کا خاتمہ رضوان کی عظیم الشان بشارت پر کیا گیا ہے،

فرمایا،

لَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَنْزَلَ مِنْ سَمَوَاتٍ مَطَرًا مُبَارَكًا ۚ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ (آل عمران ۴۲)

جہنوں نے پرہیزگاری کی ان کے لیے اُنکے پروردگار کے پاس ایسے باغ ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ٹھہر کر خوشی اور پاک بیویاں اور اللہ کی خوشنودی

سورہ توبہ میں جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت رضوان الہی کو قرار دیا ہے،

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٌ طَيِّبٌ فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ مِمَّا رِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ الْكَبِيرِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (توبہ ۹)

اللہ نے ایمان مردوں اور عورتوں سے ان باغوں کا وعدہ کیا ہے جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں مسکن رہینگے اور رہنے کے ستھرے گھر اور اللہ کی رضا مندی سب سے بڑی ہے، وہی بڑی کامیابی ہے

بہشت کی مطمئن وحوں کو اس دنیا سے رخصت ہوتے ہی یہ نوید مسرت سنائی جاتی ہے،

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (فجر ۱۱)

اے طمئن الی روح! تو اپنے رب کے پاس اس طرح واپس جا کہ تو اس سے راضی ہو، اور وہ تجھ سے راضی ہو،

اہل جنت کی یہ صفت آئی ہے،

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (مائدہ ۱۶)

خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش،

انجین آیتوں کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت سنائی ہے، کہ خداوند تعالیٰ اہل جنت کو آواز دے گا کہ اے جنت والو! وہ جواب دینگے کہ اے خداوند! ہم حاضر ہیں، سب بھلائیوں تیرے پاس ہیں، فرمایا جنت کی نعمتیں پا کر، اب تم خوش ہوئے، عرض کریں گے پروردگار! کیون خوش نہ ہوں کہ تو نے ہم کو وہ کچھ دیا جو کسی کو نہیں دیا، فرمایا کہ میں ان تمام گزشتہ نعمتوں سے بڑھ کر جو چیز ہے وہ تم کو نہ دون؟ کہیں گے اسے پروردگار! ان سے بہتر کیا ہے؟ فرمایا جگا، یہ کہ اپنی رضا مندی و خوشی تم پر اتاروں، پھر اس کے بعد میں کہیں تم سے ناراض نہ ہوں گا۔

لے جنت کی خوشی  
سورہ توبہ ۹

مقامِ طیب ظاہر موجود دنیا کی ہر چیز آلودگیوں اور نجاستوں سے بھری ہے لیکن بہشت وہ مقام ہے جو پاک و ستھرا

لطافت اور طہارت کا منظر ہے اس میں ہی داخل ہونگے جو گنی ہوں سے پاک ہو چکے ہوں۔ فرمایا

طِبْتُمْ فَأَدْخَلُوهَا خِلْدًا مِّنْ (نہر - ۸) تم پاک ہو چکے تو جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ،

جو زندگی وہاں ملے گی وہ بھی پاک و صاف اور ستھری اور ہر جسمانی و روحانی آلائش سے بری ہوگی، فرمایا،

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ وَأُنْشِئَ وَهُوَ مرد ہو یا عورت جس نے مومن بن کر اچھے کام کئے ہم کو

مُؤْمِنٍ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ ایک پاک زندگی دیکر جلائیں گے اور ان کو ہم ان کے

اَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (نحل - ۱۲) سب سے بہتر عمل کے مطابق بدلہ دیں گے،

جو گھر وہاں ملین گے وہ بھی پاک و صاف اور ستھری ہونگے،

وَسَلٰكِنِ طَيِّبَةً (صف - ۲) اور پاک گھر،

جو بیویاں ملین گی وہ پاک ہونگی،

وَأَسْرَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (ال عمران - ۲) اور پاک بیویاں،

وہاں کی جو باتیں ہونگی وہ بھی پاک،

وَهُدًى وَآلِی الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ (حج - ۳) اور اہل جنت کو پاکیزہ گفتار کی طرف رہنمائی کی جائے گی،

ان کو پینے کی جو چیزیں ملے گی وہ بھی پاک ہوگی،

لَهُ شَرَابٌ طَهُورًا (دھر - ۱) اور پینے کی پاک چیز،

غرض کہ ہر چیز وہاں پاک، صاف، طیب و طاہر ہر روحانی و جسمانی آلودگیوں سے مبرا ہوگی،

تبیح و تہلیل | اس آرام و لطف کے بعد اہل جنت کی روحانی لذت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل ہوگی

کی روحانی غذا ہوگی، وہ عالم جہان ہر طرف انوار الہی برستے ہیں، جہان صفائی اور ستھرائی کے سوا کوئی اور

میں، جہان قدس و نزاہت کی ہر طرف صورتیں نظر آئیں گی، وہاں حمد و ثنا کے روح افزا ترانے بھی ہر طرف

سے بلند ہو گئے،

دَعُوهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ  
جنت میں اُن کی ندایہ ہوگی کہ اے میرے اللہ تیری  
فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ اِنَّ الْحَمْدَ  
پاک اور اُن کی آپس کی دعا سلامتی ہوگی، اور انکی آخری  
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، (یونس-۱)  
پکاریہ ہوگی، کہ دنیا کے پروردگار اللہ (تعالیٰ) کی حمد و ثناء  
جنت کی تمام شاہانہ نعمتوں کے بعد بڑی نعمت یہ ہوگی، کہ خدا کی تسبیح و تہلیل کی نئی نئی پر لطف راہیں مل رہی ہیں  
پر کھلینگی فرمایا،

اِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا  
بیشک اللہ اُن کو جویان لائے اور اچھے کام کیے اُن  
الصَّالِحَاتِ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
باغوں میں داخل کرے گا، جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں، انہیں  
يُخْلِقُونَ فِيهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَ  
انگو سونے کے کنگن، اور موتی پہنائے جائیں گے اور انکی پوشاک  
لُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ وَهَدُودًا  
اُن میں ریشم کی ہوگی، اور وہ راہ دکھائے جائیں گے اچھی  
اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهَدُودًا اِلَى  
بات کی، اور دکھائے جائیں گے اُس سربراہِ احد  
صِرَاطِ الْحَمِيدِ، (حج-۳) (ذات کی راہ،

وہ اپنے ہر سرور اور نعمت کے شکر یہ میں فرشتوں کے ساتھ مل کر حمد الہی کا سرودِ سرمدی گاؤں گے، اور وہ وقت

ہوگا جب عالم وجود کے ہر گوشہ سے اسکی حمد کا ترانہ بلند ہوگا، فرمایا،

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ  
جنت کے نگہبان اُن سے کہیں گے، تم پر سلامتی ہو،  
فَادْخُلُوهَا حٰلِدِينَ، وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ  
تم پاک ہو چکے تو جنت میں چلے جاؤ، اہل جنت کہیں گے  
الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَ لَا وَاَوْفَا بَعْدَ الْاَوَّلِ  
اُس اللہ کی حمد جو جس نے اپنا وعدہ پکا کیا، اور ہم کو اس  
تَنَبَّؤُا مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۚ فَنِعْمَ  
سرزمین کا مالک کیا، کہ جنت میں جہاں چاہیں رہیں  
اَنْجُرُ الْعَمِلَيْنِ، وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِينَ  
تو کام کرنے والوں کی کیسی اچھی مزدوری ہو، اور دیکھیں گے

مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُتَبَعُونَ بِحَمْدِ سَرِيعٍ ۝  
 كَفَرْتُمْ عَنْ عَرْشِ آلِي كُتَيْبٍ سَافِرٍ ۝  
 وَتُضَىٰ بَيْنَهُمَا الْحَقُّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ  
 الْعَالَمِينَ (نہر - ۸)

اہل جنت کے متعلق قرآن پاک میں ایک جگہ ہے،  
 لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا وَلَهُمْ  
 رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا (سورہ - ۴)

اس صبح و شام کی روزی سے مقصود کیا جنت کے کھانے کے احوال نعمت ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو صبح و شام  
 کی تخصیص کیا تھی، وہ تو ہر وقت سامنے ہونگے، میرا گمان یہ ہے کہ اس روزی سے خدا کی تسبیح و تہلیل کی روحانی روزی  
 اور ربانی غذا مراد ہے، اور حدیث کے ان لفظوں کو اسی کی تفسیر جانتا ہوں، صبح و شام میں ہے کہ آپ نے جنت کی  
 نعمتوں کے سلسلہ میں فرمایا،

يُسَبِّحُونَ اللَّهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا (صفت الجنت)  
 وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کریں گے،  
 ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اہل جنت کو خدا کی تسبیح و تقدیس کا الامام ہوا کریگا، اور شاید قرآن  
 پاک کی اس آیت کے ہی معنی ہوں،

وَهْدُ وَآلِي الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدًى  
 اِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ (ج - ۳)

مقام قرب | اہل جنت کو جو کچھ نصیب ہوگا، ان سب کے سوا سب سے اعلیٰ مرتبہ قرب خاص کا مقام ہے، بندے اپنے  
 پروردگار کی حضور کی کاشف پائین گے، قرآن پاک میں جا بجا ان کے لیے یہ آتا ہے جَزَاءُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
 جَزَاءُ ان کے پروردگار کے پاس۔ یہ قرب خاص کے اشارے ہیں، اور ایک جگہ یہ اشارہ اس نصرت سے بدلی جاتا ہے  
 اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ، فِي مَقْعَدٍ  
 بَشِيشٍ، پر میز گارنا غن میں اور نہروں میں پہاڑی کی

صَدَقَ عِنْدَ مَلِكٍ مُقْتَدِرٍ (قمر-۳) نشست گاہ میں اس بادشاہ کے حضور جب کاسب پر قبضہ ہے،

دیدارِ جنت کی سب سے آخری لیکن بڑی نعمت، اللہ تعالیٰ کی تجلی کا نظارہ ہے، کون ہے جو اس مطلع انوار کے دیدار کی تاب لاسکے، تاہم یا تو یہ آنکھیں کچھ اور آنکھیں ہونگی، یا وہ نورِ مطلق کسی خاص نشان میں نمایاں ہوگا، اُس وقت یہ ظلم ہوگا کہ وہ نورِ کامرز بنکر نمودار ہوگا، اور اہل جنت کی مشتاق آنکھیں اسکی طرف اٹھی ہونگی،

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرٌ اِلٰى سَرِيحَانَا خَطَرٌ ۝۱۰

کتنے چہرے اُس دن تروتازہ اور اپنے پروردگار کی

دیکھ رہے ہونگے،

(قیامہ-۱)

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت جریر بن عبداللہ صحابی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو بالمشاہدہ دیکھو گے، دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جیسے چاند کو تم دیکھ رہے ہو ایسے ہی تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے، اس دیدار و رویت میں کوئی ایک دوسرے کا مزاحم نہ ہوگا، اس تمثیل سے آپ کے دو مقصود ہیں ایک تو شدتِ یقین کا اظہار کہ جس طرح تم اس روشن چاند کو بے شک و شبہ دیکھ رہے ہو، اسی طرح بے شک و شبہ اپنے پروردگار کو دیکھو گے، دوسرا مقصد یہ ہے کہ جس طرح لاکھوں کا مجمع بھی ہو تو سب لوگ ایک چاند کو یکساں حیثیت سے باطمینان اس طرح دیکھ سکتے ہیں، کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے میں عائق نہیں ہوتا، اسی طرح دیدارِ الٰہی نہ کڑوڑوں کا ہجوم مانع نہ ہوگا، تنہا ہی نہیں بلکہ جس دن جنتی اپنے پروردگار کے حضور میں پیش ہونگے، اُن کی زبان پر سلامتی کی دعا ہوگی،

يَحْيٰىهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَہٗ سَلٰمٌ (احزاب)

اُنکی عاجبہ اپنے پروردگار سے ملنے کے سلامتی ہوگی

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ سراپا رحمت پروردگار خود اپنے بندہ کو اپنی زبان سے سلامتی کا پیام دیگا،

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَبِّ رَحِيْمٍ (یس-۴)

رحمت الٰہی پروردگار کی مہربانی ہوگا،

بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا خداوند تعالیٰ اپنے بندہ سے ترجمان کے بغیر خود کلام فرمائیگا۔

لے صحیح بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۱، لے ایضاً باب کلام الرب،

یہ روایت کیونکر ہوگی، اہل روایت لفظ کے قائل ہیں، اہل عقل زیادتِ ایمان کی تاویل کرتے ہیں، اہل حقیقت اُس کو اسرار و صفات کی ناقابلِ بیان جلوہ انگیزی سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن فیصلہ یہ ہے،

بیاکین داوریہ مارا بہ پیش داوریہ اندازیم

ان تعلیمات کا اُٹا اثر | اوپر کے صفحوں میں قیامت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ کے پورے مناظر گزر چکے، یہ ایمان بالغیب مذہب کی حقیقت کا اصلی جوہر ہے، اور اسی کے یقین میں مذہب کی اصلی طاقت پوشیدہ ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ اہل عرب کو ان حقائق کی تسلیم سے کس قدر انکار تھا، بلکہ مرکر جی اٹھنا، اور اس موت کے بعد دوبارہ زندگی اُن کے نزدیک کس قدر مستبعد تھی، قرآن پاک کا بڑا حصہ شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات کے بعد اسی حیاتِ بعد الموت کی تلقین، اور اس پر ایمان کی دعوت پر مشتمل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکثر خطبوں میں اس کا حال بیان کیا کرتے تھے، اور مجاہد کے خطبوں میں خصوصیت کیساتھ سورہ قیامت و توحید فرماتے تھے، جن میں قیامت کے حالات ہیں، لہذا دیکھو کہ ۲۳ برس کی مسلسل تعلیم قرآن پاک کی تاثیر، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ ہدایت سے نہ صرف انہیں انکار سے باز کیا، بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مناظر اُن کے دل و دماغ کی لوح میں منقوش ہو گئے تھے،

یاد ہو گا کہ اسلام کے آغاز میں ایک عرب شاعر نے طنزاً کہا تھا،

اموت ثم یبعث ثم حشر  
حدا یت خرافۃ یا اعدائے

کیا مرنا ہو، پھر جینا، اور پھر اکٹھا ہونا  
اسے عمر کی مان، یہ خرافات باتیں ہیں

لیکن چند ہی سال کے بعد یہ طنز انکار، مزید یقین سے بدل گیا، اور اس وقت عرب کا شاعر یہ کہنے لگا، ہم آسمان تک پہنچ گئے اور خدا سے امید ہے کہ ہم اس سے بھی اونچے جائیں گے،

وَاِنَّا لَنَرٰکَ فَوْقَ ذٰلِکَ مُنْظَرًا،  
اور ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ اس سے بھی بلند مقام میں ملو گے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استفسار فرماتے ہیں کہ آسمان سے بھی بلند مقام اور کیا ہے؟ عرض کرتا ہے کہ جنت یا رسول اللہ! آپ فرماتے ہیں انشاء اللہ دیکھو کہ جنکی نظریں زمین سے اونچی نہیں جا پاتی تھیں، انکا تخیل آسمان سے بھی اونچا جانے لگا،

۱۔ احادیث  
۲۔ استنباط  
۳۔ اجتہاد



جنگو مر کر پھر چینا دور اور عقل معلوم ہوتا تھا جنگو آخرت کے مواخذہ کا کوئی ڈرنہ تھا جنگو اپنے اعمال کی جوابدہی کی پروا نہ تھی جو سزا  
و جزا کے مفہوم سے بیگانہ تھے جو جنت و دوزخ کے تخیل سے نا آشنا تھے وہ اس ہولناک منظر سے ڈرنے لگے دوسری  
زندگی پر اُن کو اسی طرح یقین آگیا جس طرح آج کی زندگی پر تھا آخرت کے مواخذہ سے وہ بید کی طرح کانپنے لگے اعمال  
کی جوابدہی سے ترسان و لرزان رہنے لگے سزا و جزا کے خوف سے وہ اپنے ہر عمل کی باز پرس خود کرنے لگے جنت کا  
اشتیاق اُن کو بڑی سی بڑی قربانی پر آمادہ کر دیتا تھا دوزخ کا ڈران کے دل کے اندر کے ہر تار کو چھڑکاتا تھا اور کئی کچھ  
کو شکبار رکھتا تھا فرائض اور ذمہ داری کو دیانتداری کے ساتھ ادا کرنے پر ہر خطہ اُن کو آمادہ کرتا رہتا تھا راحت کے خواب  
اور آرام کے بستر سے اُن کو چونکا کر عمل کے میدان میں تنہا لے آتا تھا اور ہر نیک کام اور عمدہ عمل کے لیے اُن کو بہتر  
سرگرم اور سر تاپا مصروف جدوجہد بنا دیتا تھا تنہائی اور تاریکی میں بھی اُن کے دل اور بدن کو برائیوں اور بد اعمالیوں سے  
باز رکھتا تھا اُن کے ضمیر اور دل کے صفوں کو ہر وقت خدا کی نگاہوں کے سامنے کھلا رکھتا تھا

ایک دفعہ دو صحابیوں میں کسی حقیقت کے متعلق جھگڑا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فریقین کی باتیں سن کر ایک کے حق  
میں اوسکا فیصلہ دیدیا پھر فرمایا "میں بھی ایک آدمی ہوں مدعی اور مدعا علیہ میں سے نہ کہ کوئی زیادہ اچھا بولنے والا ہوں  
جو اپنے دعویٰ کو خوبی کیساتھ بیان کرے اور میں اُس کے موافق اوسکا فیصلہ دوں لیکن درحقیقت وہ چیز اسکی نہ ہو  
تو گویا میں اوس کے گلے میں آگ کا ایک طوق پہنا رہا ہوں یہ سن کر فریقین پر یہ اثر ہوا کہ دونوں رونے لگے اور ہر ایک  
اپنا حصہ دوسرے کو دینے لگا

حضرت عمرؓ خدا کے مطیع و فرمانبردار تھے رسول کے عاشق و شہداء تھے نیکیوں سے مالا مال تھے جنت کی بشارت  
سے سرفراز تھے تاہم آخرت کے مواخذہ اور جوابدہی سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ ایک دفعہ انھوں نے کہا کہ اگر وہاں  
نبوی کے بعد میرے اچھے اور برے اعمال برابر برابر ہیں تو بھی میں خوش ہوں اگر جنت نہ ملے تو پرواہ نہیں اگر وہاں  
دوزخ نہ ملے وہ نزع کی حالت میں بہت چین تھے بعض صحابہ اُن کے اچھے اعمال گناہ گران کو تسلی دینے لگے تو جواب

مین کہا "خدا کی قسم اگر کل زمین میرے لئے سونا ہو جاتی کہ اُس کو دیکر عذابِ الہی سے بچ سکتا تو مین دیدیتا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی تھیں "اے کاش مین جنگل کی گھاس ٹھوتی" اے کاش مین کچھ نہ ٹھوتی۔

قیامت کے متعلق قرآن پاک کی عجیب موثر آیت :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۖ إِنَّ زُلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۚ يَوْمَ تَرَوْهُمَا تَدَّ هُلُ كُلٌّ مَّرْضَعَهُ ۖ تَمَازَا ۚ أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ

لوگو! اپنے رب سے ڈرو قیامت کا جو پھال ایک بڑی چیز ہے جس دن اوسکو دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے دودھ پیتے بچہ کو بھول جائیگی اور پیٹ والی اپنا پیٹ ڈال دیگی اور لوگوں کو نشہ مین دیکھو گے لیکن وہ نشہ مین نہ ہوں گے بلکہ

اللہ شَدِيدٌ، (سجہ - ۱) خدا کا عذاب سخت ہوگا،

جب اتری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو سنایا، اور اوسکی تفسیر کی، تو اُن کے چہروں کا رنگ لٹک بدل گیا، اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کا ذکر کیا اور موت کے بعد کے عذاب کا حال بیان کیا، تو صحابہ چھین مار مار کر روئے لگے، حضرت ابو ہریرہؓ کو ایک بار قیامت کے ایک منظر کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اُٹھائے روایت مین وہ تین دفعہ ہوش ہو کر گرے، اور جب امیر معاویہؓ کے سامنے یہ روایت دہرائی گئی تو اُن پر بھی گریہ طاری ہو گیا،

اس یقینِ ایمان کا دوسرا سامان یہ ہے کہ چادر کا میدانِ جنگ ہے، مشرکین کی ایک ہزار لوہے مین ڈوبی ہوئی تلواریں، اس یابِ امید آ رہا ہے، اور حقینِ تلواریں مسلمان صفِ باندھے کھڑے ہین کہ آپ صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرماتے ہین: لو اُس جنت کا موقع سامنے ہے جسکی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے، ایک انصاری حیرت سے پوچھتے ہین کہ کیا آسمان و زمین کے برابر آپ فرماتے ہین؟ ہاں، "وہ خوشی سے واہ واہ کہہ اٹھتے ہین، آپ دریافت فرماتے ہین کہ تم نے واہ واہ کیوں کہا، عرض کی، اس امید سے کہ شاید مین بھی اُس مین ہوں، فرمایا تم اُس مین ہو، یہ سنکر وہ کچھ رنکال نکال کر جلدی جلدی

عقباتِ روزی  
ابواب الزہراء

صحیح بخاری فضائل حضرت عمرؓ جلد اول صفحہ ۱۵۲ ابن سعد جزہ الناس ۱۵۲ صحیح بخاری مناقب عائشہؓ تفسیر سورہ نور و مستدرک حاکم ترجمہ عائشہؓ ابن فضال مسند عائشہؓ صحیح بخاری تفسیر سورہ حج جلد دوم ۱۵۲ صحیح بخاری تفسیر سورہ حج ۱۵۲ سنن نسائی کتاب النکاح باب النکاح و النکاح

کھانے لگے، بالآخر جنت کے جانے میں اتنا توقف بھی شاق گذرا بولے اتنی دیر بھی کیوں کیجائے، یہ کہہ کر کجورین پھینک دیں اور تلوار کھینچ کر آگے بڑھے اور شہید ہوئے،

غزوہ احد میں بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، احد کے میدانِ داروگیر کا شور برپا تھا، لاشوں پر لاشیں گر رہی تھیں کہ ایک صحابی نے آگے بڑھ کر پوچھا یا رسول اللہ! اگر خدا کی راہ میں مارا گیا تو کہاں ہو گا، فرمایا "جنت میں" وہ کجور کھارہے تھے ہاتھ سے کجورین پھینک دیں اور لڑ کر جان دیدی، قیس ایک صحابی تھے، وہ ایک جہاد میں شریک تھے، انھوں نے اسلامی فوج کے سپاہیوں کے سامنے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ کے نیچے ہیں ایک معمولی سا مسلمان پاس کھڑا تھا، اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ کیا آپ نے خود رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے سنا ہے، انھوں نے کہا "ہاں" یہ سن کر وہ اپنے دوستوں کے پاس آیا، اور سلام کر کے نصرت ہوا، میان توڑ کر پھینک دی، اور تلوار لیکر دشمن کی صف پر جا پڑا، اور شہادت حاصل کی،

ان حیرت انگیز واقعات میں سے ہر ایک واقعہ پر غور کرو کہ محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے اس منکر و کافر عرب کے دل و دماغ اور ذہن و اعتقاد کو کس طرح آن کی آن میں بدل دیا، اور مومن کے مہین عربوں کے عقائد و اخلاق اور کارناموں کو انسان سے کہاں پہنچا دیا،



۱۵۔ یہ تینوں واقعے صحیح مسلم کتاب الجہاد باب ثبوت الجنتہ للشدیدین ہیں، دوسرا واقعہ سنن نسائی میں بھی ہے، کتاب الجہاد باب ثواب من قتل فی سبیل اللہ

# قضاوت

إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قرآن)

اگرچہ قرآن پاک میں ایمان کے سلسلہ میں اس کا ذکر کمین نہیں آیا، مگر اسکا اعادہ بار بار قرآن میں اتنی دفعہ ہوا کہ اسکی ہیبت اسکی مقتضی ہے کہ اُس کو بھی ایمانیات کے پہلو میں جگہ دیکھائے چنانچہ بعض صحیح حدیثوں میں یہ ایمانیات کی آخری کڑی قرار بھی لگینی ہے اور سلسلہ توحید میں اسلام نے اللہ تعالیٰ کی وسعت قدرت اور مشیت مطلقہ کا جو نقشہ کھینچا ہے اسکا لازمی نتیجہ بھی یہی ہونا چاہیے،

اس عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا جو کچھ اب ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق اور فیصلہ ازلی کے مطابق ہوا ہے، ہوتا ہے، اور ہوگا جس طرح مهندس اور انجینیر مکان بنانے سے پہلے مکان کی تمام جزئیات پر غور کر کے پہلے ہی سے نقشہ تیار کر لیتے ہیں، اور اسی مجوزہ نقشہ کے مطابق معمار اور مزدور اس تعمیر کو مکمل کرتے ہیں، اسی طرح اس مهندسِ ازل خالق کائنات نے کائنات کی پیدائش سے پہلے اس کے تمام اصول و قواعد اور دوسرے اہم جزئیات طے کر کے ہر چیز کی نسبت فیصلہ کر دیا تھا، اب اُسی فیصلہ کے مطابق یہ کائنات اور اُس کے تمام حوادث و واقعات انجام پا رہے ہیں، موت و حیات، فقر و غنا، کامیابی و ناکامی، تکلیف و راحت، ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہے اور اسی کے مطابق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے،

نفس یہ عقیدہ بھی اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، جو کچھ مخصوص ہے، وہ اسکی کسلی تعلیم ہے،  
تورہ میں حضرت آدمؑ و شیطان اور اہل قابیل کے قصوں میں اس عقیدہ کے اشارات پائے جاتے ہیں

لے صحیح مسلم بروایت ابن عمر و ابو ہریرہ باب الایمان،

حضرت یوسفؑ کا خواب اسی ایک حقیقت کی تعبیر ہے، مگر ان اشارات سے گذر کر زبور میں اسکی کھلی کھلی تعلیم بھی ملتی ہے، زبور ۱۳۸-۱۴۰ میں ہے،

”تیرے کام حیرت افزا ہیں، اسکا میرے جی کو بڑا یقین ہے، جبکہ میں پردے میں بنایا جاتا تھا اور  
زمین کے اسفل میں مقفوش ہونا تھا، تو میرے جسم کی صورت تجھ سے چھپی نہ تھی، تیری آنکھوں نے  
میرے بے ترتیب مادہ کو دیکھا، اور تیرے دفتر میں یہ سب چیزیں تحریر کی گئیں، اور ان کے نو  
کا حال بھی کہ کب نینگی، جب ہنوز ان میں سے کوئی بھی نہ تھی۔“

اس کے بعد زبور ۱۴۸ کا ترانہ حمد اسی لئے میں شروع ہوتا ہے،

”..... خداوند کے نام کی ستائش کریں کہ اُس (خدا) نے حکم دیا اور وہ (خلوق)“

موجود ہو گئے، اُس نے اُن کو ابدی پایداری بخشی، اُس نے ایک تقدیر مقرر کی جو نہیں سکتی۔“

انجیل میں اسکی تعلیم خدا کی مرضی کے عنوان سے ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندگی کی آخری شب کی دعا  
میں فرماتے ہیں، ”میری مرضی نہیں، تیری مرضی پوری ہو“ (متی ۲۶-۳۹) اور اسی مرضی کا ذکر یوحنا (۵-۳۰) و  
۳۸ اور خطوط (فلپوں ۲-۱۳) میں ہے اور رومیوں کے نوین باب میں اسکی پوری تفصیل ہے، مگر خاتم النبیین  
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم نے اول یہ کیا کہ اس مسئلہ کی محل حقیقت کی توضیح کی، اور اسکی حکمت و مصلحت کی تشریح کی اور  
دوسری بات یہ کہ گذشتہ مذاہب کی طرح اپنے دفتر کے کسی ایک گوشہ میں بطور ایک حقیقت ثابتہ کے اسکو مکر خاشوشی  
اختیار نہیں کر لی، بلکہ بار بار اتنی دفعہ دہرایا کہ سننے والوں کے دلوں میں اسکی عقیدت نے نگہ پیدا کر لیا، اور یہ  
تلقین یقین کی صورت میں انکی رگ دریشہ میں پوسٹ ہو گئی، اور ایسا اُس نے اس لیے کیا تاکہ صبر و شکر کی اخلاقی  
تعلیم صرف نظریہ کی صورت میں نہ رہ جائے، بلکہ عملی حیثیت میں اُس کے پیروں کے اندر استقلال و ثبات کی روح  
اور دنیا کے مصائب و محنتیں تسلی و تسخیر کی قوت پیدا کرے، اور اس طرح یہ عقیدہ پہلے کی طرح صرف ایک مذہبی  
تلقین یا فلسفیانہ نظریہ کی حیثیت میں نہ رہے، بلکہ ایک مفید عملی تعلیم کی شکل اختیار کرے۔

وحی محمدی نے اس اصطلاح کے لئے لفظ اختیار کئے ہیں ایک قدر ہے جس کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور دوسرا قصا جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں،

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قمر - ۳) ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا،  
هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلَهُ (الاعراف - ۱) وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر ایک وقت کا فیصلہ کیا،

یہ دونوں لفظ بجائے خود اس عقیدہ کی اسلامی حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں، مقصود یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش سے پہلے کائنات کی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے اندازہ اور تقدیر سے ہر ایک کا فیصلہ فرما دیا ہے اور متعین کر دیا ہے، اسی کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے، اس میں خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ کا بھی تغیر نہیں ہو سکتا، آسمان کو جس طرح بنایا، آفتاب کو جس طرح روشن کیا، چاند کے متعلق جو اصول مقرر فرمایا، ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے کے جو احکام دیدئے، موت و حیات، فنا و بقا، اور عروج و زوال، غرض کائنات کی ہر شق اور پہلو کے متعلق جو اصول متعین فرمادیئے، ان پر وہ چل رہی ہے، قرآن پاک میں کائنات کے بہت سے حالات کے بیان کرنے کے بعد ہے

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ لَا تَلْبِقُ لَهَا أَنْ تَدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا يُلْبِقُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (یس - ۳) اور سورج اپنے ٹھکانہ پر چل رہا ہے، یہ ہے غالب اولہ علم و اس کی تقدیر (اندازہ) اور چاند کو ہم نے تقدیر (اندازہ) کر دی ہیں منزلین، یہاں تک کہ وہ پرانی ٹہنی کی طرح خمیر ہو کر لوٹتا ہے نہ تو سورج کی قدرت میں ہے کہ چاند کو پاسے اور نہ رات دن سے آگے بڑھے، ہر ایک اپنے مار میں تیر رہا ہے،

یہ تو آسمان کی بات تھی، زمین کے متعلق ارشاد ہوا،

وَقَدْ رَفَعْنَاهَا أَفْوَآثَهَا (حم مجید - ۷) اور زمین میں اُسکی روزبان اندازہ کر دیں

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ دنیا کی ہر چیز میں اُس نے ایک اندازہ مقرر کر دیا،

قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق-۱)

موت و حیات بھی اسی اندازہ کے مطابق ہے، فرمایا،

لَحْنٌ قَدْ دُرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ (واقعہ ۷) ہم نے تمہارے درمیان موت کا اندازہ کر دیا،

ہر شی میں اللہ تعالیٰ نے جو اندازہ لگایا ہے، وہ وہی چیز ہے جسکو لوگ قانونِ فطرت کہتے ہیں، اور جس پر دنیا

چل رہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر حصہ اور ہر پہلو کے متعلق اپنے احکام متعین فرمائیے ہیں،

جن کی اطاعت اُس پر واجب ہے، علیٰ ہذا انسانوں کی ترقی و زوال، موت و حیات، بیماری و صحت، دولت و

افلاس، آرام و تکلیف، سعادت و شقاوت ہر ایک کے اصول قواعد مقرر فرمادیے ہیں، غرض اُن کو آرام و تکلیف

جو کچھ بھی پیش آتی ہے، خدا کے علم اور اجازت سے پیش آتی ہے،

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (تفاسیر)

نہیں پہنچی تم کو کوئی مصیبت لیکن اللہ کے حکم سے

اور چونکہ تقدیر سے کوئی چیز ہٹ نہیں سکتی، اس لیے تقدیرات کو فوشۃ الہی سے تعبیر کرتے ہیں، کہ جس طرح

ہوئی بات قائم رہتی ہے، مٹی اور عورتی نہیں، ایسے ہی یہ بائیں مٹی مٹھنیں اور بدلتی نہیں،

وَأَسْتَحِيلُ مِنَ النَّاسِ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ اور کوئی عورت حمل میں نہیں رکھتی، اور نہ جنتی ہے، لیکن خدا

وَمَا لِحِمْزٍ مِنْ مَّحْمٍ وَلَا يُقْصَدُ رِجْلُهُ

اَلَا فِیْ کِتَابِ اِنَّ ذٰلِکَ عَلٰی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝۱۰۱ یا اُسکی عمر کم ہو جاتی ہے لیکن وہ کتاب میں ہے بیشک

(فاصلہ - ۲) یہ اللہ پر ایمان ہے،

اس آیت پاک میں ڈھونڈ کر لے ہیں، ایک یہ کہ جو عورت بھی اپنے پیسہ میں بچہ رکھتی ہے، یا جو بچہ بھرتی ہے

وہ خدا سے پاک کے علم سے ہے، دوسرا انکار یہ ہے کہ جن کو چھوٹی بڑی جو عمر بھی ملتی ہے وہ کتاب الہی میں پہلے سے

لکھی جوتی ہے ان دونوں ٹکڑوں کے ملاسنے سے معلوم ہوگا کہ کتاب الہی مین ہونا، اور علم الہی مین ہونا، دونوں

ہم سہی ہیں،

قرآن پاک نے اس کو بھی ظاہر کیا ہے کہ قضا و قدر کے عقیدہ کی فلسفیانہ حقیقت سے زیادہ اس کی نظر اس عقیدہ کی اخلاقی اہمیت پر ہے، انسان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ناچیز کوشش کی ذرا سی کامیابی پر فخر و غرور کے نشہ میں چور ہو جاتا ہے اور ذرا سی ناکامی پر وہ دل شکستہ ہو کر ہمت ہار بیٹھتا ہے، یہ دونوں مختلف اخلاقی بیماریاں ہیں اس کو لاحق ہوتی ہیں، کہ وہ اپنے کام کے اچھے یا برے نتیجے کو خود اپنے کام کا لازمی نتیجہ جانتا ہے، اسلئے وہ کبھی اپنے کئے پر مغرور اور کبھی ملول ہوتا ہے، اور یہ دونوں کیفیتیں افراد اور اقوام کی متانت، استقلال اور صبر و ثبات کے جوہر کو برباد کرتی ہیں، اس لیے ایک ایسے عقیدہ کی ضرورت تھی جو کامیابی کے فخر و مسرت اور ناکامی کے افسوس و حسرت دونوں موقعوں پر عاجز انسانوں کی دست گیری کرے، اور وہ یہی عقیدہ قضا و قدر ہے،

اس عقیدہ کا منشا یہ ہے کہ ہم کو جو کامیابی ہوتی ہے، وہ ہماری کوشش کا براہ راست نتیجہ نہیں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے، اس لیے اس پر ہمارا فخر و غرور کرنا بیجا ہے، اسی طرح ہم کو جو ناکامی پیش آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت و مصلحت کا نتیجہ ہے، اور ہمارے کام سے پہلے ہی ہمارے کاموں کے نتیجے اُس علام الغیوب کے علم میں مقرر ہو چکے تھے، اس لیے ہم کو دل شکستہ اور بالوس نہ ہونا چاہیے، بلکہ اُسی جوش و خروش اور سرگرمی سے پھر از سر نو جدوجہد میں مصروف ہو جانا چاہئے،

اس مسئلہ کی یہ پوری توضیح سورہ حدید میں ان فقرات میں مذکور ہے،

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا فِي نَفْسٍ مِنْكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ إِلَى الْكُفْرِ يَسْتَلِزُّونَ الْفِتْنَةَ ۚ يَدْعُونَ إِلَى الْكُفْرِ وَكَرَّهُوا الْإِسْلَامَ ۚ إِنَّهُمْ يَكُونُونَ غَاوِينَ ۝

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ الْمَمْنُونِ ۝

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ الْمَمْنُونِ ۝

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ الْمَمْنُونِ ۝

(حدید ۳۰)

اور جو لوگ کفر کی طرف راہ لے رہے ہیں، ان کے لیے جہنم کی سزا ہے، اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کے لیے جہنم کی سزا نہیں ہے۔



اس آیت کریمہ نے مسلمانوں کو اس خوبی سے واضح کیا ہے کہ انکی تائید کے لیے کسی مزید تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی، یہ اسی عقیدہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام کی گردنیں عین کامیابی و فتوحات کی حالت میں خداوند قادر مطلق کے آگے جھک جاتی تھیں اور ناکامی کی حالت میں ان کے دل یا اس فناء امید سے دوچار نہیں ہوتے تھے، اور انکی علی زندگی کا جو نتیجہ بھی پیش آتا تھا وہ اس کو اپنی طرف سے نہیں، بلکہ خداوند عالم کی طرف سے سمجھ کر خاموش رہتے تھے، مالی بچارگی، سیاسی مصیبت، عزیزوں کی مفارقت، لڑائیوں کی ناکامی، کسی موقع پر وہ رحمت الہی سے مایوس ہونا نہیں جانتے تھے، اور ہر خطرناک سے خطرناک کام کے لیے وہ قدم اٹھا بیٹھتے تھے کہ ان کا یقین تھا کہ موت اپنے وقت پر آنیگی اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہیگا، اسی لئے ان کے دلوں میں وہ غم نہ ہوتا تھا کہ نہ انکو ہمارا روک سکتے تھے، نہ سمندر بہا لے جاسکتے تھے، نہ حوادث کا طوفان انکو اکھاڑ سکتا تھا اور نہ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے انکو جلا سکتے تھے،

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ  
کِتَابًا مَّوْجَّهًا ۚ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا  
نُفِيتْ بِهِ مَنَّا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ  
نُفِيتْ بِهِ مَنَّا ۚ وَسَيَجْزِي الشَّكْرُ ۚ  
وَلَا يَنْفَعُ مِنَ النَّفْسِ قَتْلُ نَفْسٍ مَعَهَا ۚ سَبِيلُ  
كَثِيرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۚ وَاللَّهُ  
يُحِبُّ الصَّابِرِينَ

کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر مر سکے  
یہ لکھا ہوا مقرر ہے، (انسان کے ہاتھ میں صرف اچھایا  
برا ارادہ و نیت ہے، اس نیت کے مطابق کام کا نتیجہ  
ظاہر ہونا اس کے اختیار میں نہیں) جو کوئی دنیا کا دھنا  
چاہیگا، تو ہم اس کو ہمیں سے کچھ دینگے اور جو آخرت کا  
معاوضہ چاہیگا، ہمیں سے کچھ دیں گے، اور پورا دھنم  
شکر کرنے والوں کو آئندہ (دو ہاں) دیں گے، کتنے پیغمبر تھے  
جو اسے ہیں، انکے ساتھ بہت سے خدا کے طالب تھے، تو خدا

لال عمران

ع ۱۵

کی راہ میں انکو جو مصیبت پیش آئی اسکی وجہ سے نہ ڈولے ہارے  
نہ سست ہوئے، اور نہ دب گئے، اور انکی ثابت قدم رہنے

ان آیتوں نے یہ واضح کر دیا کہ قضا و قدر کے عقیدہ کا نتیجہ جتنی سُستی، اور دونوں جتنی نہیں، بلکہ بلندی، استقلال اور صبر و ثبات ہے، اور یہی وہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کارناموں میں ہر دیکھنے والے کو صاف نظر آتی ہے، اُن کو صاحبِ دجی کی یہ تعلیم تھی کہ وہ دشمنوں سے کہدین، کہدین ورنہ نہیں، کیونکہ

لَنْ يُصِيبَنَا آلَ مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا  
ہم کوئی آفت آئی ہی نہیں سکتی لیکن جو خدا نے ہمارے لیے

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (توبہ - ۱۰)  
لکھ دیا ہے وہ ہمارا آقا ہے، اور اللہ ہی پر چاہئے کہ ایمان رکھنے والے

خطرات اور مشکلات کی انگو پڑا نہیں، کہ جن کے لیے موت لکھی ہے وہ میدانِ جنگ میں بھی مرے گی، اور سترِ راحت پر بھی، اور جنگی موت کا مقررہ وقت نہیں آیا وہ تلواروں کی دھاروں، اور سمندروں کے طوفانوں سے بھی سلامت بچ کر نکل آئیگی۔

يَقُولُونَ لَوْ كَانُوا مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ لَمَا قُتِلْنَا هَهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ (ال عمران - ۱۶)

منافق کہتے ہیں کہ اگر ہماری بات مان لیجاتی تو ہم یہاں مارے نہ جاتے، کہہ دے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو ظہرِ بیان مرنا لکھا جا چکا تھا، وہ از خود اپنے مقتل میں نکل کر چلے آتے،

أَيُّ مَا كُنْتُمْ لَوْ أَيْدٍ سَرَكُمْ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ (نساء - ۱۱)

تم جہاں بھی ہو تم کو موت اگر پائیگی، اگرچہ تم مضبوط و مستحکم قلعوں میں ہو،

یہی وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کی ناقابلِ ہزیمت جرات، اور غیر شکست پذیر عزیمت، اور بے خوف بہادری کا راز ہے، کچھ لوگوں نے اپنی غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ مسئلہ تقدیر کے ماننے سے انسان کا مجبور محض ہونا لازم آتا ہے اور اس سے یہ تعلیم نکلتی ہے کہ انسان اپنی تقدیر پر صابر و شاکر ہو کر سست و غافل بن کر بیٹھ رہے، حالانکہ اگر صحیح ہوتا تو نہ رسولوں کی بعثت کی ضرورت تھی، نہ ربانی کتابوں کے اترنے کی حاجت ہوتی، نہ تبلیغ و ارشاد کی تاکید ہوتی، اور نہ اصلاح و ہدایت کا حکم ہوتا، اور خدا کی مخلوق اپنے حال پر چھوڑ دی جاتی، مگر ایسا نہیں کیا گیا، لاکھوں

پیغمبر بھیجے گئے، کتنی کتابیں اتریں، کروڑوں مبلغ اور مرشد بنا کر پھیلانے گئے، ہدایت و ارشاد کی تاکید پر تاکید آئی، لوگوں کی دعوت، اصلاح ہر مسلمان کا فرض ٹھہرایا گیا، کوشش و محنت سعی و تلاش، اور جدوجہد کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہاد سے معمور زندگی ہمارے لیے نمونہ ٹھہرائی گئی، اور خلفائے راشدین اور عام صحابہ نے اپنے کارناموں سے اس نمونہ کی کامیابی کی تصدیق کی،

اب کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور اپکا عمل و متنازعہ چیزیں تھیں؟ نہیں، یہ دونوں ایک دوسرے کی تائید تھیں، اور اس طرح یہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی تھیں کہ اعمال و افکار میں سرلہا خلاق (بخاری) لوگو! اپنے اپنے کام کئے جاؤ، کہ تم میں سے ہر شخص سے وہی کام صادر ہونگے جسکے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، کام کرنا انسان کا فرض ہے، اور اس کے نتیجہ کے مطابق جزا دینا خدا کا کام ہے، اور یہ تصدیق ہے، فرمایا،

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى، فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى، بے شائبہ تمہاری کوششیں مختلف رخ کی ہیں تو جس نے دیا،  
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى، فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى، اور پرہیزگاری کی، اور نیکی کو سچ کر دکھایا تو ہم اس کو  
وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى، وَلَذَّ بِنَافِلَتِهِ، آہستہ آہستہ آسانی کی طرف بے چلین گئے، اور جس نے  
فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى، وَمَا يُغْنِي عَنْهُ، نہ دیا، اور بے پروائی برتی، اور نیکی کو بھٹلایا تو ہم اس کو  
مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى، إِنَّ عَلَيْكَ اللَّحْدَى، آہستہ آہستہ سختی کی طرف بے چلین گئے، اور اسکی دولتیں  
وَأَنَّ لِلَّهِ الْخِزْيَةَ وَالْأَكْلَى، اسکو گڑھے میں گرنے سے نہیں بچا سکتی ہی بیشک راہ

(ہیل - ۱) سوچنا ہمارا فرض ہے اور آخر اور اول ہمارے لئے ہے

یہ ہے تضا و قدر اور سعی و عمل کی باہمی تطبیق جسکی نزولیدگی نے اسلام سے پہلے ایک عالم کو گمراہ کر دکھا تھا، کام کرنا اور عمل کر دکھانا انسان کا فرض ہے، اور اس کے مطابق اسکی جزا کا ملنا جو اس کام کے لیے پہلے سے مقدر ہو چکا ہے، خدا کا کام ہے، نیکوں کو آہستہ آہستہ نیکی کے مزید راستہ کے دکھانے کا نام توفیق و ہدایت ہے، اور برون کو خدا کی طرف سے اس توفیق و ہدایت کے نہ ملنے کا نام عدم توفیق و ضلالت ہے، اور ان دونوں میں سے ایک کا ملنا انسان

کی ابتدائی کوشش سے ہے خدا فرماتا ہے،

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت - ۷)

اور جو ہماری بات میں کوشش کرتے ہیں، اللہ ہم

خدا کی طرف سے توفیق و صلاحیت کا ملنا، خود انسان کے اچھے یا برے عمل کا لازمی نتیجہ ہے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (بقرة - ۳)

اور ہم اس گمراہ نہیں بناتے لیکن انہیں کو جو ہمارے حکم نہیں سنتے

غرض پہلے نفع، عدم اطاعت اور نافرمانی ہوتی ہے، تب اُس کے نتیجہ کے طور پر خدا کی طرف سے صلاحیت کا

ظہور ہوتا ہے،

وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (انسان کیلئے نہیں لیکن وہی جسکی اُس نے کوشش کی)

وَأَنْ سَعْيُهُ يَكُونُ يُدْرَىٰ (پہچان کی کوشش خدا کے حضور) دیکھی جائیگی۔

ایک مثال بالکل بچہ کی سی ہے، بچہ چلنا یا بولنا کیونکر سیکھتا ہے، وہ پہلے چلنے اور بولنے کی خود کچھ کوشش

کرتا ہے، تو اُس کے والدین اُسکو چلنا اور بولنا سکھاتے ہیں، بچہ پاؤں اٹھاتا ہے اور والدین اُس کے ہاتھ پکڑ کر

اُس کو دو چار قدم چلاتے ہیں، اور اس طرح رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ چلنا سیکھتا ہے، وہ پہلے زبان ہلاتا ہے اور مہم

آوازیں نکالتا ہے تو والدین اُس کو بعضی الفاظ کی تلقین کرتے ہیں، اور اس طرح دونوں کوششیں مل کر بار آور

ہوتی ہیں، اسی طرح تقدیر الہی اور عمل انسانی باہم مل کر انسانوں کی عملی تاریخ تیار کرتے ہیں،

جبر و اختیار | عموماً لوگ اسی موقع پر خیر و قدر کے مسئلہ کو چھیڑتے ہیں، یعنی یہ کہ انسان اپنے عمل میں مجبور ہے یا مختار؟

حالانکہ یہ سررشتہ کائنات کا وہ عقدہ ہے، جس کا حل نہ صرف یہ کہ مذہب کے ناخن سے نہیں ہوتا، بلکہ عقل کے ناخن

سے بھی نہیں ہو سکتا جس طرح اہل مذہب ارادہ الہی اور ارادہ انسانی کی باہمی تطبیق میں حیران ہیں، اسی طرح

فلسفہ النیات کے معلم علم الہی اور انسان کی عملی آزادی کے درمیان اور فلسفہ اخلاق و سائنس انسان کی آزادی عمل

اور اُس کے موروثی اثرات، فطری جذبات، اور ماحول کی تاثرات کی مجبوریوں کے درمیان جو تضاد ہے، اُسکو

شکل بچا سکتے ہیں

دنیا کے عام مذاہب کا بھی یہی حال تھا، ہر دھار کے مین یہ گروہ اُسی طرح پڑی ہوئی تھی اور اس کے صل کی صورتیں، دو ہی انھوں نے نکالی تھیں یا تو سرے سے اس سے خاموشی برتی جاسے، اور دبے پاؤں اس سے گزر جایا جاسے، یا بحث چھیڑی تو جبری کیطرت اُن کا میلان نمایاں تھا، چنانچہ یہی جبر مند مذاہب مین تنازع، آواگو اور کرم کی صورت مین ہے، عیسائیوں مین حضرت آدم کے گناہ اور خدا کی مرضی کے پیرایہ مین ہے، اور یہودیوں کے مجموعہ تورات مین حضرت ایوب کا صیغہ اور صریح رہبری کرتا ہے، دوسری طرف مجوسی تھے جنھوں نے انسانی خلیا و آزادی کو یہاں تک بڑھا دیا تھا کہ خود خدا بھی اُس کے آگے مجبور تھا، خدا کو نہ صرف انسانوں کے بلکہ فرشتوں کے کاموں پر کوئی قابو حاصل نہ تھا، غرض انھیں صلیح کی بعثت سے پہلے مذاہب کی یہی دو نوعیتیں تھیں یعنی تو اُن کو اس شکل کی خبری نہیں تھی یا تھی تو خدا کی قدرت مطلقہ اور مشیت عامہ کی اس طرح تعبیر کرتے تھے کہ انسان بالکل بے بس اور مجبور نظر آتا تھا، یا یہ کہ تنازع کے چکر مین اُس کو چھٹا کر اسکی زندگی کو اُس کے پچھلے جنم کے کرموں کے انھوں گرد کر دیتے تھے، یا پھر اس سے بچے تو انسان کو کامل خود مختار بنا کر خود خدا کو مجبور بنا دیا،

تمام دنیا مین انھیں صلیح کی شخصیت وہ نمایاں شخصیت ہو جسکے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس زیرینہ راز کے چہرے پر وہ ہٹایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ دو مقتین مین، اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح مین، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا اور اُس کے ذرہ ذرہ پر قدرت مطلقہ رکھتا ہے، اور آسمان و زمین، ہر پہلو انسان و حیوان کوئی چیز نہیں جو اُس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر حرکت بھی کر سکے، اس طرح انسان اور اُس کے تمام اعمال بھی اُسکی قدرت اور مشیت کے ماتحت مین، یہ وہ عقیدہ ہے جو ہر مذاہب کی، اور خصوصاً اسلام کی جان ہے، اگر یہ نہ ہو

لے انجیل مین ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی گرفتاری کی رات کو دعا مین فرمایا اے خدا اگر تو اس پیالہ کو ہٹا سکتا ہے تو ہٹا دے لیکن میری نہیں، بلکہ تیری مرضی پوری ہو، عیسائیوں کے جبری و قدری فرقوں کی معرکہ آرائی کا حال، فرنیچ فاضل نے یہودی کا کتاب الاسلام در ترجمہ عربی اس سے کسی قدر معلوم ہو سکتا ہے،

سلفہ شفاء اعلیٰ فی القضا والقدر والتعلیل حافظ ابن قیم

تو مذہب کی قوت بے اثر ہو کر رہ جائے، اور ایک ایسا خدا ماننا لازم آجائے جس کے اختیارات محدود، جسکی قدرت ناقص، اور جسکی شاہنشاہی نامتام ہو،

۲۔ دوسری طرف یہ بھی صداقت ہے، کہ دوسری مخلوقات کو نہ سہی، مگر انسان کو اپنے اعمال کے کرنے نہ کرنے کا کسی نہ کسی طرح کوئی اختیار ضرور بخشا گیا ہے کہ اگر یہ اختیار نہ تسلیم کیا جائے، اور انسان کو اُسی طرح سراپا مجبور فرض کیا جائے، جس طرح دوسری مخلوقات ہیں، تو پھر انسان کے لیے خیر و شر کا امتیاز جزاً و سراً، شریعت، کتاب، تعلیم و انبیاء کی بعثت یہ تمام چیزیں بیکار محض ہو جائیں، ظلم و انصاف دنیا میں کوئی چیز باقی نہ رہے، انسان کا کسی فعل پر قابلِ مدح یا قابلِ ملامت ہونا بے معنی ہو جائے، کسی اچھے کام پر خدا کا انکو انعام دینا، اور بلا سبب برے کام پر انکو عذاب دینا سراسر ظلم و نجاست ہے، بلکہ اس دنیا کی عدالت میں بھی وہ اپنے کسی فعل کا ذمہ دار نہ ٹھہرے، الغرض یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں، ایک یہ کہ خدا کو اپنی مخلوقات پر قدرت نامتہ حاصل ہے اور انکی مشیت آزادہ ہر جزو کل پر حاوی ہے، اور دوسری یہ کہ انسان کو بھی اپنے عمل پر کوئی نہ کوئی ایسا اختیار حاصل ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے اُس عمل کا ذمہ دار بنتا ہے، نیکی کے کاموں کے کرنے پر وہ تعریف کا، اور برائی کے کاموں پر وہ ملامت کا سزاوار ٹھہرتا ہے، اور اسی کی بنا پر وہ اپنی دوسری زندگی میں اپنے فعل کی جزاً و سراً اپنے کا مستحق ٹھہرے گا، اسی پر وہ فطرت کے سامنے دنیا کی عدالت میں اور آخرت میں بھی مواخذہ اور باز پرس کی ذمہ داری میں گرفتار ہے، اور اسی کیلئے خدا کی طرف سے اُس کے پاس ہدایت کی کتاب اور راستہ دکھانے والے رسول اور نبی آتے ہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیفہ ربانی پہلی اور آخری آسمانی کتاب ہے جس نے ان دونوں صداقتوں کو پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی جگہ پر تسلیم کیا ہے، اور ان کی تبلیغ کی ہے، ایک طرف وہ کہتا ہے کہ خدا کی اجازت کے بغیر درخت کا ایک پتہ بھی گر نہیں سکتا، اور دوسری طرف وہ کہتا ہے "ہر جان اپنے کاموں کے ہاتھ گروہ ہے"، یعنی خدا کی ہمہ گیر قدرت، وسیع اختیار اور ناقابلِ رد مشیت کے باوجود اُس نے خود اپنے اختیار و خود اپنی

شیئیت اور خود اپنی حکمت سے انسان کو ارادہ اور ارادہ کے مطابق اپنے کام کرنے والے اعضاء کو ہلانے کی مشروط طاقت بخشی، یہی ارادہ اور اعضاء کو اُس کے مطابق حرکت دے سکے کی محدود قدرت اسکی ذمہ داری، تکلیف، باز پرس اور مواخذہ کی بنیاد ہے، اور اسی پر اُس کے اعمال، اخلاق اور معاملات کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ انسان پر اُس کے کسی ایسے عمل کی ذمہ داری قانوناً اور شرعاً نہیں جو اُس کے ارادہ اور نیت سے صادر نہ ہوئی ہو، بلکہ اُس کے کرنے یا نہ کرنے میں وہ مجبور و بے اختیار رہا ہو، (انما الاحکام بالنیات) اس تطبیق سے نہ تو خدا پاک کی قدرت و اختیار کی وسعت میں فرق آتا ہے، اور نہ انسان کا تہمت مجبور ہونا لازم آتا ہے، خدا جب چاہے انسان سے اپنے دیئے ہوئے اختیار اور بخشی ہوئی قدرت کو چھین لے، مگر ایک وقت مقرر تک اپنے بنائے ہوئے قانون اور فرمائے ہوئے وعدہ کے مطابق وہ اُس کو اختیار اور قدرت سے محروم نہیں کرتا، فرمایا

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (کہے)، تو جو چاہے مومن بن جائے اور جو چاہے کافر ہو جائے،

اسیے ہر انسان اپنی جنت آپ بنانا، اور اپنی دوزخ آپ مینا کرتا ہے،

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ جَسَ نَعَامَ كَامِ كَا تَوَاسِطِ لِيَا اور برا کام کیا تو اپنے

فَعَلَيْهَا وَمَا سَاءَ بِكَ بِظُلْمٍ لِّلْعَبِيدِ (فصلت ۶) لے کیا، تیرا پروردگار بندوں پر ظلم نہیں کرتا،

کہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ ظلم ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی جناب پاک و برتر ہے چنانچہ آنحضرت صلم سے ارشاد ہے،

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ مَا أَفَأَنْتَ

تَسْمِعُ الصَّامَ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ، وَ

مِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ مَا أَفَأَنْتَ تَقْضِي

الْعُمَى وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ، إِنَّ اللَّهَ

لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ

يَظْلِمُونَ، (یونس ۵)

اور آپ ظلم کرتے ہیں،

وہ انسان جو اندھا اور بہرہ ناس ہے، اور حق کا پیغام نہ سنتا ہے اور نہ اس پر عمل کرتا ہے، خدا اسکو اندھا اور بہرہ ناس کر پھر اس کو دیکھنے اور سننے کی تکلیف نہیں دیتا، کہ اگر وہ ایسا کرتا، تو یہ اسکا ظلم ہوتا، اور ظلم کے ہر شائبہ سے اسکا ہر حکم اور ہر کام بری ہے، لوگوں کو قرآن کی ہدایت و ضلالت کے الفاظ سے بھی دھوکا ہوا ہے، حالانکہ ہدایت اور ضلالت خدا کا وہ فیضان ہے جو انسان کے اچھے یا برے کام کے جواب میں خدا کی طرف سے ہوتا ہے، ضلالت کی نسبت فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَّيْنَاهُمْ أَندَرُ

بیشک جنہوں نے (اسلام کی تعلیمات کے قبول سے انکار

اَفَلَمْ نُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ خَتَمَ اللَّهُ

کیا ان کو تنبیہ کرنا یاد کرنا دونوں برابر ہے وہ ایمان

عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ

نہ لائینگے خدا نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر ہرگز

غَشَاوَهُمْ (بقرہ-۱)

اور آنکھوں پر پردہ ہے

دیکھو جب انسان سے کفر کا صدور پہلے ہو چکا، تب خدا کی طرف سے ضلالت کا فیضان ہوا، اور اسکو تنبیہا یوں ادا کیا کہ ان کے دلوں پر ہرگز کی سمجھتے نہیں، کانوں پر ہرگز کی سنتے نہیں، اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہے کہ دیکھتے نہیں، دوسری جگہ فرمایا۔

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (نساء-۱۲)

بلکہ خدا نے انکے کفر کی وجہ سے انکے دلوں پر ہرگز کی

یہاں بھی ان کا کفر خدا کی ہر برکت سے مقصد یہ ہے کہ جب کفر کا صدور ہوا رہتا ہے تو دونوں سے صدق شناسی اور اثر پذیری کا جو ہر سلب ہو جاتا ہے، اور یہی خدا کی ہر شے،

برخلاف اس کے اگر لوگ کانوں سے پیغام حق کے سننے، اور آنکھوں سے دیکھنے اور دل سے سمجھنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ اپنی توفیق و ہدایت سے سرفراز فرمائے، ارشاد ہوا،

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

بیشک جو ایمان لائے، اور نیک کام کئے انکو انکا پورا

اسے قرآن پاک میں جہان جان خدا کی اس نیکو کاری کو ہدایت نہ دیئے جانے کا ذکر ہے، وہاں اس کے کفر و فحش کی علت ہمیشہ ذکر کر دی گئی ہے، اس لیے ان آیتوں سے جبر پر استدلال صحیح نہیں،



يَعْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ (یونس) اُن کے ایمان کے سبب ہدایت دیگا،  
 وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى (مائدہ) اور جنہوں نے ہدایت قبول کی انکو ہم ہدایت میں اور بڑھایا،  
 ایرانی فلسفہ خیر و شر کی آمیزش نے اس مسئلہ کو اور زیادہ الجھا دیا ہے، حالانکہ عربی الفاظ خیر و شر کو اعمال کا  
 خیر و شر سے بحث نہیں، عربی میں مطلق خیر کے معنی دولت و نعمت و آرام کے اور شر کے معنی غریبت و تکلیف  
 و مصیبت کے ہیں قرآن پاک میں یہ دونوں لفظ انھیں معنوں میں آئے ہیں، البتہ جب اُن کے ساتھ لفظ  
 عمل شریک ہوگا تو عمل خیر اور عمل شر کے معنوں میں یہ استعمال ہوگا، جیسے

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (توبہ) تو جو کوئی چوٹی برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھے گا، اور  
 وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (توبہ) جو برائی کرے گا وہ بھی دیکھے گا،

اس لیے حدیثوں کے ان الفاظ میں

وَالْقَدَرُ خَيْرٌ مِنْ شَرِّهِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى اور اس پر ایمان کہ خیر اور شر کی تقدیر خدا کی طرف سے ہے  
 کا یہ مطلب نہیں کہ انسانوں کے اچھے اور برے کام سب خدا کی طرف سے ہیں، بلکہ یہ معنی ہیں کہ انسانوں کو  
 راحت و رنج، مسرت و تکلیف، دولت و افلاس، اور صحت و مرض وغیرہ اچھائی اور برائی سب خدا کی طرف  
 سے پہنچتی ہے، اور اس کے تسلیم کرنے میں کیا غدر ہو سکتا ہے؟

بعض لوگوں کو صحیح مفہوم کے سمجھنے میں ان آیتوں سے بھی شبہ ہوتا ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ "اگر خدا چاہتا  
 تو اُن کو ہدایت دیتا" اس سے وہ غلطی سے یہ سمجھے ہیں کہ وہ خود خداوند تعالیٰ ہی ہے جو ان کافروں کو ہدایت  
 سے جبراً روکے ہوئے ہے، حالانکہ ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ از خود اسلام قبول نہیں کر سکتے، الا یہ کہ  
 خود خدا زبردستی اُن کو مسلمان بنا دینا چاہے، مگر ایسے زبردستی سے مسلمان یا کافر اور نیک یا بد بنا دینا اللہ تعالیٰ  
 کے جاری قانون کے خلاف ہے، چنانچہ ان آیتوں کا یہی مطلب ہے،

وَمَا نَسْأَلُكَ الْإِنْسَانَ بِشَيْءٍ (دھر - ۲) تم نہیں چاہو گے، الا یہ کہ خود خدا چاہے، اور (مکر زبردستی مسلمان بنانا)

مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (الأنعام)  
وہ نہیں ہیں کہ ایمان سے آئین الایہ کہ خدا چاہے،

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهَدْيِ (الأنعام)  
اور اگر خدا چاہتا تو ان کو ہدایت پر متفق کر دیتا،

فَلَوْ شَاءَ لَهَدَىٰ لَكُمْ أَجْمَعِينَ (الأنعام-۸)  
تو اگر وہ (خدا) چاہتا تو البتہ ان سب کو وہ (خود) ہدایت دیدیتا،

وَلَوْ شَاءَ لَهَدَىٰ لَكُمْ أَجْمَعِينَ (غل-۱)  
اور اگر وہ (خدا) چاہتا البتہ ان سب کو ہدایت دیدیتا،

مگر اسکی عادت نہیں کہ وہ بندے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر از خود کسی کو ہدایت دیدے اس لیے اس کی مشیت الہی کے ساتھ قرآن پاک کی وہ آیتیں مطابق ہونگی جنہیں بندوں کی مشیت کا بھی اعتبار کیا گیا ہے، فرمایا

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ (رکعت)  
تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے،

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِمْ سَبِيلًا (دھرومنزل)  
تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ قبول کرے،

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَا بَاءَ (نبا-۲)  
تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف بازگشت کرے،

إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (ذوقا)  
لیکن جو اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرنا چاہے،

اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہی بھی اترتی ہے، مگر کن کے لیے، بتصریح فرمایا،

۱۔ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (بقہ-۳)  
اور اللہ اسے گمراہ نہیں کرتا، مگر نافرمانوں کو،

۲۔ فَلَمَّا تَرَأَوْهُمُ اتَّخَذَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ  
جب وہ کچھ ہوئے تو اللہ نے انکے دلوں کو کج کر دیا،

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (صف-۱)  
اللہ بے حکم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا،

۳۔ بَلْ لَرَأَىٰ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (تلفیظ)  
بلکہ ان کے کام ان کے دلوں پر رنگ چکے،

۴۔ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْكُفْرَ (نساء-۲۲)  
بلکہ انکے کفر کے سبب اللہ نے ان پر مهر کر دی،

۵۔ انصرفتُ اَصْرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ  
وہ پھر گئے، اللہ نے ان کے دلوں کو اس لیے پھیر دیا کہ

قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (الہد-۱۶)  
وہ لوگ سمجھتے نہ تھے،

۶۔ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ  
اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مهر کر دیتا ہے،

۴۔ فِی قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا اُن کے دلوں میں (پہلے سے) (تفاق کی) بیماری تھی

(بقرہ - ۲) قوہ نے بیماری بڑھادی،

ان آیتوں میں سے ہر ایک پر غور کرو، ہر ایک سے یہ صاف و صریح معلوم ہوگا کہ انسان کی بد اعمالی مقدم ہے، اور اللہ تعالیٰ کا اُس کے جوابی اثر کو اپنی طرف سے ضلالت، گمراہی، زنگ، ہمارا بیماری فرمانا مؤثر ہے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضلالت، زنگ، ہمارا بیماری کا اثرنا علمت اور انسانوں کا کفر و گناہ و نفاق معلول نہیں ہے، بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، یعنی انسان کا فتنہ، کجی، زنگ، کفر، انحراف (پھر جانا) نادانی اور قلب کی بیماری پہلے ہوتی ہے، اور خدا کی طرف سے اُس کے جواب میں ضلالت و گمراہی اور دل پر مہر بعد کو ہوتی ہے، اور یہی طبعی ہول بھی ہے، انسان جب گرتا ہے تو چوٹ لگتی ہے، اور غمگین ہوتا ہے تب آنسو کے قطرے ٹپکتے ہیں، اگر کوئی اسکوالٹ کر بیان کرے تو یہ کیسی سخت نادانی ہوگی،

بہر حال اس مسئلہ میں مہبط وحی و رسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عجیب مصلحت بینی یہ ہے کہ آپ نے اپنی امت کو اس پر جس شدت سے ایمان لانے کی تلقین فرمائی، اُسی شدت سے اس میں بحث و مناقشہ سے منع فرمایا، اور حقیقت اس نظریہ سے اسی طرح فائدہ اٹھانے میں راز ہے، یہ کلی جہان چٹکی کہ اُس کی خوشبو اڑ گئی، اس عقیدہ کے تمام وسیع اطراف اور گوشوں کو چھوڑ کر جنکو مستحکمین کی عباد لانہ کاوشوں نے پیدا کیا ہے، قرآن حکیم کی صرف اس آیت کو سمجھ لینا کافی ہے،

وَلَمْ يَكُنْ لَكَ شِرْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ اور خدا کی سلطنت میں اُس کا کوئی شریک نہیں اور

كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ سَرَّ قَدْرًا، (حقان - ۱) اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اُس کا ایک اندازہ (تقدیر) لگا دیا



## ایمان کے نتائج

گزشتہ صفحوں میں ایمان کی حقیقت اور اس کی چھ شاخوں خدا، فرشتے، رسول، کتاب، یوم آخر اور قدرت کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور دکھایا گیا ہے کہ ان میں سے ہر عقیدہ کی حقیقت کیا ہے، اسکی صداقت کی دلیلین کیا ہیں اور اسکی تعلیم میں شارع نے کیا مصلحتیں رکھی ہیں، اور شروع میں یہ بحث بھی کی جا چکی ہے کہ ہر مذہب میں اور خصوصاً مذاہب اسلام میں ایمان کو اولین اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ وہ بحثیں اصول کی تھیں ایمان خاتمہ میں نتائج کی حقیقت سے پھر اسی دعویٰ کی تکرار کی جاتی ہے یعنی یہ کہ حقیقت ایمانیات اسی لائق ہیں کہ ان کو مذہب میں ہی اولین درجہ دیا جائے کیونکہ مذہب جن نتائج تک پہنچنا چاہتا ہے وہ ان ایمان کی روشنی کے بغیر پہنچنا ممکن ہی نہیں،

اس سے پہلے کہ ہم کسی دستور پر عمل کریں یہ ضروری ہے کہ ہم اس دستور کی خوبی اور بچائی کا یقین کریں کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہم اس پر ایمان داری کے ساتھ نہ تو عمل کر سکتے ہیں، اور نہ ہمارے نفس و ضمیر پر اس کا اثر ہو سکتا ہے، یہ حقیقت ہر دلیل سے ثابت ہے کہ ہمارے تمام اعمال ہمارے دل کے تابع ہیں، اس لیے جب تک دل نہ بدلے گا، ہمارے اعمال میں تغیر نہیں ہو سکتا، یعنی ہمارے اعمال کی اصلاح، تاثر ہمارے دل کی اصلاح کے زیر اثر ہے، اور ایمان کا مقصد اسی دل کی اصلاح ہے، کہ اگر یہ درست ہو گیا تو سب کچھ درست ہو گیا،

یہاں ایک خاص نکتہ ہے جس کو سمجھے بغیر آگے نہیں بڑھنا چاہئے، یہودیوں نے سب سے زیادہ اہمیت عملی رسم و رواج کو دی تھی، اور عیسائیوں نے اس کے برخلاف صرف ایمان پر نجات و فلاح کا دار مدار رکھا، چنانچہ حواریوں کے خطوط و ملفوظات میں اس تعلیم کو بہت کچھ نمایاں کیا گیا، ہی، اور بتایا گیا ہے کہ عملیات نہیں، بلکہ صرف ایمان نجات کا ذریعہ ہے، اسلام کی پہلی تکمیلی شان اس بارہ میں یہ ہے کہ وہ دونوں کی اصلاح کر کے ان دونوں کو جمع کر رہا ہے

اور کہتا ہے کہ نجات نہ تھا ایمان پر اور نہ تھا عمل پر بلکہ ایمان صحیح اور عمل صالح کی جامعیت پر موقوف ہے، الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے) دوسری بات یہ ہے کہ وہ ایمان کو محض ایمان کی بنا پر اہمیت نہیں دیتا بلکہ اس لیے اہمیت دیتا ہے کہ عمل صالح کی قلت و سبب ہے، یعنی وہ عمل صالح کے لیے راستہ بتاتا، اور تخم ریزی کے لیے زمین درست کرتا ہے،

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اس لیے نخل ایمان کی شناخت بھی اپنے پھل ہی سے ہو سکتی ہے اب اگر ایسا کوئی شخص تم کو نظر آتا ہے کہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے، مگر اس کے اعمال میں اس ایمان کے مطابق کوئی بہتر تغیر نظر نہیں آتا، تو یہی سمجھنا چاہئے کہ ایمان نے اس کی زبان سے اتر کر اس کے دل کی گہرائیوں میں برگ بار پیدا نہیں کیا ہے، یہی سبب ہے کہ قرآن پاک ہر نیکی اور ہر خوبی کو ایمان کا حصہ اور مومنوں کا وصف لازم بتاتا ہے، ہر اہم موقع پر اس نے مسلمانوں کو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا، اسے وہ لوگو! جو ایمان لائے،

کی نذر سے خطاب کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام پر وہی عمل کر سکتے ہیں جو ایمان سے متصف ہیں بہت سے موقعوں پر ہے،

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، اگر تم ایمان والے ہو،

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات ایمان والوں ہی کے لیے خاص ہے، اور وہی اس کے اہل و سزاوار ہیں، فَيُلَا

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (نور - ۲) ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ محبت الہی ایمان کی بہت بڑی علامت ہے، ایک اور سورہ میں ہے،

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ

إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ

يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ (نور - ۱)

سنا اور سننے لانا، اور انھیں لوگوں کا بھلا ہے،

اس کو ظاہر ہوا کہ ایمان کا ایک نتیجہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، اور اس کے فیصلہ کے آگے سر جھکانا  
دوسری آیت میں فرمایا،

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (ہجرات - ۱) ایمان والے تو آپس میں بھائی ہیں،

اس سے نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں میں باہمی محبت اور شفقت ہونا بھی ایمان کی نشانی ہے، ایک اور آیت میں ہے  
وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (الاحزاب)  
معلوم ہوا کہ خدا پر بھروسہ اور توکل اہل ایمان کی شان ہے، سورہ مؤمنون میں اہل ایمان کے اوصاف  
یہ بتائے گئے ہیں،

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي	بے شہد اہل ایمان نے بھلائی پائی، جو اپنی نماز میں اللہ
صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ	سے جھکے رہتے ہیں اور جو کئی بات پر دھیان نہیں دیتے
عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ	اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور جو اپنی شرمگاہوں کی
فَاعِلُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ،	حفاظت کرتے ہیں،
وَالَّذِينَ هُمْ لَا يُغْنِيهِمْ دَعْوَاهُمْ فَاعِظُونَ	اور جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی نگرانی رکھتے
وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يَحْفَظُونَ	ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے

(مؤمنون - ۱) ہیں،

ان آیتوں سے اہل ایمان کے ضروری اوصاف یہ معلوم ہوئے، "نماز میں خضوع و خشوع بے کار  
باتوں سے احتراز، زکوٰۃ و خیرات دینا، عفت و پاکدامنی، امانت، ایقانے عہد، نمازوں کی پابندی، ان آیتوں  
میں ایک عجیب رمز ہے، دیکھو کہ اہل ایمان کے اوصاف کا آغاز بھی نماز سے کیا گیا اور انجام بھی نماز پر رکھا گیا،  
اس سے اشارہ نکلا کہ نماز ایمان کی اولین و آخرین نشانی ہے، اور اسی لیے ایمان کے بعد سب سے زیادہ اس پر زور  
دیا گیا ہے،

ہم نے یہ چند آئین بیان مثلاً نقل کی ہیں، ورنہ اگر کوئی استقصا کرے تو قرآن میں ایمان کے اثرات و نتائج اور بہت سے طین گے، احادیث میں بھی اس مضمون کی کمی نہیں، صحیح حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی کچھ اوپر شتر شاخیں ہیں، حافظہ بقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں مختلف حدیثوں سے ایمان کی ان شتر شاخوں کو ایک ایک کر کے گنایا ہے، اس کتاب کا خلاصہ فقہ شعب الایمان کے نام سے چھپ بھی گیا ایک حدیث میں ایمان کی شناخت، اخلاق کی پاکیزگی کو بتایا گیا ہے، آپ نے فرمایا،

اکمل المؤمنین ایماًنا احسنہم خلقاً مومنون میں اسکا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے

(سنن ابی داؤد۔ کتاب السنۃ) (اخلاق سب سے اچھے ہیں،)

حسن اخلاق کا اساسی مرکز محبت ہے، یہ محبت سب سے پہلے تو اُسی ہستی سے ہونی چاہیے جو تمام محبتوں کا مرجع و مرکز ہے یعنی اللہ تعالیٰ، اور اُس کے بعد اسی محبت الہی کے ضمن اور تمجید میں اُس ہستی سے بھی محبت کرنا ضرور ہے، جس کی ہدایت اور تعلیم کے وسیلہ سے یہ جو ہر ایمانی ہم کو ہاتھ آیا، اس محبت کے سامنے دوسری تمام نیکیاں محبتیں اور قربات اور رشتہ داری کے علاق پنج ہیں، فرمایا

لا یؤمن احدکم حقاً الا ان احب لیبہ ثم من سہ کوئی اُس وقت تک ایمان میں کامل نہیں،  
من ولدا ووالدا والناس اجمعین جب تک کہ اُس کے دل میں میری محبت انکی اولاد،

(مسلم وغاری کتاب الایمان) (والدین، اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو)

ایمان کا تیسرا اثر یہ ہے کہ اُس کو اپنی ہم جنس برادری اور پڑوسی سے بھی اُسی طرح محبت پیار اور اخلاص ہو جس طرح خود اپنے آپ سے فرمایا،

والذی نفسی بیدہ لایومن احداً ثم من سہ کوئی اُس وقت تک ایمان میں نہیں جب تک کہ  
حقاً یحب الاخیہ والجارہ ما یحب نفسہ (غاری و مسلم کتاب الایمان) وہ اپنے بھائی پڑوسی (راوی کو شک ہے) کیلئے وہی نہ

آپ نے ایک دفعہ صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا جب تک تم مومن نہ بنو گے جنت میں داخل نہ ہو سکو گے اور مومن نہ بنو گے جب تک تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو گے، میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں آپس میں محبت کیونکر ہو سکتی ہے، آپس میں سلام پھیلادو، (مسلم کتاب الایمان)

یہ محبت کسی نمائش، ریا یا ذاتی نفع و نقصان کے لیے نہ ہو، بلکہ خدا اور صرف خدا کے لیے ہو، فرمایا تین باتیں جنہیں میں اُس نے ایمان کا مزہ پالیا، اول یہ کہ اُس کے دل میں خدا اور رسول سے بڑھ کر کسی اور کی محبت نہ ہو، دوسری یہ کہ ہندو گانہ خدا سے صرف خدا کے لیے محبت کرتا ہو، تیسری یہ کہ کفر سے نجات پانے کے بعد پھر ایمان آلودہ ہونا اس کے لیے اتنا ہی تکلیف دہ ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا، ایک صحابیؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کامل اسلام کس مسلمان میں ہے فرمایا اُس مسلمان میں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے، فرمایا کہ ایمان کی شے سے کچھ اوپر شاخیں ہیں جنہیں سے ایک شرم و حیا ہے، یہ بھی تعلیم دی کہ جب کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو، اُس کو چاہئے کہ زبان سے بات نکالے تو اچھی، ورنہ چپ رہے جس کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اُس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو دکھ نہ پہنچائے جب کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اُس کو چاہئے کہ جہان کی عزت کرے، ایک صحابیؓ آپ کے اس ارشاد کو نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی اگر کوئی برائی دیکھے تو اُس کو ہاتھ سے مٹا دے، یہ نہ ہو سکے تو زبان سے ٹوک دے، یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل میں اُسکو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔“

اس کے بالمقابل آپ نے متنبہ فرمایا کہ نفاق کی چار نشانیاں ہیں، جس میں ان میں سے ایک بھی پائی جائے اس میں اتنا نفاق کا عنصر موجود ہے اگرچہ وہ نماز گزار اور روزہ دار ہی کیون نہ ہو، اور اپنے کو وہ مسلمان ہی کیون نہ سمجھتا ہو، ایک یہ کہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو توڑ دے، امانت سپرد کیجائے تو خیانت کرے، غصہ آئے تو گالی بکھے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہو گا کہ تمام نیکیاں اور خوبیاں جس ایک بڑی شاخ میں ہیں وہ ایمان ہے، اور اسی لیے وہ مذہب کا اصل الاصول ہے، وہ نہ ہو تو انسانی نیکیوں کی ساری عبارت بے بنیاد ہے، لیکن

لے یہ تمام روایتیں صحیحین کتاب الایمان میں ہیں، لے صحیح بخاری و مسلم کتاب الایمان پیش نظر مسلم ہے،



اس سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ ایمان کے بعد عمل کی ضرورت نہیں کہ اسلام نے اسی نکتہ کو بار بار ادا کیا ہے کہ نجات کا مدار ایمان اور عمل صالح دونوں پر ہے، اسی لیے اَمَنُوا کے ساتھ سَاحِبُوا الصَّلَاةَ پر بھی اُس نے ہمیشہ زور دیا ہے بلکہ جو کچھ کہا گیا ہے اُس کا منشا یہ ہے کہ ان دونوں میں ایمان اصل اور عمل اسکی فرع ہے، ایمان ملزوم اور اعمال مستحقہ اُس کے خصوصیات اور لوازم ہیں، یعنی ان دونوں میں اصل فرع اور لازم و ملزوم کا تعلق ہے، جو ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہو سکتے، اس لیے جس طرح ایمان کے بغیر عمل سرسبز نہیں رہ سکتا، اسی طرح عمل کے بغیر ایمان ایک بے برگ و بار درخت ہے جس کا فائدہ کے لحاظ سے عدم وجود برابر ہے، اس بنا پر جہاں ایمان ہے اُس کے عملی نتائج و آثار کا وجود بھی ضروری ہے،

کاغذ کے ساتھ سو صفحے سیاہ ہو چکے، ناظرین کے ہاتھ ان اوراق کی گرا بناری سے، اور آنکھیں ان سطور کی لم سوادی سے تھک چکی ہونگی، اس لیے بہتر ہے کہ رہبر و قلم کے ساتھ قافلہ نظر کے دوسرے رفقار بھی کچھ دیر آرام کریں ہر چند کہ

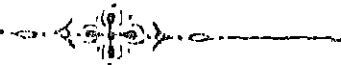
رہروان رختگی راہ نیست،

عشق ہم راہ است و ہم خود منزل است؛

سلیمان ندوی

رمضان سنہ ۱۳۵۵ھ

دارالمصنفین



تصحیح غلط  
مع احاط  
سیرۃ ابی جلد ہفتم  
ایات قرآنی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲	۱۸	الَّذِي	الَّذِي	۴۲	۱۳	لَا هُدًى	هُدًى
۱۶	۱۵	مُسْتَحَرَّتْ	مُسْتَحَرَّتْ	۵	۱۴	وَاللَّهُ	وَاللَّهُ
۱۹	۴	كُلِّ	كُلِّ	۵	۱۶	رُسُلًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ	رُسُلًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ
۱۱	۵	رَأَيْكَ	رَأَيْكَ	۴۴	۳	الْمُصْطَفِينَ الْآخِيَارَ	الْمُصْطَفِينَ الْآخِيَارَ
۲۶	۹	عَلَيْهِمْ	عَلَيْهِمْ	۵	۴	إِنِّيَاءَ	إِنِّيَاءَ
۱۱	۱۵	مَقَرَّهُمْ	مَقَرَّهُمْ	۴۵	۱	تَسْوَأَ	تَسْوَأَ
۳۳	۱	هُرُونَ	هُرُونَ	۴۴	۱۸	وَاللَّهُ عَزِيزٌ	وَاللَّهُ عَزِيزٌ
۵	۸	أَنبَهُمْ	أَنبَهُمْ	۴۹	۱۲	فَنَحَّاهُ	فَنَحَّاهُ
۴۸	۱۰	يَكَلِّمُهُ	يَكَلِّمُهُ	۵	۱۵	فَنَحَّاهُ	فَنَحَّاهُ
۱۱	۱۸	فَيُوقِجِي	فَيُوقِجِي	۱۱	۱۶	يُضْرَكُ	يُضْرَكُ
۵۲	۵	أَتَعْمَلُوا	أَتَعْمَلُوا	۸۰	۹	(إسرائيل - ۱۱)	(إسرائيل - ۱۱)
۵	۶	أَنحَى	أَنحَى	۱۹	۱۹	إبراهيم - ۲۰	إبراهيم - ۲۰
۵۱۰	۹	أَنْبَاءَ	أَنْبَاءَ	۸۸	۸	بِأَنْزَالِكِ	بِأَنْزَالِكِ
۵۴	۳	"	"	۱۱	۱۱	يَحْنُ	يَحْنُ
۵۵	۱۳	عَلَيْبَ	عَلَيْبَ	۱۲	۱۲	يَمُنُّ	يَمُنُّ
۵۶	۲	أَلْتَنِي	أَلْتَنِي	۸۹	۱۹	إِلَهُكُمْ	إِلَهُكُمْ
۵	۵	(مریم - ۴)	(مریم - ۴)	۹۰	۱۵	تَاتِي	تَاتِي
۶۲	۱	وَنَمِائِوَنَ	وَنَمِائِوَنَ	۹۱	۱۰	مَلِكَا	مَلِكَا
۶۵	۱۳	فَأَنفَعُوا	فَأَنفَعُوا	۱۱۲	۱۹	عَمَّا	عَمَّا
۶۱	۱۰	فَبَشِّرْهُمْ	فَبَشِّرْهُمْ	۱۳۰	۱۰	إِلَهُ	إِلَهُ
۶۲	۴	يَقُولُ	يَقُولُ	۱۲۹	۱۱	أَخْلَقْتُمْ فِيهِ مِنْ	أَخْلَقْتُمْ فِيهِ مِنْ
۵	۱۲	بَسْمِطِ	بَسْمِطِ	۵	۵	فَعَلَمَهُ	فَعَلَمَهُ

صفحہ	سطر	لفظ	معنی	صفحہ	سطر	لفظ	معنی
۱۲۹	۱۵	اِنَّهُمْ كَانُوا	اِنَّهُمْ كَانُوا	۱۹۴	۳	اِنَّهُمْ كَانُوا	اِنَّهُمْ كَانُوا
۱۳۰	۸	اَلْعِلْمُونَ	اَلْعِلْمُونَ	۱۹۵	۱۴	اَلْعِلْمُونَ	اَلْعِلْمُونَ
۱۳۱	۱۸	بَيِّنَةٍ	بَيِّنَةٍ	۲۰۳	۲	بَيِّنَةٍ	بَيِّنَةٍ
۱۳۲	۵	اَقْرَأْهُ	اَقْرَأْهُ	۲۱۸	۱	اَقْرَأْهُ	اَقْرَأْهُ
۱۳۳	۳	اَللّٰهُ	اَللّٰهُ	۲۲۷	۸	اَللّٰهُ	اَللّٰهُ
۱۳۴	۴	قَوْلٍ	قَوْلٍ	۲۳۱	۱۴	قَوْلٍ	قَوْلٍ
۱۳۵	۸	قَبْلَ	قَبْلَ	۲۳۲	۲۳۲	قَبْلَ	قَبْلَ
۱۳۶	۵	اِنَّمَا	اِنَّمَا	۲۳۳	۱۰	اِنَّمَا	اِنَّمَا
۱۳۷	۱۸	اَلْبَلَّغُ	اَلْبَلَّغُ	۲۳۴	۱۸	اَلْبَلَّغُ	اَلْبَلَّغُ
۱۳۸	۱۹	شَيْءٍ مِّنْ	شَيْءٍ مِّنْ	۲۳۵	۹	شَيْءٍ مِّنْ	شَيْءٍ مِّنْ
۱۳۹	۱	الَّذِينَ	الَّذِينَ	۲۳۶	۱۳	الَّذِينَ	الَّذِينَ
۱۴۰	۵	اَلْبَلَّغُ	اَلْبَلَّغُ	۲۳۷	۱۲	اَلْبَلَّغُ	اَلْبَلَّغُ
۱۴۱	۱۱	فَاِنْ	فَاِنْ	۲۳۸	۱۸	فَاِنْ	فَاِنْ
۱۴۲	۴	اِنَّمَا	اِنَّمَا	۲۳۹	۱۹	اِنَّمَا	اِنَّمَا
۱۴۳	۱۴	اَلْمِيزَانِ	اَلْمِيزَانِ	۲۴۰	۱۰	اَلْمِيزَانِ	اَلْمِيزَانِ
۱۴۴	۴	لَيَقُوْا	لَيَقُوْا	۲۴۱	۲	لَيَقُوْا	لَيَقُوْا
۱۴۵	۲	لَعِبَادِنَا	لَعِبَادِنَا	۲۴۲	۱۵	لَعِبَادِنَا	لَعِبَادِنَا
۱۴۶	۱۰	اَلْمُرْسَلِينَ	اَلْمُرْسَلِينَ	۲۴۳	۳	اَلْمُرْسَلِينَ	اَلْمُرْسَلِينَ
۱۴۷	۱۴	لَهُمْ	لَهُمْ	۲۴۴	۱۱	لَهُمْ	لَهُمْ
۱۴۸	۱۰	اَسْأَلُكَ	اَسْأَلُكَ	۲۴۵	۴	اَسْأَلُكَ	اَسْأَلُكَ
۱۴۹	۱۰	يَكْفُرُوْنَ	يَكْفُرُوْنَ	۲۴۶	۱۰	يَكْفُرُوْنَ	يَكْفُرُوْنَ
۱۵۰	۱۱	حَقٍّ	حَقٍّ	۲۴۷	۱۹	حَقٍّ	حَقٍّ
۱۵۱	۱۹	عَنْ مَّقَابِلِهِ	عَنْ مَّقَابِلِهِ	۲۴۸	۲	عَنْ مَّقَابِلِهِ	عَنْ مَّقَابِلِهِ
۱۵۲	۲	لَيَسْتَرْوَا	لَيَسْتَرْوَا	۲۴۹	۱۴	لَيَسْتَرْوَا	لَيَسْتَرْوَا
۱۵۳	۱۲	اَلْفَسْكَمُ	اَلْفَسْكَمُ	۲۵۰	۱	اَلْفَسْكَمُ	اَلْفَسْكَمُ
۱۵۴	۱۲	اَلنَّاسِ	اَلنَّاسِ	۲۵۱	۱۱	اَلنَّاسِ	اَلنَّاسِ
۱۵۵	۱۲	رِثَاءُ	رِثَاءُ	۲۵۲	۱۵	رِثَاءُ	رِثَاءُ
۱۵۶	۱۲	لَيَسْتَرْوَا	لَيَسْتَرْوَا	۲۵۳	۳	لَيَسْتَرْوَا	لَيَسْتَرْوَا
۱۵۷	۱۸	وَلَا يَأْمُرُكُمْ	وَلَا يَأْمُرُكُمْ	۲۵۴	۱	وَلَا يَأْمُرُكُمْ	وَلَا يَأْمُرُكُمْ
۱۵۸	۵	شَهَادَتِهِمْ	شَهَادَتِهِمْ	۲۵۵	۱۴	شَهَادَتِهِمْ	شَهَادَتِهِمْ
۱۵۹	۴	(من خروف - ۲)	(من خروف - ۲)	۲۵۶	۲	(من خروف - ۲)	(من خروف - ۲)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۰۲	۸	خَزَائِنُ	خَزَائِنُ	۳۰۲	۸	خَزَائِنُ	خَزَائِنُ
۳۰۴	۶	لَقَدْ	لَقَدْ	۳۰۴	۶	لَقَدْ	لَقَدْ
۳۲۹	۲	رَبُّهُمْ	رَبُّهُمْ	۳۲۹	۲	رَبُّهُمْ	رَبُّهُمْ
۳۳۱	۱۳	وَلَكِنَّ مَا	وَلَكِنَّ مَا	۳۳۱	۱۳	وَلَكِنَّ مَا	وَلَكِنَّ مَا
۳۳۱	۱۲	يُعَذِّبُهُمْ	يُعَذِّبُهُمْ	۳۳۱	۱۲	يُعَذِّبُهُمْ	يُعَذِّبُهُمْ
۳۳۱	۱۸	اللَّهُ	اللَّهُ	۳۳۱	۱۸	اللَّهُ	اللَّهُ
۳۳۵	۷	تَأْتِي	تَأْتِي	۳۳۵	۷	تَأْتِي	تَأْتِي
۳۳۶	۱	ذِكْرِي لَيَقْفَمِ	ذِكْرِي لَيَقْفَمِ	۳۳۶	۱	ذِكْرِي لَيَقْفَمِ	ذِكْرِي لَيَقْفَمِ
۳۳۶	۱۶	بُنْتُ	بُنْتُ	۳۳۶	۱۶	بُنْتُ	بُنْتُ
۳۳۹	۱	(العام-۴)	(العام-۵)	۳۳۹	۱	(العام-۴)	(العام-۵)
۳۳۹	۲	اللَّهُ	اللَّهُ	۳۳۹	۲	اللَّهُ	اللَّهُ
۳۴۰	۱۶	لَيَمْنِ	لَيَمْنِ	۳۴۰	۱۶	لَيَمْنِ	لَيَمْنِ
۳۴۵	۱	(رئیس-۱)	(رئیس-۲)	۳۴۵	۱	(رئیس-۱)	(رئیس-۲)
۳۴۶	۱۷	(نجم-۱۳)	(نجم-۲)	۳۴۶	۱۷	(نجم-۱۳)	(نجم-۲)
۳۴۶	۱۸	شَفَعَاءُ	شَفَعَاءُ	۳۴۶	۱۸	شَفَعَاءُ	شَفَعَاءُ
۳۵۰	۱۸	وَمَا	وَمَا	۳۵۰	۱۸	وَمَا	وَمَا
۳۵۰	۱۷	عَظِيمٍ	عَظِيمٍ	۳۵۰	۱۷	عَظِيمٍ	عَظِيمٍ
۳۵۴	۱۵	خُجِرَ	خُجِرَ	۳۵۴	۱۵	خُجِرَ	خُجِرَ
۳۵۸	۱۹	ذَلِكَ	ذَلِكَ	۳۵۸	۱۹	ذَلِكَ	ذَلِكَ
۳۵۹	۱۹	لِلْعَالَمِينَ	لِلْعَالَمِينَ	۳۵۹	۱۹	لِلْعَالَمِينَ	لِلْعَالَمِينَ
۳۵۸	۷	وَالْأَرْضِ	وَالْأَرْضِ	۳۵۸	۷	وَالْأَرْضِ	وَالْأَرْضِ
۳۶۱	۱۲	(نجم-۲)	(نجم-۳)	۳۶۱	۱۲	(نجم-۲)	(نجم-۳)
۳۶۵	۱۳	(العام-۱-۸)	(العام-۹)	۳۶۵	۱۳	(العام-۱-۸)	(العام-۹)
۳۸۸	۱۳	اللَّهُ	اللَّهُ	۳۸۸	۱۳	اللَّهُ	اللَّهُ
۳۸۸	۷	دَعُوا	دَعُوا	۳۸۸	۷	دَعُوا	دَعُوا
۳۸۹	۱۸	ذُرِّ	ذُرِّ	۳۸۹	۱۸	ذُرِّ	ذُرِّ
۳۸۹	۱۹	الْأَرْضِ	الْأَرْضِ	۳۸۹	۱۹	الْأَرْضِ	الْأَرْضِ
۳۹۷	۵	دَعُوا	دَعُوا	۳۹۷	۵	دَعُوا	دَعُوا
۴۰۰	۱۱	الْيَمِّ	الْيَمِّ	۴۰۰	۱۱	الْيَمِّ	الْيَمِّ
۴۱۴	۳	(رئیس-۲)	(رئیس-۱)	۴۱۴	۳	(رئیس-۲)	(رئیس-۱)
۴۱۵	۵	رَحْمَتِي	رَحْمَتِي	۴۱۵	۵	رَحْمَتِي	رَحْمَتِي
۴۲۲	۱۱	مِنْهُمْ	مِنْهُمْ	۴۲۲	۱۱	مِنْهُمْ	مِنْهُمْ
۴۲۷	۱۹	وَالَّذِينَ	وَالَّذِينَ	۴۲۷	۱۹	وَالَّذِينَ	وَالَّذِينَ
۴۲۸	۲	(آل عمران-۹۰)	(آل عمران-۹۰)	۴۲۸	۲	(آل عمران-۹۰)	(آل عمران-۹۰)
۴۲۸	۱۸	(اعلیٰ-۲)	(اعلیٰ-۱)	۴۲۸	۱۸	(اعلیٰ-۲)	(اعلیٰ-۱)
۴۲۸	۱۸	(آل عمران-۹۰)	(آل عمران-۹۰)	۴۲۸	۱۸	(آل عمران-۹۰)	(آل عمران-۹۰)
۴۲۸	۱۸	(اعلیٰ-۱)	(اعلیٰ-۱)	۴۲۸	۱۸	(اعلیٰ-۱)	(اعلیٰ-۱)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۵۱۰۳	فَبِهَذَا لَهُمْ	فَبِهَذَا لَهُمْ	۴	۵۱۰۳	فَبِهَذَا لَهُمْ	فَبِهَذَا لَهُمْ
۶	۵۱۰۹	الْيَوْمَ	الْيَوْمَ	۶	۵۱۰۹	الْيَوْمَ	الْيَوْمَ
۱۰	۵۱۱۵	وَيُنَبِّئُ	وَيُنَبِّئُ	۱۰	۵۱۱۵	وَيُنَبِّئُ	وَيُنَبِّئُ
۱۲	۵۱۲۱	(نحل-۱۲)	(نحل-۱۲)	۱۲	۵۱۲۱	(نحل-۱۲)	(نحل-۱۲)
۱۴	۵۱۲۷	اَلْثَّانِيْنَ	اَلْثَّانِيْنَ	۱۴	۵۱۲۷	اَلْثَّانِيْنَ	اَلْثَّانِيْنَ
۱۶	۵۱۳۳	(نمر-۳)	(نمر-۳)	۱۶	۵۱۳۳	(نمر-۳)	(نمر-۳)
۱۸	۵۱۳۹	تَنْبَرًا	تَنْبَرًا	۱۸	۵۱۳۹	تَنْبَرًا	تَنْبَرًا
۲۰	۵۱۴۵	اللّٰهَ	اللّٰهَ	۲۰	۵۱۴۵	اللّٰهَ	اللّٰهَ
۲۲	۵۱۵۱	(سجد-۲)	(سجد-۲)	۲۲	۵۱۵۱	(سجد-۲)	(سجد-۲)
۲۴	۵۱۵۷	"	"	۲۴	۵۱۵۷	"	"
۲۶	۵۱۶۳	وَيَقِيْمَ	وَيَقِيْمَ	۲۶	۵۱۶۳	وَيَقِيْمَ	وَيَقِيْمَ
۲۸	۵۱۶۹	"	"	۲۸	۵۱۶۹	"	"
۳۰	۵۱۷۵	(مومن-۱)	(مومن-۱)	۳۰	۵۱۷۵	(مومن-۱)	(مومن-۱)
۳۲	۵۱۸۱	لَيَقِيْمَ	لَيَقِيْمَ	۳۲	۵۱۸۱	لَيَقِيْمَ	لَيَقِيْمَ
۳۴	۵۱۸۷	وَلَيَقِيْمَ	وَلَيَقِيْمَ	۳۴	۵۱۸۷	وَلَيَقِيْمَ	وَلَيَقِيْمَ

## اِسْلَامِ

پانچون	۱۴	۴۵	ہم نے	۱۴	۴۵	ہم نے
کرتے چلے گئے ہیں	۱	۴۶	اُن کے لیے	۱۵	۴۶	اُن کے لیے
اپنی جلدی	۲	"	میں سے جس	۲۱	۴۶	میں سے جس
اُن کے	۱۹	۵۶	حکومت زیادہ قائم	۱۱	"	حکومت قائم
ہوتی ہے	۴	۵۸	اس کی	۱۲	۲۲	اُن کی
اُن کو	۱۰	۶۰	کی	"	۲۸	کی بڑی
اُن کے	۵	۶۲	کے	۱	۳۱	کو کے
دانا	۱۸	۶۴	بچنے	۱۹	۳۲	بچنا
اس کا	۱۲	۶۸	میں سے ہے	۲	۳۲	میں سے
اللہ	۱۲	۸۲	وجود	۱۴	۳۳	وجود
گرسے	۱۵	"	چوتھا	۲	۳۵	تیسرا
بچنے	۱۲	۸۵	پانچواں	۵	"	چوتھا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۷	۸	کو	سے	۱۵۹	۹	تفصیل	تفصیل
"	۱۲	کو	کی	"	۱۸	رہنماید	رہنماید
۹۰	۱۱	میرے	ہمارے	۱۶۲	۱۰	جیتیت	جیتیت
۹۲	۱۳	ضروری	ضروری	۱۶۷	۱۴	میںکرمیں	میںکرمیں
۹۶	۸	چاراجہادی	پانچاجہادی	"	۱۵	تیارہینیںکی	تیارہینیںکی
۹۸	۹	غالبکو	غالبہیں	۱۷۰	۱۱	تعیین	تعیین
۱۰۳	۱۶	ہیںاور	ہےاور	۱۷۶	۸	چودہ	چودہ
۱۰۶	۷	رکھتاہے	رکھتیہے	۱۸۰	۱۰	لگےرہے	لگےرہے
۱۰۸	۳	اُسکے	اُنکے	"	۱۹	اسےاسرائیل	اسےاسرائیل
۱۳۲	۴	شرحکرنا	شرحکردی	۱۸۱	۱	موجودہہو	موجودہہو
"	۱۱	کے	کا	۱۸۵	۱۹	وقتہمک	وقتہمک
۱۳۳	۴	بہراگیا	بہریگئی	۱۸۹	۱	تھی	تھی
۱۴۱	۱	لوگوںکو	لوگوںکا	۱۹۲	۱۶	خداکیکا	خداکیکا
۱۴۳	۸	علیم	علیمالسلام	۱۹۳	۲	کانایا	کانایا
۱۴۵	۳	نبوت	انبیاء	"	۸	کیاہےدہ	کیاہےدہ
۱۴۶	۱	اُن	اُس	۱۹۶	۱۸	ایکسا	ایکسا
۱۴۷	۳	انداز	انداز	۲۲۰	۱۰	جاہل	جاہل
"	۴	"	"	۲۲۲	۲	قاسقے	قاسقے
۱۴۸	۱۹	کججواب	کشتیججواب	۲۲۶	۱۶	قسمکے	قسمکے
۱۴۹	۳	رسولکو	رسولکےپے	۲۲۷	۱۴	قالکے	قالکے
"	۱۴	یہمنشأ	انکایہمنشأ	۲۲۸	۷	انکے	انکے
۱۵۳	۸	اُسکو	اُنکو	۲۶۳	۵	کھوکھلاپن	کھوکھلاپن
"	۱۵	شروع	شروع	۲۷۲	۱۳	پہنچاے	پہنچاے
"	"	دیا	دیاتھا	۲۷۳	۶	کےبدوی	کےبدوی
۱۵۴	۲	اُنکو	اُسکو	۳۰۷	۶	اورمحمدؐ	اورمحمدؐ
"	۱۷	اُنکا	اُسکا	۳۲۶	۸	مقصود	مقصود
۱۵۵	۸	کوپیشوا	کواپساپیشوا	"	"	درپر	درپر
"	۱۲	انسانہیں	انسانجب	۳۵۰	۱۵	ظالموں	ظالموں
۱۵۶	۹	برابرکا	برابری	۳۶۶	۱۸	اسہیں	اسہیں
"	۱۲	اسی میزان	میزانشرعیہ	۴۱۱	۱۰	قرار	قرار
۱۵۷	۲	اورایک	اور	۴۲۸	۲۲۸	اختلافکے	اختلافکے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۲۲	۱۸	اس نے	انھوں نے	۴۶۵	۹	اور نہ کسی	اور نہ کسی
۴۲۳	۸	ادا ہوے	ادا ہوا	۴۸۲	۴	اسی بنا پر	اسی بنا پر
۴۲۶	۵	وغیر	وغیرہ	۴۸۳	۱	جھٹلایا	جھٹلایا
۴۳۰	۱	پوری	پورا	۵۰۳	۷	اپنے	اپنے
۴۳۳	۱۱	فرشتوں کو	فرشتوں کو اپنے کلم سے	۵۱۷	۱۹	آل فرعون کے ذکر میں ہر	آل فرعون کے ذکر میں ہر
۴۳۴	۸	اور ان پر	اور ان پر	۵۲۲	۹	ان مٹی	ان مٹی
۴۴۷	۱۹	جو کچھ ہے	جو کوئی ہے	۵۲۷	۱۵	گر کر گئے	گر کر گئے
۴۴۸	۹	بجلی	اور بجلی	۵۳۸	۱۱	ہیں	ہیں
۴۵۱	۷	آسمان	ساقون آسمان	۵۷۲	۴	کے ناپ	کے ناپ
۴۵۵	۱۳	اور ہم	اور ہم نے	۵	۱۲	جس کے تول بھائی ہوئے	جس کے تول بھائی ہوئے
۴۵۶	۵	ہوتا ہے	ہوتا تھا	۵	۱۳	جس کے تول ہلکے ہوئے	جس کے تول ہلکے ہوئے
۴۶۱	۹	اور علانیہ	اور قرآن نے علانیہ	۵۹۷	۱۶	آبادیوں کو ہلاک	آبادیوں کو ہلاک
۴۶۲	۱۰	کام کیا	کام نہیں کیا	۶۲۴	۱۸	چھینکین گی	چھینکے گی
۴۶۳	۴	مطابق ہیں	مطابق ہے	۶۳۷	۱۳	وہ اس کو ایک	وہ ان کو ایک
۴۶۴	۱۱	ایک	ایک کو	۶۵۱	۱۲	احس	جس
۴۶۶	۱۹	اور جو	اور	۶۵۷	۱۵	اور پینے	پینے
۴۶۷	۷	اور کچھ	اور جو کچھ	۷	۱۶	ہر روحانی	اور تمام روحانی







۵۲. ۱۹۵۵ DUE DATE ۵۲.

29 FEB 75	603.04.91.	
29 FEB 75	602.12.91.	
29 JAN 75	603.10.92	
29 JAN 75	603.10.92	



